پاک وہند کے پچاس علماء دیوبند کے

حالات وخدمات کا جامع تذکرہ

پچاس جلیل القدر علماء

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

تعارف

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

المیزان

پاک و ہند کے پچاس علماء دیوبند
کے حالات و خدمات کا جامع تذکرہ

پچاس جلیل القدر علماء

تمتبدہ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

تعارف
شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور پاکستان فون: ۰۴۲-۷۱۲۲۹۸۱، ۷۲۱۲۷۶۲

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلہ مطبوعات- ۱۸۴

سن اشاعت ۲۰۰۶ء
محمد شاہد عادل نے
حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اُردو بازار لاہور سے شائع کی-

فہرست

☆☆☆

تقریظ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدظلہ

زیرنظر تالیف ''پچاس جلیل القدر علماء'' ہمارے محبوب ومحب عظیم مصنف سید محمد اکبر شاہ بخاری مدظلہ کی نئی کتاب ہے۔اس کتاب میں علماء حق کی سیرت وکردار اور اخلاق و معاملات کا مقدس تذکرہ بڑے دلکش اور حسین انداز میں مختصر مگر جامع طور پر پیش کیا گیا ہے' اس کتاب میں تمام علماء ومشائخ عظام آسمان علم وہدایت کے درخشاں ماہ ونجوم کا درجہ رکھتے تھے جن کی ضیا پاشیوں سے تمام ممالک اسلامیہ کے علمی ودینی حلقے منور اور روشن ہیں۔حق تعالیٰ شانہ' اس کتاب کے مصنف سید اکبر شاہ کے علم وقلم میں مزید برکت عطا فرمائیں اوران کی خدمات کو قبول ومنظور فرمائیں آمین۔

عبدالرحمٰن

☆☆☆

تقریظ

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ہمارے محترم دوست جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کو اللہ تعالیٰ نے علمائے کرام سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق عطا فرمایا ہے۔ ان کو حضرات علماء کے سوانح و حالات و خدمات جمع کرنے کا خاص ذوق ہے اور اس موضوع پر ان کی متعدد تصانیف سامنے آ چکی ہیں اور ملک کے تقریباً ہر رسالے اور جریدے میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ علمی و دینی حلقوں میں ان کا نام یقیناً محتاج تعارف نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب ''جلیل القدر علماء'' میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند سے لے کر موجودہ دور تک کے جید علماء کرام کا تذکرہ اختصار مگر جامعیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ جمع فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے ان علمائے کرام کے حالات و خدمات کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آ جاتا ہے۔

حافظ صاحب موصوف نے یہ کتاب مرتب کر کے بڑی مفید خدمت انجام دی ہے۔ امید ہے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی قدر دانی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اسے مقبول عام فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

پیش لفظ

مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند پوری دنیائے اسلام کی ایک عظیم دینی یونیورسٹی ہے' اس کی بنیاد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رکھی' دارالعلوم کے قیام کے بعد سے آج تک لاکھوں تشنگان علوم اس عظیم یونیورسٹی سے سیراب ہو چکے ہیں' دنیا کے ہر ہر ملک اور خطے میں دارالعلوم دیوبند کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں' خصوصاً ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں تو تقریباً ہر شہر اور قصبے میں فضلائے دارالعلوم دیوبند نے مدارس قائم کیے ہوئے ہیں اور لاکھوں طالبان علم فیضیاب ہو رہے ہیں۔ پاکستان ہی کو تبیں کہ یہاں دارالعلوم دیوبند کی طرز پر بڑے بڑے دینی مدارس عظیم یونیورسٹیوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں جیسے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم کراچی' حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کا جامعہ اشرفیہ لاہور' حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا جامعہ خیر المدارس ملتان' علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کا جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی' اسی طرح دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' جامعہ فاروقیہ کراچی' دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار' جامعہ احتشامیہ کراچی' جامعہ مدنیہ لاہور' جامعہ امدادیہ فیصل آباد' جامعہ حقانیہ سرگودھا' دارالعلوم کبیر والا' فیصل آباد' پشاور اور ملک بھر میں ایسے ہی عظیم دینی مدارس' دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے قائم کردہ ہیں' غرض کہ دارالعلوم دیوبند کا علمی و روحانی فیض ملکوں ملکوں پھیلا ہوا ہے اور جہاں کہیں بھی فاضل دارالعلوم مقیم ہے وہاں تعلیم و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کا کام احسن طریق پر چلایا جا رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے ہزاروں علماء محدثین' مفسرین' محققین' مورخین' مدبرین متکلمین اور منتظمین پیدا کئے ہیں جن کے ذریعے آج عالم اسلام میں علم و عمل کی شمعیں روشن ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابرین و قائدین نے ہزاروں ایسے علماء و فضلاء کی کھیپ تیار کی جن کے علم و تقویٰ اور خلوص و للہیت کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے' ایسے جلیل القدر علماء و اولیائے ربانی دارالعلوم دیوبند سے نکلے جن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

درالعلوم دیوبند کے اکابرین علماء ومشائخ کے پاکیزہ حالات وواقعات ہمارے لئے زندگی میں رہنمائی کا باعث بنتے ہیں اور ایسے علماء واولیاء کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور عقیدہ میں پختگی آتی ہے۔ اس پرفتن دور میں علماء واولیاء کی صحبت کی اشد ضرورت ہے اور ان سے تعلق قائم کرنا از حد ضروری ہے۔ آج اولیاء اللہ اور علماء ومشائخ بڑی تیزی سے دنیائے فانی سے رخصت ہو رہے ہیں اور ان کی عظیم مسندیں خالی اور ویران نظر آ رہی ہیں۔ ہمارے عزیز محترم محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ نے اکابر علماء ومشائخ دیوبند کے حالات وواقعات کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

اکابر علماء اور اولیاء کے ملفوظات اور ارشادات خطبات ومقالات اور حالات وواقعات بھی بزرگوں کی صحبت اور تعلق کے قائم مقام ہوتے ہیں، عزیز موصوف نے بزرگوں اور علماء ومشائخ دیوبند کی سیرت وسوانح نگاری کے میدان میں جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، عزیز سلمہ کی تین درجن سے زائد تالیفات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ اور اہل علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ سید قاری محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کی زیر نظر کتاب پچاس جلیل القدر علماء بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں سید صاحب نے اکابر علماء ومشائخ کے حالات، سیرت وسوانح اور اخلاق وعادات اور اوصاف وخدمات کا مختصر اور جامع انداز میں دلکش ودلنشین تذکرہ مرتب کیا ہے، جو اہل علم اور عقیدت مندوں کے لئے اپنے اکابر واسلاف کی جدائی کے بعد راحت وتسکین کا سامان بھی ہے اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا ذریعہ بھی ہے۔ زیر نظر کتاب ''پچاس جلیل القدر علماء'' ایک عظیم مستند تاریخ ہے جس میں اکابر علماء ومشائخ کا حسین انداز میں تذکرہ وتعارف پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بھی مقبول وعام فرمائے اور اسے عوام وخواص کے لئے نافع ومفید فرمائے۔ آمین۔ محمد عبدالحیٔ عفی عنہ۔

مولانا محمد عبدالحیٔ مدظلہ

فاضل دیوبند

دارالعلوم دیو بند
ایک مثالی دینی درس گاہ

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

دارالعلوم دیو بند برصغیر میں مسلمانوں کی ایسی درس گاہ ہے' جو فرنگی اقتدار کے بڑھتے ہوئے طوفانوں کا مقابلہ کر کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی' یہ دین وتقویٰ اور علم وعرفان کی ایسی جلوہ گاہ ہے۔ جس نے مسلمانوں کے دلوں کو جگایا اور ایسے فرزندان توحید پیدا کیے جو آسمان دین ودانش کے ماہ وانجم بن کر آج بھی قلوب انسانی پر ضوفشاں ہیں۔

حمد وستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

گزشتہ صدی پورے عالم اسلام کے لئے عموماً اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے خصوصاً انقلابی واقعات کی صدی تھی' اور اس میں کفر کی طاغوتی طاقتوں نے مسلمانوں پر بیک وقت جو منظم سیاسی اور نظریاتی حملے کیے وہ بالکل منفرد نوعیت کے حامل تھے۔ پہلے انگریز نے عسکری طاقت استعمال کر کے اور ظلم وستم اور مکر وفریب کے نت نئے طریقے آزما کر ہندوستان پر اپنا سیاسی تسلط قائم کیا اور اس کے بعد یہاں کے باشندوں کا ذہن بدلنے اور نظریاتی طور پر مغرب کی بالادستی کا سکہ جمانے کے لئے ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس سے پوری ہندوستانی قوم انگریز کے سامنے ہمہ تن مرعوب کلرکوں کی ایک جماعت بن کر رہ جائے' انگریزوں کی اسی پالیسی کو اکبرالہ آبادی مرحوم نے اپنے اس بلیغ شعر میں واضح کیا ہے۔

توپ کھسکی' پروفیسر پہنچے جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے

ان نازک اور سنگین حالات میں اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جو انگریز کی ان شاطرانہ چالوں اور اس کے منصوبوں کو سمجھ رہے تھے' اور اپنی وسعت کی حد تک انگریز کے سامراجی عزائم کے آگے بند باندھنے میں مصروف تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ' قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ' حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حافظ ضامنؒ ایسے خدامست مجاہدین میں سے ہیں' جنہوں نے ابتداء زمانہ ہی سے انگریز کے خلاف اپنے تن' من' دھن کی بازی لگائی' اور اپنے محدود وسائل کے باوجود اس وقت تک تلوار ہاتھ سے نہیں رکھی جب تک سرفروشی و جاں سپاری کے ذریعے اس یلغار کو روکنے کا کوئی ادنیٰ امکان باقی رہا' لیکن جن انہوں نے دیکھا کہ انگریز مکروفن کی آڑ لے کر اپنے اقتدار کا شکنجہ پوری طرح کس چکا ہے اور اب کچھ عرصے تک اس شکنجے کو ڈھیلا کرنا ممکن نہیں تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ مسلمانوں کے دین و ایمان کو سلامت رکھنے اور اسلامی علوم کی حفاظت کرنے پر صرف کر دی' اور وہی لوگ جنہوں نے شاملی' کیرانہ اور تھانہ بھون کے میدانوں میں سرفروشی کے جوہر دکھائے تھے' ایک گوشے میں قرآن وسنت کے علوم کو سینے سے لگا کر بیٹھ گئے اور اسی کی تعلیم و تربیت کے لئے دیوبند کے چھوٹے سے قصبے میں وہ عظیم الشان دارالعلوم قائم کیا جو پچھلی صدی میں مسلمانوں کے دین و ایمان اور اسلامی علوم کا ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا اور جس کے بکھیرے ہوئے انوار سے آج روئے زمین کا ہر گوشہ منور ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا آغاز اللہ کے کچھ بندوں نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں کیا تھا' نہ کوئی باقاعدہ عمارت تھی' نہ کوئی مستقل فنڈ تھا' نہ ملازمین تھے' بس ایک استاد اور ایک شاگرد انار کے ایک درخت کے نیچے خاموشی سے بیٹھ گئے تھے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سادہ ترین درسگاہ کی بنیاد ڈالتے وقت اخلاص' للّٰہیت اور جذب دروں کی متاع استعمال ہوئی تھی کہ یہ بے سروسامان مدرسہ نہ صرف عالم اسلام کا ایک منفرد دینی مرکز بن گیا بلکہ یہاں کے بوریہ نشینوں نے ملکی سیاست سے لے کر علم وقلم تک ہر محاذ پر کفر واستعمار کے دانت کھٹے کیے' اور یہ انہی بوریہ نشینوں کا فیض تھا کہ دو سو سال تک مغربی استعمار کی چکی میں پسنے کے بعد بھی مسلمان بحیثیت مجموعی اپنے دین اور ایمان کی متاع کو صحیح سالم رکھنے میں کامیاب رہے۔

انگریز نے برسر اقتدار آنے کے بعد معاش کے تمام دروازے ان لوگوں پر بند کر دیئے تھے۔ جو قرآن وسنت کے علوم کو اپنا خصوصی موضوع بنا کر ان کی تعلیم و تحقیق میں مشغول رہنا چاہتے تھے' مقصد یہ تھا کہ رفتہ رفتہ یہ علوم قصہ پارینہ بن کر رہ جائیں' کچھ عرصے بعد ان کی کتابوں کو جاننے سمجھنے والا باقی نہ رہے' اور پھر مسلمانوں کے قلب و ذہن پر مغربی افکار کا سکہ بٹھانے میں کوئی ''دقیانوسی عالم'' رکاوٹ ثابت نہ ہو' لیکن دارالعلوم دیو بند کے مقدس اساتذہ و طلباء نے اس چیلنج کو آگے بڑھ کر قبول کیا' انہوں نے دنیوی جاہ منصب اور مال و دولت سے منہ موڑ کر تنگ دستی اور فاقہ کشی کو گوارا کیا' اور روکھی سوکھی کھا کر' موٹا جھوٹا پہن کر' کونوں کھدروں میں رہ کر قال الله و قال الرسول کی صداؤں کو بلند رکھا' اور علم دین کی شدید کساد بازاری میں بھی اسے سینے سے لگائے بیٹھے رہے۔

مغربی استعمار اور بھی کئی اسلامی ملکوں میں مسلط ہوا' لیکن جن ملکوں میں یہ پیکر ایثار مدارس موجود نہیں تھے' وہاں اسے پوری طرح کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی جگہوں پر یہ عالم ہو گیا کہ ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسا شخص دستیاب نہیں ہوتا جو غلافوں میں لپٹے ہوئے قرآن حکیم کو سمجھ کر اس کے معنی بتلا سکے' نہ جانے کتنے خطے ایسے ہیں جہاں تفسیر' حدیث یا فقہ نام کی کسی کتاب کا کوئی گزر نہیں' اور ایسے خطے تو بے شمار ہیں جہاں اسلامی علوم نظریاتی طور پر خواہ کتنے پڑھے پڑھائے جاتے ہوں لیکن ان کی حیثیت ایک تاریخی دلچسپی سے زائد کچھ نہیں' ''سنت'' اور ''اتباع سنت'' کے الفاظ صرف کتابوں کی زینت ہیں اور عملی زندگی میں اس کا کوئی نمونہ دیکھنے کو نگاہیں ترستی ہیں' لیکن برصغیر پاک و ہند پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ انحطاط و زوال کے اس آخری دور میں بھی یہاں نہ صرف اسلامی علوم کی شمع روشن رہی' بلکہ یہ خطہ ایسی دلکش شخصیتوں سے بھی مالا مال رہا جن کی زندگی ان علوم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی' جن حضرات کو برصغیر سے باہر کبھی دوسرے اسلامی ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے' ان میں سے شاید کوئی شخص بھی اس تاثر کے بغیر نہ لوٹا ہو کہ دین کی عظمت و محبت' شعائر اسلام کے احترام' اتباع سنت کے شوق اور دین کے لئے ایثار و قربانی کے جذبے میں برصغیر کے مسلمان سب سے آگے ہیں' اور اس صورت حال کا ظاہری سبب ان بوریہ نشین علماء کے سوا کوئی نہیں' جن کا سب سے بڑا

مرکز دارالعلوم دیو بند تھا۔

علم و تحقیق کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی دینی درسگاہیں دنیا میں اور بھی بہت سی ہیں لیکن دارالعلوم دیو بند کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ محض ایک درسگاہ نہیں تھی جہاں اسلامی علوم کو صرف نظریاتی طور پر پڑھایا جاتا ہو' بلکہ ساتھ ساتھ وہ ایک تربیت گاہ بھی تھی جہاں علم کے ظاہری خول سے زیادہ کردار و عمل کی روح پیدا کرنے پر زور دیا جاتا تھا' چنانچہ یہاں کے فیض یافتگان نے اگر ایک طرف علم و تحقیق کے میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے تو دوسری طرف جہد و عمل' سیرت و کردار' عبادت و زہد اور للّٰہیت و تقویٰ کی ایسی دلکش مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر ماضی قریب میں ملنی مشکل ہے۔

دارالعلوم دیو بند کے آغوش میں جو دل آویز شخصیتیں تیار ہوئیں اور انہوں نے زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں جیسی گراں قدر خدمات انجام دیں ان کی مثال گزشتہ صدی میں کسی ایک ادارے کی تاریخ میں نہیں ملتی' اس ادارے کے قرن اول کی ایک ایک شخصیت اپنے علم و فضل' تقوی و طہارت اور اپنی گوناگوں خدمات کے لحاظ سے بڑے بڑے اداروں پر بھاری ہے اور خدمت دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ان بزرگوں نے اپنی جدوجہد کے انمٹ نقوش نہ چھوڑے ہوں۔

علماء دیو بند کی علمی و عملی خدمات ایک ایسا موضوع ہے جو ضخیم جلدوں کی وسعت چاہتا ہے اور جسے ایک مختصر مضمون میں سمیٹنا مشکل ہے' تصنیف و تالیف کے میدان میں دیکھیے تو علماء دیو بند کی تصانیف اس عہد کا بہترین علمی سرمایہ ہیں۔ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر میں حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ و حواشی' **بیان القرآن' فوائد عثمانی' احکام القرآن** اور **معارف القرآن** وہ کتابیں ہیں جن سے تفسیر کا کوئی طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں **فتح الملہم' فیض الباری' معارف السنن' اعلاء السنن' العرف الشذی' ترجمان السنۃ** اور **معارف الحدیث** جیسے کارنامے اسی درسگاہ کے خوشہ چینوں کے ہاتھوں انجام پائے جو اس عہد کی وہ عظیم علمی تصانیف ہیں جن سے انشاء اللہ رہتی دنیا تک علم دین کے طلباء و محققین کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔ فقہ میں فتاوی رشیدیہ' امداد الفتاوی' فتاوی دارالعلوم دیو بند' امداد الاحکام' کفایت المفتی'

بہشتی زیور' اور جواہر الفقہ جیسی تصانیف کو اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو اسلامی فقہ موجودہ زندگی سے بالکل کٹ کر رہ جائے۔ تصوف میں اگر حکیم الامت حضرت تھانوی کی التکشّف' تربیت السالك' تعلیم الدین اوران کے مواعظ وملفوظات نہ ہوں تو آج کے انسان کے لئے تصوف ایک ایسا گورکھ دھندا بن کر رہ جائے جس کا حل ہونا ممکن نہ ہو' عقائد و کلام میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی حجۃ الاسلام' تقریر دل پذیر' حضرت تھانویؒ کی الانتباہات المفیدہ' اشرف الجواب' سائنس اور اسلام اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی علم الکلام اور عقائد اسلام سے قطع نظر کر لی جائے تو موجودہ دور کی نظریاتی گمراہیوں کو سمجھنا مشکل ہو جائے۔ یہ تو چند ان کتابوں کا صرف بطور مثال ذکر تھا جو مستقل' پائیدار اور سدا بہار افادیت کی حامل ہیں' ان کے علاوہ گزشتہ صدی میں مسلمانوں کی دینی ضرورت کا جو مسئلہ بھی سامنے آیا' اس پر دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے جو قیمتی کتابیں لکھی ہیں ان سے ایک پورا کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔

گزشتہ صدی مسلمانوں کے لئے نت نئے نظریاتی فتنوں کی صدی تھی اور وقت کا کوئی فتنہ ایسا نہیں ہے جس کا علماء دیوبند نے دلائل کے ساتھ تعاقب نہ کیا ہو' وہ عیسائیت ہو یا اشتراکیت' آریہ سماجی تحریک ہو یا دہریت اور نیچریت' قادیانیت' ہو یا انکار حدیث' اسمٰعیلی مذہب ہو یا ذکری مذہب' غرض عہد حاضر میں کفر ونفاق کا کوئی روپ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ان بندوں سے مخفی رہ گیا ہو اور جس کی علمی تردید میں ان حضرات کی کتابیں بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار نہ کر گئی ہوں' مسلمانوں کے باہمی اختلافات میں بھی' رفض وتشیع سے لے کر بدعات ورسوم اور تقلید و اجتہاد تک کوئی قابل ذکر مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر علماء دیوبند نے اہل سنت والجماعت کے ٹھیٹھ عقیدہ ومسلک کی نمائندگی کا حق ادا نہ کیا ہو۔ اس موضوع پر جو کتابیں ان حضرات نے لکھی ہیں وہ متعلقہ مسائل پر تو سیر حاصل ہیں ہی' لیکن ان میں شریعت کے اصول استدلال اور دین کے صحیح مزاج سے متعلق ایسے اصولی مسائل بھی زیر بحث آ کر منقح ہو گئے ہیں جو بسا اوقات مستقل کتابوں میں نہیں ملتے۔

علم وفضل کا اعلیٰ مقام حاصل کرنے اور اس میدان میں یادگار خدمات چھوڑنے کے باوجود

علماء دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ کسی گھمنڈ اور پندار میں مبتلا نہیں ہوئے' بلکہ جو شخص علم کے جتنے بلند مقام پر پہنچا' اسی نسبت سے اس کی تواضع اور خشیت بڑھتی چلی گئی' ان کی سادہ زندگی ان کی منکسر مزاجی اور ان کی فنائیت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں علم وفضل کا ایسا بلند مقام حاصل ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد اگر چہ اسلامی علوم کا تحفظ' دین کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت تھا' اور اس کا اصل مزاج و مذاق عہد حاضر کے سیاسی مزاج سے کوسوں دور تھا' لیکن اس ادارے کے فیض یافتگان گوشہ نشینی کے باوجود امت مسلمہ کے اجتماعی فلاح کے مسائل سے کبھی غافل نہیں رہے اور جب کبھی ملت اسلامیہ کو کسی عملی جدو جہد اور اس راہ میں ایثار و قربانی کی ضرورت پیش آئی' یہ بوریہ نشین حضرات اس کے لئے سب سے پہلے آگے بڑھے' اور جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ آج آزادی ہند کا سہرا اپنے سر بندھوانے کے لئے نہ جانے کتنی گردنیں آگے بڑھی ہوئی ہیں' لیکن انگریزی سامراج کے عین نصف النہار میں جب کہ آزادی کا نام لینا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا' اس مقصد کے لئے اپنی گردنوں کا نذرانہ انہی بوریہ نشینوں نے پیش کیا تھا' جنہیں آج آزادی کا کریڈٹ تقسیم کرتے وقت دنیا اس لئے بھول گئی ہے کہ انہوں نے دنیا میں اپنی کسی خدمت کا کریڈٹ لینے کی کبھی خواہش نہیں کی۔ آزادی کے بعد اپنی خدمت کے تمغے وصول کرنے والے آج بے شمار ہیں' لیکن آزادی سے پہلے انگریز کی جیلوں کو آباد کرنے والے یہ خاموش درویش ہی تھے جو اب آزادی کا صلہ پانے والے کسی شخص کو یاد نہیں آتے' آزادی کا قصر عالی شان تعمیر ہونے کے بعد اس سے لطف اندوز ہونے والے آج ان گنت ہیں' لیکن یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جن خاموش رضا کاروں نے اس قصر کی بنیاد کو اپنے خون اور پسینے سے سیراب کیا' ان کی ایک بڑی تعداد اسی دارالعلوم دیوبند کی فیض یافتہ تھی' حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی تو بلاشرکت غیرے دارالعلوم دیوبند ہی کے حضرات نے چلائی تھی' لیکن تحریک خلافت سے تحریک پاکستان تک کوئی ملک گیر مہم ایسی نہیں گزری جس میں علماء دیوبند نے اپنے سردھڑ کی بازی نہ لگائی ہو۔

لیکن چونکہ ان حضرات کی تمام خدمات خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تھیں' اس لئے ان

حضرات نے نہ صرف یہ کہ نام ونمود کی کوئی خواہش نہیں کی' بلکہ اس کے ہر ادنی شائبے سے بھی اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ رکھا' اس بے غرضی کا صلہ تو انشاء اللہ انہیں آخرت میں ملے گا' لیکن خود غرض دنیا نے انہیں اس کا صلہ یہ دیا ہے کہ آج گزشتہ صدی کی تاریخ مرتب کرتے وقت انہیں نہ صرف فراموش کیا جارہا ہے' بلکہ تاریخ کو مسخ کر کے صریح مغالطہ انگیزی اور غلط بیانی سے بھی دریغ نہیں کیا جارہا' علمائے دیوبند نے چونکہ اسلام کی صحیح تعبیر کے خلاف ہر نظریاتی گمراہی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے' اس لئے مختلف نظریات کے لوگ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تاریخ سے ان کا نام مٹانے کے درپے ہیں۔

یہ گمراہ کن کوششیں انشاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں' لیکن ہم لوگوں پر جو ان اللہ والوں کے ساتھ کم از کم کوئی ظاہری وابستگی رکھتے ہیں' یہ فریضہ ضرور عائد ہوتا ہے کہ آنے والی نسلوں کو صحیح صورت حال سے باخبر کرنے اور ان گمراہ کن کوششوں کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کریں۔

☆☆☆

اکابر دار العلوم کیا تھے؟

اکابر دیوبند کیا تھے؟ اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے۔ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح تفصیل کرنے بیٹھیں تو ان کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستنیر تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھاک بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور انکے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔

۱۔ بانی دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپید کنار تھے ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دل پذیر، قاسم العلوم اور مباحثہ شاہجہانپور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتی، حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دار العلوم میں معروف تھا کہ:

"میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے"

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی مولانا نانوتویؒ کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور و غوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں اس لئے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضرورت کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں، پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔ ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد بالخصوص اور جب اس پر عقلیات کا غلبہ ہوگا عموماً علم و فضل کا زبردست پندار ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے' اس لئے پھونک پھونک کر قدم کو رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا۔''

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جس طالب علم میں تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے۔

۲۔ یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا تھا۔ انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے ''ابوحنیفہ عصر'' کا لقب دیا تھا۔ اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے مشہور تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامیؒ کو فقیہ النفس کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کو فقیہ النفس فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ واقعہ سناتے ہیں کہ:

> ''حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی سب طلبہ کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔''

۳۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کا اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے اور حدیث پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا کہ:

> ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے' انہوں نے کھڑے ہو کر کہا: ''یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ کرنا بھی صحیح نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔''

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ تھوڑی دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ صحیح ترجمہ تھا اور ان صاحب کا انداز بیان

توہین آمیز ہی نہیں اشتعال انگیز بھی تھا۔لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنئے' حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سن کر:

مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں مگر ان لوگوں نے مانا نہیں ۔خیر اب میرے پاس عذر کی بھی دلیل ہوگئی یعنی آپ کی شہادت چنانچہ وعظ تو پہلے ہی مرحلے پر ختم فرمادیا۔اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ ''غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں'' انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے'' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے ''یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشد علي الخ'' (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی میں ہے وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

۴۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے۔اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ادھر علماء دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی ۔اس لئے حضرات یہ سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے۔اور وہ منقولات (معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر ہوئی حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی مسئلہ زیر بحث آ گیا اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانویؒ' شیخ الہند کی تقریر سنانا چاہتے تھے وہ نہیں آئے تھے۔جب حضرتؒ کی تقریر شباب کو پہنچی اور اس معقول مسئلے کا انتہائی فاضل بیان ہونے لگا۔تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر

دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ۔

''حضرت اب تو تقریر کا اصل واقعہ آیا تھا آپ بیٹھ کیوں گئے؟ شیخ الہند نے جواب دیا دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کردی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا اگر تھوکنے کے بعد کوئی اور کاروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہند نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ فرمادی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی۔ لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی۔ اس لئے اسے روک دیا۔

۵۔ مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ تو گرمی کا موسم تھا وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملنا ہے۔ وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے'' مولانا اجمیری منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ ''حضرت مولانا محمود حسنؒ صاحب کو اطلاع کر دیجئے'' ان صاحب نے فرمایا کہ آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا مولانا اجمیری نے کہا میں مولانا

محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ آپ انہیں اطلاع کر دیں۔ ان صاحب نے فرمایا کہ انہیں اطلاع ہوگئی آپ کھانا تناول فرمالیں۔ ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ مولانا اجمیری صاحبؒ نے کھانا کھایا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری صاحبؒ برہم ہو گئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے! ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی' اس پر وہ صاحب بولے کہ:

''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں' البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔''

مولانا معین الدین صاحبؒ ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ صاحب کیا چیز ہیں۔

۶۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی مجلس میں نقل کرتے ہیں کہ ایک عیسائی ''فیلسوف'' نے لکھا ہے کہ اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالیؒ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو سمجھتا ہے''۔ یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامت نے فرمایا'' میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔

انہی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاول پور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر ایک بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں بھی فرمایا کہ:

''جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔'' تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا '' آپ کو چاہیے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔''

اس وقت بڑے علماء مجمع میں تھے۔ سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں۔

''ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبدالطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے۔

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی: جج صاحب! لکھیے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی' اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ **لا تجمع امتی علی الضلالۃ** تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچتی' لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ماننے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے ان سے کہو کہ عبارت پڑھیں ورنہ میں ان سے کتاب لے کر پڑھتا ہوں۔

چنانچہ شاہد نے یہ عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم یہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں کیونکہ طالب علم ہوں' میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں انشاءاللہ مفحم نہیں ہونے کا۔''

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھیے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا۔ دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند و بانگ دعوے کرتا لیکن مولاناؒ کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعتاً اپنے تمام کمالات کے باوجود اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر تھے کہ:

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔

حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے۔ بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں' فرمایا نہیں میں تو طالب علم ہوں۔ اس نے کہا آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے۔ فرمایا کہ کچھ کچھ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ ''تم غلط سمجھتے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے دس قرآن مجید سے' دس تورات سے' دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری ان کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کے متعلق بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔

سادگی اور مخلوق خدا کا خیال:

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا شمار بھی اکابر دیو بند میں ہے ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنیؒ محدث دہلوی کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جا رہا تھا۔ بوجھ زیادہ تھا اور بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ مین رہتا ہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریف شروع کر دی مگر مولانا نے فرمایا: اور تو اس میں کوئی بات نہیں' ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔ اس نے کہا: واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولانا کو جانتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا بھلے مانس مولانا مظفر حسین یہی ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

مولانا مرحوم کی عادت تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگوانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانہ میں پیسے کم ہوتے تھے عموماً غلے کے عوض خرید و فروخت ہوتی تھی چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے تھے۔

یہی حال دیو بند کے مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا تھا۔ علم و فضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی ''عزیز الفتاویٰ'' کتاب عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ عالم کہ وفات کے وقت بھی ایک استفسار ہاتھ میں تھا جسے موت ہی

نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا۔ لیکن سادگی، تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے تھے:

"کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں۔ جبکہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے۔ بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھری دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔"

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں گے ان کے رعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے، حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے سفر کے آغاز میں مولانا نے فرمایا کہ مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے مگر امیر کی اطاعت کرنا ہوگی۔ ہم نے کہا انشاء اللہ ضرور ہوگی۔ اب جو روانگی ہوئی تو مولانا نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اٹھالیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا نہیں امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لئے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھاتے اور اس کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل پڑھتے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگتے رہنے کا معمول تھا۔ حضرت کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے یہاں تک حضرت کے پاؤں پر ورم آ جاتا حق تعالیٰ شانہ' ہمارے ان اکابر کے درجات بلند فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی

☆☆☆

حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

بانی دارالعلوم دیوبند

قصبہ نانوتہ، کاندھلہ، دیوبند، گنگوہ اور تھانہ بھون مشہور علمی مراکز ہیں یہاں خاندان شیوخ، فاروقی، عثمانی، صدیقی اور انصاری آباد تھے اور یہ قصبے ہمیشہ سے بزرگوں اور مشائخ کے مسکن رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مولد اور وطن عزیز قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور ہے جو دیوبند سے بارہ میل مغربی جانب واقع ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے آپ کا تاریخی نام خورشید حسین اور تاریخ پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ ہجری ہے والد صاحب کا نام شیخ اسد علی بن غلام شاہ ہے جو نہایت پرہیز گار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

آپ بچپن سے ہی ذہین، طباع، محنتی اور سعادت مند تھے، تعلیم کے دوران ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں نمایاں رہے بہت چھوٹی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ آپ نے قصبہ دیوبند میں فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ ۱۲۶۰ ہجری میں دہلی پہنچے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے علوم حدیث کی تکمیل کی، فراغت تعلیم کے بعد آپ نے کتابت کا کام شروع کیا اور سب سے پہلے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کی بخاری شریف کی تصحیح اور کتابت فرمائی اور کافی عرصہ میرٹھ اور دہلی میں کتابت کا کام کرتے رہے اس کے ساتھ ساتھ تدریس ودرس کا سلسلہ بھی آپ نے شروع کر دیا تھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ حضرت مولانا حکیم محمد صدیق مرادآبادیؒ اور حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ، کو آپ نے میرٹھ اور دہلی کے زمانہ کتابت میں حدیث پڑھائی ہے، اسی دوران آپ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور

سلوک وتصوف کے منازل طے کرنے کے بعد خلعت خلافت سے نوازے گئے' آپ نے جوانی ہی میں اپنے آپ کو نیکی اور تقویٰ کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اور اپنی زندگی کو ایک خاص نہج پر استوار کر لیا تھا۔ آپ کے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے۔ کہ:

''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوتے''

ایک مرید کے لئے مرشد کا یہ خراج تحسین کچھ کم نہیں ہے' آپ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور حد درجہ منکسر المزاج بھی تھے' شہرت سے گریزاں' بڑائی سے نفور اور ریا سے کوسوں دور تھے' مسئلہ خود کبھی نہ بتاتے' کسی کے حوالے سے بیان کرتے' فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا آپ کو ناپسند تھے' امامت سے گھبراتے اور ہمیشہ مقتدی بن کر نماز ادا کرتے تھے' علم وعمل' زہد وتقویٰ کے پہاڑ تھے بہت بڑے مناظر' مجاہد اور جفاکش تھے باطل فرقوں کے پادریوں سے بہت سے مناظرے کیے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔ جب سے انگریز نے ہندوستان پر قدم جمائے اور مختلف ہتھکنڈوں سے دوسرے مذاہب کو پامال کرنے اور عیسائیت کو پھیلانے کے لئے کوششیں شروع کیں تو اس کی مدافعت اور مزاحمت کے لئے مسلمانوں کی ایک انقلابی جماعت تیار ہوگئی۔ اس جماعت میں باقاعدہ امامت کا نظام تھا' تیسرے امام شاہ عبدالغنی دہلویؒ مقرر ہوئے ان کے انتقال کے بعد ۱۸۴۶ء میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ امام مقرر ہوئے اور جب ۱۸۵۷ء کی ابتداء ہوئی تو انقلابی جماعت بھی حرکت میں آ گئی' حضرت حاجی صاحبؒ کے رفقائے کار میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ' مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ مولانا شیخ محمد تھانویؒ اور حافظ ضامن تھانوی شہید شامل تھے۔ جہاد حریت کے سلسلے میں تبادلہ خیال ہوا تو مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ نے بے سروسامانی کا ذکر کر کے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لینے سے گریز کی تجویز پیش کی تو مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟

حضرت حاجی صاحب نے یہ فقرہ سنا تو تڑپ اٹھے اور فرمایا کہ:

''الحمد للہ انشراح ہوگیا'' اور جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی' حاجی امداد اللہ امیر' مولانا نانوتویؒ سپہ سالار' مولانا گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے اور قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔

میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آپؒ نے اپنے امیر کی قیادت میں جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تھانہ بھون بھی اس شدید جنگ کی لپیٹ میں تھا' قتل وغارت کا بازار گرم تھا' مکانات پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی غرض دیکھتے ہی دیکھتے قصبہ تھانہ بھون خاکستر کا ڈھیر بن گیا۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار پر الزام تھا کہ تھانہ بھون کے فساد میں آپؒ اور آپ کے رفقاء پیش پیش تھے اس بناء پر آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور اس طرح آپ نے راہ حق میں سنت یوسفی کو زندہ کیا۔

اس دور میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے ان کا تصور آج بھی لرزہ طاری کر دیتا ہے' علماء کو تختہ دار پر لٹکوانا' بدن پر گرم استریاں پھیرنا' سرگرم کارکنوں کی جبری جلاوطنی' عورتوں کی عصمت دری' بچوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک اور بوڑھوں کو جگر پاش تشدد یہ سب کچھ آج بھی ہماری تاریخ کا حصہ ہے اور ناقابل تردید ہے ظلم وستم کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے پہلے ان کے بدن پر خنزیر کی چربی ملی گئی اور انہیں جلا دیا گیا۔

ان شدائد ومصائب کا مقصد مسلمانوں کا خاتمہ اور انہیں بزور عیسائیت میں داخل کرنا تھا لیکن نتیجہ صفر رہا اور کسی بھی طرح انگریز مسلمانوں کی حمیت دینی پست نہ کر سکا اور نہ ہی ان کے ایمان وعقیدہ کے ایوان میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کر سکا جب یہ چال بری طرح ناکام ہوگئی تو پھر دوسرے طریقے آزمانے شروع کر دیئے' ذہنوں کی تبدیلی' سوچ اور فکر کی تبدیلی اور اس کے لئے علمی اور نفسیاتی حربے' تاریخ شاہد ہے کہ ایسے حربے اکثر موثر اور بیشتر کارگر ثابت ہوئے ہیں' اس خطرے کا احساس کرتے ہوئے انتہائی نازک اور نامساعد حالات میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نتیجہ رس دماغ اور سیماب کی طرح بیقرار دل نے فیصلہ کیا کہ اس حربے کا توڑ بھی ایسا ہونا چاہیے چنانچہ یہ احساس محرک بنا اور ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا جو اسلام کا محفوظ قلعہ اور مسلمانوں کا ناقابل شکست حصار ثابت ہوا۔ دارالعلوم دیوبند آپ کا زندہ جاوید کارنامہ ہے اور صدقۂ جاریہ ہے جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور جس نے آپ کی

شخصیت کو بھی لازوال بنا دیا' جب مدرسہ کے افتتاح کی خبر آپ کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو مکہ مکرمہ میں پہنچی اور کہا گیا کہ حضرت! ہم نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی ہیں کہ خداوند! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمر ہے۔''

بلاشبہ دیوبند اسلام کا احصار اور بقائے اسلام کا موثر ذریعہ ثابت ہوا ہے دارالعلوم دیوبند نے جو خدمات اسلام اور تحفظ اسلام' علوم قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت' مسلمانوں کی عملی تربیت کے سلسلہ میں سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے باعث فخر ہے اور اس سے علم و عمل کی دنیا میں روشنی نظر آتی ہے' دارالعلوم سے منسلک افراد اپنے دور کے یگانہ روزگار عالم' محدث' مفسر' محقق' فقیہ اور مصنف ہیں اور اپنے اپنے دور کے ممتاز علماء مانے گئے ہیں' دارالعلوم کے سرپرستوں میں آپ کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ شامل ہیں۔ اور دارالعلوم کے فضلاء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ' علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی' مفتی محمد شفیعؒ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے ہزاروں مشاہیر علماء شامل ہیں جن کے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی مثالیں اب نہیں ملتیں۔

بہرحال حضرت نانوتویؒ اپنے دور کے عظیم محدث اور محقق تھے اور سچے عاشق رسولؐ تھے تواضع و انکساری اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے مگر آپ نہ بولتے کوئی نام لے کر پکارتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور عزت و احترام سے بولتے تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا نانوتویؒ کی شان عالمانہ تھی نہ درویشانہ تھی بلکہ عاشقانہ شان تھی اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ تشریف لے

جاتے ہوئے ایک جولا ہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر پوچھا کہ سوت کا آج کیا بھاؤ ہے مولانا نے جواب دیا کہ بھائی آج بازلد جانا نہیں ہوا۔'' (قصص الاکابر)

آپ کو سرزمین عرب سے ایسا تعلق تھا کہ جس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے چنانچہ جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنا جوتا اتار لیتے تھے اور عرب کی حدود میں پہنچتے ننگے پاؤں پھرتے رہتے تھے فرماتے تھے کہ:

''جس زمین اور گلی کوچوں میں پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں وہاں میں جوتے پہن کر چلوں۔''

کیا محبت و عشق ہے اپنے آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ بہر حال آپ روحانیت و علمیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف لکھی ہیں جو اپنے مرتبہ کی آپ ہی دلیل ہیں حضرت حکیم الامت تھانویؒ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کر دیا جائے اور نام نہ بتایا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ کتابیں امام رازیؒ یا امام غزالیؒ کی لکھی ہوئی ہیں

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: تقریر دلپذیر' تحذیر الناس' آب حیات' انتصار الاسلام' تصفیۃ العقائد' حجۃ الاسلام' قبلہ نما' تحفۃ الحمیہ' مباحثہ شاہجہان پور' جمال قاسمی' توثیق الکلام اور اجوبہ اربعین وغیرہ اگر چہ مذکورہ کتابیں اردو زبان میں ہیں لیکن ان کا سمجھنا عوام تو عوام بعض علماء کے بس کا بھی نہیں ہے۔ الفاظ اور زبان نہایت سہل ہے مگر علوم نہایت عالمانہ اور مشکل مذکور ہیں۔

آپ نے دو حج کیے پہلا حج مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی معیت میں ۱۲۷۷ ہجری میں کیا دوسرا حج ۱۲۹۴ ہجری میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے اکابرین امت کے ساتھ کیا اور آخر کار علم و عمل کا یہ آفتاب ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ ہجری بروز جمعرات ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قطب عالم

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

گنگوہ ضلع سہارنپور کا قدیم قصبہ ہے' عرصہ قدیم سے بڑے بڑے اولیاء اللہ کا مولد اور مدفن ہے' سہارنپور سے تقریباً سولہ میل اور تھانہ بھون سے تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت قصبہ گنگوہ محلہ سرائے متصل خانقاہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ' مولانا ہدایت احمد صاحب کے گھر میں ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بروز شنبہ بوقت چاشت ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد صاحب بن قاضی پیر بخش صاحب ہے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گنگوہ کے ایک میاں جی صاحب سے حاصل کی پھر عربی و فارسی مولانا عنایت صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب سے پڑھی بعد ازاں ۱۲۶۱ھ میں تحصیل علم کے لئے دہلی کا سفر کیا اور چند دن قاضی احمد الدین پنجابی سے کچھ کتابیں پڑھیں اور پھر اسی سال حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں دل جمعی سے پڑھنا شروع کیا' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچ چکے تھے اور شروع سے مولانا مملوک علی صاحب کی خدمت میں رہتے تھے تھوڑے دنوں بعد علم و فضل کے یہ دونوں شمس و قمر ایک ساتھ ہو گئے اور تاحیات ساتھ رہے' یہ دونوں شمس و قمر مولانا مملوک علی صاحب کی خدمت میں عرصہ تک پڑھتے رہے۔ معقولات کی مشکل اور اونچی کتابیں صدرا' شمس بازغہ' میر زاہد قاضی وغیرہ ایسے پڑھا کرتے تھے۔ جیسے حافظ منزل پڑھا کرتا ہے' ذکاوت و ذہانت میں یہ دونوں حضرات دہلی میں مشہور ہو گئے تھے اسی وجہ سے اساتذہ خصوصاً مولانا مملوک علی صاحب کو ان دونوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اگر طبیعت ناساز ہوتی تو عیادت فرماتے اور قیام گاہ پر جا کر ان حضرات کو پڑھاتے تھے علم حدیث آپ نے ہندوستان میں خاندان ولی اللہی کے آخری چشم و چراغ حضرت شاہ

عبدالغنی محدث دہلویؒ سے حاصل کیا ہے شاہ صاحب علم ظاہر و باطن میں شہرہ آفاق ہیں۔ الحاصل حضرت گنگوہی ۲۱ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون سے مکمل ہو گئے اور واپس وطن تشریف لے گئے اسی سال آپ کا نکاح آپ کے بڑے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا جو آپ کے استاد بھی تھے اور بڑے پاکباز بزرگ تھے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی سے واپس تشریف لائے اور وطن عزیز میں قیام پذیر ہوئے تو بمقتضائے طبیعت آپ کو شوق ہوا کہ کوئی طالب علم دین مل جاتا تو اس کو پڑھانا ہی شروع کر دیتے اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پورا کیا اور ایک صاحب سید مومن علی صاحب کو بھیج دیا ان ہی ایام میں ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحریر (دربارۂ مسئلہ روضۂ اقدس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جگہ ایک قبر کے لئے افتادہ ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے' شیخ صاحب نے حکم لگایا تھا کہ یہ امر قطعی ہے اور اس کا منکر ایسا ہے ویسا ہے) یہ تحریر کسی نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کر دی آپ نے اس پر تحریر فرمایا کہ سارا ثبوت باحادیث اخبار احاد ہے اس لیے اس سے علم ظنی حاصل ہوگا' قطعیت کا ثبوت دشوار ہے۔

یہ جواب جس وقت حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزرا تو جوش وغضب میں بھر گئے اور پھر کیا تھا طرفین سے سوال و جواب شروع ہو گئے۔ بالآخر مولانا گنگوہیؒ نے بغرض مناظرہ ایک بارات کے ساتھ تھانہ بھون کا سفر اختیار کیا اور بارات کے متعلق امور نکاح وغیرہ سے فارغ ہو کر ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد استفسار آنے کا منشاء ظاہر کیا تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے یہ کہہ کر کہ وہ ہمارے بڑے ہیں'' مناظرے سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپ نے حضرت حاجی صاحب کی بات مان لی اور مناظرے سے باز آئے اور اپنا ارادۂ بیعت ظاہر کیا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے باصرار و بسفارش حضرت حافظ ضامن شہید بیعت کر لیا۔ بیعت ہونے کے بعد آپ نے بموجب ارشاد حضرت حاجی صاحب ذکر و شغل شروع کیا اور بقول خود ''کہ پھر تو میں مرمٹا'' چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے آٹھویں دن فرمایا:

''میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو

بڑھانا آپ کا کام ہے۔''

جب آپ کو بیالیس دن رہتے ہوئے ہو گئے تب آپ نے وطن عزیز رخصت ہونے کی اجازت چاہی' حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہ کے لئے رخصت کرتے وقت خلافت اور اجازت بیعت ان الفاظ کے ساتھ عنایت فرمائی

''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کر لینا''

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں اور پیغمبری مل جائے

اس خدائی نعمت کو (جس کے لئے در در کی خاک چھانی جاتی ہے) پا کر جب آپ گنگوہ تشریف لائے تو خانقاہ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جو تین سو سال سے ویران اور خراب وخستہ پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا اور رات دن ذکر و فکر الٰہی میں مشغول رہتے' راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے باران اشک سے داغدار ہو گیا تھا۔

شب وصل بھی کیسی ہے الٰہی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

غرض یہ کہ ذکر الٰہی کی خوشبوؤں نے جب گنگوہ کے کوچہ و بازار اور خانہ وصحرا کو معطر کرنا شروع کیا تو ایک نیک بخت خاتون نے حضرت گنگوہی سے بیعت کی درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا' اتفاق سے چند دنوں بعد حضرت حاجی صاحب تشریف لے گئے اور خاتون موصوفہ نے موقعہ کو غنیمت جان کر بتوسط حضرت حاجی صاحبؒ پھر درخواست کی بالآخر حضرت حاجی صاحب کی تعمیل حکم میں آپ نے بیعت فرمالیا۔ سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والی یہ سب سے پہلی خاتون تھیں۔

معمولات پر مداومت اور استقامت مشائخ دیوبند کی خصوصی شان ہے اور حقیقۃً یہی کمال ولایت اور علامت عبدیت ہے چنانچہ ان مشائخ کے یہاں جو چیز روز اول معمولات میں داخل ہوئی اس کو ہیشگی اور دوام حاصل رہا ان حضرات نے ''احب الاعمال عنداللہ دومھا'' کو دلنشین کر کے اعمال میں شان محبوبیت پیدا کی اور تقرب و ولایت کے اعلیٰ منازل کو طے کیا چنانچہ

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مجاہدات وریاضات کا پیرانہ سالی میں یہ عالم تھا کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا۔ دن بھر صائم رہتے اور بعد مغرب چار رکعت نوافل کی بجائے بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے جس میں تقریباً دو پارے قرآن شریف تلاوت فرماتے تھے' نماز سے فارغ ہو کر جب دولت کدہ پر برائے تناول طعام تشریف لے جاتے تو اثنا راہ اور گھر ٹھہرنے کے وقفہ میں کئی کئی پارہ تلاوت فرما لیتے تھے اور بعد نماز عشاء تھوڑی دیر تک استراحت فرماتے اور دو بجے تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے' بعض نے آپ کو ایک بجے بھی وضو کرتے دیکھا ہے' اور ڈھائی تین گھنٹے صلوٰۃ اللیل میں مشغول رہتے اور صبح کی نماز سے فارغ ہو کر ڈاک و جوابات استفتاء میں مصروف ہوتے اور دوپہر کو قیلولہ فرما کر بعد نماز ظہر تا عصر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے' رمضان شریف میں تو آپ کے یہاں دن رات مساوی ہوتے تھے۔

آپ اپنے وقت کے فقہ وحدیث کے امام تھے اور تمام علوم کے بحر ذخار تھے لیکن حدیث و فقہ سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا' آپ نے چودہ مرتبہ سے زیادہ ہدایہ کو پڑھایا ہے اور تقریباً صحاح ستہ کی تمام کتابیں آپ نے پڑھائی ہیں۔ غرض یہ کہ آپ کے علمی و روحانی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کے فیض صحبت اور کفش برداری سے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات فلک ہند کے نیر اعظم ہوئے ہیں۔

آپ کے علمی وروحانی کمالات کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ آپ کے شیخ طریقت کا خراج عقیدت ہی کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''جو آدمی اس فقیر امداد اللہ سے محبت وعقیدت وارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد سلمہ' اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ' کو جو تمام کمالات' علوم ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں بجائے میرے بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر شمار کرے اگر معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا' ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیے کہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔'' (ضیاء القلوب)

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ' کا ایک ملفوظ ہے کہ:

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا تو
میں مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کو پیش کردوں گا کہ
یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' (تذکرۃ الرشید)

جب ۱۸۵۷ء کا ہولناک حادثہ ختم ہوا تو حکومت برطانیہ نے ہر اس آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دیا یا گولی کا نشانہ بنا دیا جس کے متعلق ذرا بھی شبہ تھا' چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے' حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے' مولانا محمدؒ قاسم صاحب اور مولانا گنگوہی روپوش رہے لیکن مخبر کی خبر رسانی سے آپ کو گرفتار کیا گیا اور سہارنپور جیل کی کال کوٹھڑی میں رکھا گیا بالآخر جب حکومت کو کوئی ثبوت آپ کے متعلق نہ ملا تو رہا کر دیا گیا۔

چونکہ اللہ نے آپ سے دین کا کام لینا تھا اس لئے حکومت آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکی' آپ نے زندگی میں تین دفعہ حج کی سعادت حاصل کی اور تمام عمر دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے اس کے علاوہ کئی تصانیف لکھی ہیں اور ہزاروں علماء و مشائخ آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفید ہوئے ہیں۔

۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو واصل بحق ہو گئے۔

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''تذکرۃ الرشید'' مولفہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

☆☆☆

شیخ الہند

حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے کیونکہ ان ایام میں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں انسپکٹر مدارس تھے وہ ایک جید عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ اور باقبال بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جا ملتا ہے آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا' قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف سے پڑھیں۔ ابھی آپ قدوری' تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دیوبند میں ایک مدرسہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو قائم کیا اس مدرسہ کا آغاز دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ میں ہوا' آپ اس مدرسہ کے پہلے طالبعلم تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں آپ نے کنز' مختصر المعانی کا امتحان دیا آئندہ سال مشکوٰۃ' ہدایہ پڑھیں اور ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے' ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کے دستار فضیلت باندھی گئی حدیث میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔

آپ جامع شریعت اور طریقت تھے علم میں بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علم کا کٹھلہ تھے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کو شیخ العالم کہتے تھے مولانا عاشق علی میرٹھیؒ آپ کو شریعت وطریقت کا بادشاہ کہتے تھے اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' علم شریعت اور طریقت کا ناپید کنار سمندر کہتے تھے۔ بہر حال آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ۱۲۸۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا تھا اس وقت آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے ۱۲۹۳ھ میں آپ نے ترمذی شریف' مشکوٰۃ شریف اور

ہدایہ وغیرہ کی تدریس دینا شروع کی پھر ۱۲۹۵ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے۔ آپ کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا دوسرے مدارس کے فارغ شدہ اور بڑے بڑے ذہین طالبعلم نہایت مودب طریقہ سے حاضر خدمت رہتے اور آپ کمال عزت و وقار سے درس دیتے' حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقہ تحدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا الحاصل آپ نے چالیس سال تک مسلسل دارالعلوم دیو بند میں درس حدیث دیا اور زمانہ اسیری مالٹا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا اس طرح آپ کا زمانہ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے اس عرصہ میں اطراف و اکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی ہے آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانوی' علامہ محمد انور شاہ کشمیری' علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولانا اصغر حسین دیو بندی' مولانا عبید اللہ سندھی' مولانا اعزاز علی دیو بندی' مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور مولانا عبدالسمیع دیو بندی جیسے مشاہیر علم وفضل شامل ہیں۔

بہر حال آپ کا مقام بہت بلند ہے اور آپ شروع ہی سے نیک طینت اور نیک فطرت تھے اس کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی محبت اور صحبت اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی توجہات نے روحانیت کے عرش پر آپ کو بٹھا دیا تھا۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے آپ کے کمالات علمیہ و روحانیہ سے خوش ہو کر دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا اور پھر دربار رشیدی سے بھی آپ کو یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی اور حاصل یہ کہ آپ علم نبوت' شریعت' طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے لیکن اوراد وظائف ذکر و مراقبہ اور صلوٰۃ اللیل پر بھی ہر حالت' سفر و حضر حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی برف باری میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا' کتمان حال کا یہ عالم تھا کہ اگر رات کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی آدمی نے دیکھ لیا تو نماز پڑھتے پڑھتے لیٹ جاتے تاکہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ آپ سو رہے ہیں۔ مولانا محمد جلیل صاحب مدرس دارالعلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ

''جب میں بچہ تھا اور شیخ الہند کے زنانخانے میں آتا تھا تو ایک دن میں نے حضرت کے

کمرہ کے کواڑوں کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے جسم کے تمام اعضاء سر دھڑ علیحدہ علیحدہ پڑے ہیں میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور بھاگ آیا اور باہر آ کر مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا تو مولانا نے فرمایا خاموش رہو کسی سے نہ کہنا کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔" (بحوالہ تذکرۃ المشائخ دیوبند)

آپ ہر جمعرات کو سبق پڑھا کر گنگوہ تشریف لے جاتے تھے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے پیرو مرشد کی صحبت سے فیضیاب ہو کر دیوبند تشریف لاتے آپ نے اپنے استاد کی اس قدر خدمت کی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے' برسات کا موسم تھا شفیق استاد نے دیوبند آنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے استاد کی کمر کو سہارا دیا اور دیوبند تک چودہ میل کا سفر اسی حالت سے پورا کر دیا یہ ہے مشائخ دیوبند کا سلوک و تصوف' لنگوڑ دھاری تصوف دنیا داروں اور نفس پرستوں کا ہوتا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ مکتب سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جب تک آپ کے مرشد حضرت گنگوہی حیات رہے آپ نے کسی کو بیعت نہیں کیا کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بڑوں کی موجودگی میں اس قسم کا سلسلہ جاری کرنا سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ بہر حال آپ کی علمی و روحانی خدمات بہت ہیں اس کے علاوہ سیاسی خدمات بھی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں' انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں شروع کی گئی تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی بڑھایا آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے آپ بھی کئی دوسرے مسلم اکابرین کی طرح عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے لیکن اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس نے ہندو پاک کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونک دی۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا ۱۳۳۴ھ تک وہاں رہے ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا۔ ۱۳۳۸ھ کو وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان پہنچے ان دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت کا زور تھا آپ

نے عمر کی زیادتی' نقاہت اور بیماری کے باوجود تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ مالٹا کی اسیری کے دوران ہی آپ زیادہ بیمار ہو گئے وطن واپسی پر بیماری میں افاقہ نہ ہوا' بیماری کے باوجود تحریک خلافت میں آپ کی بھرپور جدوجہد اور مشقت سے صحت پر کافی اثر پڑا اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں رحلت فرمائی آپ نے درس وتدریس اور مشاغل سیاسی کے باوجود کئی کتب تصانیف فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

(تفصیل کے لئے حیات شیخ الہند پڑھیئے)

☆☆☆

امام الفقہاء حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہندوستان میں قصبہ دیو بند یوپی کے مغربی ضلع سہارنپور میں پنجاب دلی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ سہارنپور سے بیس میل بجانب جنوب ہے۔ یہاں شرفاء اور دیندار لوگوں کی آبادی تھی' آبادی کا بیشتر حصہ عثمانی' صدیقی' فاروقی شیوخ کی اولاد پر مشتمل تھا۔ بڑے بڑے علماء اولیاء اور مجاہدین اس سرزمین پاک میں پیدا ہوئے' جنہوں نے اسی مقام پر ایک عظیم دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی جو عالم اسلام میں آج دارالعلوم دیو بند کے نام سے مشہور ہے۔ مورخہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو اس عظیم درس گاہ کا افتتاح ہوا' اور اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ مسجد کہتے تھے' ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ بالآخر دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اسی سادہ سی درسگاہ سے علم و فضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیو بند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا بہت ہی کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ چنانچہ دارالعلوم سے پیدا ہونے والی بے مثال شخصیتیں جن سے دنیا میں علم و عرفان کے چشمے جاری ہوئے اس کثرت سے ہیں کہ شمار میں لانا مشکل ہے' ان حضرات کے خصائص کی تفصیل کے لئے مستقل فرصت اور ایک پورا دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ ان حضرات کے جمیع اوصاف و کمالات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔

یہ حضرات علوم کتاب و سنت' علوم ظاہر و باطن کے جامع اور عارفین اور اصحاب قلوب کی وراثت کے امین تھے' انہوں نے پہاڑ سے زیادہ راسخ عزائم کے ساتھ ورع و زہد' انکسار و تواضع اور اتباع سنت ایسے بلند پایہ اخلاق و شمائل کو اس حد تک جمع کر لیا تھا کہ اخلاق عالیہ میں یہ حضرات اپنے دور میں ضرب المثل تھے ان کے سینے علوم نبویہؐ سے معمور اور ان کے دل معرفت الٰہیہ' حب الٰہی اور حب نبویؐ سے منور تھے۔ الغرض یہاں کا فیض یافتہ ہر شخص اپنی ذات میں ایک

انجمن ہے۔ بقول مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ' دارالعلوم دیوبند درحقیقت ان ہی عظیم شخصیتوں اوراسی طرز فکر کا نام ہے۔ بہر حال اسی مدرسہ فکر سے ایسے ایسے علماء واکابر' مجاہدین' محدثین' اور فقہاء امت پیدا ہوئے کہ جن کی مثال سے دنیا خالی ہے۔ انہی مقدس اور عظیم ہستیوں میں سے قطب الہند' امام الفقہاء مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ' کی ذات گرامی تھی جن کا فیض عرب وعجم میں پھیلا ہوا ہے۔ اس عظیم شخصیت کا مختصراً تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

نسب وولادت: آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ کے چشم وچراغ تھے' شجرہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے' آپ کے والد محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اپنے زمانہ کے عالم وفاضل' اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ' کے قریبی احباب میں سے اور دارالعلوم دیوبند کے بانیین میں سے ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائیوں میں فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی' مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی' سعید الرحمٰن عثمانی' بابو فضل حق عثمانی' اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ہیں' آپ ان سب بھائیوں میں بڑے تھے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ' سوانح قاسمی مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ' کی براہ راست اولاد میں حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے اپنے وقت میں علم ودین کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔'' (تجلیات عثمانی)

بلاشبہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ تینوں حضرات علم ودین کے افق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ یہ حضرات جن پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ دین کے دراصل امام تھے۔

حضرت امام الفقہاء ۱۲۷۵ھ میں اسی قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عزیز الرحمن اور تاریخی نام ظفر الدین ہے۔ زمانہ طفولیت سے ہی ذہانت و متانت' فراست و شرافت اور صداقت کے مجسم پیکر تھے۔

تعلیم و تربیت: آپ کی تعلیم و تربیت اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم و فنون سے فارغ التحصیل ہوئے اور جن حضرات کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں دستار بندی ہوئی ان میں مولانا احمد سکندر پوری' مولوی محمد اسحاق فرخ آبادی' مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی' مفتی رحیم بخش شیرکوٹی اور مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی شامل ہیں۔

درس و تدریس: ۱۲۹۹ھ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ' اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے' اس کے بعد آپ بسلسلہ تعلیم و تدریس مدرسہ عالیہ رام پور تشریف لے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک وہاں بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار پر تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے' اور وہاں کافی حضرات آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے مستفیض ہوتے رہے۔ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم کی طلب پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لائے تو نیابت اہتمام کا منصب آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

خدمت افتاء: دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور مقبولیت عام تھی اس وجہ سے دور دراز کے مقامات سے استفتاء بکثرت آتے تھے اور مدرسان دارالعلوم کو کار تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی تھی کہ بلاحرج تعلیم ان کے جوابات لکھ سکیں اور دارالعلوم جس مقصد کے تحت قائم کیا گیا تھا اس کی بنا پر اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بعنوان افتاء بھی عوام کی خدمت کی جائے گی۔ ابتدائی سالوں میں اساتذہ دارالعلوم بالخصوص عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ' حسب ضرورت و موقع فتاویٰ تحریر کرتے رہے۔ لیکن کام کی ذمہ دارانہ نوعیت و اہمیت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ کسی صاحب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کر کے دارالافتاء کو

مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے لہٰذا ۱۳۱۰ھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس عظیم منصب اور اہم ذمہ داری کے لئے منتخب فرمایا' پھر اس وقت سے ۱۳۴۶ھ یعنی ۳۶ سال تک بدستور بحیثیت صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بلکہ مفتی اعظم ہندوستان خدمت افتاء سرانجام دیتے رہے اور فتاویٰ صادر فرماتے رہے۔ چنانچہ محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''علماء دیوبند میں سے صرف ایک عالم مولانا الشیخ الفقیہہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف سوالات کے جواب میں پچاس ہزار فتاویٰ صادر فرمائے۔''

(دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۵۳)

مولانا محمد اسلام بہاری دارالافتاء دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ ''دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء کے قیام کے بعد اسی بین الاقوامی علمی مرکز دارالافتاء کے لئے ایسی شخصیت کی تلاش تھی جو علم وتفقہ کی امتیازی استعداد کے ساتھ صلاح وتقویٰ اور برگزیدگی کی شان کی حامل ہو۔ چنانچہ ایک ایسی شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا جو گویا ازل سے اس عہدے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ وہ ذات گرامی تھی مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہ کی' وہ ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۶ھ تک عہدہ افتاء پر فائز رہے گویا ۳۶ سال تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ۱۸ سال تک افتاء کی نقل نویسی نہ ہوئی اس وجہ سے اس وقت کی نقل موجود نہیں۔ ۱۳۲۹ھ سے طلباء نے نقل شروع کی ۱۳۳۳ھ میں مولانا قاضی مسعود احمد صاحب کا تقرر آپ کے رفیق سفر کی حیثیت سے ہوا' اس وقت سے رجسٹر میں مستفتی کے سوالات اور ان کے جوابات کی نقل موجود ہے' جن کی مجموعی تعداد ۳۸ ہزار کے قریب ہے۔ یہ تعداد درج رجسٹر کی ہے۔

علاوہ بریں کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے جن کے فتاویٰ عجلت کی وجہ سے رجسٹر میں درج نہ ہوئے ہوں' نیز ایک مستفتی کئی کئی سوالات ایک کاغذ میں لکھتے ہیں۔ اگر اوسطاً تین سوالات مان لئے جائیں تو فتاویٰ کی مجموعی تعداد تقریباً سوا لاکھ ہوتی ہے' اور یہ تعداد بھی ان فتاویٰ کی ہے جو رجسٹر میں درج ہوئے اس سے پہلے کی جب کہ نقل افتاء کا انتظام نہیں تھا' اتنی ہی تعداد فرض کر

لی جائے اس طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتوے کم وبیش ڈھائی لاکھ ہوتے ہیں۔
(ماہنامہ الرشید لاہور کا دارالعلوم دیوبند نمبر)

ان فتاوی کا یہ بے نظیر مجموعہ اور مسائل فقیہہ کا یہ بے مثال ذخیرہ عام نظروں سے اوجھل تھا اس لئے سب سے پہلے آپ کے علمی جانشین اور شاگرد رشید حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فتاوی بنام ''عزیز الفتاوی'' شائع کئے تھے جو بہت مختصر اور غالباً ایک دو سال کے فتاوی کا مجموعہ تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کے تمام فتاوی کو جدید ترتیب سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس کام کے لئے مولانا ظفیر الدین صاحب کو مامور کیا' انہوں نے غیر معمولی جانفشانی اور تندہی سے ترتیب فتاوی کا کام حسن اسلوب سے انجام دیا جن کی نو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی کام جاری ہے۔ الغرض آپ کی علمی اور فقہی خدمات بہت ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ آپ کو فن افتاء میں اس قدر مہارت تھی کہ مشکل ترین حالات معاملات پر بھی برجستہ فتاوی تحریر فرما دیتے تھے۔

آپ کا علمی مقام: حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ' کا علمی وروحانی مقام بہت بلند ہے۔ بڑے بڑے علماء ومشائخ نے آپ کی جامع شخصیت کا اور آپ کے علمی مقام کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ' جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم مذہبی وروحانی پیشوا کی حیثیت سے جانتی ہے۔ اور جنہوں نے تقریباً بارہ سو سے زائد تصانیف ورثے میں چھوڑی ہیں اور جن کا ہر خلیفہ مجاز ایک آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا ہے۔ وہ بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتاوی پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ' بھی آپ کی علمی شان کے معترف تھے اسی لئے آپ کی نظر انتخاب بعہدہ صدر مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی صاحب پر ہی پڑی۔ چنانچہ مولانا قاری محمد عبداللہ سلیم صاحب کہتے ہیں کہ: ''۱۳۱۰ھ میں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ' نے مجلس شوری میں یہ تجویز پیش کی اور مجلس کی منظوری کے بعد جس جلیل القدر منصب کے لئے جس کو نامزد کیا گیا وہ عظیم المرتبت شخصیت فقیہہ الامت عالی مقام

صوفی ٗ ذی مرتبت عالم ٗ باکرامت بزرگ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ ٗ کی تھی اور آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ اسی منصب کے لئے موزوں تھے بلکہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ (دارالعلوم دیو بند نمبر)

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔'' (مقدمہ فتاوی دارالعلوم دیو بند نمبر)

مولف تذکرہ مشائخ دیو بند لکھتے ہیں کہ مشائخ دیو بند میں حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ النفس تھے۔ یا پھر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ النفس تھے۔ (تذکرہ مشائخ دیو بند)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب ؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''جس وقت میں کنز الدقائق کے حاشیہ سے فارغ ہوا تو مسودہ بغرض اصلاح حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کیا ٗ حضرت مفتی صاحب نے تمام حاشیہ کو نشان لگا کر رنگین کر دیا اور فرمایا کہ اس جگہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کی فلاں عبارت درج ہونی چاہیے۔ بلاشبہ حضرت مفتی صاحب کی رگ رگ میں فقہ رچا ہوا تھا۔ اگر وہ زمانہ سابق میں ہوتے تو فقہ میں صاحب مسلک ہوتے لیکن باوجود فقیہہ النفس ہونے کے امام اعظم کی تقلید کا قلادہ گردن میں ڈالے ہوئے تھے ٗ اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ (تذکرہ مشائخ دیو بند)

ممتاز تلامذہ:

آپ کے علمی و روحانی مقام کا اسی طرح پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کے تلامذہ میں ایسے ایسے مشاہیر پیدا ہوئے ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ اور بقول جناب پروفیسر انوار الحسن صاحب شیر کوٹی کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ (انوار قاسمی) آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے نامور فاضل ٗ مفسر ٗ محدث ٗ مدبر ٗ مفکر ٗ فقیہہ ٗ مجاہد ٗ

مصنف، صوفی، درویش، ادیب، شاعر، منطقی، فلسفی، مفتی اور معلم پیدا ہوئے جن میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جن میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث صاحب مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے علمی و عملی مقام اور فقیہ النفس ہونے میں کسی قسم کا کلام یا شبہ نہیں ہے۔ آپ واقعی اس دور کے امام الفقہاء تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر اکابر میں سے تھے۔

سلوک وتصوف:

حضرت مفتی صاحب کو علوم ظاہری پر جس طرح درک تھا، اسی طرح روحانیت وتصوف اور اخلاق باطنی میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمہم مہتمم اول دارالعلوم دیوبند سے بیعت وخلافت حاصل تھی، کرامات وتصرفات کے بہت سے واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں۔ جن کے جاننے اور دیکھنے والے آج بھی بحمد اللہ پاک وہند میں موجود ہیں۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ پر چونکہ نقشبندیت کا غلبہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کے مریدین خصوصاً حضرت مفتی صاحب پر بھی نقشبندیت کا غلبہ تھا۔ آپ کے خلفاء اور مریدین کا حلقہ وسیع ہے۔ خاص طور پر مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھیؒ بہت معروف تھے۔ جن کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ہیں۔

تواضع وانکساری:

آپ کے مزاج میں بے حد سادگی تھی، تواضع وانکساری، زہد وتقویٰ میں آپ کو کمال حاصل تھا، تواضع اس قدر کہ باوجود تلامذہ اور خدام کی موجودگی کے اپنے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اپنا اور پڑوسیوں کا سامان بازار سے خرید کر دامن میں لایا کرتے تھے اور فرمایا

کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کا یہی طرز عمل تھا۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ آج ان کی تصنیف عزیز الفتاوی' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے مآخذ بنی ہوئی ہے۔ اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا لیکن سادگی تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام تھا کہ یہ کوئی کیسے سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامت صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا خود لاتے' بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کے گھر پہنچاتے تھے' کبھی تو اسی سودا سلف لانے میں ایسا بھی ہوتا کہ جب آپ کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی: ''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں میں نے تو یہ چیز اتنی نہیں' اتنی منگائی تھی۔ چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔ (مقدمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند)

زہد وتقویٰ:

اس قدر کہ باوجود تبحر علمی اور فقیہہ النفس ہونے کے نماز و وضو کے مسائل کتاب دیکھ کر بتلاتے تھے' فرمایا کرتے تھے:

> ''یہ طریقہ اس وجہ سے اختیار کیے ہوئے ہوں کہ ممکن ہے کبھی مجھ سے سہو ہو جائے اور مسئلہ دھوکے میں غلط بتا دوں۔ لیکن کتاب دیکھ کر بتانے میں ذمہ داری میرے اوپر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور کتاب والے پر یہ ذمہ داری آ جاتی ہے۔'' (بحوالہ تذکرہ مشائخ دیوبند)

اسی طرح ظاہری و باطنی شکوک وشبہات میں آپ ہمیشہ حضرت گنگوہیؒ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور آپ کے قول کو قول فیصل جانتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو 'لیس الانسان الا ما سعی '' آیت کے متعلق ایک شبہ ہوا کہ جب انسان کو اس کی سعی کا اجر ملتا ہے تو

ایصال ثواب بعد مرنے کے دوسروں کی سعی ہے یہ کیوں مردے کو پہنچتا ہے' تمام دن اسی کش مکش میں گزر گیا' رات ہوگئی مگر اشکال رفع نہ ہوا' دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر آج کی رات انتقال ہو گیا تو قرآن کی ایک آیت کے متعلق دل میں ایک شک لے کر جاؤں گا بس پھر کیا تھا رات ہی کو پیادہ پا عازم گنگوہ ہوئے' صبح ہوتے ہی آستانہ رشیدیہ پر موجود تھے۔ اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہ' وضو فرما رہے تھے' پوچھا کون صاحب! حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا ''عزیز الرحمٰن'' اس کے بعد اپنا اشکال پیش کیا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ' نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہاں سعی سے مراد سعی ایمانی ہے'' یعنی کسی کا ایمان کسی کے کام نہ آئے گا باقی ایصال ثواب ایک دوسرے کے ضرور کام آئیں گے۔ (رسالہ دار العلوم جولائی ۱۹۵۸ء)

اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بہت سے کمالات باطنیہ کی طرف بھی ارشاد ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اس طرح حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا موصوف قدس سرہ' نے آپ کو بہت زیادہ عنایات سے نوازا تھا۔ بہر حال حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اپنے ظاہری و باطنی علمی و روحانی کمالات میں اپنی نظیر آپ تھے۔

وفات:

۱۳۴۶ھ میں آپ مستعفی ہو کر ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دن قیام فرما کر واپس دیوبند تشریف لے آئے اور تھوڑے عرصہ بعد ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی اولاد میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند اور مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب استاذ تجوید دار العلوم دیوبند قابل فخر فرزند ہیں۔ اس دور کے جید علماء میں شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆

حکیم الامت مجدد ملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں اور ایک بہت بڑے رئیس شیخ عبدالحق صاحب تھانوی کے چشم وچراغ ہیں آپ کی پرورش نہایت ہی نازونعم میں ہوئی اور قدرت نے آپ کو عجیب وغریب مزاج سے نوازا تھا عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون رہ کر پڑھیں اور ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں آپ بغرض تحصیل وتکمیل علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے آپ کے مربی اور شفیق اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید احمد صاحب وغیرہ ہیں۔ قرات کی مشق آپ نے حضرت قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی کے سامنے مکہ معظمہ رہ کر فرمائی آپ کی دستار بندی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اخیر صفر ۱۳۰۱ھ میں باجازت والد ماجد اور اساتذہ کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کردیا اور چودہ سال تک کانپور میں درس وتدریس وافتاء اور تبلیغ وواعظ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ کانپور چھوڑ کر وطن یعنی تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مدرسہ اشرفیہ قائم کیا جہاں آخر دم تک دینی علمی اور روحانی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت حکیم الامت کی پوری زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف دین کے لئے پیدا کیا تھا اس لیے پیدا ہونے سے قبل ہی اس قسم کی چیزوں کا ظہور ہوا کہ جس سے صاف کہا جاسکتا ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ اور مجدد اعظم تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کے استاد مکرم مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی پیشین گوئی تھی کہ تم جہاں

جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے''۔ واقعی ایسا ہی ہوا علوم ظاہر سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے دل میں تزکیہ باطن کی تڑپ پیدا ہوئی اور ابتداء میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر جب آپ کے والد ماجد حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خدام میں داخل ہو گئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور حکیم الامتؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے میکدہ میں داخل ہو کر نچوڑ میخانہ نکلے۔ غرضیکہ ۱۳۱۰ھ میں آپ پھر دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور تقریباً چھ ماہ آپ نے قیام کیا اور ذکر و فکر میں مشغول رہے اس قیام میں حضرت حاجی صاحب کو آپ پر مکمل اعتماد تھا اور فرماتے تھے کہ ''میاں اشرف علی بس پورے پورے میرے طریق پر ہیں۔'' اور جب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر دیکھتے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے کہ ''جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی۔''

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے ایک دفعہ یہ بشارت دی کہ ''تم کو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی'' چنانچہ آپ کی ان دونوں سے مناسبت تامہ اظہر من الشمس ہے'' بہر حال حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان تھے اور جس طرح شریعت کے متبحر عالم تھے طریقت و سلوک میں بھی اسی طرح مقام ارفع پر فائز تھے آپ کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔

یوں تو چشم فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں، بڑے بڑے عابد و زاہد انسان اور بڑے بڑے متقی و تہجد گزار بندے اسی خطۂ ارضی پر دیکھے ہوں گے مگر شریعت و طریقت کا ایک ایسا حسین امتزاج شاید ہی کسی نے دیکھا ہوگا' کوئی صرف عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا' کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علوم شرعیہ سے نا آشنا مگر حضرت حکیم الامتؒ ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے' عالم بے بدل بھی' رومیٔ عصر بھی تھے اور رازیٔ وقت بھی' آپ نے جس طرح شریعت ظاہرہ کو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقت باطنہ کو بھی افراط و تفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ آپ نے طریقت کو جو ایک زمانہ میں صرف رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی' زوائد و حواشی سے پاک و صاف کر کے قدماء سلف صالحین کے مسلک پر لا کھڑا کیا' آپ

نے پورے شدومد کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ طریقت میں شریعت ہے' شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں' حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں طریقت کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''مسلمانوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا سا ذوق پیدا ہو جائے۔''

آپ نے اس مقصد عظیم کے لیے سیرت سازی کا ایک ایسا صحیح طرز اختیار کیا کہ جس سے جوگیانہ صوفیت اور راہبانہ تربیت روحانی کے پردے تار تار ہو گئے اور اسلامی روحانیت کا صحیح مفہوم لوگوں کی سمجھ میں آ گیا۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں واضح فرمادیا کہ:

''شریعت ہی ساری دنیوی' اخروی' ظاہری و باطنی سعادتوں کی کفیل ہے۔''

حضرت حکیم الامت تھانویؒ چاروں سلسلوں چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' اور قادریہ میں بیعت فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نہ تو اصلاح باطن اور تربیت اخلاق کے لئے بیعت کو لازم و ضروری خیال کرتے بلکہ طالب کے ذہن میں اول ہی مرحلہ میں یہ بات ذہن نشین کرا دیتے کہ اصلاح باطن اور تزکیہ نفس بیعت پر موقوف نہیں ہے یہ بغیر بیعت کے بھی ہو سکتی ہے اور عوام وخواص کے ذہنوں میں جو یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ بغیر بیعت ہوئے اور بغیر ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تربیت اور حصول الی اللہ نہیں ہو سکتا اس کے دور کرنے کی کوشش کرتے چنانچہ بعض حضرات کو خلافت عطا فرمانے کے بعد بیعت فرمایا اور وہ بھی ان کی درخواست پر' اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندویؒ کی مثالیں موجود ہیں اور نہ ہی وہاں پر کسی سلسلہ کی کوئی روایات تھیں' نہ رسوم' نہ تعلیم و تربیت کے وہ کورانہ تقلید کے انداز تھے' روایتی حلقے توجہ اور مراقبے کچھ نہ تھے' بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکام کی بجا آوری کا اور دھن تھی تو ہر انداز زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کی' فکر تھی تو نفس وشیطان کے مکائد سے بچنے کی اور اپنے متوسلین کو تاکید تھی تو صرف یہ کہ اپنے ظاہر و باطن کو بھی پاک وصاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی ظاہر وطیب بناؤ۔ اکثر فرماتے تھے:

''دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت وطریقت ہے' جس طرح ظاہری اعمال کے لئے احکامات الٰہیہ فرائض و واجبات ہیں اسی طرح باطنی اعمال کے لئے بھی ہیں اور ہم دونوں کے ادا کرنے کے پابند ہیں۔''

اور فرماتے ہیں کہ:

''اس کے ساتھ ساتھ اور اسی طرح ضروری و لازمی حقوق العباد ہیں تم پر اپنے والدین کے' اپنے بیوی بچوں کے' اپنے احباب کے اور کاروباری تعلق رکھنے والوں کے حقوق بھی کما حقہ' ادا کرنا فرض ہے ان میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کرو گے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہوا تک نہ لگے گی' چاہے عمر بھر ہی کیوں نہ مروجہ رسمی تصوف کے مجاہدوں نوافل و وظائف میں سر مارو' خدا کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی خدا کو راضی کر لو'' ''ایں خیال است محال است جنوں''

دراصل حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں طریقت کا خلاصہ ہی یہ تھا کہ انسان بنو' آدمیت سیکھو' چنانچہ آپ بار ہا فرماتے ہیں کہ:

''بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا ہوں' آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں''

یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں اگر کوئی بے اصولی کی بات کرتا یا بے فکری کا ثبوت دیتا حقوق واجبہ کا تارک ہوتا' معاملات میں بدنظمی برتنا یا سلیقہ اور ڈھنگ سے کام نہ کرتا تو حضرت تھانویؒ فوراً تنبیہ اور مواخذہ فرماتے اور بار بار اپنے متوسلین کو اس طرف توجہ دلاتے کہ یہ تمام چیزیں دوسروں کی اذیت کا سبب بنتی ہیں اور کسی شخص کو اذیت نہ پہنچانا واجب ہے اور فرماتے کہ:

''جن لوگوں کا مجھ سے اصلاح کا تعلق ہے ان کی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے' ان کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکریات کا صادر ہونا مجھے سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ پر سخت دارو گیر کرتا ہوں' خواہ کتنا ہی قوی تعلق محبت کا مجھ سے ہو ہرگز مروت سے کام نہیں لیتا لیکن جن لوگوں سے ایسا تعلق نہیں بحمد اللہ میری نظر ان کے کسی عیب پر نہیں پڑتی بلکہ تعلق بنانے کے لئے ان کی خوبیاں ہی میرے سامنے رہتی ہیں۔''

حضرت تھانویؒ کے یہاں کیفیات و مکاشفات و واقعات و کرامات پر اتنا زور نہیں تھا جتنا کہ عقائد عبادات' معاملات' معاشرت' سیاست اور طریقت کی درستگی پر تھا اور آپ صفات' رذائل کی تشریح پر زیادہ زور دیتے اعمال ظاہرہ و باطنہ میں اختیاری و غیر اختیاری' مقصود و غیر مقصود کی حدیں قائم کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہتے' آداب زندگی اور آداب انسانیت کی تعلیم ہی آپ

کی نظر میں تربیت روحانی کی اصل بنیاد تھی اکثر فرماتے کہ:

''میں تو کہا کرتا ہوں کہ شاہ صاحب بننا آسان ہے، ملک التجار بننا آسان بزرگ بننا آسان، قطب بننا آسان، مگر انسان بننا مشکل، اور یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو قطب بننا، ہو تو کہیں اور جاؤ اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ، میں انسان بناتا ہوں۔''

حضرت تھانویؒ کا آستانہ مبارک بڑے بڑے ارباب ثروت و دولت اور اصحاب علم و فضل کی عقیدت گاہ تھی، آپ کی خانقاہ معرفت و روحانیت کا ایک ایسا چشمہ صافی تھی جس کی طرف دن رات سینکڑوں تشنہ کام آتے ہیں اور سیراب ہو کر لوٹ جاتے، آپ کی ہمہ گیر تربیت کے زیر اثر ہزاروں معصیت کوش اور عصیاں آلود روحیں پاک و صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر لوٹیں۔ آپ کا فیضان عام تھا اس سے بڑے بڑے علماء بھی مستفید ہوئے صلحاء بھی، عوام بھی، خواص بھی، امیر و غریب، عورتیں مرد بچے بوڑھے سب ہی اپنی اپنی استعداد کے موافق اس بحر علم و معرفت سے سیراب ہوتے رہے، آپ کے حلقہ ارادت میں علماء و فضلاء مفسرین، محدثین، فقیہہ، تاریخ دان، سیاستدان، فلاسفر، صحافی، ادیب اور خطیب ہر قسم کے لوگ نظر آئیں گے اور ان ہی کی صفوں میں عام آدمی دیہاتی غربا، اور متوسط طبقہ کے افراد بھی کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان لوگوں میں سے حضرت تھانوی نے نہ کسی کی دولت ختم کرائی نہ کسی کو گوشہ نشین بنایا نہ کسی سے بیوی بچے چھڑائے نہ اعزہ و اقارب کے چھوڑنے کو کہا، بلکہ اس مین سے ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت پر قائم رکھتے ہوئے ولی اور صرف ولی ہی نہیں بلکہ ولی گر بنایا۔ حضرت تھانویؒ اپنی خانقاہ کے تربیت یافتہ لوگوں کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ:

دیکھو! سرکاری ملازمین میں میرے تربیت یافتہ لوگ ملیں گے، علماء صوفیاء اور مدرسین میں میرے مجازین ملیں گے، اطباء و ڈاکٹروں میں تاجروں میں، وکیلوں میں، انجنیئر وں میں میرے اجازت یافتہ ملیں گے، فقیروں میں، زمینداروں میں اور نوابوں میں میرے خلفاء ملیں گے، تمہارے لئے اس دور سے زیادہ فتنہ والا دور اور کیا ہوگا بس دیکھو، دین کے بارے میں ان کی مثالیں سامنے رکھنا ان کا دامن پکڑے رکھنا، دیکھو دین کتنا آسان ہے یہ سب تمہارے لئے

آسان ہے سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں کوئی چیز ان کے لئے دین سے مانع نہیں خارج نہیں دین دار ہوتے ہوئے سب اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ تحصیل معاش مین مصروف ہیں کوئی دشواری نہیں اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہونا چاہئے تم کو صاف محسوس ہوگا کہ دین کتنا آسان ہے اور ہر شعبہ زندگی میں عمل ہے۔

وراثت نبوت یا جذبہ مجددیت سے جو شفقت علی الخلق اور اصلاح مسلمین کی فکر آپ پر ہمہ وقت مسلط رہتی تھی اس کی وجہ سے آپ کا سونا' جاگنا' رفتار' گفتار' آرام و راحت سب کا سب اسی مشغلہ کی نذر تھی جہاں کہیں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی ہو' اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس دور پر فتن میں ایسے جذبہ رکھنے والے کو چین و آرام کہاں' مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ خود احقر نے بارہا دیکھا کہ جب کوئی فتنہ مسلمانوں میں ہوا جس سے ان کی دینی یا دنیوی تباہی کا خطرہ تھا تو حضرت تھانویؒ کا نظام ہی کام آتا۔ ایک ایسے فتنوں کے زمانہ میں خود فرمایا کہ:

''مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک اڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو اس دور حاضر کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کے ہر شعبہ زندگی میں بڑھتی ہوئی تباہیوں اور بربادیوں کو محسوس فرما کر جہاں سینکڑوں اور ہزاروں میل کے سفر طے کر کے اپنے مواعظ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا وہاں آپ نے اپنی عظیم تصانیف کے ذریعے عوام و خواص کی رہبری فرمائی اور ان کو صحیح دین سے آشنا کیا' رسوم و بدعات کی تاریکیوں سے نکالا' اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے عجیب عجیب نسخے تیار کیے۔ نشر و اشاعت کے اس دور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عظیم اور امتیازی کارنامہ ہے۔ کہ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف کو جن کی صرف فہرست ہی سو صفحات سے زائد ہے آپ کے قلم وحقیقت رقم سے نکلی ہیں ہر علم و فن پر تصانیف و تالیفات اس قدر فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ متقدمین و متاخرین میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس

پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیر حاصل مستند و معتبر تصانیف و مواعظ اور ملفوظات نہ ہوں۔ نصائح وصایا کا بھی نہایت جامع و نافع مکمل دستور العمل بھی مرتب فرما کر دیا ہے خود بھی بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ الحمد لله و بفضله تعالى سب ضروری کام ہو گیا ہے صدیوں تک کیلئے دین کا راستہ بے غبار ہو گیا اور آئندہ نسلوں کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ میری ہی تصانیف ملفوظات و مواعظ سے ضروری کام چلتا رہے گا یہ سب حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا فیض و برکت ہے۔

اجتماعی اصلاح امت کے سلسلہ میں آپ کا دوسرا عظیم کارنامہ ایک ایسا نظام عمل مرتب کر جانا ہے کہ اگر سب مسلمان مل کر اس نظام کو اجتماعی شکل پر اپنالیں تو جتنے مصائب آرہے ہیں وہ سب دور ہو جائیں اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر مصائب اور پریشانیوں کی اطلاع آتی ہے۔ تو آپ ماہی بے آب کی طرح سخت پریشان ہوتے ہیں ایک دن آپ اس فکر میں مبتلا تھے کہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ کی نماز صبح میں آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوا کہ بعض اعمال خاصہ ہیں ان کی خاصیت یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر اور ان کا التزام کرانے سے مسلمانوں کے مصائب دور ہو سکتے ہیں چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں پچیس اصول حیات "حیات المسلین" کے نام سے جمع فرما کر شائع فرمائے۔ آپ کو کم و بیش ڈیڑھ ہزار تصانیف لکھنے کا شرف حاصل ہوا مگر آپ کا قول مبارک ہے کہ:

"مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ میرے لئے یہ سرمایہ نجات ہے البتہ حیوۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔"

اسی "حیات المسلین" میں درج شدہ پچیس اصول وسیع پیمانہ پر عمل ترویج کے لئے ایک نظام عمل صیانۃ المسلمین کے نام سے تجویز فرما کر ۱۹۳۰ء میں جاری فرمایا۔ مجلس صیانۃ المسلمین کا مقصد اسلام کے بنیادی اصول عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، تربیت اخلاق کی صحیح طور پر انفرادی و اجتماعی طور پر عملی ترویج ہے تاکہ مسلمان کامل اور مکمل مسلمان بن کر ترقی کریں۔ مجلس صیانۃ المسلمین کی اہمیت اور اس کی عظمت کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے جو آپ نے کسی کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ حضرت وہ کون سا عمل اور کون

سے اسباب ہیں کہ جنہیں اختیار کرنے سے مسلمان موجودہ پستی اور تنزلی سے نجات حاصل کر کے ترقی کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا کہ: بفضلہ تعالیٰ ایسی تدابیر موجود ہیں اور ان کو ضبط کر کے رفاء عامہ کے لئے شائع بھی کر دیا گیا ہے چنانچہ ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور بربادی سے متاثر ہو کر دو کتابیں **حیوۃ المسلمین** اور **صیانۃ المسلمین** تصنیف کی ہیں ان دونوں کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کو جو اس وقت مسلمانوں پر آ رہے ہیں پورا پورا علاج بتلا دیا ہے تمام مسلمان پہلے ان ہی دونوں کتابوں پر عمل کر کے دیکھ لیں کہ کتنا نفع ہوتا ہے اور ایک دفعہ فرمایا کہ:

''ہماری حالت تو یہ ہے کہ دو مسلمان مل کر اتفاق سے کوئی کام کر ہی نہیں سکتے پھر اس پر ایسے بلند خیالات' کیا ایسی قوم کبھی فلاح پا سکتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں اہلیت ہوتی تو **حیوۃ المسلمین** اور **صیانۃ المسلمین** ہی ان کے دستور العمل کے لئے کافی وافی ہیں۔''

قیام پاکستان سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافی دور میں جب مسلم لیگ نے دہلی میں ایک عام اجلاس منعقد کیا تو اس میں حضرت تھانویؒ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی اور اس میں درخواست کی تھی کہ اس موقع پر جناب والا تشریف لا کر اپنے ارشادات سے مجلس کو ہدایات دیں لیکن اگر حضور والا خود تشریف نہ لا سکیں تو اپنا نمائندہ بھیج کر مشکور فرمائیں۔

آپ چونکہ اس وقت بیمار اور کمزور تھے اس لئے آپ دہلی تشریف نہیں لے جا سکے مگر آپ نے اپنے جوابی گرامی نامے کے اندر ارکان مسلم لیگ کو مجلس **صیانۃ المسلمین** کی طرف توجہ دلائی اور تحریر فرمایا کہ اگر مسلم لیگ کے ارکان **صیانۃ المسلمین** اور **حیوۃ المسلمین** پر عمل پیرا ہو کر حکومت حاصل کریں تو اسلام کے بتائے ہوئے نقوش پر حکومت چلا سکیں گے جس کا نتیجہ کامیابی ہی کامیابی ہے۔ چنانچہ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ اجل اور شیروان کے چشم و چراغ حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں اور ان کی پیہم سعی اور کوششوں کے بعد پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے زیر سرپرستی ہوئی اور آج تک بفضلہ تعالیٰ جناب مولانا سید محمد نجم الحسن تھانوی کے زیر نگرانی یہ چشمۂ فیض جاری ہے اور ہند و پاک کے تمام علماء کرام اس کے

معاون ہیں اور کراچی سے پشاور تک اس کی متعدد شاخیں قائم ہیں۔ اور اس وقت اس مجلس کے روح رواں جناب مولانا مشرف علی صاحب تھانوی ہیں جو اس مشن مقدس کو زندہ کئے ہوئے ہیں اس کے علاوہ صرف یہی نہیں کہ آپ نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لئے کتابیں تصنیف کر دی ہیں۔ اور صیانۃ المسلمین کا نظام عمل پیش کر دیا ہو بلکہ آپ نے اپنے بعد کے لئے ایسے تربیت یافتگان کی ایک عظیم جماعت بھی چھوڑی ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں کاموں کو اپنی اپنی جگہ کما حقہٗ ادا کر رہے ہیں۔ یوں تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے متوسلین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے مگر آپ نے ان میں سے ۱۲۹ حضرات کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی بانی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ بانی دارالعلوم کراچی حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلہٹی بانی جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند انڈیا، حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں اور اپنی اپنی ذات میں ہر شخص ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف، تعلیم و تربیت اور اصلاح امت و ہدایت خلق کی طرف تھا اس لئے عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکوں میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہ آئی اور نہ آپ کبھی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے البتہ جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی اس کے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر نتائج وعواقب واضح کرنے اور ملت کی علمی و روحانی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا چنانچہ جب کانگریس میں مسلمانوں کے بلاشرط داخلے سے خطرناک نتائج وعواقب تقریباً سامنے آ گئے تو حضرت

تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت اور شرکت کی رائے دی' آپ کا فتویٰ بنام تنظیم المسلمین شائع ہوا۔ آپ کا فتویٰ شائع ہونے کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی اور آپ کے تمام متوسلین و خلفاء نے مسلم لیگ کی حمایت و اعانت میں سرگرم حصہ لیا اور ان تمام حضرات نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں عملی طور پر کارنامے انجام دیئے۔ اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور جگہ جگہ ان حضرات کی کوششوں سے مسلم لیگ کامیاب ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم بھی حضرت تھانویؒ کی اس حمایت پر بڑے مطمئن اور شکر گزار تھے اور آپ کے متوسلین ان کوششوں کو ہمیشہ سراہتے' حتی کہ ڈھاکہ اور کراچی میں پاکستانی پرچم کی نقاب کشائی کے سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو تجویز فرمایا اور ان ہی کے مبارک ہاتھوں نقاب کشائی کرائی اور آج بھی حضرت تھانویؒ کے تمام متوسلین اور خلفاء پاکستان کے وجود اور بقاء کے لئے حتی المقدور کوشاں ہیں۔

بہر حال آپ کی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزری اور نہایت لطیف مزاج کے مالک تھے متقدمین میں سے مزاج کے اعتبار سے آپ کو مرزا مظہر جان جاناں ثانی کہا جا سکتا ہے۔ آپ نہایت مترتب المزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے اور حقیقت یہ کہ اگر آپ مترتب المزاج اور اصول وضوابط کے پابند نہ ہوتے تو اتنے عظیم کارنامے اور ہزاروں تصنیف و تالیف کا کام ہرگز پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا بلا شبہ آپ حکیم الامت اور مجدد ملت تھے اور پورے عالم اسلام کے عظیم مذہبی و روحانی پیشوا تھے آخر ۸۳ سال ۳ ماہ گیارہ دن دنیا کو اپنے وجود مسعود سے متبرک اور منور فرمانے کے بعد ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ یعنی ۱۹ یا ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

نماز جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے پڑھائی' تھانہ بھون کے قبرستان عشق بازاں میں آپ کا مزار مقدس ہے' وزوالوصفین تاریخ وصال ہے ۱۳۶۲ھ

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے ''سیرت اشرف'' مولفہ منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی)

امام العصر محدث کبیر
حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود نرزدریؒ کشمیری سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ملتان آئے لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا ہے جو آگے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال بمقام دودھواں وعلاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحبؒ سے قرآن شریف شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اور ابھی آپ کی عمر ۱۳، ۱۴ سال کی تھی۔ ۱۳۰۵ھ میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی، حضرت علامہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات کے مصداق، بچپن ہی میں بے حد ذہین، ذکی اور فطین تھے، تین سال تک آپ ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بھی بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں ہزارہ سے دیوبند آ گئے، دیوبند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت و یکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ و عملیہ و باطنیہ کا بدرجہ اتم استفادہ کیا اور بیس اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت و عزت کے ساتھ سند فراغ ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ رہا ہے ان میں سے یہ چند حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مولانا محمد اسحاق امرتسری مہاجر مدنیؒ اور مولانا غلام رسول ہزارویؒ۔

دیوبند سے فارغ ہو کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کئے اس کے

بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور تین چار سال تک مدرسہ امینیہ کے مدرس اول رہے دہلی میں کئی سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوری کے باعث آپ کشمیر تشریف لے گئے اور ۱۳۲۳ھ میں آپ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے' سفر حجاج میں طرابلس' بصرہ اور مصر وشام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد و بے نظر لیاقت واستعداد دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔ جن میں آپ کا نام الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیریؒ لکھا گیا ہے۔ سفر حجاج سے واپس آ کر خواجگان قصبہ بارہ مولے وکشمیر کا ایک مشہور مقام خصوصاً خواجہ عبدالصمد ککرو ورئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے اسی قصبہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسہ دستار بندی میں مدعو کیا گیا اور آپ دیوبند تشریف لے گئے' دارالعلوم دیوبند میں آپ نے استفادہ علوم وفنون کیا تھا اور وہیں سے سند فراغ حاصل کی تھی اب اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے سنن ابوداؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال تک بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے۔ چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا۔ لیکن دارالعلوم کی طرف سے شدید تقاضا ہوا اس لئے آپ جلد ہی واپس تشریف لے آئے اور اطمینان کے ساتھ دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول ہو گئے آپ دارالعلوم سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے آخر مولانا حافظ محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اصرار کر کے اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں اور یہ صورت دس برس تک قائم رہی' مولانا محمد احمد قاسمیؒ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ' علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یہ تمام حضرات مل کر کھانا کھاتے اور عجیب علمی اور تحقیقی باتیں ہوتیں رہتیں۔ نکاح اور اولاد ہونے کے بعد احباب کو موقع ملا کہ شاہ صاحب کو دارالعلوم سے کچھ مشاہرہ دلوائیں چنانچہ کافی اصرار پر آپ راضی ہوئے۔ اسی دوران شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے حجاز مقدس کا قصد فرمایا تو انکے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علامہ کشمیریؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس سنبھال لیا۔ شاہ صاحب کے درس میں بعض ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں نہیں تھیں' بہر حال ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے۔ اسکے بعد بعض منتظمین سے

اختلاف ہوا تو دارالعلوم سے قطع تعلق فرما کر آپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سراج احمد دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اور سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء بہت سے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک جامعہ میں درس حدیث رہا اور ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیو بند میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و عملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران واعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی تھی وہ آپ کی جامعیت و تبحر علمی ہے علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے ایک بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ علماء ومتقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس ارشاد سے آپ کی جامع شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ:

میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کسی قسم کی بھی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔ (حیات انور)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کشمیری کی وفات پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک جلسہ میں فرمایا: مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔ ورنہ اگر علامہ انور شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب ومجاہدات تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدین اور شیخ عزیز الدین کا انتقال آج ہوا ہے (حیات انور)

مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''واقعی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت من آیات اللہ تھے۔''

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا:

کہ میں نے ہندوستان حجاز، عراق، مصر اور شام کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور

مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی' وسعت معلومات' جامعیت اور علوم نقلیہ وعقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔ مصر کے ممتاز عالم دین علامہ سید رشید رضا نے دیو بند میں ایک مرتبہ فرمایا خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔ (حیات انور)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ جارہا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ پیچھے رہ گئے تھے۔''

آپکی ذہانت قوت حافظہ کے سلسلہ میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی یہ تحقیق قابل ذکر ہے کہ مجموعی طور سے حضرت شاہ صاحبؒ کو کم سے کم چالیس پچاس ہزار عربی کے اشعار یاد تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا اپنے زمانہ کے امام زہریؒ تھے۔''

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ:

''اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔''

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور علمی اشغال مین غیر معمولی انہاک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباع سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر کی کوتاہی نہیں ہوتی تھی' ملنے والے بہت سی سنتوں کو شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے' سنت نبویؐ کے مطابق کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔ زہد وتقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرے پر برستا تھا ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر آپ کا سرخ وسفید رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی عظمت ووجاہت دیکھ کر کہا تھا کہ ''اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے۔''

جمعہ کے لئے جاتے تو فَاسْعَوا الی ذکر اللہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ حسبنا اللہ تکیہ

کلام تھا' اٹھتے بیٹھتے اکثر وبیشتر حسبنا اللہ فرماتے اور ایسے ہی موقعہ بموقعہ "اللہ اجل" فرماتے رہتے تھے' درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی' جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے' انشاء وقصائد اور وعظ میں خوف وخشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے جس سے چہرہ مظہر خشیت الٰہی نظر آتا تھا۔ اور سامعین کی آنکھیں تر ہوجاتی تھیں' ٹھیک طریقہ نبویؐ کے مطابق کن انکھیوں سے دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے پورے متوجہ ہوتے تھے باوجود تبحر علمی کے ادب شیوخ واکابر کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر یا ملا کر گفتگو نہ فرماتے شاہ صاحب اپنے باطنی کمالات کو ہمیشہ چھپائے رکھتے تھے اور یہی بات ہے کہ علمی کمالات حضرت کے ساتھ ایسے خیرہ کن تھے اور علم کا حضرت شاہ صاحب پر ایسا غلبہ تھا کہ مجسمہ علم معلوم ہوتے۔ لیکن قرآن پاک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء آپ صحیح معنوں میں خداترس تھے۔ مگر علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات زندگی اس کے بالکل نیچے دبے ہوئے تھے چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلندترین پہلو بھی جس کو سلوک وتصوف سے تعبیر کرنا چاہئے اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ یقیناً آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے مجاز تھے لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔

حضرت علامہ اپنی جلالت قدر اور رفع منزلت کے باجود اکابر دیوبند کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے: ایک دفعہ فرمایا ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا اس کے بعد حضرت شیخ الہند اور حضرت رائپوری کے یہاں دیکھا۔ اور اب جو دیکھنا ہے تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں دیکھیے۔ اندازہ کیجیے جن حضرات کی تعریف وتوصیف علامہ انور شاہ جیسے محدث وفقیہ کی زبان سے ہورہی ہو ان کا مقام کتنا بلند ہوگا اس کا ہم جیسے لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری فرماتے ہیں کہ:

"میں ایک دفعہ سنہری مسجد مدرسہ امینیہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب ایک حجرے میں دروازہ بند کیے ذکر دوضربی جہر کے ساتھ کررہے ہیں' اللہ' اللہ' اللہ

دیر تک اسم ذات کرتے رہے جس وقت شاہ صاحب بازار نکلتے تو سر پر رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر کے نکلتے مبادا کسی عورت پر نظر پڑ جائے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اخلاق و شمائل کتب احادیث میں روایت کئے گئے ہیں ان میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے گویا بلاضرورت بولتے ہی نہ تھے حضرت شاہ صاحب اس عادت مبارکہ کا کامل نمونہ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف علمی و دینی استفادہ و افادہ کے لئے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لئے زبان دی گئی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر فرماتے ہیں کہ مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی مگر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا' یہی حال حضرت شاہ صاحبؒ کا تھا۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ: شاہ صاحب کے نور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی دیکھتا وہ اول نظر میں یقین کر لیتا کہ یہ خدا کا کوئی نیک بندہ ہے شاہ صاحب اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی اجنبی مجلس میں داخل ہوتا تو دیکھتے ہی سمجھ لیتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے بڑا عالم اور متقی یہی شخص ہے۔

مرد حق کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کی تربیت سے ایسے متبحر عالم اور عظیم محدث' مفسر' فقیہ' ادیب' خطیب' مورخ' شاعر' مصنف اور عارف پیدا ہوئے کہ جن کی نظیر کم از کم اس پورے برصغیر میں ملنا مشکل ہے دارالعلوم کے تقریباً اٹھارہ سالہ قیام میں کم از کم دو ہزار طلباء شاہ صاحب سے بلاواسطہ مستفید ہوئے۔ ان کی مکمل فہرست کے لئے بھی ایک دفتر درکار ہے۔ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو گوشۂ گمنامی میں دین کی خدمت میں مصروف رہے اور وہ بھی ہیں جو علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں جن میں چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شاہ عبدالقادر رائپوریؒ' مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ' مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ' مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ' مولانا محمد منظور نعمانیؒ'

مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ ' مولانا اطہر علی سلہٹیؒ اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں آپ نے دینی' تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ چند مایہ ناز تصانیف یہ ہیں: **خاتم النبیین' عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام' التصریح بماتواتر فی نزول المسیح' فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب** وغیرہ ان کتابوں کے علاوہ حضرت علامہ کی دو تقریریں جو درس کے وقت املا کراتے تھے اور جن کو اجلہ تلامذہ نے تحریر کیا ہے۔ ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری شرح بخاری کے نام سے مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے تحریر کی ہے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے مسلم شریف کی املائی شرح منضبط کردہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور حاشیہ سنن ابی داؤد منضبط کردہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ غیر مطبوعہ ہیں اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری شاہ صاحب کے افادات ۳۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہو رہے ہیں' مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے آپ کی حیات طیبہ پر ایک کتاب بنام نفحۃ العنبر عربی میں لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے آپ کے اخلاف رشید میں مولانا محمد انظر شاہ کشمیری اور مولانا محمد از ہر شاہ کشمیری زیادہ معروف ہیں جو دار العلوم دیوبند میں استاذ ہیں۔ اور دونوں فاضل عالم محقق اور مصنف ہیں۔ دوسری دینی خدمات کے علاوہ آپ کی تحریک ختم نبوتؐ میں خدمات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بہر حال آپ کی کس کس خوبی اور خدمت دین کا ذکر کیا جائے حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔

تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات ومناقشات خود سرائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی راہوں اور غرضوں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بلند معیار مانتے ہوئے اس کے تابع کر دیں اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔ (شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

☆☆☆

شیخ الاسلام

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آسمان شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔ آپ ایک بہت بڑے محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ آپ کی ذات گرامی علم وعمل کا سرچشمہ تھی۔ اور آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام، خدمت مسلمین اور خدمت ملک وملت میں گزری۔ آپ کے قلم اور زبان سے شریعت کے اسرار آشکار ہوئے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔ مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسے وقت دنیا میں بھیجتا ہے جب امت میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے علماء زمان، محقق دوراں اور دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا تھا۔ ان کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، عجیب و غریب حافظہ، عجیب وغریب تبحر کمالات علمیہ ایسے نمایاں اوصاف ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا۔ (ماخوذ تجلیات عثمانیؒ)

مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

علامہ عثمانی اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر مقرر، محدث ومفسر اور محقق تھے۔ حلقہ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید اب تک میسر نہ ہوا ہوگا۔ جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم وکمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم وعرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں۔ وہ تحریر وتقریر میں اپنے وقت کے امام تھے۔ (انوار عثمانی از انوار الحسن شیرکوٹی)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''مولانا عثمانی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم' پاکباز محدث' بہترین مفسر اور خوش بیان مقرر تھے۔ ان کی تقریر کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن تھا اور

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ' مہتمم دارالعلوم دیو بند فرماتے تھے کہ:

''جماعت علماء دیو بند میں حضرت علامہ عثمانی نہ صرف ایک بہترین عالم ہی تھے۔ بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔ آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ بانی دارالعلوم دیو بند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اور درسوں میں آپ کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائنوں میں آپ کا درس و تدریس اور مختلف مدارس عربیۂ مدرسہ فتح پوری دہلی' دارالعلوم دیو بند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزار ہا طلباء کیے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ تصنیفی لائنوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی۔ جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ سیاسی لائنوں میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدرآباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانے کی سعی جمیل فرمائی جب کہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرے میں تھے۔ آزادئ وطن کی حقیقت سے لاکھوں باشندگان کو آگاہ کیا۔ اور آزادئ ملک کی جدو جہد میں آپ نے کافی حصہ لیا۔ اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادئ وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔ اور کراچی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی و سیاسی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاصا اثر تھا۔ اور یہاں کی گورنمنٹ کے ہائی کمان میں آپ کی عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مذہبی قانون کمیٹی کے صدر رہے۔ بلاشبہ حکومت پاکستان نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات کا

جو معاملہ کیا وہ ایک قدر شناس حکومت کو اپنے مخلص خیر خواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ ہی کرنا چاہئے تھا۔ (انوار عثمانی)

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے۔ آپ کی ولادت ضلع بجنور میں ہوئی۔ جہاں ان دنوں حضرت علامہ کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰن عثمانی سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ مولانا فضل الرحمان عثمانی دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ بڑے فاضل اور اردو فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بنائے دارالعلوم دیوبند میں رفیق اور معاون تھے اور ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت علامہ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور ان کے صحیح علمی وسیاسی جانشین تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے اور دورۂ حدیث میں تمام طلباء سے فرسٹ آئے۔ اور ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔ لیکن آخر وقت تک اولاد سے قطعاً محروم رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجے کے اساتذہ میں سے تھے۔ لیکن ساری زندگی فی سبیل اللہ پڑھاتے رہے۔ متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی۔ تمام علوم معقولہ اور منقولہ، منطق وفلسفہ، ریاضی، فقہ وحدیث اور تفسیر میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ عہد طالب علمی ہی میں جو کتاب پڑھتے دوسرے ہمدرسوں کو پڑھاتے، طلباء کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ مدت تک دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس وتدریس کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اور ۱۳۴۴ھ میں شاہ حجاز کی دعوت پر جمعیت علماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے۔ اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعود اور دوسرے علماء ممالک سے علمی وفقہی مکالمے اور مباحثے کیے۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر وحدیث پڑھاتے رہے۔

۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پرنسپل اور صدر مہتمم کی حیثیت سے

فرائض انجام دیے۔ جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی اور ہزاروں تشنگان علوم آپ کے چشمہ فیض سے سیراب و شاداب ہوئے۔ جن میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیو بندیؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی' مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی' مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی جیسے مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

درس و تدریس اور دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف بھی اپنے قلم فیض رقم سے تالیف فرمائی ہیں۔ جن میں قرآن کریم کی تفسیر اور مسلم شریف کی شرح فتح الملہم زبردست علمی شاہکار ہیں۔ آپ کی تفسیر کے متعلق امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''علامہ عثمانی نے تفسیر لکھ کر تمام دنیائے اسلام پر احسان عظیم کیا ہے۔''

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی اس میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ کی روح کارفرما ہے۔''

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا عثمانی نے بہت سی ضخیم تفسیروں کو مختصر کر کے سمندروں کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ اس تفسیر کے علاوہ علامہ شبیر عثمانی کی شرح مسلم شریف' اعجاز القرآن' اسلام کے بنیادی عقائد' العقل والنقل' الشہاب اور فضل الباری شرح صحیح بخاری علمی شاہکار تالیفات ہیں۔''

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت علامہ عثمانی کے تصنیفی اور علمی کارناموں اور کمال علمی کا نمونہ اردو زبان میں ان کی تفسیر قرآن کریم ہے۔''

اسی طرح مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''علامہ عثمانی ان علماء کرام میں سے تھے۔ جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر بالغانہ نظر

رکھتے ہیں۔ جن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد قرآن دانی اور قرآن فہمی کی پوری صلاحیت علامہ عثمانی مرحوم کو حاصل تھی۔''

دینی وعلمی خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی اور قومی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت علامہ کی سیاسی، ملکی اور ملی خدمات کا آغاز جنگ بلقان سے ہوا۔ پھر آپ نے تحریک خلافت میں زبردست حصہ لیا۔ آپ پہلے جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے زبردست رکن تھے۔ اور ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اس میں شریک رہے۔ پھر آپ نے مسلم لیگ میں شرکت فرما کر تحریک پاکستان کو تقویت بخشی اور تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل ایک جماعت ''مرکزی جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر علامہ عثمانی ہی منتخب ہوئے۔ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مقرر کیا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کے بعد پاکستان کا وجود ان دونوں حضرات کا مرہون منت ہے۔ اور اگر یہ حضرات مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی رہبری نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کے رخ کو موڑنا اور نظریہ پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا۔

علامہ عثمانی نے اس سلسلہ میں جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے ملک کے دورے کیے اور سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اور پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باعث آپ نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قانون اسلامی کی تجویز قرارداد مقاصد کے نام سے پاس کرائی۔ غرضیکہ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائداعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی دینی خدمات ہیں۔ اس لیے پاکستان کو دونوں رہنماؤں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہیے۔ پاکستان کی یہ کوشش اور جدوجہد اور یہ تگ ودو محض اس مقصد کے لئے کی گئی تھی کہ اس خطہ زمین میں پاکستانی مسلمان قران وسنت کے قوانین نافذ کریں گے۔ اور اپنی تہذیب اپنی ثقافت اپنے علوم وفنون اور اپنی

زبان اردو کو فروغ دینے کے لئے کسی کے تابع اور محتاج نہیں رہیں گے۔

علامہ عثمانی کے اس عظیم مشن کو پورا کرنے کے لئے علماء دیو بند نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ خصوصاً ان دینی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جن اکابر علماء نے شب و روز محنت اور جدوجہد کی ہے۔ ان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' مخدوم الوقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ' علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس عظیم مقصد کی خاطر اپنی زندگی کے آخری سال قربان کیے۔ آپ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ پاکستان میں اسلامی احکام اور قوانین کا اجراء اپنی آنکھوں سے دیکھوں مگر قدرت نے جس سے جتنا کام لینا مقرر کیا ہے' اسی قدر اس سے کام لے کر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کرتی ہے' قائد اعظم کی زندگی کا مشن پاکستان کا وجود تھا۔ اور حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زندگی کا مطمح نظر قدرت کے نزدیک قرارداد مقاصد کی تجویز کو پاس کرانا تھا کہ پاکستان کا آئین قرآن وسنت پر رکھا جائے۔ اب اسی تجویز کو مدنظر رکھ حضرت علامہ مرحوم کے روحانی فرزند جناب مولانا محمد تقی عثمانی ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان قانون اسلامی کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ اپنے اکابر کے اس عظیم مشن کو پایہ تکمیل کو پہنچائیں گے۔ حق تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے (آمین) بہرحال حضرت علامہ عثمانی کی دینی و علمی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بقول شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ:

''حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے رازیؒ اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ تھے'' الغرض پاکستان بننے پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دیو بند سے افتتاح پاکستان کی تقریب میں حصہ لینے کے لئے کراچی تشریف لائے اور قائد اعظم کی درخواست پر اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا۔ اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو معمولی بخار کے بعد یہ آفتاب علم و عمل ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ دنیائے اسلام ہر طرف کہرام مچ گیا۔ اور پوری ملت اسلامیہ اپنے مذہبی امام کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئی۔ دو

لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور امامت کے فرائض مفتی اعظم پاکستان حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیے۔ اور آپ کا جسد خاکی اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی رحلت پر فرمایا کہ ''علامہ عثمانی کا یکایک ہم سے جدا ہونا ایک ایسا صبر آزما سانحہ ہے جس میں چشم ماتم گسار خدا جانے کب تک اشک بار رہے گی۔'' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا۔ جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔'' حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

☆☆☆

شیخ العرب والعجم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے' وہ اپنے زمانے کے جید عالم دین' اسلام کے عظیم مجاہد اور اپنے وقت کے عارف کامل تھے' اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ شوال المکرم ۱۲۹۶ھ ہے' آبائی وطن موضع الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔

آپ کا تاریخی نام چراغ محمد ہے' آپ حسینی سید ہیں اور آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے خلیفہ خاص تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کی زیر نگرانی ہوئی' آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پانچ سپارے قرآن شریف کے پڑھے اور بقیہ پارے والد صاحب سے پڑھے۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی تو آپ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب اور شفیق استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی زیر نگرانی دارالعلوم میں تعلیم پاتے رہے' باوجود یہ کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ دورۂ حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے' لیکن آپ کو ہونہار پا کر ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں اور توجہات خصوصیہ سے نوازا' آثار سعادت اور جذبہ خدمت آپ میں پہلے ہی سے موجود تھا' اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا' سترہ فنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے' ہر ایک استاد کی نظر شفقت آپ پر پڑنے لگی' اساتذہ غایت شفقت اور محبت کی وجہ سے نیز کم عمر ہونے کے باعث آپ کو ''مستوراتی منشی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے' اساتذہ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ کو کبھی عار محسوس نہیں ہوا:

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں سے کسی نے بھنگی کی فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرا دو بھنگی نہیں ملا' مگر نالی صاف ہو کر دھل بھی گئی' معلوم ہوا کہ اس نالی کو حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بہت سے مہمان آ گئے تھے' بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا' لہٰذا دن بھر کی گندگی سے پر ہو جاتا تھا' لیکن تعجب تھا کہ روزانہ صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہو جاتا تھا' چنانچہ ایک دن اس راز کو معلوم کرنا چاہا تو دیکھا گیا کہ رات کے دو بجے آپ ٹوکرا لے کر پاخانے میں داخل ہوئے اور پاخانہ ٹوکرے میں بھر کر جنگل کا رخ کیا۔ سبحان اللہ! یہ تھی تواضع اور خاکساری جس نے آپ کو فنائیت کے درجے پر پہنچایا ہوا تھا۔

بہر حال جب آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہوئے تو آپ کی چند خارج از درس کتابیں طب' ادب' ہیئت میں باقی رہ گئی تھیں کہ آپ کے والد ماجد نے عزم ہجرت کیا تو آپ بھی معہ والدین و برادران وغیرہ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور ادبیات میں باقی کتابیں مدینہ منورہ کے معمر اور مشہور ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہؒ سے پڑھیں۔

آپ کو حدیث میں علاوہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے' حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ مولانا شیخ حسب اللہ شافعی المکی اور مولانا سید احمد برزنجی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

جس وقت آپ کے استاد مکرم حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کر رہے تھے تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں" چنانچہ آپ نے اپنے استاد کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے۔ مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی اور ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہاتے رہے۔

مرکز علم مدینہ منورہ میں آپ کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالک غیر میں بھی "شیخ حرم نبویؐ" مشہور ہو گئے اور عرصہ دراز تک حرم نبوی میں پڑھانے کے

بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس میں شرکت فرمائی اورارباب اہتمام وشوریٰ نے آپ کو معقول تنخواہ پر دارالعلوم دیوبند میں مدرس رکھ لیا اس کے بعد ۱۳۳۹ ہجری میں آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا کے زمانے تک برابر درس وتدریس میں مشغول رہے مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے کچھ دنوں امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں بھی تعلیم دی' پھر وہاں سے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی خدمت میں بلالیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور تدریس میں مشغول ہوگئے۔ کراچی کے مشہور مقدمہ تک آپ کلکتے میں رہے۔ بعد میں آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری وجیل علیحدہ ہوگئے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک تقریباً چھ سال بنگال میں اور پھر سہلٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ اس ۳۱ سالہ زمانہ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

سلوک وتصوف میں بھی آپ کامل شیخ تھے' ۱۳۱۶ھ میں آپ آستانہ عالیہ رشیدیہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے' اس وقت آپ کا ارادہ مکہ معظّمہ جانے کا تھا اس وجہ سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں نے تو تمہیں بیعت کرلیا ہے' اب تم مکہ معظّمہ جارہے ہو وہاں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرہ موجود ہیں' ان سے عرض کرنا وہ تمہیں ذکر کی تلقین فرما دیں گے۔''

غرض یہ کہ آپ مکہ معظّمہ پہنچ کر بارگاہ امدادیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بیعت تو کرلیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرتؒ سے حاصل کرلینا'' اس پر حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے آپ کو تلقین ذکر فرمائی اور فرمایا کہ صبح آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو ان توجہات باطنی کے ساتھ آپ کی تربیت روحانی ہوتی رہی' اور جب آپ

مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ''تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں''

اس کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ دراز تک حرم نبوی میں نبوت محمدیہ کی نشرواشاعت کرتے رہے اور ذکر ومراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رویائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔

۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا والا نامہ برائے طلبی مدینہ منورہ پہنچا اور آپ حسب الارشاد آستانہ عالیہ گنگوہ حاضر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد بارگاہ رشیدی سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ نے دستار خلافت اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر باندھی اور اس طرح آپ کمالات رشیدیہ وامدادیہ کے مجمع البحرین ہو گئے۔

بہرحال آپ کمالات علمیہ اور روحانیہ میں اپنی نظیر آپ تھے' اس کا اندازہ حضرت شیخ الہند کے اس ارشاد گرامی سے ہو سکتا ہے جس کو حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

''مولانا حسین احمد صاحبؒ جو اس زمانے میں ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' کے مصداق ہو گئے ہیں' ہمیشہ سفر وحضر میں خدمت کر کے آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو راحت پہنچاتے رہتے تھے' ایک دن حسب عادت پاؤں دبانے لگے اور خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی اور دوسرا پاؤں دبانے بیٹھ گیا اور ہنس کر میں نے مولانا حسین احمد صاحبؒ سے کہا کہ ''مولوی صاحب آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے ہیں'' اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ''بھائی تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے؟''

ان بزرگانہ توجہات کے باعث آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے عارف اور محدث کو بھی لکھنا پڑا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تمام تلامذہ میں یہ خصوصیت اور کمالات کسی کو حاصل نہیں تھا جو حضرت مدنیؒ کو حاصل تھا اور بقول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ:

''حضرت مدنیؒ اس زمانے میں اولیاء اللہ کے امام تھے۔''

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت الاستاذ مولانا مدنی قدس سرہ حضرت شیخ الہندؒ کے صحیح علمی وسیاسی جانشین تھے اور ولی کامل تھے۔''

الغرض تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیات کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہیں تھے اور بڑی تن دہی سے سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ جمعیت العلماء ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلے میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور بالآخر ملک کو آزاد کرالیا اور تمام عمر آزادی ہند کی خاطر اپنی جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا اور ملکی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگادی' جیلوں میں سختیاں جھیلیں اور فرنگی تشدد آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی لغزش میں نہ لا سکا اور ہمیشہ فرنگی حکومت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے رہے۔

آپ کے سیاسی کارناموں میں زبردست کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوؤں نے بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور چاروں طرف ہندو اور سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل عام سے ہاتھ رنگین کر کے سرزمین ہند کو لالہ زار بنا دیا تھا' اس وقت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی خاطر دہلی' سہارنپور' مراد آباد اور میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے' اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھا اور پاکستان کی قیادت کا سہرا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھا۔ یہ دونوں حضرات ایک ہی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزند اور ایک ہی مکتب فکر کے سربلند عالم تھے' ایک دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس تھا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا صدر مہتمم تھا' دونوں ایک ہی استاد شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور حضرت شیخ الہندؒ کے علمی روحانی جانشین تھے' مگر ایک نے اپنے غور و فکر اور علمی اجتہاد سے کانگریس کا ساتھ دیا اور دوسرے نے مسلم لیگ کے ساتھ رہنا اپنے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا' اور دونوں حضرات اپنے اپنے موقف اور سیاسی نظریے کے مطابق خلوص نیت سے دینی' ملکی اور ملی خدمات

انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات اکابر کی قبروں پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے اور ہمیں ان کے متعلق ہر قسم کی بدگمانی سے بچائے۔ آمین

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو حضرت شیخ الہند کے اخص تلامذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم سے فراغت پا کر تزکیہ نفس کے لئے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے اور بالآخران کے خلیفہ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں علوم قرآن وحدیث کا درس دیا' پھر اپنے استاد مکرم حضرت شیخ الہند کے ساتھ جہاد آزادی میں شرکت فرما کر چار سال مالٹا جیل میں ان کے ساتھ رہے' پھر رہائی کے بعد بھی اسی مشن کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ ۳۲ سال دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے۔'' (بحوالہ ماہنامہ الرشید' دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۴۷)

الحاصل آپ ساری زندگی اسلام اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور آخر کار یہ مردحق ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان قاسمی دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

(تفصیلی حالات آپ کے خودنوشت نقش حیات میں ملاحظہ فرمائیے)

☆☆☆

رئیس التبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۳۰۲ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر یو پی میں پیدا ہوئے' آپ کے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل اس زمانے میں دہلی کی نواحی بستی نظام الدین میں رہتے تھے۔ مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ کے خاندان میں عرصہ دراز سے علم وفضل کی دولت چلی آئی تھی اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں نہایت حریص تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور مشہور عالم مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے خاندان سے قرابت داری تھی مولوی محمد اسماعیل صاحب حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم تھے اور ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب آزادی کے بعد سے بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے گھرانے میں ان بچوں کی تعلیم وتربیت پر مقرر تھے' مولوی صاحبؒ نہایت عابد وزاہد اور شب بیدار بزرگ تھے ذکر وعبادت ان کا مشغلہ اور کلام الٰہی کی تعلیم وتدریس ان کا مقصد حیات تھا' مخلوق خدا کی ہر طرح خدمت کرنے میں انہیں لطف ملتا تھا' تواضع انکساری کا پیکر تھے۔ انہیں قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ مولوی صاحب کی مساعی جمیلہ ہی سے ابتداء میں میوات کے علاقے میں دین حق کی تبلیغ ہوئی ہے' ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعد ازاں ان کے بیٹے مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عروج کمال پر پہنچا دیا۔

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قرآن کی دولت اپنے والد ماجد سے پائی' فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی اپنے والد سے پڑھیں پھر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحیٰی صاحب کاندھلویؒ انہیں اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے' یہ قصبہ اس زمانے میں علماء وصلحاء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی ذات عالی صفات کے سبب رشد وہدایت کا سرچشمہ تھا۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ گنگوہ میں آٹھ نو برس رہے یہاں ان کی بہترین تربیت اخلاقی اور دینی تعلیم ہوئی' مولانا گنگوہیؒ سے آپ کو بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا' پھر ۱۳۲۶ھ میں شیخ الہند مولانا

محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کے لئے دیو بند پہنچے' ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی' اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حدیث پڑھتے رہے' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے سلوک کی تکمیل کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہو گئے ۱۳۳۴ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اگلے برس ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں انتقال ہوا اور آپ بستی نظام الدین میں مستقل قیام کے لئے دہلی آ گئے' یہاں ایک چھوٹی سی پختہ مسجد' ایک کچا مکان اور ایک حجرہ تھا درگاہ نظام الدین اولیاء کے جنوب میں ایک مختصر سی آبادی تھی' چند میواتی اور غیر میواتی طالبعلم آپ سے پڑھا کرتے آپ توکل علی اللہ سارے کام انجام دیتے رہے' کبھی کبھی فاقوں کی نوبت بھی آئی مگر پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی' جنگل میں جاتے اور گولر کھا کر پیٹ بھر لیتے' طلبا کو چھوٹے بڑے اسباق نہایت کاوش سے پڑھاتے حدیث کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا مگر مدرسے سے زیادہ آپ کا عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک کا شروع کرنا ہے اس کا آغاز میوات سے ہوا یہاں کے لوگ محض نام کے مسلمان تھے ورنہ معاشرت اور تہذیب ہندوؤں کی سی تھی' مولانا نے شب و روز محنت سے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کئے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تبلیغ کا کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا۔ دوسرے حج سے واپس آ کر مولانا محمد الیاسؒ نے عمومی دعوت و تبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کیے' مولانا نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین اصول و ارکان یعنی کلمہ توحید اور نماز کی تبلیغ کریں' پھر انہوں نے جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجنی شروع کیں' چند برس کے اندر اندر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دور دور تک تبلیغی جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاح و تبلیغ کا کام ہونے لگا مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

> ''حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول دعوت کے ذریعے پچیس برس کی انتھک محنت میں میواتیوں کو ان خالص اور مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا ہے۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

''میوات میں دینداری کے اثرات ظاہر ہونے لگے' دین کی رغبت پیدا ہوگئی جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدرسے قائم ہوگئے' حفاظ قرآن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی' ہندوانہ لباس اور وضع سے نفرت ہوگئی' سودخوری جاتی رہی' شراب نوشی ختم ہوگئی قتل و غارت کی وارداتیں کم ہوگئیں بداخلاقیوں کا تناسب گھٹ گیا۔ بدعات و رسوم اور فسق و فجور کی باتیں اور عادتیں خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔''

غرض مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی توجہ' دلسوزی' انہماک' ایثار اور لگن سے یہ تحریک چلائی اتنی ہی تیزی اور وسعت سے اسے مقبولیت نصیب ہوئی' مولانا کی زندگی بھر کی جدوجہد اور دعوت اور تحریک کی بنیاد اس امر واقعی کا ادراک تھا کہ مسلمانوں میں دین کی بنیاد تزلزل پر ہے اور اصل کام اس کا استحکام ہے آپ کی ساری جدوجہد کا محور و مرکز یہی خیال تھا' آپ نے محسوس کرلیا تھا کہ مسلمانوں میں ایمان و یقین روبہ تنزل ہیں دین کی قدر دلوں سے اٹھتی جارہی ہے اور عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں لہٰذا اس وقت سب سے مقدم اور ضروری کام مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے اور یہ کہ دین سیکھے بغیر نہیں آتا اور دنیاوی چیزوں سے زیادہ اس کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں دین کی طلب پیدا کی جائے' اسلام کا کلمہ طیبہ ہی اللہ کی رسی کا وہ سرا ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے اس سرے کو پکڑ کر آپ اسے پورے دین کی طرف کھینچ سکتے ہیں' مسلمان جب اس کلمے کا اقرار کرتا ہے اسے دین کی طرف لے آنے کا موقع باقی ہے اس کے بعد اسے نماز کی طرف لایا جائے جو احکام میں سب سے عمومی اور سب سے مقدم ہے' نماز میں اللہ نے یہ قوت رکھی ہے کہ وہ سارے دین کی استعداد پیدا کردیتی ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نزدیک اس عظیم کام کے لئے عالم اسلام میں ایک عمومی اور دائمی حرکت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں نے جب سے جماعتی زندگی اور حرکت چھوڑی ہے اس وقت سے ان کا انحطاط شروع ہوگیا ہے اور وہ روحانی زوال اور اندرونی ضعف کا شکار ہوگئے ہیں۔ بہرحال مولانا کی ساری زندگی اس تحریک

کی نذر ہوگئی اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھ لیا اور آج پورے عالم اسلام میں یہ عظیم کام ہورہا ہے۔

آپ کے مقام کے اندازہ کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی محمدؒ الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہؓ یاد آتے ہیں۔ (تذکرۃ مشائخ دیوبند)

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور بہت ضعیف وکمزور تھے اور علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے پیکر تھے آخر عمر تک انتھک کوششوں کے ذریعے جس دعوت کو لے کر اٹھے تھے اس میں کامیاب ہوئے اور ہزاروں ایسے افراد پیدا کر دیے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آخرت آ گیا اور ۱۲، ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب میں پچھلے پہر آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین فرزند ارجمند مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر جماعت تبلیغ اور سالار قافلہ منتخب ہوئے۔ اور آخر دم تک پورے انہماک اور محنت سے اپنے والد مکرم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت)

جس پر ذکر الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے وہ صرف ان چیزوں سے بچتا ہے جو اہل دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔ (امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ)

علماء ہی ہیں جن کی ثبات واستقلال میں عالم کی نجات کا راز مضمر ہے اور وہی ہیں جن کی ذلت اور لغزش سے عالم تباہ ہو جاتا ہے۔ (فخر العلماء مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ)

دین کیا ہے؟ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے ان کا دھیان کرتے ہوئے اور اپنے نفس کو آمیزش سے بچاتے ہوئے ان کی تعمیل میں لگے رہنا اور اللہ کے حکموں کی تلاش اور دھیان کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔ (رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

مخدوم الامت

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم الامت عارف باللہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے سلف میں سے تھے جن کا علم وعمل تقویٰ وطہارت اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں آپ اپنے دور کے جید ترین عالم محدث' مفسر' فقیہ اور شیخ کامل تھے نہایت متواضع منکسر المزاج اور لطیف الروح تھے حق وصداقت اور اتباع سنت کا پیکر تھے اور حقیقت میں اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔

آپ قصبہ واہ مل پور میں ۱۸۷۸ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں تاریخی مقام حسن ابدال سے سات میل کے فاصلہ پر ہے آپ کے والد ماجد مولانا اللہ داد صاحب اپنے وقت کے ایک معروف عالم محدث اور صاحب نسبت بزرگ تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی قرآن پاک اور ابتدائی فارسی تعلیم موضع سنگت جاتی میں قاضی نور محمد سے پائی۔ عربی صرف ونحو ضلع اٹک کے عربی مدارس میں اور فلسفہ ومنطق کی تعلیم ضلع ہزارہ کے معروف عالم دین مولانا محمد معصوم صاحب سے پائی۔ مولانا محمد معصوم صاحب امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں جب مدرس مقرر ہوئے تو مفتی محمد حسن صاحبؒ کو بھی اپنے پاس ہی بلایا یہاں پر آپ نے بقیہ علوم وفنون تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کی تکمیل کی دورۂ حدیث کی' تکمیل سے ہی آپ کی طبیعت بلکہ شروع سے ہی مائل بہ تصوف تھی امرتسر میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ' مولانا احمد امرتسریؒ اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا جو خود تصوف وسلوک کے بھی استاد مانے جاتے تھے مدرسہ غزنویہ امرتسر سے دورۂ حدیث کے بعد مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دورۂ حدیث پڑھا اور سند فراغ حاصل کی۔ فن قرات میں مولانا قاری کریم بخش صاحب سے سند حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول ہو گئے پھر آپ کو قابلیت کی بناء پر تھوڑے ہی عرصہ بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر کا صدر مدرس بنا دیا گیا اور کم و بیش اڑتالیس سال آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں جب تک آپ کا قیام امرتسر میں رہا آپ روزانہ مسجد نور میں بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے آپ کے درس میں بے حد تاثیر تھی اور بڑے بڑے علماء، صلحاء اور روساء درس میں باقاعدہ شریک ہوا کرتے تھے درس و تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی بھی آپ کا ایک مستقل مشغلہ تھا اس سلسلہ میں ملک و بیرون ملک سے آپ کی خدمت اقدس میں استفتاء آتے تھے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے تھے جب تک آپ کی صحت نے اجازت دی اس وقت تک آپ یہ کام انجام دیتے رہے اس کے علاوہ امرتسر میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو قرآن پاک کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تعلیمی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا اس مدرسہ نے تقریباً چالیس سال دینی خدمت سرانجام دی اور قیام پاکستان کے بعد اس مدرسہ کے خدام اور اساتذہ کو ہجرت کر کے لاہور آنا پڑا لاہور میں نیلا گنبد کے علاقہ میں مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کی لئے الاٹ ہو گیا چنانچہ توکل علی اللہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے نام سے مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا اور ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ کا افتتاح کیا گیا اس کے بعد جب مدرسہ کی عمارت طلبا اور اساتذہ کے لئے ناکافی ہوئی تو فیروز پور روڈ لاہور پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لئے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی اور عظیم دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی اور جس طرح حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگ بنیاد جملہ مقدسین نے مل کر رکھا تھا اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے خلوص و برکت سے اس جامعہ کے سنگ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرما دیا تھا اس وقت جو حضرات اکابر موجود تھے ان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ استاد العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانی، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

اور حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے بعد میں جامعہ اشرفیہ کو وہ مقام حاصل ہوا جو دارالعلوم دیو بند کو حاصل ہے اور خصوصاً حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کی سعی و کاوش نے جامعہ کو چار چاند لگا دیئے ہزاروں طالبان علم یہاں سے اپنے قلوب کو منور کر کے گئے اور لاکھوں بندگان خدا نے یہاں سے فیض علمی و روحانی حاصل کیا۔ اس وقت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے اپنے علم و عمل اور تقویٰ و طہارت میں اسلاف کی عظیم یادگار ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فیض یافتہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے تلمیذ خاص ہیں کوئی ساٹھ برس سے تدریسی علمی اور فقہی خدمات انجام دینے میں مصروف تھے اس وقت دوسری اہم شخصیت جو جامعہ میں شیخ الحدیث والتفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھی وہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جو اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے والد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا عین نمونہ ہے اور اپنی علمی وسعت اور اخلاق و عادات میں اکابرین دیو بند کی یاد تازہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ' جو اس وقت جامعہ اشرفیہ کے مہتمم اعلیٰ تھے وہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اپنے دور میں جید ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے منسلک ہے آپ اپنے تزکیہ باطن کے لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت حکیم الامت تھانوی کی رہبری اور رفاقت کا شرف حاصل ہوا اور آپ کو ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ میں طریقت کے چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا تین سال کے مختصر عرصہ میں آپ کی محنت و ریاضت کو دیکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا پھر آپ نے ساری عمر اپنے شیخ کے تابع رکھی اور فنافی الشیخ کا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے عقیدت عشق کی حد تک تھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو دیکھنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا اسی لئے اپنی وصیت میں آپ نے اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی کہ بہشتی زیور،

جزاء الاعمال، تعلیم الدین، مواعظ وملفوظات تھانویؒ کو مطالعہ میں رکھنا آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں پیدا ہونا بھی بڑی نعمت ہے کہ تھوڑے سے عمل میں بھی بڑا اجر ملتا ہے دوسری بڑی نعمت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے جسے بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق پیدا ہو گیا انشاء اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ بھی آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا سے جانے کا کوئی فکر وخیال نہیں جب کہ میرے بعد یہ موجود ہیں خواجہ صاحب کے پوچھنے پر فرمایا کہ ایک تو مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بہر حال حضرت تھانویؒ سے آپ کے گہرے روابط اور تعلقات تھے ان کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا خیر محمد جالندھریؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ سے گہرے تعلقات تھے اور ان حضرات کے محبّ ومحبوب تھے۔

استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ علوم ظاہرہ میں کامل اور مکمل اور مقامات باطنہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے علم وعرفان کے چمکتے ہوئے آفتاب تھے اور اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف کا خزانہ تھے، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ ایک زبردست عالم باعمل اور شیخ وقت تھے اور سادگی و بزرگی میں قدیم اسلاف کی یادگار تھے شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے تھے کہ مفتی صاحب عجیب خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے عبدیت وتواضع اور اخلاق وکردار میں اپنے شیخ کا عین نمونہ تھے۔

خطیب ملت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب، حضرت حکیم الامت کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور وہ محض ایک جید عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے اور ایک سچے عاشق رسول اور خادم دین تھے۔

بہر حال آپ اپنے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خشیت وللّٰہیت مین اپنے معاصرین میں بلند مقام پر فائز تھے اور ساری زندگی درس وتدریس تبلیغ وارشاد اور خدمت خلق میں مصروف رہے اور

بڑے بڑے علما وصلحاء آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفیض ہوئے جن میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانی' عارف باللہ مولانا مفتی محمد خلیل صاحب' مولانا محمد سرور خان صاحب مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی' مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی' مولانا فقیر محمد پشاوری' مولانا محمد داؤد غزنویؒ مولانا محمد اسماعیل غزنوی' مولانا بہاء الحق قاسمی اور مولانا عبید اللہ امرتسری جیسے مشاہیر علم وفضل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تحریک پاکستان میں آپ کا سیاسی مسلک اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی کے عین موافق تھا اور بڑی سرگرمی سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ فقیہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانی کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے مرکزی صدر کی حیثیت سے نظام اسلام کے لئے جدوجہد فرماتے رہے قرارداد مقاصد میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے معاون اور مشیر رہے' ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر ہونے والے اجلاس میں شریک رہے جس میں بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ مرتب کر کے حکومت پاکستان کو پیش کیا گیا تھا ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر نشین رہے اور ہمیشہ ہر باطل کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے رہے اور ساری عمر اسلام کی خدمت میں مصروف رہے' ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق یکم جون ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور سوسائٹی کے قبرستان کراچی میں تدفین ہوئی اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مفتی صاحب عجیب رحمت تھے
جانشین حکیم الامت تھے

☆☆☆

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے حق میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر گوشہ رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے' آپ اپنے دور کے محقق عالم' بے مثال مفسر' مدبر' اور عارف کامل تھے' آپ گوجرانوالہ میں گکھڑ ریلوے اسٹیشن سے مشرق کی جانب قصبہ جلال میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ماہ نزول قرآن کے دوران پیدا ہوئے۔ ماہ نزول قرآن کے دوران پیدا ہونے والا یہ نیر تاباں عمر بھر اسی نور ہدایت کی ضیا پاشی کرتا رہا' آپ کے والد مکرم شیخ حبیب اللہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے' اور صاحب درد بزرگ تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی والدہ مکرمہ نے تعلیم و تدریس شروع کر دی اس کے بعد ایک درویش صفت مرد قلندر مولانا عبدالحق صاحب کے سایہ عاطفت میں دے دیے گئے انہوں نے بکمال شفقت و محبت تربیت فرمائی' پھر امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی آغوش شفقت میں چلے گئے انہوں نے اپنے پیر طریقت مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے سپرد کر دیا پھر تحریک آزادی ہند کے جانباز سپاہی مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے جذبہ جہاد و جانبازی سے سرشار ہوئے' اس کے بعد جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحریک پر گوٹھ پیر جھنڈا میں مدرسہ دارالارشاد کا قیام عمل میں آیا تو حضرت لاہوریؒ کو حضرت سندھیؒ نے وہاں داخل کرا دیا' یہاں پر آپ نے نہایت محنت و شوق سے چھ سال تک علوم دینیہ کی تکمیل کی' ۱۹۲۷ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے اور حضرت سندھیؒ نے اپنی صاحبزادی آپ کے حبالۂ عقد میں دے دی۔ آپ گوٹھ پیر جھنڈا میں تقریباً تین سال تک نہایت محنت و جانفشانی سے تدریس و تعلیم میں مشغول رہے پھر جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ''جمعیت الانصار'' قائم کی تو مدرسہ دارالارشاد سے مولانا لاہوریؒ کو اپنے پاس بلا لیا' اور ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام پر علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جس کا مقصد حالات حاضرہ کے

تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانا تھا۔ حضرت لاہوریؒ نے اس جماعت کی تنظیم میں حضرت سندھی کا پورا پورا ساتھ دیا' اس کے بعد حضرت سندھی کے حسب ارشاد آپ نواب شاہ کے ایک مدرسہ میں آ گئے اور تدریس و تعلیم کا مشغلہ جاری رکھا' اس کے بعد مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر علی گڑھ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے' پھر جب مولانا سندھیؒ کو افغانستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی تو اپنے پیچھے آپ کو ''جمعیت الانصار'' کا نگران مقرر فرمایا' اور حضرت سندھیؒ نے کابل کے قیام کے دوران اپنی تنظیم اور سرگرمیوں کے بارے میں آپ کو کچھ خطوط ارسال کیے تھے' چونکہ چند ہم خیال حضرات کو پہنچانے تھے خطوط تو مکتوب الیہم کو پہنچا دیے گئے' لیکن بعد میں پکڑے گئے۔

حکومت ہند برطانیہ نے اس تحریک کو کچلنے کا کام شروع کر دیا' اگر حضرت سندھیؒ کی وہ تحریک کامیاب ہو جاتی جس کا مقصد استخلاص وطن کے سوا کچھ نہ تھا تو پاکستان ۱۹۴۷ء سے کئی سال قبل معرض وجود میں آ چکا ہوتا۔ ان خطوط کے پکڑے جانے کے بعد حضرت لاہوریؒ کو بھی گرفتار کر لیا گیا' دہلی سے شملہ لایا گیا۔ اور وہاں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ حوالات کا نگران آپ کی حسن سیرت اور محاسن سے اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کو اپنی بساط کے مطابق ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات پہنچانے میں لگ گیا آپ کو نماز کے وضو کے لئے صاف پانی مہیا کرتا کبھی کبھی مٹھائیوں سے تواضع کرتا' اسی طرح بستر وغیرہ بھی اپنے گھر سے لایا کرتا۔ شملہ سے آپ کو لاہور لایا گیا اور پھر جالندھر وہاں پر حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری بھی پابہ زنجیر لائے گئے ان کو بھی اسی جرم کی پاداش میں لایا گیا تھا جس جرم کی پاداش میں آپ سنت یوسفی ادا کر رہے تھے۔ جالندھر میں آپ کو قصبہ راہون میں نظر بند کر دیا گیا' اس کے بعد آپ کو راہون سے لاہور لایا گیا۔ سی آئی ڈی پولیس کے افسر نے ایک مسلمان افسر کے سامنے آپ سے یوں خطاب کیا کہ حکومت آپ کو صوبہ سندھ یا دہلی واپس بھیجنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اس کا یقین ہے کہ سندھ یا دہلی میں آپ کی واپسی کسی لحاظ سے مناسب نہیں لہٰذا آپ کو لاہور میں رہنا ہوگا لیکن آپ کو اس سلسلے میں دو ضامن پیش کرنے ہوں گے جو ہزار ہزار روپے کی ضمانتیں دیں۔ تب گورنمنٹ آپ کو رہا کرے گی۔

''آپ نے فرمایا: کہ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں ہے اگر آپ مانیں تو میں دہلی یا سندھ سے ضامن لا دیتا ہوں''

لیکن حکومت نہ مانی' بہ ہزار دقت قاضی ضیاء الدین مرحوم فاضل دیوبند ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا نام نامی یاد آیا جو ان دنوں لاہور میں قیام پذیر تھے ان سے ملے تو انہوں نے ملک لال خان مینجر انجمن اسلامیہ گوجرانولہ کا نام تجویز کیا چنانچہ اس طرح نہایت محنت و جانفشانی کے بعد آپ کو دو ضامن ملے۔ لاہور میں رہائش پذیر ہونے کے بعد آپ نے درس قرآن مجید شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ احباب کی امداد اعانت پر اشاعت قرآن اور اسلام کی ترقی کے لئے انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا گیا اور انجمن کے آپ ہی امیر منتخب ہوئے بعد میں انجمن کی طرف سے خدام الدین کے نام سے ایک ہفت روزہ دینی رسالہ نکالنا شروع کیا قاسم العلوم قائم کر دیا اس کی ابتداء ایک عربی مدرسہ سے ہوئی جو بعد میں قاسم العلوم کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس میں عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء اور علماء حضرات آ کر تفسیر قرآن پڑھنے لگے رفتہ رفتہ اس چشمہ فیض میں دار العلوم دیوبند' سہارنپور' مدرسہ امینیہ دہلی مدرسہ شاہی مراد آباد سے فارغ علماء کی جماعتیں آنے لگیں اور یہاں پر یکم رمضان سے آخر ذیقعد تک یہ خاص کلاس ہوا کرتی تھی جو کہ آپ کے آخری دم تک جاری رہی ان کی سندات پر امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی اور مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم کے دستخط ہوتے تھے بعد میں یہ مدرسہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ کی زیر نگرانی چلتا رہا۔ مدرسہ کے اقامت پذیر طلباء کے لئے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا لیکن جگہ کی قلت کی وجہ سے ان کو سخت دقت پیش آتی تھی۔ اس کے پیش نظر انجمن نے مدرسہ کی عمارت بنانے کا فیصلہ کیا اور لائن سبحان خان میں ایک قطعہ اراضی خرید کر مسجد و مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا سنگ بنیاد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا۔

بہر حال آپ پون صدی کی داستان تحریک آزادی ہند کے امین تھے' ہر ملی مصیبت میں قوم کا ساتھ دیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن اس مرد آزاد نے ہر موقع پر اعلائے کلمۃ الحق کہا' قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہمیشہ زور دیتے رہے' اور

اگر ملت بیضا میں کسی طاغوتی طاقت نے کوئی فتنہ اٹھایا۔ تو اس کا ڈٹ کر دندان شکن جواب دیتے۔ تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اگر حکومت وقت نے دین کے بارے میں کوئی خلاف شرع کام کیا تو اس پر ارباب اختیار کے سامنے کلمہ حق کہنے سے باز نہ آتے' اس سلسلے میں کئی بار آپ کی زبان بندی بھی ہوئی' چنانچہ ۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کیے آپ نے جرأت مردانہ سے کام لے کر اس کے خلاف کلمہ حق بلند کیا اور آپ کو اس سلسلے میں گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن بعد میں ارباب حکومت کو اپنی ضیافت سے تائب ہونا پڑا اور آپ کو باعزت طور پر رہا کر دیا گیا۔

الغرض آپ ساری زندگی اسلام کی خدمت میں مصروف رہے اور ساری عمر تفسیر' کتاب و سنت اور تزکیہ باطنی کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن پاک کا رواں دواں اردو ترجمہ کیا اس کے علاوہ چونتیس چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف فرمائے' جن میں تذکرۃ رسوم الاسلامیہ' اسلام میں نکاح بیوگان' ضرورۃ القرآن' اصلی حنفیت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف' میراث میں حکم شریعت' توحید مقبول' فوٹو کا شرعی فیصلہ' صد احادیث کا گلدستہ اور ''فلسفہ روزہ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں' ذیل میں آپ کے چند اقوال درج کیے جاتے ہیں'' ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ہر کام میں حصول رضائے الٰہی ہونا چاہیے۔

۲۔ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی تشریح دو جملوں میں ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو عبادت سے اور خلق خدا کو خدمت سے راضی رکھے۔

۳۔ دل کتنا ہی سخت ہو مگر ذکر الٰہیہ کی متواتر ضربوں سے نرم ہو جاتا ہے جس طرح سخت پتھر میں پانی کے ٹپکنے سے نشیب پڑ جاتا ہے۔

۴۔ دین پر استقامت طلب کرو' کرامت طلب نہ کرو' کیونکہ استقامت کا درجہ کرامت سے بڑھ کر ہے۔

۵۔ ''جو موتی اللہ والوں کی جوتیوں میں ملتے ہیں۔ بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتے''

آخرکار یہ مرددرویش ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

لاکھوں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور میانی قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔کافی عرصہ تک آپ کے مزار مبارک سے شمیم جنت کی خوشبو آتی رہی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

(تفصیل کے لئے ''مردمومن'' دیکھئے)

☆☆☆

شیخ الاسلام

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم و عمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا ہے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں کمال جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ آپ دنیائے اسلام کے علماء و مشائخ کی صف اول میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے۔ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ آپ کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔ آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقویٰ و طہارت، خشیت و للہیت، سادگی و تواضع و دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

آپ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحبؒ عثمانی کے گھر دیوبند سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ابتدائے زمانہ تعلیم سے ہی اپنے حقیقی ماموں مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ کی توجہات عالیہ اور خصوصی تربیت کا مرکز بنے رہے۔ حضرت حکیم الامت نے آپ کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا جیسے کوئی شفیق و مہربان باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے محدث وقت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کے ظل عاطفت میں تزکیہ باطن کی آخری منزلیں طے کرنے کا شرف بھی مولانا عثمانی مرحوم کو حاصل ہوا اور اس طرح آپ کو اپنے زمانہ کے حکیم الامت کی بزم علم و عرفان سے مستفید ہونے کے ساتھ اپنے دور کے محدث جلیل کی محفل ارشاد و ہدایت سے مستفید و مستفیض ہونے کے یکساں مواقع میسر آئے اور آپ بیک وقت علم و عرفان کی شمع فروزاں، محفل ارشاد و ہدایت کے شہ نشین بن کر اور میدان حکمت و سیاست کے شہسوار اور علم و عمل، اخلاص و تقویٰ اور سیرت و کردار کی جملہ خوبیوں سے

آراستہ و پیراستہ ہو کر علمی اور روحانی دنیا میں نمودار ہوئے اور اپنے علم وفضل سے اور زہد وتقویٰ کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منور اور ہزاروں تشنگان معرفت کو سیراب وشاداب کیا۔ اسی لئے مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ: ''حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہد حاضر کے ائمہ فن علماء' اولیاء اور اتقیاء کی صفت میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے حق تعالیٰ نے ان کو علمی و روحانی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم وعمل باخدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں'' حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''حضرت عثمانی اس تاریک دور میں علم وعمل' اخلاص وللّٰہیت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے' رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے آخر وقت تک تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریقت وتصوف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف رہے' سینکڑوں علماء اور ہزاروں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے'' (تذکرۃ الظفر مولفہ مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کر گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں اپ کی نوک قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات وتصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالم اسلام کے مشاہیر علماء کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا' آپ کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تالیف ''اعلاء السنن'' کے متعلق چند مشاہیر علماء کی آراء درج کی جاتی ہیں تا کہ آپ کے علمی مقام کا اندازہ ہو سکے۔

مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اس عظیم تالیف کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ

''اعلاء السنن'' کے مولف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث و محقق' مدبر و مفکر اور زبردست فقیہ حضرت مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی کو اللہ تعالیٰ علمی خدمات کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے' میں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا جس میں اس قدر مکمل تحقیق و جستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا

گیا ہے کہ ہر حدیث پر فن حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام لیا گیا ہے کہ اپنے مذہب حنفی کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہل مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا' مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا' مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں۔'' (المفتی دیوبند' ۱۳۵۷ھ)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ ''اگر حضرت عثمانی کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات' حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی یہ کتاب ان کی شاہکار تصانیف اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ حضرت عثمانی مرحوم نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔ (ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''حضرت عثمانی ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کامل تھے جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہوا تھا اس زمانے میں ان کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ دوسری بے شمار تصانیف کے علاوہ ان کی دو کتابیں ان کے علوم و معارف کے تعارف کے لئے زندہ دلیلیں ہیں۔ ایک ''احکام القرآن'' اول کی دو منزلیں اور ''اعلاء السنن'' (اٹھارہ جلدوں میں) یہ تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ گذشتہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آ سکی تھی'' (تذکرۃ الظفر ص ۱۷۴)

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانی مرحوم کو حسن ظاہر اور حسن باطن سے نوازا تھا وہ علم و عمل کے سمندر اور متانت و وقار کے پہاڑ اور

اسلاف کی یادگار تھے ان کے علمی مقام کے لئے صرف ان کی ایک ہی کتاب ''اعلاء السنن'' جو اس صدی کا عظیم کارنامہ ہے پکی دلیل اور شاہد عدل ہے۔ (ماہنامہ الرشید ساہیوال)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''حق تعالیٰ نے حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت جلیلہ سے نوازتھا پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہ جیسے مرشد وہادی کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور اپنی ذہانت و تبحر علمی کی بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ ''اعلاء السنن'' جیسی تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی'' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا عثمانی کی تصنیف ''اعلاء السنن'' حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے حکم سے لکھی گئی تھی' مولانا عثمانی جب پہلی جلد لکھ کر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے تو حضرتؒ نے دیکھا اور بہت پسند فرمایا۔ دوسری جلد لکھنے کا حکم دیا' مولانا مرحوم نے دوسری جلد مکمل کی اور وہ بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی' حضرت نے بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا اور اتنا خوش ہوئے کہ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے وہ اتار کر مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اوڑھادی اور فرمایا کہ ''علمائے احناف پر امام ابوحنیفہؒ کا بارہ سو برس سے قرض چلا آ رہا تھا الحمد للہ آج وہ ادا ہوگیا'' اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ کتاب ''فتح الملهم شرح صحيح مسلم'' میں مولانا عثمانی کی مایہ ناز کتاب ''اعلاء السنن'' کے جگہ جگہ حوالے دیے ہیں غرض حضرت عثمانی کی علوم حدیث پر بہت گہری اور وسیع نظر تھی۔'' (تذکرہ ادریس ۲'۳)

بہر حال حضرت عثمانی قدس سرہٗ علوم ظاہری' حدیث و تفسیر اور فقہ اور جملہ علوم اسلامیہ کے امام تھے اور بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے وہ شریعت کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے اور عقل سے تولتے تھے کوئی بات ذمہ داری اور تحقیق سے خالی نہیں ہوتی تھی اور وہ تمام عالم اسلام کے لئے چراغ ہدایت تھے۔ (تذکرۃ الظفر مولفہ مولانا سید عبدالشکور ترمذی)

غرض آپ کی نظر اس قدر عمیق اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ ان کی نظیر اس دور میں نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی بلاشبہ آپ اپنے علمی اور روحانی کمالات میں اسلاف کے سچے جانشین اور ان کی مایہ ناز یادگار تھے جن پر آپ کی محققانہ اور بلند پایہ علمی تصنیفات بے نظیر تدریسی خدمات اور تربیت وسلوک کا صحیح ذوق شاہد عدل ہیں۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علمی مقام معاصرین میں کیا ہے؟ تو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو ان کا شاگرد ہوں اور میری طرح سے ان کے بہت سے شاگرد ہیں حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہٗ آپ کے علم اور فہم پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ ''حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ سے مولانا انیس احمد صاحب صدیقی نے پوچھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں کیا نسبت ہے؟ تو شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علم وفہم یقیناً زیادہ ہے'' (تذکرۂ ادریس مولفہ مولانا محمد میاں صدیقی)

''استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم کا خزانہ ہیں اور اس وقت کے ولی کامل اور محدث اعظم ہیں'' مختصر یہ کہ آپ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات اتنی ہیں جن کا بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ پاکستان کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں اور ساری زندگی نظام اسلام کے نفاذ کے لئے جد وجہد کرتے رہے' حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولف ''تذکرۃ الظفرؒ'' آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''برصغیر پاک وہند کی جن گنی چنی معروف ونامور علمی و روحانی شخصیتوں کے فضل وکمال' علم وعرفان اور دینی بصیرت وثقاہت' تقویٰ وطہارت اور رسوخ فی العلم پر تمام دینی اور علمی حلقوں میں بالاتفاق اعتماد کیا جاتا تھا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف ان کی صف اول میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سرفہرست اور ان کے صدر نشین تھے۔ بایں علم وفضل اوز ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے مولانا مرحوم عادات واطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے نہ تو مولانا مرحوم کے خورد ونوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرز

کلام میں کوئی تصنع تھا۔ سادہ وضع کے پرانے بزرگ تھے۔ ہمیشہ نئے طور وطریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے چنانچہ وضع وقطع لباس وطعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو ہی اختیار کیا اور یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی مرحوم جیسی شریعت وطریقت کی جامع کمالات اور نادرہ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے مردان حق آگاہ کا کہیں قرنوں میں ظہور ہوتا ہے'' (تذکرۃ الظفر ۳۱)

بہرحال ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہمہ گیر ہستی کے کمالات اور علمی وروحانی عظمتوں کا صحیح ادراک اور ان کے فضل وکمال اور مقام ومرتبہ کا مکمل عرفان ہم جیسے تہی دست ناکارہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس عظیم شخصیت کی عظمتوں کا اعتراف خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کیا ہے فرماتے تھے کہ ''میرے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی الحمدللہ علوم دینیہ کا سرچشمہ ہیں اور طالبان خیر کے پیشوا ہیں اور اس دور کے امام محمد ہیں۔''

(ماہنامہ الرشید ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

الغرض حضرت عثمانی قدس سرہٗ کا مقام بہت بلند تھا اور بقول حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ آپ اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کے صحیح جانشین اور عین نمونہ تھے۔ ''آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علماء شامل ہیں جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین پوری دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں اور دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں غرضیکہ ساری زندگی خدمت اسلام میں مصروف رہے اور ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی وفات سے پوری دنیائے اسلام میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی اور پورا عالم اسلام اپنے

عظیم مذہبی وروحانی پیشواء سے محروم ہوگیا ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ ملک کے ممتاز علماء صلحاء اور زعماء ملت نے غم کا اظہار کیا اور اپنے عظیم رہنما کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا' ممتاز عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ ''حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہوگئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی اور سرپرست سے محروم ہوگیا ہے'' محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ ''مولانا عثمانی کی رحلت سے مسند عالم وتحقیق' مسند تصنیف وتالیف' مسند تعلیم وتدریس اور مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں'' حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی فرماتے ہیں کہ ''حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم حادثہ ارتحال نے اکابر علماء ومشائخ کی کمر ہمت توڑ دی'' حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا''۔

☆☆☆

محدث کبیر

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ

متحدہ ہندوستان کی سرزمین کے آخری علمی دوروں میں ایسی ایسی عظیم ہستیاں گزری ہیں جن کی دوسرے ممالک میں نظیر نہیں ملتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی' حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں علم و دین کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ انہی بزرگوں میں محدث کبیر عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ آپ نے اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں گزاری۔ آپ اپنے وقت کے عظیم محدث' مفسر' فقیہ اور عارف کامل تھے۔ حق و صداقت اور تواضع و انکساری کا پیکر تھے۔

آپ کا سلسلہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا گل احمد صاحب اپنے وقت کے مشہور طبیب' ایک سنجیدہ عالم دین' متورع' متقی اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء کو بہبودی ضلع کیملپور میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ میں خدا ترسی' رحم دلی' خوش خلقی' سنجیدگی اور عابدانہ زندگی کا اثر نمایاں تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم بہبودی ہی سے حاصل کی۔ پھر فارسی' عربی کی ابتدائی تعلیم کے لئے شمس آباد تشریف لے گئے۔ اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولانا فضل حق صاحبؒ سے پڑھیں جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے شاگرد تھے اور پھر ''مکھڈ'' تشریف لے گئے جہاں مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحبؒ سے شرح جامی اور ملاحسن تک کتابیں پڑھیں۔ پنجاب کے یکتا و مشہور اساتذہ سے فیض حاصل

کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان کا عزم کیا اور ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔اس زمانہ میں مظاہر العلوم میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مولانا عنایت علی' مولانا عبدالوحید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبداللطیف صاحبؒ جیسے اکابر مدرسین موجود تھے۔ دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے پڑھیں اور ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سے سند فراغت تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے استاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں حدیث پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر العلوم میں کرنی ہوگی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ' علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد احمد صاحبؒ سے کتب احادیث پڑھیں اور مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیوبند میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی۔

۱۳۳۲ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد اپنے استاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں حسب وعدہ مظاہر العلوم تشریف لے آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ کچھ عرصہ اپنے دوسرے اساتذہ کے اصرار پر تحصیل تونسہ میں حدیث رسولؐ کے چراغ جلائے مگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی محبت و کشش پھر مظاہر العلوم میں کھینچ لائی اور اپنے مادر علمی مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں مسند علم و درس کی زینت بنے اور قیام پاکستان تک مظاہر العلوم میں صدر مدرس کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور ہندوستان کے تمام اطراف نیز حجاز و یمن' افغانستان' برما' بخارا اور افریقہ تک آپ کا فیض علمی و روحانی پہنچا اور ہزاروں تلامذہ و مریدین شرقاً و غرباً پھیلے جو آپ کے اسم مبارک اور پاکیزہ زندگی کو قیامت تک روشن رکھیں گے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً دو سال کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ ''دارالعلوم الاسلامیہ'' ٹنڈو الہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانوی کے اصرار پر مسند درس و تدریس پر رونق افروز ہوئے اور اس کے بعد اکوڑہ

خٹک میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔غرضیکہ آپ نے نصف صدی سے زائد تک علم و دین کے لئے اشاعت فرمائی اوراس آفتاب علم ودین کی ضوافشانیوں سے ایک عالم بقعہ نور بنتا رہا۔اس دورانتشار وخلفشار میں کم ہی علمائے کرام ایسے ہوں گے جن کو مسلسل نصف صدی مسند درس وتدریس کی زینت بننا نصیب ہوا ہوگا۔اور جنہوں نے اس قدر طویل زمانہ افادہ تلامذہ اور علوم اسلامیہ کی خدمت واشاعت میں گزارا ہے۔

قیام مظاہر العلوم کے دوران ۱۳۳۶ھ میں آپ نے حج ادا کیا۔اس وقت آپ کے ایک خصوصی شاگرداور متوسل جناب مولانا محمد داؤد یوسف صاحب آپ کے رفیق سفراور خادم خاص تھے۔سفرحجاز کی مکمل روئداد انہی نے لکھی جوآپ کی سوانح ''تجلیات رحمانی'' میں شامل ہے۔

آپ کو اپنی روحانی تسکین کے لئے دور جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ طالب علمی کے آخری دور میں آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا جوصرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمان روحانیت کے درخشندہ ماہتاب اور ستارے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور پھر مرشد ثانی کی تلاش میں نکلے۔ ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ذات اقدس مرجع خاص وعام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پرلیا ہے وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔آپ بھی کسی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے۔ بالآخرآپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ جوقبول ہوئی بلکہ خلافت سے بھی نوازے گئے۔آپ کوحضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی محبت تھی اور ہر کام اپنے شیخ کے حکم پر کرتے تھے۔اسی طرح حضرت حکیم الامتؒ کوبھی آپ کی ذات پرمکمل اعتماد تھااسی لئے آپ فرماتے تھے کہ:

''مولانا کامل پوری نہیں بلکہ کامل پورے ہیں۔''

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مظاہر العلوم سہارنپور میں جس زمانے میں

صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے اس زمانے میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تزکیہ باطن کے لئے رجوع فرمایا اور خلافت سے کامیاب ہوئے۔ حضرت حکیم الامت کا یہ مقولہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بہت اچھی طرح باقاعدگی سے سلوک کے منازل کو طے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجدد ملت حکیم الامتؒ کی اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی''

(تجلیات رحمانی مولفہ قاری سعیدالرحمٰن صاحب)

حضرت مولانا کی شخصیت ایک بین الاقوامی شخصیت تھی اسی لئے آپ کے زمانے کے مشاہیر علماء آپ کی جامع شخصیت کے معترف تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان علی ندویؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی شان عالی کا کیا کہنا' ایک ایک خط و مکاتیب عبادت الرحمٰن میں ایک ایک مقام طے فرمایا ہے۔''

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قیامت میں اتنا کہہ دینا اپنے لئے کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کو دیکھا ہے'' حضرت مولانا عبدالباری ندوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''مولانا کامل پوری کی قدر تو وہ پہچانے گا جسے صحابہ کرامؓ کی زندگی پسند ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مولانا مرحوم عجیب فرشتہ صفت انسان تھے۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانی فرماتے ہیں کہ:

''مولانا علم' تقویٰ اخلاق' کے مینار تھے۔''

غرضیکہ آپ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا تھا۔ آپ نہایت متواضع' منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ آخر کار یہ آفتاب علم و عمل ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ بمطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحبؒ نے پڑھائی اور معتقدین نے

لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے علم و معرفت کی محفل خاموش ہوگئی ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ عمل تھی وہ علم و معرفت کے ایسے خاموش سمندر تھے جو مدو جزر سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس دور میں اگر ہمیں اپنے اسلاف کے نمونہ کی تلاش ہوتی تو حضرت مولانا کی طرف نگاہ اٹھتی تھی۔''

محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت علامات قیامت میں سے ہے۔ مولانا مرحوم علوم اسلامیہ و دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے۔ احناف علم و فضل اور کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم و عارف تھے۔ صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے۔ غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرتؒ کی وفات سے دنیا ایک بے بدل شیخ اور بے نظیر عالم اور بے مثال مصالح سے خالی ہوگئی ہے۔ یہ ساری امت کا نقصان عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی مثیل و بدل عطا فرمائے۔''

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مجسمہ اخلاق تھے۔ ان کے ہاں مہمان نوازی تھی، عجز و انکسار تھا، تحمل اور بردباری تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک ایسے صوفی تھے جنہوں نے اتباع سنت کو اپنا سرمایہ حیات اور تقویٰ کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھ رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

فخر اسلاف جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مدیر ''الحق'' فرماتے ہیں کہ ''آہ! علم و عمل، تقویٰ اور تصوف کا وہ روشن ستارہ غروب ہوگیا جس کی روشنی اور تابناکی سے نصف صدی تک علم و عمل کے ایوان جگمگاتے رہے اور جس سے ہزاروں تشنگان علم سیراب ہوئے۔ آپ میں علم و

حکمت' اخلاق و کردار' تقویٰ وطہارت کی تمام صفات موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس صدمہ عظمیٰ کے تحمل و برداشت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ وفات قطعات میں لکھی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

عبدالرحمٰن ولی وشیخ تفسیر و حدیث!
مصلح و شیخ طریقت بے مثال و بے مثل
حضرت علامہ جن کی ہر صفت تھی لاجواب
علم و تقویٰ اور تقدس بے نظیر و بے بدل
حضرت اشرف علی تھانویؒ کے جانشین
جن سے ہر مشکل سے مشکل عقدہ ہو جاتا تھا حل
آہ! اب تیغ اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دین' زہد و ورع' فضل و کرم' علم و عمل

☆☆☆

استاذ العلماء والفضلاء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء والفضلاء حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ان جلیل القدر ہستیوں میں سے تھے جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ بزم اشرف کے چراغوں میں سے ایک روشن چراغ تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت اپنی نہنال میں بمقام عمروال بلہ، تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۸۹۵ء کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں جناب میاں شاہ محمد صاحبؒ کے زیر تربیت رہے جو قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت اور بیحد متقی اور صالح بزرگ تھے، قرآن پاک بھی انہی سے پڑھا، ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ لیا اور دو سال تک وہاں مکتبی تعلیم حاصل کی بعد ازاں مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مولانا فضل احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی فقیر اللہ جالندھریؒ سے صرف ونحو فقہ واصول، فلسفہ ومنطق اور ادب کی کتابیں پڑھیں، کچھ عرصہ مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے اکتساب فیض کیا بعد ازاں مدرسہ منبع العلوم گاؤںٹھی میں مولانا غلام نبی، مولانا کریم بخش پنجابی اور مولانا محی الدین سے علوم وفنون اخذ کیے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں داخل ہوئے اور مولانا محمد یٰسین سرہندی، مولانا سلطان احمد پشاوری، مولانا سلطان احمد بریلوی اور مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری، سے تعلیم حاصل کی، سند حدیث حضرت مولانا محمد یسین سرہندیؒ سے حاصل کی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے سند فراغ عطا ہوئی، سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ کو اسی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں اساتذہ نے تدریس پر مامور کیا۔ تقریباً ایک سال تک وہاں قیام رہا، ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ عربیہ منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا، اور وہاں ایک عرصہ تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ بعد ازاں اساتذہ رائے

پور کے ایماء سے مدرسہ عربیہ فیض محمدی جالندھر میں درس وتعلیم اور اصلاح وتربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علماء دیوبند کی سب سے اہم خصوصیت ہی ان کی ظاہر وباطن کی جامعیت ہے وہ بیک وقت حال وقال کا مجمع البحرین رہے ہیں‘ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد اصلاح باطن کی تکمیل ان کے یہاں ناگزیر ہے اور جب تک کسی شخص میں مدرسہ وخانقاہ بہم یکجا نہ ہوں تب تک اس کی شخصیت نامکمل اور ادھوری رہتی ہے‘ حضرت مولانا جالندھریؒ نے تربیت باطنی اور تکمیل سیرت کے لئے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو منتخب کیا جہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے اور جہاں انسان سازی کا کام بڑی باقاعدگی اور سلیقہ سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری ۱۳۴۲ھ میں ہوئی اور ایک سال تک اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا‘ اس کے بعد آپ کی درخواست پر حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بعد نماز مغرب مسجد خانقاہ اشرفیہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا اور خلافت سے بھی نوازا‘ اسی دوران آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ایک معیاری مدرسہ کے قیام کا داعیہ ہوا‘ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے آپ نے اس تجویز کا ذکر کیا حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کی تحسین فرمائی تو توکلاً علی اللہ مسجد عالمگیر اٹاری بازار جالندھر میں مورخہ ۱۹ شوال المکرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا آغاز کر دیا گیا‘ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس کا نام ”مدرسہ خیر المدارس“ تجویز فرمایا‘ حضرت مولانا محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اخلاص وتقویٰ اور حسن انتظام اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی کی بدولت ”خیر المدارس“ کو بہت جلد مقبولیت عامہ نصیب ہوئی اور پنجاب کے طلباء کا مرجع بن گیا پھر یہ مدرسہ ۱۹۴۷ء تک جالندھر شہر میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتا رہا اور قیام پاکستان کے بعد آپ نے ملتان شہر کے وجود کو جو قدیم سے اکابر اہل اللہ کا مہبط رہا ہے شرف بخشا‘ اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گیان تھلہ بیرون دہلی دروازہ ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور حضرت مولانا جالندھری قدس سرہٗ کے علاوہ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ مولانا عبدالشکور کاملپوریؒ مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کی تدریسی خدمات نے

''خیر المدارس'' کو اسم با مسمی بنا دیا اور ہزاروں طالبان علم اس چشمہ فیض سے سیراب وشاداب ہو کر ملک و بیرون ملک دینی و علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں۔

مدرسہ جامعہ خیر المدارس اپنی چند منفرد خصوصیات کی بنا پر ہمیشہ اکابر امت کا ممدوح رہا ہے ذیل میں چند حضرات اکابر کی آراء گرامی درج کی جاتی ہیں جن سے مدرسہ اور اس کے بانی کا مقام بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مدرسہ خیر المدارس ابتدائے تعمیر ہی سے حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں اہل حق کا ایک اچھا مرکز رہا ہے اس کے سالانہ جلسوں سے بھی صحیح تبلیغ دین کا بہت نفع پہنچتا رہا ہے اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور بانی و مہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ہمیشہ پاکستان کے حامی رہے اور اب پاکستان میں آنے کے بعد جہاں تک میرا علم ہے اس کے اساتذہ وملازمین پاکستان کی بقاء اور استحکام کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں۔''

سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ جامعہ خیر المدارس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''یہ مدرسہ خیر المدارس بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خلوص وخوبی کے ساتھ چلایا جارہا ہے اور یہ مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔''

شیخ المحدثین حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''یہ مدرسہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات گرامی کے اہتمام اور خوبی انتظام کا بہترین ضامن ہے۔ اور مدرسین میں علم وعمل کے انوار نمایاں ہیں۔''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہو گیا ان کا مدرسہ پہلے جالندھر اور پھر پاکستان کے شہر ملتان میں ایک مرکزی مدرسہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے جہاں سے سینکڑوں علماء وفضلاء، قراء فارغ ہو کر ملک کے مختلف طبقوں میں دینی وعلمی خدمات

میں مشغول ہیں۔"

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"یہ مدرسہ خیر المدارس تقسیم ہند سے پہلے جالندھر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی سرپرستی میں جاری تھا اور یہ نام خیر المدارس بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی کا تجویز کردہ ہے اور تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ کی سرپرستی میں دینی و علمی خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ اس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ہیں جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اور شریعت وطریقت کے زبردست عالم ہیں میرے علم میں اب تک پاکستان میں اس شان کی کوئی درس گاہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ اس خیر کثیرہ کے چشمہ فیض کو قیامت تک جاری رکھے۔ آمین (آئین وقواعد خیر المدارس)

حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم وتدریس اور اصلاح وتربیت کے لئے وقف تھیں' سیاست سے عملاً ہمیشہ بے تعلق رہے مگر مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لئے ہر طرح کوشاں رہے' تحریک پاکستان میں آپ کا موقف اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے موافق تھا۔ قیام پاکستان کے بعد قرار داد مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست تھے' ۱۹۵۱ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی صدارت میں اسلامی دستوری خاکہ "۲۲ نکات مرتب" کرنے کے لئے اکابر علماء کا جو اجتماع کراچی میں خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا اس میں شرکت فرمائی' ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جن ممتاز علماء کو دعوت دی گئی ان میں بھی آپ شامل تھے' پھر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور تعاون فرمایا اور زندگی کے آخری لمحے تک مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرپرست مشیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین رہے اور آخر تک حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ علماء کے گروپ کے ساتھ

اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مختلف ذوق اور نظریات کے حضرات آپ کے حسن تدبر' اخلاص اور معاملہ فہمی پر مکمل اعتماد کرتے تھے اس بناء پر مختلف حلقوں کو جوڑنے اور ان کے مابین پیدا شدہ غلط فہمیاں رفع کرنے میں بڑا موثر کردار ادا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب جمعیت علماء اسلام کے بزرگوں میں اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے اتحاد و اتفاق کرانے میں بڑی محنت کی اور متعدد بار لاہور' کراچی کا سفر کیا۔ بالآخر ۱۹۵۴ء میں کراچی میں اکابر جمعیت کا اجلاس طلب کیا جس میں بالاتفاق حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور جمعیت کے صدر منتخب ہوئے اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی کو نائب صدر منتخب کیا گیا اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں پھر نا اتفاقی ہوئی تو آپ نے بستر علالت پر اتفاق و اتحاد کی کوششیں کیں' الغرض آپ ایک مرد مومن تھے اور حدیث نبویؐ میں جو شان مرد مومن کی بیان کی گئی ہے آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی آپ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی جب وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت و ہم نشینی کے مواقع میسر آئے تو انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا' عقل و دانش اور تدبر' ان کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا' خفیف الجسم اور سبک روح تھے اور بڑی قابل قدر ہستی تھی' مولانا جالندھریؒ اپنے دور کے جید عالم دین تھے بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے۔ علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمی ہے اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس' اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی صورت کے ساتھ روح بھی تھی اور صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا۔ (ماہنامہ بینات کراچی دسمبر ۱۹۷۰ء)

الغرض آپ ایک عظیم محدث' مدبر' محقق اور عارف کامل تھے۔ متبع سنت اور حق وصداقت کا پیکر تھے' درس و تدریس اور وعظ و ارشاد آپ کی زندگی کا اصل محور تھا اور تصنیف و تالیف کا شغل

بہت ہی کم تھا تاہم چند مفید رسائل تالیف فرمائے "خیر الاصول' خیر التنقید فی اثبات التقلید' خیر الوسیلہ' تیسرا لابواب' خیر المصابیح فی اثبات التراویح' نماز حنفی مترجم' آخری عمر میں صحیح بخاری کی ایک مختصر سی شرح بھی تحریر فرمائی اور اپنے کچھ حالات بھی قلم بند فرمائے۔آپ کے علمی مسائل پر مشتمل "خیر الفتاوی" شائع ہو چکا ہے۔آپ کے علمی و روحانی مقام کے بارے میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بزرگ تھے' علم کے پرکھنے کے لیے تو ان کی تالیفات درس و تدریس' خیر المدارس کی بنیاد' مناظرے' تبلیغ اسلام کے مواعظ' مجلسی گفتگو حاضر و بعید سب کے لئے شاہد ہیں اور روحانی مقاصد پہچاننے کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہ ارشادات عظیم شہادت ہیں جو انہوں نے آپ کے متعلق فرمائے تھے۔"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ:

"انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے۔"

چونکہ حضرت مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت و فوقیت کو انجن کے زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔اسی طرح خیر المدارس کی جب جالندھر میں بنیاد رکھی گئی تو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ چاہتے تھے کہ مدرسہ کا نام کوئی حضرتؒ کے نام اشرف کا حامل و عامل ہو مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم "مناع للخیر" نہیں ہیں اور حضرت تھانویؒ نے مدرسہ کا نام خیر المدارس تجویز فرمایا جو واقعی اسم بامسمی ثابت ہوا' اس کے علاوہ حضرتؒ کا حضرت مولانا کے لئے اجازت نامہ بھی ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔(مکتوب بنام احقر بخاری غفرلہ)

بہر حال آپ کی عالمانہ رفعت و عظمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔آپ اپنے ہم عصر اکابر علماء کے محبّ و محبوب تھے۔بالخصوص علامہ سید سلیمان ندویؒ' مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا ظفر احمد عثمانی' سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ آپ کے بڑے قدر دان اور مرتبہ شناس تھے۔آپ کی پوری زندگی

تعلیم وتربیت اصلاح وارشاد اور دعوت وتبلیغ میں بسر ہوئی اور ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفیض ہوئے۔ ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ ہزاروں افراد شریک جنازہ ہوئے اور دارالحدیث کے عقب میں تدفین عمل میں آئی۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے آپ کے جانشین بنائے گئے اور خیرالمدارس کے فرائض بھی حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کو سونپے گئے وہ بھی گیارہ سال مہتمم رہنے کے بعد مکہ مکرمہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اب حضرت بانی خیرالمدارس کے نبیرہ اور حضرت مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم کے خلف الرشید مولانا قاری محمد حنیف جالندھری جامعہ خیرالمدارس کے مہتمم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقیات دارین عطا فرمائیں۔

تفصیل کے لئے احقر کی تالیفات ''اکابر علماء دیو بند'' اور ''ذکر خیر'' و یادشریفؒ ملاحظہ فرمایئے۔

☆☆☆

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ ان علمائے حق میں سے تھے جن کا علم وفضل' زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں' آپ اپنے دور کے عظیم محدث' جلیل القدر مفسر' بہترین محقق اور بلند پایہ عالم دین تھے' ایک عارف کامل اور مایہ ناز مصنف تھے آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ نسب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے' آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز علاقہ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر ہے' آپ کے والد ماجد حافظ محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ ایک ممتاز عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ سے بیعت تھے آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد محترم محکمہ جنگلات کے آفیسر تھے' نو سال کی عمر میں آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا پھر آپ کے والد محترم ابتدائی دینی تعلیم کے لئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کو لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ:

''میں ادریس کو خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں داخل کرنے آیا ہوں اور اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں۔''

اس پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے برجستہ فرمایا کہ:

''یوں نہ کہیے کہ خانقاہ میں داخل کرنے آیا ہوں بلکہ یوں کہئے کہ خانقاہ کے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کرنے آیا ہوں۔''

سبحان اللہ! یہاں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا نور بصیرت اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ مولانا حافظ اسماعیل صاحب کا بیٹا خانقاہی نظام کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے تو قدرت قرآن وسنت کے علوم کی ایسی خدمت لے گی جو صدیوں میں کسی مرد مومن کا نصیبہ ہوتی ہے۔

بہرحال حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر آپ کو خانقاہ اشرفیہ کے بجائے

مدرسہ اشرفیہ میں داخل کر دیا گیا اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں خود حکیم الامت تھانویؒ نے پڑھائیں اس کے بعد ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت حکیم الامتؒ آپ کو ساتھ لے کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں لے گئے جہاں حدیث وتفسیر، فقہ، کلام، منطق وفلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تکمیل کی، یہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر علماء سے استفادہ کیا۔ اور انیس برس کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تعلیم سے فراغت حاصل کی پھر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، فخر العلماء مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے مایہ ناز اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کئے اور دوبارہ دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۲۱ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دہلی سے تعلق قائم ہوا، مدرسہ امینیہ دہلی کا یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ مدرسہ کی روح رواں تھے، مدرسہ امینیہ سے ایک سال کا تعلق رہنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی، اور خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف بخشا کہ اپنے عظیم اساتذہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر کے پہلو بہ پہلو مسند درس وتدریس پر فائز ہوئے اور تقریباً نو برس تک دارالعلوم دیوبند سے وابستگی رہی، اس کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر آپ حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں کم وبیش نو برس تک ہی قیام رہا، اگرچہ نہ وہاں دارالعلوم سے وابستگی جیسی نعمت تھی اور نہ علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانی جیسے علم وحکمت کے سرچشموں سے قرب حاصل تھا، مگر اس اعتبار سے حیدرآباد دکن کا زمانہ قیام آپ کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ گردانا جا سکتا ہے کہ "تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" جیسی مایہ ناز کتاب کی تالیف کا موقع ملا اور اس کی ابتدائی چار جلدیں اس قیام کے دوران دمشق جا کر طبع کرائیں، ۱۹۴۹ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بلانے پر پاکستان تشریف لائے اور دو برس

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے قیام فرمایا اور پھر جب لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہٗ کی سعی و کاوش سے جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ:

''مولانا میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس پر آپ نے فوراً فرمایا کہ:

''حضرت خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے۔''

اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث و التفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے اور آخر دم تک اسی جامعہ سے وابستہ رہے اور جامعہ اشرفیہ ہی آپ کی تدریس و تبلیغ کا مرکز رہا۔ ہزاروں طالبان علم اسی چشمہ علم و عمل سے سیراب و شاداب ہوئے، کراچی سے خیبر تک آپ نے تبلیغی دورے کئے اور اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا، لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح فرمائی۔ آپ کی نورانی مجالس میں ہر قسم کے افراد شریک ہوئے امراء و غرباء، زعماء، طلباء، علماء سب ہی آپ کے درس و مجالس میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے، آپ جب تقریر فرماتے تو معلوم ہوتا تھا کہ علم و عمل کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور بڑے بڑے علمی نکات چٹکیوں میں حل فرماتے تھے، سامعین پر آپ کی تقریر کا بے حد اثر ہوتا تھا بڑے سادہ اور علمی انداز میں وعظ فرماتے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ خطاب فرما رہے تھے بڑے بڑے علماء اور خطباء تشریف فرما تھے سامعین بڑے ذوق وشوق سے تقریر سن رہے تھے، دوران تقریر کسی علمی نکات پر مدلانہ دلیل بیان فرما رہے تھے کہ آپ کی علمی قابلیت اور دینی بصیرت سے متاثر ہو کر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوران تقریر مجمع کے سامنے کھڑے ہو گئے اور شدت جذبات میں فرمانے لگے کہ:

لوگو! دیکھ لو! یہ ہیں ہمارے اکابر جس کا علم و تقویٰ بے مثل ہے لوگو! خوب دیکھ لو اور سن لو! یہ دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر فرزند ہیں اور اس دور کے محدث اعظم اور محقق اعظم ہیں''

ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ مسرت و جذبات میں جھوم رہے تھے۔

اسی طرح استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد ادریس صاحب کا علمی مقام بہت بلند ہے وہ علم و عمل کا گہرا سمندر ہیں۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

''مولانا ادریس صاحب صرف عالم ہی نہیں بلکہ ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں اور اپنے زمانہ کے محدث، مفسر، محقق، ادیب و متکلم ہیں۔''

آپ شیخ المحدثین والمفسرین تو تھے ہی! مگر اپنے زمانہ کے مایہ ناز مصنف بھی تھے اور آپ کے قلم فیض رقم سے سینکڑوں تالیفات منصۂ شہود پر آئیں جن میں تفسیر معارف القرآن، شرح مشکوٰۃ، سیرت مصطفیٰ ﷺ شرح بخاری، عقائد اسلام، اصول اسلام، خلافت راشدہ ختم نبوت اور اسلام و نصرانیت علمی شاہکار ہیں، آپ کی تالیف ''سیرت مصطفیٰ'' کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''مولانا حافظ محمد ادریس صاحب جو علمی و عملی کمالات کے جامع ہیں ان کی ''سیرت مصطفیٰ'' تالیف قلب پر بے حد اثر کرتی ہے اور قلب کو سکون بخشتی ہے۔''

ایک اور مایہ ناز تصنیف تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے بارے میں آپ کے استاد محترم علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی شرح مشکوٰۃ کی مانند کوئی شرح روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔''

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا محمد ادریس صاحب ایک عالم باعمل تھے اور ان کے اساتذہ کو بھی ان پر فخر ہے انہوں نے عربی میں جو شرح مشکوٰۃ لکھی ہے وہ ہمیشہ ان کا نام روشن رکھے گی''

آپ کے علمی مقام کے بارے میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جی چاہتا ہے کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا علم چرا لوں''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا کاندھلویؒ کا مقام بہت بلند تھا وہ علماء، اولیاء اور اتقیاء کی صف میں بلند مقام

رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری و باطنی خوبیوں سے خوب نوازا تھا وہ اپنے علمی و عملی کمالات میں بے نظیر تھے۔''

بہرحال آپ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند تھا۔ اور وہ اپنے دور کے علماء محدثین کے امام مانے جاتے تھے' اخلاق و عادات میں سلف صالحین کا نمونہ تھے' نہایت متواضع منکسر المزاج اور مہمان نواز تھے' خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے' حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: کہ آپ دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے سارے اوقات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور رہتے تھے' کتابوں کے عاشق تھے جونئی کتاب شائع ہوتی فوراً خرید لیتے تھے متبع سنت اور حق و صداقت کے پیکر تھے' اہل علم کے قدر دان تھے اور بڑی قابل قدر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے منسلک تھا اور آپ کا سیاسی مسلک بھی اپنے شیخ کے عین مطابق تھا' نظریہ پاکستان کے دل سے حامی تھے۔ اور آخر دم تک پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے' تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے قادیانیت کی تردید کرتے رہے' اپنے ہم عصر علماء و اکابر کے محبّ و محبوب رہے' خصوصاً علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا مفتی محمد شفیعؒ' مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے گہرے تعلقات تھے اور یہ حضرات ایک دوسرے کا حد سے زیادہ احترام و اکرام فرماتے اور دینی و ملی معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ فرماتے رہتے تھے' غرضیکہ آپ کی ساری حیات طیبہ اسلام کی خدمت میں گزری' آپ ایک سچے عاشق رسولؐ اور ولی کامل تھے' کئی بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور ۷ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ جو آپ کے صحیح علمی اور روحانی جانشین ہیں اور حدیث و تفسیر کے مایہ ناز عالم ہیں انہوں نماز جنازہ کی امامت فرمائی' حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (تفصیل کے لئے ''تذکرہ ادریس'' ملاحظہ فرمائیے)

مفسر عہد، مدبر عصر، عالم بے بدل، فاضل اجل اور فقیہ دوراں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر یہ بڑا کرم ہے کہ ہر دور میں وہ اپنے دین کی حفاظت، تبلیغ، اشاعت اور دفاع کا کام اپنے منتخب بندوں سے لیتا رہا ہے۔ اس طرح ایک طرف کتاب وسنت کے ابدی رہنما اصول ہر دور میں اجاگر ہوتے رہتے ہیں اور دوسری طرف حق کے متلاشی حضرات کی رہنمائی ہوتی رہتی ہے ساتھ ہی مسلمانوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے امت اور صلحائے امت صدیوں سے اس خدمت میں مصروف ہیں۔ کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت، علوم کی ترویج، فنون کی تدوین، مسائل کے استنباط اور نتائج کے استخراج کی عظیم خدمات کا ہی نتیجہ ہے کہ آج دین کے اصولوں اور جزئیات کا زبردست ذخیرہ ملت اسلامیہ کے پاس موجود ہے یہ سب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تربیت کا نتیجہ ہے جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فیض یاب ہوئے۔ اور انہوں نے یہ اثاثہ تابعین کو اور انہوں نے تبع تابعین کو منتقل کیا اور علمائے حق آج تک اس مبارک اور عظیم ورثے کی حفاظت کر کے اسے آئندہ نسلوں کو منتقل کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا شمار ایسے ہی علمائے حق میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور امت مسلمہ کی اصلاح میں صرف فرمائی۔ وہ نہ صرف مفسر عہد مدبر عصر، عالم بے بدل، فاضل اجل اور فقیہ دوراں تھے بلکہ راہ سلوک کے بے مثل امام تھے، ان کی وفات سے نہ صرف علمی دنیا اجڑ گئی بلکہ دنیائے سلوک کا آفتاب غروب ہو گیا۔ وہ حقیقت میں ہمارے عظیم اسلاف کی یادگار تھے، وہ عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے۔ ان کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ اور نمونہ ہدایت تھی ان پر علامہ اقبال کا یہ شعر بالکل صادق آتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مفتی صاحبؒ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں دیو بند میں پیدا ہوئے اور ۹ اور ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) کی درمیانی شب کو رحلت فرمائی۔ اس طرح شمسی حساب سے ۸۲ سال ایک ماہ اور ۱۷ دن عمر ہوئی۔ خاندانی اعتبار سے وہ عثمانی تھے' اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ انہوں نے لگ بھگ اتنی ہی عمر پائی جتنی حضرت عثمانؓ نے پائی تھی حضرت مفتی صاحبؒ نے خود ایک جگہ اپنا شجرہ نسب یوں تحریر فرمایا ہے:

''بندہ محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین صاحب مدرس فارسی دارالعلوم دیو بند بن میاں جی تحسین علی صاحب ابن میاں جی امام علی صاحب ساکن دیو بند پھر اسی تحریر پر ایک تشریحی نوٹ میں لکھا ہے۔''

میاں جی امام علی ابن میاں جی کریم اللہ صاحب بن میاں جی خیر اللہ بن میاں جی شکر اللہ اصل باشندے موضع جو راسی متصل قصبہ منگلور ضلع سہارن پور کے ہیں حضرت میاں جی کریم اللہ صاحب اول مع اہل وعیال دیو بند میں منتقل ہوئے۔ یہ حضرات جہاں تک تسامع سے ثابت ہوا شیوخ عثمانی ہیں اور امہات وازواج کی طرف سے سادات کے ساتھ قریبی تعلقات رہے ہیں منتقل ہونے کے پورے اسباب کسی قابل وثوق ذریعہ سے معلوم نہیں' خاندان کے بعض لوگوں سے یہ سنا کہ نواب' نجیب الدولہ کے زمانہ میں ہنود نے اس موضع کے مسلمانوں پر مظالم کیے اور حافظ کریم اللہ جبار نے نجیب آباد جا کر نواب موصوف سے ان مظالم کا اظہار کیا موصوف نے ظالموں سے انتقام لیا پھر فتنہ واختلاف سے بچنے کے لئے حافظ صاحب ممدوح نے ترک وطن کر کے دیو بند میں قیام کر لیا واللہ اعلم بہ حقیقت حال دیو بند میں جدامجد حضرت میاں جی امام علی صاحب فارسی پڑھاتے تھے اس وقت قصبہ کا شاید کوئی گھر خالی نہ تھا جو ممدوح کی شاگردی سے بے نیاز ہوا حقر نے اپنے زمانے کے بڑے بوڑھوں کو اپنے خاندان کے بچوں تک کی تعظیم اسی بناء پر کرتے ہوئے پایا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب دارالعلوم دیو بند میں فارسی کے

مدرس تھے' وہ دیو بند میں ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور تقریباً اسی زمانے میں اس دینی درس گاہ کی بنیاد پڑی تھی اس اعتبار سے وہ دارالعلوم دیو بند کے ہم عمر اور ہم عصر تھے۔ انہیں دارالعلوم کے ابتدائی دور کے ممتاز علماء کی شاگردی کا شرف حاصل تھا جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ' مولانا سید احمد دہلویؒ ملا محمود دیو بندیؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا محمد احمدؒ ان کے ہم سبق رہے حصول تعلیم کے بعد وہ دارالعلوم سے ہی بحیثیت استاد وابستہ ہو گئے تھے اور تقریباً چالیس سال تک تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے جلیل القدر علماء اور محدثین ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ جن میں حضرت مولانا سید اصغر حسین محدثؒ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا محمد یٰسین شیر کوٹیؒ' امام اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ خصوصاً قابل ذکر ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب اس کے مہتمم سے لیکر دربان تک سب ہی صاحب نسبت ولی اللہ تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے دینی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اور بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ پانچ سال کی عمر میں جناب حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیو بند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں' حساب وفنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمدؒ سے حاصل کی وہ بھی دارالعلوم میں مدرس تھے۔ فن تجوید کی بقدر ضرورت تعلیم الحاج قاری محمد یوسف صاحب میرٹھیؒ سے حاصل کی جوان کے ہم درس تھے اور عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت قرآن پاک نشر کرتے رہے۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے جن عظیم المرتبت علمائے امت سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں رئیس المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ' مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمان عثمانیؒ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد احمدؒ بن حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رسول خانؒ اور حضرت

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے اکابرین شامل ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

زمانہ عالب علمی میں حضرت مفتی صاحبؒ کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا۔ امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے اسی لئے اساتذہ بے حد شفقت اور محبت کا سلوک کرتے تھے' ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمانؒ نے اس زمانے میں جو دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لئے استاد مقرر فرمادیا: پھر بہت جلد درجۂ علیا کے استاد ہوگئے۔ تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا ان کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا مگر دورۂ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف' اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ملکوں کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہونا سعادت سمجھتے تھے دارالعلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سال کے عرصہ میں انڈونیشیا' ملائیشیا' سنگاپور' برما' برصغیر' افغانستان' بخارا' سمرقند وغیرہ کے تقریباً تیس ہزار طلباء نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان میں سے ہزاروں اب بھی مختلف ملکوں میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ ابتداء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے اس وقت بیعت ہوئے جب وہ ۱۹۲۰ء میں مالٹا سے رہا ہو کر واپس وطن آئے تھے ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے جنہوں نے ۱۳۴۹ھ میں انہیں اپنا مجاز بیعت (خلیفہ) قرار دے دیا۔ ان کے ممتاز خلفاء میں حضرت مفتی صاحب کو خاص مقام حاصل رہا عمر کے آخری حصہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلفاء میں سے چند کے ناموں کا انتخاب کر کے ایک کاغذ طبع کرا لیا تھا اور جو لوگ ان سے بیعت ہونے کی درخواست کرتے تھے انہیں یہ کاغذ بھجوا دیا کرتے تھے کہ مجھے اب فرصت ہے نہ طاقت' ان میں سے کسی سے رجوع کر لیا جائے۔ ان ناموں میں حضرت مفتی صاحبؒ کا اسم گرامی شامل تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ پر حضرت حکیم الامتؒ خاص توجہ فرمایا کرتے تھے' اور حضرت مفتی صاحبؒ بھی ۱۳۶۲ھ تک اپنی مشغولیات کے باوجود خانقاہ تھانہ بھون میں مستقل حاضری دیتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی مہینوں وہاں قیام رہتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے فتوی کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحبؒ سے کام لینا شروع کیا وہ سوالات کے جوابات خود دیکھتے اور اصلاح و تصدیق کے بعد یہ روانہ کر دیئے جاتے۔ ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے' ارباب دارالعلوم نے مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا کام چلایا مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد کر دیا گیا' آپ کو اس عظیم کام کی اہمیت کا بہت احساس تھا کیونکہ دارالعلوم میں نہ صرف برصغیر کے کونے کونے سے استفسار موصول ہوتے تھے بلکہ دنیا بھر کے ملکوں سے مسلمان مختلف مشکل فقہی مسائل کے بارے میں آخری فیصلوں کے لئے دارالعلوم دیوبند سے رجوع کیا کرتے تھے' حضرت مفتی صاحبؒ اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صدر مفتی کے منصب کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکیں گے۔ تاہم حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سرپرستی' امداد اور اعانت کے وعدے پر انہوں نے یہ منصب قبول کیا۔ اور اللہ کے فضل سے منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے۔

برصغیر میں تحریکات آزادی میں مسلمان بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے لیکن ہندو لیڈروں کے طرز عمل سے آہستہ آہستہ یہ بات ظاہر ہوتی گئی کہ انگریزی اقتدار کے بعد' اکثریت کے بل بوتے پر ہندو قوم مسلم اقلیت کو ہضم کر جانے کا ارادہ رکھتی ہے چنانچہ مسلمان لیڈروں کی خاصی معقول تعداد مسلم قوم کی الگ تنظیم اور حصول آزادی کی تدبیریں سوچنے لگی' ۳۶' ۱۹۳۵ء کے انتخابات کے بعد ہندو اکثریتی صوبوں میں کانگریسی وزارتوں نے اپنی کارروائیوں سے یہ ثابت کر دیا کہ ہندو اور مسلمان قومیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان علمائے کرام کے سرپرست اور مربی تھے جو مسلمانوں کی الگ تنظیم اور حصول آزادی کے لئے جدوجہد کو ناگزیر سمجھتے تھے' چنانچہ وہ مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مطالبۂ پاکستان کی حمایت فرمائی جب پاکستان کے لئے جدوجہد کے دوران فیصلہ کن وقت آیا تو انہوں نے اپنے متوسلین، متبعین کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی پوری طاقت سے۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ چنانچہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی محمد

شفیع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظہور احمدؒ اور خلیفہ محمد عاقل صاحب دیگر علماء کے ساتھ دارالعلوم دیو بند سے مستعفی ہو کر الگ ہو گئے تا کہ اس تعلیمی ادارے کے نظم سے آزاد ہو کر مسلم قوم کی اس نازک مرحلے میں رہنمائی کریں۔ ان حضرات نے دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد ۱۹۴۵ء میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی تا کہ قیام پاکستان کے لئے موثر جدو جہد کی جائے اور جمعیت علمائے ہند کے اثرات کے باعث جو اکثر مسلمان مطالبۂ پاکستان سے منحرف تھے باجود تردد کی حالت میں کھڑے تھے انہیں قیام پاکستان کی جدو جہد میں شریک کیا جائے۔

اس جمعیت کے پہلے صدر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے حضرت مفتی صاحبؒ اس جمعیت کے کانپور کے اجلاس میں باقاعدہ رکن بنے پھر عاملہ کے ممبر منتخب ہوئے اور سرگرمی سے میدان میں آ گئے اس زمانے میں انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق ''شرعی فیصلہ'' کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی جس میں مطالبۂ پاکستان کے سیاسی مصالح اور اس مطالبہ کی شرعی حیثیت قرآن وسنت کی روشنی میں مستحکم دلائل سے پیش کیے اور ثابت کیا کہ ان حالات میں کانگریس کی حمایت کفر کی حمایت ہے جس میں حصہ لینا قرآن وسنت کی رو سے ناجائز ہے اسی طرح نومبر ۱۹۴۵ء میں قائد ملت لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب میں جہاں جمعیت علمائے ہند کا زبردست اثر تھا حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ کی بدولت ہوا کا رخ بدل گیا۔ پھر قیام پاکستان کی جدو جہد کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ برصغیر کے طول وعرض کا دورہ کیا۔ سرحد کے ریفرنڈم میں ان دونوں بزرگوں نے حضرت پیر صاحب مانکی شریفؒ اور حضرت پیر صاحب زکوڑی شریف کے ساتھ پورے صوبے کا دورہ کیا ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے مسلم لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اگر کبھی علالت کی وجہ سے کسی کانفرنس یا دورے پر تشریف نہ لے جاتے تو عموماً حضرت مفتی صاحبؒ کو نیابت کے لئے مقرر کر دیا کرتے تھے چنانچہ جنوری ۱۹۴۷ء میں جب حیدر آباد سندھ میں جمعیت علمائے اسلام کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کی جگہ صدارت فرمائی۔ اور خطبۂ صدارت میں مسئلہ قیادت پر شریعت کی روشنی میں دلائل دیکر ثابت

کیا کہ گاندھی اور نہرو کے مقابلہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت مسلمانوں کے لئے کفر کے مقابلہ میں اسلام کی قیادت کے مترادف ہے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت شیخ الاسلام کی طلبی پر حضرت مفتی صاحبؒ نے دیوبند سے کراچی کو ہجرت کی اور پھر یہاں آ کر ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ اور دینی تعلیم کے فروغ کے لیے جدوجہد شروع کی، قرارداد مقاصد کی ترتیب و تدوین اور اس کی منظوری میں ان کا بڑا حصہ ہے، ۱۹۴۹ء میں حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔

وہ دستوریہ کے تعلیمات اسلامی بورڈ کے اہم رکن رہے بعد میں قانون کمیشن کے رکن رہے۔ ۱۹۵۳ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد جمعیت علمائے اسلامی کی رہنمائی کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر آ پڑا اور وہ یہ خدمت ۱۹۵۸ء تک انجام دیتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دینی تعلیم کے فروغ کا بڑا احساس تھا۔ انہوں ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں اس کام کا یوں آغاز کیا کہ محلہ نانک واڑہ کی ایک عمارت میں مدرسہ اسلامیہ قائم کیا جس میں صرف ایک استاد اور چند طلبا تھے، چند ماہ کے بعد یہ مدرسہ ''دارالعلوم'' بن گیا۔ اور آج کورنگی میں یہ شاندار دینی درسگاہ ہے جس میں تقریباً دو ہزار طلبا تحصیل علم میں مصروف ہیں یہاں قرآن، حدیث، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، ریاضی علم کلام وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ان مشاغل کے ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد دو سو سے زائد ہے ان میں سب سے عظیم الشان تالیف قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' ہے جو آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے اور بلاشبہ ان کا زبردست کارنامہ ہے انہوں نے قانون، دستور، معاشیات، تاریخ اور لغت کے موضوعات پر بیش قیمت کتابیں تالیف کیں اور ان کے تحریری فتاویٰ کی تعداد تو تقریباً دو لاکھ سے متجاوز ہے جو شرعی فیصلے انہوں نے زبانی دیئے ان کی تعداد بھی کم و بیش اتنی ہی ہوگی۔ ریڈیو پاکستان سے سالہا سال تک درس قرآن کا نشری سلسلہ اس کے علاوہ ہے۔

بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ حضرت مفتی صاحبؒ بہت اچھے خطاط، جلد ساز، عربی کے اعلیٰ شاعر اور طبیب تھے۔ زمانہ طالب علمی میں ہی انہوں نے خطاطی اور جلد سازی سیکھی تھی اور طب کی تعلیم دار العلوم میں ہی حاصل کی تھی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ دینی اور علمی خدمات تو فی سبیل اللہ انجام دیں گے اور طبابت کے ذریعہ روزی کمائیں گے مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ وہ دار العلوم دیوبند میں پانچ روپے ماہانہ تنخواہ پر معلم مقرر ہوئے تھے اور ۲۶ سال کے بعد جب مستعفی ہوئے تو ان کی تنخواہ ۶۵ روپے ماہانہ تھی، حالانکہ اس عرصہ میں انہیں ملک کے مختلف حصوں سے درس و تدریس کے لئے بیش قرار تنخواہ پر بلایا جاتا رہا مگر حصول زر ان کی زندگی کا مقصد نہ تھا چنانچہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی طرف سے ۷۰۰ روپے ماہانہ تنخواہ پر تدریس کی پیش کش بھی انہوں نے قبول نہیں کی اور قلیل تنخواہ پر دار العلوم دیوبند میں ہی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ بہت ہی منکسر المزاج تھے، ملنے والوں سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے باتیں آہستہ آہستہ کرتے تھے مگر جواب دوٹوک، مدلل اور مختصر ہوتا تھا، تمام عمر انہوں نے سادہ صاف ستھرا لباس پہنا، کبھی انہیں نہایت قیمتی لباس میں ملبوس نہیں دیکھا گیا۔ تحریر اور تقریر میں انہیں پوری قدرت حاصل تھی۔ حافظہ غضب کا تھا تقریروں میں بسا اوقات سالہا سال پہلے کی مطالعہ کی ہوئی کتابوں کے حوالے دیتے تو سننے والے حیران رہ جاتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عرصہ دراز تک پر نہیں ہو سکے گا۔

تاریخ انتقال اردو

از مفتی جمیل احمد تھانویؒ

اک شیخ وقت و ہادی عالم نہیں رہے
شرع و طریق عشق کے سنگم نہیں رہے
باطل کے منہ میں دیتے تھے جو ہر وقت لگام
ہوتے تھے جن کے سامنے سر خم نہیں رہے
کوچوں سے دہریت کے ہے اب زخم زخم دین
رکھتے تھے ایسے وقت جو مرہم نہیں رہے

تقویٰ و زہد و معرفت حق کے مقتدا
میدان علم و فضل کے رستم نہیں رہے
ٹوٹی کمر ہر ایک کی اس سانحہ کے بعد
ہر کام کے کسی میں وہ دم خم نہیں رہے
افتاء و درس و وعظ تصانیف و نظم و نثر
بے مثل کارہائے منظم نہیں رہے
چودہ سو سالہ نظریئے اسلام کے جو آج
یورپ زدوں کے دل میں مسلّم نہیں رہے
تفسیر میں نکالے ہیں چن چن کے ان کے خار
شبہات اور شکوک کے یہ سم نہیں رہے
اصلاح و تربیت کارہا تھانوی طریق
اف ''عصر'' کے یہ شیخ معظم نہیں رہے
دینی کتب کی اشاعت کا اک نظام
دنیا و دین جو دونوں تھے مدغم نہیں رہے
اک مختصر سے جثہ سے اتنے بڑے یہ کام
ہاں ہاں وہ خانقاہ میں کچھ کم نہیں رہے
دو پیر بھائی آپ کے جو شیخ عصر تھے
بابائے نجم و اطہر ہمدم نہیں رہے
تاریخ ارتحال ہے ہر اک کی ۱۳۹۶ ''فوت شیخ''
تینوں کے فیض عام تھے اک دم نہیں رہے
ہوش و حواس باختہ کیوں ہوں نہ اہل دین
وہ باکمال مفتی اعظم نہیں رہے
۱۱ ۹۴ ۵۳۰ ۱۰۱۱ ۱۱۵ ۲۱۵

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ میری محبوب شخصیات میں سے تھے۔ آپ ایک جلیل القدر محقق، عظیم خطیب، رفیع الشان مدبر، بہترین متکلم و منتظم تھے۔ آپ کا حسن اخلاق حسن جمال مثالی تھا' آپ صحیح معنیٰ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔

آپ ۱۳۱۵ھ میں دیو بند میں پیدا ہوئے' آپ نسبی طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمی قدس سرہٗ چالیس سال دارالعلوم دیو بند کے مہتمم اور اسی دوران میں چار سال ریاست حیدر آباد دکن عالیہ کے مفتی رہے۔

آپ کے دادا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دنیائے اسلام کے مشہور و معروف عالم ربانی تحریک آزادی کے عظیم مجاہد اور دارالعلوم دیو بند کے بانی تھے۔ انہوں نے ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جو آج ایشیاء کی بے نظیر مذہبی دینی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ آپ کے دادا کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہزارہا کی تعداد میں ہندو پاک اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو کہ حلقہ دارالعلوم کہلاتا ہے' اس لیے یہ خاندان پورے ملک اور بیرون ملک ہر حلقہ اثر کو ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم دیو بند میں داخل کیا گیا تھا اور وقت کے ممتاز اکابر علماء و مشائخ کے عظیم الشان اجتماع میں کتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی۔ دو سال کی مدت میں قرآن کریم' تجوید و قرات کے ساتھ حفظ کیا' پانچ سال میں فارسی و ریاضی کا کورس کیا' اور آٹھ سال میں دارالعلوم دیو بند سے عربی کا نصاب مکمل کرلیا۔ اس طرح ۱۳۳۷ھ میں مکمل تعلیم سے فراغت پائی اور سند فضیلت حاصل کی۔ دوران تعلیم میں درالعلوم دیو بند کے تمام اساتذہ آپ کے ساتھ بوجہ خاندانی شرافت اور آبائی نسبت کے شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے اور مخصوص طریق پر تعلیم و تربیت میں حصہ لیتے رہے' حدیث کی خصوصی سند آپ نے وقت کے مشاہیر اور علماء و اساتذہ سے حاصل کی' آپ کے ممتاز اساتذہ میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ جیسے اکابر و مشائخ شامل ہیں۔
حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فراغت تعلیم کے بعد ۱۳۳۹ھ میں سلسلۂ بیعت حضرت شیخ مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ سے قائم کیا جس کے پانچ ماہ بعد حضرت شیخ الہند کا وصال ہو گیا، بعد ازاں ۱۳۵۰ھ میں آپ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے سلسلہ بیعت قائم کیا اور بہت جلد خلافت و اجازت سے نوازے گئے اور حضرت حکیم الامت کی توجہات کا مرکز بنے رہے۔ ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم دیو بند کی تدریس کے زمانہ ہی میں آپ کو دارالعلوم دیو بند کا نائب مہتمم بنا دیا گیا تھا۔ پھر ۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ طور پر آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا اور آخر وقت تک اسی عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔
آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیو بند نے زیادہ ترقی کی اور دارالعلوم کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگے رہے اور پوری دنیا میں دارالعلوم کا نام روشن ہوا۔ دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور حدیث کی اونچے درجہ کی کتب بھی آپ کے زیر درس رہیں۔ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ نے دارالعلوم دیو بند کے عظیم الشان دور اہتمام میں تدریس و تعلیم کی خدمت کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اصلاح کا کام بھی عظیم الشان طریقے سے جاری رکھا۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے تبلیغی و اصلاحی تقاریر کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا۔ بعد ازاں مدارس کے جلسوں اور پبلک جلسوں اور کانفرنسوں میں آپ نے تبلیغ دین کا جو حق ادا کیا وہ بھی اظھر من الشمس ہے۔ آپ کو فن خطابت اور تقریر میں خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی۔ مختلف اہم اسلامی موضوعات اور عالمی حالات پر آپ دو دو تین تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرتے تھے۔ آپ کے بیان میں ٹھوس علمی مواد کے ساتھ حقائق و اسرار شریعت کھولنا اور تخلیق و ایجاد مضامین آپ کا خاص حصہ رہے، جسے آپ کے اکابر و اساتذہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کے ترجمان اور شارح مانے جاتے تھے، فضلائے دارالعلوم دیو بند میں دو ہی ایسی شخصیات کے اسماء گرامی سامنے آئے جن کو حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کا ترجمان کہا

گیا ہے۔ایک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ ان دونوں حضرات کی خطابت اور تقاریر نے پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا تعارف کرایا اور ملک و بیرون ممالک ایک وسیع حلقہ پیدا کیا۔حضرت حکیم الاسلامؒ نے اصلاحی تقاریر کے ذریعے ہزاروں افراد کی اصلاح کی اور اپنے فیض علمی وروحانی سے ہزاروں لوگوں کو مستفیض ومستفید کیا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے تدریسی وتبلیغی واصلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ علمی و تصنیفی خدمات بھی سرانجام دیں۔آپ کے قلم فیض رقم سے سینکڑوں مقالات اور بہت سی تالیفات منظر عام پر آئیں جن میں "التشبہ فی الاسلام" سائنس اور اسلام' تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام' مسئلہ زبان اور ہندوستان' خطبۂ صدارت جمعیت علماء مراد آباد کانفرنس' خطبۂ صدارت بمبئی' خطبۂ صدارت سندھ کانفرنس' اصول ودعوت اسلام' مشاہیرات کلمات طیبات' تاریخ دارالعلوم دیوبند' تاریخ حجاز مقدس' اسلامی مساوات' مسئلہ تقدیر' سفرنامہ افغانستان اور دیگر اسلامی موضوعات پر متعدد تصانیف علمی شاہکار ہیں۔علاوہ ازیں خطبات حکیم الاسلامؒ کے نام سے متعدد جلدوں میں آپ کے علمی واصلاحی خطبات شائع ہو چکے ہیں جو مقبول عالم ہیں۔الغرض آپ نے تدریس' تبلیغ' تقریر وتحریر اور تصنیف وتالیف میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں' جو ناقابل فراموش ہیں۔آپ ایک عظیم محدث ومفسر' خطیب وادیب متکلم ومنتظم' محقق ومدبر اور ایک عارف وشیخ کامل تھے' ساری حیات اپنے شیخ ومرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہٗ کی تعلیمات وارشادات کے مطابق گزاری اور انہی کے مسلک ومشرب پر کاربند رہے۔سیاسی نظریات میں بھی اپنے شیخ معظم حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے پیروکار تھے' اسی لئے دوقومی نظریہ اور تحریک پاکستان کی تائید وحمایت فرماتے رہے۔آپ کے ہم عصر ساتھیوں میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ' شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

بہرحال آپ نے ساری حیات اسلام اور دارالعلوم کی خدمت میں گزاری اور بالآخر ۶ شوال ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو دیوبند میں رحلت فرمائی اور آبائی قبرستان قاسمی میں تدفین ہوئی۔حق تعالی درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔(آمین)

محدث العصر

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر، محقق دوراں حضرت سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان علماء محققین میں سے تھے جن پر پورا عالم اسلام بجا طور پر ناز کرسکتا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ علم دین کی اس تابندہ روایت کے امین تھے جو تحریک دیوبندی کے نام سے برعظیم ہندو پاک میں قائم ہوئی تھی۔ آپ کے تبحر علمی اور خدمت دین کی ضوفشانی پاکستان کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں پشاور کے قریب ایک گاؤں بنور میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا سید محمد زکریا صاحب بنوریؒ ایک ممتاز عالم دین اور مشہور تاجر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں سے حاصل کی۔ اس کے بعد پشاور کے علماء اور امیر حبیب اللہ خان کے دور میں کابل کے ایک دینی مکتب میں عربی اور دین کی ثانوی تعلیم حاصل کی اس عرصے میں آپ نے اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور معانی کی متوسط کتابیں جن علماء و اساتذہ سے پڑھیں ان میں پشاور اور کابل کے ممتاز علماء مولانا شیخ عبدالقدیر افغانی اور شیخ محمد صالح افغانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ نے مختلف علوم وفنون اور حدیث کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی جہاں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے آفتاب علم وعمل اساتذہ سے خصوصی استفادہ کا موقع ملا اور آپ کو لائق اور ہونہار شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت بنوریؒ نے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہمراہ خادم کی حیثیت سے شب و روز سفر کیا اور جب علامہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند سے الگ ہوکر ڈابھیل چلے گئے اور وہاں جامعہ اسلامیہ قائم کیا تو حضرت سید مولانا بنوریؒ کو وہاں کا صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا عہدہ دیا گیا اس کے ساتھ مجلس علمی ڈابھیل کا رکن بھی مقرر کیا۔ اس مجلس کی بہت سی کتابیں قاہرہ میں شائع ہوئیں۔ کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں

جب آپ ۱۹۳۷ء میں قاہرہ تشریف لے گئے تھے تو خلافت عثمانیہ کے دینی امور کے سابق جنرل سیکرٹری شیخ محمد زاہد الکوثری محقق العصر سے بھی استفادہ کیا' اس کے علاوہ فقہ مالکی کے علماء سے بھی فیض یاب ہوئے اور حدیث کی سند حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر شیخ التفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ تین سال کے بعد آپ کراچی تشریف لے گئے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا۔ جس میں گذشتہ ۲۳ برس سے دینی تعلیم دی جارہی ہے اور یہ مدرسہ آپ کا صدقہ جاریہ ہے۔ اس میں آپ نے دینی علوم کی تحقیق کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت بیسوں کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ اس کے علاوہ پندرہ سال قبل ایک ماہنامہ ''بینات'' جاری کیا۔ جس کو آپ نے دینی جذبے کی تکمیل کے لیے جاری رکھا۔ ظلم واستبداد کو پناہ دینے والے حکمرانوں کے خلاف استعمال کیا اس میں ان کا قلم کبھی مصلحت کا پابند نہیں رہا۔ آپ کی تصانیف میں عربی کی چار بڑی کتابیں اور درجنوں مقدمات شامل ہیں۔ جو دوسروں کی تصانیف پر تحریر کیے ہیں۔ آپ نے ''معارف السنن'' کے نام سے حدیث کی مشہور کتاب جامع ترمذی کی شرح چھ جلدوں میں شائع کروائی۔ اس کے لئے مزید چھ جلدیں لکھنے کا ارادہ تھا لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔

مولانا بنوریؒ بے مثال محقق اور عظیم محدث ہونے کے ساتھ عربی کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کی تحریروں میں سادگی اور روانی کا ایسا خوبصورت امتزاج ملتا ہے کہ پڑھنے والا اس کی افادیت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی تحریروں میں استدلال وتفکر پیش کیا گیا ہے۔ جنہیں سرسری انداز سے پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہی نہیں اور ان سے اتفاق نہ کرنے والے بھی ان تاریکیوں اور مباحث پر سوچنے کے لئے مجبور ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس ان تحریروں سے اندھی تقلید پر شدید ضرب پہنچتی ہے۔ یہی کیفیت ان کی اردو تحریروں میں بھی وہی عظمت اور عالمانہ وقار ملتا ہے۔ آپ کو یہاں بھی اسی قدر عبور حاصل تھا۔ آپ نے تقریباً ۴۵ سال تک مسند تدریس کو رونق بخشی اور درس حدیث دینے میں مصروف رہے۔ آپ سے فیض یاب ہونے والے اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کہ ان کے بارے میں کوئی صحیح تعداد بتانا ممکن نہیں۔ مدرسہ

عربیہ اسلامیہ کراچی سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء میں پاکستان کے علاوہ افغانستان' انڈونیشیا' افریقہ' امریکہ اور یورپ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ جو اس وقت خود بھی تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ آپ ساری زندگی پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت کو پیش کیا اور آپ نے تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ پاکستان میں فتنہ قادیانیت کے لیے جو تحریک اٹھی تھی۔ حضرت بنوریؒ کی قیادت میں اس تحریک نے پورے ملک میں جوش و خروش پیدا کیا۔ اس تحریک میں اس قدر والہانہ پن اور شدت تھی کہ قومی اسمبلی نے اس مسئلہ کو متفقہ طور پر منظور کیا اور قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے مولانا بنوریؒ پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے' مصر کی اسلامی کانفرنس آپ کو ہر سال بلاتی تھی۔ اس سال وہ خرابی صحت کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ اور دوسرے یہ کہ ملک میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس جاری تھے ان میں شمولیت بھی ضروری تھی۔ کیونکہ آپ انہی دنوں اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کی موجودگی اسلامی کونسل میں نہایت ضروری تھی۔ لیکن وقت نے آپ کو اس کام کے لئے مہلت ہی نہ دی اور وہ چراغ بجھ گیا۔ جس سے روشنی کا سلسلہ جاری تھا۔

مولانا بنوریؒ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند تھا۔ اکابر علماء کو بھی آپ کی جامع شخصیت کا اعتراف تھا اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد تھا۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علم کے صحیح حامل ہیں"

اسی طرح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی متفقہ رائے ہے کہ "مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم' محدث' مفسر اور فقیہ تھے" وہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علوم و معارف کے امین تھے' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ کے خلیفہ اور روحانی جانشین تھے وہ تحریک ختم نبوت کے عظیم مجاہد اور ایک سچے عاشق رسولؐ تھے"

بہرحال حضرت مولانا بنوریؒ ملک وملت کے لئے عظیم سرمایہ تھے۔ وہ بہت سادہ خوش مزاج اور خلیق شخصیت تھے' ان سے جو بھی ایک بار ملتا وہ آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ نہایت متواضع' مہمان نواز اور متبع سنت تھے۔ آخر کار یہ مردمومن ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بروز سوموار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دو جگہوں پر نماز جنازہ پڑھائی گئی' پہلی نماز جنازہ راولپنڈی میں ہوئی۔ جس کی امامت مولانا عبدالحق صاحب نے کی اور دوسری نماز جنازہ کراچی میں پڑھائی گئی جس کی امامت حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نے فرمائی۔ ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین۔ اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(تفصیلی حالات' بینات بنوری نمبر میں ملاحظہ فرمائیے)

☆☆☆

مخدوم العلماء

حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مولانا اطہر علی صاحب تحریک پاکستان کے ان علماء حق میں سے تھے' جنہوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر کام کیا' آپ مشرقی پاکستان میں دیوبندی مسلک کا سب سے پہلا نمونہ تھے آپ نے نصف صدی سے زائد بے غرضی اور لگن کے ساتھ احیاء دین وشریعت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کام کیا۔ آپ کی زندگی جذبۂ خدمت دین اور شوق حریت کا حسین امتزاج تھی۔

آپ ضلع سلہٹ مشرقی پاکستان کے ایک شریف' معزز اور دیندار گھرانے میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے' قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا اور ابتدائی تعلیم مدرسہ بڑدلیس تھانہ نیانی بازار میں حاصل کی' ثانوی تعلیم مدرسہ قاسمیہ مراد آباد میں حاصل کی' پھر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے' اور امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' عارف باللہ حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ جیسے آفتاب علم وعمل اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ جھگا باڑی میں مدرس ہوئے۔ کچھ عرصہ ضلع کمیلا میں مدرسہ قاسمیہ کے صدر مدرس رہے۔ بحیثیت مدرس آپ کی کامیابی اور مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلہٹ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی' کہ جو شخص آپ کے درس میں بیٹھے اور پھر بھی سبق نہ سمجھے' اس کو پڑھنا ہی ترک کر دینا چاہیے تعلیمی وتدریسی خدمات کے ساتھ ہمیشہ تبلیغی واصلاحی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور اس سلسلہ میں بولائی ضلع کشور گنج کے ایک رئیس کی درخواست پر وہاں تشریف لے گئے۔ اور کئی سال تک تبلیغی واصلاحی خدمات میں مصروف رہے اور دینی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی مرجع عوام وخواص بن گئے بعد میں کچھ دینی مصلحت کی وجہ سے ہیبت نگر چھوڑ کر پورن تھانہ میں مقیم ہو گئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی' آپ کی کوششوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت آج اس مسجد کا شمار مشرقی پاکستان کی عظیم مساجد

میں ہوتا ہے اور اس مسجد کا پانچ منزلہ مینار دہلی کے قطب مینار کی یاد دلاتا ہے' یہاں قیام کے دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے درس و تدریس کے ساتھ عقیدت مندوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح میں مصروف رہے اور حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحریر کردہ **تنظیم المسلمین** اور **تعلیم المسلمین** کی اشاعت کے بعد دعوت و تبلیغ کے کاموں میں پہلے سے زیادہ وقت گزارنے لگے۔ ۱۹۴۵ء میں مدرسہ امداد العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جو کچھ عرصہ بعد عظیم الشان دینی ادارہ ''جامعہ امدادیہ کشور گنج کی شکل اختیار کر گیا جس میں اب تک ہزاروں طالبان علم حدیث حاصل کر چکے ہیں اور آپ کے ہزاروں طالبان علم اور فیض یافتہ حضرات اندرون و بیرون ملک دینی و ملی خدمات میں مصروف ہیں۔

تعلیمی و تدریسی کاموں کے علاوہ آپ نے اس وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ روحانی تعلق قائم رکھا اور ان کے دست حق پر بیعت کی اور پھر اپنے شیخ کی ہدایت و احکامات پر عامل رہ کر مسلسل سلوک و تصوف کے مدارج طے کرتے رہے اور تین سال کے مختصر عرصہ میں شعبان ۱۳۲۸ھ میں خلافت و اجازت کے شرف سے مشرف ہوئے حکیم الامت سے تعلق کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جتنا بھی میں نے علم حاصل کیا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ محض زبانی تھا حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد حقیقت سمجھ میں آئی اور ان پر حقیقی معنوں میں عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔''

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو سلوک کے اس اصول کے تحت کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے حوالے اس طرح کر دے جیسے میت کو غسال کے حوالے کر دیا جاتا ہے آپ نے واقعی اپنے آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے تابع کر رکھا تھا اور جیسے وہ حکم فرماتے اسی پر عمل کرتے تھے۔

علمی' دینی' تبلیغی و اصلاحی خدمات جلیلہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے ہم عصر علماء شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ کے شانہ بشانہ تحریک

پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں بھرپور عملی حصہ لیا اور وہ خدمات جلیلہ انجام دیں۔ جنہیں تاریخ پاکستان کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ حضرت مولانا اطہر علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کا آغاز سلہٹ ہی سے ہوا۔ جہاں سرحد کی طرح سے مسلم لیگ ریفرنڈم کرار ہی تھی اور آسام کے ساتھ یہ علاقہ کانگریس کا مضبوط اڈا تھا لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ کی دن رات کوشش اور جدوجہد سے سلہٹ کا علاقہ پاکستان کی سرحد میں شامل ہوگیا' پاکستان بن جانے کے بعد تحریک پاکستان میں شامل علماء نے مشرقی و مغربی پاکستان میں یہ فیصلہ کیا کہ اب ہمیں پاکستان تو حاصل ہوگیا ہے' مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ملک میں نظریہ پاکستان اور قائداعظم کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسلامی نظام کے قیام کی کوشش تیز کردی جائے چنانچہ اس کے لیے قومی اسمبلی کے اندر نظام اسلام کے روح رواں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک مضبوط چٹان بن کر کام کررہے تھے اور ان کے رفقاء جمعیت علماء اسلام میں رہ کر پورے پاکستان میں سرگرم عمل تھے۔ چنانچہ دائیں بازو مشرقی پاکستان میں اس تحریک کی قیادت حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ' مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا دین محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرمارہے تھے اور بائیں بازو مغربی پاکستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ' مولانا ظفر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ' مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی تحریک نظام اسلامی کو پروان چڑھا رہے تھے' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان بننے کے بعد ڈھاکہ میں جب پہلی مرتبہ جمعیت علماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس میں شریک ہوئے۔ تو مولانا اطہر علی سلہٹی مرحوم نے ہی خطبہ استقبالیہ پیش کیا جو آج بھی مطبوعہ موجود ہے جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کو زندگی بسر کرانے کے لیے مولانا مرحوم کے دل و دماغ میں کس قدر عزم و استقلال کی پختگی موجزن تھی۔ غرض کہ آپ ساری زندگی پاکستان میں نظام اسلام کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور اس مقصد کے لیے مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اس کے بعد قرارداد مقاصد کی ترتیب وتدوین میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کے دست راست

رہے، پھر ۱۹۵۱ء کے ہر مکتبہ فکر کے جید علماء کے اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے اور ۲۲ نکات کی ترتیب وتدوین میں علماء کا ہاتھ بٹایا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے دستوری تجاویز میں ضروری ترامیم کے سلسلے میں جن علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی ان میں مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے اسی طرح اردو کو سرکاری زبان بنانے والی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اس سلسلہ میں بھی قائداعظم سے ملاقات کی۔ اور ہمیشہ آپ نے ہر جابر وظالم کے سامنے کلمہ حق ادا کیا تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا اور اس لادینی نظام کے سیلاب کو روکنے کیلئے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود زبردست تحریک چلائی اور پاکستان کے اہم شہروں میں دورہ فرماتے رہے اور عوام کو اس لادینی فتنے سے آگاہ کرتے رہے۔

الغرض حضرت مولانا مرحوم کی ذات گرامی مشرقی ومغربی پاکستان میں احیاء دینی، روحانی اخلاقی تعلیم وتربیت اور نشر واشاعت علوم ومعارف قرآنیہ کے لیے وقف تھی آپ کی تقریر وتحریر موثر اور دل پذیر ہوتی تھی۔ زندگی بڑی سادہ تھی، تکلف، تصنع اور مادی آرائش وزیبائش سے نفرت تھی۔ ان خوبیوں کے علاوہ مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اعلائے کلمۃ الحق سے کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ اس کی سزا بھی بھگتنی پڑی اور مجیب الرحمٰن کے ظالمانہ دور حکومت میں آپ کو کلمۃ الحق کی پاداش میں قیدی بنایا گیا۔ یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے۔ رہائی کے بعد آپ پر فالج کا زبردست حملہ ہوا اور میمن سنگھ ہسپتال میں ۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ کو رات دس بجے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جامعہ امدادیہ کشور گنج میں آپ کی تدفین ہوئی۔ جو آپ ہی کی جاری کردہ ایک عظیم الشان درسگاہ ہے، آپ کی وفات پر ملک کے ممتاز علمائے اکرام نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ آپ کی علمی، دینی روحانی، اور سیاسی کارناموں کا اعتراف کیا۔ ذیل میں چند مشاہیر علماء کے مختصر تاثرات درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا اطہر علی صاحب سابق مشرقی پاکستان کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی و سیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے آپ بنگلہ دیش کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے' وہ عالم تھے۔ فاضل تھے' صوفی تھے' درویش تھے' دیوبند کے فاضل تھے اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد تھے۔''

مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''مولانا اطہر علی صاحب کی شخصیت اس دور میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی زندگی سلف الصالحین کا نمونہ تھی اور اپنے علم وفضل زہد وتقویٰ اور بے لوث خدمت دین کی وجہ سے عوام وخواص میں بے حد مقبول تھے۔ ان کی وفات علمی حلقوں کا عظیم نقصان ہے۔''

مولانا محمد تقی عثمانی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا مرحوم پوری امت مسلمہ کی گراں قدر متاع تھے۔ ان کی وفات پوری دنیائے اسلام کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے۔''

مولانا محمد متین خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا کی ذات بابرکات کی وفات سے پوری قوم یتیم ہوگئی ہے اور علماء کی روشن شمع بجھ گئی' کشور گنج مشرقی پاکستان میں جامعہ امدادیہ' آپ کی عظیم دینی درسگاہ ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ اس جامعہ کی عظیم الشان مسجد شہداء کے ممبر ومحراب آج بھی آپ کے مواعظ حسنہ اور ذکر اللہ کی صدائیں یاد دلاتے ہیں اور آج بھی ذکر اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتی رہیں گی۔''

اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

شیخ عالم قطب ملت حضرت اطہر علیؒ وارث علم نبوت حضرت اطہر علیؒ
جانشین تھانویؒ مرد حق روشن ضمیر ہادیٔ راہ ہدیٰ حق کی رحمت حضرت اطہر علیؒ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ذکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا علم وفضل زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں' آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ بانی تبلیغی جماعت کے بھتیجے تھے۔ اصل وطن کاندھلہ تھا اسی نسبت سے کاندھلوی کہلاتے تھے' آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور اول تا آخر تمام تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں پائی۔ ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث شیخ المحدثین قطب العارفین حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نوراللہ مرقدہ اور اپنے والد محترم حضرت اقدس عارف باللہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی' آپ کے دوسرے اساتذہ میں رئیس التبلیغ حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر اکابر علماء شامل ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں آپ مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد ہی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے صدر مدرس مقرر ہوئے اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا پھر آخر وقت تک اسی منصب جلیلہ پر فائز رہے اور علم حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے ہزاروں طالبان علم آپ کے فیض علمی سے مستفیض ہوئے جو آج خود بھی علمی و تدریسی خدمات میں مصروف ہیں۔ محقق العصر فخر اسلاف حضرت علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ' کو یوں تو سارے ہی علوم میں دسترس عطا فرمائی تھی لیکن خاص طور پر علم حدیث کے ساتھ آپ کا تعلق اور اشتغال اس درجہ تھا

کہ ''شیخ الحدیث'' آپ کے اسم گرامی کا جزو بلکہ اس کا قائم مقام بن گیا' علمی و دینی حلقوں میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو آپ کے سوا کسی اور کی طرف ذہن جاتا ہی نہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس لقب کا کوئی حقیقی مستحق تھا تو وہ آپ ہی کی ذات تھی' سالہا سال حدیث کا درس آپ کا جزو زندگی تھا پھر تالیف و تصنیف کے میدان میں علم حدیث کی متنوع خدمات اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیں' اس دور میں شاید ان کی نظیر نہیں ہے' سب سے پہلے آپ نے اپنے شیخ مکرم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے ساتھ رہ کر ان کی ابوداؤد کی شرح ''بذل المجهود'' کی تالیف میں ان کو مدد دی پھر موطا امام مالك کی عظیم شرح ''اوجز المسالك'' تالیف فرمائی جو اس صدی کے علمی کارناموں میں سرفہرست ہے اور جس کی قدر اہل علم ہی جانتے ہیں' اس کے علاوہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی تقریر ترمذی ''الکوکب الدری'' پر حضرتؒ نے جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے وہ اپنے اختصار اور جامعیت میں اپنی نظیر آپ ہے پھر آخر میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر بخاری شریف ''لامع الدراری'' پر جو مفصل تعلیقات آپ نے تحریر فرمائی ہیں آج ''صحیح بخاری'' کا کوئی طالب علم یا مدرس ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا' ان میں سے ہر ایک علمی خدمت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص ساری عمر میں وہی خدمت انجام دے تو وہ تنہا بھی اس کی علمی عظمت کے ثبوت کے لیے کافی ہے' یہ تمام کارنامے تو اہل علم کی رہنمائی کے لئے ہیں لیکن عام مسلمانوں کے لیے بھی حضرتؒ نے تالیفات کا جو انتہائی مفید ذخیرہ چھوڑا ہے اس سے آج ایک دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ ''فضائل'' کے سلسلے کی تالیفات جو ''تبلیغی نصاب'' کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں' اپنی سادگی اور تاثیر میں بے مثال ہیں بلا مبالغہ ہزارہا زندگیوں میں ان کے ذریعے انقلاب پیدا ہوا ہے اور آج مسجد مسجد ان کے اجتماعی مطالعے کا سلسلہ جاری ہے اور شاید چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ایسا نہ ہو جب وہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں پڑھی نہ جا رہی ہوں'' (ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ)

بہر حال آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بلند مقام پایا تھا اور ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا اور اسی سال ''بذل

المجهود" میں اپنے استاد و مربی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کے ساتھ مل کر کام شروع کیا تھا جو ۱۳۴۵ھ میں تکمیل کو پہنچا اس کے علاوہ بہت سی تصانیف آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جن میں "تاریخ مشائخ چشتیہ' تاریخ مظاہر العلوم' شرح مسلم' تقاریر مشکوٰۃ' یادایام آپ بیتی' شمائل ترمذی' موطا امام مالک" اور تبلیغی نصاب وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ مدیر "بینات" فرماتے تھے کہ:

"حق تعالیٰ شانہ کی عنایت ازلیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو جن گوناں گوں امتیازی اوصاف و کمالات کا جامع بنایا تھا اور جن کی نظیر گذشتہ صدیوں میں بھی خال ہی خال نظر آتی ہے' حضرتؒ کے زہد و تقویٰ' خشیت و انابت' عزیمت و توکل' ایثار و قربانی' جود و سخا' وسعت ظرف و علو ہمت' محبت و محبوبیت وغیرہ اوصاف و کمالات جن تک ہم ایسے کوتاہ بینوں کی نظر پہنچ سکتی ہے وہ بھی اس قدر ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے اور بہت سے کمالات تو ہم ایسوں کی فکر پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔"

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(بینات کراچی)

الغرض آپ ایک عظیم محدث و مفسر اور عارف کامل تھے' آپ نے روحانی سلسلہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے قائم فرمایا تھا اور علم ظاہر کے ساتھ علم باطن میں بھی ایک بلند مقام حاصل کیا تھا آپ نے حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے خوب فیض علمی و روحانی حاصل کیا اور خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے تھے۔ حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی اس طرح سے آپ ایک شیخ کامل بھی تھے' لاکھوں افراد کو اپنے روحانی فیض سے مستفید کیا۔ دنیا بھر کے ممالک کے تبلیغی اسفار کیے اور زندگی بھر دینی' علمی اور تبلیغی

خدمات انجام دیتے رہے۔ علم وفضل اور روحانیت کے ایسے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ تواضع وانکساری کا پیکر تھے اور ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔ اسی عشق نبویؐ میں سرشار دل میں یہ آرزو لے کر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما گئے کہ زندگی کے آخری لمحات دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوں اور جنت البقیع کی خاک پاک نصیب ہو اسی آرزو اور تمنا کو لیکر ہندوستان سے اپنے اہل وعیال اور گھر بار کو خیر باد کہہ کر سالہا سال سے مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے تھے۔ وہاں بھی ہر وقت فیض کے دریا جاری تھے۔ رشد وہدایت، درس وتبلیغ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا اور ہزاروں لوگ ان کے فیض علمی وروحانی سے سیراب وشاداب ہو رہے تھے کہ ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو یہ مرد حق اور شیخ جلیل عالم آخرت کی طرف تشریف لے گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

پوری علمی وروحانی دنیا تاریک ہوگئی، زہد وتقویٰ اور علم وفضل کا آفتاب غروب ہوگیا جس کی کرنوں سے پوری دنیا منور تھی۔ حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تاریک ہو گئی ہے شبستان اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

(تفصیل ''چالیس بڑے مسلمان'' میں پڑھیے)

☆☆☆

شمس العلماء

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو ترنگ زئی چارسدہ میں مولانا غلام حیدر بن مولانا خان عالم بن مولانا سعد اللہ کے گھر پیدا ہوئے' ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی ۱۹۰۹ء میں پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے پھر سرحد وافغانستان کے مختلف علماء سے فنون کی کتابیں پڑھیں پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ اور ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ اور مولانا رسول خان ہزارویؒ وغیر ہم حضرات سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ علم طب کی تکمیل بھی دارالعلوم میں کی۔ اور پھر جون ۱۹۲۲ء میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت نصیب فرمائی' حج سے واپس ہوئے تو ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیو بند کی طرف سے شہر دھانند کے فتنہ ارتداد اور شدھی تحریک کی روک تھام کے لئے جو پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے ان کے قائد آپ تھے' آریہ سماج کے خلاف تبلیغ کا مرکز شہر آگرہ ڈھولی کھار میں قائم کیا گیا' آپ کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں رنگ لائیں برائے نام مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا گیا اور بے شمار ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

آریوں کے مشہور مناظرین کو عام جلسوں میں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب فتنہ ارتداد کے خاتمہ پر کامیابی کے ساتھ دارالعلوم دیو بند واپسی ہوئی تو دارالعلوم میں ایک جلسہ ہوا جس میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تشریف فرما تھے ان کے ارشاد پر آپ نے تبلیغی حالات وکوائف پر ایسی جامع تقریر فرمائی کہ ان بزرگوں نے دل کھول کر دعائیں دیں۔

کم وبیش ایک سال تک دارالعلوم دیو بند کے کتب خانہ میں نادر کتب کا مطالعہ کرتے

رہے۔ قیام حجاز کے دوران سلطان عبدالحمید خان کے مکتبہ حمیدیہ میں خوب مطالعہ کرتے رہے' ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈا کراچی میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا' ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ ارشاد العلوم قنبر علی خان لاڑکانہ سندھ میں صدر مدرس رہے' ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ قاسم العلوم شیرانولہ دروازہ لاہور میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ دار الفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۵۷ھ دار العلوم دیو بند میں درجہ علیا کے استاد اور شیخ التفسیر رہے۔ ۱۹۳۹ء میں قلات کے وزیر معارف مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں دوبارہ اسی عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مدرس اعلیٰ رہے' ۱۹۶۴ء میں شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ کے منصب پر کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور تقریباً بارہ تیرہ سال تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک اور بیرون ملک علمی خدمات انجام دے رہے ہیں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے بہت سی کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں "علوم القرآن اردو" "سوشلزم اور اسلام" "اسلام عالمگیر مذہب ہے' معین القضاۃ والمفتین عربی" "شرح ضابطہ دیوانی اردو" "سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے" "عالمی مشکلات اوران کا قرآنی حل" "مدارس کا معاشرہ پر اثر" "ترقی اور اسلام" "آئینہ آریہ' متنازعہ مسائل کا حقیقی حل" "تصوف اور تعمیر کردار" "اسلامی جہاد" "کمیونزم اور اسلام" "احکام القرآن و مفردات القرآن' مشکلات القرآن" حقیقت زمان و مکان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ وقت کے بہت بڑے عالم' مفسر' مدبر' محقق اور عارف تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے خلیفہ مجاز ہیں۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے اور بزرگوں کی یادگار ہیں بہت سی دینی انجمنوں اور دینی مدارس کے سرپرست اور عالم اسلام کے عظیم مذہبی پیشوا تھے۔

آپ نے ۱۶ اگست ۱۹۸۳ء کو رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مخدوم العلماء فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء والفضلاء مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا اصل وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یوپی) تھا اور سلسلہ نسب خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے' آپ کے والد ماجد مولانا حافظ سعید احمد تھانوی علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے "الاخلاق الحدیہ" (چار جلدیں) سیرت صلاح الدین' نساء المسلمین وغیرہ کتب کے مصنف تھے اور کچھ عرصہ ہفتہ وار اسلام کے مدیر اور انجمن تبلیغ اسلام کے ناظم بھی رہے تھے۔ آپ کے دادا جناب حافظ امیر احمد صاحب تھانوی مرحوم ۱۸۵۷ء کے لگ بھگ پشاور میں کمشنر رہے تھے۔ آپ ۱۰ شوال مکرم ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے آپ کی ننہال راجو پور ضلع سہارنپور کی تھی قرآن شریف کی ابتدا وہیں ہوئی والد صاحب کی ملازمت کی وجہ سے علی گڑھ زیادہ رہنا ہوا اس لئے یہیں ناظرہ قرآن پاک ختم کر کے اسکول میں اردو کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آ کر فارسی کتب تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک اور عربی کتب میزان الصرف سے ہدایۃ النحو تک پڑھیں جب حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی نے جلال آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تو آپ یہاں چلے آئے اور شرح جامی کی جماعت میں شامل کر دئے گئے بعد ازاں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے ارشاد اور توجہ دلانے سے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور کافیہ کبریٰ' نور الایضاح اسباق تجویز ہوئے اور تمام کتب کے علوم وفنون سے اول پوزیشن میں ۱۳۴۲ھ کو فراغت حاصل کی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دورۂ حدیث کی تمام کتب میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر کئی کتابیں اور ایک گھڑی عنایت فرمائی درجہ ابتدائی میں کل کتب کے استاد مولانا ظہور الحق دیو بندی تھے اور بعد میں حضرت مولانا حافظ

عبداللطیف صاحب' مولانا ثابت علی صاحب' مولانا منظور احمد صاحب' مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری' مولانا اسعد اللہ رامپوری مولانا بدر عالم میرٹھی اور حدیث شریف میں مشکوٰۃ کے استاد حضرت مولانا ثابت علی صاحب' ترمذی شریف اور طحاوی شریف کے حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب' ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری خلیفہ تھانوی' بخاری و مسلم شریف اور موطین کے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد قدس سرہٗ استاد تھے۔ سندحدیث حضرت اقدس سہارنپوری کے دست مبارک سے عطا ہوئی اور حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔

بعد فراغت کھم ضلع دنگل حیدرآباد دکن کے مدرسہ میں حضرت اقدس سہارنپوری کے حکم سے تدریس و تبلیغ اور وعظ و تقریر کے لئے تشریف لے گئے کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں نائب شیخ الادب کا عہدہ آپ کو سونپا گیا تقریباً گیارہ ماہ بعد حضرت اقدس مولانا سہارنپوری کی تعمیل میں واپس سہارنپور پہنچے اور مدرسہ مظاہر العلوم مین مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے یہاں پر علم وفن کی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۰ھ تک مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور سے ایک رسالہ المظاہر اور ۱۳۴۸ھ میں ایک دوسرا جریدہ ماہنامہ دیندار جاری فرمایا جو ایک عرصہ تک دعوت و تبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۲۵۶ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد اعظم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی علالت و تیمارداری کی غرض سے تھانہ بھون قیام فرمایا چونکہ یہ قیام طویل تھا اس لئے مدرسہ سے سال بھر کی رخصت لیتے رہے اور خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم میں حضرت حکیم الامت کے حکم سے درس و تدریس اور فتاویٰ کی خدمت میں مشغول رہے مدرسہ مظاہر العلوم کی تدریس کے دوران ہزاروں طالبان علم نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امیر تبلیغ مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا بشیر اللہ برمی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا عبید اللہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا محمد عامر رامپوری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ' خلیفہ حضرت تھانوی مولانا مفتی منظور

احمد بجنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قاضی زاہد الحسینی کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان کے مختلف مدارس عربیہ خصوصاً مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور امداد العلوم تھانہ بھون میں ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی سے مستفید کرنے کے بعد ۱۳۷۰ھ میں پاکستان کے لئے رخت سفر باندھا اور حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری خلیفہ اعظم حضرت تھانوی کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریسی وفقہی خدمات کے لئے مقرر ہوئے یہاں ۱۳۹۱ھ تک بلند پایہ کتب زیر درس رہیں بعد ازاں طبعی اعذار کی وجہ سے اسباق بند کر دیئے گئے اور صرف خدمت افتاء کا کام باقی رہا۔ ۱۳۷۰ھ سے ۱415ھ تک پینتالیس برس آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں استاذ الحدیث اور صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت دین میں گزارے لاکھوں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے جو ملک و بیرون ملک قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے سینکڑوں تصنیفات و تالیفات اور مقالات آپ نے لکھے اور ہزاروں طالبان علم حدیث وفقہ نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے جو بہت بڑی دین اسلام کی خدمت ہے پاکستان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فتاویٰ میں آپ ہی کو اعلیٰ مقام حاصل تھا اور آپ کے فتاویٰ اور فقہی مہارت پر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کامل اعتماد تھا آپ کی تالیفات میں دعوات التبلیغ' زکوٰۃ الحلی اعلیٰ' حاشیہ تیسیر المنطق' تراجم الحماسین شرح عربی ازہار العرب' دعوت التجارۃ' جمال الاولیاء' ارث الحفید' نصاب دینی مدارس ضرورت مذہب' عظمت حدیث' شرح بلوغ المرام فضائل بیعت نبی کل کائنات اور دلائل القرآن علی مسائل نعمان علمی شاہکار ہیں۔ ان کتب کے علاوہ رسائل علمی وفقہی موضوعات پر شائع ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن خالص علمی وفقہی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم وتدریس اور خدمت افتاء کے لئے وقف تھیں سیاست سے عملاً بے تعلق سے رہے مگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے تحریک پاکستان میں آپ کا موقف اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے موافق تھا اور حضرت حکیم الامت کی طرح دوقومی نظریہ اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ

صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے آپ نے ہمیشہ کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی مخالفت کی اور تحریک پاکستان کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے رہے اور ان کے نقصانات سے ملت اسلامیہ کو آگاہ فرماتے رہے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ جو دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اور اکابر علماء دیوبند کے شیخ و مربی تھے انہوں نے جب اپنے خلفاء و متوسلین کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی اصلاح اور دینی تربیت کا فیصلہ کیا تو آپ کو بھی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ان کی اصلاح و تبلیغ کے لئے مقرر فرمایا ان علماء حق نے زعماء مسلم لیگ کی اصلاح و تربیت کے لئے تبلیغ دان کا فریضہ سرانجام دیا اور باقاعدہ مسلم لیگ کی حمایت میں ایک فتویٰ صادر فرمایا جس کی بدولت ہوا کا رخ بدل گیا اور مسلم لیگ کامیاب ہوئی اس کا اعتراف خود قائداعظم اور لیاقت علی خان مرحوم نے بارہا کیا۔ پھر ان حضرات نے ۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان کی حمایت میں اکابر علماء کی ایک تنظیم مرکزی جمعیت علماء اسلام قائم کی جس نے حضرت حکیم الامت تھانوی کے نقطہ نظر کی کھل کر ترجمانی کی اور مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن انتخابات میں اکابرین مرکزی جمعیت علماء اسلام نے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان اکابر علماء نے باطل اثرات کو مٹایا پر سلہٹ و سرحد کی مہم جو نہایت ہی معرکہ آراء مہم تھی اس کی فتح کا سہرا بھی ان ہی علماء حق کے سر ہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے یہی خلفا و متوسلین خصوصاً شیخ الاسلام علامہ عثمانی' علامہ ظفر احمد عثمانی' مفتی محمد شفیع' علامہ سید سلیمان ندوی' مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر علماء ملت اسلامیہ کی اصلاح و تربیت تبلیغ دین اور پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے عملاً کوشاں رہے۔ الغرض حضرت مفتی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب بھی یہ محسوس کیا کہ ملک وملت کے اور اسلام کے مفاد میں عملی کام ضروری ہے تو آپ دینی وعلمی مشاغل کے ساتھ ساتھ اعلائے کلمۃ الحق بھی بلند کرتے رہے ۱۹۴۹ء میں ملک میں جب سوشلزم وکیمونزم کا پرچار کیا گیا تو آپ مرکزی جمعیت علماء اسلام کی تحریک میں عملی طور پر شریک رہے اور انتہائی ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود ملک بھر میں مرکزی جمعیت کی کانفرنسوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بڑی سرگرمی سے بنفس نفیس شرکت فرماتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا روحانی سلسلہ بھی حضرت حکیم الامت تھانوی سے منسلک تھا' حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے آپ کو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ سے بھی بیعت کروایا تھا اور آپ ان دونوں حضرات اکابر کے فیض علمی وروحانی سے خوب مالا مال ہوئے اپنی حیات طیبہ میں حضرت حکیم الامت خصوصی توجہات وعنایات سے نوازتے رہے بعد میں حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ خلیفہ تھانوی نے آپ کو اجازت بیعت سے نوازا اور اصلاح وتربیت فرمائی اس طرح حضرت مفتی صاحب ایک جید عالم دین اور فقیہ النفس مفتی اعظم ہونے کے ساتھ ایک شیخ کامل اور عارف باللہ بھی تھے متبع سنت اور عاشق رسول تھے اخلاق واوصاف میں اسلاف کی یادگار تھے حق وصداقت کا پیکر متواضع منکسر المزاج اور لطیف الروح تھے آپ اردو عربی اور فارسی کے بہترین ادیب اور قادر الکلام شاعر بھی تھے بہت سی نعتیں، نظمیں، مرثیے' قصا اردو عربی فارسی قطعات اس کا بہترین ثبوت ہیں بہرحال حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ دین کی تبلیغ واشاعت میں گزری آخر دم تک بے لوث دین کی خدمت میں مصروف رہے حضرت حکیم الامت کے علوم ومعارف کے عظیم ترجمان رہے اور ان کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے سرپرست اعلیٰ بھی رہے جس کا واحد مقصد صرف اور صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہے جس کے اغراض ومقاصد میں تبلیغ دین اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کی منظم جدوجہد کے لئے تمام مسلمانوں خصوصاً علماء کرام کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے آج ملک بھر میں الحمد للہ مجلس صیانۃ المسلمین کی شاخیں

موجود ہیں اور کراچی سے پشاور تک کے بڑے بڑے دینی مدارس کے ارباب علم وتقویٰ اس مجلس سے وابستہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں اس کے موجودہ صدر حضرت مولانا عبید اللہ مدظلہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور ہیں الحمد للہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا مقدس مشن زندہ و تابندہ ہے حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قدیم ارکان اور سرپرستان رہے ہیں الغرض حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی حضرت حکیم الامت کے مسلک ومشرب پر سختی سے عمل پیرا رہے اور ساری عمر اسلام کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے ۲۱ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء بروز اتوار ہم سب کو غمگین چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی اولاد صالحہ میں سے میرے برادر محترم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم مہتمم دارالعلوم اسلامیہ لاہور و ناظم اعلیٰ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان ان کے علمی جانشین ہیں جو کہ ایک جید عالم وفاضل مفتی حافظ وقاری اور شیخ الحدیث ہیں اور عارف حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد ہیں اور دوسرے ان کے صاحبزادے مولانا قاری خلیل احمد اور مولانا قاری احمد میاں تھانوی بھی شہرہ آفاق قاری اور عالم وفاضل ہیں۔

☆☆☆

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ ہندوستان کی مشہور ریاست ٹونک میں ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد گرامی مفتی انوار الحسنؒ اور آپ کے دادا محترم مفتی محمد حسنؒ اپنے زمانہ کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر مولانا حیدر حسن صاحبؒ شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی خدمت میں رہ کر چار سال تک شرح ہدایۃ الحکمۃ اور ملا حسن کے علاوہ دیگر کتب پڑھیں پھر واپس ٹونک میں کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں دو سال تک پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۵ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد ٹونک کے مدرسہ میں مفتی مقرر ہوئے۔ افتاء کے ساتھ تدریس بھی کرتے رہے، پاکستان آنے کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دار العلوم کراچی میں دس سال تک تدریس کے فرائض انجام دیئے پھر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر جامعہ علوم اسلامیہ میں مفتی و استاذ حدیث مقرر ہوئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا بنوریؒ کی رحلت کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور آخر دم تک جامعہ بنوری ٹاؤن کے صدر مدرس اور شعبہ افتاء کے رئیس بھی رہے۔ علاوہ ازیں آخر وقت تک اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے مہتمم و صدر بھی رہے تھے۔ جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس و افتاء کے علاوہ کئی علمی کتب بھی تصنیف فرمائیں جن میں ''تاریخ اصول فقہ'' ''تذکرہ اولیاء'' اور ''بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت'' قابل ذکر ہیں۔

آپ ایک عظیم فقیہ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عارف کامل بھی تھے۔ آپ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد تھے۔۱۹۸۵ء میں آپ کی زیرادارت ماہنامہ ''اقراء ڈائجسٹ'' نے حضرت شیخ الحدیث نمبر شائع کیا جو آپ کا اپنے شیخ سے تعلق ومحبت کا بین ثبوت ہے۔

آپ گزشتہ چھ برس سے علیل چلے آ رہے تھے آپ فالج کے مرض میں مبتلا تھے مگر درس و افتاء کی خدمت میں مصروف رہتے پھر چند روز طبیعت زیادہ علیل رہی اور آخر کار ۳ فروری ۱۹۹۵ء بمطابق رمضان المبارک بروز جمعہ صبح ساڑھے پانچ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعد نماز جمعہ دارالعلوم کراچی میں نماز جنازہ پڑھی گئی' امامت کے فرائض مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم نے انجام دیئے اور قبرستان دارالعلوم کراچی کورنگی میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے گھر کی دربانی کرے

☆☆☆

خطیب الامت

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم مفسر، محقق، مدبر اور عالم اسلام کے مایہ ناز خطیب تھے اور آپ کیرانہ ضلع مظفرنگر (بھارت) کے رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا شجرہ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ کے والد گرامی مولانا ظہور الحق تھانویؒ ایک بڑے زمیندار رئیس متقی اور اپنے خاندان کے جید عالم دین تھے حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ قدس سرہٗ سے بیعت تھے آپ کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہمشیرہ تھیں اور بڑی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بیعت تھیں۔ آپ اسی علمی و دینی گھرانے میں ۱۹۱۵ء میں شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے پھر ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماموں حکیم الامتؒ تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون آ گئے اور دس بارہ سال ہی کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر انہی کے حکم پر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں دینی تعلیم کے لئے داخلہ لیا اور مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خصوصی شفقت و عنایت کا مرکز بنے رہے اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے گئے اور ۱۹۳۷ء میں حدیث و تفسیر فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم درجہ اول میں پاس کر کے سند فراغ حاصل کی آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، جامع المعقول مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے الہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا پھر اپنے اساتذہ اور اکابر کے حکم پر دینی و تبلیغی خدمات میں مصروف ہو گئے آپ کی تبلیغی خدمات کا آغاز دہلی کی جامع مسجد سے ہوا جہاں آپ باقاعدہ

امامت کے ساتھ ہر جمعہ خطاب عام فرماتے اس میں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبران بڑی تعداد میں شرکت کرتے تھے ان ارباب حکومت میں لیاقت علی خان مرحوم' خواجہ ناظم الدین' مولانا ظفر علی خان' مولوی تمیز الدین' سردار عبدالرب نشتر' عبدالعلیم غزنوی اور سر عثمان وغیرہ حضرات بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اور بالخصوص حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازمین اور اعلیٰ احکام میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں پھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر مرکزی جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو گئے جو تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل تشکیل کی گئی تھی' جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے آپ کی سحر انگیز خطابت نے ایوان کانگریس میں زلزلہ مچا دیا' شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ' مفتی محمد شفیعؒ صاحب' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' اور مولانا اطہر علیؒ اور دیگر اکابرین کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کے حق میں دورے فرماتے رہے سرحد ریفرنڈم میں علامہ عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہمراہ طوفانی دورے کیے اور آخر کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان سے آٹھ روز قبل علامہ عثمانیؒ کی معیت میں کراچی تشریف لائے اور مہاجرین کی آبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ملک وملت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب وتشکیل کا مسئلہ تھا جس کے لئے ان حضرات نے یہ خدمات انجام دی تھیں قیام پاکستان کے فوراً بعد اس مہم کا آغاز حضرت علامہ عثمانی قدس سرہٗ کی زیر قیادت ہوا۔ اور اس میں سب سے اہم کردار حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے حصہ میں آیا چنانچہ اس مقصد کے لئے مولانا موصوف نے بھارت کا سفر کیا اور منتخب جید علماء اور مفکرین میں سے علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا ڈاکٹر حمید اللہ کو پاکستان لائے ان حضرات نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی نگرانی میں اسلامی دستور کے اصول پر ایک دستوری خاکہ تیار کیا جو مرکزی اسمبلی میں قرارداد مقاصد کے نام سے منظور ہوا' اس کے علاوہ دوسرا اہم کام دینی تعلیم کی اشاعت کا تھا حضرت علامہ عثمانیؒ نے پاکستان میں بھی دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک

مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ کیا اس کے قیام کی ذمہ داری بھی مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے سپرد کی گئی۔ مولانا موصوف نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ باحسن وجوہ ان خدمات کو سرانجام دیا اور حیدر آباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈو الہ یار کے مقام پر ایک عظیم الشان مرکزی دارالعلوم قائم کیا جس میں اکابر علماء مدرسین کو جمع کیا جن میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ' مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ' مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ جیسے مشاہیر علم وفضل دارالعلوم میں درس دے چکے ہیں۔ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار مولانا تھانوی مرحوم کا عظیم کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہے' جس میں ہزاروں افراد ملک و بیرون ملک سے فارغ التحصیل ہوکر دینی تعلیم میں مصروف ہیں' دارالعلوم کے علاوہ جیکب لائن کراچی میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج پاکستان کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار کی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ کراچی اور دوسرے علاقوں میں متعدد دینی مدرسے اور مکتب قائم فرمائے جہاں سے قرآن وحدیث کی آواز بلند ہو رہی ہے یہ سب مولانا مرحوم کا صدقہ جاریہ ہے خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ساری زندگی ملک وملت اور اسلام کی خدمت میں گزری۔ اور آپ نے ہر لادینی چیلنج کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب اسلامی دستور کے مسئلہ میں ارباب حکومت کی طرف سے علماء کو چیلنج دیا گیا کہ اسلامی فرقوں کے درمیان باہمی اتفاق واتحاد نہیں ہے تو اس نازک موقع پر مولانا تھانویؒ کی ہی ذات گرامی تھی جس نے اپنی جدوجہد اور خداداد صلاحیتوں سے ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام کو اپنی قیام گاہ پر جمع کیا اور متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے بائیس بنیادی اصول مرتب کر کے حکومت کو پیش کئے اور مولانا نے آئندہ کے لئے یہ منہ بند کر دیا کہ علماء میں اتفاق نہیں ہے آپ نے اتفاق واتحاد کی یہ ایک مثال قائم کر دی یہ نادر کارنامہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانویؒ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا اخلاق واوصاف میں اسلاف کی یادگار تھے بڑے نڈر اور شجاع تھے ہر موڑ پر کلمہ حق بلند کرتے رہے ہمیشہ اپنی ذاتی دوستیوں اور رفاقتوں کو بالائے طاق رکھ کر ارباب اقتدار پر کڑی نکتہ چینی کی ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا تو زبانوں پر تالے لگ گئے لیکن مولانا تھانویؒ ان چند رہنماؤں میں سے تھے جو اس دور استبداد میں

بھی کلمہ حق کہتے اور ہر موڑ پر آمریت سے ٹکراتے ہیں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ایوب خان مرحوم کی جبین شکن آلودہ ہوگئی اور مولانا کو رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے اختلاف کے جرم میں جیل جانا پڑا' اسی طرح مسلم فیملی لاء پر مولانا کا اختلافی نوٹ بھی مولانا کی جرات اور بے باکی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے آپ نے اپنی تقریروں میں ہمیشہ حق وصداقت کا پرچم بلند رکھا' زندگی میں لاکھوں جلسوں سے خطاب کیا لاکھوں افراد کی اصلاح کی' پاکستان و ہندوستان کے علاوہ ایران وافغانستان' برما' انڈونیشیا' فلپائن' امریکہ' برطانیہ' بنگلہ دیش' افریقہ اور سعودی عرب وغیرہ ممالک میں آپ نے گراں قدر تبلیغی خدمات انجام دیں' عرصہ تک ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیتے رہے جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا قرآن حکیم کی تلاوت اس انداز سے کرتے کہ معلوم ہوتا ابھی نازل ہو رہا ہے آپ کی مسحور کن اور دل کش آواز اور خطابت نے لاکھوں دلوں کو تڑپایا آپ کی خطابت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے شہباز خطابت بھی تڑپ اٹھے ایک دفعہ علامہ عثمانیؒ نے مولانا کی تقریر سن کر فرمایا کہ:

''اب مجھے مرنے کی کوئی فکر نہیں ہے الحمدللہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہوگیا ہے''

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''مولانا احتشام الحق کے بعد کسی کی تقریر کی ضرورت نہیں رہتی وہ مجمع پر چھا جاتے ہیں۔'' ایک دفعہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ پر مولانا تھانویؒ کی تقریر کے بعد منتظمین جلسہ نے برکت کے لئے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تقریر کے لئے عرض کیا تو مفتی اعظم نے فرمایا کہ:

''کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہو''

بہرحال مولانا موصوف خطابت کے بادشاہ تھے اور ملت اسلامیہ کے لئے قدرت کا بیش بہا خزانہ تھے آخر دم تک اللہ کے دین کے لئے کام کرتے رہے اور آخری سفر بھی اللہ کے دین کی تبلیغ کے لئے تھا اسی سفر میں ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک کو مدراس (بھارت) میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد حق پر اپنی کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائیں (آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مجاہد ملت

حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت دیو بند کے ضلع سہارنپور یو پی (بھارت) میں ۲۷ صفر المظفر ۱۳۲۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۰۸ء بروز بدھ بوقت صبح صادق ہوئی' آپ دیو بند کے اعلیٰ خاندان شیوخ صدیقی سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے دادا بزرگوار حاجی شیخ عبدالمومن صاحب مرحوم اس خاندان کے ایک معزز فرد تھے اور دارالعلوم دیو بند کے پہلے مہتمم حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ کے مرید خاص تھے ان کے دو بیٹے مولانا محمد مبین صاحبؒ اور مولانا محمد منعم صاحب تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد مبین خطیب صاحب ایک جید عالم دین اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیو بندی قدس سرہٗ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ساتھ خدمت دین وغلبہ اسلام کی تحریک ریشمی رومال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اس کے ساتھ ساتھ دیو بند کی عید گاہ میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے آپ کے والد گرامی کا انتقال ۱۴ جولائی ۱۹۶۹ء میں کراچی میں ہوا اور ان کی تدفین دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں ہوئی اور حضرت مفتی اعظم سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے یہ کہہ کر انہیں دفن کیا ''دارالعلوم کے قبرستان میں ایک عظیم المرتبت شخصیت اور ہمارے بزرگ عالم دین کی تدفین ہمارے لئے بڑی سعادت ہوگی۔

حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ کی تعلیم وتربیت دیو بند میں ہوئی اور حفظ قرآن کی ختم کی تقریب ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے دست مبارک سے ادا ہوئی جس کے ساتھ ہی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب بیعت بھی ہوئی جو قران السعدین ہے۔ عربی علوم کی تدریس انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ عربیہ معین الاسلام میں ہوئی جس کے مہتمم آپ کے والد مولانا مبین صاحب خطیب مرحوم تھے اور صدر مدرس آپ کے ماموں مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی مرحوم تھے بعد میں

فراغت کے بعد دوبارہ دورۂ حدیث اور فنون کی تکمیل دارالعلوم دیو بند میں ۱۹۲۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ حضرت مولانا اصغر حسین دیو بندیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ سے کی، فراغت تعلیم کے بعد آپ کی شادی ہوئی، اور نکاح دارالعلوم دیو بند کی مسجد میں حضرت مولانا حکیم محمد جمیل صاحب دہلویؒ نے پڑھایا تقریب نکاح کے انتظامات حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دارالعلوم دیو بند نے کیے اور رخصتی جنابہ والدہ محترمہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی جو آپ کی پھوپھی ہوتی تھیں اور جن کی حقیقی بھتیجی مولانا مرحوم کی اہلیہ ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا مرحوم اپنے والد صاحب کی جگہ پر مدرسہ عربیہ معین الاسلام انبالہ میں درس وتدریس پر مامور ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تک اسی مدرسہ میں بحیثیت مہتمم اور صدر مدرس خدمت انجام دیتے رہے، پاکستان آنے کے بعد ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۸ء تک ناظم آباد عیدگاہ میں نماز عیدین پڑھاتے رہے پھر حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، کو اپنی جگہ مقرر فرما کر بوجہ ضعف وکمزوری علیحدگی اختیار کر لی، اس عیدگاہ کی تعمیر بھی حضرت مولانا مرحوم ہی کی محنت وکاوش سے ہوئی اور نشتر پارک کے بعد دوسرے نمبر کی کراچی میں عیدین کی یہ جگہ ہے جس میں ایک لاکھ سے زائد نفوس نماز ادا کر سکتے ہیں، تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء سے دارالعلوم کراچی کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور آخر دم تک انتظامی امور انجام دیتے رہے درمیان میں آپ کا تعلق اردو کالج سے ۱۹۵۷ء میں قائم ہو گیا تھا جہاں ۱۹۷۳ء تک اسلامی نظریات کا مضمون بی۔اے، بی کام اور سائنس کے طلبہ کو پڑھاتے رہے پھر ریٹائر ہو کر کراچی یونیورسٹی میں چار برس کام کرتے رہے کراچی یونیورسٹی نے آپ ہی کے مشورہ سے اسلامی نظریات کا ایک مضمون لازمی قرار دیا اور آپ نے ایک مختصر کتاب ''اسلام کا نظریہ حیات'' مرتب کر کے کورس میں شامل کرائی جو آج بھی بطور مطالعہ بہترین شمار ہوتی ہے، اس کے علاوہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک ریڈیو پاکستان کراچی سے وابستہ رہے اور صبح کی نشریات میں ''قرآن حکیم اور ہماری زندگی'' کے عنوان سے درس قرآن مجید نشر کراتے رہے جو ملک اور بیرون ملک بہت مقبول ہوا، یہ درس قرآن کتابی صورت میں غیر مطبوعہ آپ کے پاس محفوظ ہے اور اسے آپ نے مستقل کتابی

شکل میں شائع کرنے کی خواہش بھی فرمائی تھی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور مسودہ ہی باقی رہ گیا۔

تدریسی وعلمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے تحریک پاکستان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں اور شروع سے تحریک مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے' ۱۹۴۵ء میں جب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا آزاد سبحانی مرحوم کی کوشش سے کل ہند جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس سے اساسی رکن کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کا خطبۂ صدارت کلکتہ جا کر آپ ہی نے پڑھا اور اکابرین جمعیت علماء اسلام' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' علامہ سید سلیمان ندوی مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ' مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مولانا اطہر علی سلہٹیؒ' مولانا شمس الحق فرید پوریؒ' مولانا صدیق احمد چاٹگامی اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا پھر قیام پاکستان کے بعد ان حضرات اکابر کے ساتھ اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے مرکزی ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے مشرقی ومغربی پاکستان میں دورے فرماتے رہے اور لاہور' پشاور' ملتان' حیدرآباد' کوئٹہ' ڈھاکہ' چاٹگام اور کراچی جیسے بڑے شہروں میں مرکزی جمعیت علما اسلام کانفرنسوں کا خود جا کر انتظام سنبھالا اور انہیں کامیاب کیا' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''برادر عزیز مولانا محمد متین خطیب اگر میرے ساتھ ہر وقت تعاون نہ کرتے تو نہ میں کام کرسکتا تھا اور نہ جمعیت علما اسلام کو فروغ حاصل ہوتا۔ (خطبہ صدارت لاہور کانفرنس)

ان کے علاوہ قائداعظم مرحوم اور قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم اور نواب بہادر یار جنگ جیسے سیاسی زعما بھی آپ کی سیاسی وملی خدمات کے معترف رہے اور اپنے اپنے مکتوبات میں آپ کی زبردست تعریف وتحسین کی ہے۔ بہرحال ۱۹۵۱ء سے اور جب تک قوی مضبوط رہے آپ دینی اور سیاسی اور ملی خدمات میں مصروف رہے اور بغیر کسی لالچ اور طمع کے یہ خدمات انجام دیتے رہے آخر میں کئی برس سے آپ ذیابیطس کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے جس سے تمام سیاسی و ملی کاموں سے گوشہ نشین ہو کر صرف دارالعلوم کراچی کی نظامت پر ہی قناعت کرلی اور ناظم آباد

میں اپنا ایک مکان بنایا جس میں آج کل آباد تھے بہر حال حضرت مولانا مرحوم ایک نہایت ملنسار، خوش اخلاق اور قابل قدر بزرگ تھے اس ناچیز سے بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے اور اس ضعف ونقاہت اور علالت کے باوجود ناچیز کو ایک ماہ میں دوبار ضرور خط کے ذریعے یاد فرماتے تھے اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا کہ ''پرسوں میں کورنگی کے دارالعلوم چلا گیا رات کو واپسی ہوئی تو گھر پر ایک بنڈل ملا کھولا تو دل باغ باغ ہوگیا ''سیرت عثمانی'' اور مفتی اعظم پاکستان، 'موصول ہوئیں ماشاء اللہ آپ کا طریقہ تالیف اس قدر خوبصورت ہے کہ دل خوش ہو گیا درحقیقت مفتی اعظم نمبر ''البلاغ'' پڑھنے کے لئے وقت درکار ہے اور آج کل اتنا وقت کیسے ملتا ہے اس لئے کہ وہ لائبریری کی سجاوٹ بن جاتا ہے مگر آپ کی کتاب رات کو ایک بجے تک تمام پڑھ لی دوسرے روز سیرت عثمانی ختم کر ڈالی ہر لفظ پر دعائیں نکلتی رہیں'' ایک اور مکتوب میں فرمایا کہ ''آپ کی نئی مطبوعہ تصنیف ''اکابر علماء دیوبند'' دیکھی ہے ماشاء اللہ سمندر کو کوزہ میں سمیٹ لینے کی بخوبی صلاحیت آپ رکھتے ہیں بڑی ضرورت تھی کہ اکابرین کی بڑی بڑی سوانح عمریوں کو مختصر کیا جائے اور یہ کام آپ سے بہتر انجام دینے والا پاکستان میں موجود نہیں ہے، مجھ جیسے ناکارہ آدمی کا تذکرہ بھی اس میں شامل ہے جسے میں اس نظریے سے قبول کر رہا ہوں کہ یقیناً اس طرح سے میرے لئے ذخیرہ آخرت اور ذریعہ نجات ہوگا اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر صحت و عافیت کے ساتھ قلمی خدمات انجام دینے کا زیادہ سے زیادہ موقع بخشیں (آمین)

اسی مکتوب گرامی میں اپنی علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''آج کل ذیابیطس نے پریشان کر رکھا ہے اور بعض احباب امریکہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں مگر میں نے انکار کر دیا اس لئے کہ میں یہودیوں کے ملک میں جا کر مرنا پسند نہیں کرتا ہوں حق تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تموت مگر ڈاکٹروں کے نسخے اور تجویز کردہ دواؤں کے نام نیویارک امریکہ بھجوادیئے ہیں وہاں غور وخوص ہو رہا ہے فون پر مجھ سے رابطہ قائم ہے دعا کی سخت ضرورت ہے خاص وقت میں میری صحت کے لئے دعا فرمائیں کہ اگر کوئی نیک کام مجھ سے لینا باقی ہے تو صحت عاجلہ بخشیں ورنہ اپنے پاس بلالیں آمین''

یہ تھا اپنی صحت و علالت کے بارے میں حضرت مولانا مرحوم کا اس ناچیز کے نام آخری

مکتوب گرامی جس کے بعد ناچیز نے جواب لکھا مگر اچانک آج روزنامہ امن کراچی پر نظر پڑی تو دل پر ایک بجلی سی گری کہ ''ممتاز عالم دین مولانا متین خطیب رحلت فرما گئے'' آپ اسی وقت ۴۷ برس کی عمر تھی اور کوئی چھ ماہ سے وہ ذیابیطس اور سرطان کے مرض میں تھے کہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۲ء مطابق ۱۰ فروری ۱۹۸۲ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چھ بجے صبح ایک مقامی ہسپتال میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

دارالعلوم کورنگی میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور حضرت علامہ تقی صاحب عثمانی جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کی وفات سے پاکستان تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد، جید عالم دین اور مخلص بزرگ سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو صبر وجمیل عطا فرمائے۔ آمین

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

(تفصیلی حالات ''اکابر علماء دیوبند'' مولفہ احقر بخاری میں دیکھئے)

☆☆☆

مخدوم العلماء

حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء حضرت مولانا الحاج محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے ممتاز عالم دین، عظیم ترین مدرس، بہترین محقق، عظیم مدبر، منتظم اور عارف کامل تھے۔ آپ ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو پیدا ہوئے آپ ایک علم وفضل کے خان وادہ کے چشم وچراغ تھے آپ کے والد مکرم حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ بانی مدرسہ عربیہ خیر المدارس ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ نے اپنی یاد داشت میں آپ کے "مرغوب حلیم" "ظهیر قانع" "خیراً شکوراً اور منظور الکل" وغیرہ تاریخی نام تحریر فرمائے ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم کے قائم کردہ مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں پائی، قرآن پاک بھی خیر المدارس ہی میں حفظ کیا پھر کچھ عرصہ رائپور گوجراں میں فارسی کی کتب پڑھیں اس کے بعد درس نظامی کی عربی کتب مشکوٰۃ شریف تک خیر المدارس جالندھر میں مکمل کیں پھر شوال المکرم ۱۳۶۰ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے اور ۱۳۶۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تمام کتب پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، دارالعلوم دیو بند کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ جیسے اکابر شامل تھے۔ آپ کا روحانی سلسلہ بھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے منسلک ہے اور آپ نے اپنی اصلاح وتربیت کا تعلق اپنے والد مکرم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ کے ایماء اور اجازت سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ارشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیو بند سے قائم فرمایا، وصال سے دو سال قبل خود حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو دست بدست کی سعادت عظمیٰ سے مشرف فرمایا پھر ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو

اجازت بیعت وتلقین بھی عطا فرمادی' آپ آخروقت تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب پر قائم رہے اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی مجلس شوریٰ کے رکن اعلیٰ رہے۔

آپ کا تدریسی تجربہ چالیس برس کے قریب ہے اور فراغت تعلیم سے ہی درس وتدریس اور تبلیغ واصلاح میں مصروف رہے ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی وروحانی سے مستفید کیا اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حیات ہی میں آپ کو مدرسہ خیر المدارس ملتان کا نائب مہتمم بنا دیا گیا تھا اور حضرتؒ کے وصال سے سات آٹھ برس پہلے سے ہی خیر المدارس کا اہتمام حضرتؒ کی زیر نگرانی آپ ہی انجام دیتے تھے پھر حضرتؒ کے وصال کے بعد ۱۳۹۰ھ میں مدرسہ خیر المدارس جیسے عظیم ترین دینی وعلمی مرکز کے اہتمام کی مکمل ذمہ داری آپ ہی پر آ پڑی اور آپ آخر دم تک احسن طریقے سے یہ خدمات انجام دیتے رہے' آپ کے دور اہتمام میں مدرسہ نے جو تعلیمی وتعمیری ترقی کی اس کا اندازہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نوراللہ مرقدہ کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

''مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس اور مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مدرسہ ھذا کے نظم وانصرام اور تدریسی جدوجہد بلکہ اساتذہ وعملہ کے کاموں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد مدرسہ کی ترقی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا' مدرسہ خیر المدارس بالکل اسی نہج پر چل رہا ہے جس پر حضرت بانی خیر المدارس نے فرمایا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی روحانی فیض ہے کہ مدرسہ کی تعلیم اور انتظام میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا''

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے تھے کہ:

''مولانا محمد شریف صاحب خلف الرشید حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی سیادت میں بھی مدرسہ بدستور ترقی پذیر ہے اور حضرت بانی مدرسہ کی وفات کے بعد بھی یہ علمی کارخانہ اسی آب وتاب سے قائم ہے حق تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔'' آمین

بہرحال حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں خیر المدارس

نے خوب ترقی کی ہے متعدد کمروں کا اضافہ ہوا اور تدریسی ترقی بھی اسی طرح قائم رہی ہمیشہ دینی جلسے اور روحانی مجالس قائم ہوتی رہیں۔ جامع مسجد خیر المدارس میں خطبہ جمعہ آپ خود بیان فرماتے رہے بلکہ یہ خدمت حضرت خیر محمد صاحبؒ کی حیات طیبہ کے آخری دور ہی سے آپ کے سپرد رہی ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وعظ و نصیحت بڑے سادہ انداز سے ہوتے چلے جاتے تھے اس کے ساتھ علمی دلائل بھی ہوتے تھے مگر بہت جامع اور سلیس ہوتے تھے غرضیکہ آپ نے جہاں اپنے والد ماجد کے لگائے ہوئے پودے خیر المدارس کی آبیاری کی وہاں حضرتؒ کے اصلاح و تربیت کی جانشینی کا حق بھی پوری طرح ادا فرماتے رہے اور حضرت کی حیات طیبہ کی طرح آپ کے زمانہ میں بھی آپ کی زیرنگرانی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات پڑھا کر سننے اور مجلس روحانی قائم کرنے کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ خدا کرے اب بھی ہمیشہ قائم رہے۔ آپ نہایت سادہ مزاج ملنسار خوش اخلاق اکابر کے قدردان اور سلف صالحین کی یادگار تھے ہمیشہ صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے اور ہر ملنے والے سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے ساری زندگی درس و تدریس تبلیغ و ارشاد اور اصلاح و تربیت میں مصروف رہے ملک بھر کے دینی جلسوں اور اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابر سے اپنے والد مکرم کی طرح بڑی محبت وانس رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ ہر معاملات میں انہی حضرات اکابر سے مشورہ لیتے رہے اور انہی کے ساتھ منسلک رہے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور قید و بند کی مشکلات بھی برداشت کیں اور آخر دم تک کلمہ حق بلند کرتے رہے کئی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی اب بھی حج کی سعادت حاصل کرنے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے کہ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء مطابق ۷ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ بروز سوموار عصر کی نماز کے لئے حرم پاک میں تشریف لے گئے تو اچانک دل کا دورہ پڑا اور واصل بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کیسی قابل رشک موت ہے اور کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ کے پاک گھر میں نماز کے لئے جاتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔ موت ہو تو ایسی ہو مگر پھر بھی ہمارے لئے ایک عظیم صدمہ ہے اللہ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائیں اور ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ چند برسوں کے دوران بہت سی عظیم المرتبت شخصیتیں اٹھ گئی ہیں چند ہی سال قبل شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیثین حضرت محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مخدوم العلماء حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم ہستیاں اس دارفانی سے رخصت ہوگئیں ان کے بعد چند اور تاریخ ساز شخصیات محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، فخر العلماء حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم آخرت کی طرف تشریف لے گئے بعد ازاں چند ہی مہینوں کے دوران حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد متین خطیب رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے ابھی تک ان سب حضرات اکابر کی جدائی کے زخم تازہ تھے کہ ہمارے مہربان و مشفق بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب بانی و مہتمم مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ بھی مکہ مکرمہ میں اچانک دل کا دورہ پڑنے سے رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ ایک جید عالم دین فقیہ و محدث اور عارف کامل تھے آپ کا تعلق ایک دینی و علمی خاندان سے ہے اور آپ کے خاندان کے اکثر افراد قرآن مجید کے حافظ مشہور تھے آپ کے والد محترم حضرت حافظ علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ کی مسجد میں امامت کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے جن سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے آپ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں اپنے گاؤں موضع اوپی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے ہوش سنبھالتے ہی اپنے والد بزرگوار سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور بہت چھوٹی عمر ہی میں نہایت پختہ کار حافظ ہو گئے۔

حفظ قرآن کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کے قریب چک نمبر ۱۹ شمالی میں مولانا شاہ محمد صاحبؒ سے فارسی کتب پڑھیں اس کے بعد مرولہ والا ضلع سرگودھا میں مولانا خدا بخش صاحبؒ سے قاضی مبارک اور ہدایہ آخرین تک کتب پڑھیں پھر بھلوال میں مولانا عمر اشرف ہزارویؒ سے مشکوٰۃ شریف اور دیوان متنبی وغیرہ کتب پڑھ کر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند داخلہ لیا اور شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں دورۂ حدیث کی تمام کتب پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ جن اساتذہ سے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

بعد فراغت تعلیم آپ نے واپس وطن آ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا پھر باقاعدہ مدرسہ عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دو سال مختلف علوم کی تعلیم دیتے رہے اس کے بعد مولانا محمد چراغ صاحب کی دعوت پر مدرسہ عربیہ بیرون خیالی دروازہ مسجد آرائیاں گوجرانولہ میں تدریسی خدمات انجام دینے گئے اور تقریباً آٹھ نو سال تک تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے اور مئی ۱۹۵۲ء میں مخدوم الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی سرپرستی اور حکم پر مسجد شیخاں اندرون شیخوپورہ دروازہ گوجرانوالہ میں ایک دینی مدرسہ اشرف العلوم کی بنیاد رکھی مدرسے کا یہ نام بھی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا تجویز فرمودہ ہے پھر ۱۹۵۳ء میں محلہ باغبانپورہ حافظ آباد روڈ گوجرنوالہ پر چار کنال اراضی خرید کر مدرسہ کی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی مدرسہ میں ہر قسم کی سہولیات کا انتظام کیا گیا آج الحمد للہ مدرسہ میں تمام امور کامیابی کے ساتھ روبہ ترقی سرانجام دیئے جارہے ہیں اور مدرسہ اکابر دیوبند کے مسلک و مشرب کے مطابق تعلیمی خدمات میں مصروف ہے مدرسہ جہاں تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے وہاں مدرسہ کے طلباء میں اصلاح باطن کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے اور الحمد للہ یہ علمیت و روحانیت کا ایک عظیم مرکز

ہے جو حضرت مفتی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنتوں کا ثمرہ ہے اور حضرت مفتی صاحب مرحوم کا یہ عظیم صدقہ جاریہ ہے جسے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادگان مــن و عــن جاری و ساری رکھیں گے۔

حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے غالباً ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں حضرت اقدس قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کو تــو کلًا عــلــی الــلــہ بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اس کے بعد آپ نے مدرسہ اشرف العلوم کی نگرانی اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تربیت باطن کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا تھا اور جلد ہی مدرسہ اشرف العلوم علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ اصلاح باطن اور افاضہ نسبت مع اللہ کی آماجگاہ بن گیا جہاں سے ہزاروں تشنگان علم و معرفت سیراب و شاداب ہوئے ہین اس کے علاوہ عمر بھر آپ تبلیغی اور اصلاحی خدمات میں مصروف رہے اور ملک و بیرون ملک دینی و تبلیغی خدمات انجام دیں' کوئٹہ' بلوچستان' کراچی' لاہور' ملتان اور دیگر مختلف مقامات آپ کے تبلیغی و اصلاحی مراکز تھے خصوصا جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ خیر المدارس ملتان اور دوسرے دینی مدارس کے اجتماعات مین تشریف لے جاتے اور اپنے مواعظ حسنہ اور مجالس روحانیہ کے ذریعے علمی و اصلاحی رنگ میں مشتاقان کے قلوب کو انوار و برکات سے منور فرماتے' آپ کا انداز تقریر نہایت سادہ ہوتا تھا اکثر مضامین اور موضوعات تقاریر تزکیہ نفس' اصلاح باطن اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز' جنت کی نعمتوں کے شوق دلانے اور جہنم کے عذاب سے خوف دلانے پر مشتمل ہوتے تھے غرض یہ کہ آپ اس وقت بڑے جید عالم' مفتی اور شیخ کامل تھے' اتباع سنت کا مجسم پیکر تھے نہایت متواضع منکسر المزاج اور خوش اخلاق بزرگ تھے ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفیض ہوئے اور کئی خوش نصیبوں کو آپ نے خلعت خلافت سے نوازا اور ہزاروں کی اصلاح فرمائی۔ گزشتہ ماہ اپریل ہی مین مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر حضرت علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ اسی طرح بڑی محبت وشفقت سے بندہ ناچیز کے لئے دعا فرماتے رہے مگر کیا خبر تھی کہ حضرت سے یہ آخری ملاقات ہوگی اور یہی آخری

زیارت ہوگی۔ اپریل کے وسط ہی میں آپ عمرہ ادا کرنے کے لئے مع اہلیہ کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ سبحان اللہ قربان جایئے اس عاشق وصادق کی موت پر جو قابل صدرشک ہے پھر جنت المعلّٰی میں تدفین کتنی عظیم سعادت ہے حق تعالیٰ اپنے اس عاشق صادق اور بندۂ مومن پر اپنی کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے صاحبزادگان جناب مولانا محمد نعیم صاحب حال مہتمم وناظم مدرسہ اشرف العلوم مولانا قاری معین الدین صاحب' مولوی حافظ قاری فخر الدین صاحب اور مولوی حافظ ظہیر الدین صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کو حضرت مرحوم کا صحیح علمی وروحانی وارث بنائے۔ آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

☆☆☆

فاضل اجل

حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فخر العلماء حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک علمی خاندان سے ہے اور سلسلہ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے آپ کا آبائی وطن یو پی کا مردم خیز خطہ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے' والد ماجد مولانا حافظ سعید احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بن حافظ امیر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ کالج میں آفیسر تھے' عرصہ تک ان کا قیام قصبہ علی گڑھ اور راجو پور ضلع سہارنپور میں رہا پھر مستقل طور پر اپنے آبائی وطن تھانہ بھون آ گئے' مولانا محمد احمد تھانویؒ کی ولادت باسعادت ۱۳۳۱ھ میں ان کے ننھیال راجو پور ضلع سہارنپور میں ہوئی جو دیو بند سے چھ میل مشرقی جانب واقع ہے' آپ کا اصل نام محمد احمد اور تاریخی نام شاغل تھا ولادت کے ایک سال بعد ہی آپ کے والد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا اور والدہ صاحبہ اور آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تربیت کی۔

ہوش سنبھالنے کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آپ کو داخل کر دیا گیا پھر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے جہاں حفظ قرآن سمیت تمام علوم دینیہ تفسیر و حدیث' فقہ و کلام' منطق و فلسفہ اور دیگر مروجہ دینی علوم کی تکمیل کی اور ۱۳۵۲ھ کو سند فراغ حاصل کی' آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ حضرت مولانا اسد اللہ صاحبؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ صاحب قابل ذکر ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد کئی برس تک اساتذہ کی نگرانی میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے ایک عربی مدرسہ میں مدرس ہو کر گئے اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں جہاں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ صدر مدرس رہ چکے تھے استاذ حدیث کی حیثیت سے تشریف لے گئے وہاں قیام پاکستان تک علمی و تدریسی خدمات انجام

دیتے رہے اس کے ساتھ ساتھ محلّہ کی مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری فرمایا۔ جس سے ہزاروں افراد مستفیض ہوئے۔ جامع العلوم کانپور کی مدرسی کے دوران حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے روحانی تعلق قائم کیا جو ان کے وصال تک جاری رہا' اس تعلق کے دوران حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی سے فرمایا کہ:

''ہم تو محمد احمد کو جینٹلمین مولوی سمجھتے تھے یہ تو مولاناؤں کے بھی مولانا نکلے۔''

اسی طرح مرض الموت میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے فرمایا کہ:

''میں مولوی محمد احمد سلمہ کو اجازت دے دیتا مگر ابھی اس کی عمر کم ہے۔''

حضرت حکیم الامت کے ان ارشادات سے آپ کا علمی و روحانی مقام ظاہر ہوتا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ سے تعلق رہا اور آخر وقت تک ان بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے آپ کا سیاسی مسلک بھی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق تھا اور جب علامہ عثمانیؒ نے تحریک پاکستان کے حامی علماء کی ایک تنظیم مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نام سے تشکیل دی تو آپ بھی اس میں باقاعدہ شامل ہوئے اور جمعیت علماء اسلام کانپور کے صدر کی حیثیت سے کانپور کے علاقہ میں پاکستان کے حق میں راہ ہموار کرتے رہے اور بڑھ چڑھ کر تعمیر پاکستان میں حصہ لیا' قیام پاکستان کے بعد صوبہ سندھ کے ضلع سکھر میں آباد ہو گئے اوّل اوّل تجارتی مشغلہ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں دین اسلام کی خدمت کا شوق ولولہ پیدا کیا اور توکلاً علی اللہ اپنے مکان کے بیرونی حصہ میں ایک دو طالب علموں کو لے کر پڑھانے بیٹھ گئے اور پھر لوگوں کو توجہ دلائی اور مدرسہ کے لئے ایک مختصر سا مکان خرید لیا۔ اس کے بعد زنانہ مدرسہ کے لئے ایک کھلا مکان خریدا پھر اللہ تعالیٰ کی امداد سے ایک قطعہ زمین ایک مرکزی مدرسہ کے لئے خرید کر ''مدرسہ اشرفیہ سکھر'' کے نام سے قائم کیا جو آج سندھ میں ایک ممتاز دینی درسگاہ کہلاتی ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے ایک جامع مسجد کیلئے زمین خریدی اس وقت سکھر شہر میں کوئی وسیع جامع مسجد نہ تھی آپ نے بڑی محنت سے جامع مسجد تیار کرائی اور اکابرین دیو بند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درس و تدریس

اور تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ اس سلسلہ میں مدارس عربیہ کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا اللہ وسایا صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ''مدرسہ اشرفیہ سکھر'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مدرسہ اشرفیہ سکھر ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں قائم کیا گیا' حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیو بند نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام پر اس کا نام مدرسہ جامعہ اشرفیہ تجویز کیا گیا' مدرسہ کے بانی حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ جو گزشتہ سے پیوستہ سال اللہ رب العزت کو پیارے ہو گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز مندوں میں شمار ہونے کے علاوہ آپؒ سے عزیز داری بھی تھی' مولانا محمد احمد تھانویؒ نے اپنے خلوص سے مدرسہ کو چلانے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سکھر میں اس علمی درسگاہ کو عوام و خواص کے لئے مرجع بنا دیا۔ آج اس مدرسہ کو قائم ہوئے ۲۶ سال کا عرصہ کوئی زیادہ مدت نہیں مگر اس مختصر عرصہ میں مدرسہ کے شب و روز کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس ادارہ کو ہر قسم کی ترقی سے سرفراز فرمایا ہے' بحمدہ تعالیٰ اس ادارہ کی جامع مسجد' کتب خانہ اور چھوٹے بڑے بیس کمروں پر مشتمل عمارت اور ستائیس اٹھائیس افراد کا عملہ مدرسہ کی روز افزوں ترقی کا بین ثبوت ہے' بحمدہ تعالیٰ اس مدرسہ سے عرصہ ۲۶ سال میں سینکڑوں علماء کرام فارغ التحصیل ہو چکے ہیں جس میں سندھ' بلوچستان اور پنجاب کے علاوہ بیرون ملک کے حضرات بھی شامل ہیں' مدرسہ سے حفاظ و قراء اور شعبہ تعلیم نسواں سے فارغ ہونے والوں کی تعداد بھی کئی سو ہے' مدرسہ کے زیر اہتمام دارالافتاء یوم تاسیس سے قائم ہے اور اس مدرسہ سے جاری ہونے والے فتویٰ جات پورے سندھ میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں' اس دارالافتاء کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو دارالعلوم دیو بند کے فاضل متقی اور بزرگ عالم دین ہیں۔ اب تک مدرسہ سے جاری ہونے والے فتوؤں کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے مدرسہ ہذا کے زیر اہتمام شعبہ نشر و اشاعت بھی قائم ہے یہاں سے گاہے بگاہے تبلیغی رسائل' اشتہارات' مسائل قربانی' عیدالفطر وغیرہ رسائل شائع

ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح مدرسہ کا شعبہ نشر و اشاعت ملک عزیز کی خدمت کرتا رہتا ہے مدرسہ کے نظام کو چلانے کے لئے علماء کرام و شہریان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم ہے اور مدرسہ کے موجودہ مہتمم مولانا محمد اسعد تھانوی ہیں جو بانی مدرسہ مولانا محمد احمد تھانویؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیوی تعلیم سے سرفراز فرمایا ہے۔ مولانا محمد اسعد صاحب کی باغ و بہار شخصیت سے مدرسہ کی رونق قائم اور تمام عملہ خوش و خرم اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے مدرسہ کے ناظم جناب مولانا محمد امجد تھانوی صاحب ہیں جو مولانا محمد احمد صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے ہیں' انتہائی پروقار اور دینی و دنیوی تعلیم کے فاضل ہیں بہت ہنس مکھ اور بااخلاق ہیں بہرحال مدرسہ اشرفیہ سکھر ہمارے ملک کے ان مدارس عربیہ میں سے ہے جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے اللہ تعالیٰ اسے تاقیامت قائم و دائم رکھے۔" آمین (ہفت روز لولاک فیصل آباد ۱۴ مئی ۱۹۸۱ء)

الغرض حضرت مولانا محمد احمد تھانوی مرحوم کی دینی و علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور صوبہ سندھ کے حلقوں میں دینی اشاعت کے فروغ میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے آپ نے ایک طرف دینی تعلیم کے رواج اور مدرسہ کی ترقی کے لئے انتھک محنت کی دوسری طرف عوام میں دینی روح بیدار کرنے کے لئے وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری رکھا خود بھی بہت بڑے واعظ مقرر اور مصلح تھے اس کے علاوہ بارہا سکھر کے علاقہ میں تبلیغ و اصلاحی جلسے بھی کرائے جن کی بدولت اہل شہر کو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابر علماء بزرگوں کی زیارت و صحبت کے مواقع میسر آئے اور شہر میں ایک عام دینی فضا پیدا ہوئی اور لاکھوں افراد کی اصلاح کا ذریعہ ہوئے۔ آپ ایک جید عالم دین بھی تھے اور عارف کامل بھی تھے' نہایت متواضع' منکسر المزاج' خندہ جبیں اور سبک روح تھے' نہایت وجیہ باوقار اور فعال شخصیت کے مالک تھے' اہل شہر آپ کی خوش اخلاقی اور خوش خصالی کی باعث آپ کے شیدائی تھے۔ سکھر شہر میں کوئی دینی کام آپ کے بغیر نہیں ہوتا تھا آپ دن رات مدرسہ کے کاموں اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ علمی و دینی مصروفیتوں کے

باوجود فعال سماجی کارکن بھی تھے اور مہمان نوازی‘ غریب پروری اور خدمت میں اپنی نظیر آپ تھے‘ بہت سے مسائل وخطوط کے جوابات خود اپنے قلم سے لکھتے تھے اور بہت سے دینی رسائل نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ وغیرہ کے بارے میں لاکھوں کی تعداد لکھ کر تقسیم کئے غرض یہ کہ آپ ایک سچے عاشق رسولؐ اور متبع سنت تھے‘ ادا ادا سے ذہانت مترشح ہوتی تھی۔ اور قرآنی آیات سے استخراج تواریخ میں یکتائے وقت تھے‘ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ‘ مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے اکابر کی بہت ہی عمدہ تواریخ وفات نکالیں جو بہت مقبول ہوئیں‘ خوش اخلاقی اور خوش خصالی کے ساتھ ساتھ حق کے اظہار میں بڑے جری تھے اور اس کے لئے کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے ایک بار ایک کلکٹر صاحب نے مہاجرین پر ناشائستہ تنقید کی آپ جلسہ میں بحیثیت صدر انجمن مہاجرین تشریف لائے تھے۔ آپ کو جلال آ گیا اور فوراً کھڑے ہو کر مہاجرین کے کارنامے گنوائے اور کلکٹر صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا بھرے جلسہ میں دونوں طرف سے تلخ کلامی ہوئی‘ قریب تھا کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی مگر ایک صوبائی وزیر نے جو جلسہ میں موجود تھے کلکٹر صاحب کے غلط رویے پر حضرت مولانا مرحوم سے معافی مانگ لی اور یوں معاملہ رفع وگزشت ہوا‘ کچھ عرصہ بعد اسی کلکٹر نے آپ کو کچھ پیش کش کرنی چاہی مگر آپ نے قبول کرنے سے معذرت کر دی اور رفقاء کو بتایا کہ یہ دراصل رشوت دے کر میرا منہ بند کرنا چاہتا تھا تاکہ آئندہ حق گوئی کی جرات نہ کر سکوں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مقبول عام فرمایا تھا اور آپ سے بہت سے دینی کام لئے ہیں آپ نے بیرون ملک اور ملک میں دین حق کی تبلیغ کا فریضہ ادا کیا اور متعدد دینی مدارس کے سالانہ جلسوں میں آپ باقاعدگی سے شرکت فرمایا کرتے تھے بارہا حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور دینی وتبلیغی کاموں کے لئے مسلسل اسفار کرتے رہے یہاں تک کہ مسلسل اسفار اور کثرت دینی مشاغل سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور آپ کمزور ہوتے چلے گئے اسی دوران کراچی میں ایک رکشا سے تصادم ہوا جس سے ایک ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی‘ کافی عرصہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہے پھر ضعف دماغ کی وجہ سے آنکھوں میں موتیا اتر آیا جس کا آپریشن ہوا‘ مگر پھر دل کے دورے شروع ہو گئے اور آخری دورہ چہار شنبہ ۷ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور سب متعلقین کو حزین وغمگین چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں افراد کے علاوہ ممتاز علماء نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور امامت کے فرائض حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیئے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے پہلو میں تدفین ہوئی، علماء امت اور زعماء ملت نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، دینی مدارس اور دینی انجمنوں نے قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

علماء کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ:

> ''حضرت مولانا محمد احمد تھانوی مرحوم عالم تھے، فاضل تھے مدرسہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیے۔''

علامہ محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ: 'حضرت مولانا مرحوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے منتسبین میں معروف عالم تھے۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے جو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کے داماد ہیں انہوں نے سکھر میں مدرسہ اشرفیہ کی بنیاد ڈالی جو اپنے علاقے کی ممتاز ترین دینی درسگاہ ہے اور اس خطے میں اس نے علم دین کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

جناب مولانا عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں کہ:

> ''افسوس کہ اکابر کے درد وفراق میں آنسو بہانے والی علم وعمل کی محبوب شخصیت بھی واصل بحق ہوگئی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات بہت سی علمی وعملی خوبیوں کی حامل تھی حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔'' آمین

جناب مولانا مشرف علی تھانوی اپنے منظوم تاثرات کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

چل دیئے آخر زبانوں پر کہانی چھوڑ کر — عالم باقی کی جانب دار فانی چھوڑ کر
دی صدا! ہاتف نے عارف بہر تاریخ وصال — فوت فاضل ہے بتا دو کہ رہا ہے اہل حال
۱۳۹۷ھ

استاذ القراء

حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تجوید وقرات کے صدر اور جید عالم دین حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ ۱۱' ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۹' ۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کی درمیانی شب کو ساڑے دس بجے رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۱۲ ذی الحجہ مطابق ۳۰ ستمبر کو سہ پہر تین بجے قلعہ قاسم باغ پر تبلیغی جماعت کے مولانا محمد اسلم صاحب کی امامت میں ہزاروں عقیدت مندوں نے مولانا مرحوم کی نماز جنازہ پڑھی جس میں ممتاز علماء مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ' مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ' مولانا عبدالمجید انور' مولانا نذیر احمد' مولانا محمد شریف کشمیری' مولانا مفتی عبدالستار' مولانا عبدالرحیم نعمانی' مولانا محمد حنیف جالندھری اور خیر المدارس کے اساتذہ وطلباء بھاری تعداد میں شریک ہوئے بعد میں حضرت مرحوم کو بانی خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی قبروں کے درمیان خیر المدارس میں سپرد خاک کیا گیا۔ حضرت مولانا رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے نامور فضلاء میں سے تھے اور اس وقت فن قرات کے امام مانے جاتے تھے آپ کے والد کا نام چوہدری فتح محمد بن حافظ رحم علی تھا۔ آپ تقریباً رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم محمد اسماعیل پانی پتی کے زیر سایہ حاصل کی اور فارسی' عربی' صرف ونحو اور منطق کی تعلیم مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (مقیم حرم شریف) سے حاصل کی بعد ازاں عالم اسلام کی عظیم دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں ۸ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ میں داخلہ لیا جہاں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ اور مولانا مفتی ریاض الدین صاحب جیسے اکابر علماء

سے فقہ و اصول فقہ اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کر کے دورۂ حدیث شریف کی سند شعبان ۱۳۶۲ھ میں حاصل کی۔

قیام پاکستان سے قبل آپ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے ایما پر ملتان تشریف لائے اور مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی' پھر خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد آپ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی علمیت و روحانیت اور ہر دلعزیزی کے پیش نظر جامعہ خیر المدارس ملتان سے وابستہ ہو گئے۔ آپ تاحیات شعبہ تجوید و قرات کے صدر رہے اس دوران آپ نے سینکڑوں قراء اور ہزاروں حفاظ پیدا کئے جو نہ صرف پاکستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ ایران' افغانستان' برما' بنگلہ دیش' ترکی' متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب میں خدمت قرآن سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی چالیس سالہ تدریسی زندگی میں جن نامور تلامذہ نے آپ سے فیض یابی کا شرف حاصل کیا ان میں مولانا خان محمد صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف' مولانا مفتی عبداللہ صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ خیر المدارس و قاسم العلوم ملتان' مولانا قاری احترام الحق تھانوی مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ۔ مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ صدر مجلس خدام صحابہ پاکستان' مولانا محمد سرور مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور۔ مولانا قاری محمد عبداللہ مدینہ منورہ' مولانا سید عطا المحسن بخاری ملتان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان جیسے ممتاز علماء شامل ہیں۔

آپ اپنے وقت کے ولی عارف کامل تھے۔ زہد و تقویٰ اور تواضع و انکساری میں سلف صالحین کی یادگار تھے روحانیت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے آپ نے ۱۳۶۴ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی اور ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری سے بیعت فرمائی بعد ازاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت فرمائی اور آخر دم تک ذکر و اذکار میں مشغول رہے درس و تدریس کی خدمت کے علاوہ آپ نے فن تجوید و قرات پر متعدد کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں قرأت عشرہ پر متعدد رسائل ''**شرح مقدمہ جزریہ' شرح طیبۃ النشر' تکمیل الاجر**'' کے علاوہ بہت سی تصانیف یادگار ہیں۔ آپ نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام اسلام میں بھی بھرپور حصہ لیا اور

۱۹۵۳ء کی ختم نبوت میں چھ ماہ جیل میں رہے اور بے شمار آپ کے شاگردان شہید ہوئے بہرحال آپ کی ساری زندگی درس وتدریس اورتبلیغ واشاعت میں گزری اور آپ کی حیات حسن تدبر اور اخلاص و پاکبازی کا مظہر تھی۔ جہاں آپ نے بے شمار تلامذہ وتصانیف صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑیں وہاں صالح اولاد بھی چھوڑی آپ کے چار صاحبزادے مولانا قاری عبداللہ' قاری عبیداللہ' قاری اہل اللہ اور قاری نصراللہ سب خیرالمدارس کے فضلاء میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور صاحبزادگان اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے گھر کی دربانی کرے

☆☆☆

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ضیاء الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۳۲۲ ہجری مطابق ۱۹۰۴ء غرشین شرقی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا حافظ علاؤالدین علوی کے فرزند ہیں۔

ابتدائی اور درمیانے درجے کی اکثر کتابیں والد صاحب سے پڑھنے کے بعد غور غشتی میں مولانا قاضی عبدالکریم سے ملا حسن' میرزاہد امور عامہ پڑھا۔ حضرت مولانا قطب الدین سے میبذی' اقلیدس' تصریح الافلاك' حمد الله' قاضی مبارك' خیالی تابحث صفات پڑھیں۔ مولانا عبدالحق ڈھیری سروالے سے میرزاہد ملا جلال اور قاضی صاحب (موضع کفری والے) سے شرح وقایہ پڑھا۔ پھر مانسہرہ ہزارہ میں مولانا حمید الدین فاضل دیوبند (تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن) سے تلخیص المفتاح' مختصر المعانی' خیالی بحث صفات سے آخر پڑھی' اس کے بعد مولانا عبداللہ پھوار سے ہری پور ہزارہ میں حسامی اور مسلم البثوت پڑھیں۔ مدرسہ احیاء العلوم راولپنڈی میں مولانا عبدالحیٔ ہزاروی سے ھدایہ اولین' میر زاھد قطبیہ حاشیہ عبدالغفور' خلاصہ الحساب و سراجی پڑھیں۔ پپلاں ضلع میانوالی میں مولانا غلام محمود فاضل دیوبند سے تفسیر بیضاوی اور ہدایہ آخرین پڑھا' بندیال میں مولانا یار محمد سے اصول الشاشی اور شرح چغمینی تمام پڑھیں۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تفسیر جلالین اور توضیح و تلویح مولانا محمد رسول خاں ہزاروی سے' مشکوٰۃ مولانا نبیہ حسن سے' صدرا' شمس بازغہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی سے' نخبۃ الفکر مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری سے پڑھیں۔ اگلے سال ۱۳۴۹ ہجری میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے بخاری شریف و ترمذی شریف' مولانا محمد رسول خان ہزاروی سے مسلم شریف' مولانا میاں اصغر حسین سے ابوداؤد شریف' مولانا محمد ابراہیم بلیاوی سے نسائی شریف' مولانا مرتضٰی حسن سے طحاوی شریف' مولانا مفتی محمد شفیع سے موطا امام مالک اور مولانا اعزاز علی شیخ الادب سے شمائل ترمذی پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مطلع العلوم سورت' مدرسہ تفصیلیہ دہلی' قصبہ محمدی جھنگ' جامعہ اشرفیہ لاہور'

جامع مدنیہ لاہور' قاسم العلوم ملتان' دارالعلوم عثمانیہ راولپنڈی' مدرسہ اشرفیہ سکھر سندھ میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اکثر مدارس میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے بعد میں دارالعلوم عثمانیہ ۸۵ رسول پارک لاہور کے مہتمم اور صدر مدرس رہے۔

تصانیف میں اکثر کتابوں پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ان میں **انتخاب الجرح والتعدیل' اختصار الاجوبة الفاضله' کلمة الحق' نتائج الاعمال' نظام شرعی' اعمال السنة' القول الوجیز فی تحقیق الجعل المرکب والبسیط' التحکیك فی مبحث التشکیك' القول الضابطی الوجود الرابطی' اساس المیراث** اور **مسلم** شریف کی شرح "**مفهم تعلیق صحیح مسلم**" یہ حاشیہ ۱۴۰۰ ہجری میں **کتاب الطهارة** تک مکمل ہو چکا ہے۔**نتائج الاعمال' اصلاح الرسوم' اربعین فی احادیث سیدالمرسلین رساله اعمال شهور السنة** طبع ہو چکے ہیں۔

دیگر حواشی میں آپ نے جدت یہ اختیار کی ہے کہ دیگر شارحین کی شروح سے تعرض نہیں کیا جہاں انہوں نے کوئی شرح نہیں کی اور اب اس کی ضرورت تھی تو وہ آپ نے کر دی۔ان میں آپ کا انداز بعینہٖ مشکوٰۃ کی شرح میں شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتوی کا سا ہے۔

اپنے مرسلہ تذکرے کے آخر میں لکھتے ہیں' **هذا تصانیفی الی الان واسال الله الکریم سوال الضارع الخاشع متوسلا بنبیه الشافع ان یجعل جمیع تصانیفی خالصة لوجه الکریم ویجعلها ذریعة لفوزی بالنعیم' وان یجنب من الخطا والزلل اقدامی و من السهو والخلل اقلامی' ربنا خلقتنا مجّانا ورزقتنا مجّانا فاغفرلنا مجّانا بحرمة النبی خاتم النبین ﷺ واله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔** آپ ایک جید عالم' عظیم محدث' محقق اور عارف تھے۔ساری عمر درس حدیث اور تبلیغ و اشاعت میں گزاری اور بالآخر آپ کا ۷ مئی ۱۹۸۷ء کو وصال ہوا۔اور اپنے گاؤں نور پور اٹک میں دفن کیے گئے۔ (1)

حق تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائیں۔آمین

---

(1) سوانحی تذکرہ کا مواد صاحب تذکرہ سے ان کی زندگی میں لیا گیا تھا۔جو ان کے وصال کے بعد اس کتاب کی زینت بنا ہے۔(مولف)

محقق اسلام

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاریؒ کا اصل وطن داجل تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان ہے آپ اسی علاقہ کے سید گھرانے میں سید شاہ محمد صاحب کے گھر ۱۰ جنوری ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے' انگریزی اور اردو تعلیم حاصل کر کے سکول ماسٹر مقرر ہوئے' ۱۹۲۸ء میں لاہور میں ایک جلسہ میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہم سے شرف ملاقات نصیب ہوا۔ اور بزرگوں سے تعلقات کی ابتداء ہوئی پھر یہ تعلق اس قدر قوی ہوا کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء کو اپنے دولت خانہ پر ایک تبلیغی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جسے شرف قبولیت بخشا گیا یہ امر تعلقات کی مزید پختگی اور دارالعلوم دیوبند کی طرف توجہ کا سبب بنا چنانچہ ۱۳۵۵ ہجری میں ملازمت سے رخصت لے کر دارالعلوم پہنچے اور بہت جلد ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد موقوف علیہ میں مشکوٰۃ شریف میں اول آئے اور ۱۳۵۷ھ کے دورۂ حدیث میں شریک ہوئے' صحیح بخاری اور ترمذی شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے' صحیح مسلم شریف حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے اور ابوداؤد شریف مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے پڑھ کر دستار فضیلت حاصل کی' فراغت کے بعد ۱۹۴۵ء میں تنظیم اہل سنت والجماعت کی تشکیل عمل میں آئی اور اس وقت سے آخر دم تک اس تنظیم کے تبلیغی کاموں میں سرگرم عمل رہے۔ آپ کی ان تبلیغی سرگرمیوں میں سردار احمد خان پتافی مرحوم اور حضرت علامہ دوست محمد قریشی مرحوم کا کردار بھی ناقابل فراموش ہے۔ شبانہ روز تبلیغ واشاعت دین ہو یا مسلک حلقہ اہلسنت کی حفاظت کے لئے بحث ومناظرہ' مختلف دینی ومسلکی عنوانات پر تصنیف وتالیف ہو یا باطل مذاہب کی تردید کے لئے نوجوان علماء کی تعلیم وتربیت' جماعت کی مالی خدمت ہو یا دفتر جماعت کی تعمیر ہر اعتبار سے حضرت مولانا سید نور الحسن صاحب بخاریؒ کا مقام

پوری جماعت میں اعلیٰ تھا۔ آپ کی پوری زندگی تبلیغ دین اور اشاعت دین میں گزری اور آپ کی دینی علمی اور تبلیغی خدمات نا قابل فراموش ہیں' اس وقت آپ محقق علماء میں بلند مقام پر فائز تھے اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک حق پر قائم و دائم تھے' اپنے اکابر و اساتذہ سے بے حد تعلق رہا خصوصاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے آپ کو بے حد تعلق اور حد درجہ عشق تھا' ایک دفعہ آپ دار العلوم کراچی تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظمؒ نے اپنے دار العلوم میں تقریر کی دعوت دی اور خود باوجود علالت و نقاہت کے پوری تقریر میں تشریف فرما رہے' آپ کو بھی ہمیشہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے قلبی تعلق اور عقیدت رہی' اب بھی آخر تک آپ حضرت مفتی اعظم کے تبحر علمی کے بے حد قائل تھے' حضرت مفتی اعظمؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرتؒ کی یہ تفسیر پوری ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور تفسیر ''معارف القرآن'' کو تصنیف فرما کر حضرت مفتی صاحبؒ نے تمام مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔'' اسی طرح آپ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے انداز تدریس اور تفہیم کے عاشق تھے۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ ''آپ لوگ حضرت مفتی اعظمؒ کے انداز تدریس کے متعلق دریافت فرماتے ہیں, میں حیران ہوں کہ اس کا جواب کس طرح عرض کروں اگر آپ لوگ کر سکیں تو ۱۳۵۷ ہجری کے دور کو واپس لوٹا لائیں پھر دار الحدیث دار العلوم دیوبند ہو' اس میں حضرت مفتی اعظمؒ ابوداؤد شریف کا سبق پڑھاتے ہوئے علوم و معارف کے دریا بہا رہے ہوں اور میں آپ لوگوں سے عرض کروں کہ دیکھ لیجئے یہ ہے ہمارے اکابر کا انداز تدریس۔

بہر حال آپ کو اپنے اکابر دیوبند سے بے حد تعلق تھا اور آپ کو تصنیف و تالیف کا ذوق اور شغل اپنے انہی اکابر سے ورثہ میں ملا تھا چنانچہ آپ نے دو درجن سے زائد علمی' ادبی اور تاریخی کتب تالیف فرمائیں جن میں یہ چند کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ''الاصحاب فی الکتاب'' ۱۹۵۳ء میں جب آپ سیفٹی ایکٹ کے تحت پابند سلاسل کر دیئے گئے تو لاہور اور ساہیوال جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے آپ نے یہ کتاب تالیف فرمائی' جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل

ہے۔''سیرت عثمان'' یہ کتاب امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت پر معرکۃ الآراء تالیف ہے۔ شہادت امام مظلوم' توحید و شرک کی حقیقت' حضرت امیر معاویہ' عادلانہ دفاع' نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رضی اللہ عنہ ''بشریت النبی'' وغیرہ غیرہ آپ کے قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ ۱۹۴۵ء میں تنظیم اہل سنت کی تشکیل دینے کے بعد آپ نے ہفت روز ''تنظیم اہل سنت'' جاری فرمایا جس میں آپ نے بہت اچھے انداز میں مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دیا اور ساتھ ہی مسلمانوں میں پھیلی ہوئی غلط رسوم کے خلاف جہاد شروع کیا' بعد میں آپ ہفت روزہ ''دعوت'' کے مدیر مقرر ہوئے اور تقریباً بیس سال تک اس ہفت روزہ کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے علاوہ انگریزی سامراج کے خلاف جہاد بھی کرتے رہے اور تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں' تاریخ اسلام پر خاص طور پر خلافت راشدہ کے دور پر آپ خصوصی عبور رکھتے تھے اور آپ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مبلغین اسلام کی ایک بڑی کھیپ تیار کی ہے جو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہی ہے غرضیکہ آپ کی ساری عمر درس و تبلیغ و اشاعت میں گزری ہے ہزاروں تلامذہ آپ کے علمی کاموں میں مصروف ہیں حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

آپ اتنے بڑے محقق' مورخ' مصنف اور مبلغ ہونے کے علاوہ سلوک و تصوف کے بھی بلند مقام پر فائز تھے اور آپ ایک عالم باعمل اور شیخ کامل بھی تھے' شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ان کے فرمائے ہوئے ذکر و تسبیحات پر سختی سے پابند تھے۔ حتی کہ وفات کی آخری رات بھی آپ نے عشاء کی نماز کے بعد باقاعدہ وظائف و تسبیحات پوری کیں' آپ ایک نہایت مہربان مشفق اور بااخلاق بزرگ تھے اور ہم جیسے ناکارہ اور ادنیٰ خدام سے بھی بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے' بارہا بندہ ناچیز کی حوصلہ افزائی فرمائی' بندہ ناچیز کی کتاب ''اکابر علماء دیوبند'' کے متعلق اپنی رائے گرامی اپنے والا نامہ میں بندہ کے لئے تحریر فرمائی' فرمایا کہ ''اکابر علماء دیوبند کتاب کا ہدیہ مبارکہ موصول ہوا' میں بے حد سپاس گزار ہوں' آپ کی محنت و جانفشانی بڑی قابل قدر ہے۔ اس زمانے میں ایسی بلند پایہ تالیف مرتب کر کے آپ نے چھپوائی ہے' یہ آپ کی کرامت ہے' میں اس عظیم تالیف

پر آپ کو اور مدیر محترم ادارہ اسلامیات لاہور کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں' اللہ رب العزت اس عظیم خدمت پر آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور برادران اسلام کو اس سے مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

(مکتوب گرامی ۳۰ صفر المظفر ۱۴۰۲ ہجری)

اسی طرح ایک اور والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں اکابر دیوبند کے متعلق آپ کے مضامین بڑے والہانہ انداز میں مطالعہ کرتا رہتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کے لئے ذریعہ نجات ہوں گے اکابر دیوبند سے تعلق یقیناً آپ کے لئے بڑی سعادت ہے' اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔'' آمین

بہر حال آپ اپنے اخلاق واوصاف میں سلف صالحین کا نمونہ تھے بڑے محقق عالم تھے آپ کا انداز بیان بڑا محققانہ اور مدلّلانہ ہوتا تھا جب بولتے تھے بڑی دلیل سے بولتے تھے اور کئی کئی گھنٹے بڑے محققانہ انداز میں تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

عالم تھا باعمل تھا عالی دماغ تھا
انجمن دیوبند میں وہ روشن چراغ تھا

☆☆☆

شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ان علمائے حق میں سے تھے جن کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور خلوص وللّٰہیت پر عالم اسلام ناز کرتا ہے۔ آپ ملک کی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے ایک تھے جن سے اس دور میں علم دین کا بھرم قائم ہے اور جن کے نقوش پا قوموں کے لئے مشعل راہ ہوا کرتے ہیں۔

آپ ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ مطابق جنوری ۱۹۱۰ء بروز اتوار جناب حاجی معروف گل کے گھر اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی پھر طورو ضلع مردان کے مولانا عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالجمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھتے رہے، سولہ سترہ برس کی عمر میں اس علاقہ میں ملاحسن، کی کتابیں پڑھتے رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے ہندوستان کا رخ کیا، پہلے میرٹھ اور امروہہ کے مدارس میں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۷ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ ہجری میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی، آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بانی دارالعلوم کراچی شامل ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۶۲ ہجری سے ۱۳۶۶ ہجری تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شعبان کی تعطیلات میں واپس وطن آئے، ملک کی تقسیم کی وجہ سے دوبارہ دیوبند نہ جاسکے اور دارالعلوم حقانیہ کی توکلاً علی اللہ بنیاد رکھی، اسی تقسیم ملک والے سال میں وہ طلبہ جو ہندوستان کے دینی مدارس میں زیر تعلیم تھے وہ سب دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے۔ آپ کے پاس اکوڑہ خٹک پہنچ گئے، اسی طرح رفتہ رفتہ آپ کی

محنت رنگ لائی اور دارالعلوم حقانیہ ملک کے ممتاز دینی مدارس میں شمار ہونے لگا۔

آج اس دارالعلوم سے کئی ہزار طلباء سند فراغ حاصل کر چکے ہیں اور ملک و بیرون ملک دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ و وعظ کے ساتھ کئی علمی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں خلافت راشدہ' مقام صحابہؓ' دعوات حق' علم کے تقاضے اور اہل علم کی ذمہ داریاں' صیام رمضان اور ناموس رسالتؐ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند)

مفکر اسلام حضرت علامہ جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ ''دعوات حق'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''حضرت علامہ مولانا عبدالحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر اثر انداز ہونے کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کے مواعظ و خطبات (دعوات حق) سے قلب میں سوز و گداز' ایمان میں پختگی اور خدا کا خوف اور فکر آخرت پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق دین کی تعلیمات و ہدایات' ان کے خطبات میں ملتے ہیں۔ ''دعوات حق'' ان کے خطبات کا جامع ترین مجموعہ ہے۔'' (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی)

الغرض حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ تدریس کی خدمت کے ساتھ ساتھ قصبہ کی جامع مسجد میں جمعہ اور دوسرے اہم مواقع پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے جو علم و روحانیت اور قدیم و جدید معلومات کا ایک خزانہ ہوتا تھا۔

آپ کئی بار قومی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور اسمبلی ہال میں اسلام کی سر بلندی کے لئے کلمہ حق ادا کرتے رہے ---- اور آخر کار علم دین اور اسلام کی خدمت کرتے ہوئے ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۹ ہجری چہار شنبہ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ اور ان کے خلف الرشید جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ' کو ان کے صحیح علمی جانشین بنائیں۔ آمین

شیخ الحدیث

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ آسمان شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے وہ اس دور کے عظیم محدث، عظیم الشان مفسر، بہترین محقق، رفیع الشان معلم اور عارف کامل تھے۔ آپ کے والد گرامی شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ اکابر دیوبند میں ایک منفرد مقام کے حامل تھے ان کا علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتا تھا وہ قدیم اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکز علم کے شیخ التفسیر رہے قیام پاکستان کے بعد مخدوم الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس اللہ سرہ کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں بطور شیخ الحدیث تشریف لائے اور آخر دم تک حدیث رسول کے چراغ جلاتے رہے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے قابل فخر فرزند ارجمند شیخ الحدیث مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ اس عظیم مسند علمی پر فائز ہوئے اور آخر لمحہ حیات تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریس حدیث کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

آپ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی (بھارت) میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی ہی سے حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ جہاں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم کی شفقتوں اور عنایتوں سے خوب مالا مال ہوئے۔ اس کے بعد اپنے والد محترم کے حکم پر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ جامع المعقول علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے۔ اور دورۂ حدیث کی اعلیٰ درجہ میں تکمیل کی۔ اس دوران شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی خصوصی عنایات وتوجہات کا مرکز رہے۔ فراغت تعلیم

کے بعد جامع العلوم بہاولنگر میں تدریس کا آغاز فرمایا اور تقریباً دو سال تک اعلیٰ درجہ کتب پڑھاتے رہے بعدازاں شیخ الاسلام علامہ عثمانی ؒ کی طلبی پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بطور استاذ حدیث تشریف لے گئے اور قیام پاکستان تک علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ دورۂ حدیث کی کتابیں زیر تدریس رہیں تقسیم ملک کے بعد شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کی تکمیل خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ مولانا تھانوی کی دعوت پر مولانا محمد مالک صاحبؒ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار تشریف لے گئے۔ جہاں استاذ حدیث کی حیثیت سے حیات طیبہ کے پچیس سال خدمت حدیث میں گزارے ہزاروں طالبان علم کو اپنے فیض علمی سے سیراب وشاداب کیا۔ آج آپ کے تلامذہ ملک و بیرون ملک میں دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔ تدریس حدیث کے علاوہ تصنیف و تالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا اور اپنے قلم فیض رقم سے متعدد علمی تصانیف یادگار علمی شاہکار کے طور پر تصنیف کیں۔ جن میں تفسیر معارف القرآن کے آخری سات پاروں کی تفسیر علمی خزانہ ہے۔ آپ کے علمی و تدریسی کارناموں کے بارے میں مفکر اسلام حضرت علامہ جسٹس شرعی عدالت محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ برصغیر کے مایہ ناز عالم و بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے۔ اور ان کے علم و فضل کے صحیح وارث تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کی خواہش پر دارالعلوم کراچی میں تدریس کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس کے بعد دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ایک طویل عرصہ تک وہاں درس حدیث دیا بعد میں جب ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ کا وصال ہوا تو جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے والد کی جگہ صحیح بخاری کا درس آپ نے شروع فرما دیا۔ جو زندگی کے آخر دور تک جاری رہا۔ آپ کا صحیح بخاری کا درس بڑا مقبول درس تھا ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب قدس سرہ کی درس حدیث کی مسند کو سنبھالنا کوئی معمولی

بات نہیں تھی لیکن حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ نے ٹھوس علمی مذاق اپنے والد ماجد سے وراثت میں پایا تھا اور ذوق مطالعہ بھی خوب تھا چنانچہ آپ نے درس حدیث کے اس معیار کو بڑی حد تک باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دورہ حدیث میں طلبہ کے رجوع واقبال میں کوئی کمی نہیں آئی، تدریس کے علاوہ اپنے والد ماجد کی طرح مولانا کو تصنیف وتالیف کا بھی خاص ذوق تھا آپ کی بہت سی ٹھوس علمی کتابیں آپ کے صدقۂ جاریہ کے طور پر باقی ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اپنی حیات میں تفسیر معارف القرآن کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے۔ مولانا نے ماشاء اللہ اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور تفسیر میں اپنے والد ماجد کے رنگ کو باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔ اس کے علاوہ مولانا کی کتابوں میں ''معالم القرآن'' بڑے پائے کی کتاب ہے۔ جس میں علوم قرآن کے موضوع پر بڑی گراں قدر مباحث اور معلومات جمع فرمائی ہیں۔ اور شاید اردو میں علوم القرآن پر اتنی عظیم وضخیم کتاب کوئی اور نہیں ہے اس کے علاوہ ''تاریخ حرمین'' اور ''اصول تفسیر'' بھی آپ کی گراں قدر علمی یادگار ہیں جو اپنے اپنے موضوع میں دقیع تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی رجب المرجب ۱۴۰۹ھ)

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ علمی مقام میں ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے اس کے باوجود آپ بڑے متواضع، ملنسار، خوش اخلاق اور شفیق بزرگ تھے۔ آپ کی ہر بات اور ادا سے اپنے والد ماجد کا علمی رنگ جھلکتا تھا۔ مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور علمبردار تھے۔ ساری حیات دینی، علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف رہے، ملک وبیرون ملک تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔ جامعہ خیر المدارس ملتان اور دیگر دینی مدارس میں ہر سال تبلیغی جلسوں میں شرکت فرماتے اور مختلف علمی موضوعات پر آپ کی عالمانہ تقاریر ہوتی تھیں۔ جو بے حد متاثر کرتیں اور عوام وخواص میں بہت ہی مقبول ہوتی تھیں۔ آپ نے غیر ممالک میں متعدد بار تبلیغی دورے کئے اور اسلام کی حقانیت سے ہزاروں لوگوں کے قلوب کو منور کیا۔ کئی بار حج وزیارت کی سعادت حاصل کی اور روضہ رسول پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ تدریس وتصنیف اور تبلیغ دین کے ساتھ ملت کے اجتماعی مسائل کا درد اور ان کے ساتھ خاص شغف بھی تھا اس سلسلے میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ سیاسی نظریات میں اپنے اکابر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ' مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دوقومی نظریے کے علمبردار رہے اور تحریک پاکستان کے پرجوش حامی اور کارکن رہے قیام پاکستان کے بعد اپنے انہی اکابر کے شانہ بشانہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے ذریعے بڑی سرگرمی سے دینی و تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں مجلس شوریٰ پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے معزز رکن رہے ملک میں کوئی اجتماعی علمی یا دینی کام ہوتا تو آپ کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں آپ بہت سے دینی مدارس اور دینی تنظیموں کے سربراہ اور صدر نشین رہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے اوصاف و کمالات سے نوازا تھا ان کی خوش اخلاقی' خوش طبعی اور شفقت کا انداز ہمیشہ دل پر نقش رہے گا احقر راقم کی درخواست پر ڈیرہ غازیخاں اور جام پور بھی مجلس صیانۃ المسلمین کے جلسہ میں تشریف لائے۔ اتنے دور دراز علاقہ میں ان کی آمد صرف احقر ناکارہ سے محبت و شفقت تھی آپ بار بار فرماتے تھے کہ یہ تمہاری محبت کھینچ کر لائی ہے۔ احقر کی تصانیف کو دیکھ کر مسرت کا اظہارت فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ افسوس کہ آج ہم ان کی عنایتوں اور شفقتوں سے محروم ہیں آپ ہمیں ۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ ہجری مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز جمعۃ المبارک کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ایک عرصہ ہو چکا ہے لیکن ان کی دلکش ادائیں' حسن صورت و حسن سیرت ان کی شفقت و محبت اور ان کی عنایات دل سے بھلائی نہیں جاسکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

☆☆☆

نجم العلماء

حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

صدر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ کا وطن تھانہ بھون ضلع مظفرنگر یوپی (بھارت) تھا۔ آپ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے بڑے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحبؒ کے نواسے تھے' اس حوالے سے آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے نواسے ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۹ ہجری کے لگ بھگ ہوئی' ابتدائی کتب فارسی و عربی کی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں پڑھیں۔ متوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کی مشہور و معروف دینی و علمی درسگاہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور آپ نے ۱۳۵۹ ہجری میں تمام علوم دینیہ اور دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری' حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے کی اور ان حضرات کے فیض' علمی و روحانی سے خوب مالا مال ہوتے رہے۔ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں ایک معتد بہ عرصہ تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا اور قرابت داری کی بنا پر گھر میں بھی آنا جانا کثرت سے رہا اور مجالس میں حاضری رہتی تھی' تھانہ بھون ہی کے زمانہ قیام میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے خاص عقیدت و محبت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا اور حضرت حکیم الامتؒ کے حوالہ سے حضرت خواجہ صاحب کو بھی ان تمام بھائیوں میں مولانا سید شمس الحسن تھانویؒ مولانا قمر الحسن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نجم الحسن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لگاؤ ہو گیا تھا اور چونکہ حق تعالیٰ نے مولانا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حسن صورت و سیرت کے ساتھ حسن صوت سے بھی نوازا تھا اس لئے حضرت خواجہ صاحبؒ اپنا عارفانہ کلام مولانا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھوا کر سنتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ اس طرح آپ دونوں کے درمیان شاعرانہ مزاج کے اعتبار سے بھی

کافی مناسبت پیدا ہوگئی تھی چنانچہ اس مناسبت ہی کا یہ اثر تھا کہ مولانا مرحوم حضرت خواجہ صاحب کے لب ولہجہ اور آواز میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے عارفانہ کلام کو پڑھنے پر قادر ہو گئے تھے اسی لئے سالانہ اجتماع مجلس صیانۃ المسلمین کے موقعہ پر سامعین اجتماع کے ذوق وشوق اوران کے مطالبہ کو دیکھتے ہوئے ہر سال اجتماع کی ایک نشست محض مجذوب کے نام سے ہی منعقد کی جاتی تھی جس کو حاضرین اجتماع نہایت شوق و ذوق سے سنتے تھے۔ یہ مجلس مجذوب تقریباً دو گھنٹے جاری رہتی تھی۔ مگراس کے باوجود نہ تو حضرت مولانا کو تھکن محسوس ہوتی تھی اور نہ ہی سامعین کو۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے عارفانہ کلام کو سننے کے لئے لوگ جوق در جوق شرکت کرتے تھے اور جامعہ اشرفیہ لاہور کا دارالحدیث کا پورا ہال بھر جاتا تھا اور برآمدے کے اندر بھی لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قرابت داری کے حوالہ سے ہی سب اکابر علماء مولانا مرحوم سے محبت و شفقت فرماتے تھے خصوصاً حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بانیٔ جامعہ اشرفیہ لاہور' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے حد شفقت فرماتے تھے۔ مولانا نجم الحسن صاحبؒ جب بھی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے حضرت مفتی صاحبؒ انتہائی احترام فرماتے تھے ہمیشہ اپنے سرہانے بچھی ہوئی کرسی پر بٹھاتے تھے کبھی بھی نیچے نہیں بیٹھنے دیا قیام پاکستان کے عرصہ دراز تک حضرت مفتی صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کی دوسری منزل پر اپنے پاس ہی رکھا اسی لئے حضرت مولانا کو حضرت مفتی صاحبؒ سے حد درجہ عشق وعقیدت تھی اور حضرت مفتی صاحبؒ سے ہی بیعت ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا کی خداداد صلاحیتوں کے معترف تھے اور آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

مولانا نجم الحسن صاحبؒ فراغت تعلیم کے زمانہ سے ہی دینی وعلمی اور تبلیغی واصلاحی کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ تحریک پاکستان میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نظریہ کے مطابق کام کیا اور حضرتؒ کے خلفاء ومتعلقین کے شانہ بشانہ قیام پاکستان کے لئے جدوجہد فرماتے رہے' قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ

جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ذریعہ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اسی طرح تحریک ختم نبوت میں بھی بڑی سرگرمی سے عملی حصہ لیا پھر جب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی جماعت مجلس صیانۃ المسلمین کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست کی حیثیت سے شب و روز مجلس کے کاموں میں مصروف ہو گئے اور بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی انتھک کوششوں سے بہت جلد مجلس کو ترقی نصیب ہوئی۔ اور آج بحمداللہ مجلس صیانۃ المسلمین پورے پاکستان میں مشہور و معروف دینی و اصلاحی جماعت کے طور پر کام کر رہی ہے۔ (ماہنامہ الصیانۃ لاہور نومبر ۱۹۹۷ء)

محترم جناب مولانا مشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ مجلس صیانۃ المسلمین کو ۱۳۴۹ ہجری میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیر سرپرستی قائم کیا گیا تھا جس کے موسس اعلیٰ اور نگران اعلیٰ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شیروانیؒ تھے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا جمیل احمد شیروانیؒ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین کا کام شروع کیا پھر پورے پاکستان میں اس کی شاخیں قائم کر دی گئیں، مجلس کے اکابرین اور سرپرستوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہم شامل ہیں۔ کراچی سے پشاور تک بڑے بڑے دینی مدارس کے ارباب علم و تقویٰ اس مجلس سے وابستہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے ہیں جن میں شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم نائب صدر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ صدر مجلس اور حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آج بھی ارباب علم و فضل مجلس سے وابستہ اور اس کی شوریٰ کے اراکین ہیں۔ حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور مجلس کے مرکزی صدر ہیں اور اراکین شوریٰ میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی، حضرت مولانا نذیر احمد

فیصل آبادی، حضرت مفتی محمد وجیہہ کراچوی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان کراچوی، حضرت مولانا محمد اشرف خان پشاوری، حضرت علامہ محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا حکیم محمد اختر کراچوی، حضرت مولانا محمد اسعد تھانوی، حضرت مولانا حسن جان مدنی، حضرت مولانا قاری تنویر الحق تھانوی اور حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند ص ۳۶۴)

بہرحال حضرت مولانا نجم الحسن تھانویؒ آخر وقت تک مجلس کے ساتھ وابستہ رہے اور مولانا کی سربراہی میں مجلس نے جو ترقی کی اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے آپ کا مجلس کے ساتھ کوئی معمولی تعلق نہیں تھا بلکہ والہانہ اور عاشقانہ تعلق تھا جو تقریباً چالیس برس تک رہا، مجلس کے سالانہ اجتماع کے موقع پر دو تین روز قبل جامعہ اشرفیہ لاہور پہنچ جاتے اور مجلس کے اجتماع کے تمام انتظامات اپنی نگرانی میں کراتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور اور اس کے بانی اور منتظمین سے بھی بڑا گہرا تعلق رہا اور آخری وقت تک یہ تعلق بڑی عقیدت ومحبت سے نبھاتے رہے غرض یہ کہ مولانا مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے خوش اخلاق اور ملنسار تھے، سلف صالحین کی یادگار تھے۔ ساری زندگی تبلیغی واصلاحی خدمات سرانجام دیتے ہوئے گزاری، یکم ربیع الثانی ۱۴۱۱ ہجری بمطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۰ء کی شب تین بجے کے قریب کراچی میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ نماز جنازہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدظلہ نے راولپنڈی میں پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

☆☆☆

شیخ العصر

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ ہجری مطابق ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء عالم اسلام نے اس خبر کو نہایت افسوس سے سنا کہ ممتاز عالم دین مصنف' محدث اور مفسر حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ وصال فرما گئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ اکابر دیوبند میں منفرد شان کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت مفسر' محدث' محقق' مورخ اور پیر طریقت تھے۔ وہ اکابر کے علمی اور روحانی کمالات کے پرتو اور ان کے مزاج کے صحیح حامل تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت قاضی صاحبؒ کا خاندان صدیوں سے علوم دینیہ کی خدمت میں مشہور ہے۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ اس علمی اور روحانی گھرانہ میں ۶ ربیع الاول ۱۳۳۱ ہجری مطابق یکم فروری ۱۹۱۳ء بروز ہفتہ کو پیدا ہوئے قرآن پاک اور ابتدائی عربی فارسی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی ۱۹۲۸ء میں شمس آباد سے مڈل پاس کیا اور اسی سال والد گرامی کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

بچپنے کا یہ داغ یتیمی آپ کے شوق اور حصول علم کی حمیت کو کم نہ کر سکا۔ آپ ذوق وشوق سے علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مگن رہے اس وقت علاقہ چھچھ علمائے ربانیین کا مرکز تھا۔ آپ شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحمٰن حمیدی' مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کے فیض یافتہ مولانا سعید الرحمٰن اور مولانا عبداللہ جان موضع جلالیہ جیسے باکمال علماء دین کے فیوضیات سے مستفید ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۳۰ء میں برصغیر کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے وہاں آپ نے مولانا سراج احمد رشید رحمۃ اللہ علیہ مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا مفتی

ظہور الحق رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظریف احمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبداللہ ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید اساتذہ کے فیوضات علمیہ سے استفادہ فرمایا۔ بعدازاں آپ محدث العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کے لئے ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں آپ نے بخاری شریف کا سماع حضرت شاہ صاحبؒ سے کیا۔ ۱۳۵۳ ہجری مطابق ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف کے لئے داخلہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر اس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز تھے آپ نے بخاری اور ترمذی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اردو تقریر کو آپ دوران سبق ہی عربی میں قلم بند فرماتے رہے۔ مسلم شریف مولانا رسول خان ہزارویؒ سے، ابوداؤد شریف مولانا میاں اصغر حسینؒ سے، طحاوی شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ سے، شمائل ترمذی مولانا اعزاز علیؒ سے، موطا امام محمد مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے، موطا امام مالک مفتی ریاض الدینؒ سے اور مولانا قاری عتیق الرحمنؒ سے پارہ عم کی مشق فرمائی۔

آپ کے دور طالب علمی میں ایک مرتبہ مشہور شاعر ظفر علی خان دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ دارالحدیث میں ان کے اعزاز میں تقریب استقبالیہ منعقد ہوئی۔ اساتذہ اور طلباء نے مولانا ظفر علی خان کو نظماً اور نثراً خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر علماء دیوبند کی شان میں آپ نے ایک نظم کہی جس میں مرزا قادیانی کے خلاف اکابر دیوبند کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ؎

انہی کی ذات اقدس سے بشیر الدین نالاں ہے

اس نظم سے متاثر ہوکر مولانا ظفر علی خان نے فی البدیہہ دیوبند کی شان میں مشہور نظم کہی جس کا پہلا شعر مندرجہ ذیل ہے ؎

شاد باشد وشاد ذی اے سر زمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا پرچم بلند

۱۹۳۶ء میں جب آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لاہوریؒ کے نام آپ کو دستی رقعہ عنایت فرمایا۔ جس میں آپ کے متعلق بھی ایک جملہ لکھا "علمی اور عملی حالت ماشاء اللہ قابل اطمینان ہے۔" اب حضرت لاہوریؒ کے ہاں بھی آپ کا آنا جانا شروع ہوگیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب آپ پہلی مرتبہ

حج بیت اللہ کو جا رہے تھے تو حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی حضرت لاہوریؒ نے آپ کو اپنے قلمی دستخطوں سے مزین اپنا ترجمہ قرآن پاک عنایت فرمایا یہ محض ایک تحفہ نہ تھا بلکہ حضرت لاہوریؒ نے بقول آپ کے اپنا فیض قرآنی آپ کو منتقل فرما دیا۔ ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۶۱ء میں جب حضرت لاہوریؒ ایبٹ آباد تشریف لائے تو از خود فرمایا میں چاہتا ہوں کہ سلسلہ قادریہ میں آپ کو تکمیل کرا دوں۔'' ابتدائی اسباق بھی تلقین فرمائے۔ اس سال ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء ایبٹ آباد تشریف آوری پر آپ کو اجازت بیعت سے نوازتے ہوئے اپنا مجاز فرمایا:

تدریسی خدمات:

۱۹۳۲ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر اپنے آبائی گاؤں شمس آباد تشریف لائے تو گاؤں میں ''مدرسہ محمدیہ'' کی بنیاد رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے افہام وتفہیم اور فصاحت و بلاغت کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عظیم علمی خوبیوں' والدین کی دعاؤں اور اساتذہ کی شفقتوں کی برکت سے طلبہ دور دور سے آتے۔ یہاں آپ نے بخاری سے لے کر کافیہ تک علوم وفنون کی تمام کتب پڑھائیں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ علاقہ کی مذہبی ضروریات کا خیال رکھا باطل کا مقابلہ بھی فرمایا۔

حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کو قرآن فہمی کا ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا تصنیف و تدریس اور ہر اعتبار سے علوم قرآنیہ کی خدمت کی۔ بیس کے قریب مختلف قرآنی اسالیب پر دقیع علمی کتابیں لکھیں اور حیات مستعار میں جہاں بھی رہے درس قرآن مجید کا ناغہ نہیں فرمایا۔ بلکہ ایبٹ آباد کے زمانہ میں تو دن میں تین تین مقامات پر عرصہ تک درس دیتے رہے۔

تصنیفی خدمات:

اللہ تعالیٰ نے تحریر و تصانیف کا بھی اعلیٰ سلیقہ آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین حافظہ سے نوازا تھا۔ اس لئے آپ کی ہر تحریر دلائل و براہین سے مزین ہے۔ علمی اور اصلاحی ہر میدان میں آپ کی سینکڑوں تصانیف یادگار ہیں۔

بخاری کے ترجمۃ الباب تفسیر کے مشکل مسائل فلسفہ کلام اور ''شرح عقائد'' کی کتب سے لے کر وضو سجدہ کے فضائل اور عوامی دروس تک آپ کی تصنیفات ہر طبقہ کے لئے رہنما ہیں۔

وفات:

۱۵ اگست ۱۹۸۹ء آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ تو کمپلیکس اسلام آباد میں چند دن زیر علاج رہے ڈاکٹروں نے کام سے منع کر دیا تھا۔ مگر آپ باوجود انتہائی نقاہت کے مسلسل کام کرتے رہے بیماری کے دوران چراغ محمد' سوانح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھی' درس قرآن مجید اور دروس حدیث بنام انوار الحدیث کا کام کیا علاوہ ازیں بھی کئی عنوانات پر لکھا خطوط کے جوابات روزانہ اپنے قلم سے لکھتے درس نظامی کی انتہائی کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ میرے معمولات میں کبھی بھی ناغہ نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا چنانچہ آخری روز بھی تمام معمولات ادا فرمائے اور رات بارہ بجے اچانک دل کی تکلیف ہوئی۔ سی۔ ایم۔ اتچ۔ اٹک لے جائے گئے خود پیدل چل کر گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے ہسپتال تک بھی خود چل کر گئے ڈاکٹر آکسیجن کی تیاری کر رہے تھے کہ دو بج کر گیارہ منٹ پر تہجد کے وقت جو آپ کے لئے تمام عمر وصال محبوب کا وقت تھا تین مرتبہ اللہ' اللہ' اللہ فرمایا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

☆☆☆

مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ عالم اسلام کے ایک جید عالم دین' عربی اور اردو کے بلند پایہ ادیب اور سوانح نگار' عظیم مفکر و محقق اور مخلص مربی و داعی الی اللہ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی اسلام کی حقیقی تشریح و تعبیر' دینی تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرنے اور مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام کو تازہ اور امت مسلمہ کو سرگرم رکھنے میں مصروف رکھی۔ مرحوم ٦ محرم الحرام ١٣٣٣ ہجری (١٩١٤ء) میں یو۔ پی۔ کے شہر رائے بریلی کے قریب دائرہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی اور ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے آپ کے دادا مولانا حکیم سید فخر الدینؒ فارسی کے جلیل القدر مورخ اور دبیر تھے۔ آپ کے والد مولانا سید عبدالحیٰ رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نزہۃ الخواطر جیسی جلیل القدر عربی تصنیف کے مصنف ہیں جس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء و داعیان کا تذکرہ ہے۔ آپ کے ددھیالی اور ننھیالی بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ ہی کے سلسلہ سے وابستہ تھے اور اس سلسلہ میں صاحب اجازت ہوئے ہیں۔ آپ نے دینی تعلیم ندوۃ العلماء میں حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ خلیلؒ بن محمد یمانی' علامہ سید سلیمانؒ ندوی' مولانا حیدر حسنؒ خان ٹونکی' مولانا سید حسین احمدؒ مدنی مولانا احمد علی لاہوری شامل ہیں۔ آپ کی دینی تعلیم و تربیت کے انتظام میں آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلیؒ کا بڑا کردار ہے۔

آپ نے اپنی علمی و عملی زندگی کا آغاز درس قرآن سے کیا یکم اگست ١٩٣٤ء کو آپ کا تقرر تفسیر و ادب کے استاذ کی حیثیت سے ندوۃ العلماء میں ہوا۔ ١٩٣٨ء میں آپ کی پہلی کتاب (اپنے جد امجد کے تذکرہ پر مشتمل) ''سیرت سید احمد شہید'' شائع ہوئی۔ حضرت مناظرؒ احسن گیلانی' مولانا عبدالماجدؒ دریا آبادی' مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی' ڈاکٹر محمد آصفؒ قدوائی' مولانا قاری محمد طیبؒ جیسی کئی علمی و دینی شخصیات سے آپ کا تعلق رہا۔ آپ

مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔ اور کسب فیض کیا۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت سے ربط و تعلق پیدا ہوا جو بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپ نے ۱۹۴۷ء میں مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر اہل عرب اور علمی و ادبی حلقوں میں تبلیغی کام کو متعارف کرانے کے لئے حجاز کا پہلا سفر کیا۔ ۱۹۴۸ء میں ندوہ کی مجلس انتظامیہ کے رکن ۱۹۴۹ء میں سید سلیمان ندویؒ کی تحریک پر نائب معتمد، ۱۹۵۴ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد معتمد تعلیمات اور ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم بنائے گئے۔
۱۹۴۵ء میں آپ کی زیر ادارت ندوہ کا دوبارہ اجرا ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے ایک پندرہ روزہ اخبار ''تعمیر'' مولانا عبدالسلام ندوی کے ساتھ مل کر جاری کیا۔ ۱۹۵۱ء میں انسانیت اور اخلاق کے چلن کو عام کرنے کے لئے آپ نے تحریک پیام انسانیت قائم کی۔ ۱۹۵۶ء میں مجلس تحقیقات نشریات اسلام قائم کی۔ ۱۹۶۵ء میں ایک دینی تعلیمی کونسل قائم کی۔ ۱۹۶۲ء میں حکومت سعودیہ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے قیام کے موقع پر آپ کو اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا۔ آپ نے رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے کئی ممالک کے دورے کئے جن کا تذکرہ آپ کی کتاب ''دریائے کابل سے یرموک تک'' میں ملتا ہے آپ نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت فرمائی اور علمی مقالات پڑھے۔ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی چلتا رہا اور کئی تبلیغی اسفار بھی کئے۔ آپ نے عربی اور اردو میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا آپ کی کتب کا معیار بڑا علمی اور تحقیقی ہے آپ نے جدید اور قدیم مآخذ سے بھرپور استفادہ کیا آپ کی کتب کے دنیا کی کئی زبانوں میں تراجم ہوئے اور ان کی عرب و عجم میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ آپ عالم اسلام کی ممتاز دینی، علمی اور سیاسی شخصیات سے بھی ملتے رہے اور عصر حاضر میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مفید مشورے بھی دیتے رہے۔ آپ نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا سے باخبر رہتے تھے۔ امت مسلمہ کو درپیش مسائل پر آپ کی گہری نظر تھی آپ نے درد دل اور خلوص سے امت مسلمہ کی فکری رہنمائی فرمائی۔

آپ نے ندوۃ العلماء کے علمی و ادبی معیار کو بلند کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا اور ایک بہترین منتظم ثابت ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے

لئے بھرپور جدوجہد کی ۱۹۶۴ء میں مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل کروائی اور ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم کروایا۔ جو مسلمانان ہند کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔ ۱۹۸۳ء میں آپ کو اس کا صدر بنادیا گیا۔ آپ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مجلس انتظامی و مجلس عاملہ کے رکن اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی بنائے گئے۔

آپ کی غیر معمولی اسلامی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۹۸۵ء میں آپ کو شاہ فیصل بین الاقوامی انعام دیا گیا۔ آپ کئی بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں کے رکن تھے۔ جن میں عربی اکادمی دمشق، مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر اور رابطہ الادب الاسلامی العالمیہ کے صدر بھی تھے۔ ۷ جنوری ۱۹۹۹ء کو حکومت دبئی نے آپ کو ۱۹۹۸ء کی سب سے بڑی عالمی شخصیت قرار دیا۔ آپ نے ایوارڈ میں ملنے والی ساری رقم (ایک ملین درہم) دینی تعلیم کے فروغ اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کردی۔

مولانا ابوالحسن علیؒ ندوی نے بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کو پورے یقین اور وثوق کے ساتھ موثر انداز میں تحریر و تقریر کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے جدید اسلوب اور جدید ذہن کو پیش نظر رکھتے ہوئے علمی طرز استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے بہت سے مواقع پر مختلف مذاہب و خیالات کے حامل افراد کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ آپ جہاں بھی گئے صاف و بے لاگ باتیں کیں۔ آپ مخاطبین کے ذوق و ذہن، زبان و اسلوب اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خطاب فرماتے۔ آپ کی تقاریر کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں تعمیر انسانیت، اصلاحیات، حدیث پاکستان اور پاجا سراغ زندگی وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے اپنی تقریر و تحریر میں مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کیا۔ آپ نے بھرپور علمی تنقید اور ماہرانہ تحلیل و تجزیہ سے تہذیب جدید کے طلسم کو توڑا۔ اس حوالے سے آپ کی تصانیف مذہب و تمدن، نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، اسلامی بیداری، معرکہ ایمان و مادیت، مغرب سے چھ صاف صاف باتیں

نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں اور تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی زبان کا وہ ذوق دیا تھا جو اہل زبان کو عطا ہوتا ہے اور اہل زبان میں بھی ان کو ملتا ہے جن کے اندر فطری اور وجدانی ذوق ہوتا ہے۔ اور جس کو وہ اپنے علم ومطالعہ سے جلا (روشن) دیتے ہیں۔ آپ نے شروع ہی سے عربی زبان کو تقریر وتحریر کا ذریعہ بنایا۔ عالم عرب میں جگہ جگہ سلیس عربی میں خطاب فرمایا۔ آپ کے کئی عربی مقالات عربی مجلات کی زینت بنے' آپ نے کئی کتب عربی میں لکھیں جن میں **السیرۃ النبویہ** (اردو ترجمہ نبیؐ رحمت) **قصص النبیین' الارکان الاربعۃ' ربانیۃ لارھبانیۃ' القادیانی والقادینیۃ' الصراع بین الایمان والمادیۃ' ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین' اذا ھبت ریح الایمان۔** (جب ایمان کی بہار آئی) **الطریق الی المدینۃ** اور **العقیدۃ والعبادۃ والسلوک' روائع اقبال' ادب الدعوۃ فی القرآن والسیرۃ** (تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب) بڑی علمی تحقیقی اور فکر انگیز کتب ہیں۔ اسی طرح منصب نبوت اور اس کے عالی مقام' حاملین اور مطالعہ قرآن اور اس کے اصول ومبادی بھی اپنے موضوع پر منفرد کتب ہیں۔ آپ کی کتب پر معروف علمی شخصیات نے مقدمے تحریر کئے۔ جن میں سید سلیمان ندوی' سید قطب شہید' سید علی طنطحاوی' مولانا محمد منظور نعمانی شامل ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک بلند پایہ محقق اور داعی الی اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سوانح نگار اور مورخ بھی تھے' اور اس موضوع پر آپ کا کثیر تصنیفی سرمایہ موجود ہے۔ ان کتب میں تاریخ دعوت وعزیمت' المرتضیٰ' جب ایمان کی بہار آئی' نقوش اقبال' حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت' تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی' سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ' حضرت مولانا عبدالقادرؒ رائے پوری' صحبتے با اہل دل' پرانے چراغ' کاروان زندگی' کاروان ایمان وعزیمت' انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر' مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش' خواتین اور دین کی خدمت' حیات عبدالحئی' انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی وتعمیری کردار' اسلامیات اور مغربی مستشرقین ومسلمان مصنفین اور ہندوستانی

مسلمان مفید علمی سرمایہ کی صورت میں عالم اسلام کے پاس محفوظ ہیں۔ بقول مولانا محمد منظور نعمانیؒ (آپ) کو بزرگوں اور دینی شخصیتوں کی سیرت نگاری اور دینی واصلاحی تحریکات کی تاریخ نویسی سے خاص مناسبت ہے۔ اور اس کا خاص ذوق اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے۔ اہل دین واہل علم کی سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی (ان) کی آبائی سعادت ہے اور یہ موضوع ان کے لئے بہت سے لوگوں سے زیادہ محبوب و دلچسپ اور سہل ہے۔'' مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اصحاب دعوت وعزیمت کی ایک مسلسل ومربوط تاریخ وتذکرہ پیش کر کے اسلام کی تاریخ پر ملت اسلامیہ کا اعتماد و یقین بحال کیا اور نئی نسل کو اسلاف کی زندگیوں اور کارہائے نمایاں سے موثر انداز میں متعارف کرا کر ان میں جذبہ ایمانی کو پروان چڑھایا۔ ہم اپنی بات کو سید قطبؒ شہید کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

''میں نے انہیں ان کے قلم اور شخصیت سے پہچانا۔ میں نے ان میں عقل مسلم اور دل مسلم کو پہچانا' میں نے ان میں وہ آدمی دیکھا اور پہچانا جو اسلام کے ساتھ اور اسلام کے لئے زندگی گزارتا ہے بلکہ زیادہ سمجھ کے ساتھ اس کی زندگی اسلام کے لئے ہے۔''

آپ بیسویں صدی عیسوی کے آخری روز ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء (۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ) کو بروز جمعتہ المبارک وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور ان کی ان دینی وملی خدمات اور اسلام کے مسائی وکارناموں کے احیاء کے اس عمل عظیم پر حیات جاودانی بخشے۔ آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ تیرے در کی دربانی کرے

☆☆☆

شہید اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نور اللہ مرقدہ پنجاب کے ضلع لدھیانہ کی ایک بستی عیسیٰ پور میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش صاحب مرحوم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت تھے۔

آپ نے ابتدائی قرآنی تعلیم اپنی قریبی بستی میں ہی حاصل کی تھی اور ابتدائی دینی تعلیم لدھیانہ کے ایک مدرسہ محمودیہ اللہ والی میں حاصل کی ایک سال آپ نے مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں بھی تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ نے چار سال تک جامعہ خیر المدارس ملتان میں تعلیم حاصل کی آپ نے جامعہ خیر المدارس ملتان ہی سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی جامعہ خیر المدارس ملتان میں آپ نے استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا عبدالشکور کامل پوری اور مولانا مفتی عبداللہ ڈیروی صاحب اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے استاذ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے حکم سے فیصل آباد میں ایک مدرسہ میں تدریس کے لئے تشریف لے گئے آپ کو لکھنے کا شروع ہی سے شوق تھا آپ ماہنامہ دار العلوم میں بھی لکھتے رہے اور ماہنامہ بینات کراچی میں آخر وقت تک تحریر فرماتے رہے اس کے بعد مولانا تدریس کے لئے جامعہ رشیدیہ ساہیوال تشریف لے آئے اور ۱۹۷۴ء تک آپ جامعہ رشیدیہ میں ہی درس و تدریس میں مصروف رہے۔ ۱۹۷۴ء میں جب مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت سنبھالی تو آپ نے مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس کراچی بلوالیا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ۱۹۶۲ء سے شہادت تک ماہنامہ بینات کی مسلسل خدمت کرتے رہے۔

مئی ۱۹۷۸ء میں جب روزنامہ جنگ میں اسلامی صفحہ اقراء کا اجراء ہوا تو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے مضامین ماہنامہ بینات ہفت روزہ ختم نبوت، ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ، روزنامہ جنگ میں شائع ہوتے رہے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی ۱۰۰ کے لگ بھگ تصانیف ہیں جو حضرت کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف میں آپ کے مسائل اور ان کا حل، اختلاف امت اور صراط مستقیم، تحفہ قادیانیت، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے تھا ان کی رحلت کے بعد آپ نے اصلاحی تعلق شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے قائم فرمایا اور حضرت ہی سے آپ کو خلافت ملی حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد آپ نے حضرت حکیم الامت کے خلیفہ خاص ڈاکٹر عبدالحئی صاحب نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور حضرت سے بھی آپ کو اجازت بیعت حاصل ہوئی۔

۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کو بزم کاندھلوی اور عارفی کا یہ چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ لیکن اپنے پیچھے ایک علمی اور عملی تصنیفی خدمات کا ایک عظیم ذخیرہ چھوڑ گیا۔

☆☆☆

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب قصبہ ٹانڈہ باوی ریاست رام پور میں حضرت مولانا محمد نبیہ صاحب کے گھر ۳ محرم الحرام ۱۳۴۳ ہجری کو پیدا ہوئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے نام محمد وجیہ رکھا اور دعاؤں سے نوازا۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد نبیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ ارشد تھے اور ایک جید عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی حضرت حکیم الامت سے بیعت تھیں اور ایک عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ ٹانڈہ باوی ہی میں حاصل کی پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۶۱ ہجری میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۶۳ ہجری میں سند الفراغ حاصل کی، زمانہ تعلیم کے دوران ہی حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور بیعت سے بھی نوازے گئے۔ اصلاحی تعلق حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری خلیفہ حضرت تھانوی و صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سے قائم کیا اور سلوک وتصوف کے منازل طے کرتے رہے بعد ازاں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے تعلق قائم کیا اور ۱۳۹۵ ہجری میں خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ حضرت مفتی اعظم کے بعد مسیح الامت حضرت مسیح اللہ خان صاحب سے تعلق قائم کیا اور ۱۳۹۶ ہجری کو خلافت کا شرف حاصل کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے استاذ وشیخ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کی وساطت سے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ میں مدرس مقرر ہوئے اور اسی دوران صرف آٹھ ماہ میں آپ نے حفظ قرآن کی نعمت حاصل کی۔ شوال ۱۳۶۸ ہجری میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اپنے مدرسہ اشرف المدارس کی مدرسی کے لئے بلا لیا ایک سال یہاں درس وتدریس کا سلسلہ رہا بعد ازاں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے ہاں جلال آباد میں مدرسہ

مفتاح العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۳۷۴ ہجری میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی دعوت پر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں بطور استاذ الحدیث اور مفتی تشریف لائے اور تقریباً تیس چالیس سال حدیث وفقہ کی خدمات انجام دیتے رہے' ہزاروں تلامذہ ملک و بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے۔ جن پر شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثانی قدس سرہ جیسے رئیس المحدثین اور امام الفقہاء کی تصدیقات ثبت ہیں۔

بہرحال آپ کی دینی علمی' تدریسی فقہی اور روحانی واصلاحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ چند سال قبل دارالعلوم مظاہر العلوم حیدرآباد تشریف لے آئے اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ جلاتے رہے۔ آخر تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب پر سختی سے قائم رہے' مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے۔ مجلس کے اجتماعات میں ہر سال باقاعدگی سے تشریف لاتے تھے' بارہا حضرتؒ کی اصلاحی تقاریر ومواعظ سننے کا اتفاق ہوا۔ بارہا شرف ملاقات نصیب ہوا' آپ کی ناچیز کے ساتھ شفقتیں وعنایتیں بے بہا ہیں۔ ہمیشہ بندہ کے تصنیفی کاموں میں حوصلہ افزائی فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرتؒ سے آخری ملاقات گزشتہ سے گزشتہ سال حرم پاک میں حج کے موقع پر ہوئی اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی خدمت میں جہاں ان دنوں حضرت تشریف لائے ہوئے تھے حضرت مفتی صاحبؒ اس ناچیز کو اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت سے ملاقات کروائی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے بندہ کی کئی کتابوں پر اپنی رائے گرامی بھی تحریر فرمائی اور بندۂ ناچیز کی درخواست پر اپنے خودنوشت حالات بھی قلمبند فرما کر بھجوائے جو بندہ نے اکابر علماء دیوبند اور کاروان تھانویؒ میں شامل کئے ہیں' الغرض آپ کی خدمات جلیلہ اور آپ کی شفقتوں اور عنایتوں کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ ۲۱ مئی ۲۰۰۰ء بروز اتوار کاروان تھانویؒ کا یہ عظیم رکن ہم سے بچھڑ گیا۔ علمی و دینی حلقے سوگوار ہیں۔ حضرت ڈاکٹر شاہ حفیظ اللہ سکھرویؒ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور حضرت مفتی محمد وجیہؒ یہ تینوں بزرگ کاروان تھانویؒ کے عظیم افراد میں سے تھے اور ان کا اٹھ جانا عظیم نقصان ہے' حق تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مخدوم العلماء فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت اپنی نھیال موضع ارون ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ ہجری کو ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب النبی نکالا گیا۔ حضرت اقدسؒ کے والد ماجد فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ سلسلہ اشرفیہ کے معروف و مشہور بزرگ، صاحب تصانیف وافتاء جید عالم دین تھے اور عرصہ دراز تک حضرت حکیم الامتؒ مجدد الملت محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ اور انہی کے زیر سایہ رہ کر افتاء و تدریس، تصنیف و تالیف نیز تعلیمی و تبلیغی شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے، آپ کی تعلیم کی ابتداء تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے مدرسہ اشرفیہ سے قرآن پاک حفظ و ناظرہ، ریاضی، اردو، دینیات اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم سے ہوئی، اس کے ساتھ ہی بچپن ہی سے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت مجلس عام و خاص میں بھی حاضری کی دولت اور آپ کے ارشادات طیبات سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ پھر عربی فارسی کی ابتدائی اور بعض متوسط کتب ہدایہ، جلالین وغیرہ تک اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی رحمتہ اللہ علیہم جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور ۱۳۶۵ ہجری میں سند فراغ حاصل کی دوران تعلیم ہی ۱۳۵۹ ہجری میں اپنے والدین کے ہمراہ حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی اور مزید ایک سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، قاری حسن شاعر اور شیخ القراء حضرت قاری محی الاسلامؒ سے سبعہ اور ثلاثہ میں استفادہ کا موقع ملا اور قرأت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا

اور مدرسہ عربیہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں درس نظامی کی تدریس کرتے رہے' یہاں تک کہ پاکستان بن گیا اور آپ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں شہر کی قدیم جامع مسجد میں ایک مدرسہ قاسمیہ جاری کیا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں تقریباً چار ماہ کی نظر بندی کے زمانہ میں مدرسہ بند ہو گیا پھر رہائی کے بعد دوبارہ کوشش فرما کر آپ نے مستقل مدرسہ کے لئے جگہ حاصل کی اور یکم ربیع الاول ۱۳۷۰ ہجری سے باقاعدہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا' اس مدرسے کا نام حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کے نام پر' جامعہ حقانیہ رکھا' مدرسہ جامعہ حقانیہ میں اکابر کے مسلک ومشرب کے مطابق درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور آپ خود مدرسہ کے اہتمام اور انتظام کے ساتھ ساتھ مدرسہ میں اونچے درجہ کی کتابیں پڑھاتے رہے اور آخر تک خدمت افتاء بھی انجام دیتے رہے۔فقہ وافتاء میں آج آپ کا اعلیٰ مقام تھا اور مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے بعد آپ ہی مفتی اعظم اور فقیہ العصر تھے' تعلیم و تدریس' تبلیغ وارشاد اور تصنیف وتالیف میں بھی آپ کی خدمات جلیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ ہزاروں لوگ آپ کے فیض علمی وروحانی سے فیض یاب ہوئے اور ہزاروں کی اصلاح وتربیت فرمائی۔آپ نے بچپن ہی میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ سے اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کیا اور عرصہ دراز تک حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات علمی وروحانی سے سیراب وشاداب ہوتے رہے اور بالآخر خلافت واجازت سے نوازے گئے۔حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور انہوں نے بھی بہت جلد آپ کو اجازت بیعت وتلقین سے سرفراز فرمایا۔آپ فرماتے تھے کہ:

''شیخ الاسلام سیدی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم سیدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے شروع سے آخر عمر تک اس ناکارہ پر احسانات عظیمہ رہے' دونوں

حضرات کا مجھ ناکارہ پر بڑا احسان ہے اور وہ مجھ پر اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے تھے' حضرت والد صاحبؒ سے ان حضرات کا بہت گہرا تعلق تھا یہ حضرات ہمیشہ اس ناکارہ کی ہمت افزائی فرماتے تھے اور معمولی معمولی دینی خدمات پر اظہار خوشنودی فرماتے تھے۔''

بہرحال آپ ساری عمر انہی حضرات اکابر کے مسلک و مشرب پر سختی سے عمل پیرا رہے' سیاسی نظریات میں بھی انہی اکابر کے مقلد تھے۔ تحریک پاکستان' تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام اسلام میں بھی انہی حضرات اکابر کی زیر قیادت اہم کردار ادا کیا تھا۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسری' مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری' مولانا ظفر احمد عثمانی' مفتی محمد شفیع' مولانا خیر محمد جالندھری' مولانا محمد ادریس کاندھلوی' مولانا قاری محمد طیب قاسمی' مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی' علامہ شمس الحق افغانی' مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہم جیسے اکابر علماء کے محبّ و محبوب رہے اور ساری حیات درس وتدریس' تبلیغ و اصلاح اور تصنیف و تالیف میں گزاری ہمیشہ کلمہ حق بلند کیا اور انہی حضرات مذکورہ بالا کے ساتھ مل کر باطل نظریات اور لادینی فتنوں کا مقابلہ کرتے رہے' مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں جو مقبول عام ہوئیں۔ ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے جو عوام وخواص کی اصلاح کا ذریعہ بنے' دارالعلوم کراچی' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ خیر المدارس ملتان' جیسے عظیم دینی مدارس کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن رہے۔ موجودہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی تھے اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی شوریٰ کے بھی صدر نشین تھے۔ علم وعمل' زہد وتقویٰ اور اخلاق و اوصاف میں سلف صالحین کا نمونہ تھے اور اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ بزم اشرف کے روشن چراغ تھے جو بجھ گیا ایک شمع ہدایت اور عظمت کا مینار تھے جو گر گیا۔ اب ایسی عظیم ہستی کہاں پیدا ہوگی جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔

آہ! درس وتدریس' فقہ وافتاء' تبلیغ' ارشاد اور تصنیف وتالیف کی عظیم مسندیں بیک وقت خالی ہوگئی ہیں۔ ۶ شوال ۱۴۲۱ ہجری ۲ جنوری ۲۰۰۱ء کو آپ کی رحلت کے بعد علمی ودینی حلقوں میں ہر

طرف تاریکی چھا گئی ہے اور سناٹا ہی سناٹا ہے' پاکستان بلکہ عالم اسلام اپنے ایک عظیم مفتی' فقیہ' محدث' مفسر' عارف' شیخ اور ایک جید عالم دین سے محروم ہوگیا ہے' حق تعالیٰ شانہ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے اخلاق رشید خصوصاً برادرم جناب مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب کو ان کا سچا جانشین بنائے جو ان کے علم وعمل کے وارث ہیں۔ سب لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ تیرے در کی دربانی کرے

☆☆☆

رأس الاتقیاء حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

رأس الاتقیاء والاصفیاء حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس آخری دور میں ان چند عظیم ہستیوں میں سے ایک تھے جن کا علم وفضل' زہد وتقویٰ سادگی وتواضع اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اس زمانہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے' ایک سچے عاشق رسولؐ تھے اور اخلاق واوصاف میں اپنے اکابر واسلاف کی یادگار تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ ہجری میں ضلع بلند شہر (صوبہ یو۔ پی) کے ایک گاؤں ''بستی'' میں صوفی محمد صدیق صاحبؒ کے گھر ہوئی جو نہایت نیک اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے مولانا حافظ محمد صادق پنجابی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مولانا موصوفؒ ہی سے فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد حسن پور مراد آباد کے مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لے کر دو سال میں شرح وقایه' قدوری' کنز الدقائق' اصول الشاشی' شرح تهذیب' نور الانوار' نفحة الیمن اور شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ پھر شوال ۱۳۵۸ ہجری میں مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ میں داخل ہوئے اور مولانا فیض الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے مختصر المعانی اور سراجی وغیرہ پڑھیں۔ دیگر مدرسین سے ہدایہ اولین' حسامی' سلم العلوم' شرح عقائد وغیرہ کتب پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ہدایہ ثالث' دیوان متنبی' حماسہ' توضیح اور ملا حسن سے مظاہر العلوم میں اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ مدرسہ مظاہر العلوم میں اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور بخاری شریف جلد اول شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ سے اور مسلم شریف حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے ترمذی شریف' شمائل ترمذی' اور طحاوی شریف پڑھیں۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ سے نسائی' ابن ماجہ پڑھیں اور مولانا منظور احمد خانؒ سے موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' موطا امام محمدؒ اور دیگر کتب پڑھ کر ۱۳۶۳ ہجری میں سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت

کے بعد مدرسہ آثار ولی (قائم کردہ مولانا ولی محمد بٹالویؒ) اور پھر مدرسہ اسلامیہ کٹھور ضلع میرٹھ میں سال بھر تدریس و تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعدازاں مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جو کہ ضلع گوڑ گانوہ میں ایک سال تک پڑھایا۔ اس کے بعد ۱۳۷۳ ہجری میں کلکتہ چلے آئے اور ۱۳۸۱ ہجری تک یہیں قیام فرمایا اور متعدد مدارس دینیہ میں پڑھاتے رہے۔ کئی جدید مدرسے بھی قائم کئے۔ پھر شوال ۱۳۸۱ ہجری میں حج کے لئے چلے گئے اور وہاں سے واپس آ کر مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ حیات العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ حیات العلوم مراد آباد میں جو کتابیں زیر درس رہیں ان میں بیضاوی شریف' مسلم شریف' ابوداؤد شریف' طحاوی شریف موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔

رمضان ۱۳۸۴ ہجری میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حکم پر دارالعلوم کراچی چلے آئے اور تفسیر و حدیث کے اسباق کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کی خدمات بھی آپ کو سونپی گئیں۔ دارالعلوم کراچی میں تقریباً بارہ سال آپ کا قیام رہا۔ اس دوران ہزاروں طالبان علم و فضل کو آپ نے اپنے فیض علمی سے سیراب و شاداب کیا۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں بھی آپ کا فیض علمی و روحانی آخر دم تک جاری رہا۔ درس و تدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ سینکڑوں کتابیں آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جو مختلف موضوعات پر نہایت علمی و اصلاحی انداز سے لکھی گئی ہیں' جن میں ''مجانی الآثار من شرح معانی الآثار عربی' بتیح الروی بتخریج احادیث الطحاوی عربی' الفوائد السنیہ فی شرح الاربعین النوویہ' تفسیر سورۂ فاتحہ' حضرت ابوذر غفاری' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ' امت مسلمہ کی مائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں' صحابہ کرامؓ کی جانبازی' تذکرہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہ' پچاس قصے' چھ باتیں' مسنون دعائیں' شرعی پردہ' اخلاص نیت' اکرام المسلمین' فضائل علم مصیبتوں کے بعد ان کا علاج' اصلاحی مواعظ' مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ فضائل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ خواتین' خواتین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں' اصلاحی خطبات اور اس دور کی عظیم شاہکار تفسیر ''انوار البیان'' (۹ جلد) قابل ذکر ہیں۔

سلوک وتصوف میں آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور مدینہ منورہ ہی میں رہ کر حضرت شیخ الحدیثؒ سے سلوک کے منازل طے کئے اور بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔ پھر خود بھی ایک شیخ کامل اور عارف کامل بن گئے اور ہزاروں کی اصلاح کا ذریعہ بنے اور حرمین شریفین میں رہ کر دینی، علمی، تبلیغی واصلاحی خدمات میں مصروف رہے۔ آخر دم تک عبادات ومعمولات میں مشغول رہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۸ نومبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ صبح کی نماز حرم پاک خود جا کر با جماعت ادا کی۔ پھر قیام گاہ تشریف لائے اور صبح ساڑھے دس بجے تک قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہے اور پھر آرام کے لئے لیٹ گئے اور اسی دوران ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ ہے قابل رشک ایک ولی اللہ کی رحلت۔ پھر رات کو تراویح کے بعد حرم نبویؐ ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع کی خاک پاک نصیب ہوئی۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

☆☆☆

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف لدھیانہ تھا جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحبؒ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں صاحب الرویا کے لقب سے معروف تھے۔ آپ ۳ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے' ابتدائی اور ثانوی تعلیم مختلف دینی مدارس میں پڑھ کر آپ ۱۳۶۰ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ ہجری میں تمام علوم وفنون اور دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی' حضرت مولانا اعزاز علی امروہی' حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہم قابل ذکر ہیں' قرأت وتجوید کی کتب آپ نے حضرت قاری عزیر احمد صاحبؒ اور حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے دارالعلوم دیوبند ہی میں پڑھیں' فراغت کے بعد تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ ہجری میں مدرسہ مدینۃ العلوم حیدرآباد سندھ سے شروع کیا پھر صدر مدرس بنا دیئے گئے اور اسی سال شیخ الحدیث کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کا کام بھی سنبھالا اور اسی طرح ۱۳۶۹ ہجری تک آپ بیک وقت صدر مدرس اور مفتی رہے۔ ۱۳۷۰ ہجری میں آپ دارالعلوم ٹھیڑی تشریف لے گئے اور پھر ۱۳۷۶ ہجری میں حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حکم پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لے آئے اور ۱۳۸۳ ہجری تک آپ دارالعلوم کراچی ہی میں تدریسی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے' اس دوران سینکڑوں طالبان علم نے آپ سے استفادہ کیا اور شرف تلمذ حاصل کیا' تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور فتاویٰ نویسی اور شان تفقہ میں بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کے فتاویٰ احسن الفتاویٰ کے نام سے کئی جلدوں میں منظر عام پر آئے اور مختلف موضوعات پر ۱۰۰ سے زائد کتابیں شائع ہوئیں' مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ‘ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ‘ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کے فتاویٰ بھی مستند تسلیم کئے جاتے تھے ملک و بیرون ملک کے علمی حلقوں میں اس وقت آپ کا اعلیٰ مقام تھا‘ تدریسی و تصنیفی خدمات کے علاوہ آپ کی تبلیغی و اصلاحی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں‘ آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہ کی خواہش پر ناظم آباد کراچی میں جامعہ اشرف المدارس بھی قائم کیا اور اس سے ملحقہ خانقاہ اشرفیہ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا بعد ازاں اس ادارہ کو دارالافتاء والارشاد کے نام سے موسوم کیا جہاں اعلیٰ استعداد رکھنے والے علماء کو تمرین افتاء کے لئے داخل کیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ فیض باطنی اور تقویٰ اور استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت سے بھی مالا مال کیا جاتا تھا‘ یہاں کی نشست و برخاست کا مستقل درس شریعت محمدی کے مطابق جاری وساری رہتا تھا اور ہر آنے والا کچھ نہ کچھ دین کی سمجھ لے کر جاتا تھا۔ آخر دم تک تبلیغ دین واشاعت اور اصلاح و تربیت میں مصروف رہے‘ ہزاروں افراد نے ظاہری و باطنی علوم و عرفان حاصل کئے۔ آپ کی پوری زندگی شریعت مطہرہ کے مطابق گزری‘ ہمیشہ حق و صداقت کے علمبردار رہے اور لاکھوں دکھی انسانیت کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ الرشید ٹرسٹ قائم کیا جس سے لاکھوں افراد کو فائدہ ہوا‘ افغانستان کے لاکھوں لوگوں کی کفالت کا ذریعہ بنے اور بے لوث دین کی خدمت میں مصروف رہے‘ بہت سی دینی تنظیموں اور دینی مدارس کے سرپرست اور رکن رہے‘ ضرب مومن ہفت روزہ اخبار اور کئی روزنامے اور ماہنامے آپ کی سرپرستی میں شائع ہوتے رہے‘ ساری عمر حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کے مسلک و مشرب پر قائم رہے اور اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی روایات کے مطابق سلوک و تصوف کی خدمت بھی انجام دیتے رہے‘ دارالافتاء والارشاد اور الرشید ٹرسٹ اور نہ جانے کتنے کام آپ کر گئے جو آپ کے لئے صدقہ جاری ہیں‘ حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے‘ مجلس صیانۃ المسلمین آپ کی وفات کو عالم اسلام کا عظیم سانحہ قرار دیتی ہے اور آپ کی رحلت موت العالم موت العالم کا مصداق ہے۔

☆☆☆

شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کوٹ سلطان ضلع لیہ پنجاب کے رہنے والے تھے اور ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے' آپ کے والد ماجد ایک جید حافظ' عالم باعمل اور صاحب نسبت بزرگ تھے' آپ کے سب برادران ماشاء اللہ عالم وحافظ اور جید قاری ہیں اور مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں' حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ۱۳۷۴ ہجری مطابق ۱۹۴۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور ابتداء تا انتہاء تعلیم دارالعلوم کبیر والہ میں حاصل کی ۱۳۸۹ ہجری میں تمام علوم دینیہ پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی' اکابر اساتذہ خصوصاً شیخ الحدیث مولانا صوفی سرور صاحب مدظلہم جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحبؒ سابق مہتمم دارلعلوم کبیر والہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی' دوران تعلیم وبچپن ہی میں اکابر علماء ومشائخ سے تعلق قائم رہا اور حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسری' حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری' حضرت مولانا خیر محمد جالندھری' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمتہ اللہ علیہم جیسے اکابر علماء ومشائخ سے فیضیاب ہوتے رہے' سلوک وتصوف میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کے مجازین ومتوسلین سے تعلق قائم کیا اور حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے خلیفہ خاص حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے خلافت واجازت کا اعزاز حاصل کیا' بعد ازاں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اور حضرت ڈاکٹر شاہ حفیظ اللہ سکھروی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل کی' علاوہ ازیں سند فراغ حاصل کرنے کے بعد اپنے استاذ وشیخ ومربی حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم کے توسط سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں دارالعلوم کراچی پہنچ کر فتویٰ میں اعلیٰ مہارت حاصل کی اور حضرت مفتی اعظمؒ کے حکم پر پانچ چھ سال دارالعلوم کراچی میں رہ کر تدریس وافتاء کی خدمت بھی سرانجام دی۔ دارالعلوم کراچی سے واپس

آ کر دارالعلوم کبیر والہ میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور اپنے اساتذہ کرام حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحبؒ کی ہدایت پر بخاری شریف کا درس شروع فرمایا جو آخر دم تک دیتے رہے۔ اس طرح سے آپ نے کوئی تیس سال سے زائد تدریسی خدمات انجام دیں اور اس کے ساتھ ساتھ ملک بھر کے شہروں اور قصبوں میں تبلیغ و اصلاح کے اجتماعات اور مجالس میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری رکھا' ہزاروں افراد کی تبلیغ و ارشاد کے ذریعے اصلاح فرمائی اور بہت سے خوش نصیبوں کو مجاز بیعت و مرید بھی بنایا۔ جامعہ خیر المدارس ملتان' جامعہ امدادیہ فیصل آباد' جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا' دارالعلوم فیصل آباد اور لاہور' سکھر' کراچی پشاور اور دیگر بڑے چھوٹے شہروں کے دینی مدارس کے ممتحن بھی رہے اور مدارس کے اجتماعات میں کثرت سے علمی واصلاحی مواعظ حسنہ علماء و طلباء اور عوام و خواص کو مستفیض و مستفید فرماتے رہے' آپ کا شمار اس وقت پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ میں ہوتا تھا' آپ بیک وقت ایک عظیم محدث' فقیہ' مفتی' مفسر و مدبر' عارف اور شیخ کامل تھے۔

اتباع سنت کا مجسمہ اور زہد و تقویٰ میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے' اپنے اخلاق و اوصاف میں سلف صالحین کا نمونہ اور اسلاف کی یادگار تھے' انتہائی مشفق و مصلح و مربی و مہربان بزرگ تھے' مسلک و مشرب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے پیروکار تھے اور ان کے علوم و معارف کے عظیم ترجمان اور امین تھے' حضرت حکیم الامتؒ و خلفاء و متوسلین سے آخر تک تعلق رہا اور انہی کے نظریات سے وابستہ رہے' مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے عظیم مبلغ رہے اور دور دراز سفر کر کے مجلس کے اجتماعات میں شریک ہوتے رہے اور اپنے مواعظ سے لوگوں کو مستفید کرتے رہے۔ احقر راقم الحروف کی درخواست پر بھی مجلس صیانۃ المسلمین جام پور کے اجتماعات میں دو مرتبہ تشریف لائے اور مختلف مساجد و مدارس میں اصلاحی بیانات فرمائے جن سے جام پور کے عوام و خواص انتہائی درجہ متاثر اور مستفیض ہوئے' افسوس کہ آئندہ کے لئے ہم آپ کی زیارت و بیانات سے محروم ہو گئے۔ اکابر علماء کے محبّ و محبوب رہے خصوصاً اپنے شیخ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ' حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ مفتی عبدالشکور ترمذیؒ مولانا عبدالرحمٰن اشرفی' مولانا نذیر احمد فیصل آبادی اور مولانا وکیل احمد شیروانی سے

خصوصی تعلقات رہے اور ان حضرات کے ساتھ محبت کا ایک خاص تعلق رہا' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ احتشامیہ کراچی' جامعہ حقانیہ ساہیوال' جامعہ امدادیہ فیصل آباد اور جامعہ خیر المدارس ملتان تو حضرت مفتی صاحبؒ کے خاص تبلیغ اور ارشاد کے مراکز تھے۔ انتہائی باخلاق' ملنسار' متواضع' ہنس مکھ اور سادہ طبیعت کے مالک تھے' علماء کے قدر دان اور محبّ و محبوب تھے بہر حال اس مختصر مضمون میں حضرتؒ کی کونسی خدمت اور صفت کو تحریر میں لایا جائے' یہ چند صفحات عقیدت کے طور پر ہدیہ قارئین ہیں' حق تعالیٰ شانہ ہمیں حضرت مفتی صاحبؒ کے نقش قدم پر چلائیں اور حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین ثم آمین

☆☆☆

خطیب اسلام

حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ

ملک وملت کے عظیم مجاہد اور مایہ ناز خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ بھی ۸ربیع الاول بمطابق ۲۱ مئی ۲۰۰۲ء بروز منگل واصل بحق ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ پاکستان کے اکابر علماء دیوبند میں سے تھے اور ملک کے مشہور اور مایہ ناز عظیم خطباء میں آپ کا شمار ہوتا تھا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ' خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی' خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' خطیب ملت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ اور خطیب اسلام مولانا محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم خطباء پر پوری ملت اسلامیہ کو ناز تھا اور یہ حضرات دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر خطیب تسلیم کیے جاتے تھے۔ آہ آج وہ مسند خطابت بھی خالی ہوگئی اور عالم اسلام اپنے ایک اور عظیم خطیب اور جلیل القدر عالم دین سے محروم ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے' آپ کے والد ماجد حضرت مولانا غلام ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے' آپ جنوری ۱۹۳۲ء کو تحصیل ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنے والد مکرمؒ سے حاصل کی پھر دارالعلوم رحمانیہ ہری پور میں داخلہ لیا۔ دیگر اساتذہ کے علاوہ استاذ العلماء حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ سے خوب استفادہ کیا اور علوم متداولہ کی انہی سے تکمیل کی اور پھر اسی مدرسہ میں تین سال تک تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں' بعد ازاں ۱۹۵۴ء میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے لئے لاہور آنا ہوا تو کامیابی کے بعد مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں بطور مدرس ثالث آپ کا تقرر ہوا' اور تین سال تک تدریس وتعلیم میں مشغول رہے اور ساتھ ہی جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لے کر اکابر ومشاہیر علماء ومشائخ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسری' حضرت مولانا رسول خان ہزاروی' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا مفتی

جمیل احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہم سے علمی استفادہ کیا اور جس سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا' اس سال آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور سے سند الفراغ حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور پر جہاں قد آدم گڑھے تھے وہاں اللہ کا نام لے کر آپ نے محنت کی اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور تعمیر شروع کرائی۔ آج اللہ کے فضل وکرم سے یہی مسجد و مدرسہ ایک عظیم دینی یادگار تین منزلوں پر مشتمل ہے اور ہزاروں افراد علمی واصلاحی استفادہ کر چکے ہیں۔ آپ نے اس عظیم الشان مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا اور صبح وشام دو وقت درس قرآن کا سلسلہ رکھا' آپ کے اس درس نے لاہور میں ایک بڑا انقلاب پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی' آپ نے ملک بھر کے شہروں اور قصبوں میں اپنی خطابت کے جوہر دکھائے' دینی و تبلیغی جلسوں میں خصوصاً سیرت کے جلسوں میں آپ کو کثرت سے مدعو کیا جاتا تھا اور آپ نے دینی علمی تبلیغی و تدریسی سب ہی شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ملک کی ہر تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا تحریک ختم نبوت یا اسلامی نظام کی تحریک' ناموس رسالت کی تحریک ہو یا دفاع صحابہؓ کی تحریک آپ صف اول میں نظر آئے اور اس سلسلہ میں بارہا قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اس کے باوجود بھی آپ کے مجاہدانہ کردار اور پایۂ استقامت میں لغزش نہ آسکی' ہمیشہ حق وصداقت کا پرچم بلند رکھا' آپ نے جمعیت علماء اسلام کے قائد کی حیثیت سے بھی ملکی وسیاسی کاموں میں اہم کردار ادا کیا اور مغربی و مشرقی پاکستان میں تبلیغی وسیاسی دورے بھی کئے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری' حضرت مولانا عبداللہ درخواستی' حضرت مولانا مفتی محمود اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہم کے ساتھ مل کر بڑا کام کیا۔

آپ نے تبلیغ وتدریس اور دینی وملی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف کا کام بھی بڑے موثر انداز میں کیا اور کئی اہم تصانیف منظر عام پر آئیں جن میں ''آداب القرآن' شراب خانہ خراب' آداب دعا' تدریس القرآن' اور قربانی'' جیسے اہم موضوعات پر تصانیف قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ ایک عظیم اور مشہور خطیب ہونے کے باوجود اخلاق وکردار میں اسلاف کی یادگار تھے' نہایت متواضع' منکسر المزاج' خندہ جبیں اور ملنسار تھے۔ ایک

درویش صفت عالم وفاضل تھے ایک عظیم مجاہد' حق گواور حق وصداقت کے علمبردار تھے۔ جامعہ خیرالمدارس ملتان' جامعہ اشرفیہ لاہور اور کئی دوسرے مقامات پر آپ کی متعدد تقاریر سننے اور قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا' ہر طرح سے مولانا موصوفؒ کو بلند و بالا پایا' ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرمایا اور اپنی پرخلوص دعاؤں سے نوازا' افسوس کہ ہم اب آپ کی شفقت ومحبت سے محروم ہوگئے' سلوک وتصوف میں پہلے آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا دامن تھا مابعد ازاں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہے اور علمی وروحانی استفادہ کرتے رہے آخر میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے وابستہ ہوئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا اور سلوک کے منازل طے کرتے رہے' حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ سے بھی استفادہ کرتے رہے اور حضرتؒ کی آمد لاہور کے موقع پر حضرت مسیح الامتؒ کی مجالس سے بھی بھرپور استفادہ کرتے رہے اور حضرتؒ سے فیض حاصل کرتے رہے۔

بہرحال آپ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزاری اور تبلیغ و اصلاح کے ذریعے ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ آپ کی رحلت پورے عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے ایسے جلیل القدر عالم وخطیب صدیوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور آپ کی دینی یادگاروں کو ہمیشہ قائم ودائم رکھیں اور آپ کے فرزندارجمند مولانا محمد امجد خان کو آپ کا صحیح جانشین بنائیں۔ آمین

☆☆☆

مناظر اسلام

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ اس وقت اکابر علماء محققین میں سے تھے اور اپنے علم وفضل، اوصاف واخلاق اور تبحر علمی کے اعتبار سے جامع الکمالات شخصیت تھے، آپ یکم اکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ ہجری کو مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر کے گھر بمقام ''بھیں،، ضلع چکوال میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا کرم دین سے ہی حاصل کی جو بڑے جید عالم اور مناظر تھے۔ ۱۹۲۸ء میں گورنمنٹ ہائی سکول چکوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد تین سال اپنے آبائی گاؤں میں بطور ٹیچر پرائمری سکول میں پڑھایا، ۱۹۳۴ء میں اشاعت العلوم الاسلامیہ کالج سے ماہر تعلیم وتبلیغ کا کورس پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ سے دورۂ حدیث شریف موقوف کرنے کے بعد ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ جہاں وقت کے نامور علماء ومشائخ اساتذہ کرام سے فیض علمی وروحانی حاصل کیا، آپ کے اساتذہ حدیث میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی اور علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے بھی فیض روحانی حاصل کرتے رہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں تھانہ بھون حاضری دیتے رہے۔ مگر باقاعدہ حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد واپس چکوال آکر تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا اور باطل تحریکوں کے خلاف شمشیر برہنہ ثابت ہوئے، شرک وبدعات اور جہالت ورسومات کے خلاف آپ نے علی الاعلان جہاد کیا اور کلمہ حق بلند کیا۔

۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو امدادیہ جامع مسجد پنڈی روڈ پر جامعہ عربیہ اظہار الاسلام کی بنیاد رکھی

اور ۱۴ جولائی ۱۹۶۰ء کو جامعہ اہل سنت تعلیم النساء قائم کیا جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں طالبات قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کر چکی ہیں' علاوہ ازیں متعدد مقامات پر ملک بھر میں دینی تعلیم کے مدارس و مکاتیب قائم کئے۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت قاضی صاحبؒ نے تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی اور اس تحریک کے ذریعے باطل نظریات کی کھل کر تردید کی اور عوام وخواص میں اس تحریک کے ذریعے ذہنی انقلاب برپا کر دیا۔ ۱۹۸۹ء میں ایک دینی جریدہ ماہنامہ ''حق چاریار'' جاری کیا جواب تک جاری ہے۔ علاوہ ازیں درجنوں تصانیف مختلف موضوعات پر تالیف کیں' جنہوں نے مسلمانوں کے اندر فتنوں کے تعاقب کا جذبہ پیدا کیا' مرزائیت' رافضیت اور خارجیت کے فتنوں کا آپ نے خصوصیت سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کئی بار قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

بہر حال حضرت قاضی صاحب قدس سرہ ساری حیات تعلیم وتدریس' تبلیغ وارشاد' اصلاح وفلاح کی خدمت سرانجام دیتے رہے' ایک مرد حق ''عظیم مجاہد اسلام محقق ومصنف' مناظر ومتکلم اور عارف وشیخ کامل تھے۔ اتباع سنت کا پیکر اور تواضع سادگی اور اخلاق وعادات میں سلف صالحین کی یادگار تھے۔ افسوس کہ اتنی خوبیوں اور کمالات والی شخصیت ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء بمطابق ۳ ذی الحجہ ۱۴۲۴ ہجری بروز سوموار ہزاروں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہزاروں افراد نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور خادم علم دین متین کو ان کے گاؤں میں سپرد خاک کیا۔ اس طرح آج ہم ایک جید عالم دین' عظیم مفسر ومحدث' ایک عظیم مجاہد وقائد اہلسنت کے سایہ مبارک سے محروم ہو گئے۔ حق تعالیٰ شانہ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے مقدس مشن کو ہمیشہ جاری وساری رکھیں۔ آمین

☆☆☆

محقق عصر

حضرت مولانا شمس الحق جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ممتاز محقق عالم دین استاذ الحدیث حضرت مولانا شمس الحق جلال آبادیؒ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کے مشہور قصبہ جلال آباد کے روہیلہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ جلال آبادی کی زیر نگرانی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی۔ درجہ خامسہ تک کی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی اور متعدد کتب حضرت مسیح الامت جلال آبادیؒ سے بھی پڑھی۔ درجہ خامسہ تک کی تعلیم کے دوران آپ نے کئی کتب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی سے بھی پڑھیں جو ان دنوں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد انڈیا میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ بعد ازاں آپ نے تکمیل تعلیم اور دورۂ حدیث کی کتابیں جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھیں اور ۱۹۵۴ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے سند الفراغ حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ مولانا رسول خان ہزارویؒ شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اٹک والے وحضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد دو سال تک آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم حیدر آباد سندھ میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر فراغت کے تیسرے سال دار العلوم کراچی تشریف لے گئے اور آخر دم تک دار العلوم کراچی میں اونچے درجے کی کتب پڑھاتے رہے، اس دوران ہزاروں تشنگان علوم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ آپ کے تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مدظلہ اور شیخ الاسلام علامہ مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ جیسے اکابر اور جید علماء بھی شامل ہیں۔

حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ موجودہ دور کے جید اور اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے، آپ نے نصف صدی تک تعلیمی تبلیغی، تدریسی اور اصلاحی خدمات سرانجام دی ہیں، آپ ایک مایہ ناز

محقق عالم' فقہ وحدیث کے ماہر رمز شناس علم کلام اور فن مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے' بہترین واعظ' مدرس' منتظم' مدبر اور عارف کامل تھے۔

آپ نے اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے قائم رکھا۔ بقول آپؒ کے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۶ء تک حضرت مفتی اعظمؒ سے سلسلہ اصلاح وتربیت اور خصوصی تعلق قائم رکھا اور حضرت محمد شفیع صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور اصلاحی تعلق قائم کیا۔ اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے محبوب ومعتمد رہے' آپ نے اپنی زندگی میں تبلیغ دین کا بھی فریضہ بخوبی سر انجام دیا' مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے اجتماعات اور پروگراموں میں خصوصیت سے آپ کے اصلاحی وعلمی بیانات ہوتے تھے' آخر وقت تک مجلس سے وابستہ رہے' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ احتشامیہ کراچی اور دار العلوم کراچی کے دینی اجتماعات میں آپ کے بڑے علمی ومدلل بیانات ہوتے رہے' حضرتؒ کے بارہا بیانات سننے کا شرف حاصل ہوا آپ سلف صالحین کا عین نمونہ تھے۔ افسوس کہ آپ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء بروز جمعۃ المبارک کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

☆☆☆

عالمی مبلغ

حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تبلیغی جماعت کے عالمی مبلغ حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب فیصل آبادیؒ ایک ممتاز عالم دین، عظیم فقیہ، محدث، مبلغ اور سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ آپ جنوری ۱۹۱۷ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے پھر کچھ عرصہ بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، علامہ شمس الحق افغانی، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی اور علامہ یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہم آپ کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں جو علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب مانے جاتے تھے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے تعلیمی فراغت کے بعد ۱۹۵۱ء میں فیصل آباد آ گئے۔ اور ۱۹۵۲ء میں کچہری بازار کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے ابتدائی دور میں آپ مجلس احرار الاسلام سے وابستہ رہے پھر ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم پیپلز کالونی فیصل آباد کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ تدریسی و تعلیمی خدمات کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۴ء کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اسی طرح سے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے تدریسی اور تعلیمی اور تحریکی خدمات کے علاوہ زندگی کا بیشتر حصہ دعوت و تبلیغ میں گزارا اور اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کو سیکھنے اور سکھانے میں گزار دی۔ ملک و بیرون ممالک میں آپ اکثر و بیشتر تبلیغی جماعت کے پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔ اس طرح سے لاکھوں مسلمان آپ کے مواعظ حسنہ سے فیض یاب ہوئے اور ہزاروں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ کے بیانات عالمی اجتماع رائے ونڈ اور دیگر ممالک میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سنے جاتے تھے اور دور دراز سے سفر کر کے عوام وخاص آپ کے

بیانات سے مستفید اور مستفیض ہونے کے لئے آتے تھے۔ آپ ایک عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شیخ کامل بھی تھے۔

آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور خلافت واجازت کا بھی اعزاز حاصل کیا۔ خود بھی سینکڑوں افراد کی اصلاح فرمائی اور ساری حیات اپنے بزرگوں کے مسلک ومشرب پر قائم رہتے ہوئے دین حق کا پیغام ملت اسلامیہ کو باحسن طریق پہنچاتے رہے۔

آپ تقریباً چار سال صاحب فراش رہے۔ مگر اس دوران بھی تبلیغ ودعوت کی خدمات کرتے رہے۔ آپ نے پندرہ مئی ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ شام چار بج کر بیس منٹ پر ۸۷ سال کی عمر میں فیصل آباد میں رحلت فرمائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دوسرے روز دارالعلوم پیپلز کالونی فیصل آباد کے قریب پہاڑی گراونڈ میں نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔

نماز جنازہ میں ہزاروں عقیدت مندوں کے علاوہ ممتاز علماء وزعماء نے بھی شرکت کی۔ جن میں تبلیغی جماعت پاکستان کے امیر حاجی عبدالوہاب صاحب، شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی عبدالستار ملتانی جامعہ خیر المدارس، مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا محمد ازہر مدیر الخیر، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا محمد عالم طارق، مولانا محمد احسان الحق، قاضی حمید اللہ ایم این اے، مولانا مجاہد الحسینی، حافظ محمد طاہر محمود الاشرفی اور دیگر اہم شخصیات شامل ہیں۔ نماز جنازہ میں شریک علماء وزعماء نے حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کو عالم اسلام کا عظیم سانحہ قرار دیا اور آپ کی تبلیغی اور دینی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کو خراج تحسین پیش کیا، آپ انتہائی بااخلاق، ملنسار، متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ متعدد بار حج وزیارت کا شرف حاصل ہوا اور ساری زندگی تبلیغ وتدریس واصلاح، میں گزاری۔ حق تعالیٰ آپ کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

شیخ الحدیث

حضرت مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء' استاذ العلماء والفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد اپنے وقت کے ایک جلیل القدر محدث ومدبر' ایک عظیم مفسر ومفکر' عارف کامل اور شیخ العصر عالم باعمل تھے۔ ان کا علم وعمل' زہد وتقویٰ' اخلاق عالیہ مثالی تھا۔ وہ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔

حضرت شیخ الحدیث ۱۹۳۱ء کو روشن والا چک ۲۴۳ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے' وہوبہ ہائی سکول فیصل آباد سے ۱۹۴۸ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان سائنس کے ساتھ پاس کیا' کالج کے داخلہ کے عزم کے باوجود اپنے ماموں مولانا کرم الٰہی بی اے علیگ سے متاثر ہوکر اچانک دینی علوم کی تحصیل کا ذوق پیدا ہوا' جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مرید تھے۔ چنانچہ علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دارالعلوم ربانیہ فیصل آباد میں داخلہ لیا پھر مدرسہ اشرف الرشید روشن والا میں ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخل ہوئے اور ۱۳۷۶ ہجری بمطابق ۱۹۵۷ء میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری' حضرت علامہ محمد شریف کشمیری اور حضرت مولانا مفتی عبداللہ ملتانی رحمتہ اللہ علیہم جیسے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ نعمانیہ کمالیہ میں بحیثیت صدر مدرس آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں اپنے مادر علمی جامعہ خیر المدارس ملتان میں تقریباً گیارہ سال تک درس حدیث دیتے رہے' اس کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو والہ یار سندھ میں استاذ الحدیث کی حیثیت سے حدیث رسولؐ کے چراغ جلاتے رہے اور پھر حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحبؒ کے اصرار پر فیصل آباد تشریف لے آئے اور کئی سال تک ان کے مدرسہ دارالعلوم فیصل آباد میں شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد غالباً ۱۹۸۳ء میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے نام سے ایک عظیم الشان دینی درسگاہ قائم کی

جس کی بنیاد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے رکھی آج جامعہ امدادیہ فیصل آباد پاکستان کے عظیم دینی مدارس میں شمار ہوتا ہے جہاں سے ہزاروں طالبان علم سیراب وشاداب ہو چکے ہیں اور ملک و بیرون ممالک میں دینی، علمی وتدریسی خدمات میں مصروف ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث کی ساری زندگی قال اللہ و قال الرسول میں گزری اور ہزاروں تلامذہ نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے، علمی وتدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے تبلیغی و تصنیفی خدمات بھی سرانجام دیں جو انتہائی ناقابل فراموش ہیں، ملک بھر کے دینی مدارس میں آپ کے علمی واصلاحی بیانات ہوتے رہے خصوصاً جامعہ امدادیہ کے علاوہ جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ احتشامیہ کراچی اور دیگر مدارس دینیہ مراکز تبلیغ تھے جہاں علماء، صلحاء اور طلباء وعوام وخواص آپ کے علم واصلاحی بیانات کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے آپ قائد اور نائب صدر رہے اور مجلس کے پروگراموں میں ملک بھر کے دورے فرماتے رہے، اور عوام وخواص کو اپنے فیض علمی وروحانی سے فیض یاب فرماتے رہے، تدریسی وتبلیغی خدمت کے علاوہ بہت سی درسی کتابیں بھی تصنیف کیں، کئی درسی کتب کی شروحات لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں، علم حدیث میں مشکوٰۃ شریف کی شرح، اشرف التوضیح دو جلدوں میں شائع ہوئی جو ایک عظیم علمی خزانہ ہے۔ آپ کا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے منسلک ہے، آپ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد تھے، ہمیشہ سلسلہ اشرفیہ امدادیہ کے مسلک کے مطابق زندگی گزاری اور ہزاروں کی اصلاح فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحبؒ اپنے اخلاق وعادات اور اوصاف وکمالات میں سلف صالحین کا نمونہ اور یادگار تھے، نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے، ہمیشہ ہر ملنے والے سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور دل موہ لینے والی مسکراہٹ سے ہر خاص وعام کا استقبال کرتے تھے، بندہ ناچیز پر حضرت شیخ الحدیث کی بے پایاں عنایات ہیں، بندہ کی ہر تالیف کو دیکھ کر بڑی مسرت وخوشی کا اظہار فرماتے تھے، کئی تصانیف کے بارے میں تحریری طور پر اپنے تاثرات عالیہ بھی قلم بند فرما کر بندہ کے لئے ارسال کئے اور تعریفی کلمات سے نوازا۔

آپ انتہائی متواضع، ملنسار، خندہ جبیں اور لطیف الروح تھے، اتباع سنت کے پیکر اور اکابر دیوبند کے عاشق صادق تھے، عشق رسولؐ میں سرشار تھے، متعدد بار حج وزیارت حرمین شریفین کے لئے مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ تشریف لے گئے اور سعادت دارین حاصل کی۔ کئی بار ڈیرہ غازی خان جامعہ اسلامیہ اور مجلس صیانۃ المسلمین کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت کے لئے تشریف لائے اور ایک بار جام پور وکوٹ بودلہ بھی مجلس کے پروگرام میں تشریف لائے، واپسی میں بندۂ ناچیز کو بھی ڈیرہ غازی خان تک گاڑی میں اپنے ساتھ لے گئے اور اس طرح بندہ کو حضرت اقدس کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جب بھی ڈیرہ غازی خان تشریف لاتے بندہ ناچیز کو خط کے ذریعے مطلع فرماتے، یا پھر مولانا عبدالستار رحمانی صاحب کے ذریعے اپنے آنے کی اطلاع فرماتے تھے، متعدد بار حضرتؒ نے جامعہ امدادیہ کے سالانہ جلسوں میں شرکت کی دعوت دی صرف دو بار حضرتؒ کے حکم پر فیصل آباد حاضری ہوئی، گزشتہ سالانہ جلسہ ۲۰۰۳ء میں بندۂ ناچیز حاضر خدمت ہوا تو انتہائی شفقت ومحبت فرمائی اور اپنی رہائش گاہ کے ساتھ ہی ایک کمرہ میں قیام کی خصوصی عنایت فرمائی، نماز ظہر کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدظلہ، مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ اور دیگر علماء کرام کے ساتھ خصوصیت سے کھانے پر بلایا اور شفقت ومحبت کے ساتھ خصوصی دعاؤں اور کلمات خیر سے نوازا۔ بہت سے مدارس کے اجتماعات میں حضرتؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہر بار حضرتؒ نے بڑی شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا۔

بہر حال حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شفقتوں اور عنایتوں کے تذکرہ کے لئے تو ایک دفتر چاہیے وہ تو مجسمہ علم وعمل تھے۔ ادا، ادا سے علم اور عمل جھلکتا تھا، آپ کی شان علمی وروحانی کے بارے میں بندہ ناچیز کیا لکھ سکتا ہے، ایسے حضرت تو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، حضرتؒ کی ساری حیات طیبہ علم، عمل، زہد، تقویٰ، طہارت، اخلاق سے مزین تھی، ساری عمر علمی، تدریسی، تبلیغی، تصنیفی اور اصلاحی خدمات میں مصروف رہے، حق وصداقت ہمیشہ آپ کا شیوہ رہا، نہایت نفیس الطبع تھے عجز وانکساری اور تواضع کا پیکر تھے، مہمان نواز، قدردان اور علماء واولیاء کے محبّ ومحبوب تھے، غرض حضرت شیخ کی کس کس صفت کا ذکر کیا جائے۔

آہ! آج ہم حضرت اقدسؒ کی شفقتوں، عنایتوں اور پر خلوص دعاؤں سے محروم ہو چکے

ہیں۔ سب ہی شیوخ و اکابر اور مشفق و مہربان بزرگ ہم سے جدا ہو گئے' حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی' حضرت مولانا محمد شریف جالندھری سابق مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان' حضرت اقدس الشیخ مفتی سید عبدالشکور ترمذی' حضرت اقدس مفتی عبدالقادر کبیر والا رحمۃ اللہ علیہم اور اب میرے مشفق و مہربان و محبوب شیخ و بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جدا ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

۳ جولائی ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ صبح ساڑھے پانچ بجے عالم اسلام اپنے جلیل القدر عالم و محدث اور شیخ کامل سے محروم ہو گیا' علمی دنیا میں تاریکی چھا گئی' ہم سے ایک نعمت عظمیٰ چھن گئی' ان کا اٹھ جانا دراصل موت العالم موت العالم کا مصداق ہے' بس دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے حق تعالیٰ شانہٗ میرے مشفق و مہربان شیخ اقدس کی لحد مبارک پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆☆☆

مجاہد اسلام

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی نظام الدین شامزئی ۱۹۵۲ء میں سوات کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام حکیم حبیب الرحمٰن ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ''مولانا عبدالرحمٰن برتھانہ'' اور ''مولانا غلام محمد صاحب'' سے حاصل کی۔ بعدازاں مدرسہ مظہر العلوم سے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ فاروقیہ میں مولانا سلیم اللہ صاحب سے حدیث شریف کی تعلیم پائی اور ۱۹۷۰ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے درس نظامی کا آخری امتحان دیا اوراعلیٰ اعزازات کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء سے جامعہ فاروقیہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ اپنی فطری وخداداد صلاحیتوں اور علمی قابلیت واستعداد کے بل بوتہ پر آپ ۱۹۷۳ء میں ترقی کرتے ہوئے استاذ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بطور ''استاد حدیث ونگران تخصص فی الفقہ مقرر ہوئے۔

اسی دوران جستجوئے علم انہیں مولانا احمد الرحمٰن صاحبؒ کے پاس لے گئی' ان کی رفاقت میں رہتے ہوئے آپ نے بی کام کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور پھر ۱۹۹۰ء میں'' جام شورو یونیورسٹی'' سے ''شیوخ بخاری'' پر تھیس (مقالہ) مکمل کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان تعلیمی مساعی کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب جہاد افغانستان میں عملاً ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے ''ارگون اور خوست کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا ارسلان رحمانی اور مولانا جلال الدین حقانی کی قیادت میں بھی جہادی خدمات سرانجام دیں۔ طالبان کا ساتھ ابتدائی دور سے دیا اور قندھار' ہرات' جلال آباد کابل کی فتوحات میں بھی عملی شرکت کی۔ مفتی نظام الدین شامزئی ؒ نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے کیا اور بہت جلد ہی اس کے مرکزی رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔ وہ جمعیت کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ اس کے علاوہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے مرکزی رکن بھی تھے۔ جب تک

جہادی تنظیم جیش محمد کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا حضرت مفتی صاحب حرکت المجاہدین کے سرپرست اعلیٰ اوراس کے نمائندہ جریدے ''الہلال'' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔

جیش محمد کا قیام ان کی مساعی اور تائید ہی سے عمل میں آیا تھا لیکن بعدازاں وہ جہادی تنظیموں کے بعض رہنماؤں کے مابین ذاتی مخاصت کا قضیہ شرع ہونے اور پھران کے نامناسب رویے کے باعث دل شکستہ ہوکر کنارہ کش ہو گئے۔

انہوں نے اپنی تمام تر علمی صلاحیتیں طلباء دین کی تعلیم وتربیت کے لئے وقف کر دیں۔ حضرت مفتی صاحب متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے ان کی معروف تصنیفات میں ''پڑوسیوں کے حقوق' مسلمانوں کے حقوق' عقیدہ ظہور مہدی' فضائل مہدی' زیارت کے احکام وآداب' شرح مقدمہ صحیح مسلم اورشیوخ بخاری'' وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی علمی یادگار آپ کے وہ ہزاروں شاگرد ہیں جو پاکستان' افغانستان بنگلہ دیش اور یورپی و افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ آخری دم تک جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث کی مسند پر فائز رہے۔ مفتی صاحب کا نام سب سے پہلے اس وقت ملک بھر کے اخبارات کی زینت بنا تھا۔ جب ۱۹۹۹ء میں انہوں نے امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ اس فتویٰ کے باعث ملک بھر میں ہل چل مچ گئی تھی۔ یہ چونکا دینے والا فتویٰ انہوں نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کے دوران امریکہ کو حربی کافر قرار دیتے ہوئے دیا تھا۔ اس کے بعد سے مفتی نظام الدین شامزئی امریکی استعمار کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔ امریکہ نے جب اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر حملہ کا آغاز کیا تھا تو مفتی صاحب نے اس وقت بھی کلمہ حق بلند کرتے ہوئے طالبان کی اسلامی حکومت کے دفاع میں متعدد بیانات دیئے تھے اور اپنے انٹرویوز کے دوران بھی امریکی جارحیت کے خلاف اپنے دوٹوک موقف کو دہراتے ہوئے امریکہ کو ظالم اور جارح قرار دیا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ بعض قوتیں انہیں منظر سے ہٹانا چاہتی ہیں۔ ان کی نگرانی کی جاتی ہے اور بعض خفیہ اداروں کے اہلکار انہیں موقع بہ موقع تنگ کرتے رہتے ہیں۔ مفتی صاحب کے اپنے الفاظ میں کہ میں ہی جانتا ہوں جو ان دنوں مجھ پر گزر رہی ہے۔

اپنے آبائی وطن سوات کی مانند صاف شفاف اور نسیم صبح کی طرح راحت بخش ''مولانا مفتی نظام الدین شامزئی'' گزشتہ ۱۷ برسوں سے دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں تشنگان علم حدیث کی پیاس بجھانے میں مصروف تھے۔ چند برس پہلے راقم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا اور ان سے پہلی ملاقات کا تاثر بہت گہرا اور دیرپا ہے جو آج تک باقی ہے زبان و بیان پر یکساں قدرت رکھنے والے مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ پٹھان ہونے کے باوجود بہت شستہ اور نستعلیق اردو بولتے تھے۔ دھیمے اور باوقار انداز میں ہر سوال کا جواب مدلل اور نپا تلا ملتا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گفتگو میں رکھ رکھاؤ اور حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھنے کے باوجود اظہار حقیقت اور سچائی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سلف الصالحین کی روایات حسنہ کے امین اور انہی کی طرح جذبہ غیرت ایمانی سے سرشار تھے۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد اس غلط تاثر کی نفی بھی خود بخود ہو جاتی تھی جو طبقہ علماء کے حوالے سے بالعموم پایا جاتا ہے۔ وہ بے خبر نہیں بلکہ انتہائی باخبر انسان تھے۔ مقامی حالات ہوں یا ملکی حالات' عالمی سطح کے عیاروں شاطروں کی چالیں ہوں یا مذہبی بازی گروں کی قلابازیاں' امریکی و مغربی سازشوں کے سیاہ و سفید تانے بانے ہوں کہ عالم اسلام کے مسائل' مفتی صاحب کی سب پر گہری نظر تھی اور وہ بے شمار گہرے رازوں کے امین تھے۔ ان کی گفتگو میں انکشافات کی دنیا سمٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان سے پہلی ملاقات اس تاثر کے ساتھ حیرانی کا باعث بنی رہی کہ ایک فقیر منش سیدھی سچی اور سادی زندگی بسر کرنے والا عالم' دین و دنیا میں حد مساوات کس خوبی اور توازن سے برقرار رکھے ہوئے تھا اور یہی طرز عمل تھا جو ان کے تبحر علمی' سلاست فکر' بلندی کردار اور ان کی سنجیدگی و متانت کا معترف و اسیر بنا دیتا تھا۔ آج حضرت مفتی صاحب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی باغ و بہار اور متین شخصیت کا خوشگوار تاثر ہمیشہ دل کی آماجگاہ میں محفوظ رہے گا۔

مذہبی شخصیات کی ٹارگٹ کلنگ ایک منصوبہ کے تحت کی جارہی ہے اور حضرت مفتی صاحب جیسی شخصیت جو امریکی استعمار سمیت تمام لادین عناصر کے لئے مزاحمتی دیوار کی حیثیت رکھتی تھیں ان کا قتل محض دہشت گردی کا واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ مفتی صاحب کی زندگی کا ہر حوالہ تبلیغ دین اور جہاد پر مبنی تھا اور جو قوتیں افغانستان کے پس منظر میں دینی شخصیات کا تعاقب کر

رہی ہیں مفتی صاحب کی شخصیت ان کی ہٹ لسٹ پر تھی۔

مفتی صاحب کی شہادت کے بعد اب کم از کم یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ پاکستان میں شہر شہر میں کھلنے والے امریکن ایف بی آئی اور سی آئی اے کے خفیہ دفاتر سے مذہبی شخصیات کی قدم قدم نگرانی کی جارہی ہے۔ان کے آنے جانے کے معمولات سے لے کر ملنے ملانے کے اوقات کا ٹائم ٹیبل تک ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کوشہید کرنے کے لئے بھی ایف بی آئی اور سی آئی اے کے ایجنٹوں نے کردار ادا کیا ہے' ہمارے حکمران حسب معمول اس المناک واقعہ کو بھی ایک ایسی کارروائی قرار دے کر صبر وضبط اختیار کرنے اور پرامن رہنے کی تلقین کرتے رہیں گے۔ جس کا مقصد ملک کی اکانومی کو خراب کرنا ہے۔ حکومت کے علم میں تھا کہ حضرت مفتی صاحب افغانستان میں عملی جہاد کرنے اور امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کے باعث اہم ہدف تھے اور اس حوالہ سے حضرت مفتی صاحب نے ایک عرصہ پہلے بتایا تھا کہ ان کی جان کو خطرات لاحق ہیں انہیں مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جارہا ہے۔

حکومت نے مفتی صاحب جیسی اہم شخصیات کے تحفظ کے لئے کسی قسم کے اقدامات نہیں کئے۔ ۳۰ مئی کو رونما ہونے والے سانحہ میں امت مسلمہ بالعموم اور پاکستان کے مسلمان بالخصوص ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگئے جس کا نعم البدل ملنا ناممکن ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی بھی پورا نہیں ہوسکے گا۔اس سانحہ میں حضرت مفتی صاحب کے بیٹے' بھتیجے اور ایک محافظ سمیت متعدد افراد بھی زخمی ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی شہادت کی خبر ملک بھر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ غم وغصہ کے اظہار کے لئے سڑکوں پر نکل آئے اور ان کے سوگ میں بازار بند ہوگئے۔ ملک کی تمام نامور شخصیات نے حضرت مفتی صاحب کو دہشت گردی کی بہیمانہ واردات میں شہید کرنے پر افسوس اور غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے احتجاج کیا ہے کہ امریکی سازش کے تحت دینی شخصیات کا ٹارگٹ کلنگ کے واقعات اس بات کی ذلیل ہیں کہ اب پاکستان میں کوئی بھی دین دار شخص ہو کفر کو پسند نہیں ہے' محفوظ نہیں رہا اور خود اس ملک کی حکومت اپنے معزز شہریوں اور اہل علم کو تحفظ فراہم کرنے سے معذور ہوگئی ہے۔

مجاہد ختم نبوت

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ تشریف لے گئے جہاں اکابر علماء کرام سے آپ نے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی، شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہم آپ کے اساتذہ گرامی میں سے تھے، دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں مناظرہ اور دورۂ تفسیر پڑھ کر مہارت حاصل کی اور پھر مدرسہ مخزن العلوم خانپور میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حدیث وتفسیر پڑھتے رہے، فراغت تعلیم کے بعد علمی و تدریسی خدمات میں مصروف رہے، اسی دوران تقریر وتحریر کے ذریعے رد قادیانیت کے لئے زبردست کام کیا۔ تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا اور زندگی بھر تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرتے رہے۔ ملک و بیرون ممالک میں مرزائیوں کے خلاف تحریک چلائی اور قادیانیوں کو مناظرے کے لئے چیلنج کرتے رہے اور ہر مناظرے میں کامیابی حاصل کی، اس عرصہ میں بڑی تکالیف ومشکلات کا سامنا کیا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے مقدس مشن سے پیچھے نہیں ہٹے، سعودی عرب اور یورپ کے ممالک میں بھی آپ نے علماء کو قادیانیت کے خلاف مناظرہ پڑھایا اور دارالعلوم دیوبند میں بھی علماء کو فن مناظرہ کی تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ متعدد کتابیں قادیانیت کے خلاف لکھیں اور ربوہ جو قادیانیت کا گڑھ تھا اسے آزاد کرا کے ربوہ کی بجائے شہر کا نام چناب نگر آپ نے رکھوایا۔ آپ نے چنیوٹ شہر میں ایک دینی درسگاہ جامعہ عربیہ کے نام سے قائم کی جو آج ایک عظیم الشان دینی ادارہ ہے۔ آپ کی پوری زندگی تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور تبلیغ واصلاح میں گزری ہے، پوری دنیا میں تبلیغ دورے کئے اور زندگی میں ۳۵ مرتبہ حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی، آپ نے علمی ودینی

خدمات کے علاوہ ملکی وسیاسی حالات میں بھی بھرپور حصہ لیا ہے۔ آپ کئی بار اپنے شہر سے صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور شہر کی میونسپل کمیٹی کے چیئرمین بھی بنے۔ الغرض پوری زندگی دین وملت کی خدمت میں بسر کی' ایک جید عالم دین' خطیب ومقرر' مناظر بھی تھے اور ایک بلند پایہ سیاستدان بھی تھے' اخلاق وعادات میں سلف کا نمونہ تھے' تواضع وانکساری میں بلند مقام حاصل تھا۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم نہایت ملنسار تھے' بندہ ناچیز سے بڑی مشفقانہ محبت فرماتے تھے۔ بندہ نے متعدد بار اپنی کتابیں ان کی خدمت میں پیش کیں تو انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔ جام پور میں مجلس صیانتہ المسلمین کے مرکز تبلیغ' جامع مسجد عثمانیہ تشریف لائے اور ڈیڑھ دو گھنٹے بیان بھی فرمایا۔ نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے اکابر علماء دیوبند کے مداح تھے' اپنی کئی تصانیف بندہ کے لئے عنایت فرمائیں اور دعاؤں سے نوازا۔

آہ! اب ایسی خوبیوں کے مالک اور ایسے مجاہد ومناظر کہاں پیدا ہوں' بندہ نے متعدد باران کی تقاریر سنیں' جامعہ خیر المدارس ملتان میں متعدد باران کے پر جوش مناظرانہ بیانات سنے اور آخری بار جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں مولانا کا بیان سنا اور آخری ملاقات ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ مولانا مرحوم کی خدمت کے صلہ میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے صاحبزادوں کو ان کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆☆☆

جرنیل سپاہ صحابہ

حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اعظم طارق رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء میں چیچہ وطنی ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق راجپوت منج خاندان سے تھا۔ ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم ربانیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ابتدائی فارسی اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں پنجاب ہی کے مختلف مدارس میں رہ کر، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، علم کلام، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۴ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لیا، علوم حدیث کی تکمیل کے لئے جن اساتذہ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے ان میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رحمتہ اللہ علیہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ کے امتحان کے علاوہ ایم۔اے عربی، ایم۔اے اسلامیات امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے کراچی ہی میں تدریس وخطابت شروع کی، ۱۹۹۱ء میں آپ کراچی سے ترک سکونت کر کے جھنگ میں قیام پذیر ہوگئے اور جھنگ کی سیاسی وسماجی خدمات انجام دینے لگے، دسمبر ۱۹۹۱ء کے بلدیاتی انتخابات میں ان کی کالعدم مذہبی جماعت نے ۴۷ کے ایوان میں ۳۳ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو انہیں تنظیم کا نائب صدر بنا دیا گیا۔

۱۷ جنوری ۱۹۹۶ء کو لاہور میں بم دھماکے میں مورخ اسلام مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی ؒ کے شہید ہو جانے کے بعد مولانا محمد اعظم طارق صاحب جماعت کے سرپرست اعلیٰ بن گئے۔

آپ جھنگ کی مسجد کے خطیب تھے، تنخواہ سے گھریلو اخراجات پورے کرتے تھے۔ ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں آپ وہ واحد مذہبی رہنما تھے جو جیل میں ہونے کے باوجود کامیاب ہوئے۔

مولانا موصوف عجز وانکساری اور سادگی کا پیکر تھے اور دینی خدمات کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے جہاں اور جس وقت بھی دین کو ان کی ضرورت پڑی وہ وہیں نظر آئے۔ شجاعت و بہادری جرأت و حوصلہ مندی میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ ایک شعلہ بیان مقرر اور بہترین خطیب تھے۔ بڑی روانی کے ساتھ تقریر کرتے تھے اپنے موقف کی تائید میں ایسے وزنی دلائل پیش کرتے تھے جن کا مخالفین کے پاس جواب نہ ہوتا تھا۔

مولانا مرحوم نے نبی اکرم ﷺ کی مقدس ترین جماعت حضرات صحابہ کرام اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی عزت و ناموس کے تحفظ کو اپنی زندگی کا مشن قرار دیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں پیغمبر اسلام ﷺ کے جانثاروں اور وفا شعاروں کی توہین و تنقیص نا قابل برداشت ہے۔

انہوں نے مختلف حکومتوں کے سامنے فرقہ واریت کے خاتمہ کی تجاویز پیش کیں۔ انہیں اپنے درد اور فکر سے آگاہ کیا' فرقہ وارانہ کشیدگی کے اصل اسباب کی نشاندہی اور ان کے تدارک کی طرف توجہ دلائی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے قانونی راستے اختیار کئے ان کی یہ خدمات ملک کی تاریخ کا روشن حصہ ہیں۔

مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ نے جس انداز سے زندگی بسر کی ہے اور ایک مشن کو زندگی کا مقصد بنا کر اس کے لئے جو قربانیاں دی ہیں وہ بلاشبہ عزیمت و استقامت کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں' ان کے طریق کار سے کسی موقع پر اختلاف ممکن ہے یا ان کے کسی طرز عمل کے بارے میں دورائے ہو سکتی ہیں لیکن ان کے خلوص' اپنے مشن سے والہانہ وابستگی' کردار کی پاکیزگی' عشق صحابہ میں فنائیت اور عزم و استقلال' ہمت و شجاعت جیسی اعلیٰ صفات سے انکار نہیں کیا جا سکتا' اس شخص کے خلوص اور عزیمت و استقامت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے جو اپنی بھرپور جوانی کے کئی سال قید و بند میں گزار کر بالآخر اپنی جان پر کھیل گیا۔

مولائے کریم ان کی قربانیاں قبول فرمائیں آخرت میں انہیں درجات عالیہ سے نوازیں اور جملہ پسماندگان اور عقیدت مندوں کو صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین

سید قاری محمد اکبر شاہ بخاری کی دیگر تصانیف

تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین
خطبات احتشام (۶ جلد)
خطبات مفتی اعظمؒ
چالیس بڑے مسلمان ۲ جلد
اکابر علمائے دیوبند
خطبات ادریسؒ
ذکر خیر محمد
تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان
تذکرہ مفتی اعظم پاکستان
مفتی محمد حسن اور ان کے خلفاء
اکابرین مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان
دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات
خطبات طیبات
مقالات ترمذیؒ
حیات ادریسؒ
بیس علمائے ربانی
سیرت بدر عالمؒ
حیات ظفر عثمانیؒ

خطبات اکابر (۵ جلد)
حیات احتشام
مقالات مفتی اعظم
بیس علمائے حق
تذکرہ اولیائے دیوبند
خطبات مالکؒ
کاروان تھانویؒ
خطبات شیخ الاسلام پاکستان
مفتی اعظم پاکستان اور ان کے مفکر تلامذہ خلفاء
تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند
سلسلہ اشرفیہ کے سو بڑے علماء
ذکر طیبؒ (قاری محمد احتشامؒ)
تذکرہ خطیب الامتؒ
اصلاحی مواعظ حسنہ
ذکر متین
پچاس جلیل القدر علماء
سوانح جلیل
مقالات ظفر عثمانیؒ

تمت بالخیر

احادیث رسول ﷺ سے منتخب

ساٹھ ۶۰ دلچسپ واقعات

اُردو ترجمہ

ستون قصة رواها النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة الكرام رضي الله عنهم

مؤلف

محمد بن حامد بن عبد الوہاب

مترجم

مولانا خالد محمود صاحب

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

احادیث رسول ﷺ سے منتخب

۶۰ ساٹھ دلچسپ واقعات

احادیث رسول ﷺ سے منتخب

۶۰ ساٹھ دلچسپ واقعات

اُردو ترجمہ

ستون قصّة رواها النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة الکرام رضی اللہ عنہم

مؤلّف

محمّد بن حامد بن عبدالوہّاب

مترجم

مولانا خالد محمود صاحب

استاذ جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

بیت العُلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۱۲۳۸۳ے

نام کتاب — احادیث رسولؐ سے منتخب ساٹھ دلچسپ واقعات
اردو ترجمہ — ستون قصه رواها النبیؐ والصحابة الکرامؓ
مؤلف — محمد بن حامد بن عبدالوهاب
مترجم — مولانا خالد محمود صاحب (استاذ جامعہ اشرفیہ۔ لاہور)
باہتمام — محمد ناظم اشرف
ناشر — بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارۃ القرآن = اردو بازار کراچی
مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

فہرست

﴿مقدمہ﴾

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وأن محمّدًا عبده ورسوله.

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾(آل عمران: ١٠٢)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا''

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾(النساء: ١)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو''

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ٥ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾(الاحزاب: ٧٠، ٧١)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو، اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا''

امّا بعد! سب سے زیادہ سچی اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ

ﷺ کا طریقہ ہے اور دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنا بدترین کام ہے اور ہر نئی بات ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قصص اور واقعات انسانی نفوس پر گہرا اثر رکھتے ہیں اور خصوصاً جب وہ قصص اپنے تمام تاثیری عناصر و اسباب کے ساتھ پیش کئے جائیں تو انسانی ذہن ان کی طرف زیادہ مائل اور منجذب ہوتا ہے، نیز ان واقعات سے ایک اہم مقصد ہے اور وہ ہے عبرت و موعظت، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(الاعراف: ۱۷۶)

''یعنی آپ یہ واقعات بیان کریں تا کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام لیں۔''

نیز فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ﴾ (یوسف: ۱۱۱)

''یعنی انبیاء اور سابقہ امتوں کے ان قصوں میں عقلمند لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے یہ قرآن جس میں یہ قصے موجود ہیں کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کوئی واقعہ یا قصہ بیان کر کے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصلاح و تربیت کیا کرتے تھے، تا کہ ان کے دل مضبوط ہوں اور ارادے پختہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾(هود: ۱۲۰)

''یعنی ہم پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں''

محترم قارئین! قصص و واقعات کا یہ مجموعہ میں نے بہت سے قصوں سے منتخب کر کے تیار کیا ہے، میں نے اس سلسلے میں واقعہ کی صحت اور تنوع کا اہتمام کیا ہے۔ تقریباً ہر واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قاری، ناشر اور جامع سب کے لئے نافع بنائے۔

هو وليّ ذلك ونعم الوكيل

ابو مالک محمد بن حامد بن عبدالوھاب

۱۴۲۲/۳/۱۵ھ

(۱) ﴿سچی توبہ﴾

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سابقہ امت میں تین آدمی تھے وہ ایک دفعہ کہیں چلے جا رہے تھے کہ دوران سفران کو ایک غار میں رات گزارنا پڑی، چنانچہ وہ تینوں ایک غار کے اندر داخل ہو گئے، تھوڑی ہی دیر کے بعد پہاڑ سے ایک بڑا پتھر سرکا اوراس نے آکر غار کا منہ بند کر دیا۔ سب کہنے لگے کہ اس پتھر سے نجات اور خلاصی کی یہی صورت ہے کہ ہر آدمی اپنے نیک اعمال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے وسیلہ پیش کر کے دعا کرے، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے یوں دعا شروع کی کہ اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، میں ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتا تھا، ایک دن میں درختوں کی تلاش میں دور نکل گیا، جب شام کو واپس آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے، میں نے ان کے لئے رات کا دودھ دوہا، جب ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا تو وہ سوئے ہوئے تھے، میں نے ان کو جگانا پسند نہیں کیا اور مجھے یہ بات بھی اچھی نہ لگی کہ ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں، چنانچہ میں اسی حالت میں کہ دودھ کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا اوران کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ ساری رات گزر گئی اور صبح صادق ہوگئی اور بچے میرے قدموں میں بلبلاتے رہے، پھر وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دودھ نوش کیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو اس پتھر کی وجہ سے جس پریشانی میں ہم مبتلا ہیں اس کو دور کر دے، چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا کہ ابھی اس سے نکلنا مشکل تھا، پھر دوسرے آدمی نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی، وہ مجھے بہت پسند تھی، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں اس سے اس قدر محبت کرتا تھا جس قدر کوئی مرد عورت سے محبت کرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ، ایک دن میں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو وہ نہ مانی، حتیٰ کہ وہ قحط میں مبتلا ہوئی تو

میرے پاس آئی، میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ مجھے برائی کا موقع دے گی، وہ تیار ہوگئی، یہاں تک کہ جب میں نے اس پر قابو پالیا، ایک روایت میں ہے کہ جب میں اس کی دو ٹانگوں کے درمیان (مباشرت) کے لئے بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگی کہ خدا سے ڈرو، جائز طریقہ ہی سے پردہ بکارت زائل کرو، پس میں اس سے دور ہوگیا حالانکہ وہ مجھے بہت زیادہ محبوب تھی اور جو سونا میں نے اس کو دیا تھا واپس نہیں لیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس مصیبت سے ہمیں نجات دیدے جس میں ہم سب مبتلا ہیں، چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا مزید اپنی جگہ سے ہٹ گیا کہ ابھی اس سے نکلنا مشکل تھا، پھر تیسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! میں نے چند مزدور اجرت پر رکھے تھے، ایک آدمی کے سوا سب کی مزدوری میں نے ادا کردی، وہ آدمی جس کی مزدوری میں نے ادا نہیں کی تھی وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تھا، میں نے اس کی اجرت کو بڑھایا یہاں تک کہ اس سے اموال کثیرہ ہوگئے، پھر ایک عرصہ کے بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میری اجرت مجھے دے دو میں نے کہا کہ یہ اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام وغیرہ جو تجھے نظر آرہے ہیں یہ سب تیری ہی اجرت ہے۔'' اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میرے ساتھ مزاح نہ کر، میں نے کہا کہ میں تیرے ساتھ مزاح نہیں کر رہا ہوں، چنانچہ اس نے وہ سارا مال لیا، اور سارے جانور ہانک کر لے گیا، کوئی چیز نہیں چھوڑی، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا حاصل کرنے کے لئے کیا تھا تو ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا عطا فرما دے جس میں ہم سبھی مبتلا ہیں۔ چنانچہ وہ پتھر دور ہوگیا اور وہ تینوں اس غار سے نکل کر آگے کو روانہ ہوگئے۔

[اخرجه البخاری (۲۲۷۲) و مسلم (۲۷۴۳) و احمد (۲/۱۱۶)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ مصائب و مشکلات کے پیش آنے پر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنی چاہئے اور یہ تعمیل حکم بھی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾(غافر: ۶۰)
''یعنی تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کیا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

۲۔ نیک اعمال کو وسیلہ میں پیش کرنا جائز ہے۔

۳۔ کرب و بلا سے نجات حاصل کرنے میں بندہ کے تقویٰ کو بڑا دخل ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا:
﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا﴾(الطلاق: ۲)
''یعنی جو شخص تقوی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالی مصائب سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتے ہیں''

۴۔ اس حدیث سے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت گزاری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ ان کو دوسروں پر ترجیح دینا باعث فضیلت کام ہے۔

۵۔ پاکدامنی اور غیر محرم عورتوں سے دور رہنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۶۔ عقد اجارہ کا جواز معلوم ہوا جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا معاملہ ہے جو متعین قیمت پر ایک مدت کے لئے کسی منفعت کے حصول پر کیا جائے۔

قرآن کریم میں اس کی مشروعیت پر یہ آیت دلیل ہے: ''فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ'' (الطلاق: ۶) اور حدیث نبویؐ میں یہ فرمان دلیل ہے: ''تین اشخاص ایسے ہیں جن کا میں خود قیامت کے روز فریق بنوں گا، آپؐ نے ان تین افراد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آدمی جس نے کسی کو اجیر کے طور پر رکھا، اس سے پورا پورا کام لیا، لیکن اس کی اجرت اس کو نہیں دی۔'' [رواہ البخاری (۲۲۲۷)]

۷۔ اس سے حسن معاملہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں امانت کی ادائیگی اور فیض وسخاوت سے کام لینا بہت اچھا عمل ہے۔

۹۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاءِ کرام کی کرامات برحق ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

(۲) ﴿فرعون کی بیٹی کی خادمہ﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''معراج کی رات میں نے پاکیزہ خوشبو محسوس کی تو میں نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام! یہ عمدہ خوشبو کیسی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خوشبو اصل میں فرعون کی بیٹی کی اس خادمہ اور اس کی اولاد کی ہے جو (خادمہ) اس کا کنگھا کیا کرتی تھی، میں نے اس کا حال پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دن وہ بیٹھی فرعون کی بیٹی کے کنگھا کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے اچانک کنگھا گر گیا اور اس نے کہا 'بِسْمِ اللّٰہ'' فرعون کی بیٹی نے کہا کہ کیا یہ میرا باپ مراد ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں: بلکہ وہ اللہ جو میرا بھی اور تیرا بھی بلکہ تیرے باپ کا بھی رب ہے، فرعون کی بیٹی نے کہا کہ کیا میرے باپ کے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟! اس نے کہا کہ ہاں، اس نے کہا کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتاؤں گی؟ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، جاؤ بتا دو، چنانچہ فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو ساری بات بتا دی، فرعون نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ اے فلاں عورت! کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، میرا اور تمہارا رب، اللہ ہے۔ فرعون نے پیتل کی بنی ہوئی ایک گائے لانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ لائی گئی، اس میں پانی ڈال کر خوب گرم کیا گیا، پھر اس خادمہ کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈالا جانے لگا، خادمہ نے (اس دوران) کہا کہ میری ایک خواہش ہے؟ فرعون نے کہا کہ تیری کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو ایک ہی کپڑے میں ڈال کر ایک ساتھ دفن کر دیا جائے، فرعون نے کہا کہ ٹھیک ہے، تیری یہ آرزو پوری کر دی جائے گی۔ چنانچہ اس کے بچوں کو (پیتل کی اس) گائے کے اندر برابر ڈالا جاتا رہا یہاں تک کہ اس کے شیر خوار بچے کی نوبت آئی تو ماں اس کی وجہ

سے بے ہمت ہونے لگی تو بچہ نے کہا کہ اے اماں! مجھے بھی ڈال دو، کیوں کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہے"

[اخرجه احمد (۳/ ۳۰۹) والطبرانی فی الکبیر (۱۲۲۷۹) و ابن حبان (۲۸۹۲)]

فوائد حدیث

۱۔ جب فتنہ اور آزمائش کا دور ہو تو صبر اور ثابت قدمی دکھانی چاہئے۔

۲۔ بدلہ، عمل کی جنس میں سے ہے۔

۳۔ جو شخص اپنے دین پر قائم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کیا کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

"یعنی صبر کرنے والوں کو بے حساب پورا پورا اجر دیا جائے گا"

۴۔ معلوم ہوا کہ سرکش اور ظالم آدمی سے ایسے امر کا مطالبہ کرنا جائز ہے جس میں اس کی مصلحت موجود ہو، جس طرح اس عورت نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا کہ اس کی اور اس کے بچوں کی ہڈیاں اور ان کی راکھ کو ایک ہی جگہ میں دفن کیا جائے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے لئے مصائب و شدائد سے نکلنے کی راہ ضرور پیدا کیا کرتے ہیں۔

۶۔ صالحین اور صالحات کی کرامات ثابت ہوئیں۔

۷۔ جو کام خارق العادت (مافوق العادت) ہو اس کا تعلق بھی کرامات سے ہے۔

(۳) ﴿فرماں بردار اور نافرمان﴾

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ ”بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو باہم مقابلہ کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک گنہگار اور دوسرا عبادت گزار تھا، جو عبادت گزار تھا وہ دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر برابر یہی کہتا تھا کہ گناہ سے باز آ، گناہ سے باز آ، ایک دن ایسا ہوا کہ اس نے گناہ میں مبتلا دیکھ کر کہا کہ گناہ کو چھوڑ بھی دو، اس (گنہگار) نے جواب دیا کہ مجھے میرے رب کے سپرد کرو، کیا تم میرے نگران بن کر بھیجے گئے ہو؟ اس (عبادت گزار) نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کریں گے یا اس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل نہیں کریں گے، ان دونوں کی موت کا وقت آیا، دونوں کی ارواح قبض کی گئیں، پھر ان کو رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار آدمی سے فرمایا کہ کیا تو میرے حکم کو جانتا تھا؟ یا فرمایا کہ کیا میرے اختیارات کے سلسلے میں تجھے کوئی قدرت حاصل تھی؟ اور گنہگار شخص سے فرمایا کہ تم میری رحمت کے طفیل جنت میں داخل ہو جاؤ اور دوسرے کے لئے فرمایا کہ اس کو دوزخ میں لے جاؤ“

[اخرجه احمد (۲/۳۲۳) و ابوداؤد (۴۹۰۱)، ابن المبارک فی الزهد (۳۱۴) و ابن ابی الدنیا فی حسن الظن (۴۵) و البغوی فی شرح السنة (۱۴/۳۸۵)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کی ترغیب اور بدی سے روکنا چاہئے۔

۲۔ کسی کے روکنے اور منع کرنے سے برائی سے رک جانا چاہئے، اور تکبر اور عناد کی وجہ سے اپنے گناہ پر اڑے نہیں رہنا چاہئے۔

۳۔ مخلوق خدا کو اللہ کی رحمت و مغفرت سے ناامید نہیں کرنا چاہئے۔

۴۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا بھاری جرم ہے۔

۵۔ اللہ رب العالمین کی رحمت کی وسعت معلوم ہوئی۔

۶۔ جو شخص کسی دوسرے کو جنتی یا دوزخی قرار دے وہ درحقیقت اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

۷۔ اس حدیث سے اس شخص کی مذمت معلوم ہوئی جو مخلوق خدا کے درجات مقرر کرتا ہو کہ یہ شخص خوش بخت ہے اور یہ بد بخت ہے۔

(۴) ﴿چیونٹیوں کا بل اور خدا کے ایک پیغمبر﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ ایک چیونٹی نے خدا کے ایک پیغمبر کو کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کا سارا بل ہی جلا دینے کا حکم دیا اور وہ جلا دیا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی آئی کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے پر آپ نے ان کی پوری بستی جلا دی حالاں کہ وہ (چیونٹی) میری تسبیح میں مشغول تھی؟!!''

[اخرجہ البخاری (۳۲۱۹) و مسلم (۲۲۴۱) و ابوداود (۵۲۶۵) و احمد (۳۱۳/۲) والنسائی (۲۱۱/۷) و ابن حبان (۴۶۳/۷) والبغوی (۱۹۷/۱۲)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے حیوانات کا مار دینا جائز نہیں ہے اسی طرح چیونٹیوں کو مار ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی جانور موذی اور حملہ آور ہو تو اس کا قتل کرنا جائز ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ حیوانات بھی اللہ تعالیٰ کی فی الحقیقت تسبیح کرتے ہیں۔

۳۔ آگ میں جلانا سابقہ شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت (دین اسلام) میں آگ میں جلانا جائز نہیں ہے۔

۴۔ کسی رفیع الشان آدمی کا خلاف اولیٰ کام کا ارتکاب بھی قابل مذمت ہوتا ہے۔

۵۔ جنایت، بے قصور لوگوں تک متعدی نہیں ہوتی ہے۔ یعنی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہو وہی قابل سزا ہوتا، دوسرا نہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی بھی ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (فاطر: ۱۸)

''یعنی کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''

۶۔ خدا کا عذاب جب آتا ہے تو مجرم اور غیر مجرم نافرمان اور فرماں بردار سب اس کے شکنجے میں آتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال: ۲۵)

''یعنی اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں''

۷۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر یا اس کی تسبیح میں مشغول ہو تو ذکر الٰہی کے احترام میں اس کو قتل کرنے یا مارنے یا کوئی اذیت پہنچانے سے گریز کرنا چاہئے۔

(۵) ﴿رحمت خداوندی کی وسعت﴾

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''سابقہ قوم میں ایک آدمی تھا جس نے نو سو ننانوے آدمی قتل کئے تھے (اس کو ندامت ہوئی) اس نے لوگوں سے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ معلوم کیا تو اس کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس نے نو سو ننانوے آدمی قتل کئے ہیں، کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس راہب نے کہا کہ نہیں، یہ سن کر اس نے اس کو بھی قتل کر دیا، اس طرح سو کا عدد پورا کر دیا، پھر اس نے لوگوں سے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے ایک عالم کی طرف اس کی رہنمائی کر دی، چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس نے سو جانیں قتل کی ہیں، کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں، بالکل ہے، بھلا اس کے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ تم ایسا کرو کہ فلاں علاقہ میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے ملیں گے تم ان میں شامل ہو کر اللہ کی عبادت اور بندگی شروع کر دینا اور اپنے

علاقہ میں واپس ہرگز نہ آنا کیوں کہ یہ برا علاقہ ہے، چنانچہ وہ چل پڑا۔ ابھی آدھے راستہ پر تھا کہ موت کا وقت آ گیا، رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آپس میں بحث کرنے لگے، رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ یہ شخص توبہ تائب ہو کر اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے نکلا تھا اس لئے اس کی روح ہم قبض کریں گے، عذاب والے فرشتے کہنے لگے کہ اس نے تو کبھی کوئی نیکی ہی نہیں کی۔ اس لئے ہم اس کی روح قبض کریں گے، پھر ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا اور اس نے ان کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے کہا کہ دونوں زمینوں کے درمیان کا فاصلہ پیمائش کر لو جس طرف زیادہ قریب ہو اس کا حکم لگایا جائے، چنانچہ جب پیمائش کی گئی تو اس زمین (علاقہ) کے زیادہ قریب پایا گیا جس طرف جانے کا وہ ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو قبض کیا۔ [اخرجه البخاری (۳۴۸۰) و مسلم (۲۷۶۶)]

فوائد حدیث

۱۔ جو شخص کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو اسے چاہئے کہ اکابر علماء کے پاس جائے تا کہ وہ اس کی مشکلات کا کوئی حل نکال سکیں اور اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی سبیل بتا سکیں۔

۲۔ جو شخص عمداً اور دانستہ طور پر کسی کو قتل کر دے اور توبہ کرے تو اس کی توبہ صحیح ہے۔

۳۔ عالم کی عابد پر فضیلت معلوم ہوئی۔

۴۔ معلوم ہوا کہ گناہوں سے تائب شخص کو چاہئے کہ ان جگہوں سے بھی دور رہے جہاں اس سے گناہوں کا ارتکاب ہوا تھا۔

۵۔ نیز جو لوگ اس گناہ میں اس کے مدد اور معاون ثابت ہوئے ہوں ان سے بھی دور رہنا مستحب ہے۔

۶۔ ایسی جگہ کو تلاش کرے جہاں خیر و صلاح (نیکی) عام ہو اور اس کو اپنا مسکن بنائے تا کہ نیک کام آسانی سے کر سکے اور گمراہی اور لغزشات سے اپنے آپ کو

بچا سکے۔

۷۔ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی بات سے ناواقف ہو اور اس سے وہ بات پوچھی جائے تو اسے جواب میں کہنا چاہئے، اللہ اعلم، کیوں کہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا بھی نصف علم ہے۔

۸۔ جو عالم منصب قضاء پر فائز نہ ہو اس پر واجب نہیں ہے کہ دو مجرموں کے درمیان خدا کا کوئی حکم نافذ کرے جیسے حدیث ہذا میں مذکور عالم نے اس شخص کو جس نے سو جانیں قتل کرنے کا خود اعتراف کیا تھا، قید کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کے معاملہ کی زیادہ جستجو کی بلکہ اس کی توبہ اور ہجرت کی طرف رہنمائی کی۔

۹۔ اس حدیث سے اولاد آدم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے جس فرشتہ کو ان فرشتوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ انسانی صورت میں آیا تھا۔

۱۰۔ معلوم ہوا کہ فرشتے انسانی صورت میں متشکل ہونے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے اس فرشتہ نے انسانی روپ اختیار کیا جس نے رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین فیصلہ کیا۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بندے کی نیت اور عزم پر جزا دیتے ہیں خواہ اس نے کوئی عمل نہ کیا ہو۔

۱۲۔ ارواح کو قبض کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان تفاوت ہے، جو نیک ہوتا ہے اس کی روح کو رحمت کے فرشتے قبض کرتے ہیں اور جو بد ہوتا ہے اس کی روح کو عذاب والے فرشتے قبض کرتے ہیں۔

۱۳۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ بسا اوقات فرشتوں کو بندوں کے بعض احوال معلوم نہیں ہو پاتے، جیسے حدیث ہذا میں ملاحظہ ہوا، اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اس آدمی کے بارے میں ان کا جھگڑا نہ ہوتا۔

۱۴۔ جن فرشتوں کے سپرد انسانوں کے امور ہیں کبھی ان کے درمیان کسی مسئلہ میں اجتہادی اختلاف بھی ہو جاتا ہے جس کا وہ پھر بارگاہ خداوندی میں پیش ہو کر فیصلہ کرواتے ہیں۔

(٦) ﴿نیکی کا صلہ﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک شخص تھا اس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی لیکن جب وہ لوگوں سے لین دین کرتا تو اپنے ایجنٹ سے کہہ دیتا کہ دیکھو! جو آسانی سے مل جائے وہ لے لینا اور جس (مال) کے لینے میں عسرت اور تنگی ہو اس کو رہنے دینا اور درگزر کر دینا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری برائیوں سے درگزر کر دے، جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے کبھی کوئی نیکی کی تھی؟ اس نے کہا کہ نہیں، البتہ میرا ایک غلام تھا اور میں لوگوں سے معاملات کیا کرتا تھا جب میں اس کو تقاضہ کے لئے بھیجتا تو اس کو کہتا کہ جو کچھ آسانی سے حاصل ہو جائے وہ تو لے لینا اور جس کے حصول میں تنگی اور مشقت ہو اس کو چھوڑ دینا اور درگزر کرنا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس بہانہ) ہماری برائیوں سے درگزر کر دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تیری برائیوں سے درگزر کر دیا۔"

[اخرجه النسائی (۴۷۰۸) واحمد (۳۶۱/۲) والبخاری (۳۴۵۱) و مسلم (۱۵۶۰) والترمذی (۱۳۰۷) و ابن ابی شیبة (۲۵۰/۷) والحاکم (۲۹/۲)]

فوائد حدیث

۱۔ حدیث ہذا سے لوگوں کے سامنے نرم رویہ سے پیش آنے اور ان سے درگزر کرنے اور معاملات میں حسن معاملہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت معلوم ہوئی، تھوڑے عمل سے بھی عظیم اجر حاصل ہوسکتا ہے، دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ شخص کی مغفرت بھی فرمائی اور

برائیوں سے درگزر بھی کیا حالانکہ اس کے عمل قلیل تھے۔

۳۔ بندے ایک دوسرے کے ساتھ جیسا معاملہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، چنانچہ جو شخص سنگدل ہو اور درشت رو ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں اور جو شخص دوسروں کے ساتھ آسانی والا معاملہ کرتا ہو اور ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں۔

۴۔ اس حدیث سے اس بات کی ترغیب معلوم ہوئی کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور معاملہ وغیرہ کرنا چاہئے خصوصاً جب یہ چیز لوگوں کے لئے حصول نفع کا ذریعہ اور دفع مضرت (نقصان دور کرنے) کا سبب بنتی ہو۔

(۷) اصحاب اخدود کا واقعہ

حضرت صہیب الرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ گزرا ہے، اس کے پاس ایک ساحر تھا، جب وہ ساحر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں، مجھے ایک ہوشیار لڑکا دیا جائے تا کہ اس کو سحر کا علم سکھا دوں، چنانچہ بادشاہ نے اس کو ایک لڑکا علم سحر سیکھنے کے لئے دے دیا، اس کے راستہ میں ایک راہب یعنی عیسائی پادری رہتا تھا، وہ لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا، اس کو راہب کی باتیں اچھی لگنے لگیں، جب بھی ساحر کے پاس جانے کے لئے نکلتا تو اس راہب کے ہاں ضرور جاتا اور اس کی صحبت میں بیٹھتا اور جب ساحر کے پاس پہنچتا تو وہ اس کو (دیر سے آنے پر) مارتا، لڑکے نے راہب سے اس بات کی شکایت کی تو راہب نے کہا کہ جب تجھے ساحر سے کوئی خطرہ ہو تو کہہ دیا کرو کہ میرے گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے ڈر ہو تو ان سے کہہ دیا کرو کہ ساحر نے مجھے روک لیا تھا، سلسلہ یوں چلتا رہا، ایک دن اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے چوپایہ نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے، اس نے کہا کہ آج

معلوم ہوگا کہ ساحر افضل ہے یا راہب؟ چنانچہ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے تا کہ لوگوں کو گزرنے کا راستہ مل سکے، یہ کہہ کر اس نے وہ پتھر مارا اور وہ جانور ہلاک ہوگیا اور لوگوں کو گزرنے کا راستہ مل گیا، لڑکے نے آ کر راہب کو سارا واقعہ بتایا تو راہب نے اس سے کہا کہ اے بیٹے! آج سے تو مجھ سے افضل ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنے کام میں انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ اور عنقریب تو ایک آزمائش سے دوچار ہوگا، اگر تو کسی آزمائش میں مبتلا ہوا تو کسی کو میرا نہ بتانا، وہ لڑکا پیدائشی اندھے اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتا تھا اور لوگوں کا دیگر امراض میں بھی علاج کرتا تھا، بادشاہ کے ایک مصاحب نے اس کے متعلق سنا جو کہ نابینا تھا تو بہت سے ہدیے اور تحفے لے کر اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اگر تو مجھے شفاء دیدے تو یہ سب کچھ تیرے لئے ہوگا، لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفاء نہیں دیتا، شفاء تو اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں، اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کردوں گا وہ تجھے شفاء دیدے گا؟ وہ آدمی ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفاء دیدی، پھر وہ اپنے بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس اس طرح بیٹھا جیسے پہلے بیٹھا کرتا تھا، بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ یہ تیری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا کہ میرے رب نے میری بینائی لوٹائی ہے، بادشاہ نے کہا کہ کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، میرا اور تمہارا رب، اللہ ہے، بادشاہ نے اس کو پکڑا اور اس کو برابر سزا دیتا رہا یہاں تک اس نے بادشاہ کو لڑکے کا پتہ بتا دیا، چنانچہ لڑکے کو لایا گیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ اے بیٹے! تم اپنے سحر میں اس کمال کو پہنچ گئے ہو کہ پیدائشی اندھوں اور برص کے مریضوں اور دوسرے لاعلاج مریضوں کو ٹھیک کر دیتے ہو! لڑکے نے جواب دیا کہ میں کسی کو شفاء نہیں دیتا، شفاء تو اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں، بادشاہ نے اس کو پکڑا اور اس کو برابر سزا دیتا رہا حتیٰ کہ اس نے راہب کا پتہ بتا دیا، چنانچہ راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا، اس نے انکار کیا، بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور اس کے سر کے بیچ میں رکھ کر اس کو چیر دیا

اور اس کے دو ٹکڑے زمین پر گر پڑے، پھر بادشاہ کے اس مصاحب کو لایا گیا اور اس کو بھی اپنے دین سے پھر جانے کا حکم دیا گیا، اس نے بھی انکار کیا، چنانچہ اس کے سر کے بیچ میں آرا رکھ کر اس کو چیر دیا گیا، جس سے اس کے دونوں حصے زمین پر گر پڑے، پھر اس لڑکے کو لایا گیا اور اس کو بھی اپنے دین سے پھر جانے کا کہا گیا، لڑکے نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو اپنی ایک جماعت کے حوالہ کر کے کہا کہ اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور اس کے اوپر چڑھاؤ، جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے تو دیکھو کہ اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو چھوڑ دو ورنہ اس کو وہاں سے گرا دو، چنانچہ وہ لوگ اس لڑکے کو لے گئے اور پہاڑ کے اوپر لیجا کر گرانے لگے تو اس لڑکے نے کہا کہ اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں سے بچا جیسے تو چاہتا ہے، چنانچہ وہ پہاڑ ہلنے لگا اور وہ سارے اس سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم بادشاہ کے پاس چلا آیا، بادشاہ نے اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں رہ گئے؟ لڑکے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا، بادشاہ نے پھر اس کو اپنی ایک جماعت کے حوالہ کیا اور کہا کہ اس کو ساتھ لے جاؤ اور ایک کشتی میں سوار کرو پھر جب سمندر کے بیچ میں پہنچو تو دیکھو کہ اگر اپنے دین سے باز آ جاتا ہے تو چھوڑ دو ورنہ اس سمندر میں اس کو غرق کر دو، چنانچہ وہ لوگ اس کو ساتھ لے گئے، لڑکے نے پھر دعا کی کہ اے اللہ! آپ اپنی قدرت سے ان لوگوں کے شر سے میری حفاظت فرما"۔ چنانچہ وہ کشتی ہی الٹ گئی، سب غرق ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم واپس چلا آیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے اصحاب کا کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا، پھر اس لڑکے نے خود ہی بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے قتل نہیں کروا سکتا جب تک کہ تو میری بات پر عمل نہیں کرے گا، بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا بات ہے؟ لڑکے نے کہا کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کرو اور مجھے کھجور کے ایک تنا پر لٹکاؤ، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لو اور پھر اس تیر کو کمان کے بیچ میں رکھ کر بسم اللہ کہہ کر چلاؤ، اس طرح میں مر جاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے ایک وسیع میدان میں لوگوں کو جمع کیا اور اس کو کھجور کے ایک تنا پر لٹکایا، پھر اس کے ترکش سے ایک تیر لے کر اس کی کمان

کے بیچ میں رکھ کر کہا: ''بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الغلام'' (اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) پھر اس تیر کو چلایا تو وہ تیر سیدھا جا کر اس کی کنپٹی پر لگا، اس نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا جس جگہ پر تیر لگا تھا اور پھر مر گیا، اس عجیب واقعہ کو دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب رب غلام پر ایمان لاتے ہیں، ہم سب رب غلام پر ایمان لاتے ہیں، ہم سب رب غلام پر ایمان لاتے ہیں، کسی نے بادشاہ کو جا کر بتایا کہ آپ کو جس چیز کا خطرہ تھا وہ واقع ہو گیا، لوگ ایمان لے آئے، بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے مشورے سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھروا کر حکم دیا کہ جو شخص اپنے دین سے نہیں پھرے گا، اس کو آگ میں جلا دینگے چنانچہ بہت سے آدمی جلائے گئے، اس دوران ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا، اس کو آگ میں گرنے سے ذرا ہچکچاہٹ ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان! صبر کرو، کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

[اخرجه مسلم (۳۰۰۵) وأحمد (۶/۱۶) والترمذی (۳۳۴۰)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم کے بادشاہ اپنی ذاتی مصلحتوں کے لئے ساحروں اور کاہنوں کی خدمات حاصل کیا کرتے تھے۔

۲۔ سحر ایک حقیقت ہے جس کے باقاعدہ اصول وقواعد موجود ہیں۔

۳۔ جنگ وفساد کے موقع پر اپنی جان بچانے کیلئے جھوٹ بول دینا جائز ہے۔

۴۔ اپنے عقائد ونظریات پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔

۵۔ اولیاء کرام کی کرامات کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت کا نظریہ ہے۔

۶۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک مومن کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

۷۔ بسا اوقات اہل ایمان آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں اور دشمن کی طرف سے ان کو طرح طرح کی تکالیف پیش آیا کرتی ہیں۔

۸۔ خدا کی راہ میں جان کی بازی لگانا خودکشی میں قطعی طور پر داخل نہیں ہے۔

۹۔ مومن کو اہل کفر سے بغض و عداوت ہوا کرتی ہے۔
۱۰۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی حفاظت بھی فرمایا کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو ان کے تابع کر دیا کرتے ہیں۔
۱۱۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف آئے تو صبر سے کام لینا چاہئے۔
۱۲۔ اس حدیث سے دعوت الی اللہ کی فضیلت بھی معلوم ہوئی اور یہ امر بھی ثابت ہوا کہ داعی کو اپنی دعوت کی کامیابی کے لئے اپنی عزیز ترین چیز قربان کر دینی چاہئے۔

(۸) حضرت یوشع علیہ السلام کیلئے سورج کا رک جانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''نبیوں میں سے ایک نبی نے (دشمن کے خلاف) جہاد کا ارادہ کیا تو اپنی قوم سے فرمایا کہ میرے ساتھ ایسا شخص نہ چلے جس نے حال ہی میں شادی کی ہو اور اس کا شب زفاف منانے کا ارادہ ہو لیکن ابھی تک اس نے اپنی بیوی کے ساتھ شب زفاف نہ منائی ہو اور نہ وہ شخص میرے ساتھ چلے جو گھر کی تعمیر میں مصروف ہو اور ابھی تک اس نے گھر کی چھت نہ ڈالی ہو اور اسی طرح ایسا آدمی بھی میرے ساتھ نہ چلے جس نے بکریاں خریدی ہوں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں جن کے جننے کا اسے انتظار ہو، چنانچہ (یہ ہدایات دے کر) وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، جب اس بستی کے قریب پہنچے (جس پر لشکر کشی کا ارادہ تھا) تو عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، انہوں نے سورج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے سورج! تو بھی حکم کے تابع ہے اور میں بھی حکم کے تابع ہوں، اے اللہ! اس سورج کو ہمارے لئے روک دے، چنانچہ وہ سورج رک گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح نصیب فرمائی تو انہوں نے مال غنیمت جمع کیا، پھر اس مال غنیمت کو کھانے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے وہ مال غنیمت نہیں کھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم لوگوں میں ضرور کوئی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اس لئے ہر قبیلہ کا ایک ایک آمی میرے ہاتھ پر

بیعت کرے، چنانچہ (دوران بیعت) ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا، انہوں نے فرمایا کہ ضرور تم میں کوئی خائن ہے پس تیرا قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے (جب بیعت کی گئی تو) دو یا تین افراد کے ہاتھ ان کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گئے: انہوں نے فرمایا کہ تم میں کوئی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، چنانچہ وہ لوگ گائے کے سر کے برابر سونے کا ایک سر لے کر آئے جب اس کو بھی دوسرے مال غنیمت میں رکھ دیا گیا تو آگ آئی اور اس مال کو کھا گئی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دے دیا، اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھا تو ہمارے لئے مال غنیمت حلال کر دیا۔" [اخرجه البخاری (۳۱۲۴) و مسلم (۱۷۴۷) واحمد (۳۲۵/۲) و عبدالرزاق (۹۴۹۲) والبیهقی فی الکبری (۲۹۰/۶)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں پر بھی جہاد فرض تھا۔

۲۔ اہم امور ان لوگوں کے سپرد کرنا مناسب ہوتا ہے جو فارغ البال بھی ہوں اور ہوشیار و سمجھدار بھی ہوں۔

۳۔ جو شخص جہاد کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے تمام مشاغل سے یک لخت علیحدہ ہو جائے۔

۴۔ دنیا کا مال متاع، دل میں دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے۔

۵۔ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور اس کے فرماں بردار ہیں۔

۶۔ سابقہ شریعت میں مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال قرار دیا۔

۷۔ پتہ چلا کہ بنی اسرائیل میں بھی نیک صالح لوگ گزرے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد جیسا فریضہ سرانجام دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و مدد اور ان کو فتح و کامرانی سے ہمکنار فرماتے تھے۔

۸۔ چند نادان لوگوں کے عمل کی وجہ سے پوری جماعت قابل سزا ہو جاتی ہے۔
۹۔ مال غنیمت میں چوری کا ارتکاب گناہ ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں آگ نے مال غنیمت کو نہیں کھایا کیونکہ اس میں سے کچھ مال چرا لیا گیا تھا، حدیث پاک میں بھی ہے کہ ایک آدمی نے مال غنیمت کی ایک چادر چرا لی تھی تو سزا میں اس کی قبر آگ سے بھر دی گئی تھی، نیز فرمایا گیا ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس چیز کو اپنی پشت پر لادا ہوا ہوگا۔
۱۰۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں۔ نیز خدائی احکام میں انسانوں کی علتوں کو کوئی دخل نہیں ہے، کچھ ایسے بھی احکام شریعت ہیں جن کی حقیقت ہماری عقل نارسا سے باہر ہے، اس لئے ہم پر واجب اور ضروری ہے کہ ایسے احکامات کو بلا چون و چرا تسلیم کر کے ان پر دل سے ایمان لائیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں جیسے مذکورہ حدیث میں آگ کا آسمان سے اترنا اور مال غنیمت کو کھا جانا ایک غیر معقول امر ہے ہماری ناقص عقلیں اس کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ عقل تو کہتی ہے کہ یہ تو مال کا افساد ہے، لیکن اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے اس لئے ایسے احکام میں ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان پر طعن یا الزام لگائیں یا تنقید کریں یا ان کی عقل کے ترازو پر رکھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و حکم ہیں۔
۱۱۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے احکام کبھی تو امر باطنی کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی امر ظاہری کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۹) امانت داری اور وفاداری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی

اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے کسی آدمی سے کہا کہ اس کو ایک ہزار دینار ادھار کے طور پر دے دیئے جائیں (بنی اسرائیل کے) اس آدمی نے کہا کہ گواہ لے آؤ تا کہ میں ان کو اس معاملہ پر گواہ بنالوں۔ اس نے کہا کہ میرے لئے اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے، اس نے کہا کہ اچھا پھر کوئی کفیل لے آؤ، اس نے کہا کہ میرے لئے اللہ ہی کفیل کافی ہے، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، تو سچا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار مقررہ مدت کے لئے اس کو دے دیئے، پس وہ شخص بحری راستہ سے روانہ ہو گیا اور اپنی ضروریات کو پورا کیا، پھر اس نے سواری کے لئے کوئی کشتی وغیرہ تلاش کی تا کہ مقررہ مدت کے اندر اسکے پاس واپس پہنچ سکے لیکن اس کو کوئی کشتی نہ ملی، چنانچہ اس نے ایک لکڑی لے کر اس کو چھیلا اور اس کے اندر ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک رقعہ بھی اس صاحب کے نام رکھ دیا اور اس جگہ کو برابر کر کے مضبوطی سے بند کر دیا، پھر دریا کے کنارے آ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار بطور ادھار مانگے تھے اس نے مجھ سے کفیل کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی میرے کفیل ہیں، اس پر وہ راضی ہوا اور اس نے مجھ سے گواہ مانگے تو میں نے یہی کہا تھا کہ میرے لئے اللہ ہی بطور گواہ کافی ہے اس پر وہ راضی ہو گیا، میں نے اس کی رقم اس تک پہنچانے کے لئے خوب کوشش کی کہ مجھے کوئی کشتی مل جائے مگر مجھے نہ مل سکی، میں اس امانت کو تیرے حوالے کرتا ہوں (یہ کہہ کر) اس نے وہ لکڑی دریا میں پھینک دی اور خود واپس چلا آیا اور اپنے شہر جانے کے لئے کوئی کشتی وغیرہ ڈھونڈنے لگا، ادھر وہ آدمی جس نے اس کو قرض دیا تھا دریا کے کنارے آیا کہ دیکھتے ہیں کہ کوئی کشتی اس کا مال لے کر آئی ہے یا نہیں؟ اچانک اس کو وہی لکڑی نظر آئی جس کے اندر مال موجود تھا، اس نے وہ لکڑی اٹھالی کہ گھر میں ایندھن کے طور پر کام آئے گی لیکن جب اس نے اس لکڑی کو کھولا تو اس میں مال اور ایک رقعہ دستیاب ہوا، پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ شخص بھی آ گیا جس نے اس سے قرض لیا تھا اس نے آ کر ایک ہزار دینار پیش کئے اور کہا کہ خدا جانتا ہے کہ میں کشتی کی تلاش میں برابر کوشش کرتا رہتا کہ تیرا مال تجھے دے

سکوں لیکن اس کشتی سے پہلے اور کوئی کشتی مجھے نہ مل سکی جس پر سوار ہو کر حاضر ہو سکتا۔ اس نے کہا تو نے میری طرف کوئی چیز بھیجی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ اس کشتی سے پہلے جس میں سوار ہو کر میں آیا ہوں، مجھے کوئی کشتی نہیں ملی۔ اس نے کہا کہ تو پھر اللہ تعالیٰ نے تیرا اور قرض ادا کروا دیا ہے جو تو نے ایک لکڑی میں رکھ کر بھیجا تھا۔ لہٰذا تو اپنے یہ ہزار دینار لے اور واپس روانہ ہو جا۔"

[اخرجه البخاری (۱۴۹۸)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ کسی کو ایک مدت کے لئے قرض دینا جائز ہے اور پھر اس کی پوری پوری ادائیگی واجب ہے۔

۲۔ تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

۳۔ تجارت کی مشروعیت معلوم ہوئی، نیز معلوم ہوا کہ تجارتی معاملات زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں اور تجارت کی غرض سے ادھار لینا بھی جائز ہے جب کہ انسان کو یقین ہو کہ وہ اس کو ادا کر سکے گا۔

۴۔ ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنا جائز ہے کیونکہ ان واقعات سے وعظ و عبرت کا سبق حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ سمندر اور دریا میں تجارت کرنا اور بحری سفر کرنا جائز ہے۔

۶۔ انسان کو چاہئے کہ امانت و دیانت، صداقت اور خوف خدا جیسی صفات حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے۔

۷۔ کاتب پہلے اپنا ذکر کرے۔

۸۔ قرض اور ادھار کے معاملہ میں گواہ اور کفیل کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

۹۔ کم قیمت اشیاء جیسے لکڑی، کوڑا وغیرہ کہیں پڑا ہوا ملے تو اس کو اٹھا لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

۱۰۔ اولیاء کرام کی کرامات کا اثبات ہوا، جیسے اس حدیث میں ایک لکڑی جو سونے سے بھری ہوئی تھی متعینہ جگہ پر باحفاظت پہنچی اور صرف اس کے مالک نے اس کو وصول کیا، یہ امر بھی خوارق عادت میں سے ہے۔

(۱۰) ﴿اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک ابرص، دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا امتحان لے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، فرشتہ پہلے ابرص کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اچھا رنگ اور اچھی جلد، کیونکہ لوگ مجھ سے گھن کھاتے ہیں، (راوی کا) بیان ہے کہ فرشتہ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی، اور اس کا رنگ بھی خوبصورت ہوگیا اور جلد بھی اچھی ہوگئی، فرشتہ نے پوچھا کہ تمہیں کس طرح کا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ اونٹ، یا اس نے گائے کو کہا، (اسحاق بن عبداللہ کو) اس سلسلے میں شک تھا کہ ابرص اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کی خواہش کی تھی اور دوسرے نے گائے کی، (اس کی تعیین کے سلسلہ میں ان کو شک تھا) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا، پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ عمدہ بال اور میرا یہ عیب ختم ہو جائے، کیونکہ لوگ اس کی وجہ سے مجھ سے پرہیز کرتے ہیں (راوی کا) بیان ہے کہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا عیب جاتا رہا اور اس کے عمدہ بال آگئے، فرشتہ نے پوچھا کہ تمہیں کس طرح کا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا کہ گائے (راوی) بیان کرتے ہیں کہ فرشتہ نے اسے حاملہ گائے دے دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا، پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ

اللہ تعالیٰ مجھے بصارت دے دے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرشتہ نے ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت اس کو واپس کر دی پھر پوچھا کہ کس طرح کا مال تجھے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ بکریاں، فرشتہ نے اسے حاملہ بکری دے دی، پھر تینوں جانوروں کے بچے پیدا ہوئے (کچھ عرصہ کے بعد اتنی برکت ہوئی کہ) ابرص کے اونٹوں سے اس کی وادی بھر گئی، گنجے کے گائے بیل سے اس کی وادی بھر گئی اور اندھے کی بکریوں سے اس کی وادی بھر گئی، پھر دوبارہ فرشتہ اپنی اسی پہلی ہیئت وصورت میں ابرص کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، سفر کا تمام سامان واسباب ختم ہو چکا ہے اور آج اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مقصد برآوری کی توقع نہیں، لیکن میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مال عطا کیا، ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں جس سے اپنے سفر کی ضروریات پوری کرسکوں، اس نے فرشتہ سے کہا کہ حقوق اور بہت سے ہیں، فرشتہ نے کہا کہ غالباً میں تمہیں پہچانتا ہوں، کہیں تمہیں برص کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تم سے گھن کھایا کرتے تھے، تم ایک فقیر ومفلس تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں تمہیں عطا کیں؟ اس نے کہا کہ یہ ساری دولت تو پشت در پشت چلی آ رہی ہے، فرشتہ نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت میں لوٹا دے، پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اپنی پہلی صورت وہیئت میں اور اس سے بھی وہی بات کہی، اس نے بھی ابرص والا جواب دیا، فرشتہ نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے، اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اپنی اسی پہلی صورت وشکل میں، اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں اور مسافر ہوں، سفر کے تمام اسباب ختم ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مقصد برآوری کی توقع نہیں، میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں بصارت دی، ایک بکری مانگتا ہوں جس سے میں اپنے سفر کی ضروریات کو پورا کرسکوں۔ اندھے نے جواب دیا کہ واقعی میں اندھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بصارت عطا فرمائی اور واقعی میں فقیر وقلاش تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مالدار بنایا، تم جتنی بکریاں چاہو لے سکتے ہو،

خدا کی قسم! جتنا بھی تمہارا جی چاہے لے لو میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا، فرشتہ نے کہا کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھو، یہ صرف امتحان تھا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض اور ناخوش ہے۔''

[رواہ البخاری (۳۴۶۴) و مسلم (۲۹۶۴)]

فوائد حدیث

۱۔ نادار اور کمزور لوگوں کے ساتھ شفقت اور نرمی سے معاملہ کرنا چاہئے اور ان کی توقیر و تکریم کرنی چاہئے اور حتی المقدور ان کی مدد کرنی چاہئے ان کی دل شکنی یا ان کو حقیر جاننے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی بندوں کو آزمائش میں ڈالتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو آگے بیان بھی کرنا چاہئے اور ان کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے اور ان نعمتوں کی ناشکری یا ان کا انکار قابل مذمت ہے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ فرشتے انسانی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

۵۔ ثابت ہوا کہ عبرت و موعظت کی غرض سے کسی کا سابقہ عیب ذکر کرنا غیبت میں شامل نہیں ہے۔ شاید یہی راز ہو جو ان لوگوں کا نام ذکر نہیں کیا۔

۶۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ مجھے اولاً تو اللہ سے امید ہے پھر تجھ سے ہے تو یہ کہنا جائز ہے، شرک میں داخل نہیں ہے۔

۷۔ مال کی کثرت، اللہ کی محبت کی دلیل نہیں ہے، جن کو اللہ تعالیٰ مال دیتے ہیں ان کو امتحان میں ڈالتے ہیں۔

۸۔ صدقہ و خیرات کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۹۔ بخل اور کنجوسی کی مذمت معلوم ہوئی۔

(۱۱) ﴿ابلیس، انسان کا ازلی دشمن ہے﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت وشکل بنا کر ایک عرصہ تک چھوڑے رکھا جتنا عرصہ چھوڑے رکھنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا تو ابلیس لعین نے ان کی حقیقت دیکھنے کے لئے اردگرد چکر لگایا، جب اس نے دیکھا کہ وہ اندر سے کھوکھلے ہیں تو اس نے جان لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جس کو اپنے اوپر قابو نہیں ہے۔''

[اخرجه مسلم (۲۶۱۱) و احمد (۱۵۲/۳) وابن حبان (۶۱۶۳) والطیالسی (۲۲۹۷)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سیدنا آدم علیہ السلام مخلوق اور حادث ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمائی اور ان کی خوبصورت شکل وصورت بنائی۔

۲۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے وعدہ فرما رکھا ہے اور جو جنت اللہ کے اولیاء کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام اسی زمین کی تمام انواع سے تخلیق کئے گئے ہیں جس زمین پر ہم بستے ہیں۔

۴۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق جنت میں ہوئی اور پھر اسی جنت سے زمین پر اتارے گئے۔

۵۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت بنالی تو ایک عرصہ تک بغیر روح کے رہے، اس کی حکمت سے ہم ناواقف ہیں۔

۶۔ معلوم ہوا کہ ابلیس، دیگر فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا۔

۷۔ ابلیس، سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوا ہے۔

۸۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو بہکانے کی ٹھان رکھی تھی۔

۹۔ ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ برائی سے اجتناب کرے اور ابلیس کو اپنا ازلی دشمن خیال کرے۔

۱۰۔ شیطان ہی تمام معاصی وفواحش کی جڑ ہے، سب سے پہلے اسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی اور خدا تعالیٰ پر اعتراض کیا، اسی نے سب سے پہلے تکبر کیا اور حسد کیا اور وہی سب سے پہلے خود پسندی میں پڑا۔ فلعنة اللّٰه علیه .

(۱۲) حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت داؤد علیہ السلام بڑی غیرت والے نبی تھے، جب گھر سے نکلتے تو گھر کے دروازے بند کر دیئے جاتے، پھر واپس آنے تک کوئی شخص ان کے گھر داخل نہ ہوسکتا تھا، ایک دن گھر سے نکلے اور (معمول کے مطابق) گھر کے دروازے بند کر دیئے گئے تو تھوڑی ہی دیر بعد ان کی بیوی کی نظر پڑی تو دیکھا کہ کوئی آدمی گھر کے اندر کھڑا ہے، بیوی نے گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ آدمی گھر کے اندر کیسے آ گیا حالانکہ دروازے تو بند ہیں؟! بخدا! داؤد علیہ السلام تمہاری خوب بے عزتی کریں گے، اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آ گئے، انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے اندر کھڑا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ میں وہ شخص ہوں جو کسی بادشاہ سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا اور کوئی چیز میرے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی، داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم یقیناً موت کے فرشتے ہو، میں اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں، مرحبا، پھر جلدی سے اپنی جگہ پر گئے اور وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی، اور وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئے اور آفتاب ان پر طلوع ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے جسم مبارک پر سایہ کریں، چنانچہ پرندوں نے ان پر سایہ کئے رکھا یہاں تک کہ ان دونوں پر زمین تاریک

ہوگئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان پرندوں سے فرمایا کہ اب تم ایک ایک کر کے اپنے پَروں کو بند کرلو، چنانچہ ان پرندوں نے حکم کی تعمیل کی۔

فوائد حدیث

۱۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کی وفات کے متعلق بنی اسرائیل کی طرف سے جو یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ وفات سے پہلے وہ بیمار ہوئے تو ان کی قوم کے لوگ عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت گزاری کیلئے انہوں نے ایک خادمہ پیش کی، اس واقعہ کی تصدیق مذکورہ حدیث سے ہوتی ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ فرشتے انسانی صورت وشکل اختیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

۳۔ غیرت، شریف اور معزز لوگوں کی صفت ہے۔

۴۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی فضیلت معلوم ہوئی کہ کس طرح پرندے ان کے حکم کے تابع اور مطیع تھے۔

(۱۳) مجلس کے آداب

حضرت ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ بھی آپ کی مجلس میں حاضر تھے کہ تین آدمی آئے، ان میں سے دو آدمی تو رسول اللہ ﷺ (کی مجلس میں بیٹھنے کے لئے) آگے بڑھے اور تیسرا واپس چلا گیا، کچھ دیر تو کھڑے رہے، پھر ان میں سے ایک نے اس حلقہ میں گنجائش دیکھی اور وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا شخص لوگوں کے پیچھے کہیں جا کر بیٹھ گیا، تیسرا تو پیٹھ پھیر کر واپس چلا گیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ اپنے معمول سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''کیا میں تم کو ان تین آدمیوں کے بارے میں نہ بتا دوں؟'' ان میں سے ایک نے تو مجلس میں شرکت کی، تو اللہ نے بھی اس کو اس کا بدلہ دیا اور دوسرے نے حیا کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیا فرمائی (یعنی اس پر رحم کیا اور کوئی سزا نہیں دی) اور

تیسرے نے تو اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا۔"

[اخرجه البخاری (٦٦) و مسلم (٢١٧٦) و احمد (٥/٢١٩) والترمذی (٢٨٦٨)]

فوائد حدیث

۱۔ ایک عالم دین کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسی جگہ پر بیٹھے جہاں دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکیں۔
۲۔ درس و تدریس کے لئے مسجد میں بیٹھنا مستحب ہے۔
۳۔ علم و ذکر کی مجالس میں حلقہ بنا کر بیٹھنا مستحب ہے۔
۴۔ اگر مسجد کے اندر علم کی مجلس لگی ہو تو بلا عذر اس سے اٹھ کر جانا مکروہ ہے۔
۵۔ امیر مجلس کے قریب بیٹھنا مستحب ہے تاکہ آسانی سے اور واضح صورت میں اس کی بات کو سن سکے۔
۶۔ اگر کوئی باہر سے آئے تو جہاں حلقہ میں گنجائش ہو وہاں بیٹھ جائے ورنہ پیچھے بیٹھے۔
۷۔ مجلس میں اگر کوئی شخص قابل ستائش کام کرے تو اس کی تعریف کرنی چاہئے۔
۸۔ اگر کوئی شخص قابل مذمت کام کرے اور اس کا وہ کام آشکارا ہو جائے تو اس مذموم فعل کی اس کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔
۹۔ مجلس میں جو شخص پہلے آئے وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔
۱۰۔ مجلس میں آداب کا خیال رکھنا مستحب عمل ہے اور حلقہ میں کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑنی چاہئے۔
۱۱۔ جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا چاہئے۔

(۱۴) مغفرت خداوندی کا عجیب واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک آدمی تھا، وہ کہیں چلا جا رہا تھا، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی، وہ کنوئیں میں

اترا اور کنوئیں کا پانی پیا جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے زبان باہر نکالے ہوئے ہے اور پیاس کی وجہ سے مٹی کھا رہا ہے، اس نے (دل میں) کہا کہ اس کو بھی میری طرح سخت پیاس لگی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے منہ سے پکڑا اور پھر کنوئیں کے اوپر چڑھا (یعنی پانی لے کر باہر آیا) اور اس کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول کیا اور اس کی بخشش فرما دی۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، ہر تر جگر والے جاندار کے ساتھ سلوک کرنے میں اجر ہے۔'' [اخرجه البخاری (۲۳۶۳) و مسلم (۲۲۴۴)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث میں ترغیب دی جا رہی ہے کہ جو جانور قابل رحم ہو اور جس کا قتل جائز نہ ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

۲۔ اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو زاد راہ کے بغیر بھی سفر کرنا جائز ہے خواہ سفر کرنے والا تنہا ہو۔

۳۔ اس سے رحمت خداوندی کی وسعت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات تھوڑے عمل پر عظیم اجر عطا فرماتے ہیں۔

۴۔ عام گزرگاہوں پر کنوئیں بنانا جائز ہے۔

۵۔ مشرکین کے ساتھ خیر و مدارات والا عمل جائز ہے۔

(۱۵) جریج عابد کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گہوارہ میں تین بچوں کے سوا اور کسی نے گفتگو نہیں کی، ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرے کا نام جریج ہے، وہ بڑا عبادت گزار آدمی تھا، اس نے ایک

عبادت خانہ بنایا ہوا تھا، اور اسی میں رہتے تھے، ایک دن وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی والدہ آئیں اور اس کو پکارا: اے جریج! اس نے (دل میں) کہا پروردگار! ادھر میری والدہ مجھے بلا رہی ہے اور ادھر میں نماز پڑھ رہا ہوں (میں کیا کروں؟) آخر وہ اپنی نماز میں ہی مشغول رہے، والدہ واپس چلی گئیں، اگلے دن پھر آئیں اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، والدہ نے پکارا: اے جریج! انہوں نے پھر یہی کہا کہ پروردگار! میں کیا کروں؟ ایک طرف میری والدہ مجھے بلا رہی ہے اور دوسری طرف میں نماز پڑھ رہا ہوں، آخر وہ نماز ہی میں مصروف ہے، پھر جب اس سے اگلا دن آیا تو پھر ان کی والدہ ان کے پاس آئیں اور وہ نماز میں مشغول تھے، والدہ نے پکارا: اے جریج! جریج نے کہا کہ پروردگار! میں کیا کروں؟ ادھر میری والدہ مجھے بلا رہی ہے اور ادھر میں نماز پڑھ رہا ہوں، چنانچہ وہ (اس بار بھی) نماز میں ہی مشغول رہے اور نماز نہیں توڑی، اس پر ان کی والدہ نے (غصہ ہو کر) بددعا کی، اے اللہ! اس وقت تک اسے موت نہ آئے جب تک یہ زانیہ عورتوں کا چہرہ نہ دیکھ لے، جریج کی عبادت کا تذکرہ عام زبان زد ہونے لگا، ایک زانیہ عورت تھی جس کے حسن کی مثال دی جاتی تھی اس نے ایک دن بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہاری خاطر اس (جریج) کو فتنہ میں ڈال دوں؟ (راوی) کہتے ہیں کہ وہ زانیہ عورت ان کے سامنے آئی اور ان سے گفتگو کی لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا (یعنی اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کیا) پھر ایک چرواہے کے پاس آئی جو جریج کے عبادت خانہ میں قیام کیا کرتا تھا، اس عورت نے اس کو اپنے اوپر قابو دے دیا، چرواہے نے اس سے زنا کیا، اس سے ایک بچہ پیدا ہوا، عورت نے تہمت لگائی کہ یہ بچہ جریج کا ہے، ان کی قوم کے لوگ آئے اور جریج کو نیچے اتارا اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا، اور ان کو مارنے لگے، جریج نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ تم نے فلاں زانیہ عورت سے بدکاری کی ہے۔ جس سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، جریج نے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ چنانچہ وہ اس بچہ کو لے کر آئے، جریج نے کہا کہ مجھے نماز پڑھنے دو، جریج نے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد بچے کے

پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ اے بچہ! تمہارا باپ کون ہے؟ بچہ بول پڑا کہ فلاں چرواہا میرا باپ ہے، اس پر (ان کی قوم شرمندہ ہوئی اور) کہنے لگی کہ ہم آپ کا عبادت خانہ سونے کا بنائیں گے۔ لوگ ان کو چومنے لگے اور تبرکاً ہاتھ پھیرنے لگے، جریج نے کہا کہ نہیں، مٹی ہی کا بنے گا، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ (ایک اور واقعہ اس طرح ہے کہ) ایک بنی اسرائیل کی عورت تھی، اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، قریب سے ایک سوار نہایت وجیہ اور خوش پوش گزرا، اس عورت نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو بھی اسی جیسا بنا دے، بچہ نے ماں کی چھاتی کو چھوڑا اور ماں کی طرف متوجہ ہو کر بول پڑا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا، پھر اس کے سینے سے لگ کر دودھ پینے لگا، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جیسے میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں کہ نبی کریم ﷺ اپنی انگلی چوس رہے ہیں، بچہ کے دودھ پینے کی کیفیت بیان کرتے وقت، پھر ایک باندی اس کے قریب سے گزری جسے لوگ مار مار کر لے جا رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، تو نے چوری کی ہے، اور وہ کہہ رہی تھی کہ "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" اسے دیکھ کر اس عورت نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا، بچہ نے فوراً دودھ چھوڑا اور ماں کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنا دے، پھر دونوں کی باہم گفتگو ہوئی، عورت نے کہا کہ ایک خوش لباس اور وجیہ آدمی گزرا، میں نے کہا کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس جیسا بنا دے، مگر تم نے کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا، پھر اس باندی کو قریب سے لوگ لے کر گزرے جس کو وہ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو زانیہ ہے اور تو چورنی ہے، میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا مگر تم نے کہا کہ اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنا دے، بچے نے کہا کہ وہ سوار ظالموں میں سے ایک ظالم تھا، اس لئے میں نے دعا کی کہ اے اللہ! اس جیسا نہ بنانا، اور اس باندی سے جو لوگ کہہ رہے تھے کہ تم نے چوری کی ہے اور زنا کیا ہے، حالانکہ اس نے زنا بھی نہیں کیا تھا اور نہ چوری کی تھی، اس لئے میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنا دے۔" [اخرجه البخاری (۳۴۳۶) و مسلم (۲۵۵۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث مبارک سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت معلوم ہوئی، بالخصوص والدہ کے ساتھ نیک سلوک کی عظمت ظاہر ہوئی اور واضح ہوا کہ ماں کی دعا قبول ہوتی ہے۔
۲۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گار انسان کو اس کی پرہیز گاری کی وجہ سے مشکلات سے ضرور نجات دلاتے ہیں۔
۳۔ جب بہت سے امور متعارض ہوں تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اہم امر کونسا ہے۔
۴۔ جُب اپنی کسی حاجت یا پریشانی کے لئے دعا کرنی ہو تو پہلے وضو کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے۔
۵۔ معلوم ہوا کہ وضو کا حکم سابقہ شریعت میں بھی تھا۔
۶۔ اولیاء کرام کی کرامات کا اثبات ہوا نیز یہ کہ کبھی ان کرامات کا ظہور ان کی خواہش اور طلب کے مطابق بھی ہو جاتا ہے۔
۷۔ اگر اپنے کسی ماتحت آدمی سے ادب کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اس کے ساتھ رفق اور سلوک والا معاملہ کرنا چاہئے۔
۸۔ جو شخص اللہ کے ساتھ مخلص ہو کوئی فتنہ یا فساد اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔
۹۔ اگر اپنے اندر قوت پائے تو زیادہ عبادت اور ریاضت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
۱۰۔ زنا کے مرتکب کو کبھی عزت پائیدار حاصل نہیں ہوتی۔
۱۱۔ جب اہم امور درپیش ہوں اور خوف وخطرہ کا عالم ہو تو نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔
۱۲۔ اس حدیث سے حضرت جریج کی قوت ایمانی اور اللہ تعالیٰ سے توقع و امید کی

صحت معلوم ہوئی، اس لئے کہ ایک چھوٹا بچہ ان کی صداقت کی گواہی دینے کے لئے بول پڑا۔ حالانکہ عام طور پر اتنا چھوٹا بچہ نہیں بولتا۔

۱۳۔ تکبر، خود پسندی کی مذمت کے ساتھ جابر اور ظالم لوگوں کی برائی معلوم ہوئی۔

۱۴۔ معلوم ہوا کہ مظلوم آدمی کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ شیر خوار بچہ کبھی یہ دعا کرنا پسند نہ کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس باندی جیسا بنا دے۔

۱۵۔ ثابت ہوا کہ اگر والدین میں سے کوئی شرعی مقصد کیلئے بلائے تو نفل نماز توڑ دینا جائز ہے۔

۱۶۔ دلیل اور برہان کے بغیر کسی تہمت یا الزام کی تصدیق نہیں کرنی چاہئے۔

(۱۶) سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور موت کا فرشتہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند احادیث مبارکہ ذکر کیں، (جن میں سے ایک یہ تھی کہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ''موت کا فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ اپنے رب کے حکم کو قبول کریں (یعنی موت کے لئے تیار ہو جائیں) موسیٰ علیہ السلام نے اس فرشتہ کی آنکھ پر طمانچہ مار دیا جس سے اس کی آنکھ نکل گئی، (راوی کا) بیان ہے کہ پھر وہ فرشتہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ نے مجھے اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا جو موت کو نہیں چاہتا، اس نے میری آنکھ بھی نکال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو درست کر دیا اور فرمایا کہ میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ کیا تم زندگی کی چاہت رکھتے ہو؟ اگر تمہیں زندگی کی خواہش ہے تو اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دو، تیرے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اتنے سال تو زندہ رہے گا، (چنانچہ فرشتہ نے جا کر کہا تو) موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرشتہ نے کہا کہ اس کے بعد تمہیں موت آ جائے گی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اب قریب ہی ہے، پھر انہوں

نے دعا کی کہ پروردگار! مجھے مقدس سرزمین میں ایک پتھر کے پھینکنے کے فاصلہ پر موت دینا'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو کہ سرخ ٹیلے کے پاس راستہ پر واقع ہے۔''

[رواه البخاری (۱۳۳۹) و احمد (۲/۲۶۹)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ خدا کے پیغمبروں کو ارواح قبض کرنے سے قبل اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ یا تو زندگی کو اختیار کرلیں یا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آجائیں۔

۲۔ فرشتے، انسانی صورت میں آسکتے ہیں۔

۳۔ اکابر بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں جیسے انبیاء کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ، ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو قابل عفو و درگزر ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جائے اور گھر کا مالک اس کو نقصان پہنچائے تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔

۵۔ حملہ آور شخص کا مقابلہ اور دفاع کرنا جائز ہے بلکہ مارنے کی نوبت آئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ اگر دوسرا شخص جس پر حملہ کیا گیا ہو لڑائی میں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

۶۔ موت برحق ہے، اس سے کوئی مفر نہیں، اگر موت سے کوئی بچ سکتا تو انبیاء و رسل بچ پاتے۔

۷۔ موسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ملک الموت کے طمانچہ مار کر آنکھ ہی نکال دی، اگر موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے ہاں کوئی مرتبہ یا اعزاز نہ ہوتا تو ملک الموت ان سے سخت انتقام لیتے۔

۸۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور متقی بندوں پر اپنا فضل و احسان فرما کر ان کا اکرام کیا کرتے ہیں۔

۹۔ معلوم ہوا کہ مقدس اور مبارک مقامات میں جہاں صالحین کے مدفن اور قبور ہوں دفن ہونا مستحب ہے۔

۱۰۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک ایک پتھر کے پھینکنے کے فاصلہ پر بیت المقدس کے قریب ہے۔

(۱۷) ﴿ایک عبادت گزار کا واقعہ﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''بنی اسرائیل کا ایک عابد و زاہد آدمی تھا جس نے اپنے عبادت خانہ میں **اللہ تعالیٰ** کی ساٹھ سال عبادت کی تھی، ایک دن بارش ہوئی اور زمین سرسبز و شاداب ہوگئی، اس راہب (عبادت گزار) نے اپنے عبادت خانہ سے جھانک کر (دل میں) کہا کہ اگر میں نیچے اتر کر اللہ تعالیٰ کا ذکر وغیرہ کروں تو زیادہ نیکیاں ملیں گی، چنانچہ وہ نیچے اترا، اس کے پاس ایک یا دو روٹیاں تھیں، ایک دن وہ زمین پر بیٹھا تھا کہ ایک عورت اس کو ملنے آئی، وہ اس سے برابر باتیں کرتا رہا، وہ بھی اس سے باتیں کرتی رہی آخر اس راہب نے اس عورت سے ہمبستری کرلی، پھر اس پر غشی طاری ہوگئی پھر تالاب میں غسل کیلئے اترا تو ایک سائل آگیا، اور اس نے روٹی مانگی پس اس نے ایک یا دو روٹیاں لینے کا اشارہ کیا، پھر مر گیا، پھر اس کی ساٹھ سالہ عبادت کا اس بدکاری کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو اس کی بدکاری والا عمل اس کی نیکیوں پر بھاری ثابت ہوا، پھر ان نیکیوں کے ساتھ اس کی وہ ایک یا دو روٹیاں رکھی گئیں تو نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا اور اس کی مغفرت ہوگئی۔''

[اخرجه ابن حبان (۸۲۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اللہ کی عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا جائز ہے اور یہ عمل سابقہ امتوں میں مباح تھا۔

۲۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرتا ہے تو اس کی معرفت و محبت

اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ شیطان کبھی خیر خواہی اور نیک جذبہ کے دروازے سے آکر حملہ کرتا ہے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ عورتیں، مردوں کے لئے باعث فتنہ ہیں اور شیطان کا جال ہیں۔

۵۔ زنا اور بدکاری کی شدت اور قباحت معلوم ہوئی۔

(۱۸) ﴿نزول وحی کی ابتداء﴾

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ جس چیز سے شروع ہوا وہ سوتے میں سچے خوابوں کا نظر آنا تھا، آپ ﷺ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر اس طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی جیسے صبح کا اجالا، اس کے بعد آپ ﷺ کو تنہائی کا شائق بنا دیا گیا اور آپ ﷺ غار حراء میں گوشہ نشین رہنے لگے، اس غار میں آپ ﷺ عبادت کیا کرتے تھے، یعنی متعدد راتیں وہیں عبادت میں اس وقت تک مشغول رہتے جب تک کہ گھر والوں کا اشتیاق پیدا نہ ہو جاتا، آپ ﷺ اس کے لئے زاد راہ لے جاتے، پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور اگلی راتوں کے بقدر کچھ چیزیں لے کر واپس غار میں چلے جاتے (یہ سلسلہ جاری رہا) یہاں تک کہ حق (کے ظہور کا وقت) آگیا، آپ ﷺ اس وقت بھی غار حراء میں تھے، آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھو! آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر فرشتے نے مجھ کو پکڑا اور خوب زور سے بھینچا، یہاں تک کہ مجھے انتہائی تکلیف اور مشقت پہنچی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو! میں نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے دوسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور بھینچا، یہاں تک کہ مجھے انتہائی تکلیف اور مشقت پہنچی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو! میں نے اس بار بھی یہی کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، فرشتہ نے تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور خوب بھینچا، یہاں تک کہ مجھے انتہائی تکلیف اور مشقت ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ

الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ" اس کے بعد آنحضرت ﷺ ان آیتوں کے ساتھ مکہ واپس آئے، اس وقت یہ حال تھا کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خوف و ہراس جاتا رہا، تب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پورا واقعہ بتایا اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہؓ نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا کہ آپ ﷺ قطعاً خوف نہ کیجئے۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ ﷺ قرابت داروں سے حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں، آپ (دوسروں کا) بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ﷺ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لئے کماتے ہیں، آپ ﷺ مہمان کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور آپ ﷺ لوگوں کے حقیقی مصائب میں ان کی مدد کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آنحضور ﷺ کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں، ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے، اور عبرانی زبان میں انجیل کو لکھتے تھے اور وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور نابینا بھی ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا کہ اے ابن عم! اپنے بھتیجے کی روداد سن لیجئے! ورقہ بن نوفل، آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا، ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجتا تھا، اے کاش! میں اس وقت (اعلان نبوت کے وقت) جوان ہوتا، اے کاش! میں اس وقت زندہ ہی رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، رسول اللہ ﷺ نے (حیران ہوکر) پوچھا کہ کیا واقعی میری قوم مجھے (شہر سے) نکال دے گی؟! ورقہ نے کہا کہ ہاں، کیونکہ جب بھی کوئی شخص تمہاری طرح نبوت و شریعت لے کر آیا اس کے ساتھ دشمنی کی گئی، اگر میں ان ایام

میں زندہ رہا تو پوری طاقت اور قوت سے تمہاری مدد و حمایت کروں گا، لیکن اس کے بعد ورقہ بن نوفل زیادہ دن زندہ نہ رہے اور جلد ہی دنیا سے چلے گئے اور وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔" [اخرجه البخاری (۳) و مسلم (۱۶۰)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ معلم کو چاہئے کہ اپنے متعلم کو متنبہ کرتے وقت احتیاط سے کام لے اور اسے سبق پر پوری توجہ دینے کا امر کرے۔

۲۔ لوگوں کے ساتھ نیکی اور سلوک کی فضیلت معلوم ہوئی خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔

۳۔ حدیث ہذا سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اخلاق حسنہ کا پتہ چلا۔

۴۔ اچھے اخلاق انسان کو برے حالات سے بچانے کا سبب ہیں۔

۵۔ کبھی کسی مصلحت کے پیش نظر کسی کی منہ پر تعریف کرنا جائز ہے۔

۶۔ اس حدیث کے معلوم ہونے سے خوف زدہ انسان کو انسیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی وحشت دور ہوتی ہے۔

۷۔ حدیث ہذا سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قلبی قوت اور کمال عقل و دانش معلوم ہوتی ہے۔

۸۔ اس حدیث سے دوسری قوم کی زبان کے سیکھنے کا جواز معلوم ہوا جو کسی مصلحت پر مبنی ہو۔

۹۔ ادب معلوم ہوا کہ چھوٹا بڑے کو کس طرح مخاطب کرے۔

۱۰۔ معلوم ہوا کہ ہلاک شدگان کی کثرت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اور نجات یافتہ لوگوں کی قلت سے گھبرانہیں جانا چاہئے۔

(۱۹) ﴿مبارک خاندان﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عورتوں میں پٹکا باندھنے کا طریقہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) سے چلا ہے، انہوں نے پٹکا اس لئے باندھا تھا کہ سارہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کو دور کر دیں، (پٹکا باندھ کر خود کو خادمہ کی صورت میں پیش کر کے) پھر انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو ابراہیم علیہ السلام ساتھ لے کر نکلے، اس وقت ابھی آپ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں، اور بیت اللہ کے قریب ایک درخت کے پاس جو زمزم کے اوپر مسجد حرام کے بالائی حصہ میں تھا، انہیں لا کر بٹھا دیا، ان دنوں مکہ کسی بھی انسان کے وجود سے خالی تھا، اور ہاجرہ کے پاس پانی بھی نہیں تھا، ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ان کے لئے ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجور اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، پھر ابراہیم علیہ السلام روانہ ہوئے، اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! اس وادی میں جہاں کوئی بھی متنفس موجود نہیں، آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بار بار اس جملے کو دہرایا لیکن ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف دیکھتے نہیں تھے، آخر ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں، اس پر ہاجرہ رضی اللہ عنہا بول اٹھیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، چنانچہ وہ واپس آ گئیں، اور ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو گئے، جب وہ مقام ثنیہ پر، جہاں سے یہ لوگ آپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے، پہنچے تو آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اپنے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ .... یَشْکُرُوْنَ﴾ یعنی

"میرے رب! میں نے اپنے خاندان کو اس وادی غیر ذی زرع میں ٹھہرایا ہے......"

(قرآن مجید کی آیت) یَشْکُرُوْنَ تک آپ کے دعائیہ کلمات نقل ہوئے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انہیں دودھ پلانے لگیں! اور خود پانی پینے لگیں، آخر جب مشکیزہ کا سارا پانی ختم ہوگیا تو وہ پیاسی رہنے لگیں اور ان کے بیٹے بھی پیاسے رہنے لگے، وہ اب دیکھ رہی تھیں کہ سامنے ان کا لخت جگر (پیاس کی شدت سے) پیچ وتاب کھا رہا ہے یا کہا کہ زمین پر لوٹ رہا ہے، وہ وہاں سے ہٹیں، کیونکہ انہیں دیکھنے سے دل بے چین ہوتا تھا، صفا پہاڑی جو وہاں سے سب سے زیادہ قریب تھی، چڑھ گئیں، وادی کی طرف رخ کر کے دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی متنفس نظر آتا ہے لیکن کوئی انسان نظر نہ آیا۔ وہ صفا پہاڑی سے اتر گئیں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنا دامن اٹھالیا اور کسی پریشان حال کی طرح دوڑنے لگیں۔ پھر وادی سے نکل کر مروہ پہاڑی پر آئیں اس پر کھڑی ہوکر دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی متنفس نظر آتا ہے لیکن کوئی نظر نہ آیا، اس طرح انہوں نے سات مرتبہ کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے لئے سعی اسی لئے مشروع ہوئی'' (ساتویں مرتبہ) جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انہیں ایک آواز سنائی دی، انہوں نے کہا کہ خاموش! یہ خود اپنے ہی سے کہہ رہی تھیں اور آواز کیطرف انہوں نے کان لگا لئے، آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی، پھر انہوں نے کہا کہ تمہاری آواز میں نے سنی، اگر تم میری مدد کرسکتے ہو تو کرو، پھر انہوں نے زمزم کی جگہ پر ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی سے زمین میں گڑھا کھودا یا یہ کہا کہ اپنے بازو سے، جس سے وہاں پانی نمودار ہوگیا، حضرت ہاجرہ نے اسے حوض کی شکل میں بنا دیا اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کر دیا اور چلو سے پانی اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں، جب وہ بھر چکیں تو وہاں سے چشمہ ابل پڑا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ، ام اسماعیل پر رحم کرے، اگر زمزم کو انہوں نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلو سے مشکیزہ نہ بھرا ہوتا تو زمزم ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت اختیار کر لیتا، بیان کیا کہ حضرت ہاجرہ نے خود بھی پانی پیا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بھی پلایا۔ اس کے بعد ان سے فرشتے نے کہا کہ اپنے

ضائع ہونے کا خوف ہرگز نہ کرنا، کیوں کہ یہیں خدا کا گھر ہوگا، جسے یہ بچہ اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا، اب جہاں بیت اللہ ہے، اس وقت وہاں ٹیلے کی طرح زمین اٹھی ہوئی تھی، سیلاب کا دھارا آتا اور اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر لے جاتا، اس طرح وہاں ان کے شب و روز گزرتے رہے اور آخر ایک دن قبیلہ جرہم کے چند گھرانے، مقام کداء کے راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں انہوں نے پڑاؤ کیا، انہوں نے منڈلاتے ہوئے کچھ پرندے دیکھے، ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی اس وادی سے گزرے، یہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ پایا، آخر انہوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے، وہاں انہوں نے واقعی پانی پایا، چنانچہ انہوں نے واپس آکر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی، اب یہ سب لوگ یہاں آئے، راوی نے بیان کیا کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اس وقت پانی کے پاس ہی تھیں، ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں قیام کی اجازت دیں گی؟ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پانی پر تمہارا کوئی حق (ملکیت کا) نہیں ہوگا، انہوں نے اسے تسلیم کرلیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے تھے، ان لوگوں کی وجہ سے انسیت تو تھی ہی چنانچہ ان لوگوں نے خود بھی یہاں قیام کیا اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی بلوالیا، اور سب لوگ بھی یہیں آکر قیام پذیر ہوگئے، اس طرح یہاں ان کے کئی گھرانے آکر آباد ہوگئے، اور بچہ (اسماعیل علیہ السلام) جوان ہوا اور ان سے عربی زبان سیکھ لی، جوانی میں اسماعیل علیہ السلام ایسے تھے کہ آپ پر سب کی نظریں اٹھتی تھیں، سب کو آپ بھلے لگتے، چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے شادی کردی، پھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں اپنے چھوڑے ہوئے سرمایہ کو دیکھنے تشریف لائے، اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے، اس لئے آپ علیہ السلام نے ان کی بیوی سے ان کے متعلق دریافت فرمایا،

انہوں نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں، پھر آپ علیہ السلام نے ان سے ان کی معاش وغیرہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حالت اچھی نہیں ہے، بڑی تنگی ترشی میں گزر اوقات ہوتی ہے، اس طرح انہوں نے شکایت کی، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو بدل ڈالیں، پھر جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو جیسے انہوں نے کچھ انسیت سی محسوس کی اور پوچھا کہ کیا کوئی صاحب یہاں آئے تھے؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں، ایک بزرگ اس صورت کے یہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، میں نے انہیں بتایا کہ (آپ تلاش معاش میں باہر گئے ہوئے ہیں) پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہارے معاش کا کیا حال ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ ہماری گزر اوقات بڑی تنگی ترشی سے ہوتی ہے، اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ انہوں نے تمہیں کوئی نصیحت بھی کی تھی؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں، انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور کہہ گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو بدل دیں، اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے، اور مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں جدا کر دوں۔ اب تم اپنے گھر چلی جاؤ، چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے انہیں طلاق دے دی، اور بنو جرہم میں ایک دوسری عورت سے شادی کرلی، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، ابراہیم علیہ السلام ان کے ہاں نہیں آئے، پھر جب کچھ دنوں کے بعد تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر پر موجود نہیں تھے، آپ علیہ السلام ان کی بیوی کے پاس گئے اور ان سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا، انہوں نے بتایا کہ ہمارے لئے روزی تلاش کرنے گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کا کیسا حال ہے؟ آپ نے ان کی گزر بسر اور دوسرے حالات کے متعلق دریافت فرمایا، انہوں نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے، بڑی فراخی ہے، انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے کیا ہو؟ انہوں نے بتایا کہ گوشت، آپ نے دریافت فرمایا کہ اور پیتے کیا

ہو؟ بتایا کہ پانی، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے دعا کی، اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرما'' ان دنوں انہیں اناج میسر نہیں تھا، اگر اناج بھی ان کے کھانے میں شامل ہوتا تو ضرور آپ اس میں بھی برکت کی دعا کرتے، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ صرف گوشت اور پانی پر خوراک میں انحصار، مداومت کے ساتھ مکہ کے سوا اور کسی خطہ زمین پر بھی موافق نہیں'' ابراہیم علیہ السلام نے (جاتے ہوئے) فرمایا کہ جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا کہ یہاں کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا کہ جی ہاں، ایک بزرگ بڑی اچھی وضع وشکل کے آئے تھے، بیوی نے ان کی تعریف کی، پھر انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا اور میں نے بتا دیا، پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہارے گزر بسر کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں، اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ کو انہوں نے سلام کہا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں، اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بزرگ میرے والد تھے چوکھٹ تم ہو، اور آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں، پھر جتنے دنوں اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، ابراہیم علیہ السلام ان کے ہاں تشریف نہیں لائے، جب تشریف لائے تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے سایہ میں اپنے تیر بنا رہے ہیں، جب اسماعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے وہی طرز عمل ان دونوں نے اختیار کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے کر گزریئے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم بھی میری مدد کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس مقام پر ایک گھر بناؤں اور آپ نے

ایک اونچے مقام کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے چاروں طرف، چنانچہ ان دونوں حضرات نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی، اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے، جب دیواریں بلند ہو گئیں تو اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لائے اور اسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے رکھ دیا، اب ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام پتھر دیئے جاتے تھے اور یہ دونوں حضرات یہ دعا پڑھتے جاتے تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

''پروردگار! ہماری طرف سے قبول کیجئے، بے شک آپ بڑے سننے والے، بہت جاننے والے ہیں۔''

فرمایا کہ دونوں حضرات تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

''یعنی اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول کیجئے، بے شک آپ بڑے سننے والے، بہت جاننے والے ہیں۔''

[اخرجه البخاری (۳۳۶۴)، واحمد (۱/۲۵۳) و ابن حبان (۹/۳۶) مختصراً]

فوائد حدیث

۱۔ شوہر کو حکیم و دانا ہونا چاہئے تا کہ گھریلو مسائل حکمت و بصیرت سے انجام دے سکے۔

۲۔ ہجرت کی مشروعیت ثابت ہوئی کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور سب سے پہلے مہاجر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

۳۔ مشکلات کے باوجود ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خاندان کو ایسی بے آب و گیاہ زمین میں ٹھہرایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی کامل درجہ تعمیل فرمائی۔

۴۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی حفاظت اور نگہبانی کیا کرتے ہیں۔

۵۔ اپنے امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرنا اور اس ذات عالی پر توکل و بھروسہ کرنا انسان کی سعی وکوشش اور تدبیر کے خلاف نہیں ہے۔

۶۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور ان کا خدا تعالیٰ پر کامل اعتماد اور کامل معرفت، تنگ حالی اور حالت مسافرت پر راضی رہنا معلوم ہوا۔

۷۔ معلوم ہوا کہ فرشتے بھی کبھی نیک لوگوں سے کلام کیا کرتے ہیں اور ان کو ان کے لائق درجہ و مقام کی خوشخبری دیتے ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اثبات ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بے جان پتھر سے کس طرح پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

۹۔ آب زمزم کی فضیلت معلوم ہوئی، نیز یہ کہ زمزم کا پانی حضرت جبریل علیہ السلام کی ضرب کا اثر ہے اور یہ پانی روئے زمین پر موجود ہر قسم کے پانی سے افضل ہے۔

۱۰۔ معلوم ہوا کہ باپ کو چاہئے کہ اپنی اولاد کے لئے مناسب امور کی نصیحت و وصیت کرے۔

۱۱۔ صفاء ومروہ کی سعی اصل میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی یادگار ہے۔

۱۲۔ پانی کا مالک دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے، اور اس کو چاہئے کہ ضرورت سے زائد پانی محتاج اور ضرورت مند کو دیدے۔

۱۳۔ صالحین کا کھانے پینے میں برکت کی دعا کرنا مستحب ہے۔

۱۴۔ معلوم ہوا کہ دوستوں سے ملاقات کے وقت فرحت و انبساط کا اظہار کرنا چاہئے۔

۱۵۔ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے عربی زبان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کلام کیا۔

۱۶۔ معلوم ہوا کہ وقفے وقفے سے اہل و اولاد سے ملنے جانا جائز ہے اور وقتاً فوقتاً ان

کے یہاں جا کر ان کی خبر گیری کرنا مشروع ہے۔

۱۷۔ مکہ معظّمہ کے گوشت اور پانی کی برکت ثابت ہوئی۔

۱۸۔ عزیز و اقارب کے درمیان تعاون کی فضاء قائم رکھنی چاہیئے۔

۱۹۔ قرابت داروں سے گلے ملنا جائز ہے، خصوصاً جب ملاقات کو عرصہ ہی گزر چکا ہو۔

۲۰۔ ثابت ہوا کہ کسی نیک عمل کے دوران یا اس سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنا جائز ہے۔

۲۱۔ معلوم ہوا کہ اس زمین پر پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ بیت اللہ شریف ہے۔

(۲۰) حضرت ایوب علیہ السلام، صابرین کے امام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک آزمائش و تکلیف میں مبتلا رہے، قریب اور دور کے تمام رشتہ داروں نے ان کو چھوڑ دیا، صرف ان کے دو مخلص بھائیوں نے تعلق قائم رکھا، جو صبح و شام ان کے پاس آتے جاتے تھے، ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا کہ جانتے ہو کہ ایوب علیہ السلام سے ایسا گناہ ہوا ہے کہ اس جیسا گناہ کسی نے نہ کیا ہوگا؟ دوسرے نے پوچھا کہ ان سے کونسا گناہ ہوا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ دیکھو! اٹھارہ سال کا عرصہ بیت گیا ہے، اللہ نے ان پر رحم نہیں کیا اور ان کی بیماری اور تکلیف کو دور نہیں فرمایا؟ ایک روز جب دونوں ایوب علیہ السلام کے پاس آئے تو اس سے صبر نہ ہو سکا اس نے وہ بات ایوب علیہ السلام کے سامنے کہہ دی، حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا کہتا ہے، ہاں البتہ یہ بات ہے کہ جب میرا دو آدمیوں کے پاس سے گزر ہوتا اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوتے اور پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو میں اپنے گھر واپس آ جاتا اور اس خیال سے کہ یہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، ان سے درگزر کر دیتا تھا، آپ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام جب حاجت

کے لئے نکلتے اور اپنی ضرورت پوری کر لیتے تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ تک پہنچا دیتی تھی۔ ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام نے آنے میں تاخیر کی اور اسی جگہ پر ان کی طرف وحی نازل ہوئی کہ:

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ (ص:۴۲)

''یعنی اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا''

ادھر بیوی منتظر تھی اور انہوں نے دیکھا کہ کافی دیر ہوگئی ہے تو تھوڑی دیر بعد ایوب علیہ السلام ان کے پاس پہنچے، اس وقت حال یہ تھا کہ ساری تکلیف اور بیماری ختم ہو چکی تھی اور پہلے سے زیادہ حسین وجمیل ہوگئے تھے، بیوی نے جب ان کو دیکھا تو کہنے لگی کہ اللہ برکت دے، کیا تم نے خدا کے وہ پیغمبر جو تکلیف میں مبتلا ہیں کہیں دیکھے ہیں؟ خدا گواہ ہے کہ جب وہ تندرست تھے تو ان کی شباہت اور شکل تجھ سے بڑی ملتی جلتی تھی!!! ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہی ایوب ہوں! ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے، ایک گیہوں (گندم) کا اور ایک جو کا، اللہ تعالیٰ نے دو بادل کے ٹکڑے بھیجے کہ ان میں سے ایک نے گندم کے کھلیان پر سونا برسایا جس سے وہ کھلیان سونے سے لبالب بھر گیا اور دوسرے نے جو کے کھلیان پر چاندی برسائی جس سے وہ کھلیان چاندی سے لبالب بھر گیا۔'' [اخرجه ابن حبان (۲۰۹۱) وابویعلی (۱/۱۷٦) وابونعیم فی الحلية (۳/۳۷۴) والحاكم (۲/۵۸۱) والهيثمی فی مجمع الزوائد (۸/۲۰۸)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ آزمائش پیش آتی ہے۔

۲۔ ایوب علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوئی کہ انہوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آمدہ آزمائش پر صبر کیا۔

۳۔ انسان کو اپنے دین پر استقامت کے بقدر آزمائش پیش آتی ہے۔

۴۔ صبر کا انجام دنیا و آخرت میں بہت اچھا ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں رب تعالیٰ کی بے حد قدر و عظمت تھی کہ

ان لوگوں کو جو جھگڑتے اور پھر اللہ پاک کا ذکر کرتے تو ان کو معاف کر دیا کرتے تھے۔

۶۔ ایوب علیہ السلام کی بیوی کی وفاداری معلوم ہوئی، نیک بیوی ہر حال میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے خواہ خوشحالی ہو یا تنگ حالی۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہوئی کہ اس ذات نے ایوب علیہ السلام کی تکلیف کو دور کر کے ان کو شفاء بخشی۔

۸۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر پر جو راضی رہتا ہے اس کو بالآخر اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ناخوش ہونے والے کے نصیب میں خدا کی ناراضگی۔

۹۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

۱۰۔ ہر تنگی کے بعد کشادگی اور مصیبت کے بعد راحت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

(۲۱) آسمان سے سونا گرتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک دن ایوب علیہ السلام برہنہ بدن غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گرنے لگیں اور ایوب علیہ السلام ان کو (پکڑ پکڑ کر) اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا کہ اے ایوب علیہ السلام! کیا میں نے تم کو ان چیزوں سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟ ایوب علیہ السلام نے عرض کی کہ کیوں نہیں، تیری عزت کی قسم! لیکن مجھے تیری برکت سے کوئی بے نیازی نہیں ہے۔''

[رواہ احمد (۲/۳۱۴) وابن حبان (۶۲۲۹) و عبدالرزاق (۲۰۴۰۳) والترمذی (۳۹۷۷)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اکیلا یا اپنی بیوی کے ساتھ برہنہ ہو کر غسل کرے تو یہ جائز ہے۔

۲۔ جس شخص کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ شکر کر سکے گا اس کے لئے جائز ہے کہ مال حلال کی کثرت کی خواہش کرے۔
۳۔ شکر گزار مال دار کی فضیلت معلوم ہوئی۔
۴۔ عورتوں کا زیب و زینت کے لئے سونا وغیرہ بنانا جائز ہے۔
۵۔ حلال ذرائع سے حاصل شدہ مال کو برکت والا کہنا درست ہے۔
۶۔ معلوم ہوا کہ کسی جاندار کی مکمل صورت تو ممنوع ہے لیکن اس کے بعض اعضاء کا رکھنا جائز ہے (البتہ صرف سر بھی جس میں چہرہ وغیرہ موجود ہو تصویر کے حکم میں ہے اور ممنوع ہے)

(۲۲) ﴿صدقہ وخیرات کی فضیلت﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی کسی جنگل و بیابان میں کھڑا تھا کہ اس نے بادل میں سے ایک آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو، چنانچہ وہ بادل وہاں سے چلا اور کالی پتھریلی زمین پر اپنا پانی جا کر انڈیل دیا، پھر نالیوں میں سے ایک نالی نے سارا پانی جمع کرلیا، وہ آدمی اس پانی کے پیچھے پیچھے گیا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں موجود ہے اور اپنی کدال سے پانی کو آگے پہنچا رہا ہے، اس نے اس شخص سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ تو اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا، پھر اس شخص نے پوچھا کہ اے بندہ خدا! تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس بادل میں سے جس کا یہ پانی ہے، آواز سنی تھی کہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو جا کر سیراب کرو اور تیرا نام ہی لیا گیا تھا۔ تو ذرا بتا تو سہی کہ تو عمل کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے یہ بات کہی ہے تو میں بتاتا ہوں کہ میں دیکھا کرتا ہوں کہ اس زمین سے کیا پیداوار ہوتی ہے؟ اس پیداوار کا تہائی حصہ تو صدقہ میں دے دیتا ہوں اور ایک تہائی میں خود کھاتا ہوں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اس زمین میں

لگاتا ہوں۔" [اخرجه مسلم (۲۹۸۴)]

فوائد حدیث

۱۔ ضرورت مند لوگوں پر صدقہ وخیرات کی فضیلت معلوم ہوئی۔
۲۔ معلوم ہوا کہ مسکینوں اور مسافر لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے۔
۳۔ ہاتھ کی کمائی کی فضیلت ثابت ہوئی۔
۴۔ اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔
۵۔ اولیا کرام کی کرامات کا اثبات ہوا کہ کائنات ان کی خدمت کے لئے مامور ہے۔
۶۔ زراعت اور کاشتکاری کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ افضل ترین پیشہ ہے۔
۷۔ پتہ چلا کہ بادل بھی حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اس کے لئے فرشتے مقرر ہیں۔
۸۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے محبت کرتے ہیں جو ہر حق دار کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے معاملات میں توازن قائم رکھتا ہے۔
۹۔ مومن، بشر رہتے ہوئے بھی کبھی فرشتوں کی آواز کو سن لیتا ہے۔

(۲۳) کفر کی نحوست

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا "اگر قوم نوح میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ رحم کرتے تو بچہ پر رحم کرتے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو نوسو پچاس سال تک دعوت توحید دیتے رہے، آخری وقت میں آ کر انہوں نے درخت لگائے، پھر درخت بڑے ہوئے اور خوب بڑھ گئے تو ان کو کاٹ کر (ان کی لکڑیوں سے) کشتی بنانے لگے، لوگ گزرتے اور پوچھتے تو آپ ان سے کہتے کہ میں کشتی بنا رہا ہوں، لوگ ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا تم کشتی بناتے ہو

خشکی پر چلاتے کے لئے؟ خشکی پر کشتی کیسے چلے گی؟ حضرت نوح علیہ السلام ان سے فرماتے کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا کر فارغ ہوگئے اور تنور سے پانی ابل پڑا اور تمام راستے پانی سے بھر گئے تو بچہ کی ماں کو اپنے بچے کی جان کا خطرہ لاحق ہوا جس سے اس کو بے حد محبت تھی، چنانچہ وہ اس کو لے کر پہاڑ کی طرف نکلی، جب پہاڑ کے تہائی حصہ پر پہنچی تو پانی بھی وہاں تک پہنچ گیا، وہ اس کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچی تو پانی اس کے منہ تک پہنچ گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے بچہ کو اٹھایا لیکن پانی اس کو بہا کر لے گیا، اگر اللہ تعالیٰ کو قوم نوح کے کسی فرد پر رحم کرنا منظور ہوتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم کرتے۔" [رواہ الحاکم (۲/۳۴۲) ومن روایۃ ابن عباس (۲/۳۴۳)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام معمر ترین لوگوں میں سے تھے کہ ایک ہزار پچاس سال تک زندہ رہے۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور نو سو پچاس سال دعوت توحید میں صرف کئے، طوفان کے بعد مزید ساٹھ سال تک زندہ رہے۔

۲۔ سب سے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی۔

۳۔ اسباب معاش اختیار کرنا جائز ہے اور یہ چیز توکل علی اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مجرم لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے بے قصور اور بے گناہ لوگوں کو بھی عذاب کی لپیٹ میں لے آتے ہیں ضرور اس میں کوئی حکمت پنہاں ہے جو ہمارے علم سے باہر ہے۔

۵۔ کفر وسرکشی کی نحوست معلوم ہوئی کہ یہ چیز آخرت سے پہلے دنیا کے اندر بھی موجب عذاب ہے نیز یہ کہ کافر پر اللہ تعالیٰ رحمت نہیں کرتے جیسے مومن پر کرتے ہیں۔

(٢٤) ﴿سیدنا موسیٰؑ کے کپڑے لے کر پتھر بھاگ نکلا﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہاتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہاتے (ایک دن) بنی اسرائیل کے لوگوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے ساتھ اس لئے نہیں نہاتے کہ ان کے خصیے پھولے ہوئے ہیں (یعنی اس بیماری میں مبتلا ہیں) ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کے ارادے سے نکلے، اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ نکلا، موسیٰ علیہ السلام بھی اس کے پیچھے دوڑے یہ کہتے ہوئے کہ اے پتھر! میرے کپڑے تو دیدو، یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ! موسیٰ علیہ السلام تو کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لئے اور اس پتھر کو مارنے لگے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر چھ یا سات نشانات پڑ گئے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وكان عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ (الاحزاب: ٦٩)

''یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (کچھ تہمت تراش کر) موسیٰؑ کو ایذا دی تھی سو ان کو خدا تعالیٰ نے بری ثابت کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔''

[اخرجه البخاری (٢٧٨) و مسلم (٢٣٧٢)]

فوائد حدیث

١۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت برہنہ بدن چلنا جائز ہے اور بعض اوقات حالت اختیار میں بھی۔ جیسے ایک حدیث میں فرمایا: اے معاویہ بن حکم! اپنی بیوی اور باندی کے سوا ہر جگہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔''

۲۔ ضرورت کے وقت شرمگاہ کا دیکھنا جائز ہے جیسے علاج معالجہ کے وقت۔
۳۔ معلوم ہوا کہ تنہائی میں برہنہ ہو کر غسل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ شرمگاہ کا ڈھانپنا افضل ہے۔
۴۔ ہماری شریعت میں جو حکم سابقہ شریعتوں کے خلاف ہو وہاں سابقہ شریعت پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔
۵۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کو خلقت اور اخلاق دونوں طرح سے کامل پیدا کرتے ہیں۔
۶۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت معلوم ہوئی کہ دوسرے لوگوں کی طرح ان کے اندر بھی مارنے، غصہ کرنے اور دیگر جذبات موجود ہوتے ہیں۔
۷۔ انبیاء علیہم السلام کا صبر و تحمل معلوم ہوا کہ وہ جاہل لوگوں کی ایذا رسانی اور نادانی کو کیسے برداشت کرتے تھے۔
۸۔ صفت حیاء کی عظمت معلوم ہوئی کہ حیا و شرم انبیاء علیہم السلام کی کریمانہ صفات میں سے ہے۔

(۲۵) ﴿خطا و نسیان اور انکار انسان کی طبیعت میں داخل ہے﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان (ذی روح مخلوق) جس کو اللہ نے ان کی نسل میں پیدا کرنا تھا، نکل آئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان روشنی کی ایک چمک پیدا کر دی، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام کے روبرو لا کھڑا کیا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا، اے میرے رب! یہ سب کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب تمہاری اولاد ہے، آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک آدمی کو دیکھا تو اس کی دو آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت بھلی لگی، آدم علیہ السلام نے پوچھا

پروردگار! یہ شخص کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی ہیں جو تیری ہی اولاد میں سے آخر امت میں ہوگا، جس کا نام ''داؤد'' ہوگا، آدم علیہ السلام نے پوچھا، پروردگار! آپ نے اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ساٹھ سال، آدم علیہ السلام نے کہا کہ پروردگار! اس کو میری عمر میں سے چالیس سال مزید دیدیں، جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو موت کا فرشتہ آ پہنچا، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتہ نے کہا کہ کیا آپ نے وہ چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو نہیں دے دیئے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے، وہ بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھولتی ہے، ان سے خطا ہوئی تو ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔''

[اخرجه الترمذی (۲۸۷۸) وابن خزیمة فی التوحید (۶۷) وابن حبان (۶۱۶۷) واحمد (۲۵۱/۱)]

فوائد حدیث

۱۔ ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی قدرت نافذ ہوتی ہے، جب وہ ذات کسی کام کا ارادہ فرما لے تو کوئی چیز اس کے سامنے حائل نہیں ہوسکتی، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ عنقریب ان کی پشت سے یہ ساری خلقت پیدا ہونے والی ہے۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خصوصی طور پر زیادہ حسن و چمک عطا کیا گیا تا کہ آدم علیہ السلام اس کے ذریعہ ان کو پہچان سکیں۔

۵۔ ہر انسان کا عمل اور اجل مقرر ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

۶۔ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کی عمریں امت محمدیہ کی طرح کم ہوتی تھیں۔

۷۔ بنی اسرائیل سابقہ امتوں میں سے آخری امت تھی۔

۸۔ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جو کچھ عطا کریں دوسروں کو بھی دیا کرے، خواہ دنیا کی کوئی نعمت ہو۔
۹۔ خطا ونسیان اور انکار انسان کی سرشت میں داخل ہے۔
۱۰۔ معلوم ہوا کہ چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا اور دوسرے کا اس کو جواب دینا اور اسی طرح ہدیہ سلام پیش کرنا ایسے احکام ہیں جو تمام شرائع و ادیان میں مشترک ہیں۔
۱۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی حساب وشماریات پر قدرت ثابت ہوئی۔
۱۲۔ انسان چونکہ خطا ونسیان کا پتلا ہے اس لئے معاملات تحریری طور پر طے کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲۶) ﴿حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ﴾

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن کعب نے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں میں سے تھے اور حضرت کعبؓ کو نابینا ہونے کے وقت راستے میں لے کر چلتے تھے، یہ بیان کیا کہ میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے ان کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکنے کا واقعہ سنا، آپ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے سوا اور کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں، البتہ میں غزوہ تبوک میں بھی شریک نہ ہوا تھا لیکن جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا، کیونکہ اس موقع پر آپ ﷺ قریش کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی سابقہ تیاری کے بغیر آپ کا دشمنوں سے مقابلہ ہوگیا، اور میں لیلۃ العقبہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، یہ وہی رات ہے جس میں ہم نے اسلام کے لئے عہد کیا تھا اور مجھے تو یہ غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگرچہ لوگوں کی زبانوں پر بدر کا چرچا بہت ہے، میرا واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی

میں کبھی اتنا قوی اور اتنا مالدار نہیں ہوا تھا جتنا اس موقع پر، جب کہ میں آنحضور ﷺ کے ساتھ تبوک کے غزوہ میں شریک نہیں ہوسکا تھا، خدا جانتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے، لیکن اس موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ اس کے لئے ذومعنی الفاظ استعمال کرتے تھے (تاکہ معاملہ راز میں رہے) لیکن اس غزوہ کا جب موقع آیا تو گرمی بڑی شدید تھی، سفر بھی بہت طویل تھا، بیابانی راستہ اور دشمن کی فوج کی کثرت، تمام مشکلات سامنے تھیں، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس غزوہ سے متعلق بہت صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا تاکہ اس کے مطابق پوری پوری تیاری کرلیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سمت کی بھی نشاندہی کردی جدھر سے آپ ﷺ کا جانے کا ارادہ تھا، مسلمان بھی آپ ﷺ کے ساتھ بہت تھے اتنے کہ کسی رجسٹر میں سب کے ناموں کا اندراج بھی مشکل تھا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کوئی بھی شخص اگر اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو وہ یہ خیال کرسکتا تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا (لشکر زیادہ ہونے کی بناء پر) الا یہ کہ اس کے متعلق وحی نازل ہو، حضور اقدس ﷺ جب اس غزوہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سایہ میں بیٹھ کر لوگ لطف اندوز ہوتے تھے، حضور علیہ السلام بھی تیاریوں میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان بھی، لیکن میں روزانہ یہ سوچتا کہ کل سے میں بھی تیاری کرلوں گا، مجھے اسباب میسر ہیں، یونہی وقت گزرتا گیا، آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل بھی کرلیں اور حضور اقدس ﷺ، مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوگئے، اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی، اس موقع پر بھی میں نے اپنے دل کو یہی کہہ کر سمجھا لیا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کروں گا اور پھر لشکر سے جا ملوں گا، کوچ کے بعد دوسرے دن میں نے تیاری کے لئے سوچا لیکن اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی، پھر تیسرے دن کے لئے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی، یوں وقت گزرتا گیا اور لشکر بہت آگے بڑھ گیا، غزوہ میں شرکت میرے لئے بہت دور کی بات

ہوگئی اور میں یہی ارادہ کرتا رہا کہ یہاں سے چل کر انہیں پالوں گا، کاش! میں نے ایسا کرلیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیونکہ یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ٹپکتا تھا یا پھر وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور یا ضعیف قرار دے دیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے متعلق کسی سے نہیں پوچھا تھا، لیکن جب آپ تبوک پہنچ گئے تو وہیں ایک مجلس میں آپ نے دریافت فرمایا کہ کعبؓ نے کیا کیا؟ نبو سلمہ کے ایک صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے غرور تکبر نے اس کو آنے نہ دیا، اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بولے! تم نے بڑی بات کہی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا گواہ ہے ہمیں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، حضرت کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھ پر فکر و تردد سوار ہوا میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا۔ جس سے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی سے بچ سکوں، اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق میں نے مشورہ لیا، لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے بالکل قریب آچکے ہیں تو باطل خیالات میرے ذہن سے چھوٹ گئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ اس معاملہ میں جھوٹ بول کر میں اپنے کو کسی طرح بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ میں نے سچی بات کہنے کا پختہ ارادہ کرلیا، صبح کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھتے۔ جب آپ فارغ ہو چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وہ لوگ آئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور قسم کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً اسی تھی۔ حضورت انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول کیا، ان سے عہد و پیمان لیا، ان کے لئے مغفرت کی دعا کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کیا، اس کے بعد میں حاضر ہوا، میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسکراہٹ

میں تلخی تھی، پھر فرمایا آؤ، میں چند قدم چل کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم غزوہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے، کیا تم نے کوئی سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس سواری موجود تھی، خدا گواہ ہے، اگر میں آپ ﷺ کے سوا کسی دنیا دار شخص کے سامنے آج بیٹھا ہوا ہوتا تو کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا، مجھے خوبصورتی اور صفائی کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ حاصل ہے لیکن خدا گواہ ہے مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ ﷺ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ ﷺ کو راضی کرلوں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اس کی بجائے اگر میں آپ ﷺ سے سچی بات بیان کر دوں تو یقیناً آنحضور ﷺ کو میری طرف سے کبیدگی ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ سے مجھے عفو و درگزر کی پوری امید ہے، خدا گواہ ہے کہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا، خدا گواہ ہے، اس وقت سے پہلے کبھی میں اتنا قوی اور مال دار نہیں تھا اور پھر بھی میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہوسکا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے سچی بات بتا دی ہے، اچھا اب جاؤ! یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر دے، میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے بنوسلمہ کے کچھ افراد بھی دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ بخدا! ہمیں تمہارے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہے اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ حضور ﷺ کے سامنے ویسا ہی کوئی عذر نہیں بیان کیا جیسا دوسرے نہ شریک ہونے والوں نے بیان کر دیا تھا، تمہارے گناہ کے لئے تمہارے لئے آنحضور ﷺ کا استغفار ہی کافی ہوجاتا، خدا کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اس پر اتنی ملامت کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر آنحضرت ﷺ سے کوئی جھوٹا عذر بیان کر آؤں، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں دو حضرات نے اسی طرح معذرت کی جس طرح تم نے کی، اور انہیں جواب بھی وہی ملا جو تمہیں ملا، میں نے پوچھا کہ ان کے نام کیا ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع العمری اور ہلال بن امیہ الواقفی، انہوں نے دو ایسے صحابہؓ کا نام لے دیا تھا

جو صالح تھے اور اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے، ان کا طرزِ عمل میرے لئے نمونہ بن گیا، چنانچہ انہوں نے جب ان کا نام لیا تو میں اپنے گھر چلا آیا، اور آنحضور ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت کردی، بہت سے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف ہم تین سے، لوگ ہم سے الگ تھلگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ساری کائنات ہی بدل گئی، ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے، میرے دو ساتھیوں (ہلالؓ اور مرارہؓ) نے تو اپنے گھروں سے نکلنا ہی چھوڑ دیا، بس روتے رہتے تھے، لیکن میرے اندر ہمت و جرأت تھی، میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا، لیکن مجھ سے بولتا کوئی نہ تھا، میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، آپ ﷺ کو سلام کرتا، جب آپ ﷺ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تھے، میں اس کی جستجو میں لگا رہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آنحضور ﷺ کے مبارک ہونٹ ہلے یا نہیں، پھر آپ ﷺ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا تو آنحضرت ﷺ میری طرف دیکھتے لیکن جونہی میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا، آپ ﷺ چہرہ پھیر لیتے، آخر جب اس طرح لوگوں کی بے رخی بڑھتی گئی تو میں (ایک دن) حضرت ابوقتادہ ؓ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور مجھے ان سے بہت تعلق خاطر تھا، میں نے انہیں سلام کیا لیکن خدا گواہ ہے، انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا: ابوقتادہؓ! تمہیں خدا کا واسطہ، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مجھے کتنی محبت ہے؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا، خدا کا واسطہ دے کر، لیکن اب بھی وہ خاموش تھے، پھر میں نے خدا کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا، اس مرتبہ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے، اس پر میرے آنسو پھوٹ پڑے، میں واپس چلا آیا اور دیوار پر چڑھ کر اتر آیا، آپؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینہ آیا

تھا، پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالکؓ کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو وہ میرے پاس آیا اور شاہ غسان کا ایک خط مجھے دیا، اس خط میں یہ تحریر تھا:

''امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب تمہارے ساتھ زیادتی کرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی ذلیل نہیں پیدا کیا کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے، تم ہمارے یہاں آ جاؤ، ہم تمہارے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کریں گے۔'' جب میں نے یہ خط پڑھا تو میں نے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت آ گئی، میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا، ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد میرے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ، میں نے پوچھا، کیا میں اسے طلاق دے دوں یا پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، صرف ان سے جدا رہو، ان کے قریب نہ جاؤ، میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم آپ ﷺ نے بھیجا تھا، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ، اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہؓ کی بیوی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہلال بن امیہؓ بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا میں ان کی خدمت کر دیا کروں، آپ ﷺ ناراض تو نہیں ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صرف وہ صحبت نہ کریں، انہوں نے عرض کی، خدا گواہ ہے، وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے، جب سے یہ عتاب ان پر ہوا ہے، وہ دن ہے اور آج کا دن، ان کے آنسو تھمنے کو نہیں آتے، میرے گھر کے بعض افراد نے کہا کہ جس طرح ہلال بن امیہؓ کی بیوی کو ان کی خدمت میں رہنے کی حضور ﷺ نے اجازت دے دی ہے، آپ بھی اسی طرح کی اجازت حضور ﷺ سے لے لیں، میں نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم! میں اس کے لئے آنحضور ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا، میں جوان ہوں، معلوم نہیں، جب اجازت لینے جاؤں تو آنحضور ﷺ کیا فرمائیں؟ اس طرح دس دن اور گزر

گئے، اور جب سے آنحضور ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے پچاس دن پورے ہو گئے، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا، اس طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، میرا دم گھٹتا جا رہا تھا اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود میرے لئے تنگ ہوتی جا رہی تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، سلع پہاڑ پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا، اے کعب بن مالکؓ! تمہیں بشارت ہو، حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا اب کشائش ہو جائے گی، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کر دیا تھا، لوگ میرے یہاں بشارت دینے کے لئے آنے لگے اور میرے دو ساتھیوں کو بھی جا کر خوشخبری دی، ایک صاحب (حضرت زبیر بن العوامؓ) اپنا گھوڑا دوڑائے آ رہے تھے اور آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی، جن صحابی نے (سلع پہاڑ سے) آواز دی تھی جب وہ میرے پاس بشارت دینے آئے تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں انہیں دے دیئے، خدا گواہ ہے کہ اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا اور میری ملکیت میں کوئی چیز نہیں تھی، پھر میں نے (ابو قتادہؓ سے) دو کپڑے مانگ کر پہنے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کرتے جاتے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر خوشخبری دیتے جاتے تھے، کہتے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو، حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا، حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے، چاروں طرف صحابہؓ کا مجمع تھا، طلحہ بن عبید اللہؓ دوڑ کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، خدا گواہ ہے کہ وہاں موجود مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کے سوا میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا، طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آنحضور ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا تھا، اس مبارک دن کیلئے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے مبارک دن ہے۔'' انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا

رسول اللہ ﷺ! یہ خوشخبری آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، آنحضرت ﷺ جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک روشن ہو جاتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو، آپ ﷺ کی مسرت ہم چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے، پھر جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا لیکن کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو، یہ زیادہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ پھر میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا، میں نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی، اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ کے سوا اور کوئی بات زبان پر نہ لاؤں گا، پس خدا گواہ ہے، جب سے میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا، میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جسے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنا نوازا ہو جتنی نوازشات اس کی مجھ پر سچ بولنے کی وجہ سے ہیں، جب سے میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا پھر آج تک کبھی جھوٹ کا ارادہ بھی نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر یہ آیت نازل کی تھی:

﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ .... وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی، مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کی۔'' اس ارشاد ''وکونوا مع الصادقین'' تک۔''

خدا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے لئے ہدایت کے بعد، میری نظر میں حضور علیہ السلام کے سامنے اس سچ بولنے سے بڑھ کر اللہ کا مجھ پر اور کوئی انعام نہیں ہوا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور اس طرح اپنے آپ کو ہلاک نہیں کیا جیسا کہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوئے، نزول وحی کے زمانہ میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ

تعالیٰ نے اتنی سخت وعید فرمائی کہ اتنی سخت کسی دوسرے کے لئے نہیں فرمائی ہوگی، فرمایا: ”سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ......... فَاِنَّ اللّٰہَ لَایَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ“ حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تین ان لوگوں سے جدا رہے جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قسم کھالی تھی اور آپ ﷺ نے ان کی بات مان بھی لی تھی، ان سے بیعت بھی لی تھی اور ان کے لئے استغفار بھی فرمایا تھا، ہمارا معاملہ حضور اکرم ﷺ نے چھوڑ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ: وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا“ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس غزوہ میں شریک نہ ہوسکنے کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تذکرہ کیا کہ آنحضور ﷺ نے ہمارے معاملہ کو پیچھے ڈال دیا تھا، (اور فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تھا) بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے قسم کھالی تھی اور اپنے عذر بیان کئے تھے اور آپ ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے تھے۔“ [اخرجہ احمد (۴۵۵/۳) و مسلم (۲۷۶۹) و ابوداؤد (۲۲۰۲) وایضاً اخرجہ البخاری فی باب حدیث کعب بن مالک و قول اللہ تعالیٰ و عزوجل ”وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا“ (کتاب المغازی)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ راست بازی سے کام لے اور اپنی کوتاہی کا ببانگ دہل اعتراف کرے۔

۲۔ حربی غیر مسلموں کا مال طلب کرنا جائز ہے۔

۳۔ اشہر حرم میں جہاد کے لئے نکلنا جائز ہے اور جہاد کی سمت کا تعین اور اس کی صراحت کر دینا بھی جائز ہے جبکہ اس کو چھپانے میں کوئی مصلحت نہ ہو۔

۴۔ معلوم ہوا کہ جب امام وقت جہاد کا اعلان عام کرے تو سب پر نکلنا لازم ہو جاتا ہے اور شریک نہ ہونے والا قابل ملامت ہوتا ہے۔

۵۔ جو شخص معذور ہو کر ناتواں ہو یا اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو اس پر کوئی الزام

نہیں اور امام کو چاہئے کہ ان کے گھر کے افراد اور دیگر ضعیف لوگوں کی دیکھ بھال کے لئے کسی کو مقرر کر جائے۔

۶۔ انسان کے ساتھ اس کے ظاہری حال کے مطابق معاملہ کرنا چاہئے اور اس کے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے۔

۷۔ منافقین کو قتل نہ کرنا معلوم ہوا۔

۸۔ معصیت کا بہت قبیح ہونا ظاہر ہوا۔

۹۔ جو شخص دین کے معاملہ میں مضبوط ہو اس کا مواخذہ اس شخص سے زیادہ ہوتا ہے جو اپنے دین کے معاملہ میں کمزور ہو۔

۱۰۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو کسی کی تعریف اور مدح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۱۔ اہل بدر اور اصحاب عقبہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۱۲۔ کسی کام کی تاکید کے لئے قسم کھانا جائز ہے۔

۱۳۔ کسی کی غیبت ہو رہی ہو تو اس کا رد کرے۔

۱۴۔ اگر ایک عرصہ کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ رہن سہن ترک کر دے تو جائز ہے (جبکہ کوئی مصلحت ہو)

۱۵۔ مسلمان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کو اس پر نادم ہونا چاہئے۔

۱۶۔ نافرمان لوگوں سے ترک تعلق جائز ہے۔

۱۷۔ رحمت و مغفرت کی جگہوں کو تلاش کرنا مستحب ہے۔

۱۸۔ نیک کام کی فرصت ملے تو بلا تاخیر کرنا چاہئے کہ کہیں محروم نہ ہو جائے۔

۱۹۔ جو نیکی ہاتھ سے نکل گئی اس پر افسوس کرنا اور اس کے حاصل ہونے کی آرزو کرنا جائز ہے۔

۲۰۔ مومن وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔

۲۱۔ جو شخص جہاد میں شریک نہ ہو سکا ہو امام وقت اس سے غفلت نہ برتے بلکہ اس کو نصیحت و فہماش کرے کہ وہ توبہ کی طرف راغب ہو۔

۲۲۔ ایسے شخص کو غیرت دینی کے جذبہ سے طعن کرنا جائز ہے۔

۲۳۔ ایسے الزام و طعن کا جواب دینا بھی جائز ہے جبکہ وہ اس کو غلطی پر دیکھے۔

۲۴۔ سفر سے واپس آنے والے شخص کے لئے یہ امر مستحب ہے کہ وہ گھر آنے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے، پھر مجلس میں بیٹھے اور آنے والے کو ملنا اور سلام کرنا جائز ہے۔

۲۵۔ گنہگار آدمی کو سلام نہ کرنا اور تین دن سے زائد بھی ترک تعلق قائم رکھنا جائز ہے۔ (جب کہ کوئی شرعی مصلحت ہو)

۲۶۔ معلوم ہوا کہ مسکرانا کبھی ناراضگی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ کبھی تعجب کی بناء پر بھی ہوتا ہے، مسکرانا، خوشی اور مسرت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۲۷۔ بڑے کا اپنے ساتھیوں پر عتاب کرنا درست ہے۔

۲۸۔ اگر کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو تو اسے حوصلہ اور تسلی دینا جائز ہے کہ اس سے اس کی مصیبت کی شدت میں کمی ہوگی۔

۲۹۔ معلوم ہوا کہ پڑوسی اور دوست کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر بھی داخل ہونا جائز ہے جبکہ اس کی رضا مندی معلوم ہو۔

۳۰۔ نماز میں کن اکھیوں سے دیکھنا نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

۳۱۔ عورت کا اپنے شوہر کی خدمت کرنا معلوم ہوا نیز معلوم ہوا کہ بیوی کو چاہئے کہ ہر ایسے کام سے اجتناب اور احتیاط کرے جس کے کرنے سے شوہر کے ناراض ہونے کا خدشہ ہو۔

۳۲۔ سجدۂ شکر کی مشروعیت، بشارت کو سننے کے لئے سبقت کرنا اور بشارت دینے والے کو اس کی بشارت کی خبر دینے پر عمدہ سے عمدہ چیز دینے کا جواز معلوم ہوا۔

۳۳۔ اہم امور میں لوگوں کا اپنے حاکم کے پاس (مشورہ کے لئے) جمع ہونا اور ان

کی راحت اور سہولت والے کام پر حاکم کا خوش ہونا ثابت ہوا۔

۳۴۔ عاریت (کوئی چیز کسی سے مانگنا) کا جواز معلوم ہوا۔

۳۵۔ آنے والے آدمی کے استقبال میں کھڑا ہونا جائز ہے۔

۳۶۔ توبہ کی قبولیت پر صدقہ وخیرات کرنا مستحب ہے۔

۳۷۔ کل مال صدقہ کرنے کی منت مانی ہو تو اس پر لازم نہیں کہ سارا ہی مال دیدے۔

(۲۷) ﴿دین کی خاطر آزمائش اٹھانا﴾

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے (مشرکین کی طرف سے پیش آنے والی تکالیف) کی شکایت کی اس وقت آپ ﷺ اپنی چادر مبارک کو تکیہ بنا کر خانہ کعبہ کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے، ہم نے عرض کیا آپ ﷺ ہمارے لئے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے؟ آپ ﷺ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کا حال یہ تھا کہ ایک آدمی کو پکڑ کر لایا جاتا، زمین میں اس کے لئے گڑھا کھودا جاتا اور اس کو اس گڑھے میں ڈال دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر رکھ کر چلا دیا جاتا جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور لوہے کی کنگھیاں اس کے گوشت اور ہڈیوں تک پھیری جاتیں مگر اس کے باوجود وہ اپنے دین کو نہ چھوڑتا، خدا کی قسم! (دین اسلام کا) یہ کام ضرور پورا ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اس طرح سفر کرے گا کہ خدا تعالیٰ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا اور بھیڑیا، بکریوں کے ساتھ چلتا ہوگا، لیکن تم لوگ جلد بازی دکھاتے ہو۔"

[اخرجہ البخاری (۳۶۱۲) واحمد (۱۰۹/۵) والحمیدی (۱۵۷) و ابوداؤد (۲۶۴۹) والنسائی (۲۰۴/۸)]

فوائد حدیث

۱۔ دین کی خاطر آزمائش اٹھانا اور صبر کرنا بڑا فضیلت والا کام ہے۔

۲۔ اس حدیث سے آنحضور ﷺ کا ایک معجزہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اسلام کی نشر واشاعت اور ترقی کے متعلق جو پیشن گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی اور عالم اسلام امن وسلامتی کا گہوارہ بن گیا۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دل و جان سے مشرکین کی تکلیفوں کو برداشت کرنا معلوم ہوا۔

۴۔ جولوگ خدا کے دین کی خاطر طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوں اور ان آزمائشوں کو برداشت بھی کر رہے ہوں ان کو حوصلہ دینا اور تسلی بھرے جملے کہنا جائز ہے۔

۵۔ معلوم ہوا کہ اسلام قیامت تک امن وسلامتی والا دین رہے گا۔

(۲۸) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد محترم کا اسلام لانا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مقام ذی طوی (مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ) میں ٹھہرے تو ابو قحافہ (والد محترم ابوبکر صدیقؓ) نے اپنی بیٹی سے جو ان کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھی، یہ کہا کہ بیٹی! مجھے جبل ابی قبیس پر چڑھا دو، حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ اس وقت ان کی بینائی جاتی رہی تھی، آپ کہتی ہیں کہ میں نے جبل ابی قبیس پر انہیں چڑھا دیا تو کہنے لگے! بیٹی! یہاں تم کیا دیکھتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا کہ میں کوئی لشکر دیکھتی ہوں جو یہاں (کسی مقصد کے لئے) جمع ہے، ابوقحافہ نے کہا کہ یہ گھوڑوں کا لشکر ہے، پھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اس لشکر کے اندر ایک شخص نظر آ رہا ہے جو کبھی آگے آتا ہے اور کبھی پیچھے، ابوقحافہ نے کہا کہ بیٹی! وہ ایسا شخص ہے جو گھوڑوں کے لشکر کو آگے بڑھنے کا کہہ رہا ہے (یعنی اس لشکر کی صف بندی اور ترتیب لگا رہا ہے) پھر اسماءؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! وہ لشکر تو منتشر ہو گیا ہے، ابوقحافہ نے کہا کہ کہیں یہ لشکر پہنچ نہ جائے مجھے جلدی سے گھر لے جاؤ، چنانچہ حضرت اسماءؓ ان کو لے کر پہاڑ سے اتریں لیکن گھر پہنچنے سے پہلے وہ لشکر

سامنے آگیا، اس وقت اس بچی کی گردن میں چاندی کا ایک ہار تھا، ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے اس کی گردن سے وہ ہار اتار لیا، حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے تو ابوبکر صدیقؓ اپنے والد کو لے کر حاضر ہوئے کہ آنحضور ﷺ ان کی بیمار پرسی کرلیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا "ان بزرگ کو گھر میں ہی رہنے دیتے، میں وہیں ان کے پاس آجاتا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! وہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ خود آپ ﷺ کے پاس چل کر آئیں بہ نسبت اس کے کہ آپ ﷺ ان کے پاس چل کر تشریف لائیں، آنحضور ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینہ پر دست اقدس پھیرا، پھر ان سے فرمایا کہ اسلام قبول کرلیجئے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو ان کا سر تغام درخت کی طرح سفید تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے یہ بال کچھ بدل دو، پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر ان سے فرمایا، میں آپ کو خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر اپنی بہن کے ہار کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟ ابوقحافہ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر بہن سے فرمایا، اے بہن تم اس ہار کے بدلہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھو، خدا کی قسم! آج کل لوگوں میں امانت کا پاس بہت کم رہ گیا ہے۔"

[اخرجه احمد (۳۴۹/۶) و ابن حبان (۷۲۰۰) والحاکم (۴۶/۳)]

فوائد حدیث

۱۔ کسی بھی کام میں پڑنے سے پہلے خوب نظم و نسق اور اس کی مناسب تیاری کرلینی چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے لئے فوج کے لشکر کو منظم و مرتب کرنے کی خاطر مقام ذی طوی میں ٹھہر گئے تھے۔

۲۔ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے عمر رسیدہ، لوگوں کے تجربات سے فائدہ

اٹھانا چاہئے۔

۳۔ معلوم ہوا کہ معذور کا تندرست آدمی سے مدد لینا جائز ہے۔

۴۔ نظم ونسق قائم رکھنا اور اپنے امیر کی کامل اطاعت کرنا جہاد میں نصرت و فتح کی علامت ہے۔

۵۔ خاندان میں ضرور کوئی فرد ایسا ہوتا ہے جو معاصی میں مبتلا ہوتا ہے۔

۶۔ آنحضرت ﷺ کا بڑوں کا خیال رکھنا معلوم ہوا خواہ وہ مسلمان نہ بھی ہوں۔

۷۔ والدین کے حق میں دعا کرنا اور ان سے اچھا سلوک کرنا بھی ایک نیکی ہے۔

۸۔ رسول کریم ﷺ کی توقیر و تعظیم ایمان کی علامت ہے۔

۹۔ سفید بالوں کو (مہندی وغیرہ سے) رنگنا اچھا عمل ہے اور جمال پسندی اسلام کے آداب میں سے ہے۔

۱۰۔ مومن ہر وقت معرض ابتلاء میں ہوتا ہے۔

۱۱۔ مومن کو چاہئے کہ نزول مصیبت کے وقت اجر کی امید رکھے اور تکلیف پر صبر کرے۔

۱۲۔ امانت داری بلند اخلاق میں سے ہے اور لوٹ مار رذیل حرکت ہے۔

(۲۹) واقعۂ افک اور حضرت عائشہؓ کی برأت

حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہ بن وقاصؒ، اور حضرت عبید اللہ بن عبد اللہؒ نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا یعنی جس میں تہمت لگانے والوں نے آپ کے متعلق افواہ اڑائی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری قرار دیا تھا، ان تمام حضرات نے پوری حدیث کا ایک ایک ٹکڑا بیان کیا اور ان راویوں میں سے بعض کا بیان دوسرے کے بیان کی تصدیق کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض راوی کو بعض دوسرے کے مقابلے میں حدیث زیادہ بہتر طریقہ پر محفوظ تھی، حضرت عروہؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے حوالہ سے یہ حدیث اس طرح بیان کی کہ جب حضور اقدس ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کرتے جن کا نام نکل آتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے، آپ بیان کرتی ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اسی طرح قرعہ ڈالا اور میرا نام نکلا، میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے، مجھے اونٹ پر ہودج سمیت چڑھا دیا جاتا اور اسی طرح اتار لیا جاتا، یوں ہمارا سفر جاری رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات جب کوچ کا حکم ہوا میں (قضائے حاجت کے لئے) پڑاؤ سے کچھ دور رہ گئی، اور قضائے حاجت کے بعد اپنے کجاوہ کے پاس واپس آ گئی، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا ظفار کے موتیوں کا بنا ہوا ہار کہیں گر گیا ہے، میں اسے تلاش کرنے لگی اور اس میں اتنی محو ہوگئی کہ کوچ کا خیال ہی نہ رہا، اتنے میں جو لوگ میرے ہودج کو اٹھایا کرتے تھے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا، جو میری سواری کے لئے متعین تھا، انہوں نے یہی سمجھا کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں، ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، گوشت سے ان کا جسم بھاری نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کھانے پینے کو بہت کم ملتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو اس کے ہلکے پن میں انہیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، میں یوں بھی اس وقت کم عمر لڑکی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے، مجھے ہار اس وقت ملا جب لشکر روانہ ہو چکا تھا میں جب پڑاؤ پہنچی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا، میں وہاں جا کے بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی ہوئی تھی، مجھے یقین تھا کہ جلدی ہی انہیں میری عدم موجودگی کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں آئیں گے، میں اپنی اسی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی، صفوان معطل سلمی لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے، رات کا آخری حصہ تھا، جب میری جگہ پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی، انہوں نے (دور سے) ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے، وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے

ہی پہچان گئے، پردے کے حکم سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، جب وہ مجھے پہچان گئے تو انا للہ پڑھنے لگے میں ان کی آواز پر جاگ اٹھی اور اپنا چہرہ چادر سے چھپا لیا، خدا گواہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نہ میں نے **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ سنا، اس کے بعد انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور میں اس پر سوار ہوگئی، وہ خود پیدل اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے لے چلے، ہم لشکر سے اس وقت ملے جب وہ بھری دوپہر میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے، اس کے بعد جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا، اس تہمت میں پیش پیش عبداللہ بن ابی سلول منافق تھا، مدینہ پہنچ کر میں بیمار پڑ گئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی، اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا بڑا چرچا رہا، لیکن مجھے ان باتوں کا کوئی احساس بھی نہیں تھا، صرف ایک معاملہ سے مجھے شبہ سا ہوتا تھا کہ میں اپنی اس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس لطف و محبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی جو سابقہ بیماری کے دنوں میں دیکھ چکی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لاتے اور سلام کرکے صرف اتنا پوچھ لیتے کہ کیا حال ہے؟ ایک دن جب کمزوری باقی تھی تو میں باہر نکلی، میرے ساتھ ام مسطح بھی تھیں، ہم "مناصع" کی طرف گئے قضائے حاجت کے لئے ہم وہیں جایا کرتے تھے اور قضائے حاجت کے لئے صرف رات کو ہی جایا کرتے تھے، یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب ہمارے گھروں کے قریب ہی بیت الخلاء بن گئے تھے، اس وقت تک ہم عرب کے دستور کے مطابق قضائے حاجت آبادی سے دور جا کر کیا کرتے تھے، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھر کے قریب بنا دیئے جائیں، بہر حال میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لئے روانہ ہوئے، آپ ابی رہم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں، اور آپ کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی تھیں، اس طرح آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ ہوتی تھیں، آپ کے بیٹے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ہیں، قضائے حاجت کے بعد جب ہم لوگ گھر واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں ان ہی کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا اس پر ان کی زبان سے نکلا مسطح برباد ہوا، میں نے کہا، آپ نے بری بات کہی، آپ

ایک ایسے شخص کو برا کہتی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک رہا ہے، انہوں نے کہا، واہ اس کی بات آپ نے نہیں سنی؟ میں نے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ تو انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی باتیں بتائیں، میں پہلے سے بیمار تھی ہی، ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا، آپؓ کہتی ہیں کہ پھر جب میں گھر پہنچی اور رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سلام کیا اور دریافت کیا کہ کیسی طبیعت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا آنحضور ﷺ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیں گے؟ آپؓ کہتی ہیں کہ میرا مقصد والدین کے پاس جانے سے یہ تھا کہ اس خبر کی حقیقت ان سے پوری طرح معلوم ہو جائے گی، آپؓ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آ گئی، میں نے والدہ سے پوچھا کہ یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بیٹی صبر کرو، کم ہی کوئی ایسی حسین وجمیل عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہوگی جو اس سے محبت رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر بھی وہ اس طرح اسے نیچا دکھانے کی کوشش نہ کریں، آپؓ کہتی ہیں کہ اس پر میں نے کہا سبحان اللہ! اس طرح کی باتیں تو دوسرے لوگ کر رہے ہیں، آپؓ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں رونے لگی، اور رات بھر روتی رہی، صبح ہوگئی لیکن میرے آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ نیند کا آنکھ میں نام ونشان تھا، صبح ہوگئی اور میں روئے جا رہی تھی، اسی عرصہ میں آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلایا، کیونکہ اس معاملہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے انہیں اپنی بیوی کو جدا کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لئے بلایا تھا، آپؓ کہتی ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے تو حضور ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپؓ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں، اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضور ﷺ کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے، آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی اہلیہ کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور ہمیں کسی چیز کا علم نہیں، البتہ حضرت علیؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے، عورتیں اور بھی بہت ہیں،

ان کی باندی (حضرت بریرہؓ) سے بھی آپ ﷺ اس معاملہ میں دریافت فرمالیں، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اے بریرہؓ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے شبہ گزرا ہو؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جو چھپانے کے قابل ہو، ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھتے میں بھی سو جاتی ہیں اور اتنے میں کوئی بکری یا پرندہ وغیرہ وہاں پہنچ جاتا ہے اور ان کا گوندھا ہوا آٹا کھا جاتا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس دن آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سلول کی شکایت کی، آنحضور ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ”اے معشر مسلمین! ایک ایسے شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی اب میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، خدا گواہ ہے کہ میں اپنی اہلیہ میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، اور یہ لوگ جس آدمی کا نام لے رہے ہیں ان کے بارے میں بھی خیر کے سوا میں کچھ نہیں جانتا، وہ جب بھی میرے گھر میں گئے ہیں تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔“ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ اٹھے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی مدد کروں گا، اور اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں یعنی قبیلۂ خزرج کا کوئی آدمی ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل میں کوتاہی نہیں ہوگی، آپؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوگئے، آپ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے آپ نیک آدمی تھے، لیکن آج آپ پر قومی غیرت غالب آگئی تھی، آپ نے اٹھ کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کے قتل کی طاقت نہیں ہے، پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ خدا کی قسم! تم جھوٹے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو کہ منافقوں کی طرف داری میں لڑتے ہو، اتنے میں دونوں قبیلے اوس وخزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت قتل وقتال

تک پہنچ گئی، رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ لوگوں کو خاموش کرنے لگے، آخر سب لوگ خاموش ہوگئے، اور آنحضور ﷺ بھی خاموش ہوگئے، آپؓ کہتی ہیں کہ اس دن بھی میں برابر روتی رہی، نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، بیان کرتی ہیں کہ جب (اگلے دن) صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس ہی موجود تھے۔ دو راتیں اور ایک دن مجھے مسلسل روتے ہوئے گزر گیا تھا، اس عرصہ میں نہ مجھے نیند آئی اور نہ آنسو تھمتے تھے، والدین سوچنے لگے کہ روتے روتے میرا دل نہ پھٹ جائے، بیان کیا کہ ابھی وہ اسی طرح میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں، ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے، آپؓ بیان کرتی ہیں کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی اس وقت سے اب تک آنخضرت ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک اس معاملہ میں انتظار کیا اور آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، آپؓ کہتی ہیں کہ بیٹھنے کے بعد آنحضور ﷺ نے تشہد پڑھا اور فرمایا ''اما بعد! اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی اطلاعات پہنچی ہیں، پس اگر تم بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت خود کرے گا، لیکن اگر تم سے غلطی سے کوئی گناہ ہوگیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں، آپؓ کہتی ہیں کہ جب آنحضور ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو میرے آنسو اس طرح خشک ہوگئے جیسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو، میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے، انہوں نے فرمایا: خدا گواہ ہے، میں نہیں سمجھتا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کیا کہنا ہے، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آنحضور ﷺ کی باتوں کا میری طرف سے جواب دیجئے، انہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا گواہ ہے مجھے نہیں معلوم کہ میں آپ ﷺ سے کیا عرض کروں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں خود ہی بولی، میں اس وقت نوعمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی پڑھا تھا (میں نے کہا کہ) خدا گواہ ہے، میں تو یہ جانتی ہوں کہ ان افواہوں کے متعلق جو کچھ آپ لوگوں نے سنا ہے وہ آپ لوگوں کے دل میں جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے ہیں، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں ان تہمتوں سے بری ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے کہ میں واقعی بری ہوں تو آپ لوگ میری بات کا یقین نہیں کریں گے، لیکن اگر میں تہمت کا اعتراف کروں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے قطعاً بری ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق کرنے لگیں گے، اللہ گواہ ہے کہ میرے پاس آپ لوگوں کیلئے کوئی مثال نہیں ہے سوائے یوسف علیہ السلام کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے اس ارشاد کے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''پس صبر ہی اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے''۔ آپؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی، آپؓ کہتی ہیں کہ مجھے یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری برأت ضرور کرے گا، لیکن خدا گواہ ہے، مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں وحی متلو نازل فرمائیں۔ ہاں البتہ مجھے اس کی توقع ضرور تھی کہ حضور اکرم ﷺ میرے متعلق کوئی خواب دیکھیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ میری برأت کر دیں، بیان کرتی ہیں کہ خدا گواہ ہے، رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی اسی مجلس میں تشریف فرما تھے، گھر والوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہوئی جو وحی کے نزول کے وقت طاری ہوتی تھی، یعنی آپ ﷺ پسینے پسینے ہو گئے، اور سینہ موتیوں کی طرح جسم اطہر سے ڈھلنے لگا، حالانکہ سردی کے دن تھے، یہ کیفیت آپ ﷺ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے ہوتی تھی جو آپ ﷺ پر نازل ہوتی تھی، بیان کرتی ہیں کہ پھر جب آنحضور ﷺ کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ تبسم فرمار ہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ ﷺ

کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا کہ ”عائشہ! اللہ نے تمہیں بری قرار دیا ہے،“ میری والدہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ، آپؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ خدا گواہ ہے، میں آپ ﷺ کے سامنے ہرگز کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی حمد نہیں کروں گی، اللہ تعالیٰ نے جو آیت نازل کی تھی وہ یہ تھی: ”اِنَّ الَّـذِيْـنَ جَـآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَاتَحْسَبُوْهُ“ مکمل دس آیات تک، جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات میری برأت میں نازل کر دیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود برداشت کرتے تھے آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ خدا کی قسم! اب میں مسطح پر ایک دھیلا بھی خرچ نہیں کروں گا، اس نے حضرت عائشہؓ پر کیسی کیسی تہمتیں لگا دی ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی،

﴿وَلَا يَـأْتَـلِ اُولُـوا الْـفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْـقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَـصْـفَـحُـوْا اَلَا تُـحِبُّـوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

”یعنی جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بیشک اللہ بڑی مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔“

ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میری تو یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دیں، چنانچہ مسطح رضی اللہ عنہ کو آپ پھر وہ تمام اخراجات دینے لگے جو پہلے دیا کرتے تھے اور فرمایا کہ خدا کی قسم! اب کبھی ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔“

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے معاملہ میں پوچھا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ زینب! تم نے بھی کوئی چیز کبھی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری آنکھ اور میرے کان محفوظ رہے، میں نے ان کے اندر خیر کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی، بیان کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات میں وہی ایک تھیں جو مجھ سے بلند رہنا چاہتی تھیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کے تقویٰ و طہارت کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا اور انہوں نے کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی، لیکن ان کی بہن حمنہ ان کیلئے بلاوجہ لڑیں اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئیں۔

آیات برأت نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ لوگوں کی طرف نکلے اور ان سے خطاب فرمایا اور برأت کے متعلق قرآن مجید کی نازل شدہ آیات کی تلاوت فرمائی، پھر ان لوگوں پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دیا جو اس تہمت میں شریک ہوئے تھے، ان میں حضرت مسطح بن اثاثہؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ اور حمنہ بنت جحشؓ شامل تھے۔

[اخرجه البخاری (۴۱۴۱) و مسلم (۲۷۷۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث پاک سے قرعہ اندازی کا جواز معلوم ہوا۔

۲۔ کسی شخص کی تعریف اور فضیلت بیان کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اس کے متعلق کسی نقص وعیب کا ازالہ مقصود ہو اور وہ شخص اس نقص و برائی سے بری ہو۔

۳۔ کلام میں تمہیدی کلمات کا استعمال جائز ہے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ ہودج عورت کے حجاب کے لئے گھر کے قائم مقام ہے۔

۵۔ عورت کا ہودج پر سوار ہونے کا جواز معلوم ہوا۔

۶۔ اگر نامحرم ماورائے حجاب کسی اجنبی عورت کا کوئی کام کردے تو کوئی حرج نہیں

ہے۔

۷۔ جسم سے جدا کسی چیز سے عورت کا اپنے آپ کو چھپانا جائز ہے۔

۸۔ عورت کا عرفِ عام کے مطابق عام اجازت کی بناء پر شوہر وغیرہ سے اجازت لئے بغیر قضائے حاجت کے لئے جانے کا جواز معلوم ہوا۔

۹۔ معلوم ہوا کہ عورت سفر میں بھی ہار اور دوسرے زیورات پہن سکتی ہے، خصوصاً حفاظت مال کے لئے، کیونکہ شریعت میں اضاعت مال سے ممانعت آئی ہے۔

۱۰۔ دولت کی حرص کا مذموم ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے کہ اگر حضرت عائشہؓ ہار کی تلاش میں دیر نہ کرتیں تو جلد واپس آ کر لشکر میں شامل ہو جاتیں۔

۱۱۔ امیر کی اجازت پر لشکر اسلامی کو سفر سے رک جانا چاہئے۔

۱۲۔ لشکر میں کوئی پیچھے بھی رہنا چاہئے جو کمزوروں کو سوار کرلے اور گری ہوئی چیز کو اٹھا کر محفوظ کرلے۔

۱۳۔ مصیبت پیش آنے پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہئے۔

۱۴۔ اجنبی کی نگاہ پڑنے پر عورت کو اپنا چہرہ فوراً ڈھانپ لینا چاہئے۔

۱۵۔ مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنی چاہئے اور ذی شان لوگوں کا اکرام و احترام کرنا چاہئے، ان کو سوار کرنے میں فوقیت دے اور اس خاطر مشقت برداشت کرے۔

۱۶۔ نامحرم لوگوں بالخصوص خلوت میں عورتوں کے ساتھ حسن ادب سے پیش آنا چاہئے۔

۱۷۔ بیوی کے ساتھ ہمدردانہ رویہ ہونا چاہئے، اور حسن معاشرت کے ساتھ رہنا چاہئے اور اس میں کوتاہی برتنا بہت سے مسائل کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔

۱۸۔ عورت جب کسی کام سے نکلے تو اس کے ساتھ کوئی بااعتماد قسم کا مونس یا خادم ہونا چاہئے۔

۱۹۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا دفاع کرنا چاہئے۔ بالخصوص اہل علم وفضل

کا۔

۲۰۔ اہل بدر کی شان معلوم ہوئی۔

۲۱۔ کسی مصلحت کی خاطر کسی کے لئے بد دعائیہ کلمات کہنے کا جواز معلوم ہوا۔

۲۲۔ بری بات جب پھیل جائے تو اس کی تفتیش اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کی تحقیق کرنی چاہئے۔

۲۳۔ جب سامع ایسی بات سنے جس کے متعلق اس کو جھوٹ ہونے کا خیال ہو تو اس کو سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

۲۴۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی حتیٰ کہ والدین کے گھر بھی نہیں جاسکتی۔

۲۵۔ انسان کو چاہئے کہ اہم امور میں اپنے ہمراز دوستوں سے مشورہ کرے۔

۲۶۔ کسی کی تعریف اور تزکیہ میں یہ الفاظ کہنا چاہئے کہ مجھے ان کے متعلق خیر و بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے۔

۲۷۔ گواہی کے معاملہ میں ثابت قدمی دکھانا چاہیے۔

۲۸۔ کسی کام یں تعصب اختیار کرنا آدمی کو غیر صالح کر دیتا ہے۔

۲۹۔ جھگڑے کو مٹانے اور فتنہ کی آگ کو بجھانے کی ان تھک کوشش کرنی چاہیے۔

۳۰۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہو اس سے دوری اختیار کرنی چاہئے خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔

۳۱۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کو قولاً یا فعلاً اذیت پہنچائے وہ واجب القتل ہے۔

۳۲۔ گفتگو کا آغاز، تشہد اور حمد و ثناء اور اما بعد سے کرنا چاہئے۔

۳۳۔ توبہ کی مشروعیت معلوم ہوئی کہ سچے دل سے گناہوں کا اعتراف کرنے والا مقبول التوبہ ہوتا ہے۔

۳۴۔ گفتگو میں بڑے کو مقدم رکھنا چاہئے۔

۳۵۔ اگر کسی شخص کو کوئی نعمت حاصل ہو یا کوئی عذاب دور ہو تو اس کو بشارت دینی

چاہئے۔

۳۶۔ تعجب کے مقام پر سبحان اللہ کہنا چاہئے۔

۳۷۔ غیبت کرنے یا سننے کی مذمت معلوم ہوئی۔ نیز یہ کہ غیبت کرنے والے شخص کو زجر و تنبیہ کرنی چاہئے۔

۳۸۔ اگر حد (سزا) کے نفاذ سے فتنہ فساد کے واقع ہونے کا خدشہ ہو تو اسے مؤخر کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۹۔ عورتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل اور انصاف والا معاملہ کرنا چاہئے۔

(۳۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی ''عضباء'' کا واقعہ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عضباء اونٹنی بنو عقیل کے ایک شخص کی ملکیت میں تھی، وہ اونٹنی ایسی تھی کہ دوڑ کے مقابلہ میں اس سے آگے کوئی جانور نہیں نکل سکتا تھا، وہ شخص اپنی عضباء اونٹنی سمیت گرفتار ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ پابند سلاسل ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اپنے دراز گوش پر سوار تھے جس کے جسم پر چادر ڈالی ہوئی تھی، اس آدمی نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اور میری سابقہ الحاج (عضباء اونٹنی) کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس بنا پر پکڑا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہم نے تجھے تمہارے حلیف بنو ثقیف کے جرم کی پاداش میں پکڑا ہے'' (راوی کا) بیان ہے کہ بنو ثقیف نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابی گرفتار کر لئے تھے، پھر اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو گرفتار ہونے سے پہلے کلمہ اسلام پڑھ لیتا جبکہ تو اپنے معاملہ کا مالک تھا تو پوری فلاح و کامیابی حاصل کر لیتا'' یہ فرما کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل دیئے، پھر اس آدمی نے کہا کہ میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ، میں پیاسا ہوں، مجھے پانی پلاؤ، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ تیری حاجت ہے'' پھر اسے ان صحابہ کے عوض چھوڑ دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عضباء اونٹنی اپنے پاس روک لی، (راوی کا) بیان ہے کہ پھر مشرکین نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا

اور اس عضباء اونٹنی کو بھی لے گئے اور مسلمانوں کی ایک عورت کو بھی گرفتار کر کے لے گئے، مشرکین جب قیام کرتے تو اپنے اونٹوں کو گھر کے صحن میں باندھ دیتے تھے (راوی) کہتے ہیں کہ ایک رات وہ مسلمان عورت اٹھی جبکہ وہ سب سو چکے تھے اور ان اونٹوں کے پاس آئی جس اونٹ کے پاس بھی آتی وہ آواز نکالتا، لیکن جب عضباء اونٹنی کے پاس آئی تو وہ بڑی تابع اور چلنے کو تیار کھڑی تھی، چنانچہ وہ اس پر سوار ہو کر عازم مدینہ ہوئی (راوی) کہتے ہیں کہ اس عورت نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے اسے نجات دی تو وہ اس اونٹنی کو ذبح کرے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی نذر (منت) کا علم ہوا یا انہوں نے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نذر کا بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا غیر مملوکہ چیز کی نذر ماننے کی صورت میں اس نذر کا پورا کرنا صحیح نہیں ہے''

[اخرجه احمد (۴۳۰/۴۰) و مسلم (۱۶۴۱) و ابو داؤد (۳۳۱۶)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنا چاہئے۔

۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ نرم رویہ اور تواضع اپنانا معلوم ہوا۔

۳۔ معاملات کا مدار ظاہر پر ہے، باطن کے حال سے خدا تعالیٰ واقف ہیں۔

۴۔ معلوم ہوا کہ کسی شخص کو اس کے حلیف وغیرہ کے جرم پر قید کرنا جائز ہے۔

۵۔ گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرنا غلام بنانے کے منافی نہیں ہے۔

۶۔ اس مسلمان عورت کی بہادری اور حسن تدبیر کا پتہ چلا۔

۷۔ پتہ چلا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

۸۔ اسی طرح جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کے متعلق نذر ماننا بھی غیر معتبر ہے۔

۹۔ مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ برائی سے دے، خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہو۔

(۳۱) ﴿ آسیا، ملکہ مصر ﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”فرعون نے اپنی بیوی کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں چار کیل ٹھونک دیئے، پھر جب کیل ٹھونک کر لوگ چلے گئے تو فرشتوں نے ان کی بیوی پر سایہ کیا اور بیوی نے یہ دعا کی:

﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [التحریم: ۱۱]

”یعنی اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر اپنے پاس بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما اور ظالم لوگوں سے (بھی) مجھے نجات دے“

چنانچہ ان کو جنت میں اپنا گھر دکھا دیا گیا۔[اخرجه ابویعلی (۶/۵۲۱) والسیوطی فی الدر المنثور (۶/۲۴۵) والمطالب العالیة (۳/۳۹۰) صحیح موقوف]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کو اپنی زندگی میں جو ابتلاء و آزمائش پیش آتی ہے مومن کا سچا ایمان اس کا مقابلہ کرنے میں اپنا اثر دکھایا کرتا ہے۔

۲۔ اہل ایمان کے خلاف کفار ہمیشہ سے کینہ و بغض رکھتے چلے آئے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی خاص حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ کے بعض بندے دنیا کی نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی بردباری کا عظیم ہونا معلوم ہوا۔

۶۔ اولیاء کرام کی کرامات کا اثبات ہوا۔

(۳۲) ﴿اللہ کی راہ میں دیا ہوا ضائع نہیں ہوتا﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے (دل میں کہا کہ میں (آج) ضرور مالی صدقہ کروں گا چنانچہ اس نے صدقہ دیا تو کسی چور کے ہاتھ میں صدقہ کا مال تھما دیا، صبح کو لوگ باتیں کرنے لگے کہ ایک چور کو صدقہ دے دیا گیا، پھر اس آدمی نے کہا ''اے اللہ! تمام تعریفوں کا تو ہی مستحق ہے، میں ضرور صدقہ دوں گا، چنانچہ اس نے پھر اپنے مال سے صدقہ کیا اور کسی زانیہ عورت کے ہاتھ میں تھما دیا، صبح کو پھر لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک زانیہ عورت کو صدقہ دے دیا گیا، اس شخص نے پھر کہا: اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، ایک زانیہ عورت کو صدقہ کرنے پر، میں ضرور صدقہ کروں گا، چنانچہ اس نے پھر صدقہ دیا اور کسی مالدار کے ہاتھ میں وہ مال رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ایک مالدار شخص کو صدقہ دے دیا گیا، اس آدمی نے کہا، اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، ایک چور اور ایک زانیہ عورت اور مال دار کو صدقہ کرنے پر، پھر کوئی اس کے خواب میں آیا اور اس کو کہا گیا کہ تو نے جو چور کو صدقہ کا مال دے دیا تو ممکن ہے وہ چوری سے باز آ جائے، اور زانیہ عورت بھی ہوسکتا ہے کہ اپنی بدکاری سے باز آ جائے اور مال دار بھی ممکن ہے کہ عبرت حاصل کرے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرے۔'' [اخرجه البخاری (۱۴۲۱) و مسلم (۱۰۲۲)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ نفلی صدقات میں اگر کوئی فاسق یا مالدار آدمی صدقہ لے لے تو صدقہ کرنے والا ثواب سے محروم نہیں ہوگا۔

۲۔ معلوم ہوا کہ صدقہ، پوشیدہ طریقہ سے کرنا افضل ہے۔

۳۔ اخلاص کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۴۔　اگر غیر مستحق آدمی کو صدقہ کا مال مل جائے تو دوبارہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔
۵۔　حکم ظاہر حال پر لگتا ہے۔
۶۔　قضاء و تقدیر پر راضی رہنا باعث فضیلت و برکت ہے اور ناخوش ہونا مذموم ہے۔
۷۔　سچے خواب مبشرات کا حصہ ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

(۳۴) ﴿بندے کی توبہ پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں﴾

حضرت سماکؒ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنا زاد راہ لے کر اپنے اونٹ پر لادے اور کسی سفر پر روانہ ہو جائے (دوران سفر) کسی جنگل و بیابان میں پہنچ کر اس کو آرام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ سواری سے اتر کر وہاں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے لیٹ جائے اور سو جائے اور بیدار ہو تو اس کا اونٹ گم ہو چکا ہو، اس کی تلاش میں ایک مسافت طے کرے لیکن اسے اونٹ نظر نہ آئے، پھر ایک مسافت کا سفر کرے لیکن اس کو کچھ دکھائی نہ دے، پھر تیسری مرتبہ ایک مسافت اس کی تلاش میں نکلے مگر اس کو کچھ نظر نہ آئے، پھر اسی جگہ پر واپس آ جائے، جہاں اس نے آرام کیا تھا، دریں اثناء کہ وہ بیٹھا ہو کہ اس کا اونٹ چلتے ہوئے آ جائے اور اپنی لگام اس کے ہاتھ میں دیدے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اس طرح سے اپنے اونٹ کو پاتا ہے۔'' [اخرجه البخاری (۶۳۰۸) و مسلم (۲۷۴۵)]

فوائد حدیث

۱۔　اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ توبہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر لیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت فرحت ثابت ہوئی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ لطف و رحمت کا معاملہ کرنا معلوم ہوا۔
۴۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے تمام کاموں میں احتیاط کا دامن نہ چھوڑے۔
۵۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے مواخذہ نہیں فرماتے جو اپنی عقل و ہوش کھو بیٹھا ہو۔
۶۔ دوسرے کی حکایت نقل کرنا جائز ہے۔

(۳۴) ﴿حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان الفارسیؓ نے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اصفہان کے ایک نواح گاؤں ''جی'' کا فارسی باشندہ تھا، میرے والد اپنے گاؤں کے بڑے چودھری اور زمیندار تھے اور مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے، میرے والد کی میرے ساتھ برابر محبت رہی، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے ایک جاریہ کی طرح گھر میں محبوس کر دیا یعنی آتش کدے کے سامنے بٹھا دیا، میں نے آتش پرستی میں اتنی زیادہ کوشش کی کہ میں آتش کدے کا محافظ بن گیا، جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک ساعت کے لئے بھی آگ کو بجھنے نہ دے، ہر وقت روشن رکھے، میرے والد کی بڑی زمینیں تھیں، ایک دن ان کو کوئی کام درپیش ہوا تو مجھے کہنے لگے: بیٹے! آج میں اپنی زمینوں پر کسی کام کی وجہ سے نہیں جاسکتا، اس لئے تم جاؤ اور ان زمینوں کی دیکھ بھال کرو، انہوں نے مجھے ان زمینوں کے متعلق اس بات کا حکم دیا جو وہ چاہتے تھے، چنانچہ میں ان زمینوں کو دیکھنے کے ارادے سے نکلا تو راستہ میں نصاریٰ کے عبادت خانہ کے پاس سے میرا گزر ہوا، میں نے ان کی آوازیں سنیں، وہ نماز پڑھ رہے تھے، گھر میں قید رہنے کی وجہ سے ان لوگوں کی حقیقت حال سے واقف نہ تھا، جب میں ان کے پاس سے گزرا اور ان کی آوازیں میرے کان میں پڑیں تو میں ان کے پاس چلا گیا کہ دیکھوں تو سہی کہ وہ کیا کرتے ہیں، جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کی نماز

مجھے پسند آئی اور ان کے عمل کی دل میں رغبت پیدا ہوئی، میں نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ دین اس سے بہتر ہے جسے ہم نے اختیار کیا ہوا ہے، خدا جانتا ہے کہ میں غروب آفتاب تک ان ہی کے پاس رہا، اور والد کی زمینوں کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور وہاں نہیں گیا، میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ملک شام میں، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنے والد صاحب کے پاس واپس چلا آیا، جبکہ وہ میری تلاش میں کسی کو بھیج چکے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی تمام مصروفیات موقوف کر دی تھیں، جب میں گھر پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ بیٹے! تم کہاں تھے؟ کیا میں نے تمہیں ایک کام کے لئے نہیں بھیجا تھا؟ میں نے کہا کہ ابا جان! میں گھر سے نکلا تو راستہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے عبادت خانے میں نماز پڑھ رہے تھے، مجھے ان کا دین و مذہب بڑا پسند آیا، خدا گواہ ہے کہ میں پھر غروب آفتاب تک ان لوگوں کے پاس ہی ٹھہرا رہا، باپ نے کہا: بیٹے! ان کا دین اچھا نہیں ہے، تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا کہ ہرگز نہیں، خدا کی قسم! وہ دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے، حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ سن کر میرے والد کو خطرہ ہوا اور میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی، اور مجھے گھر میں قید کر دیا، (ایک روز) نصاریٰ نے میری طرف پیغام بھیجا تو میں نے ان سے کہا کہ جب ملک شام سے نصاریٰ کا تجارتی قافلہ آئے تو مجھے ضرور اطلاع دینا، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ملک شام سے نصاریٰ کا تجارتی قافلہ آیا تو انہوں نے مجھے خبر دی، میں نے ان سے کہا کہ جب یہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے ملک واپس جانے لگیں تو مجھے اطلاع دے دینا، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ اپنے علاقہ کی طرف واپس جانے لگے تو انہوں نے مجھے کسی طرح پیغام بھیج دیا، میں نے پاؤں سے بیڑی اتاری اور ان لوگوں کے ساتھ ملک شام روانہ ہو گیا، جب ملک شام پہنچا تو میں نے لوگوں سے معلوم کیا کہ یہاں اس دین کا حامل سب سے افضل شخص کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ فلاں گرجے کا اسقف (بشپ)، میں اس کے پاس گیا، میں نے ان سے کہا

کہ مجھے اس دین سے رغبت ہے، میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے اس عبادت خانہ میں آپ کی خدمت کروں، آپ سے کچھ سیکھوں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں، اس پادری نے کہا کہ اندر آجاؤ، میں اس کے پاس حاضر ہوگیا، حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ وہ اچھا آدمی نہیں تھا، دوسروں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور اس کی ان کو ترغیب دیتا لیکن جب لوگ اس کے پاس مال وغیرہ لے کر آتے تو اس میں سے بہت سی چیزوں کو اپنے لئے جمع کر لیتا تھا، مسکینوں کو نہیں دیتا تھا، یہاں تک کہ اس نے سونے چاندے کے سات مٹکے بھر لئے تھے، اس لئے مجھے اس سے سخت نفرت ہوگئی تھی، کیونکہ میں اس کو ایسی حرکات کرتے دیکھتا تھا، ایک دن وہ مر گیا، نصاریٰ اس کی تدفین وغیرہ کے لئے جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ شخص برا تھا کہ تمہیں تو صدقہ کرنے کا کہتا تھا اور اس کی ترغیب بھی دیتا تھا لیکن جب تم اپنا مال لے کر اس کے پاس جاتے تھے تو یہ اس کو اپنے لئے جمع کر لیتا تھا، مسکینوں کو کچھ نہیں دیتا تھا، لوگوں نے کہا کہ بھلا تمہیں اس بات کا کیسے علم ہے؟ میں نے کہا کہ آؤ چلو میرے ساتھ، میں تمہیں وہ خزانہ دکھاتا ہوں، لوگوں نے کہا کہ ہاں، چلو دکھاؤ، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو خزانہ کی جگہ دکھائی تو وہاں سے سونے چاندی کے بھرے ہوئے سات مٹکے برآمد ہوئے، جب لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہے، ہم اس شخص کو کبھی بھی نہ دفنائیں گے، انہوں نے اس شخص کو سولی پر لٹکا دیا اور اس پر پتھر برسائے، پھر ایک اور آدمی اس پادری کی جگہ پر بٹھایا گیا، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس سے زیادہ افضل تھا، دنیا سے بے رغبت اور آخرت کے کاموں میں زیادہ راغب تھا اور پہلے شخص سے زیادہ عبادت گزار تھا، اس لئے مجھے اس سے بے حد محبت ہو گئی، میں اس کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہا، پھر اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ میں ایک عرصہ تک آپ کے ساتھ رہا، مجھے آپ سے اتنی محبت ہوگئی کہ آپ کے پیش رو سے اتنی محبت نہیں تھی، اب آپ کی موت کا وقت آچکا ہے، آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اے بیٹے! خدا

کی قسم! میں آج کسی کو نہیں جانتا جو اس دین پر کار بند ہو اور اس پر عمل پیرا ہو جس پر میں قائم ہوں، لوگ ہلاک ہو گئے اور بدل گئے ہیں، اکثر لوگوں نے اس دین کو ترک کر دیا ہے، البتہ موصل (شہر) میں ایک آدمی ہے، وہ اسی دین پر قائم ہے جس پر میں ہوں، تم اس کے پاس چلے جانا، حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ جب وہ فوت ہو گیا تو میں موصل میں اس صاحب کے پاس پہنچا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے کہا کہ مجھے فلاں شخص نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ آپ کے پاس چلا جاؤں، اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اس کے دین پر قائم ہیں، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، تم میرے پاس ٹھہر جاؤ، میں ان کے پاس ٹھہر گیا، وہ بڑے نیک صالح انسان تھے، واقعی اپنے صاحب کے دین و مذہب پر چلنے والے تھے، پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی فوت ہو نے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس حاضر ہونے کی وصیت کی تھی اور حکم دیا تھا کہ آپ سے جا کر ملوں، لیکن اب آپ کی وفات کا وقت بھی آ پہنچا ہے، آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اے بیٹے! خدا گواہ ہے کہ میرے علم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو ہماری طرح دین پر چلنے والا ہو، صرف نصیبین میں فلاں شخص ہے، تم اس کے پاس چلے جاؤ، جب وہ بھی فوت ہو گئے تو میں نصیبین میں جا کر اس صاحب سے ملا اور میں نے ان کو اپنا سارا قصہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ مجھے میرے فلاں صاحب نے آپ کے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، انہوں نے کہا کہ تم میرے پاس ٹھہر جاؤ، میں ان کے پاس ٹھہر گیا، میں نے ان کو بھی سابقہ دو صاحبوں کی طرح نیک پایا، چنانچہ میں ایک اچھے انسان کے پاس مقیم ہو گیا، خدا جانتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ بھی موت کے قریب پہنچ گیا، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے ان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے فلاں کے پاس جانے کا حکم دیا تھا پھر فلاں نے مجھے آپ کے پاس جانے کی وصیت کی، اب آپ کیا حکم دیتے ہیں، میں کس کے پاس جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ کوئی ایسا شخص زندہ ہو جو ہمارے اس دین پر چلنے والا ہو، البتہ عموریہ میں ایک آدمی ہے وہ ہماری

طرح دین پر چلتا ہے، اگر تم چاہو تو اس کے پاس چلے جاؤ، جب ان کی وفات ہوگئی تو میں عمودیہ میں اس شخص کو ملنے گیا اور اس کو جا کر اپنا سارا واقعہ سنایا، اس نے کہا کہ تم یہاں میرے پاس ٹھہر جاؤ، چنانچہ میں ان کے پاس ان کے دوسرے ساتھیوں کے بتانے پر ٹھہر گیا، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں کچھ کام کاج بھی کیا، جس سے بہت سی گائیں اور بکریاں میرے پاس جمع ہوگئیں، پھر خدا کا حکم (موت) اس کے لئے بھی آپہنچا۔ جب وفات کا وقت آیا تو میں نے ان سے کہا کہ میں فلاں شخص کے پاس رہتا تھا، پھر انہوں نے مجھے فلاں شخص کے پاس جانے کی وصیت کی، پھر انہوں نے آگے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی، پھر فلاں نے فلاں کے پاس جانے کا کہا، حتیٰ کہ میں آپ کے پاس پہنچا، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بیٹے! خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ لوگوں میں سے کوئی ہمارے دین پر کاربند ہو جس کے پاس جانے کا میں تجھے حکم دوں، البتہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معبوث ہونے کا وقت قریب آپہنچا ہے، وہ دین ابراہیمی کو لے کر معبوث ہوں گے، عرب کی سرزمین سے نکل کر ایک زمین کی طرف ہجرت کریں گے جو زمین دو پتھریلی زمینوں کے درمیان واقع ہے، جہاں کھجور کے درخت ہوں گے، اس نبی کی واضح علامات ہوں گی، وہ ہدیہ تو قبول کریں گے، لیکن صدقہ نہ کھائیں گے، ان کے دو مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس علاقہ میں جا کر ان سے مل سکو تو ضرور ملنا، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص بھی فوت ہوگیا، میں کچھ عرصہ تک عمودیہ میں ٹھہرا رہا، جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، ایک دن بنوکلب کے تاجروں کا ایک قافلہ میرے قریب سے گزرا، میں نے ان سے کہا کہ مجھے عرب کی سرزمین میں لے جاؤ، میں تمہیں اپنی یہ گائیں اور بکریاں دے دوں گا، انہوں نے حامی بھرلی، میں نے وہ تمام جانور ان کو دیئے اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کرلیا، جب وادی القریٰ (مکہ معظمہ) آئی تو ان لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا کہ مجھے غلام بنا کر ایک یہودی شخص کے ہاتھ بیچ دیا، میں اس یہودی کے پاس رہنے لگا، مجھے یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، میں

نے کہا کہ یہ وہی علاقہ ہے جس کا ذکر میرے اس صاحب (پادری) نے کیا تھا، ایک دن میں اس یہودی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی مدینہ منورہ سے آیا جو بنو قریظہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے مجھے اس یہودی سے خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آیا، خدا کی قسم! میں مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی جگہ ہے جس کی میرے صاحب (پادری) نے نشاندہی کی تھی، میں مدینہ میں رہنے لگا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو معبوث فرمایا، وہ پیغمبر ﷺ مکہ معظّمہ میں کچھ عرصہ قیام پذیر رہے، میں اپنی غلامی کی مصروفیت کی وجہ سے وہاں ان کا ذکر نہ سن سکا تھا، پھر آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو خدا جانتا ہے کہ میں اپنے آقا کے کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اور کچھ کام کر رہا تھا اور میرے آقا بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدا غارت کرے بنو قیلہ کو، خدا کی قسم! وہ لوگ اس وقت قباء میں ایک آدمی کے پاس جمع ہو رہے ہیں جو کہ آج ہی مکہ سے آیا ہے، اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کی بات سنی تو میرے جسم پر ایسی کپکپی طاری ہوئی کہ قریب تھا کہ میں اپنے آقا پر گر پڑتا، میں کھجور کے درخت سے نیچے اترا اور اس کے چچا زاد بھائی سے کہنے لگا کہ تم نے کیا کہا؟ بتاؤ کیا کہا؟ اس پر میرا آقا چراغ پا ہوا اور مجھے زوردار طمانچہ مارا اور کہا کہ تمہارا اس سے کیا کام؟ جا کر اپنا کام کرو، میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے، میں تو صرف اس سے وجہ پوچھنا چاہتا تھا، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ چیزیں جمع کر رکھی تھیں، جب شام ہوئی تو میں نے وہ چیزیں لیں اور سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، آپ ﷺ اس وقت قباء میں تھے، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ نیک آدمی ہیں، آپ کے ہمراہ آپ کے دوست و احباب ہیں جو کہ ضرورت مند ہیں، یہ میرے پاس چند چیزیں صدقہ کی ہیں میں نے آپ کو ان کا زیادہ حق دار سمجھا، یہ کہہ کر میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں وہ چیزیں پیش کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: لو کھا لو، خود تناول نہیں فرمایا،

میں نے دل میں کہا کہ ایک علامت تو ثابت ہوگئی، پھر میں واپس چلا آیا، میں نے کچھ اور چیزیں جمع کیں، رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے جا چکے تھے، میں وہ چیزیں لے کر حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، اس لئے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے، میں اس کے ذریعہ آپ کا اکرام کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ آنحضور ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمالیا، اور اپنے ساتھیوں کو کھانے کا امر کیا، انہوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھایا، میں نے دل میں کہا کہ اب دو علامتیں ہوگئیں (یعنی ثابت ہوگئیں) پھر (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اس وقت جنت البقیع (کے قبرستان) میں موجود تھے، اپنے ایک صحابی کے جنازہ میں تشریف لائے تھے، اور اپنے اصحاب میں بیٹھے تھے، میں نے سلام کیا، پھر مہر نبوت دیکھنے کے لئے آپ کی پشت مبارک کی جانب گھومنے لگا جس کا میرے ساتھی (پادری) نے تذکرہ کیا تھا، جب آنحضرت ﷺ نے مجھے گھومتے ہوئے دیکھا تو پہچان گئے کہ میں کسی علامت کی جستجو میں ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی کمر سے چادر ہٹا دی اور میں نے مہر نبوت کو دیکھا اور آپ ﷺ کو پہچان لیا، پھر میں اس پر جھک کر اس کو چومنے لگا، اور رونے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب ہٹ جاؤ، میں ہٹ گیا، پھر میں نے آپ ﷺ کو اسی طرح اپنا سارا قصہ سنایا جس طرح اے ابن عباسؓ! تجھے سنایا، پھر آنحضور علیہ السلام نے یہ واقعہ اپنے صحابہ کو سنانا پسند فرمایا، اس کے بعد حضرت سلمانؓ کو ان کی غلامی سے فرصت نہ ملی جس کی وجہ سے بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکے، حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ پھر (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمان! اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کرلو' چنانچہ میں نے اپنے آقا سے چالیس اوقیہ چاندی اور تین سو کھجور کے درختوں پر بدل کتابت کا معاملہ کیا جن درختوں کی میں پرورش کروں گا کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، چنانچہ انہوں نے میری مدد کی، کسی نے کھجور کے تیس پودے دیئے، کسی نے بیس اور کسی نے پندرہ پودے اور کسی نے دس پودے دے کر میری مدد کی، الغرض

ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق میرے ساتھ تعاون کیا یہاں تک کہ میرے پاس پورے تین سو جمع ہوگئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے سلمانؓ! ان کے لئے ایک گڑھا کھودو، جب فارغ ہو جاؤ، میرے پاس آنا، میں انہیں اپنے دست مبارک سے لگا دوں گا'' چنانچہ میں نے اس کے لئے گڑھا کھودا میرے ساتھیوں نے بھی میری مدد کی، فارغ ہو جانے کے بعد میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو بتایا تو رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ نکلے، ہم ایک ایک پودا پیش کرتے رہے اور آپ ﷺ اپنے دست اقدس سے لگاتے گئے، خدا کی قسم جس کے قبضہ میں سلمانؓ کی جان ہے کہ کوئی پودا خشک نہیں ہوا، پس میں نے کھجوروں کے درخت اس کو دے دیئے، دوسرا مال میرے ذمہ رہ گیا (یعنی چالیس اوقیہ چاندی) اس کی صورت یہ ہوئی کہ کسی غزوہ سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا حاصل ہوا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فارسی مکاتب غلام کدھر ہے؟ مجھے بلایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سونا لو اور اپنے آقا کو دے آؤ'' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تھوڑا سا سونا بھلا میرے بدل کتابت کے لئے کیسے پورا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ لو، اللہ تعالیٰ تمہارا معاوضہ ضرور ادا فرما دیں گے، حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ سونا لیا اور اس کا وزن کیا تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں سلمانؓ کی جان ہے وہ پورا چالیس اوقیہ چاندی کے برابر نکلا، چنانچہ میں نے اپنے آقا کو اس کا حق ادا کر دیا، اور میں طوق غلامی سے آزاد ہو گیا، پھر میں غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوا، اس کے بعد کوئی غزوہ ایسا پیش نہیں آیا جس میں میں آنحضور ﷺ کے ساتھ شریک نہ رہا ہوں۔''

[اخرجه احمد (۵/ ۴۴۱) والطبرانی فی الکبیر (۶/ ۲۲۲) و ابن سعد فی الطبقات (۴/ ۷۵)، والبیهقی فی الکبری (۱۰۰/ ۳۲۲)]

فوائد حدیث

۱۔ والدین کی فرمانبرداری محبت کا سبب ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ قید خانہ میں ڈالنا اور ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں لگانا روزِ ازل سے ہی ان مجرمین کا طریقہ رہا ہے۔ جو مسلمانوں کو دین پر چلنے سے روکتے ہیں۔

۳۔ ایمان کی راہ پر چلنے سے دنیا کا مال ومتاع ہیچ نظر آتا ہے۔

۴۔ ایمانی قوت کا مقابلہ ممکن نہیں ہے وہ قوت ہر پیش کش پر غالب رہتی ہے۔

۵۔ مومن ہر قسم کی آزمائش اٹھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

۶۔ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ برے لوگ کبھی نیک لوگوں کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔

۷۔ علم کے حصول کے لئے عالم کی صحبت ضروری ہے۔

۸۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے مصیبت سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دیتے ہیں اور جو شخص اللہ کے لئے کوئی چیز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس سے زیادہ بہتر چیز بدلہ میں دیتے ہیں۔

۹۔ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان کا ترازو ہے۔

۱۰۔ بات غور سے سننا اور اس کی طرف توجہ دینا نبوت کے اعلیٰ اخلاق وآداب میں سے ہے۔

۱۱۔ معلوم ہوا کہ قائد کو اپنے ساتھیوں کی خبر گیری کرتے رہنا چاہئے۔

۱۲۔ ثابت ہوا کہ کسی حربی کافر سے غلام کا خریدنا، ہبہ کرنا اور آزاد کرنا جائز ہے۔

۱۳۔ ایک دوسرے سے تعاون کرنا مسلمان کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

(۳۵) حضرت عیسیٰؑ کا ایک چور کی تصدیق کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ایک دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چور کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ وہ بولا کہ نہیں، اس ذات کی قسم ہے جس کے سوا

کوئی معبود نہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنے آپ کو جھٹلاتا ہوں۔" [اخرجہ البخاری (۳۴۴۳) و مسلم (۲۳۶۸)]

فوائد حدیث

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم (۱۵/ ۵۰۷، مطبع: دارالخیر) میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ میں اس شخص کی تصدیق کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اس کے ظاہری حال سے جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے اس کی تکذیب (تردید) کرتا ہوں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے ایسا مال لیا ہو جس میں اس کا حق متعلق ہو یا مالک کی اجازت سے لیا ہو یا اس کا مقصد غصب کرنا اور چھیننا نہ ہو یا مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری حالت سے آپ علیہ السلام کو معلوم ہوا ہو کہ اس نے کچھ اٹھایا ہے لیکن جب وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا بیٹھا کہ اس نے چوری نہیں کی تو آپ نے اپنا گمان ساقط کر کے اس سے رجوع کر لیا۔" الخ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لوگوں کے امور کو اچھے پہلو پر محمول کرنا چاہئے اور تہمت یا شک و شبہ کے موقع پر قسم کھانی پڑے تو جائز ہے۔

(۳۶) انسان کی حرص

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک جنتی شخص پروردگار عالم سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ کیا تجھے اپنی ہر خواہش حاصل نہیں ہوگئی وہ کہے گا کہ ہاں کیوں نہیں، لیکن میں کھیتی باڑی کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ بیج ڈالے گا اور پلک جھپکتے ہی سبزہ اگ آئے گا اور کھیتی بڑھ پک کر کٹ جائے گی اور پہاڑوں کے برابر انبار لگ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! یہ سب کچھ لے لو، کوئی چیز تیرے پیٹ کو نہیں بھر سکتی۔"

[اخرجہ البخاری (۷۵۱۹)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ جنتی اگر جنت میں دنیا کے کسی کام کی خواہش کریں گے تو اس کا حصول ممکن ہوگا۔

۲۔ ہر شخص اپنی عمومی عادت کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔

۳۔ دنیا کی حرص ہر شخص کی جبلت اور سرشت میں موجود ہے۔

۴۔ قناعت پسندی کی فضیلت اور حرص وطمع کی مذمت معلوم ہوئی ہے۔

(۳۷) ﴿حضرت صہیب رومیؓ کا ہجرت کی خاطر اپنا مال و زر قربان کرنا﴾

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے خواب میں تمہارا دار ہجرت دکھایا گیا جو کہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان میں ایک شور زمین کی صورت میں تھا، یا تو وہ مقام ہجر ہوگا یا یثرب'' آپؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے، آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کا عزم کیا تھا (چنانچہ جب میں ہجرت کے لئے نکلا تو) قریش کے چند نوجوانوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا، میری وہ رات انتہائی کرب و ابتلا میں گزری، میں ہتھیار بند بھی نہ تھا، قریش کے ان نوجوانوں نے کہا کہ اسے پیٹ نے مشغول کر دیا ہے، (جب رات ہوئی اور) وہ سو گئے تو میں وہاں سے نکلا، راستہ میں مجھے کچھ لوگ ملے جو چاہتے تھے کہ میں واپس ہو جاؤں، میں نے ان سے کہا کہ اگر میں تم کو چند اوقیہ سونا دے دوں تو کیا میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ انہوں نے رضا مندی ظاہر کی، پس میں ان کے پیچھے پیچھے مکہ پہنچ گیا (مکہ پہنچ کر) میں نے ان سے کہا کہ (میرے گھر کے) دروازے کی چوکھٹ کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے اسے کھود کر لے لو اور فلاں عورت کے پاس چلے جاؤ اور اس سے دو جوڑے مزید لے لو، (یہ کہہ کر) میں چلا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قباء پہنچ گیا، ابھی آپ ﷺ قباء سے آگے روانہ نہیں ہوئے تھے، جب آنحضور ﷺ نے

مجھے دیکھا تو فرمایا ''اے ابو یحییٰ! تمہاری تجارت نفع مند رہی'' میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے پہلے ابھی آپ تک کوئی نہیں آیا، اس واقعہ کی خبر آپ ﷺ کو یقیناً حضرت جبریل علیہ السلام نے دی ہے۔''

[اخرجہ البیھقی فی دلائل النبوۃ (۵۲۲/۲) والطبرانی فی الکبیر (۳۶/۸) والحاکم (۳۹۸/۳)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہو کہ مومن آدمی اپنے دین، اہل وعیال اور مال و زر ہر چیز میں آزمایا جاتا ہے۔

۲۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر چیز عوض میں دیتے ہیں۔

۳۔ بلاشبہ مال بھی ایک قابل قدر چیز ہے، انسان کی گزراوقات اس سے وابستہ ہے لیکن دین اور ایمان اس سے بھی زیادہ قابل قدر اور قیمتی چیز ہے۔

۴۔ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایسی چیزوں سے کنارہ کشی اور دوری اختیار کرے جو اس کے دین کے لئے مضر ہوں۔

۵۔ اعمال صالحہ کا سوداگر دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہے۔

(۳۸) ﴿خودکشی کی سزا﴾

حضرت جندب البجلی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان میں ایک آدمی تھا جس کے بدن پر کوئی پھوڑا وغیرہ نکل آیا تھا جب اسے زیادہ تکلیف ہوئی تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اس پھوڑے میں گھونپ دیا اس سے خون جاری ہوگیا اور کسی طرح بھی بند نہیں ہوا حتیٰ کہ وہ مرگیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے اپنی جان کے متعلق جلدی دکھائی میں نے اس پر جنت کو حرام کردیا۔'' [اخرجہ البخاری (۱۳۶۴)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے آزمائشوں پر صبر کرنے اور تکالیف کی بناء پر بے صبری نہ دکھانے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۲۔ ایسے اسباب اختیار کرنا جائز نہیں ہیں جو انسان کو خودکشی یا ہلاکت تک پہنچا دیں۔

۳۔ معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے افعال وحرکات میں ایک گونہ اختیار حاصل ہے۔

(۳۹) ﴿رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہئے﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک آدمی تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بچوں سے کہا: جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھے جلا کر خاکستر کر دینا اور میری راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دینا، خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکڑا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ اس نے ویسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا، جب وہ آدمی فوت ہوگیا تو اس کے ساتھ (وصیت کے مطابق) عمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ تیرے اندر اس کے جتنے اجزاء ہیں سب جمع کر دے زمین نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے تمام اجزاء کو جمع کر دیا، پھر اسے زندہ کر کے بارگاہ الٰہی میں کھڑا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے آپ (کے عذاب) کا خوف تھا، یا اس نے کہا کہ پروردگار! مجھے آپ کی ذات سے خوف تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔'' [اخرجه البخاری (۳۴۷۸) و مسلم (۲۷۵۷)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت معلوم ہوئی۔

۲۔ معلوم ہوا کہ رحمت خداوندی سے ناامید نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کے عفو ودرگزر

کا امیدوار رہنا چاہئے۔

۳۔ جہالت عذر ہے (یہ بات محل نظر ہے)

۴۔ خشیت الٰہیہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۵۔ وفات کے وقت وصیت کرنی چاہئے۔

۶۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق اور غالب اور حکمت والی ہے۔

۷۔ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ اس آدمی کی اولاد نے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کو جلا دیا اور اس کی راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دی، حالانکہ بچوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کی بات مانتے، کیونکہ خالق کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہوتی۔

(۴۰) ﴿حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا کہ تین دن کے اندر اندر عذاب آ جائے گا، چنانچہ ہر والدہ کو اس کی اولاد سے جدا کر دیا گیا، پھر ساری قوم (گھر سے) نکلی اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں خوب گڑگڑائی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا، حضرت یونس علیہ السلام عذاب خداوندی کے منتظر رہے لیکن ان کو کچھ آثار نظر نہ آئے، (دستور یہ تھا کہ) جو شخص جھوٹ بولتا اور اس کے پاس اپنے سچے ہونے کا کوئی ثبوت نہ ہوتا تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا، حضرت یونس علیہ السلام ناراضگی کی حالت میں چل دیئے اور چلتے چلتے ایک قوم کے پاس پہنچے جن کی ایک کشتی تھی، ان لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور اپنی کشتی میں سوار کر لیا جونہی آپ کشتی میں سوار ہوئے کشتی چلنا بند ہو گئی، جبکہ دوسری کشتیاں دائیں بائیں چل رہی تھیں، حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تمہاری اس کشتی کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں کہ کیا ہوا؟ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کی وجہ معلوم ہے، اس کشتی کے اندر کوئی ایسا غلام

سوار ہوگیا ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے، خدا کی قسم! یہ کشتی نہیں چلے گی جب تک کہ تم اس کو دریا میں ڈال نہیں دو گے،لوگ کہنے لگے کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ ہم آپ کو تو نہیں ڈالیں گے، یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ قرعہ ڈال لو، جس کے نام قرعہ نکلے وہ خود کو دریا میں ڈال دے، چنانچہ قرعہ ڈالا گیا تو یونس علیہ السلام کے نام نکلا، حتیٰ کہ تین بار قرعہ اندازی کی گئی مگر ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا، پس یونس علیہ السلام نے خود کو اس دریا میں ڈال دیا، ایک مچھلی ان کی حفاظت پر مامور کر دی گئی، چنانچہ جونہی وہ دریا میں گرے اس مچھلی نے ان کو نگل لیا اور زمین کی تہہ میں لے گئی، وہاں یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح پڑھنے کی آواز سنی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق انہوں نے اپنے رب کو پکارا:

﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ [الانبیاء: ۸۷]

''یعنی آپ نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے، میں ہی قصور وار لوگوں میں سے ہوں۔''

تین اندھیروں میں پکارا، ایک اندھیرا تو مچھلی کے پیٹ کا تھا، دوسرا اس دریا کا تھا اور تیسرا اندھیرا رات کا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوۡ لَاۤ اَنۡ تَدٰرَکَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ﴾ [القلم: ۴۹]

''یعنی اگر احسان خداوندی ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے''

(راوی کا) بیان ہے کہ یونس علیہ السلام جب دریا سے باہر ڈالے گئے تو اس چوزے کی طرح تھے جس کے بال اور پر نہ ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ایک بیل دار درخت اگا دیا، آپ اس کے سایہ سے حظ حاصل کرتے رہے، ایک دن وہ درخت خشک

ہو گیا تو آپ اس کے خشک ہونے پر رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایک درخت کے خشک ہونے پر آپ کو رونا آیا لیکن ایک لاکھ سے زائد لوگوں کی حالت پر آپ کو رونا نہیں آیا؟! آپ تو چاہتے تھے کہ وہ ہلاک ہوں؟ حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے نکلے تو دیکھا کہ ایک غلام بکریاں چرا رہا ہے، اس سے دریافت فرمایا کہ اے غلام! تم کس قوم کے ہو؟ غلام نے کہا کہ وہ قوم یونس سے ہے، یونس علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ جب واپس جاؤ تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ میں یونس علیہ السلام سے ملاقات کر کے آیا ہوں، غلام نے کہا کہ اگر آپ واقعی یونس علیہ السلام ہیں تو آپ تو جانتے ہیں کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے، میری گواہی کون دے گا؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ درخت اور یہ زمین تیرے حق میں گواہی دے گی، غلام نے یونس علیہ السلام سے کہا کہ آپ ان دونوں کو حکم دے دیں تو یونس علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ جب یہ غلام تمہارے پاس آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا، ان دونوں نے اثبات میں جواب دیا کہ بہت اچھا۔ اس کے بعد غلام اپنی قوم میں واپس چلا آیا، اس کے چند بھائی بھی تھے اور (اس لحاظ سے) سے وہ محفوظ تھا، غلام نے بادشاہ سے آکر کہا کہ میری یونس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، وہ آپ سب کو سلام کہہ رہے تھے، بادشاہ نے اس غلام کے قتل کا حکم صادر کیا، غلام نے کہا کہ اس کے پاس ثبوت موجود ہے، آپ میرے ساتھ لوگوں کو بھیجیں، چنانچہ جب لوگ اس درخت اور اس جگہ پر پہنچے تو غلام نے خدا کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ کیا یونس علیہ السلام نے تم دونوں کو گواہ بنایا تھا؟ دونوں نے کہا کہ ہاں، ہمیں گواہ بنایا تھا، لوگ سہمے ہوئے واپس آئے کہ عجیب بات ہے کہ درخت اور زمین تیرے حق میں گواہی دیتے ہیں، بادشاہ کے پاس حاضر ہو کر آنکھوں دیکھا حال سنایا تو بادشاہ نے غلام کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی مجلس (جگہ) میں بٹھا دیا اور کہا کہ تم اس منصب کے مجھ سے زیادہ حق دار ہو، چنانچہ اس غلام نے چالیس سال تک لوگوں کے امور و معاملات کو سنبھالا۔" [اخرجه ابن ابی شیبة (۱/ ۵۴۱) رقم (۱۱۹۵)]

فوائد حدیث

۱۔ مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا دے، اس کے حکم پر کاربند رہے اور کسی کام میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے۔

۲۔ ایمان اور توبہ و استغفار کا فائدہ معلوم ہوا کہ اس سے خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور غیظ وغضب دور ہوتا ہے۔

۳۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بھی کبھی کبھی آزمایا کرتا ہے جب بندے سے کوئی مخالفانہ حرکت سرزد ہو۔

۴۔ معلوم ہوا کہ اپنے گناہ کا اعتراف اور گڑگڑا کر دعائیں کرنا بہت سی ہولناکیوں سے نجات دلاتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت آشکارا ہوئی۔

۶۔ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بادشاہت عطا کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو چاہیں ذلت وخواری سے دوچار کرتے ہیں۔

۷۔ جھوٹ کی برائی معلوم ہوئی۔

۸۔ بحری سفر کا جواز معلوم ہوا۔

۹۔ معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات اللہ عزوجل کی مطیع وفرماں بردار ہیں۔

(۴۱) ماں کی مامتا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو عورتیں تھیں، دونوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے موجود تھے، اچانک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک عورت کے بیٹے کو لے گیا، اب دونوں آپس میں لڑنے لگیں، ایک نے کہا کہ وہ بھیڑیا تمہارا بیٹا لے گیا ہے، (میرا نہیں) دوسری عورت نے کہا کہ نہیں، تیرا بیٹا

لے گیا ہے، چنانچہ وہ دونوں عورتیں اپنا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے کر آئیں، حضرت داؤ علیہ السلام نے ان میں سے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس چلی گئیں اور ان کو اپنا مسئلہ بتایا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چھری لاؤ، میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دوں، چھوٹی بولی کہ خدارا! ایسا نہ کیجئے، اللہ آپ پر رحم کرے، وہ اسی کا بیٹا ہے، (میرا نہیں ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔" [اخرجه البخاری (۳۴۲۷) ومسلم (۱۷۲۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فطانت و ذہانت اللہ تعالیٰ کی وہبی نعمت ہے، اور اس کا تعلق عمر کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے نہیں ہے۔

۲۔ حق، ایک ہی جانب ہوتا ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کو کسی بھی مسئلہ میں اجتہاد اور حکم لگانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ حقوق کی ادائیگی کے لئے احکام میں حیلہ و تدبیر اختیار کرنا جائز ہے۔

۵۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایک قاضی دوسرے قاضی کا فیصلہ کالعدم قرار دے سکتا ہے، خواہ وہ علم میں اس کے برابر ہو یا افضل ہو۔

۶۔ عالم حکمران بہرحال اجر وثواب حاصل کرتا ہے خواہ وہ درست اجتہاد کرے یا اس سے خطا ہو جائے۔

(۴۲) ﴿ایک پست قد عورت کا واقعہ﴾

حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل میں ایک پست قد کی عورت تھی جو دو دراز قد عورتوں کے ہمراہ

چلتی تھی، (ایک دن) اس نے لکڑی کی دو ٹانگیں اور سونے کی خول دار بند انگوٹھی بنوائی اور اس انگوٹھی میں مشک خوشبو بھری جو سب سے عمدہ خوشبو ہے اور پھر ان عورتوں کے پاس سے گزری ان عورتوں نے اس کو نہ پہچانا تو اس عورت نے اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ کیا'' (یعنی ہاتھ سے اپنے پست قد ہونے کی طرف اشارہ کیا)۔

[رواه مسلم (۲۲۵۲) وأحمد (۳/۴۶)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ پر اثر وعظ کی ایک نوع یہ ہے کہ سابقہ قوموں کے واقعات سنائے جائیں تاکہ انسان ان جیسے اعمال اختیار کرنے سے احتراز کرے۔

۲۔ مشک، سب سے عمدہ خوشبو ہے جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

۳۔ پتہ چلا کہ پرانے لوگ بھی صنعت و کاریگری کے فن سے آشنا تھے۔

۴۔ معلوم ہوا کہ عورت کو ہر وقت زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی حرص اور خواہش رہتی ہے۔

(۴۳) ﴿گائے اور بھیڑیئے کے بولنے کا معجزہ﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک دن ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھا کر لے جانے لگا، چرواہا دوڑا اور اس نے بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا، اس پر بھیڑیا بولا: آج تو تم نے مجھ سے اسے چھین لیا ہے لیکن بھیڑیے والے دن (قیامت کے قریب) اسے کون بچائے گا؟ جس دن میرے سوا اور کوئی اس کا نگہبان نہ ہوگا؟، اسی طرح ایک روز ایک شخص اپنی گائے ہانکنے لئے جا رہا تھا کہ وہ اس پر سوار ہو گیا اور پھر اسے مارا، اس گائے نے کہا کہ ہم اس کے لئے پیدا نہیں کیئے گئے، ہماری پیدائش تو

کھیتی کے لئے ہوئی ہے، لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! ''پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں''

[اخرجه البخاری (۳۴۷۱) و مسلم (۲۳۸۸)]

فوائد حدیث

۱۔ حدیث ہذا سے حضرات شیخین، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوئی۔

۲۔ معلوم ہوا کہ ایسے عجائب وغرائب اور کرامات کا بیان کرنا مشروع ہے۔

۳۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی کبھی ایسی نشانیاں ظاہر کرتے ہیں جو انسانی عقل اور عام عادت کے خلاف ہوتی ہیں۔

۴۔ اس حدیث سے گائے کی پیدائش کی حکمت معلوم ہوئی۔

۵۔ نماز کے بعد لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کا جواز معلوم ہوا۔

(۴۴) ﴿ہجرت رسول اللہ اور سراقہ بن مالک کا واقعہ﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں نے اپنے ماں باپ کو دین اسلام کا متبع پایا، اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ جس میں رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں صبح وشام دونوں وقت تشریف نہ لاتے ہوں، پھر جب مسلمانوں کو (مشرکین مکہ کی طرف سے) ستایا جانے لگا تو حضرت ابوبکرؓ حبشہ کی سر زمین کی طرف ہجرت کا ارادہ کر کے نکلے، جب مقام برک الغمار پر پہنچے تو آپؓ کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی۔ وہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا، اس نے پوچھا کہ اے ابوبکرؓ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اس لئے اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ ملک ملک کی سیاحت کروں اور اپنے رب کی (آزادی کے ساتھ) عبادت کروں، ابن الدغنہ نے کہا کہ ابوبکرؓ! تم جیسے انسان کو تو اپنے وطن سے نہ

خود نکلنا چاہئے اور نہ اسے نکالا جانا چاہئے، تم محتاجوں کی مدد کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے کسی پر آنے والی مصیبتوں میں اس کی مدد کرتے ہو، میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ آپ واپس آ گئے، اور ابن الدغنہ بھی آپ کے ساتھ واپس آیا، اس کے بعد ابن الدغنہ قریش کے تمام سرداروں کے ہاں شام کے وقت گیا اور سب سے اس نے کہا کہ ابوبکرؓ جیسے شخص کو نہ تو خود نکلنا چاہئے اور نہ اسے نکالا جانا چاہئے، کیا تم ایک ایسے شخص کو نکال دو گے جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی وجہ سے کسی پر آنے والی مصیبتوں میں اس کی مدد کرتا ہے، قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ سے انکار نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ ابوبکرؓ سے کہدو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر ہی کیا کریں، وہیں نماز پڑھیں اور جو جی چاہے وہیں پڑھیں، اپنی ان عبادات سے ہمیں تکلیف نہ پہنچائے، اس کا اظہار و اعلان نہ کریں، کیونکہ ہمیں اس کا خطرہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، یہ باتیں ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی آ کر کہہ دیں، کچھ دنوں تک تو آپ اس پر قائم رہے اور اپنے گھر کے اندر ہی اپنے رب کی عبادت کرتے رہے، نہ نماز سر عام پڑھتے تھے اور نہ اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ تلاوت قرآن کرتے تھے لیکن پھر انہوں نے کچھ سوچا اور اپنے گھر کے سامنے نماز پڑھنے کیلئے ایک جگہ بنائی جہاں آپ نے نماز پڑھنی شروع کر دی اور تلاوت قرآن بھی وہیں کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مشرکین کی عورتیں اور بچوں کا مجمع ہونے لگا، وہ سب حیرت اور پسندیدگی کے ساتھ انہیں دیکھتے رہتے، حضرت ابوبکرؓ بڑے نرم دل انسان تھے، جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو اپنے آنسوؤں کو روک نہ سکتے تھے، اس صورت حال سے مشرکین قریش کے سردار گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، جب ابن الدغنہ آیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کے لئے تمہاری پناہ اس شرط کے ساتھ تسلیم کی تھی کہ اپنے رب کی عبادت وہ اپنے گھر کے اندر کیا کریں

گے، لیکن انہوں نے شرط کی خلاف ورزی کی ہے اور اپنے گھر کے سامنے نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ بنا کر برسر عام نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے لگے ہیں، ہمیں اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لئے تم انہیں روک دو، اگر انہیں یہ شرط منظور ہو کہ اپنے رب کی عبادت صرف اپنے گھر کے اندر ہی کیا کریں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ اعلان واظہار پر مصر ہیں تو ان سے کہو کہ تمہاری پناہ واپس دے دیں، کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری دی ہوئی پناہ میں ہم دخل اندازی کریں، لیکن ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اعلان و اظہار کو برداشت نہیں کر سکتے، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر ابن الدغنہ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ جس شرط کے ساتھ میں نے آپ سے عہد کیا تھا وہ آپ کو معلوم ہے، اب یا آپ اس شرط پر قائم رہیئے، یا پھر میرے عہد کو واپس کیجئے، کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب کے کانوں تک یہ بات پہنچے کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی تھی لیکن اس میں دخل اندازی کی گئی، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں اور اپنے رب عزوجل پر راضی اور خوش ہوں۔

حضور اکرم ﷺ ان دنوں مکہ معظّمہ میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تمہاری ہجرت کی جگہ مجھے خواب میں دکھائی گی ہے، وہاں کھجور کے باغات ہیں اور دو پتھریلے میدانوں کے درمیان واقع ہے، چنانچہ جنہیں ہجرت کرنا تھی انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور جو لوگ سرزمین حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے وہ بھی مدینہ واپس چلے آئے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی تیاری شروع کر دی، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کچھ دنوں کے لئے توقف کرو، مجھے امید ہے کہ ہجرت کی اجازت مجھے بھی مل جائے گی، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، کیا واقعی آپ ﷺ کو اس کی امید ہے؟ میرے باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں! آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور ﷺ کی رفاقت سفر

کے شرف کے خیال سے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور دو اونٹنیوں کو جوان کے پاس تھیں کیکر کے پتے کھلا کر تیار کرنے لگے چار مہینے تک۔ [أخرجہ البخاری (۴/۴۷۵ فتح) واحمد (۶/۱۹۸)]

ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ حضرت عروہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ہم حضرت ابوبکرؓ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے، بھری دوپہر تھی کہ کسی نے ابوبکرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک پر رومال ڈالے تشریف لا رہے ہیں، حضور علیہ السلام کا معمول اس وقت آنے کا نہیں تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ بولے، میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں، ایسے وقت میں تو آپ ﷺ کسی خاص وجہ سے ہی تشریف لائے ہونگے، پھر آنحضور ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو اجازت دی تو آپ ﷺ اندر داخل ہوئے، پھر آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت یہاں سے تھوڑی دیر کے لئے سب کو اٹھادو، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، یہاں اس وقت تو سب گھر کے ہی افراد ہیں، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، یارسول اللہ ﷺ! آنحضور ﷺ نے اس کے بعد فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے، ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! کیا مجھے رفاقت سفر کا شرف حاصل ہوگا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، ان دونوں میں سے ایک اونٹنی آپ ﷺ لے لیجئے، آنحضور ﷺ نے فرمایا لیکن قیمت سے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے جلدی جلدی ان کیلئے تیاریاں شروع کر دیں اور کچھ زادِ سفر ایک تھیلے میں رکھ دیا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنے پٹکے کے ٹکڑے کر کے تھیلے کا منہ اس سے باندھ دیا اور اسی وجہ سے ان کا نام ''ذات النطاق'' (پٹکے والی) پڑ گیا، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ نے جبل ثور کے غار میں پڑاؤ کیا، اور تین راتیں وہیں گزاریں، عبداللہ بن ابی بکرؓ رات وہیں جا کر گزارتے تھے، یہ نوجوان اور بہت سمجھدار تھے اور ذہن رسا پایا تھا، سحر کے وقت وہاں سے نکل آتے تھے اور صبح اتنی سویرے مکہ پہنچ جاتے

جیسے وہیں رات گزاری ہو، پھر جو کچھ بھی یہاں سنتے اور جس کے ذریعے ان حضرات کے خلاف کارروائی کے لئے کوئی تدبیر کی جاتی تو اسے محفوظ رکھتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو تمام اطلاعات یہاں آکر پہنچاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ آپ حضرات کے لئے قریب ہی دودھ دینے والی بکریاں چرایا کرتے تھے اور جب کچھ رات گزر جاتی تو اسے غار میں لاتے تھے، آپ حضرات اسی پر رات بسر کرتے، اس دودھ کو گرم لوہے کے ذریعے گرم کرلیا جاتا تھا، صبح منہ اندھیرے ہی عامر بن فہیرہؓ غار سے نکل آتے تھے، ان تین راتوں میں روزانہ کا ان کا یہی دستور تھا، حضرت ابوبکرؓ بنی الدیل جو بنی عبد بن عدی کی شاخ تھی، کے ایک شخص کو راستہ بتانے کیلئے اجرت پر اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے، یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا، آل عاص بن وائل سہمی کا یہ خلف تھا اور کفار قریش کے مذہب پر قائم تھا، ان حضرات نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی دونوں اونٹنیاں اس کے حوالہ کردیں، قرار یہ پایا تھا کہ تین راتیں گزار کر یہ شخص غار ثور میں ان حضرات سے ملاقات کرے گا، چنانچہ تیسری رات کی صبح کو وہ دونوں اونٹنیاں لے کر آ گیا، اب عامر بن فہیرہؓ اور یہ راستہ بتلانے والا، ان حضرات کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، ساحل کے راستے سے ہوتے ہوئے، ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی نے خبر دی جو سراقہ بن مالک بن جعشم کے بھتیجے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں خبر دی اور انہوں نے سراقہ بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے اور یہ پیش کش کی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کو اگر کوئی شخص قتل کردے یا قید کرکے لائے تو ہر ایک کے بدلے میں اسے سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا ایک آدمی سامنے آیا اور ہمارے قریب آکر کھڑا ہوگیا، ہم ابھی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ اس نے کہا: سراقہ! ساحل پر میں ابھی چند سائے دیکھ کر آیا ہوں، میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہی ہیں، سراقہ نے کہا، میں سمجھ گیا کہ اس کا خیال صحیح ہے، لیکن میں نے ان سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں، تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، ہمارے سامنے سے اسی

طرف گئے ہیں، اس کے بعد میں مجلس میں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہا اور پھر اٹھتے ہی گھر گیا اور اپنی باندی سے کہا کہ میرے گھوڑے کو لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جاؤ اور وہیں میرا انتظار کرو، اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور گھر کی پشت کی طرف سے باہر نکل آیا، نیزے کی نوک سے زمین پر لکیر کھینچتا چلا گیا اور اوپر کے حصے کو چھپائے ہوئے تھا، میں گھوڑے کے پاس آ کر اس پر سوار ہوا اور تیز رفتاری سے اسے لے چلا، جتنی سرعت کے ساتھ بھی میرے لئے ممکن تھا، بالآخر میں نے ان حضرات کو پا ہی لیا، اسی وقت گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر گیا، لیکن میں کھڑا ہوا اور اپنا دایاں ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا، اس میں سے تیر نکال کر میں نے فال نکالی کہ آیا میں انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں؟ فال وہ نکلی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا (یعنی میں انہیں نقصان نہیں پہنچا سکوں گا) پھر میں دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور تیروں کے فال کی پرواہ نہ کی، پھر میرا گھوڑا مجھے انتہائی تیزی کے ساتھ دوڑائے لئے جا رہا تھا، آخر جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت سنی، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف کوئی توجہ نہیں کر رہے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر دیکھتے تھے تو میرے گھوڑے کے آگے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے، جب وہ ٹخنوں تک دھنس گیا تو میں اس کے اوپر گر پڑا اور اسے اٹھنے کے لئے ڈانٹا، میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے پاؤں زمین سے نہیں نکال سکا، بڑی مشکل سے جب اس نے پوری طرح کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اس کے آگے کے پاؤں سے منتشر سا غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا، پھر میں نے تیروں سے فال نکالی، لیکن اس مرتبہ بھی وہی فال آئی جسے میں پسند نہیں کرتا تھا، اس وقت میں نے ان حضرات کو امان دینے کے لئے پکارا، میری آواز پر وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا، ان تک برے ارادے کے ساتھ پہنچنے سے جس طرح مجھے روک دیا گیا تھا، اسی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت غالب آ کر رہے گی، اس لئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا

ہے، پھر میں نے آپ ﷺ کو قریش کے ارادوں کی اطلاع دی، میں نے ان حضرات کی خدمت میں کچھ توشہ اور سامان پیش کیا لیکن آنحضور ﷺ نے اسے قبول نہیں کیا، مجھ سے کسی اور چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق راز داری سے کام لینا، لیکن میں نے عرض کی کہ آپ ﷺ میرے لئے ایک امن کی تحریر لکھ دیجئے، آنحضرت ؐ نے عامر بن فہیرہ ؓ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک رقعہ پر تحریر امن لکھ دی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے چل دیئے۔

[أخرجه البخاری معلقاً بصیغة الجزم عن ابن شهاب (۲۳۸/۷ فتح)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ پہلے توشہ سفر اور سامان و اسباب تیار کرنا چاہئے پھر اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

۲۔ معزز دوست و احباب کی ملاقات کے لئے مناسب وقت مقرر کرنا چاہئے۔

۳۔ حدیث ہذا سے رسول پاک ﷺ کا خدا تعالیٰ پر اعتماد اور یقین معلوم ہوا۔

۴۔ باوقار انسان کی عزت نفس کسی چیز کو معاوضہ کے بغیر قبول نہیں کرتی۔

۵۔ عہد کی پاسداری کی فضیلت اور عہد شکنی کی مذمت معلوم ہوئی۔

۶۔ صلہ رحمی کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۷۔ علماء کا ادب و احترام کرنا چاہئے۔

۸۔ اسلامی ریاست میں مسجد کی تعمیر اور اس کا اہتمام رکن اساسی کی حیثیت رکھتا ہے۔

۹۔ عہدہ و منصب سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔

۱۰۔ آنحضور ﷺ کی تواضع و انکساری معلوم ہوئی کہ مدینہ منورہ میں آمد کے موقع پر کسی نے آپ ﷺ کو فوراً نہیں پہچانا۔

۱۱۔ جو اسباب، انسان کی قدرت و طاقت سے باہر ہوں انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر

دینا چاہئے، اسی طرح ان کے نتائج بھی اللہ کے حوالہ کر دینے چاہئیں۔

۱۲۔ کامیاب قائد وہ ہے جو ہر کام میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک رہتا ہے۔

(۴۵) ﴿حضرت صالح علیہ السلام﴾

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ، مقام حجر کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''نشانیوں کا مطالبہ نہ کرو (جیسے) قوم صالح نے ان کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ اونٹنی پہاڑ سے نکلی، انہوں نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، اس اونٹنی کا حال یہ تھا کہ وہ ایک دن ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ لوگ اس کا دودھ پیتے تھے، پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت چیخ نے ان کو آ پکڑا اور آسمان کی چھت کے نیچے موجود تمام لوگوں کو نیست و نابود کر دیا، صرف ایک آدمی بچ سکا جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و امان میں رہا، کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون تھا؟ فرمایا کہ وہ ابو رغال تھا، جب وہ حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی اسی عذاب میں گرفتار ہوا جس میں اس کی قوم گرفتار ہوئی تھی۔'' [أخرجه احمد (۲۹۶/۳)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ نشانیوں کی فرمائش اور ان کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ اللہ کے رسولوں اور کتابوں کی تکذیب اور انکار پر خدا تعالیٰ کے عذاب اور غضب کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۳۔ جن مقامات پر بڑے بڑے حادثات اور عذاب کے واقعات رونما ہو چکے ہوں وہاں پر قیام کرنا جائز ہے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے علم کی دقت اور گہرائی معلوم ہوئی۔

۵۔ حرم مکہ ان کیلئے جائے پناہ ہے جو وہاں آ کر خود کو محفوظ کر لیں۔

(۴۶) ﴿حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ﴾

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ آج رات میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤں گا، اور ہر بیوی ایک شہسوار جنے گی، جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا، ان کے رفیق نے ان سے کہا کہ ''انشاء اللہ'' کہو، لیکن انہوں نے نہیں کہا، چنانچہ آپ بیویوں کے پاس گئے تو کسی بیوی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا، صرف ایک کے ہاں ہوا اور اس کی بھی ایک جانب بیکار تھی، (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو حانث نہ ہوتے اور اپنی ضرورت و حاجت کو پالیتے۔'' [اخرجه البخاری (۳۴۲۴) و مسلم (۱۶۵۴)]

فوائد حدیث

۱۔ معلوم ہوا کہ اگر سابقہ شریعت کی کوئی بات ہماری شریعت کے خلاف ہو تو اس کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا یا اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ نیک کاموں میں تعاون کی خاطر اولاد کی تمنا کرنا مستحب امر ہے۔

۳۔ نیک کام کی حرص اور تمنا کرنا اور اس کے لئے اسباب اختیار کرنا جائز ہے۔

۴۔ کبھی مباحات، نیت کے ذرا فرق سے مستحبات بن جاتے ہیں۔

۵۔ تاکید کے پیش نظر مباح امور پر قسم کھانا جائز ہے۔

۶۔ قسم کھانے کے بعد انشاء اللہ کہنا بھی جائز ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت معلوم ہوئی۔

۸۔ ذکر اللہ سے غفلت کی مذمت معلوم ہوئی۔

۹۔ جس لفظ کا ذکر کرنا قبیح معلوم ہوتا ہو اس کے لئے کنائی الفاظ استعمال کرنا مناسب ہے۔

(۴۷) کشتی والوں کا واقعہ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے متعلق اطلاع ملی تو ہم یمن میں تھے، اس لئے ہم بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، اور میرے دو بھائی بھی میں ان سے چھوٹا تھا، میرے ایک بھائی کا نام ابو بردہؓ اور دوسرے کا ابو رہمؓ۔ انہوں نے کہا کہ کچھ اوپر پچاس یا انہوں نے بیان کیا کہ ترپین یا باون میری قوم کے افراد میں سے تھے، ہم کشتی پر سوار ہوئے، لیکن ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لا ڈالا، وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، ہم نے وہاں انہیں کے ساتھ قیام کیا، پھر ہم سب (وہاں سے) مدینہ منورہ ساتھ روانہ ہوئے، یہاں ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے، کچھ لوگ ہم سے کہنے لگے کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئی تھیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں زیارت کی غرض سے حاضر ہوئیں، وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئی تھیں، حضرت عمرؓ بھی حفصہؓ کے گھر پہنچے، اس وقت اسماء بنت عمیسؓ وہیں تھیں، جب حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ ام المؤمنین نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا، وہی جو حبشہ سے بحری سفر کر کے آئی ہیں، حضرت اسماءؓ نے کہا کہ جی ہاں، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ہم تم لوگوں سے ہجرت میں آگے ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ سے ہم، تمہارے مقابلہ میں زیادہ قریب ہیں، اس پر اسماءؓ بہت غصہ ہوگئیں، اور کہا، ہرگز نہیں، خدا کی قسم! تم لوگ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہو، تم میں جو بھوکے ہوتے تھے اسے آنحضرت ﷺ کھانا کھلاتے تھے اور جو ناواقف ہوتے اسے آنحضور ﷺ نصیحت وموعظت کیا کرتے تھے، لیکن ہم بہت دور حبشہ میں غیروں اور دشمنوں کے ملک

میں رہتے تھے، یہ سب کچھ ہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ ہی میں تو کیا، اور خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوؤں گی جب تک تمہاری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ کہہ لوں، ہمیں اذیت دی جاتی تھی، دھمکایا ڈرایا جاتا تھا، میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کروں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھوں گی، خدا گواہ ہے کہ نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ کجروی اختیار کروں گی، اور نہ کسی بات کا اضافہ کروں گی، چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی، یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عمرؓ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے انہیں یہ جواب دیا تھا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ مجھ سے قریب نہیں ہیں، انہیں اور ان کے ساتھیوں کو صرف ایک ہجرت حاصل ہوئی اور تم کشتی والوں نے دو ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، انہوں نے بیان کیا کہ اس واقعہ کے بعد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور تمام کشتی والے میرے پاس گروہ در گروہ آنے لگے اور مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھنے لگے، ان کے لئے دنیا میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کے متعلق اس ارشاد سے زیادہ خوش کن اور باعث فخر اور کوئی چیز نہیں تھی، ابوبردہؓ کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوموسیٰؓ مجھ سے اس حدیث کو بار بار سنتے تھے۔

[اخرجه البخاری (۴۲۳۰، و مسلم (۲۵۰۲)]

فائدہ

اس حدیث مبارک سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور ان کشتی والوں کے فضائل و مناقب معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۸) حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس

جاسوس بھیجے اور ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری ؓ کو بنایا جو عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا ہوتے ہیں، جب یہ لوگ عسفان اور مکہ کے درمیان مقام ہدہ پر پہنچے تو بنی ہذیل کے ایک قبیلہ کو ان کے آنے کی اطلاع مل گئی، اس قبیلہ کا نام بنولحیان تھا، چنانچہ اس کے تقریباً سو تیر انداز ان حضرات کی تلاش میں نکلے اور ان کے نشان قدم کے اندازے پر چلنے لگے، آخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں بیٹھ کر کھجوریں کھائی تھیں، انہوں نے کہا کہ یہ یثرب (مدینہ منورہ) کی کھجور (کی گھٹلیاں) ہیں، اب پھر وہ ان کے نشان قدم کے اندازے پر چلنے لگے، جب عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کی نقل و حرکت کو محسوس کرلیا تو ایک جگہ پر پناہ لی، قبیلہ والوں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور کہا کہ نیچے اتر آؤ اور ہماری حراست خود سے قبول کرلو تو تم سے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے کسی فرد کو بھی ہم قتل نہیں کریں گے، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی کافر کی پناہ میں نہیں اتر سکتا، پھر آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! ہمارے حالات کی اطلاع اپنے نبی ﷺ کو کر دیجئے'' آخر قبیلہ والوں نے مسلمانوں پر تیر اندازی کی اور حضرت عاصمؓ کو شہید کر دیا، بعد میں ان کے وعدہ پر تین صحابہ اترے، یہ حضرات حضرت خبیب، زید بن دثنہ اور ایک تیسرے صحابی رضی اللہ عنہم تھے، قبیلہ والوں نے جب ان حضرات پر قابو پالیا تو ان کی کمان سے تانت نکال کر اسی سے انہیں باندھ دیا۔ تیسرے صحابی نے فرمایا کہ یہ تمہاری پہلی بدعہدی ہے، میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاسکتا، میرے لئے تو انہیں کی زندگی نمونہ و مثال ہے، آپ کا اشارہ ان حضرات کی طرف تھا جو ابھی شہید کئے جا چکے تھے، کفار نے انہیں گھسیٹنا شروع کیا، اور زبردستی کی، لیکن وہ کسی طرح ان کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہوئے (تو انہوں نے ان کو بھی شہید کر دیا) اور خبیب اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر گئے اور مکہ میں جا کر انہیں بیچ دیا، یہ بدر کی لڑائی کے بعد کا واقعہ ہے، چنانچہ حارث بن عامر بن نوفل کے لڑکوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا، آپ نے ہی بدر کی لڑائی میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، کچھ دنوں تک ان کے یہاں قید رہے، آخر انہوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، انہیں

دنوں حارث کی کسی لڑکی سے آپ نے استرا مانگا، زیر ناف بال بنانے کے لئے، اس نے دے دیا، اس وقت اس کا ایک چھوٹا سا بچہ اس کے پاس (کھیلتا ہوا) چلا گیا، اس عورت کو خبر نہ ہوئی، پھر جب وہ آپ کی طرف آئی تو دیکھا کہ بچہ آپ کی ران پر بیٹھا ہے اور استرا آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ دیکھتے ہی وہ اس درجہ گھبرا گئی کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کرلیا، اور فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا خوف ہے کہ میں اس بچے کو قتل کردوں گا؟ یقین رکھو! میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا، وہ خاتون کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے کبھی کوئی قیدی حبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا، خدا گواہ ہے کہ میں نے ایک دن انہیں انگور کے ایک خوشہ سے انگور کھاتے دیکھا جو ان کے ہاتھ میں تھا، حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ میں اس وقت کوئی پھل بھی نہیں تھا، وہ بیان کرتی تھی کہ وہ تو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رزق تھا جو اس نے خبیب رضی اللہ عنہ کے لئے بھیجا تھا، پھر بنو حارث انہیں لے کر حرم سے باہر نکلے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو، انہوں نے اس کی اجازت دی تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر تمہیں یہ خیال نہ ہونے لگتا کہ میں گھراہٹ اور پریشانی کی وجہ سے (دیر تک نماز پڑھ رہا ہوں) تو اور زیادہ دیر تک پڑھتا، پھر آپ نے دعا کی ''اے اللہ! ان میں سے ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر اور ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ اور یہ اشعار پڑھے:

ولست ابالی حین اقتل مسلماً علی ایّ شقّ کان للّٰہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یّشاء یبارک علی اوصال شلوٍ ممزّعِ

''جب کہ میں بحالت اسلام قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کسی بھی پہلو پر پچھاڑا جائے، اور یہ صرف اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ہے، اگر وہ چاہے گا تو میرے جسم کے ایک ایک جوڑ پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔''

اس کے بعد ابو سروعہ عقبہ بن حارث ان کی طرف بڑھا اور انہیں شہید کر دیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے ہر اس مسلمان کے لئے جسے قید کر کے قتل کیا جائے، دو رکعت نماز ادا کرنے کی سنت قائم کی ہے۔ قریش کے کچھ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں تو ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے تا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ لائیں جس سے انہیں پہچانا جا سکے، کیونکہ آپ نے بھی بدر کی لڑائی میں ان کے ایک سردار کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر بادل کی طرح شہد کی مکھیوں کے پرے بھیج دیئے اور انہوں نے آپؓ کے جسم کی کفار قریش کے ان فرستادوں سے حفاظت کی، چنانچہ وہ آپؓ کے جسم کا کوئی حصہ بھی نہ کاٹ سکے۔[اخرجه البخاری (۱۶۵/۶ فتح، و ابوداؤد (۲۶۶۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن کی نگرانی اور جاسوسی کے لئے جاسوسی نظام قائم کرنا جائز ہے۔

۲۔ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ لاچارگی کے وقت بھی دشمن کا تندہی سے مقابلہ کرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نیک مومن بندے کی اس کی وفات کے بعد بھی حفاظت کیا کرتے ہیں۔

۴۔ کفار اور مشرکین کے ساتھ بھی معاہدہ کو نبھانا چاہیئے۔ اور ان کی اولاد کو قتل کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

۵۔ اولیاء اللہ کی کرامات کا اثبات ہوا۔

۶۔ مشرکین کے خلاف عمومی انداز میں بددعا کرنا جائز ہے۔

۷۔ قتل کئے جانے کے وقت نماز پڑھنا بہتر ہے۔

۸۔ نیز اس وقت شعر گوئی وغیرہ بھی جائز ہے۔

۹۔ اللہ عزوجل کی ذات پر پختہ و کامل یقین ہونا چاہیئے۔

۱۰۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو کبھی اجر و ثواب عطا کرنے کے لئے آزمائش میں ڈالتے ہیں۔

۱۱۔ مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کا ہر حالت میں احترام ضروری ہے خواہ وہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو۔

(۴۹) سونے کا گھڑا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی نے دوسرے سے ایک زمین خریدی تو خریدار کو اس زمین میں سونے کا ایک گھڑا ملا، خریدنے والے نے اس سے کہا کہ اپنا سونا لے لو، میں نے تو تم سے زمین خریدی تھی، یہ سونا نہیں خریدا تھا، زمین کے مالک نے کہا کہ میں نے وہ زمین ان تمام چیزوں سمیت تجھے بیچ دی تھی۔ جو اس زمین کے اندر ہیں، دونوں اپنا مقدمہ ایک آدمی کے پاس لے کر گئے، اس نے پوچھا کہ کیا تم صاحب اولاد ہو؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے، دوسرے نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے، اس نے کہا کہ تم ان کا نکاح کر دو اور اس مال کو اس میں خرچ کر دو اور جو بچ جائے اسے صدقہ کر دو۔''

[اخرجه البخاری (۳۴۷۲) و مسلم (۱۷۲۱)]

فوائد حدیث

۱۔ بیع و شراء کا جواز معلوم ہوا۔

۲۔ زمین اور جائیداد کا فروخت کرنا درست ہے۔

۳۔ زمین کے اندر مال دفن کرنا جائز ہے البتہ ہماری شریعت میں اس وقت جائز ہوگا جب اس مال کی زکوٰۃ بھی دیتا رہے۔

۴۔ ثابت ہوا کہ فریقین کسی تیسرے کو اپنا ثالث بنا سکتے ہیں۔

۵۔ دو لڑنے والوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینا جائز ہے۔

۶۔ اپنے آپ کو امانت داری ورع و پرہیز گاری اور خوش معاملگی جیسی صفات سے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہیے۔

(۵۰) اخوت اسلامی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص اپنے بھائی کی زیارت (ملاقات) کے لئے دوسرے گاؤں روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا، جب وہ شخص اس کے پاس پہنچا تو فرشتے نے اس سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے جا رہا ہوں جو اس گاؤں میں رہتا ہے، فرشتہ نے دریافت کیا کہ کیا تم اس کے کسی احسان کو چکانے کے لئے تو نہیں جا رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ نہیں، میں تو صرف اس لئے جا رہا ہوں کہ مجھے اس سے اللہ کے لئے محبت ہے، اس فرشتے نے اس پر کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں، یہ بتانے کے لئے کہ جس طرح تم اس سے اللہ کے لئے محبت رکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت رکھتے ہیں۔''

[اخرجه مسلم (۲۵۶۷)]

فوائد حدیث

۱۔ حب فی اللہ کی فضیلت معلوم ہوئی، نیز یہ کہ یہ چیز محبت باری تعالیٰ کا سبب ہے۔

۲۔ نیک لوگوں کی زیارت کے لئے جانا افضل عمل ہے۔

۳۔ کسی کی زیارت اور ملاقات کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔

۴۔ نیز معلوم ہوا کہ انسانوں کا فرشتوں کو دیکھنا ممکن ہے۔

۵۔ پتہ چلا کہ فرشتے انسانی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

(۵۱) حضرت ابرہیمؑ اور ایک جابر حاکم کا قصہ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہؓ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جا رہے تھے کہ ان) کا گزر ایک بڑے ظالم و جابر حاکم کے شہر سے ہوا، چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک نہایت حسین وجمیل عورت ہے، اس حاکم نے (یہ سنتے ہی) ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے، پھر انہوں نے سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آکر کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہوگیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا، پس اگر وہ تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو، اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا مومن نہیں ہے، لہٰذا اس ظالم بادشاہ نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے، سارہ رضی اللہ عنہا جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ رضی اللہ عنہا کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا، ایک روایت میں "فاخذ" کے بجائے "فغط" کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے، (بہر حال) وہ زمین پر پیر مارنے لگا، پھر اس نے سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم خدا سے دعا کرو، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، چنانچہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی اور اس ظالم کی گوخلاصی ہوگئی، لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت (عتاب خداوندی میں) پکڑا گیا، اس نے پھر کہا کہ خدا سے

دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس ظالم کی گو خلاصی ہوگئی، اس کے بعد اس ظالم نے اپنے دربانوں میں سے کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے، پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لئے ہاجرہ نام کی ایک لونڈی دی، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینہ میں لوٹا دیا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ کو میرے ساتھ کر دیا ہے۔

[اخرجه البخاری (۲۲۱۷) بلفظ آخر برقم (۳۳۵۸) و مسلم (۲۳۷۱)]

فوائد حدیث

۱۔ اخوت اسلامی کے قیام کا جواز معلوم ہوا۔
۲۔ جب جان کا خطرہ ہو تو خود کو پیش کر دینا مباح ہے۔
۳۔ ظالم اور غاصب حاکم کی اطاعت جائز ہے۔
۴۔ ظالم حاکم کا ہدیہ یا انعام قبول کرنا جائز ہے۔
۵۔ مشرک کا ہدیہ قبول کرنا درست ہے۔
۶۔ نیت خالص ہو تو دعا بھی قبول ہوتی ہے۔
۷۔ جو شخص نیک اعمال کے ساتھ مخلصانہ انداز میں دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کفایت و حفاظت کرتے ہیں۔
۸۔ درجات کی بلندی کے لئے نیک لوگ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔
۹۔ جو شخص کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو اسے چاہئے کہ نماز میں مشغول ہو۔
۱۰۔ معلوم ہوا کہ وضو کا حکم سابقہ امتوں میں بھی تھا (جیسا کہ مذکورہ حدیث کی بعض روایات میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا ذکر بھی

آتا ہے)۔

۱۱۔ انبیاء ورسول علیہم السلام اپنی ازواج کے معاملہ میں معصوم ہوتے ہیں۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو آگے بیان کرنا جائز ہے۔

(۵۲) ﴿حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ﴾

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ایک روز) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطاب کیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ہوں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عتاب ان پر ہوا کہ انہوں نے علم کو اللہ کے حوالہ کیوں نہ کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دو دریاؤں کے سنگھم پر ہے، وہ تجھ سے زیادہ صاحب علم ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے پروردگار! میری ان سے کیسے ملاقات ہو؟ حکم ہوا کہ ایک مچھلی توشے میں رکھ لو، پھر جب تم اس مچھلی کو گم کر دو تو وہ بندہ وہیں تمہیں ملے گا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام چلے اور ساتھ میں اپنے خادم یوشع بن نون کو لے لیا اور انہوں نے توشے میں مچھلی رکھ لی، جب ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں اپنے سر اس پر رکھ کر سو گئے اور مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں اپنی راہ جا لگی، اور یہ بات موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کے لئے تعجب انگیز تھی، پھر دونوں بقیہ رات اور دن میں چلتے رہے، جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر میں ہم نے کافی تکلیف اٹھائی، اور موسیٰ علیہ السلام بالکل نہیں تھکے تھے، مگر جب اس جگہ سے آگے نکل گئے جہاں تک انہیں جانے کا حکم ملا تھا، تب ان کے خادم نے کہا کہ کیا آپ نے دیکھا تھا کہ جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا، موسیٰ علیہ السلام (یہ سن کر) بولے کہ یہی وہ جگہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی، تو وہ پچھلے پاؤں لوٹ گئے، جب پتھر تک پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے، موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا: خضر علیہ السلام

نے کہا کہ تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام ہوں، خضر علیہ السلام بولے کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے ہدایت کی وہ باتیں بتلائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلائی ہیں؟ خضر علیہ السلام بولے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! مجھے اللہ نے ایسا علم دیا ہے جسے تم نہیں جانتے اور تم کو جو علم دیا ہے اسے میں نہیں جانتا، (اس پر) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پاؤ گے، اور میں کسی بات میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا، پھر دونوں دریا کے کنارے کنارے پیدل چلے، ان کے پاس کوئی کشتی نہ تھی کہ ایک کشتی ان کے سامنے سے گزری تو کشتی والوں سے انہوں نے کہا کہ ہمیں بٹھالو، خضر علیہ السلام کو انہوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کرلیا، اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر سمندر میں اس نے ایک دو چونچیں ماریں، خضر علیہ السلام بولے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میرے اور تمہارے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہوگا جتنا اس چڑیا نے سمندر (کے پانی) سے، پھر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکال ڈالا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں بغیر کرایہ کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی (کا تختہ) اکھاڑ دیا تا کہ یہ ڈوب جائیں، خضر علیہ السلام بولے کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے، (اس پر) موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھول پر میری گرفت نہ کریں، موسیٰ علیہ السلام نے بھول کر یہ پہلا اعتراض کیا تھا، پھر دونو ں چلے، ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کا سر پکڑ کر ہاتھ سے اسے الگ کر دیا، موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ تم نے ایک بے گناہ کو بغیر کسی جانی حق کے مار ڈالا، خضر علیہ السلام بولے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ پھر دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ ایک گاؤں والوں کے پاس آئے، ان سے کھانا لینا چاہا، انہوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے وہیں

دیکھا کہ ایک دیوار اسی گاؤں میں گرنے کے قریب تھی، خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے؟ خضر علیہ السلام نے کہا کہ (بس اب) ہم تم میں جدائی کا وقت آگیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر اور صبر کرتے تو مزید واقعات ان دونوں کے بیان کئے جاتے۔'' [اخرجه البخاری (۱۲۲) و مسلم (۲۳۸۰)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عالم اور فاضل شخص کی خدمت بجالائے اور اس کی ضرورت کو پورا کر دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔ اس حدیث سے علم میں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب معلوم ہوئی کہ دعویٰ نہ کرے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں، بلکہ یوں کہے کہ اللہ اعلم، یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔

۳۔ احکام شریعت کو بلا چون و چرا قبول کرنا چاہئے، اگرچہ بعض احکام کی حکمتیں سمجھ میں نہ آئیں۔

۴۔ علم کی تلاش میں سفر کرنا مستحب ہے۔

۵۔ علماء و مشائخ کا ادب کرنا چاہئے۔

۶۔ اولیاء اللہ کی کرامات ثابت ہوئیں۔

۷۔ ضرورت کے وقت کھانا مانگنا جائز ہے۔

۸۔ کشتی کو کرایہ داری کے لئے دینا اور مالک کی اجازت اور رضا مندی سے بغیر کرایہ کے کشتی اور دوسرے جانوروں کی سواری، گھر کی رہائش اور لباس وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے۔

۹۔ حکم کا مدار ظاہری احوال پر ہے جب تک کہ اس کے خلاف امر ظاہر نہ ہو۔
۱۰۔ جب دو قسم کے مفاسد سے دوچار ہو تو بڑی خرابی سے بچنے کے لئے چھوٹی خرابی کا ارتکاب کرلے۔
۱۱۔ وعظ و ارشاد اور سوال و جواب کا تبادلہ جائز ہے۔
۱۲۔ بندوں کو ان ہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کو سکھلا دیں، خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں۔
۱۳۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بھول چوک، تعجب و تکان، بھوک و پیاس اور نیند وغیرہ (چیزیں) پیش آتی ہیں۔
۱۴۔ اپنے خادم اور ساتھی کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔
۱۵۔ کوئی انسان شیطانی وساوس سے خالی نہیں ہے۔
۱۶۔ خبر واحد معتبر ہے۔

(۵۳) ﴿حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا مباحثہ﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا مباحثہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے آدم علیہ السلام! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہمیں محروم کر دیا اور جنت سے نکلوا دیا، آدم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا کیا اور اپنے دست قدرت سے تیرے خدوخال بنائے، کیا تم مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے ہی مقدر کر دیا تھا؟ پس آدم، موسیٰ علیہما السلام پر غالب آگئے، پس آدم، موسیٰ علیہما السلام پر غالب آگئے پس آدم، موسیٰ علیہما السلام پر غالب آگئے۔''

[اخرجه البخاری (۳۴۰۷) و مسلم (۲۶۵۲)]

فوائد حدیث

۱۔ پیچیدہ مسائل میں صالحین کا آپس میں بحث مباحثہ کرنا جائز ہے۔
۲۔ ہر مناظر کو چاہئے کہ اپنے ساتھی کے مقام و مرتبہ کا خیال اور پاس کرے۔
۳۔ فرقہ قدریہ کے نظریہ کی تردید ہوئی، جو تقدیر کے منکر ہیں۔
۴۔ بسا اوقات ایک برائی بہت سی نیکیوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔
۵۔ جو شخص گناہ سے توبہ کر چکا ہو یا اس سے کوئی کام نادانستہ طور پر یا بھول سے سرزد ہو جائے تو اسے ملامت اور طعن کا نشانہ نہیں بنانا چاہئے۔

(۵۴) دجال کا واقعہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن کی یہ آواز ''الصلوٰۃ جامعۃ'' سن کر مسجد پہنچی اور پھر میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اس وقت آپ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جہاں نماز پڑھی ہے وہیں بیٹھا رہے، پھر فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا کی قسم! میں نے تمہیں نہ تو کسی مرغوب چیز کے لئے جمع کیا ہے اور نہ کسی دہشت ناک چیز کے لئے، بلکہ میں نے تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری، جو ایک نصرانی شخص تھا، آیا اور مسلمان ہوا اور اس نے مجھے ایک ایسا واقعہ سنایا جو مسیح دجال کے بارے میں ان باتوں کے مطابق ہے جو میں تمہیں بتایا کرتا ہوں۔ مجھ سے تمیم داری نے بیان کیا کہ وہ ایک دن قبیلۂ جذام اور لخم کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا تو پانی کی موج ایک مہینہ تک کشتی کے سواروں سے کھیلتی رہی (یعنی کشتی مسلسل ایک مہینہ

تک بحری موج میں گھری رہی اور اس کے سوار منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے) یہاں تک کہ اس موج نے کشتی کو ایک دن غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کے قریب پہنچا دیا اور سارے سواران چھوٹی کشتیوں میں جو بڑی کشتی کے ساتھ تھیں بیٹھ کر اس جزیرہ میں پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک ایسا چوپایہ ملا جو بہت بالوں والا تھا۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا آگا پیچھا معلوم نہیں ہوتا تھا، لوگوں نے اس کو دیکھ کر بڑی حیرت سے کہا کہ تجھ پر افسوس! تو کون ہے؟ اور کیا چیز ہے؟ اس چوپایہ نے جواب دیا کہ میں جاسوس اور خبر رساں ہوں، تم لوگ میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلو جو ''دیر'' میں ہے، کیونکہ اسے تمہاری خبریں سننے کا بہت شوق ہے۔ تمیم داریؓ نے بیان کیا کہ جب اس چوپایہ نے ہم سے ایک شخص کا ذکر کیا تو ہمیں بڑا ڈر لگا کہ وہ شخص کہیں انسان کی شکل وصورت میں شیطان نہ ہو، بہرحال! ہم تیزی کے ساتھ چل پڑے اور جب ''دیر'' میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک سب سے بڑے ڈیل ڈول والا اور نہایت خوفناک آدمی موجود ہے، اس جیسی شکل وصورت کا آدمی ہم نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ نہایت مضبوط اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ گردن تک اور گھٹنوں کے درمیان سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے، ہم نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے، تو کون ہے؟ اور کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ (جب تم نے مجھ کو پا لیا اور معلوم کر ہی لیا ہے تو میں تم سے اپنے بارے میں کچھ نہیں چھپاؤں گا، لیکن پہلے) مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو؟ ہمارے لوگوں نے اسے بتایا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں بحری کشتی میں سوار ہوئے تھے کہ سمندری طوفان نے ہمیں ایک مہینہ تک گھیرے رکھا (اور ہماری کشتی کو یہاں لا چھوڑا) ہم اس جزیرہ پر اتر گئے یہاں ہمیں ایک بالوں والا چوپایہ ملا اور اس نے کہا کہ میں جاسوس ہوں، تم لوگ اس شخص کے پاس جاؤ جو ''دیر'' میں موجود ہے، چنانچہ ہم بڑی تیزی سے تمہارے پاس چلے آئے، اس نے کہا کہ اچھا، مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان میں کھجوروں کے جو درخت ہیں ان پر پھل آتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں پھل آتے ہیں اس نے کہا کہ جان لو! جلد ہی وہ زمانہ آنے والا ہے جب بیسان کے کھجور

کے درختوں پر پھل نہیں آئیں گے، اس نے کہا کہ اب مجھے بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ کہ آیا اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ اس میں تو بہت پانی ہے، اس نے کہا کہ عنقریب اس کا پانی ختم ہو جائے گا، پھر اس نے پوچھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ زغر کے چشمہ میں پانی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کے لوگ اس چشمہ کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں، اس چشمہ میں بہت پانی ہے اور وہاں کے لوگ اسی پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، اس کے بعد اس نے کہا کہ اب مجھے امیوں یعنی اہل عرب کے نبی ﷺ کے بارے میں بتاؤ، اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا کہ اس نے مکہ چھوڑ دیا ہے اور اب یثرب (مدینہ) کو ہجرت کر گئے ہیں، اس نے پوچھا کہ کیا عرب کے لوگ ان سے لڑے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں، پھر اس نے پوچھا کہ انہوں نے اہل عرب سے کیا معاملہ کیا؟ ہم نے اس کو بتایا کہ وہ نبی ﷺ ان عربوں پر غالب آ گئے ہیں جو ان کے قریب ہیں اور انہوں نے ان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کا ان کی اطاعت کرنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں، میں درحقیقت مسیح یعنی دجال ہوں۔ وہ زمانہ جلد ہی آنے والا ہے جب مجھے نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ اس وقت میں نکلوں گا اور چالیس دنوں تک زمین پر پھروں گا، یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہیں چھوڑوں گا جس میں داخل نہیں ہوں گا، سوائے مکہ اور طیبہ یعنی مدینہ کے، یہ دونوں شہر مجھ پر حرام قرار دیئے گئے ہیں، جب میں ان دونوں شہروں میں سے کسی شہر میں داخل ہونا چاہوں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آ جائے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی وہ فرشتہ مجھ کو اس شہر میں داخل ہونے نہیں دے گا، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک شہر کے تمام راستوں پر فرشتے مامور ہیں جو اس شہر کی نگہبانی کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا عصا مبارک منبر پر مار کر یہ فرمایا کہ یہ ہے طیبہ، یہ ہے طیبہ، یہ ہے طیبہ، یعنی مدینہ، (پھر فرمایا) یاد رکھو! کیا میں تمہیں یہی بات نہیں بتایا کرتا تھا؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ہاں، (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) جان لو! دجال شام کے سمندر میں ہے

یا یمن کے سمندر میں، نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔" [اخرجه مسلم (۲۹۴۲) و ابو داؤد (۴۳۵۲)]

(۵۵) دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے دجال کا ذکر کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دجال نکلے اور (بالفرض) میں تمہارے درمیان موجود ہوں تو میں اس سے تمہارے سامنے جھگڑوں گا (اور اس پر غالب آؤں گا) اور اگر دجال اس وقت نکلا جب میں نہ ہوں گا تو پھر تم میں سے ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے اس سے جھگڑنے والا ہوگا اور میرا وکیل اور خلیفہ ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ ہے، دجال جوان ہوگا، اس کے بال گھنگریالے ہوں گے اور اس کی آنکھ پھولی ہوئی ہوگی، گویا میں اس کو قطن کے بیٹے عبدالعزی سے تشبیہ دے سکتا ہوں، پس تم میں سے جو شخص اس کو پائے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سورۃ الکہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے، کیونکہ وہ آیتیں تمہیں دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھیں گی، (یاد رکھو) دجال اس راستہ سے نمودار ہوگا جو شام اور عراق کے درمیان واقع ہے۔ اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا، اے اللہ کے بندو! تم ثابت قدم رہنا، (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کتنے دن زمین پر رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس دن، (ان میں سے) ایک دن تو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے دنوں کے مطابق ہوں گے" ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان دنوں میں سے جو ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس روز ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ

زمین پر کتنا زیادہ تیز چلے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس ابر کی مانند تیز رفتار ہوگا جس کے پیچھے ہوا ہو، وہ ایک قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا، لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے، پھر وہ ابر کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو ابر بارش برسائے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی، پھر جب شام کو اس قوم کے مویشی آئیں گے جو چرنے کے لئے صبح کے قوت جنگل و بیابان گئے تھے تو ان کے کوہان بڑے بڑے ہو جائیں گے اور ان کی کوکھیں تن جائیں گی پھر اس کے بعد دجال ایک اور قوم کے پاس پہنچے گا اور ان کو اپنی دعوت دے گا لیکن اس قوم کے لوگ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ اور وہ ان کے پاس سے چلا جائے گا، پھر اس قوم کے لوگ قحط اور خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے، یہاں تک کہ وہ مال و اسباب سے بالکل تہی دست ہو جائیں گے، اس کے بعد دجال ایک ویران جگہ پر سے گزرے گا اور اس کو حکم دے گا کہ وہ اپنے خزانوں کو نکال دے، چنانچہ وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے سردار ہوتے ہیں پھر دجال ایک شخص کو جو جوانی سے بھرپور ہوگا، اپنی طرف بلائے گا اور (وہ انکار کر دے گا تو) وہ اس پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارے گا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ پر پھینکا جاتا ہے، اس کے بعد دجال اس نوجوان (کے جسم کے ان ٹکڑوں) کو بلائے گا، چنانچہ وہ زندہ ہو کر دجال کی طرف متوجہ ہوگا اور اس وقت اس کا چہرہ نہایت بشاش، روشن اور کھلا ہوا ہوگا، غرضیکہ دجال کی فریب کاریاں جاری ہوں گی کہ اچانک اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا جو دمشق کے مشرقی جانب کے سفید منارے پر سے اتریں گے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے نازل ہوں گے، وہ جس وقت اپنا سر جھکائیں گے تو پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو ان کے سر پر چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے جو موتیوں کی طرح ہوں گے۔ یہ ناممکن ہوگا کہ کسی کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے اور وہ مر نہ جائے، اور ان کے سانس کی ہوا ان کی حد نظر تک جائے گی، پھر حضرت

عیسیٰ علیہ السلام، دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد پر پائیں گے، اور قتل کر ڈالیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے چہروں سے گرد وغبار صاف کریں گے اور ان کو ان درجات کی بشارت دیں گے جو وہ جنت میں پائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس یہ وحی آئے گی کہ میں نے اپنے بہت سے بندے پیدا کئے ہیں جن سے لڑنے کی طاقت کوئی نہیں رکھتا، لہٰذا تم میرے بندوں کو جمع کر کے کوہ طور کے طرف لے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو، پھر اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو ظاہر کرے گا جو ہر بلند زمین کو پھلانگتے ہوئے اتریں گے اور دوڑیں گے، (ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ) جب ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ سے گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی جائے گی، پھر جب اس کے بعد آنے والی جماعت کا وہاں سے گزر ہوگا تو کہے گی کہ اس میں کبھی پانی ہوتا تھا، اس کے بعد یاجوج ماجوج آگے بڑھیں گے، یہاں تک کہ ''جبل خمر'' تک پہنچیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے پھر کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو ختم کر دیا ہے، چلو، آسمان والوں کا خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا، اس عرصہ میں خدا کے نبی اور ان کے رفقاء یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس وقت کے مومن کوہ طور پر روکے رکھے جائیں گے اور ان کے لئے بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا، چنانچہ اللہ کے نبی علیہ السلام اور ان کے ساتھی یاجوج ماجوج کی ہلاکت کیلئے دعا و زاری کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں نغف (کیڑے پڑ جانے کی بیماری) بھیجے گا جس سے وہ سب یکبارگی اس طرح مر جائیں گے جس طرح کوئی ایک شخص مر جاتا ہے، اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی پہاڑ سے زمین پر آئیں گے اور انہیں زمین پر ایک بالشت کا ٹکڑا بھی ایسا نہیں ملے گا جو یاجوج ماجوج کی چربی اور بدبو سے خالی ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ بختی

اونٹ کی گردن جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندوں کو بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ پرندے ان کی لاشوں کو نہبل میں ڈال دیں گے اور مسلمان یاجوج و ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو سات سال تک چلاتے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایک زوردار بارش بھیجے گا جس سے کوئی بھی مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا پتھر کا اور خواہ صنوف کا ہو، نہیں بچے گا، وہ بارش زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح صاف کردے گی، پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھلوں کو نکال اور اپنی برکت کو واپس لا، چنانچہ اس وقت دس سے لے کر چالیس آدمیوں تک کی پوری جماعت ایک انار کے پھل سے سیر ہو جائے گی اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے۔ نیز دودھ میں برکت دی جائے گی، یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگی، دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک بکری آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوگی، بہرحال! لوگ اسی طرح کی خوش حال اور امن وچین کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جو ان کی بغل کے نیچے کے حصے کو پکڑے گی اور پھر وہ ہوا ہر مومن آدمی کی روح قبض کرلے گی اور صرف بدکار و شریر لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح مختلط ہو جائیں گے۔ اور ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔" [اخرجہ مسلم (۲۹۳۷) والترمذی (۲۲۴۰) وابن ماجہ (۴۱۲۶) واحمد (۲۴۸/۴)]

(۵۶) قیامت کا منظر

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری محسوس کرتے ہوئے جبکہ آسمان صاف ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اپنے رب

کے دیدار میں تمہیں دشواری پیش نہیں آئے گی، جس طرح سورج اور چاند کو دیکھنے میں پیش نہیں آتی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ہر قوم اس کے ساتھ جائے جس کی وہ عبادت کرتی تھی، چنانچہ صلیب کے پجاری اپنی صلیب کے ساتھ، بتوں کے پجاری اپنے بتوں کے ساتھ اور تمام معبودان باطلہ کے پجاری اپنے معبودوں کے ساتھ چلے جائیں گے اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرنے والے تھے، ان میں نیک و بد دونوں ہوں گے اور اہل کتاب کے کچھ باقی ماندہ ہوں گے، پھر دوزخ ان کے سامنے پیش کی جائے گی، وہ ایسی ہوگی جیسے ریت کا میدان ہوتا ہے، پھر یہود سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم عزیر بن اللہ کی عبادت کرتے تھے، انہیں جواب ملے گا کہ تم جھوٹے ہو، خدا تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ کوئی اولاد، تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں سیراب کیا جائے؟ کیونکہ ہم پیاسے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ پیو، اور پھر وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، پھر نصاریٰ سے کہا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسیح بن اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ کی نہ بیوی ہے اور نہ کوئی اولاد، اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سیراب کئے جائیں؟ ان سے کہا جائے گا کہ پیو، اور انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے، نیک و بد دونوں، ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگ کیوں رکے ہوئے ہو جبکہ سب لوگ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم ان سے ایسے وقت جدا ہوئے کہ ہمیں ان کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا ہے کہ ہر قوم اس کے ساتھ ہو جائے جس کی وہ عبادت کرتی تھی، اور ہم اپنے رب کے منتظر ہیں، پھر اللہ جبار ان کے سامنے اس صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آئے گا جس میں انہوں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہوگا اور کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، لوگ کہیں گے کہ تو ہی ہمارا رب ہے، اس دن انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کوئی بات نہیں کرے گا، پھر پوچھے گا کہ کیا تمہیں اس کی کوئی

نشانی یاد ہے؟ وہ کہیں گے کہ ''ساق'' (پنڈلی)، پھر اللہ تعالیٰ اپنی ساق کو کھولے گا اور ہر مومن اس کے لئے سجدہ ریز ہو جائے گا، صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو ریاکاری اور شہرت کے لئے اسے سجدہ کرتے تھے، وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پیٹھ تختہ کی طرح ہو جائے گی، پھر انہیں پل پر لایا جائے گا، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! پل کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھسلنے اور گرنے کی جگہ ہے اس پر کانٹے اور آنکڑے ہوں گے اور چوڑے گوکھر ہوں گے اور ایسے مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے جیسے نجد میں ہوتے ہیں، انہیں سعدان کہا جاتا ہے، مومن اس پر چشم زدن میں بجلی کی طرح، ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑے اور سواری کی طرح گزر جائیں گے، ان میں بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے، یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا، تم آج مجھ سے حق کے معاملے میں اس قدر سخت نہیں ہو جیسا کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے مومن کریں گے اور جب وہ دیکھیں گے کہ اپنے بھائیوں میں سے انہیں نجات ملی ہے تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے بھائی بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ دوسرے نیک اعمال کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لاؤ، اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام کر دے گا، چنانچہ وہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ بعض کا تو جہنم میں قدم اور آدھی پنڈلی تباہ ہوئی ہے، چنانچہ جنہیں وہ پہچانیں گے نکالیں گے، پھر واپس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جاؤ اور جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی ایمان ہو، اسے نکال لو، چنانچہ جسے وہ پہچانتے ہوں گے اسے نکال لیں گے، پھر وہ واپس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ، چنانچہ وہ پہچانے جانے والوں کو نکالیں گے۔

حضرت ابوسعیدؓ نے اس پر فرمایا کہ اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے تو یہ آیت

پڑھو:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا﴾

''یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر نیکی ہے تو اسے بڑھاتا ہے۔''

پھر انبیاء علیہما السلام اور مومنین اور فرشتے شفاعت کریں گے اور اللہ جبار کا ارشاد ہوگا کہ میری شفاعت باقی رہ گئی ہے، چنانچہ جہنم سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جو کوئلے ہوگئے ہوں گے، پھر وہ جنت کے سامنے ایک نہر میں ڈال دیئے جائیں گے جسے آب حیات کہا جاتا ہے اور یہ لوگ اس کے کنارے سے اس طرح اگ آئیں گے جس طرح سیلاب کے کوڑے کرکٹ سے سبزہ اگتا ہے، تم نے یہ منظر کسی چٹان کے یا کسی درخت کے کنارے دیکھا ہوگا تو جس پر دھوپ پڑتی ہے وہ سبز ہوتا ہے اور جس پر سایہ ہوتا ہے وہ سفید ہوتا ہے، پھر وہ اس طرح نکلیں گے جیسے موتی۔ اس کے بعد ان کی گردنوں میں مہریں ڈال دی جائیں گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا، اہل جنت انہیں ''عتقاء الرحمٰن'' (رحم کرنے والے اللہ کے آزاد کردہ) کہیں گے، انہیں اللہ تعالیٰ نے بلا عمل کے جو انہوں نے کیا ہو اور بلا خیر کے جو ان سے صادر ہوئی ہو، جنت میں داخل کیا ہے، اور ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم دیکھتے ہو اور اتنا ہی اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو کسی کو بھی عطا نہیں کیں، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ میرے پاس اس سے زیادہ افضل نعمت موجود ہے، وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ایسی کونسی چیز ہے جو سب سے افضل ہے، اللہ فرمائیں گے کہ میری رضا، اب میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔'' [اخرجه البخاری (۷۴۳۹) و مسلم (۱۸۳)]

(۵۷) ﴿حضور اقدس ﷺ کا خواب مبارک﴾

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو

باتیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اکثر کیا کرتے تھے ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر جو چاہتا اپنا خواب آنحضرت ﷺ سے بیان کرتا۔ ایک روز آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات میرے پاس دو آنے والے آئے اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور کہا کہ میرے ساتھ چلو، میں ان کے ساتھ چل دیا، پھر میں اور وہ، ایک لیٹے ہوئے شخص کے پاس آئے جس کے پاس ایک دوسرا شخص پتھر لئے کھڑا تھا، وہ اس کے سر پر پتھر پھینک کر مارتا تو اس کا سر اس سے پھٹ جاتا، پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا، لیکن وہ شخص پتھر کے پیچھے جاتا اور اسے اٹھا لاتا اور اس لیٹے ہوئے شخص تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا سر ٹھیک ہو جاتا جیسا کہ پہلے تھا، کھڑا شخص پھر اسی طرح پتھر اس پر مارتا اور وہی صورتیں پیش آتیں جو پہلے پیش آئی تھیں، آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں سے پوچھا کہ سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آگے بڑھو، فرمایا کہ پھر ہم آگے بڑھے اور ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے پاس لوہے کا آنکڑا لئے کھڑا ہے اور یہ اس کے چہرہ کی طرف آتا اور اس کے ایک جبڑے کو گدی تک چیرتا اور اس کی ناک کو گدی تک چیرتا اور اس کی آنکھ کو گدی تک چیرتا، پھر وہ دوسری جانب جاتا اور ادھر بھی اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی جانب کیا تھا، وہ ابھی دوسری جانب سے فارغ بھی نہ ہوتا تھا کہ پہلی جانب اپنی پہلی صحیح حالت میں لوٹ آتی، پھر دوبارہ وہ اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ کیا تھا، فرمایا کہ میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آگے بڑھو، چنانچہ ہم آگے بڑھے، پھر ہم ایک تنور جیسی چیز پر آئے، (راوی) کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ کہتے تھے کہ میں نے شور اور آواز سنی تھی، فرمایا کہ پھر ہم نے اس میں جھانکا تو اس کے اندر کچھ ننگے مرد اور عورتیں تھیں، اور ان کے نیچے سے آگ کی لپیٹ آتی تھی، جب آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لیتی تو وہ چلانے لگتے، فرمایا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آگے چلو، فرمایا کہ ہم آگے

چل دیئے اور ایک نہر پر آئے، میرا خیال ہے کہ آپ نے کہا کہ وہ خون کی طرح سرخ تھی اور اس نہر میں ایک شخص تیر رہا تھا اور نہر کے کنارے ایک دوسرا شخص تھا جس نے اپنے پاس بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے، اور تیرنے والا تیرتا ہوا جب اس شخص کے پاس پہنچتا جس نے پتھر جمع کر رکھے تھے تو یہ اپنا منہ کھول دیتا اور کنارے والا شخص اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا، پھر وہ تیرنے لگتا اور پھر اس کے پاس لوٹ کر آتا اور جب بھی اس کے پاس آتا تو وہ اپنا منہ پھیلا دیتا اور یہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا، فرمایا کہ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ آگے چلو، فرمایا کہ پھر ہم آگے بڑھے اور ایک نہایت بدصورت آدمی کے پاس پہنچے جتنے بدصورت تم نے دیکھے ہوں گے ان میں سب سے زیادہ بدصورت، اس کے پاس آگ جل رہی تھی اور وہ اسے جلا رہا تھا اور اس کے اردگرد دوڑتا تھا، فرمایا کہ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے کہا کہ چلو چلو، ہم آگے بڑھے اور ایسے باغ میں پہنچے جو ہرا بھرا تھا اور اس میں موسم بہار کے سب پھول تھے، اس باغ کے درمیان میں ایک بہت لمبا شخص تھا، اتنا لمبا تھا کہ میرے لئے اس کا سر دیکھنا مشکل تھا کہ وہ آسمان سے باتیں کرتا تھا اور اس شخص کے چاروں طرف بہت سے بچے تھے کہ اتنے کبھی نہ دیکھے تھے، فرمایا کہ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ چلو چلو، فرمایا کہ پھر ہم آگے بڑھے اور ایک عظیم الشان باغ تک پہنچے، میں نے اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت باغ کبھی نہیں دیکھا تھا، ان دونوں نے کہا کہ ان پر چڑھیئے، ہم اس پر چڑھے تو ایک ایسا شہر دکھائی دیا جو اس طرح بنا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی تھی اور ایک اینٹ چاندی کی، ہم شہر کے دروازے پر آئے تو ہم نے اسے کھلوایا، وہ ہمارے لئے کھولا گیا، اور ہم اس میں داخل ہوئے، ہم نے ایسے لوگوں سے ملاقات کی جن کے جسم کا نصف حصہ نہایت خوبصورت تھا اور دوسرا حصہ نہایت بدصورت تھا، فرمایا کہ ان دونوں ساتھیوں نے ان لوگوں سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں کود جاؤ، ایک نہر سامنے بہہ رہی تھی، اس کا پانی انتہائی سفید تھا، وہ لوگ گئے اور اس میں کود گئے، پھر

ہمارے پاس لوٹ کر آئے تو ان کا پہلا عیب جا چکا تھا اور اب وہ نہایت خوبصورت ہو گئے تھے، فرمایا کہ ان دونوں نے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ ﷺ کی منزل ہے، فرمایا کہ میری نظر اوپر کی طرف اٹھی تو سفید بادل کی طرح ایک محل نظر آیا، فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی منزل ہے، فرمایا کہ میں نے ان سے کہا، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، مجھے اس میں داخل ہونے دو، انہوں نے کہا کہ اس وقت تو آپ ﷺ نہیں جا سکتے، لیکن آپ ﷺ اس میں ضرور جائیں گے، فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ آج رات میں نے عجیب وغریب چیزیں دیکھیں؟ یہ چیزیں کیا تھیں جو میں نے دیکھی ہیں؟ فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے کہا، ہم آپ ﷺ کو بتائیں گے، پہلا شخص جس کے پاس آپ ﷺ گئے تھے اور جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، یہ وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا ہے پھر اسے چھوڑ دیتا ہے، اور فرض نماز چھوڑ کر سو رہتا ہے، اور وہ شخص جس کے پاس آپ ﷺ گئے تھے اور جس کا جبڑا گدی تک اور ناک گدی تک چیری جا رہی تھی، یہ وہ شخص ہے جو صبح اپنے گھر سے نکلتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے جو دنیا میں پھیل جاتا ہے اور وہ ننگے مرد اور عورتیں جو تنور جیسی چیزیں آپ ﷺ نے دیکھیں وہ زنا کار مرد اور عورتیں ہیں، وہ شخص جس کے پاس آپ ﷺ اس حال میں گئے کہ وہ نہر میں تیر رہا ہے اور اس کے منہ میں پتھر ڈالا جاتا ہے وہ سود خور ہے اور وہ شخص جو کریہ المنظر ہے اور جہنم کی آگ بھڑکا رہا ہے اور اس کے گرد دوڑ رہا ہے، وہ جہنم کا داروغہ ہے، اور وہ لمبا شخص جو باغ میں نظر آیا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو بچے ان کے ارد گرد نظر آئے وہ اصل میں وہ بچے ہیں جو (بچپن ہی میں) فطرت پر مر گئے تھے، (راوی کا) بیان ہے کہ اس پر بعض مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین کے بچوں کا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی، اور وہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اچھے عمل کے ساتھ برے عمل بھی کیے، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے۔''

[اخرجه البخاری (۷۰۴۷)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث پاک سے (بظاہر) یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسراء کا وقوع بیداری اور خواب میں کئی بار ہوا ہے۔
۲۔ بعض نافرمانوں کو برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔
۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کی ایک نوع یہ ہے کہ پہلے بات اجمالاً بیان کی جائے پھر اس کی تفصیل ذکر کی جائے۔
۴۔ فرض نماز سے غفلت برتنا عذاب خداوندی کا موجب ہے۔
۵۔ قرآن کو یاد کر کے بھلا دینا قابل سزا جرم ہے۔
۶۔ زنا کاری، سود خوری اور کذب بیانی سخت گناہ ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔
۷۔ دنیا میں رہتے ہوئے انسان، جنت کے محل میں نہیں جاسکتا، بلکہ وفات کے بعد ہی جائے گا۔
۸۔ اس حدیث سے طلب علم کی ترغیب معلوم ہوئی۔
۹۔ شہداء کی فضیلت معلوم ہوئی کہ ان کے لئے جنت میں اعلیٰ درجات ہوں گے،
۱۰۔ جس کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوئے اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا، (ان شاء اللہ)۔
۱۱۔ خواب کے متعلق لوگوں سے پوچھنا چاہئے اور ان کو اس کی تعبیر بتانی چاہئے، اور نماز فجر کے بعد یہ امر مستحب ہے۔
۱۲۔ جس نماز کے بعد سنن وغیرہ نہ ہوں ایسی نماز کے بعد امام کے لئے مستحب ہے کہ لوگوں کو مسائل وغیرہ بتانے کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے۔

(۵۸) ﴿ایک خوفناک مچھلی﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے ہمیں تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا اور ہمارا امیر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، کو بنایا، تا کہ ہم قریش کے قافلہ تجارت کی گھات میں رہیں، کھجوروں کا ایک تھیلا زاد راہ کے طور پر ساتھ لے لیا، حضرت ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایک کھجور ہمیں دیتے تھے، (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ایک کھجور سے کیا ہوتا ہوگا؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم اس کو یوں چوستے تھے جیسے بچہ چوستا ہے، پھر اس پر پانی پی لیتے تھے، پس وہ کھجور پورے دن کے لئے کافی ہوتی تھی، (جب کھجوریں ختم ہوگئیں تو) ہم اپنی لاٹھیوں سے پتے جھاڑ کر انہیں پانی میں بھگو کے کھانے لگے، آخر ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے، اتفاق سے سمندر کے ساحل سے ہمیں ایک مچھلی ملی جو بڑے ریت کے ٹیلے کی مانند تھی، ہم اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک حیوان ہے جس کو عنبر کہتے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ یہ مردار ہے، پھر فرمایا کہ نہیں، ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد اور پیغام رساں ہیں اور اللہ کے راستے میں ہیں اور پھر تم بے تابی کی حالت کو بھی پہنچ چکے ہو، اس لئے کھالو، (راوی کا) بیان ہے کہ ہم ایک ماہ تک (کھاتے) رہے، ہم تین سو افراد تھے، (ہم نے خوب کھایا کہ) ہم موٹے ہو گئے، (راوی) کہتے ہیں کہ ہم اس مچھلی کی آنکھ کے گڑھے سے تیل کے مٹکے نکالتے تھے اور بیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کرتے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ نے تیرہ آدمی لے کر اس مچھلی کی آنکھ کے گڑھے میں بٹھائے (تو وہ بیٹھ گئے) اور اس مچھلی کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور سب سے بڑے کجاوے والے اونٹ کو اس کے نیچے سے گزارا (تو وہ گزر گیا)، پھر ہم نے اس کے گوشت کے پارچے کر کے خشک کیا اور زاد راہ کے طور پر اپنے ساتھ رکھ لیا، پھر جب ہم مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ظاہر کیا تھا، اگر تمہارے پاس اس میں سے کچھ بچا ہو تو مجھے بھی کھلاؤ'' چنانچہ ایک صاحب نے لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا۔'' [اخرجه البخاری (۴۳۶۰) و مسلم (۱۹۳۵)]

فوائد حدیث

۱۔ اس حدیث سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنا اور صبر و مشقتیں جھیلنا ظاہر ہوا۔
۲۔ جب کوئی لشکر یا جماعت بھوک و افلاس کی شکار ہو جائے تو آپس میں ہمدردی اور غمخواری کرنا پسندیدہ عمل ہے۔
۳۔ مل کر کھانا تناول کرنا نزول برکت کا سبب ہے۔
۴۔ اس سمندر سے خدا تعالیٰ کی عظیم نشانی کا ظہور ہوا۔
۵۔ اس عظیم مخلوق کے ظاہر ہونے سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت نمایاں ہوئی۔
۶۔ صحابہ کرامؓ کی ذکاوت و ذہانت اور فکری قوت ثابت ہوئی۔
۷۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ آنحضور ﷺ کی حسن معاشرت معلوم ہوئی۔

(۵۹) ﴿شفاعت کبریٰ﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (پکا ہوا) گوشت لایا گیا، اس میں سے دست کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا جو آپ ﷺ کو بہت پسند اور مرغوب تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا اور پھر فرمانے لگے کہ ''میں قیامت کے دن (جبکہ لوگ دو جہاں کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے منتظر ہوں گے) تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اور کیا تم جانتے ہو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم اگلے پچھلے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں گے اس طرح کہ آواز دینے والے کی آواز ہر جگہ سنی جا سکے گی اور دیکھنے والا سب کو ایک ساتھ دیکھ سکے گا اور سورج بالکل قریب ہو جائے گا، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھتے نہیں کہ سب لوگ کیسی پریشانی میں مبتلا ہیں اور مصیبت کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ آخر تم کسی ایسے شخص کو تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے

پروردگار سے تمہاری سفارش کر دے، چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اے آدم علیہ السلام! آپ انسانوں کے جد امجد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا، اپنی روح آپ کے اندر پھونکی تھی، ملائکہ کو حکم دیا تھا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا تھا، اور جنت میں آپ کو ٹھہرایا تھا، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیں، آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کس درجہ پریشانی میں مبتلا ہیں، وہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اس درجہ غضبناک ہیں کہ کبھی اتنے غضبناک نہیں ہوئے تھے اور آئندہ کبھی اتنی غضبناک نہ ہوں گے، مجھے پہلے ہی درخت کے کھانے سے منع کر چکے تھے، لیکن میں اس حکم کو بجا نہ لایا، آج تو مجھے اپنی پڑی ہے (نفسی نفسی)، تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں، نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے، اے نوح علیہ السلام! آپ روئے زمین پر سب سے پہلے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''عبد شکور'' کہہ کر پکارا ہے، آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ہم کیسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہیں، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیجئے، وہ بھی یہی جواب دیں گے میرا رب آج اس درجہ غضبناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنا غضبناک ہوگا، آج تو مجھے خود اپنی فکر ہے (نفسی نفسی) البتہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور روئے زمین پر بسنے والے لوگوں میں سے اللہ کے خلیل (دوست) ہیں، آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس درجہ پریشانی میں مبتلا ہیں، اور کس قدر مصیبت سے دوچار ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام بھی ان کو یہی جواب دیں گے کہ میرا پروردگار! آج اس درجہ غضبناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنا غضبناک ہوگا، ابراہیم علیہ السلام اپنے جھوٹ کا ذکر کریں گے اور فرمائیں کہ مجھے تو خود اپنی جان کی پڑی ہے (نفسی نفسی)، ہاں البتہ تم کسی اور کے پاس جاؤ، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں

گے اور ان سے کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت (پیغمبری) اور شرف ہم کلامی سے نوازا تھا، آپ ہی اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیجئے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس درجہ پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام بھی ان کو یہی جواب دیں گے کہ میرا رب آج اتنا غضبناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا تھا اور نہ آئندہ اتنا غضبناک ہوگا، مجھ سے ایک شخص قتل ہو گیا تھا، حالانکہ اس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، مجھے تو خود اپنی پڑی ہے (نفسی نفسی)، ہاں، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہونگے اور ان سے عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے گھوارہ میں لوگوں سے باتیں کیں، آپ کلمۃ اللہ ہیں اور روح اللہ ہیں، آپ ہی اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیجئے، آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ہم کیسی پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کو یہی کہیں گے کہ آج میرا رب جتنا غضبناک ہے، اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا تھا اور نہ آئندہ کبھی اتنا غضبناک ہوگا، مجھے تو خود اپنی جان کی پڑی ہے (نفسی نفسی)، ہاں البتہ تم کسی اور کے پاس جاؤ، حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، پس لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے محمد ﷺ! آپ، اللہ کے رسول ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں، آپ ہی اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیجئے، آپ ﷺ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ آج ہم کس قدر پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہیں؟ (حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ) چنانچہ میں چلوں گا، اور عرش کے نیچے آؤں گا اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کے وہ الفاظ اور اسلوب منکشف اور القاء کرے گا جو مجھ سے پہلے اس نے کسی پر منکشف اور القاء نہیں کیے ہوں گے، پھر کہا جائے گا کہ اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو، عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کرنا چاہتے ہو تو کرو میں قبول کروں گا، (یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میرے

پروردگار! میری امت میری امت، (یعنی ان کو بخش دیجئے) کہا جائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائے گا، جنت کے دائیں طرف کے دروازے سے جنت میں داخل کر دیجئے اور وہ لوگ اس دروازے کے علاوہ دوسرے دروازوں (کے استعمال کے حق میں بھی) لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازہ کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر یا فرمایا کہ مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے۔'' [اخرجه البخاری (۳۳۴۲) و مسلم (۱۹۴)]

(۶۰) عالم برزخ میں عذاب اور راحت کا ذکر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مردہ کو جب قبر میں ڈال کر لوگ واپس آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اگر وہ (مردہ) مومن ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کے پاس، روزہ اس کی دائیں جانب، زکوٰۃ اس کی بائیں جانب اور دوسرے نیک اعمال، صدقہ وخیرات، صلہ رحمی اور لوگوں سے اچھا سلوک وغیرہ، اس کے پاؤں کے پاس آجاتے ہیں، جب اس کے سر کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نماز اس کو قریب آنے سے روکتی ہے، اس کی دائیں جانب کوئی آتا ہے تو روزہ اس کو اپنے قریب آنے سے روکتا ہے اور آڑ بن جاتا ہے، اور جب بائیں جانب سے کوئی آتا ہے تو زکوٰۃ مانع بن جاتی ہے اور اس کو قریب آنے سے روکتی ہے، اور جب اس (مردے) کے پاؤں کی طرف کوئی آتا ہے تو اس کے نیک اعمال، یعنی صدقہ خیرات، صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ، آڑ بن جاتے ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، چنانچہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اس کو سورج ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے کہ غروب ہونے کو ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں، جو تم میں مبعوث ہوا تھا، کیا کہتے ہو؟ اور اس کے متعلق کیا گواہی دیتے ہو؟

وہ کہتا ہے، مجھے ذرا نماز پڑھ لینے دو، اسے کہا جاتا ہے کہ تم عنقریب یہ کام کرلو گے، پہلے اس سوال کا جواب دو کہ تم اس شخص کے بارے میں جو تم میں مبعوث ہوا تھا، کیا کہتے ہو اور کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ کہے گا کہ یہ محمد ﷺ ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ کے پاس سے دین حق لے کر آئے، اس سے کہا جائے گا کہ اسی بات پر تم زندہ رہے اور اسی پر تمہاری موت آئی اور ان شاء اللہ اسی امر پر تم زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اس کے بعد اس کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے جس کو دیکھ کر اس کی خوشی اور رشک میں اضافہ ہو جائے گا، پھر اس کے سامنے دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اگر تو نافرمانی کرتا تو دوزخ میں تیرا یہ ٹھکانہ اللہ نے تیار کیا تھا، اس کو دیکھ کر اس کی خوشی اور رشک میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کیلئے قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے، اور منور کر دی جاتی ہے، اور دوبارہ اس کا جسم پہلی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے، اور اس کی روح کو عمدہ اور پاکیزہ خوشبو میں رکھ دیا جاتا ہے، یعنی ان پرندوں (کے پیٹ) میں جو جنت کے درختوں پر چرتے پھرتے ہیں، اس آیت مبارکہ کا یہی مفہوم ہے: "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ......" (۱۴. ۲۷). (فرمایا کہ) کافر کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی اس کے سر کی طرف سے آتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا، بائیں جانب سے آتا ہے تو اس طرف بھی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، اس کے پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو اس جانب بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، پس وہ خوف زدہ اور سہمے ہوئے بیٹھتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے، اسے ان کا نام نہیں سوجھے گا، یہاں تک کہ اس کو بتایا جائے گا کہ وہ محمد ﷺ ہیں تو وہ کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم، لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے میں نے سنا تھا، چنانچہ میں نے بھی ان کی طرح کہہ دیا تھا، اسے کہا جاتا ہے کہ تو اسی بات پر زندہ رہا، اور اسی بات پر تجھے موت آئی اور ان شاء اللہ اسی حالت میں دوبارہ زندہ ہوگا، پھر اس کے لئے دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ دوزخ میں یہ تیرا ٹھکانہ ہے، اس کو دیکھ کر اس کی حسرت اور

ہلاکت میں اضافہ ہو جاتا ہے، پھر جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو فرماں برداری کرتا تو جنت میں یہ ٹھکانہ (مقام) اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کیا تھا، اس کو دیکھ کر اس کی حسرت اور ہلاکت اور بھی بڑھ جاتی ہے، پھر اس کی قبر (اس قدر) تنگ کر دی جاتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں ادھر نکل جاتی ہیں، یہی مطلب ہے "مَعِيشَةً ضَنكًا" کا جس کا اس فرمان خداوندی میں ذکر آیا ہے:

﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾

"مطلب یہ ہے کہ جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا۔" [أخرجه ابن حبان (٧٧٧/موارد) والحاكم (١/٣٧٩، ٢/١٢٤)]

الحمدللہ "ستون قصة رواها النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة الكرام" کا پہلا سلیس اردو ترجمہ ١٠۔ جمادی الاخری ١٤٢٦ھ/ ١٨ جولائی ٢٠٠٥ء کو مکمل ہوا۔

ابو الحسان حافظ خالد محمود بن مولانا حافظ ولی محمد قدس اللہ روحہ،

(مدرس) جامعہ اشرفیہ لاہور،

و (نائب الرئیس) لجنة المصنفين لاہور

صلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم

انبیائے کرام علیہم السلام کی آزمائشیں

اردو ترجمہ

ابتلاء الانبیاء

مؤلف

حنفی المحلاوی

مترجم

مولانا آصف نسیم صاحب

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

۱۰۰ سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں انبیاء کرامؑ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے بعض
شخصیات اولیاء کرام اور زاہدین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کے
سرخیل اور زاہدین کے سردار نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اردو ترجمہ: الزهاد مأة اعظمهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف
محمد صدیق المنشاوی

مترجم
مفتی ثناء اللہ محمود
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و چراغ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادےؓ صاحبزادیوںؓ اور
اُن کی اُمہات کا ایمان افروز، دلکش اور معلوماتی تذکرہ

اُردو ترجمہ

أبناء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف

ابراہیم محمد حسن الجمل

مترجم

ابن سرور محمد اویس

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ۔ پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے بعض شخصیات اولیاء کرامؒ اور زاہدین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کے سرخیل اور زاہدین کے سردار نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اردو ترجمہ:
الزهاد مأة اعظمهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف
محمد صدیق المنشاوی

مترجم
مفتی ثناء اللہ محمود



بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

۱۰۰

سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

۱۰۰ سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں انبیاء کرام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے بعض شخصیات اولیاء کرام اور زاہدین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کے سرخیل اور زاہدین کے سردار نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اردو ترجمہ: الزهاد مأة اعظمهم محمد صلى الله عليه وسلم

مؤلف
محمد صدیق المنشاوی

مترجم
مفتی ثناء اللہ محمود
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب سو بڑے زاہدین اور ان کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

اردو ترجمہ الزهاد مائة اعظمهم محمد ﷺ

مؤلف محمد صديق المنشاوى

مترجم مفتی ثناء اللہ محمود (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام محمد ناظم اشرف

ناشر بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارۃ القرآن = اردو بازار کراچی
مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

نہ شاہی کی تمنّا ہو نہ فاقہ ہو پریشاں کُن
شبِ تاریک میں رونے کی لذّت گر خُدا دیدے

﴿فہرست﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ از مصنف﴾

یہ کتاب ایک معطر مجموعہ کہہ لیجئے یا یہ کہ ایک حیرت انگیز ہمیشہ باقی رہنے والا قصیدہ ہے۔ گتے کی دو جلدوں کے درمیان سو بڑے زاہدین اور صالحین کے تذکرے کو سموئے ہوئے ہے جن کی سیرت کو تاریخ انسانی نے نورانی حروف سے لکھا ہے۔

اس عظیم قافلے کے جھرمٹ میں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ سب سے مقدم ہیں۔ جو کہ خاتم المرسلین، دو قدموں پر چلنے والی مخلوق میں بطحاء پر چلنے والے حضرات میں سب سے بہتر ہیں۔ شفاعت کرنے والوں اور جن سے شفاعت کروائی جائے گی ان میں اول ترین جن کے ہاتھ میں لواء الحمد نامی جھنڈا ہوگا۔ شفاعت کے مالک، وسیلہ بننے کے اہل، جن کے زہد میں کوئی ان کی مثال نہیں۔ جن کی سخاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ جن کی فضیلت کی کوئی حد نہیں۔ عظیم تر اخلاق کے مالک، خوشبودار پاک پسینے کے حامل، جن کی گفتگو موتی اور نور جیسی، جن کی خاموشی فکر و تدبر، جن کی مجلس ذکر الٰہی، جن کی بات چیت دوا، جن کی سرگوشی تسبیح، جن کی بلند آواز تہلیل (لا الہ الا اللہ) ہوتی تھی۔

مخلصین کے سردار، فقراء کے محبوب، جن میں وہ تمام صفات یکسر جمع تھیں جو دوسرے انبیاء کرام علیہ السلام میں متفرق طور پر تھیں۔ عظیم لوگوں کے تواضع کی پہلی درسگاہ جن کی پیدائش انسانیت کی نشاۃ ثانیہ تھی۔ جن کی رسالت نبوت کے اعتبار کی واپسی تھی، جو اخلاق کے دستور کو نئے سرے سے رکھنے تشریف لائے اور لوگوں کو دین اور توحید پہنچانے آئے تھے۔

ان کے بعد ہم نے اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گفتگو کی ہے۔ پھر خلفاء راشدین پر اور ان کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا

اضافہ کیا ہے۔ پھر بعض صحابہ کرام پر، پھر تابعین اور تبع تابعین پر گفتگو کی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

یہ حضرات ایسے لوگ ہیں جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتیں دنیا میں لوگوں کے پاس نعمتوں سے زیادہ قابل بھروسہ تھیں۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ وحدہ کے خوف سے معمور تھے۔ انہوں نے اپنے دلوں کو ذکر الٰہی کے چراغ سے روشن کیا، اپنے شکم ورع وتقوی سے پر کئے۔ رات کی تاریکیوں کو تسبیح کی گنگناہٹ سے چیر دیا۔ موت کی یاد نے ان کے لیے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں مال خادم تھا آقا نہیں تھا۔ ان کی صفات زمانے کو بھرتی رہیں۔ ان کی زندگیاں یقین کی گرمی سے ممتاز تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حکمرانوں کا کوڑا انہیں حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا تھا، ان کے دل آسمان کے تاروں سے ملے ہوئے تھے۔ ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ تاریخ ان کے قصے آنے والے لوگوں کے لئے راہنما کے طور پر لکھے گی۔

ہم ان کی زندگی اور زہد کے قریب اس لئے گئے ہیں تا کہ ان کے نزدیک عظمت کے راز اور ان کے ہاتھوں میں عزت کے اسباب کو پہچان سکیں۔ کہ انہوں نے نفس کا مجاہدہ کیسے کیا؟ اپنی خواہشات کا مقابلہ کس طرح کیا؟ اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو کس طرح عظیم بنایا۔ نرم بستروں کو کیسے چھوڑا، نیند کو کیسے ناپسند کیا۔ اپنی راتوں کو نمازوں سے کس طرح آباد کیا، اپنے دن روزوں میں کس طرح کاٹے اور اپنے شکموں کو کس طرح حرام سے بچایا۔

اخلاص ان کے دل کے تاروں کو چھوتا تھا لہٰذا وہ کسی بیمار کی طرح بے چین رہتے اور درختوں کی طرح تھرتھراتے، اور اس عورت کی طرح روتے جس کا بیٹا اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اقوال والفاظ سے دلوں کو کھینچا، اور اپنے عمل سے عقول کو جکڑ لیا۔ اپنے آنسوؤں سے گناہوں کو دھولیا۔

اے اللہ ہم تجھ سے اپنے قول وعمل میں اخلاص مانگتے ہیں۔ اور یہ دعا

کرتے ہیں کہ تو ہمارا ان حضرات کے زمرے میں حشر فرمانا اس دن جب کہ مال اور اولاد کوئی بھی کام نہ آئیں گے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سلامتی والا دل لے کر جائے۔ اور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما اور اسے بروز قیامت ہماری نیکیوں کے پلڑے میں رکھنا۔ (آمین ثم آمین)

کتبہ
محمد صدیق المنشاوی

﴿عرض مترجم﴾

الحمد للّٰہ و کفی و الصلاۃ والسلام علی سید الزھاد و آلہ و اصحابہ و اتباعھم اجمعین الذین اختار و الزھد قبلۃ قلوبھم و آثروا علی الدنیا الدین

کتاب "الزھاد مائۃ" کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ کتاب انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین میں بعض حضرات کے مختصر احوال پر مبنی ہے، جن میں ان کے زہد، تواضع، خشیت الٰہی، خوف آخرت اور عبادت کے احوال کو مختصر انداز سے لکھا گیا ہے۔

ویسے تو زاہدین کی فہرست ناقابل شمار ہے، آسانی سے ان حضرات کے نام بھی نہیں گنے جا سکتے لیکن مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ مشہور اولیاء کرام اور زاہدین کے احوال لکھ دیں۔ چونکہ تعداد صرف سو ذکر کرنی مقصود تھی اس لئے کسی مشہور ولی اور زاہد کا تذکرہ اگر نہ ہو سکا ہو تو وہ مجبوری ہے۔

اس موضوع پر چھوٹی موٹی کتب بے شمار مل جاتی ہیں لیکن خاص جس میں زہد کو موضوع بنا کر زاہدین کا ذکر کیا گیا ہو، ایسی کتاب شاذ و نادر ہی کہیں ہو، بہر حال اپنے موضوع پر ایک اچھی اور اچھوتی کوشش ہے جسے مصنف نے خطیبانہ انداز سے لکھا ہے اور ان اولیاء کرام اور زاہدین کی زندگی کے عبادت و خشیت اور زہد سے متعلق پہلو کو خصوصی انداز سے واقعات، یا دوسرے بزرگوں کے خراج تحسین کی صورت پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا مقصد واضح ہے کہ زاہدین کی سیرت اور ان کے زہد کے احوال مسلمانوں کے سامنے آئیں، دنیاداری اور خواہش پرستی کے اس دور میں زہد کے حوالے سے مشہور شخصیات کا تذکرہ یقیناً بہت سے دلوں میں دنیا پرستی اور خواہشات کی بیخ کنی

کرے گا۔

یہ کتاب مال و دولت جمع کرنے، رہن سہن میں آسائشوں کے حصول اور آرام پسندی کی دوڑ میں لگنے والوں کے لئے یقیناً تازیانہ عبرت ثابت ہوگی۔ ظاہر ہے جو دل اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں گے وہی نصیحت حاصل کرسکیں گے۔ اور اس بات کے لئے خود کو تیار کرسکیں گے کہ دنیا داری میں اپنے پاس موجود مال و دولت میں سے کچھ حصہ غریبوں، یتیموں اور سفید پوش بے کسوں کو دیں گے۔ صرف زکوۃ کی ادائیگی کی صورت نہیں بلکہ عطایا اور ھدایا کی صورت بھی۔ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہماری ذات سے کسی غریب کا بھلا ہو جائے۔ بے سہارا کو سہارا مل جائے، بے گھر کو سر چھپانے کی جگہ میسر ہو جائے، یا کسی غریب کے دکھ درد کم ہوسکیں، اور ان پر جتنا خرچ ہوگا وہ آخرت میں ذخیرہ ہوگا۔

اس کتاب میں خلفاء، گورنر اور عام مالدار زھاد کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے زندگی میں کچھ نہ کیا بلکہ سب آخرت کے لئے جمع کرلیا۔ بس ایک یہ احساس ہمارے مالدار حضرات میں پیدا ہو جائے تو شاید غریب پروری کا وہ دور دوبارہ لوٹ آئے اور ایسا اگر ایک صاحب نے بھی کرلیا تو انشاء اللہ مصنف، مترجم اور ناشر کی اس کاوش کا سب سے بڑا صلہ یہی ہوگا کہ کتاب کے مقصود پر کوئی ایک بندہ خدا چل پڑا ہے۔

بہرحال ہم نے اس کتاب کا مصنف کے انداز سے ہی ترجمہ کیا ہے کیونکہ عام سوانح کی کتب اور خطیبانہ طرز تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے اور ہم نے ترجمے میں اسی فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔

آیئے ان بندگان خدا کے تذکرے سے اپنی آنکھوں اور دل و دماغ کو معطر کریں، جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دنیاوی آسائشوں اور دنیاوی نعمتوں سے منہ موڑے رکھا۔ خواہش کو دبائے رکھا، نفس کو ذلیل کئے رکھا اور دنیا میں نعمت کا حصول آخرت کی نعمتوں میں کمی سمجھا۔ دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنے، اچھے اور

عمدہ مرغن کھانوں کے بجائے آخرت میں محلات کی تعمیر اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دی۔

اپنی راتوں کو مزے کی نیند کے بجائے عبادت سے جگائے رکھا۔ ٹھنڈے پانی کی رغبت اور بھوک مٹانے کی طلب کو روزوں سے دبائے رکھا اور مال جمع کرنے کی حرص وہوس کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مال لٹانے کے ذریعے فنا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی زھد، عبادت، خشیت، وخوف آخرت کی لذت سے آشنا فرما دے۔ اپنے گناہوں پر رات کی تاریکی میں رونے کی نعمت عطا فرما دے۔ لاپرواہی اور مستی سے ہمیں دور کر کے فکر آخرت اور عبادت میں چستی عطا فرما دے۔ آمین

دعاؤں کا طلب گار
ثناء اللہ محمود
گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کراچی
ریسرچ اسکالر شعبہ قرآن وسنت کراچی یونیورسٹی

﴿زہد اور زاہدوں کے بارے میں علماء کے اقوال﴾

زہد کی تعریف میں علماء کے مختلف ارشادات

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ''زہد کے معنی آرزوؤں کا کم کر دینا ہیں۔''

عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ ''زہد، فقر کو پسند کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد کا نام ہے۔''

ابوسلیمان الدارانی کا قول ہے کہ ''زہد، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کر دینے والی چیز کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔''

جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ، ''زہد، دنیا کو کمتر اور چھوٹا سمجھنے اور دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنے کا نام ہے۔''

عبدالواحد بن زید کا قول ہے کہ ''زہد، درھم و دینار کے ترک کر دینے کا نام ہے۔''

ابو عثمانؒ کا قول ہے کہ ''زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس سے بے پرواہ ہو جائے اسے کس نے حاصل کرلیا۔''

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ زہد تین قسم پر ہے۔

(۱) حرام کو چھوڑ دینا، یہ مرتبہ عوام کے زہد کا ہے۔

(۲) حلال میں فاضل و زائد اشیاء کا ترک کر دینا، یہ مرتبہ خواص کے زہد کا ہے۔

(۳) بندہ، اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی اشیاء کو ترک کر دے، یہ مرتبہ عارفین کے زہد کا ہے۔

کسی نے کہا کہ زہد، دنیا کو زوال کی آنکھ سے دیکھنے کا نام ہے۔

ایک قول کے مطابق زہد دل کو ان چیزوں سے خالی کرنے کا نام ہے جن سے

ہاتھ خالی ہیں۔

ایک قول کے مطابق۔ بغیر تکلف کے دنیا سے نفس کو دور کردینے کا نام "زہد" ہے۔

بعض نے یہ فرمایا کہ زاہد وہ شخص ہے جو دنیاوی چیزوں کی موجودگی سے خوش نہ ہو اور جو چیز حاصل نہیں یا ہاتھ سے نکل جائے اس پر افسوس نہ کرے۔

سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (فداہ ابی امی)

☆ جو کہ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام پانی اور گیلی مٹی کے درمیان (زیر تخلیق) تھے۔

☆ جب آپ چاہیں کہ اپنے دن کو عید بنائیں تو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہو جایئے۔

☆ قلم آپ ﷺ کی سیرت لکھنے سے عاجز ہو گئے۔ بہرحال جو لکھا بڑا ہی حیرت انگیز اور بھرپور تھا، لیکن وہ سب کچھ سمندر میں سے ایک قطرے کی مقدار سے زیادہ نہ تھا۔

☆ تاریخ نے مدح وتوصیف کر کے نبی کریم ﷺ کو عزت نہیں بخشی بلکہ آپ ﷺ کے ذکر سیرت نے تاریخ کو معزز کر دیا۔

☆ وہ بہترین ساعت جس نے زمین کی ہدایت کے لئے آسمان سے آنے والے پیغام کو وصول کیا۔

☆☆☆

پیروں پر چلنے والی مخلوق (انسانی) میں سب سے بہتر انسان، امتوں کی راہنمائی کے لئے بھیجے جانے والے رسولوں میں اور فیصلہ کرنے اور عدل کرنے والے سب بادشاہوں میں سب سے بہتر رسول اور حکمران جس کے ہاتھوں میں کنکریوں نے باری تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔ جس کو پتھروں نے سلام پیش کیا، اونٹوں نے اس سے شکایت کی۔ لکڑی کا منبر جس کی جدائی پر رویا۔ جس کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے پھوٹے۔ بھیڑیئے نے جس کی رسالت کی گواہی دی۔ کھانا جس کی برکت سے بہت زیادہ ہو گیا۔ جس سے زہر میں بجھی بکری کی ران نے گفتگو کی۔ جسے بادلوں نے سایہ بہم فراہم کیا۔ جس سے پرندوں نے باتیں کیں۔ (ﷺ)

اصفیاء کے سردار، فقراء کے محبوب، جن کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا، جن کا ذکر بلند فرمایا اور مرتبہ اونچا کر دیا۔

مسکینوں کے ہمنشین، مرسلین کے امام، لوگوں میں سب سے بڑے سخی دل۔ سب سے زیادہ راست گو۔ جو انہیں دیکھے مرعوب ہو جائے، جو ملاقات کرے محبوب مان لے، نرم پہلو والے، جو سخت و درشت نہ تھے، نرم اخلاق کے مالک، مسکراتے چہرے کے مالک، کسی چیز کی برائی نہ کرنے والے، کسی کو عیب نہ لگانے والے، نیکی جن کا شعار اور تقویٰ جن کا ضمیر تھا، دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنہیں اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور پھر لوگوں میں سب سے اچھی قوم میں سے اور اچھے قبیلہ میں پیدا کیا۔ لوگوں میں سب سے اچھے گھر میں بھیجا، نفس کے اعتبار سے سب سے اچھے لوگوں میں آئے، پھر ساری انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا، سب لوگوں میں عموم کے ساتھ بھیجا، جوامع الکلم کے ہمراہ بھیجا، ان کی غنیمت کو حلال کیا۔ ساری زمین کو مسجد اور مٹی کو طھور (پاک کرنے والی) قرار دیا۔ ایک ماہ کی مسافت سے پڑنے والے رعب کے ذریعے دشمن کے خلاف مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے جن کی امت کی صفوں کو فرشتوں کی صفیں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے گفتگو فرمانا، ان کا معجزہ ٹھہرا۔ ان کا رزق نیزے کی نوک کے نیچے رکھا۔ ان کی مخالفت کرنے والوں پر ذلت لازم کر دی۔ ان کے ہاتھوں میں زمین کے خزانوں کی چابیاں رکھ دیں۔ سبع مثانی عطا فرمائی، انبیاء کا سلسلہ ان پر ختم فرما دیا اور انبیاء و مرسلین ان کی آمد پر مکمل ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو قیامت کے دن آدم کی اولاد کے سردار ہوں گے۔ زمین سب سے پہلے ان کے لئے شق ہوگی۔ (سب سے پہلے قبر مبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی باہر تشریف لائیں گے) جو سب سے پہلے شافع اور سب سے اول مشفع ہوں گے۔ جو سب سے پہلے جنت کی زنجیر کو ہلانے والے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہوں گے۔ جن کے ہاتھ میں ''لواء الحمد'' نامی جھنڈا ہوگا۔ اور سارے انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ جب انبیاء علیہم السلام وفد لے کر جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بات کرنے والے ہوں گے۔ جب وہ ناامید ہونے لگیں گے تو آپ ہی

خوشخبری دیں گے۔ سب سے زیادہ امتی آپ ہی کے ہوں گے۔ وہی شفاعت کے مالک ہوں گے۔ وسیلہ بننے کے اہل ہوں گے۔ آپ ﷺ ہی ہوں گے جو عرش کی دائیں جانب ہوں گے۔ ﷺ

اگر تم مجھ سے پوچھو کہ ان کی نماز کیسی تھی؟ جواب ہوگا کہ ان کے پاؤں مبارک پر کثرت نماز سے ورم آجاتا تھا۔ پوچھو کہ زہد کیسا تھا؟ ان کا تو اس میں کوئی مثیل ونظیر ہی نہیں۔ پوچھو کہ ان کی سخاوت کیسی تھی؟ بیش بہا کریم سخاوت تھی۔ اگر پوچھو کہ اخلاق کیسے تھے؟ بڑے عظیم تھے۔ پوچھو کہ ان کا پسینہ کیسا تھا؟ مشک اور خوشبو جیسا تھا اگر پوچھو کہ چہرہ کیسا تھا؟ چودھویں کا چمکتا چاند تھا۔ اگر پوچھو کہ ان کی آنکھیں کیسی تھیں؟ کالی سرمگیں آنکھیں تھیں۔ اگر پوچھو کہ ان کے بال کیسے تھے؟ ریشم کی طرح نرم تھے۔ اگر پوچھو کہ پاؤں کیسے تھے؟ وہ ان کے سہارے راتوں میں طویل قیام کرتے تھے۔ اگر پوچھو کہ ان کی گفتگو کیسی تھی؟ موتی اور نور کی طرح تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کی مجلس کیسی تھی؟ مجلس ذکر وتسبیح پر مشتمل تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کی خاموشی کیسی تھی؟ تدبر اور تفکر پر مشتمل تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کا حلم کیسا تھا؟ وہ انتہائی شفقت والے اور رحم دل تھے۔ اگر پوچھو کہ ان کی بہادری کیسی تھی؟ چیر پھاڑ کرنے والے شیر کی طرح تھے۔ پوچھو کہ ان کا نام نامی کیا تھا؟ وہ محمد اور محمود تھے۔ ﷺ

اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ تمہیں ان کے بارے میں کیا کہنا چاہئے تو میں کہوں گا کہ ان پر درود پڑھو اور سلام پیش کیا کرو۔

و اکرم منک لم ترقط عینی و اجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرءا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: ''اور آپ سے زیادہ معزز میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے کسی کو نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے گویا کہ آپ کو ایسا بنایا گیا جیسا آپ نے چاہا۔'' ﷺ

☆☆☆

قرآن کریم میں مدح وتوصیف

کبھی یوں ہوتا ہے کہ قلم آپ ﷺ کی عظمت کی شان کے قصیدے لکھنے سے حیران و عاجز ہو جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے وہ اب کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔

کیسے نہ ہو؟ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے محبوب ﷺ کی مدح وتوصیف فرمائی ہے۔ چنانچہ

آپ کی عقل کی درستگی کو اعتراضات سے پاک بیان کیا۔ فرمایا کہ

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وما غَوٰى﴾ (النجم: ۲)

''تمہارا یہ دوست نہ گمراہ ہے اور نہ بہکا ہے۔''

آپ ﷺ کی زبان مبارک کا تزکیہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النجم: ۳)

''وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔''

آپ کے ہمنشین جبرئیل کا تزکیہ بیان کیا۔ فرمایا

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ (النجم: ۵)

''اس کو ایک زبردست قوت والے نے سکھایا۔''

آپ ﷺ کے دل کا تزکیہ بیان کیا، فرمایا

﴿وَمَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ (النجم: ۱۱)

''اس کے دل نے جھوٹ نہیں ملایا جو (نظر نے) دیکھا۔''

آپ ﷺ کی بصارت کا تزکیہ وتوصیف بیان کی۔ فرمایا

﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ (النجم: ۱۷)

''نگاہ نہ چندھیائی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔''

آپ ﷺ کے سینہ مبارک کا تزکیہ وتوصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾ (الانشراح: ۱)

''کیا ہم نے تیرا سینہ تیرے لئے نہیں کھولا؟۔''

آپ ﷺ کی مکمل تعریف بیان کی۔

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم: ۴)

''بیشک آپ (ﷺ) اخلاق کے عظیم مرتبہ پر ہیں۔''

ع مبرأ القلب من ریب و من دنس و کیف و ھو بماء الخلد مغسول

ترجمہ: ''آپ کا قلب مبارک شک اور گندگی سے مبراء و پاک ہے اور کیسے نہ ہو وہ تو جنت کے پانی سے دھلا ہوا ہے۔''

☆☆☆

نبی کریم ﷺ میں عظمت کے وہ تمام فضائل و خصائص جمع تھے جو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں متفرق طور پر موجود تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت (خلوص) عطا فرمائی۔ شیث علیہ السلام کا مولد۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا (اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا)، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لقمان کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت، حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی نعمت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی ھیبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت خضر علیہ السلام کا علم، حضرت یحیٰی علیہ السلام کا تقویٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد، آپ ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ بلکہ آپ ﷺ کا فضل و فضیلت تمام فضائل سے فائق اور آپ ﷺ کا نور ہر نور سے بلند مرتبہ تھا۔

فاق النبیین فی خلق و فی خُلُق ولم ریدانوہ فی علم ولا کرم

ترجمہ: ''آپ ﷺ تمام انبیاء پر خلقت اور اخلاق میں فائق

تھے۔ اور وہ سب حضرات علم و کرم میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے۔" ﷺ

☆☆☆

یہ ہیں حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ ان کی زندگی کی صبح نے پہلی سانس یتیمی میں لی۔ آپ کا سراپا وجود میں آنے سے پہلے ہی آپ اپنے والد محترم کو کھو چکے تھے۔ لیکن اس یتیمی کے غلاف مستقبل میں کھلنے والے شگوفوں کو روک نہ سکے۔

آپ ﷺ کی پیدائش انسانیت کی نشاۃ ثانیہ تھی۔ جو کہ وہ صبح لے کر آئی جس نے شرک کی تاریک رات کو دور کر دیا۔ آپ ﷺ کا بچپن عفت و پاکیزگی اور عظیم تر حسن اخلاق کا ایک حیرت انگیز قصیدہ ہے۔

آپ ﷺ بت پرستی کے اندھیروں سے دور رہ کر جوان ہوئے، آپ ﷺ کی بعثت تاریخ کے اندھیروں سے نبوت کے اعتبار کو واپس لوٹا لائی اور آپ ﷺ کی رسالت لوگوں اور نیچ رذیل اخلاق کے درمیان آڑ بن کر آئی۔

آپ ﷺ نے اپنی قوم کو وہ خبر سنائی جو ان کی خوش عقیدگیوں کو اڑا کر لے گئی، اور پھر قریش کی بے وقوفیوں نے آپ ﷺ پر سختی کر دی اور احمق لوگ اس وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ آپ ﷺ پر مصائب اور سختیاں بہہ پڑیں لیکن آپ ﷺ نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور نبوت کے بوجھ کو لے کر وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ ﷺ

☆☆☆

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ گود سے لے کر رحلت تک واضح ہے آپ ﷺ کے فضائل و خصائص ہر دن نئے روپ میں سامنے آتے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک عظیم حکومت قائم فرمائی، تاریخ جس کا واقعہ نقل کرتی ہے۔

آپ ﷺ زہد کے معلم اول اور وہ یکتائے زمانہ شخصیت تھے جس نے وحی کے قلم سے اخلاق کا قانون و دستور لکھا۔ دنیا کی حالت (اور اس کے حصول) میں کمی کا پہلا قانون آپ ﷺ ہی نے بنایا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد دلوں کی تطہیر کرتا اور

عقلوں کو جذب کرتا ہے۔

آپ ﷺ کے ارشاد نے دنیا کے ٹھیک دل کے وسط میں پیوست ہونے والے تیروں میں سے نجات کو ڈھونڈا۔ آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری کہ اس میں لوگوں کو دنیا کی حقیقت بیان کرتے رہے اور لوگوں کو اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ سے منع فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دن آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی درد میں ڈوبی آواز سے لوگوں کی سماعتوں کو معطر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں تم پر اس کا خوف نہیں رکھتا کہ تم شرک کرو گے لیکن تم پر دنیا سے خوف کھاتا ہوں کہ تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''

☆☆☆

دنیا کے اموال سے بیزاری

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کو بحرین سے آئے ہوئے مال نے بھر دیا جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ آپ ﷺ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو گیا، آپ ﷺ نے جب لوگوں کو دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا،

> ''میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوشخبری لو اور جو چیز تمہیں خوشی دے اس کی آرزو کرو۔ سو خدا کی قسم میں تم پر فقر کے آنے سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا (مال و دولت) تم پر اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا تھا (یعنی مال کی کثرت ہو جائے) تو تم بھی اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے میں مقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تھا۔ اور تمہیں بھی وہ برباد کر

دے جس طرح ان کو کیا تھا۔'' (بخاری:۶۴۲۶)

آپ ﷺ نے دنیا سے نجات کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی ہو یا کوئی راہ گزر ہو۔'' (بخاری:۶۴۱۶)

آپ ﷺ کی زندگی بڑے مختصر انداز سے زہد اور زندگی میں دنیاوی سامان سے خالی ہاتھ ہونے کی حیرت انگیز مثالیں قائم کرتے گزری۔ آپ ﷺ ایک دن کھانا کھاتے تو دوسرے دن بھوکے رہتے۔ آپ ﷺ نے (ایک دن) فرمایا:

''مجھے میرے رب نے یہ پیشکش کی کہ مکہ کی سرزمین کو سونے کی بنا دے میں نے کہا۔ نہیں اے رب بلکہ میں ایک دن پیٹ بھروں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ چنانچہ جب بھوکا ہوں گا تو تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب پیٹ بھروں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔'' (بخاری: ۲۳۴۷)

زاہدین کے سردار

نبی کریم ﷺ فرماتے:

''اے اللہ آل محمد ﷺ کا رزق گزارے کا توشہ مقرر کر دے۔
(عربی میں یہاں قُوت کا لفظ ہے جس کے معنی اتنا کھانا جس سے انسان موت سے بچ جائے یا جس سے گزارا ہو جائے۔ پیٹ بھر کر کھانا ''قُوت'' سے آگے کی چیز ہے۔ (بخاری: ۶۴۶۰)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محمد ﷺ کی آل (گھر والوں) نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر گندم سے بنا کھانا نہیں کھایا، جب سے مدینہ منورہ آئے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ (بخاری:۶۴۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آل (گھر والوں) نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا تو ان میں ایک کھانا ضرور کھجور ہوتی۔

(بخاری:۶۴۵۶)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بھوک کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ایک دن بھوک سے دہرے ہو رہے تھے اور کوئی کھجور بھی نہ تھی جس سے آپ ﷺ پیٹ بھر لیتے۔ (ابن ماجہ:۴۱۴۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کئی راتیں مسلسل بھوکے گزار دیتے تھے اور آپ کے گھر والوں کو بھی رات کا کھانا نصیب نہ ہوتا تھا، عام طور سے ان کی روٹی جَو کی ہوتی تھی۔ (ترمذی:۲۳۶۰) ﷺ

ایک دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے گرد حلقہ بنا کر گویا اپنے جھرمٹ میں لیا اور اپنے بھوکے ہونے کا شکوہ کیا اور پیٹ پر سے کپڑا اہٹا کر اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے (جو بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے پیٹ پر باندھے گئے تھے) چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اہٹایا تو وہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی:۲۷۳۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے حضرت عروہ کو اس تنگی کے بارے میں بتاتے ہوئے فرما رہی ہیں، جس میں آپ ﷺ نے زندگی گزاری۔ فرمایا کہ ہم چاند کو تین ماہ تک دیکھتی رہتی تھیں مگر رسول اکرم ﷺ کے گھروں میں آگ (اتنے عرصے) تک نہیں جلتی تھی۔ عروہ کہنے لگے تو زندگی کا گزارا کیسے ہوتا تھا؟ فرمایا دو کالی اشیاء، یعنی کھجور اور پانی پر گزارہ تھا۔ (بخاری:۶۴۶۰)

فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی جس دن وفات ہوئی میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے کوئی جگر والا اپنا پیٹ بھر سکے سوائے آدھی کھجور کے۔ (مسلم:۲۹۷۱)

فرمایا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوگئی مگر کسی ایک دن ایسا نہ ہوا کہ زیتون کے تیل اور روٹی سے دو وقت کھانا کھایا ہو۔ (مسلم:۲۹۷۵)

اور آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری:۴۴۶۷)

چٹائی پر زندگی گزارنے والا شہنشاہ

رسول اکرم ﷺ نے ایک چھوٹی سی پرانی چٹائی پر زندگی گزاری اور دنیا کی کبریائی کو لرزاتے رہے۔ اپنے نفس کو ہر آسائش اور زائل ہونے والی حقیقتاً بے وقعت نعمت سے دور فرما کر جھڑکتے رہے اور فاقہ کے شعلوں کے نیچے بے نیازی سے زندگی گزارتے رہے۔

ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے کمرے میں داخل ہوئے آپ کو ایک پرانی سی چٹائی پر لیٹے دیکھا، چٹائی کے اطراف (کنارے) غربت نے کھا لئے تھے۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ چکے تھے، آپ کے سر کے نیچے پتوں سے بھرا ایک تکیہ تھا۔ آپ کے سر پر گرد اور مٹی تھی۔ اور کمرے کے کونے میں مٹھی بھر جَو رکھے تھے جو تقریباً صاع ہوں گے دیوار کے نیچے قرظ اگی ہوئی تھی (قرظ ایک قسم کی گھاس ہے جس سے کھال کو دباغت دی جاتی ہے) یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رسول اکرم ﷺ کی اس حالت پر رونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو پوچھا، ابن خطاب کیوں روتے ہو؟ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈال دیئے ہیں'' ان الفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو اور حرکت کرتا کندھوں کا گوشت شامل ہو چکا تھا'' آپ کی الماری میں کچھ نہیں سوائے (چند دانوں کے) جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ادھر قیصر و کسریٰ سونے کی چارپائی پر ریشم اور دیباج کے بچھونوں پر ہیں۔ پھلوں اور نہروں میں ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے دوست ہیں۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ اے ابن خطاب۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی اچھی چیزیں نعمتیں بہت پہلے دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ جلد ہی ختم ہو جائیں گی اور ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ان کی نعمتیں آخرت تک کے لئے مؤخر کر دی گئی ہیں۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے

آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟

(مستدرک حاکم: ص ۱۰۴، ابن حبان، مسند احمد وغیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ اس سے کوئی نرم بچھونا لے لیا کریں تو؟ آپ ﷺ نے خشوع اور دلگیری کے ساتھ فرمایا۔ اے عمر! میرا دنیا سے کیا کام؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی گرم دوپہر میں چلتا ہوا سوار کچھ دیر کے لئے درخت کے سائے میں ستا لے اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر چلا جائے۔ (ترمذی: ۲۳۷۷)

نبی کریم ﷺ کے اخلاق

آپ ﷺ کے اخلاق آپس میں ایک دوسرے کے برابر تھے لہٰذا آپ کا زہد آپ کی سخاوت کی طرح تھا۔ آپ کا کرم آپ کے صبر کی طرح تھا۔ آپ کا شکر آپ کے حلم کی طرح تھا، آپ کو عنایت الٰہی نے اس طرح مبعوث فرمایا تھا کہ دائمی اخلاق کے سانچوں میں نور ہدایت کے قلم سے رنگ بھر دیئے جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتا رہی ہیں، فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق ''قرآن'' تھا۔ (مسلم: ۷۴۶)

اور مزید بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہ تو فحش گو تھے نہ فحش باتوں کو پسند فرماتے تھے نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے باتیں کرنے والے انسان تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے لیکن آپ عفو و درگزر کرنے والے تھے۔

(ترمذی: ۲۰۱۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ نبی کریم ﷺ کے خادم تھے اس گفتگو میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ میں خدمت نبوی ﷺ میں دس سال رہا۔ تو آپ ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اخلاق کے مالک تھے۔ میں آپ ﷺ کے ہمراہ سفر و حضر میں رہا۔ واللہ!

آپ ﷺ نے کبھی مجھے کسی کئے ہوئے کام کے لئے یوں نہ کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ہوئے کام پر یوں کہا کہ تم نے اسے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کبھی آپ نے برا بھلا نہیں کہا، اور نہ ہی مجھے مارا نہ ڈانٹا اور نہ کبھی ماتھے پر تیوری چڑھائی۔ آپ ﷺ جب بھی کسی سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے حتیٰ کہ مصافحہ کرنے والا خود ہی چھوڑ دیتا، اگر کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو منہ نہ پھیرتے تاوقتیکہ آنے والا خود ہی چلا جائے۔ اپنے ساتھ بیٹھنے والے کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر تشریف فرما نہ ہوتے۔ (عاجزی و انکساری کا یہ عالم تھا) کہ اہل مدینہ کی کوئی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام سے کہیں لے جاسکتی تھی۔ (مسند احمد ۳/۱۷۴۔ بخاری: ۶۰۷۲)

تواضع کی تعلیم و عمل

آپ ﷺ نے بڑوں کے لئے تواضع کا پہلا مدرسہ قائم فرمایا اور نفس کی بڑائی کے جثّے پر کھڑے ہو کر اسے دباتے۔ آپ ﷺ نے تواضع کے ذریعے دلوں سے جنگ کی اور اپنا مقام بے کس اور کمزور لوگوں کے درمیان بنایا۔

رسالت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپ ﷺ کی خدمت میں جبرئیل کے ہمراہ بھیجا، جس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ بندے نبی بن جائیں یا فرشتہ نبی بن جائیں؟ آپ ﷺ نے آسمانی ادب کے ساتھ فرمایا کہ بلکہ میں بندہ نبی بنوں گا۔'' (مسند احمد ۲/۲۳۱، البدایۃ: ۶/۵۰)

. چاشت کے وقت ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھا تو رعب کے مارے اس پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی اور خوف کے مارے پیشانی پسینہ سے تر ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر انتہائی شفقت سے فرمایا کہ خود پر نرمی کرو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو ایک ایسی قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔ (مجمع الزوائد: ۹/۲۰)

آپ ﷺ اپنے جوتے خود جوڑ لیتے، بکری کا دودھ نکال لیتے، اور گھر کے

کام کاج بھی انجام دیتے، اون کا لباس زیب تن فرماتے، دراز گوش پر سواری فرما لیتے اور اس پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع یہ بھی تھا کہ آپ بچوں سے کھیل کی باتیں فرما لیتے، ان کے احوال پر نظر رکھتے۔ مدینہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا تھا اس نے ایک فاختہ پالی ہوئی تھی جسے عربی میں "نفیر" کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس کے پاس سے گزرتے تو پوچھتے اے ابوعمیر تمہارے نفیر کا کیا حال ہے۔ (مسند احمد: ۳/۲۱۲)

☆☆☆

شفقت ورحمت کے پیکر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج اقدس میں حمیت کی آگ بجھ چکی تھی، لذتوں کے لئے بدلہ لینے کے جذبات نہ تھے بلکہ ان کی جگہ حلم اور لوگوں پر شفقت نے جگہ پکڑ لی تھی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کا بدلہ نیکی سے عطا فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا البتہ اگر اللہ تعالیٰ کے محرمات سے تجاوز کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (بخاری: ۳۵۶۰)

جنگ حنین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگوں کو کسی الٰہی حکمت کے تحت اونٹ عطا کئے تو ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ یہ بات اڑتے اڑتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ اذیتیں دی گئیں۔ (بخاری: ۴۳۳۶)

ایک یہودی عورت نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تو گوشت کے اس ٹکڑے نے کہا کہ میں زہریلا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا، میں نے یہ اس لئے کیا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کر دے گا اور اگر آپ

(نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو لوگوں کو آپ ﷺ کی موت سے راحت مل جائے گی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس عورت سے اعراض کر لیا اور اسے کچھ نہ کہا۔ (بخاری: ۲۶۱۷)

آپ ﷺ نے اس قوم قریش سے جس نے آپ کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ کے قتل کی سازش کی تھی۔ فرمایا: جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔''

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ قبیلہ دوس والوں نے نافرمانی و بدعہدی کی ہے، آپ ﷺ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر بڑی عاجزی سے دعا کی، ''اے اللہ دوس قبیلے کو ہدایت عطا فرما۔''

آپ ﷺ کی شفقت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ آپ ﷺ کا ایسا دل تھا گویا اس کی رگوں میں شفقت اور رحمت کا خون دوڑتا تھا۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے۔ کبھی نماز شروع کرتے وقت میرا خیال ہوتا ہے کہ میں نماز کو طویل کروں گا مگر کبھی کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی والدہ بے چین نہ ہو (یعنی مجھے معلوم ہے کہ اس کی والدہ بچے کے رونے سے غمگین ہوگی اور ماں نماز میں ہے تو نماز میں دل نہ لگے گا)۔

(اگرچہ) تقویٰ نے آپ کا دل پرسکون بنا دیا تھا مگر ایک رات آپ ﷺ کے دل میں ڈھول کی آواز سے زیادہ تیز دھڑکن شروع ہوگئی۔ جس نے آپ ﷺ کی نیند کو بے چین کر دیا۔ ہم چند لمحات آپ ﷺ کے ہمراہ گزارنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ بستر مبارک پر سونے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو پہلو کے نیچے کھجور ملی وہ آپ ﷺ نے نوش فرمالی تو اب سو نہ سکے آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوگئی، آپ کی زوجہ محترمہ نے یہ حال دیکھا تو پوچھا یارسول اللہ ﷺ! رات میں آپ بڑے بے چین ہیں؟ فرمایا (اس وقت آپ کے چہرے سے غصے کے آثار جھلک رہے تھے) کہ میں نے اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور دیکھی تو وہ کھالی۔ اور ہمارے پاس آج

صدقہ کی کھجوریں آئی تھیں مجھے ڈر ہے کہ وہ کھجور کہیں ان میں سے نہ ہو۔ (مسند احمد:۱۸۳/۲)

ننھے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ صدقہ کی ایک کھجور لے لی اور اسے منہ میں رکھنا ہی چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہایت زوردار آواز میں "کخ کخ" کہا اور فرمایا یہ صدقہ کی کھجور ہے۔"

☆☆☆

اللہ تعالیٰ پر بھرپور یقین کا منظر

اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات رسول اکرم ﷺ کے دل مبارک کا مرکز اور قبلہ تھی، اور آپ ﷺ کے دل کی محراب صرف اس کے ارادے سے ہی پرامن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر توکل اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کی بھرپور توجہ کی وجہ سے ابواب سفر کی چابی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں آرام فرما ہوئے تو درخت سے تلوار لٹکا دی اور ہلکا سا نیند کا جھونکا آ گیا، اچانک ایک مشرک آن دھمکا اس نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھا کر سونت لی اور زوردار آواز میں بولا۔ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا، رسول اکرم ﷺ نے نہایت اطمینان اور اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد سے فرمایا، "اللہ"

(یہ لفظ سن کر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ) اس مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر گئی جو آپ ﷺ نے اٹھا لی اور فرمایا، تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ مشرک نے کہا۔ اے محمد ﷺ بہترین قابو پانے والے بن جاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو جانے دیا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا

آپ ﷺ کی عبادت بہت جلد آنسوؤں میں ڈبو دینے والی عبادت تھی۔

آپ ﷺ کی آنکھ کوئی غمگین منظر دیکھتی یا آپ کی سماعت مبارکہ تک کوئی دردناک نصیحت (یا واقعہ) پہنچتا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے۔

ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حیرت سے کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ وہ آپ ﷺ پر ہی نازل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے بھی سنوں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کردی پھر جب وہ اس آیت پر پہنچے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ (النساء: ۴۱)

ترجمہ: ''تو جب کیسا ہوگا کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا لائیں گے۔''

تو آپ ﷺ نے آہستہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اتنا کافی ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے نظر گھمائی تو دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر آپ کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

سخاوت

آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک بڑا ہی کھلا تھا، اللہ کی راہ میں بہت خرچ فرماتے تھے آپ ﷺ عطا فرماتے مگر لیتے نہ تھے، مال خرچ کرنے میں آپ صحراء کی ہوا سے بھی تیز رفتار تھے، آپ ﷺ اس شخص کی مانند عطا یا دیتے جسے فقر کا ڈر نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑے سخی تھے اور جب رمضان المبارک میں جبرئیل سے ملاقات ہوتی تو اور زیادہ سخاوت فرماتے۔ جبرئیل ماہ رمضان کی ہر رات میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات فرماتے اور آپ کو قرآن پڑھاتے۔ سو رسول اللہ ﷺ موسلا دھار بارش والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ (بخاری:۳۵۵۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ''نہیں'' فرمایا ہو۔ (بخاری:۶۰۳۴)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس سات دینار تھے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیئے اور انہیں حکم دے دیا کہ انہیں صدقہ کر دیں، لیکن وہ آپ کی تیمارداری میں ایسی مصروف ہوئیں کہ انہیں اس کا خیال نہیں رہا۔ جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی اس حالت کی وجہ سے میں توجہ نہ کر سکی تھی۔ تو آپ ﷺ نے وہ دینار منگوائے اور انہیں ہاتھ میں لے کر فرمایا، محمد کو کیا سمجھا جائے گا جب اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ یہ دینار اس کے پاس ہوں۔ (دیکھئے المجمع: ۱۰/۲۴۰)

☆☆☆

سخاوت کی حد درجہ پسندیدگی

پرانے کپڑوں میں ملبوس، ننگے پیر ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے اس کو دے دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر کچھ مانگا تو اسے منع کرنے سے نبی کریم ﷺ کو حیا مانع ہوئی تو آپ ﷺ نے رضا بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس کو فرمایا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے البتہ تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کچھ ہوگا تو میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔

یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ اسے دے چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جس پر آپ کو قدرت نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پسند نہیں آئی۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ خرچ

کریں اور عرش والے کی طرف سے کمی اور فقر سے نہ ڈریں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ آپ ﷺ کو ان صحابی کی بات پسند آئی۔
(ترمذی:۳۴۸)

☆☆☆

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں۔ ایک عورت بڑا خوبصورت کپڑا لے کر آئی اور کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ کپڑا میں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔'' نبی کریم ﷺ نے وہ کپڑا اس سے لے لیا آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ ایک صحابی نے وہ کپڑا دیکھا تو عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ'' یہ کپڑا تو بہت خوبصورت ہے، آپ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ''ہاں'' کہہ دی۔ چنانچہ جب آپ اس مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو وہ کپڑا اس شخص کو دے دیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کو اس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ (کنز العمال: ۱۸۶۳۸)

ایک اعرابی نے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ چادر کے کونے بڑے موٹے خوبصورت بنے ہوئے تھے اس کی سختی سے آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، قریب تھا کہ گردن سے خون نکل آتا۔ پھر اس اعرابی نے زور سے کہا، اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال عطا کیا اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے، کیونکہ آپ ﷺ جس مال سے مجھے دیں گے وہ نہ آپ ﷺ کا ہے نہ آپ ﷺ کے والد کا۔ آپ ﷺ مسکرائے اور اسے وہ عطا فرمایا جو وہ چاہتا تھا۔ (بخاری: ۵۸۰۹)

عبادت خاص طور پر نماز نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، آپ اپنا سکون رات کی محراب میں تلاش فرمایا کرتے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی عبادت سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک ورم سے سوج جاتے اور پھٹ جاتے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرما دیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اور آپ کے چہرے کو شکر کی چمک نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ''تو کیا

میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔'' (بخاری: ۱۱۳۰)

رحلت (دنیا سے کوچ)

نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے پڑوس (اور رفیق اعلیٰ) کو اختیار فرمایا اور آپ ﷺ کی روح مبارک پیر کے دن ابھی ربیع الاول کی دو راتیں گزری تھیں، سن ۱۱ھ کو دنیا سے کوچ کر کے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ آپ ﷺ کی تدفین بروز منگل اس جگہ (حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) میں ہوئی جہاں آپ کی رحلت ہوئی تھی۔

اس (مختصر تذکرے) کے بعد میں کسی شاعر کا یہ قول بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ولئن مدحت محمدًا بمقالتی فلقد مدحت مقالتی بمحمدٍ

ترجمہ: ''اگر میں نے اپنے مقالہ (اپنی بات) میں محمد ﷺ کی مدح کی ہے تو حقیقت میں میں نے محمد ﷺ کے ذریعے اپنے مقالہ کی مدح کی ہے۔''

☆☆☆☆☆

﴿سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام﴾

☆ ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور حکومت کو جمع فرما دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے خطاب عطا فرمائے۔

☆ ایسے نبی جن کے ساتھ پرندوں اور پہاڑوں نے بھی تسبیح پڑھی۔

☆ دنیا میں سب سے اچھی آواز انہیں عطا کی گئی۔

☆☆☆

وہ شخصیت جنہیں اللہ تعالیٰ نے سرکش جالوت کو شکست دینے کے لئے منتخب

فرمایا اور اس کا قتل آپ کے ہاتھ پر ہونا طے کر دیا۔ بڑے بہادر تھے جو لڑائی چھوڑ کر بھاگنے والے نہ تھے اور تلوار کی جھنکار سے خوفزدہ نہیں ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت اور نبوت عطا کی اور زرہیں بنانے کا فن سکھایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو نرم فرما دیا۔ آپ کو عزت عطا کی اور آپ پر زبور نازل فرمائی، آپ کو ایسی خوبصورت اور سریلی آواز عطا فرمائی جو اس سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئی جو بھی ان کی آواز سنتا وہ جھومنے لگتا، آپ علیہ السلام جب زبور تلاوت فرماتے تو تمام جن وانس اور چرند پرند آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

زہد، نماز اور روزہ میں مشغولیت آپ کا طرہ امتیاز تھا۔

عبادت وزہد

آپ بڑے عابد انتہائی متقی اور خوف خدا سے خشوع رکھنے والے انسان تھے۔ زبان کبھی ذکر الٰہی سے خاموش نہ ہوتی تھی آپ کا دہن مبارک مشک ونور سے پر تھا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں لگا رہتا۔ آپ اپنی قوت عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور وفکر وتدبر فرماتے رہتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی میٹھی اور سریلی آواز سے نوازا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہلکی سی آواز میں آپ کی زبان مبارک پر جاری رہتی۔ آپ مختصر سے وقت میں پوری زبور کی تلاوت فرما لیتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک پر ہدایت کو جاری فرما دیا تھا، جب بھی آپ ذکر الٰہی سے زبان کو حرکت دیتے یوں لگتا جیسے دل کے تاروں پر اتر رہا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پہاڑوں کو مسخر فرما دیا تھا جو صبح وشام آپ کے ساتھ خدا کی تسبیح بیان کرتے۔ پرندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور آپ کی قرأت کو دہراتے۔ آپ کی عبادت لوگوں کے لئے (آپ کی حیات میں اور) بعد میں بے مثل نمونہ بن گئی، آپ کی نماز افضل نماز اور آپ کا روزہ افضل ترین روزہ قرار پایا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھی

جانے والی نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز سب سے زیادہ پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رکھے جانے والے روزوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے تہائی حصہ رات کا نماز میں گزارتے اور رات کے بقیہ چھٹے حصہ میں سوتے، اور ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن بغیر روزے کے رہتے۔ (بخاری: ۱۱۳۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی محنت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نماز اور روزے کی تعریف کے باوجود حضرت داؤد علیہ السلام اپنی محنت و ریاضت کو کم سمجھتے اور تنہائی میں انتہائی عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے شکر (اس کی نعمتوں کے بدلے اس کے کرم کے اظہار) کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی کا اعتراف فرماتے ہوئے کہتے۔ ''اے اللہ! اگر میرے ہر بال کی جگہ دو زبانیں ہوتیں جو ساری عمر رات دن تیری تسبیح بیان کرتی رہتیں تو بھی میں تیری نعمتوں میں سے ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔

خوف خدا سے معمور دل کے مالک

حضرت داؤد علیہ السلام کا دل غم اور آتش جہنم اور یوم حساب کے خوف سے اس طرح معمور تھا کہ آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور پوری زندگی آپ نے (خوف خدا کے باعث) گویا ڈرتے ہوئے گزاری۔ کبھی آپ کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے خاموشی سے بہتے رہتے حتیٰ کہ آپ کی بینائی ختم ہونے کے قریب ہوگئی کسی نے اس حالت کو دیکھ کر شکوہ کیا کہ (اس قدر) آنسو کس لئے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ''ہڈیوں کے جلنے اور رونے کا دن آنے سے پہلے مجھے رونے دو۔''

آپ گڑگڑاتے ہوئے عاجزی کے مارے گر جایا کرتے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رب تعالیٰ سے یوں دعا فرماتے، ''اے میرے رب تیرے سورج کی گرمی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ تیرے جہنم کی گرمی کیسے برداشت ہوگی۔ میرے رب تیری رحمت

کی آواز (ابر رحمت کی گرج) مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تو تیرے عذاب کی آواز کس طرح برداشت کروں گا۔"

بے مثل تواضع

آپ کے دل پر عظمت کے باوجود کبر کی جھلک بھی آنہ پائی، نبوت نے بھی آپ کے ورع وتقویٰ میں اور حکومت نے آپ کے تواضع میں صرف اضافہ ہی کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا رزق تناول فرماتے۔ آپ کے شکم مبارک میں اس سلطنت کی دولت کا ایک لقمہ بھی نہیں گیا جو آپ کے سامنے پہاڑوں کی طرح آگئی تھی آپ زرہیں اور کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں اپنے ہاتھ سے بناتے اور ان کو بیچ کر اپنی کمائی سے کھاتے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی مدح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

> "سب سے زیادہ پاکیزہ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا جائے۔ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔" (بخاری:٢٠٧٢)

آپ اپنے باورچی خانہ سے لوگوں کو سفید روٹی (گندم کی روٹی) کے سترڈھیر کھلاتے اور خود جو کی روٹی تناول فرماتے۔

سانحہء وفات

حضرت داؤد علیہ السلام شدید غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ جب باہر جاتے تو دروازے بند کر کے جاتے۔ ایک دن وہ باہر نکلے اور زوجہ محترمہ نے دروازے بند کردیئے پھر ان کی زوجہ محترمہ نے گھر میں اندر جاتے ہوئے وسط دار میں کھڑے ایک شخص کو دیکھا تو خدام وغیرہ کو آواز دے کر پوچھا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود یہ شخص اندر

کیسے آ گیا؟ اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تشریف لے آئے وہ شخص وہیں بیچ میں کھڑا تھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جو بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ ہی دربان اسے روک پاتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا، واللہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ملک الموت ہے۔ اللہ کے حکم کو خوش آمدید۔ پھر وہ شخص آپ کے پاس کچھ دیر رکا حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی۔ پھر جب آپ کو غسل دے کر تکفین کر دی گئی اور ان کاموں سے فراغت ہو گئی تو سورج طلوع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان پر سایہ کرے تو اس نے اپنے پروں سے سایہ کیا حتیٰ کہ جب زمین نے ان پر سایہ کر دیا (یعنی تدفین ہو گئی) تو انہوں نے پرندے کو حکم دیا کہ وہ اپنے پروں کو سمیٹ لے۔ (مسند احمد: ۲/۴۱۹)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

☆ وہ بچہ جو دنیا میں روتے چیختے نہیں آیا۔

☆ وہ نبی جس نے ماں کی گود میں گفتگو کی۔

☆ وہ پہلے نبی جنہیں آسمانوں میں زندہ اٹھا لیا گیا۔

☆☆☆

ایک نبی جو زمین میں زہد کا بیج بوتے اور دلوں میں تقویٰ کی کاشت کرتے رہے اور خیر پھیلاتے رہے۔

یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول علیہ السلام ہیں اور اس کا وہ کلمہ اور وہ روح ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو القاء فرمایا تھا۔ درمیانہ قد تھا جو نہ لمبا اور نہ ٹھگنا تھا، رنگ ایسا لال جیسے کہ ابھی گرم حمام سے نکل کر آئے ہوں۔

ان کی پیدائش کے وقت شیطان آیا تا کہ ان کے پہلو میں کچھ چبھو دے تا کہ یہ بھی عام انسانی بچے کی طرح چلا کر روئیں مگر وہ چبھوتا رہا مگر پردے میں چبھوتا رہا اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی کا مسکراتے ہوئے استقبال کیا، آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں نکلا (نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام روئے)

اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب، حکمت اور تورات و انجیل سکھائی۔ معجزات سے تائید عطا کی چنانچہ انہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا۔ گیلی مٹی سے پرندے بناتے جو اللہ کے حکم سے آسمانوں میں اڑ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر کوڑھی اور برص کے مریضوں کی شفاء رکھ دی۔ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے۔ خود زندہ آسمانوں میں اٹھا لئے گئے، آخری زمانے میں نازل ہوں گے دجال کو قتل کریں گے، مسلمانوں کی صفوں میں نمازیں پڑھیں گے، عدل و ایمان کا بول بالا کریں گے اور پھر ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی۔

آپ کا دل بڑی پاکیزہ طبیعت پر ڈھلا ہوا تھا، بالکل صاف و شفاف۔ ادب نبوت سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ زبان مبارک سے کسی کو ایذاء دینے کا کوئی حرف بھی نہ نکلتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ "احسان یہ نہیں کہ تم اس پر احسان کرو جس نے تم پر احسان کیا ہو۔ یہ تو نیکی کا نیکی سے بدلہ ہے۔ بلکہ احسان تو یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ بھلائی کرو جس نے تم سے کچھ برا کیا ہو (زیادتی کی ہو)۔"

ایمان کا ادب

ایک دن آپ نے چور کو چوری کرتے دیکھا تو اسے انبیاء علیہم السلام کے انداز سے دھیمے لہجے میں فرمایا۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟ حالانکہ معلوم تھا کہ اس نے چوری کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو آپ نے فطرت انبیاء علیہم السلام سے جواب دیا۔ کہ تو نے اللہ تعالیٰ پر ایمان (یقین) رکھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔

گفتگو کا ادب

دوپہر کے وقت حواریوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک بکری کا بچہ مرا دیکھا جس کی بدبو لوگوں کو تکلیف دے رہی تھی۔ حواریوں نے کہا، اس کی کتنی بدبو ہے۔ کتنا بدمنظر ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے گفتگو کا ادب سکھانے کے لئے فرمایا کہ اسکے دانت کتنے سفید ہیں۔

زہد عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیچھے دنیاوی سامان کچھ نہ چھوڑا اور اپنی زندگی اس طرح گزاری کہ نہ تو کوئی گھر بنایا اور نہ ہی شادی کی۔ اپنے آپ کو تنہا کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی راہ میں چلنے پھرنے کے لئے (اس کی دعوت دینے کے لئے) وقف کر دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ میں دنیا کو اوندھے منہ گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا ہوں میرا کوئی بیٹا نہیں کہ وہ مرے اور نہ گھر ہے جو خراب ہو۔ حواریوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے گھر نہ بنا دیں؟ فرمایا کہ میرے لئے سیلاب کی گزرگاہ میں گھر بنا دو۔ حواریوں نے عرض کیا وہ تو قائم نہ رہے گا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کے لئے زوجہ کا انتظام کر دیں؟ فرمایا کہ ایسی بیوی کا میں کیا کروں گا جو مر جائے؟ ایک مرتبہ پھر آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ علیہ السلام کے لئے گھر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑنا چاہتا کہ جس کے ذریعے مجھے یاد کیا جائے۔

آپ علیہ السلام کبھی ایسے گھر کے پاس سے گزرتے جس کے مالکان مر چکے ہوتے تو آپ وہاں کھڑے ہو کر اس گھر کو خطاب کر کے فرماتے،

"افسوس ہے تیرے ان مالکان پر جو تیرے وارث بنے ہیں۔
انہوں نے اپنے پچھلے بھائیوں کے ساتھ تیرے کئے کو معتبر کیوں
نہ سمجھا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں گھومتے پھرتے نقل مکانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہتے۔ آپ نے دنیا اور اس کی رنگینیوں کو چھوڑا اور رزق حلال کے لئے محنت فرمائی۔

ایک مجمع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حواری آئے اور کھانے کے بارے میں سوال کیا۔ پوچھا ہم کھانا کیا کھائیں؟ آپ نے فرمایا جَو کی روٹی۔ پوچھا کہ ہم کیا پئیں؟ فرمایا خالص (سادہ) پانی۔ پوچھا کہ ہم کس پر سوئیں؟ فرمایا، زمین کو بچھونا بنالو۔ پھر فرمایا کہ جب کوئی آدمی بھوکا ہو تو اسے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی۔ اور جب پیاسا ہو تو پانی سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہوتی۔ اور جب (کھڑا ہونا) قیام طویل ہو جائے تو زمین پر ٹیک لگانے سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی۔

زہد کی ترغیب

ایک دن آپ نے انہیں پکار کر فرمایا۔ تمہیں لازم ہے کہ جَو کی روٹی ہی کھاؤ اور اسے کٹے نمک کے ساتھ کھاؤ بغیر خواہش (بھوک) کے مت کھاؤ اور بالوں کا بنا لباس پہنو اور دنیا سے صحیح سلامت بچ کر نکل جاؤ۔ سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی حلاوت (مٹھاس) آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے۔

ایک دن ایک شخص نصیحت کی طلب میں آپ کے پاس آیا۔ اور کہا مجھے وصیت کیجئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اپنی روٹی کو دیکھ کہ کہاں سے آرہی ہے؟

آپ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا تم لوگ دنیا کے لئے محنت کرتے ہو حالانکہ تمہیں دنیا میں بغیر عمل (محنت) کے رزق دیا جاتا ہے اور آخرت کے لئے عمل نہیں کرتے حالانکہ آخرت میں تمہیں بغیر عمل کے رزق نہیں ملے گا۔ اور علماء سوء پر افسوس ہے۔

ایک دن اپنے حواریوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ دنیا کی محبت

ہر برائی کی جڑ ہے۔ اور مال میں بہت زیادہ ''بیماریاں'' ہیں۔ حواریوں نے پوچھا کہ اس کی بیماری کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مال والا شخص فخر اور تکبر سے بچ نہیں پاتا۔ کسی نے عرض کیا ''اگر بچ جائے تو؟ آپ نے فرمایا کہ مال کی درستگی (کی کوشش) ہی اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے گی۔

ایک دن آپ گناہوں لغزشوں اور رحمتوں، نعمتوں کے رک جانے، کے اسباب سے ڈرا رہے تھے۔ اور لوگوں کو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کا حکم دیا اور فرمایا اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جو اپنے گناہ کو یاد کر کے روئے۔

آسمان کی طرف اٹھ جانا

آپ کا پاک جسد عنصری ۳۰م کے قریب آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے آپ پھر نازل ہوں گے تا کہ خنزیر اور دجال کو قتل کریں۔ صلیب کو توڑیں اور اسلام کی دعوت دیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(وفات ۱۳ھ بمطابق ۶۳۴ء)

☆ نبی کریم ﷺ کے بعد امت کے لئے سب سے زیادہ رحم دل انسان۔

☆ ایسا شخص جس کے لئے تقدیر نے نداء کی۔

☆ جس کی خلافت فارس و روم کے غلبے کی موت کے پیغام کی اولین سطر تھی۔

☆ جن کی شخصیت ایمان کے مدارس میں سے ایک مدرسہ تھی۔

☆☆☆

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

وہ جب آپ سے ملیں گے تو فرشتوں جیسے دل اور نبی جیسی زبان کے ساتھ ملیں گے، جن کے دل میں دنیا کی خواہش مرجھا چکی تھی۔ یہ ہیں عبداللہ بن عثمان القرشی

یعنی ابوبکر بن ابی قحافہ التیمی ۔ جو انبیاء علیہم السلام کے متبعین میں سب سے افضل شخص تھے۔

پہلے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے (ابوبکر) جو کہ عام الفیل کے ڈھائی سال کے بعد پیدا ہوئے ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ آنے والی تاریخ انہیں اہم لوگوں میں شمار کر کے ان کی حکایات بھی کہے گی، ان کا ایمان بھرپور وتر وتازہ ایمان تھا۔

ان کے ایمان کی تر وتازگی میں کبھی ماندگی نہیں آئی نہ ہی کبھی ٹھوکر کھائی۔ آپ کا دل بڑی شدید رغبت اور حسن طبیعت سے معمور تھا۔ جب ان کی پاک روح نے نبوت کے قافلے کو بصیرت سے محسوس کلمہ حق کی صدا لگا دی چنانچہ ان کی فطرت اور سمجھ دونوں ایمان لے آئیں۔ ان کی عزت وشرف کی بناء پر جاہلیت کی خرابیاں بھی دور بھاگ گئیں چنانچہ شراب نے کبھی آپ کے ہونٹوں تک کو نہیں چھوا نہ ہی کبھی آپ کی کمر بتوں کے سامنے جھکی اور آپ کے دل ودماغ منور ہو چکے تھے۔

جب آپ ایمان لائے تو آپ کی فطرت کی سچائی میں دین کی سچائی کا اضافہ بھی ہو گیا اور ان کے روشن دل کی چمک بڑھ گئی۔ آپ کے چہرے کے حسن وجمال کے باعث آپ کو ''عتیق'' کا لقب دیا گیا آپ نے واقعہ اسراء ومعراج میں نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی تو آپ کا لقب ہی ''صدیق'' قرار پایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس اور مال کو اس نئے دین کی خدمت کے لئے پیش کر دیا تھا، ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے اور آپ کے ہی ہمراہ ہجرت کی اور غار میں مقیم ہوئے۔ معرکوں میں آپ کے ساتھ حاضر رہے اور جاں نثاری کی حیرت انگیز مثالیں قائم کیں، اکیلے ہزار شہسواروں پر بھاری تھے۔ مرتدین کے سامنے زخمی شیر (بدلہ لینے والے) کی طرح کھڑے ہو گئے۔ ایسی شجاعت اور ایمان کے حامل تھے جس نے زمانے کا چلن ہی بدل کر رکھ دیا لہٰذا آپ مرتدین پر عذاب بن گئے اور ان کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھا کر دم لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خراج تحسین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگوں میں ابوبکر سے زیادہ مجھ پر مال کے ذریعے احسان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اگر میں دنیا میں اپنا خلیل (دوست) کسی کو بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی دوستی زیادہ افضل ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز لگائی کہ میری طرف سے اس مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔''

(بخاری:۴٦٧)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی بھلائی پر خرچ کر دی اور اپنی نرم روح کو فضائل پر بکھیر دیا چنانچہ ان کی سماعت تک کوئی ایسی خصلت وفضیلت پہنچتی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہوتی تو یہ اسے ضرور حاصل کر لیتے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھنے لگے کہ آج تم میں سے کس کا روزہ ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج میں روزے سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا، آج تم میں سے کون جنازے کے ساتھ چلا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سوال فرمایا، آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی عیادت کی؟ پھر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صفات جس شخص میں جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (مسلم:۱۰۲۸)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنی زبان مبارک سے موتی بکھیرتے ہوئے اپنی گفتگو سے ساعتوں کو معطر فرما رہے تھے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص نے دو چیزیں (اپنے مال وغیرہ میں سے) اللہ تعالیٰ کے راستے

میں خرچ کیں اسے جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے بندے ...... یہ بھلائی ہے۔ چنانچہ جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے میں سے اور جو مجاہدین میں سے ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے۔ جو شخص روزے داروں سے ہوگا اسے صدقہ کے دروازے سے آواز دی جائے گی۔"

ایسے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنی خاموشی سے نکلے اور فرمایا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ۔ کیا ضروری ہے کہ ہر ایک کو ان دروازوں میں سے ہی کسی ایک سے آواز دی جائے؟ کیا کسی کو ان تمام دروازوں سے آواز دی جائے گی؟ آپ ﷺ کے مبارک ہونٹ گویا ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ جی ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہو گے۔" (بخاری: ۱۸۹۷)

خوش رو متواضع صدیق رضی اللہ عنہ

خوش روئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اہم عناصر میں سے تھی۔ آپ نے اہل مدینہ کے دلوں کو بڑی نرمی اور اپنے تواضع سے فتح کر لیا تھا۔ اپنی ذات کو خادم کی حیثیت میں پیش کیا اور غرور کے مردہ جسم کو اپنے پاؤں تلے روند کر چھوڑا۔

لوگوں کا خادم صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خود کو لوگوں کا خادم بنا دیا تھا محلے کے لوگوں کو ان کی بکریوں کا دودھ دوہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ جب خلیفہ بن گئے تو ایک لڑکی نے کہا کہ "ہائے اب ہمارے گھروں کی بکریوں کا دودھ دوہا نہیں جائے گا۔ یہ بات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ آپ اس بچی کے پاس گئے اور فرمایا۔ کیوں نہیں؟ میری عمر کی قسم میں تم لوگوں کو دودھ ضرور دوہ کر دوں گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے ان کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔

ننھے قائد ننھے کمانڈر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے اشہب گھوڑے

کی پیٹھ پر سوار ہوئے، شیر کی طرح نکلے، دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے معمور تھا۔

تازہ تازہ ایمان (کی حلاوتوں) کے گھونٹ پی کر جوان ہوئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عظیم لوگوں کے وقار میں دوڑتے آئے اور ایک ایک مجاہد سے مصافحہ کرنے لگے۔ پھر آپ ننھے کمانڈر کے قریب ہوئے اور ان کے گھوڑے کے قریب ٹہلنے لگے، آپ کے پاؤں ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور وہ گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہے تھے جو مٹی اور دھول سے اٹا ہوا تھا۔ خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نیچے اور دوسرے سب گھوڑوں پر سوار تھے برداشت نہ ہو سکا تو یہ ننھا شیر خلیفہ مسلمین کی طرف متوجہ ہوا اور اس ادب کے ساتھ جس کی تربیت اس نے اسلام کے سایہ عاطفت میں پائی تھی۔ کہنے لگا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ، خدا کی قسم یا تو آپ سوار ہو جائیے یا میں اتر آؤں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بے نظیر تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ واللہ تم نہیں اترو گے۔ اور خدا کی قسم میں بھی سوار نہ ہوں گا۔ کیا مجھے اتنا حق نہیں ہے کہ ایک گھڑی کو میرے قدم اللہ تعالیٰ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انفاق کی تلوار سے غلامی کے ہاتھ پر وار کیا اور اسے کاٹ ڈالا اور آزادی کی مسکراہٹیں خرید خرید کر مومن ہونٹوں پر لا کے رکھ دیں۔ آپ مکہ کے ضعیف غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے اور جب بوڑھی عورتیں اور دوسری خواتین مسلمان ہوتیں تو انہیں خرید کر آزادی دلاتے۔

ایک مرتبہ ان کے والد ابوقحافہ ان کے پاس آئے اور فرمایا۔ میرے بیٹے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو۔ اگر تم مضبوط اور طاقتور قسم کے غلاموں کو آزاد کرواؤ تو وہ تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے، تمہاری حفاظت اور دفاع کریں گے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں سے زیادہ بلند اخلاص سے

بھرا جواب دیا کہ ''ابا جان میں وہ فائدہ چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ (سورة الليل)

''اور وہ شخص جو عطیہ کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے۔''

(یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے)

جتنی رحم دلی اور رقت قلبی ان کو عطا ہوئی تھی وہ انہیں ایسی جگہوں پر بھی مال خرچ کرنے کا شوق دلاتی جہاں عموماً نفس کراہت محسوس کرتا ہے، دوسروں سے آگے بڑھ کر خرچ کرتے، ہمیشہ عطا کرتے، کبھی واپس نہ لیتے۔

خرچ کرنے میں صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خطاب فرمایا اور انفاق اور صدقہ کی ترغیب دی۔ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل کھل گیا اور ان کے پاس اس وقت مال بھی تھا۔ خوشی سے جی میں کہنے لگے آج تو میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نکل جاؤں گا چنانچہ ہوا کی رفتار سے بھی تیز گھر گئے اور واپس آئے تو انکے ہاتھوں میں بڑی گٹھری موجود تھی جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دی۔

نبی کریم ﷺ نے سامان اور دیناروں سے بھری گٹھری کی طرف دیکھا، مسکرائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بچایا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اتنا ہی سامان ان کے لئے بچایا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اکرم ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنمودار ہوئے، مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گٹھری سے بڑی گٹھری اٹھائے ہوئے تھے وہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دی۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ابوبکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے دھیمی آواز سے عرض کیا کہ ''گھر

والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس عظیم قربانی کو دیکھ کر حیرت سے سر ہلایا اور خود سے سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے، "اے ابوبکرؓ میں تم سے کسی چیز میں بازی نہیں لے جا سکتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خراج تحسین

حضرت علی رضی اللہ عنہ سخاوت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ہم جب بھی کسی نیکی اور بھلائی کی طرف بڑھتے تو ہم سے پہلے ابوبکر پہنچ جاتے۔ ابوبکرؓ کا مال چالیس ہزار دینار تھا جو انہوں نے سارا کا سارا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا اور نبی کریم ﷺ ان کے مال میں اپنے مال کی طرح حصہ دار تھے۔" (یعنی رسول اکرم ﷺ اپنی ضروریات بھی انہی کے مال سے پوری فرماتے تھے)

خود رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا کہ ابوبکرؓ کے مال نے فائدہ پہنچایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زہد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی دنیا طلب نہیں کی اور نہ ہی دنیا نے انہیں طلب کیا لیکن دنیا انہیں یاد کرتی تھی مگر یہ نبی کریم ﷺ کی طرح اس سے دور بھاگتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے دل کو زہد کے ریگستان میں بٹھا دیا۔

خوف خدا اور تواضع و زہد کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے گفتگو فرما رہے تھے کچھ دیر بعد آپ نے غلام سے پانی لانے کو کہا وہ تھوڑی دیر میں مٹی کے برتن میں پانی لے آیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ آپؓ نے پیالہ پکڑا اور پینے لگے ہی تھے کہ آپ نے دیکھا کہ پیالہ پانی ملے شہد سے بھرا ہوا ہے، شہد خالص نہ تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر پیالہ رکھ دیا اور بیٹھے آنسو

بہانے لگے حتیٰ کہ آپ کا سینہ اوپر نیچے ہونے لگا اور اس سے دیگچی کھد کھدنے کی آوازیں آنے لگیں حتیٰ کہ آپ بلک بلک کر رونے لگے۔

یہ دیکھ کر لوگ آپ سے رونے کی وجہ پوچھنے لگے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے اور آپ اپنے کپڑے کے کنارے سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے کہ

میں رسول اکرم ﷺ کے مرض وفات میں آپ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو خود سے دور کر رہے ہیں جو کہ مجھے نظر نہیں آ رہی تھی اور آپ تھکی تھکی کمزور آواز میں فرما رہے تھے کہ اسے مجھ سے دور کرو، اسے مجھ سے دور کرو۔ میں نے دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہ آیا تو میں نے پوچھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کسی چیز کو دور کر رہے ہیں مگر آپ کے قریب کوئی نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے مثالی صورت میں پیش کی گئی تو میں نے کہا کہ اسے مجھ سے دور کرو۔ تو وہ میرے قریب جھک کر کہنے لگی کہ اگر تم مجھ سے بچ گئے ہو تو تمہارے بعد والے مجھ سے نہیں بچ سکیں گے۔"

یہ کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر ہلایا اور افسوس اور حسرت سے فرمانے لگے کہ اس شہد ملے پانی کو دیکھ کر مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ دنیا میرے ساتھ تو نہیں لگ گئی۔ پس اس بات نے مجھے رلا دیا۔

انبیاء علیہم السلام کے رنگ میں رنگی زندگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی انبیاء کرام علیہم السلام کے منہج میں رنگ دی تھی۔ خود ایمان اور تقوے کا ستون تھے، شبہ والی ہر چیز ترک کر دی اور اسے بالکل صاف کر دیا، اور اس سے بالکل کنارہ کش ہو گئے اور منہ پھیر لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو باہر جا کر محنت مزدوری کرتا اور کھانا وغیرہ لے کر آتا تھا، وہ جب بھی کھانا لاتا آپ کھانے سے پہلے اس سے پوچھا کرتے کہ کہاں سے لائے؟ ایک دن وہ کھانا لایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ

کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا۔ شاید بھوک کی شدت نے پوچھ گچھ کرنا بھلا دیا تھا۔ چنانچہ اس غلام نے (یہی یاد دلایا اور) کہا کہ آپ ہمیشہ مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ کھانا کہاں سے لائے؟ مگر آج آپ نے نہیں پوچھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مجھے بھوک لگی تھی۔ ہاں یہ بتاؤ کہ یہ کھانا کہاں سے لائے؟

اس نے بتایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کو کہانت (علم نجوم) کی باتیں بتائی تھیں، مجھے اچھی طرح یہ فن نہیں آتا تھا مگر میں نے اس سے دھوکا کیا تھا۔ آج تو وہ شخص مجھ سے ملا اور یہ کھانا مجھے دیا اور کہا کہ تم نے جو پیشنگوئیاں کی تھیں وہ درست ہو گئیں۔ تم نے سچ کہا تھا۔" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم نے تو مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا۔ پھر اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور زبردستی قے کر دی جس سے سب کھایا پیا نکل گیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اتنی تکلیف صرف ایک لقمے کے لئے ہی برداشت کی؟ آپ کے چہرے سے اس وقت خوشی کی چمک پھوٹ رہی تھی، فرمانے لگے کہ اگر یہ لقمہ میری روح کے ساتھ بھی نکلتا تو میں اسے ضرور نکالتا۔

خود احتسابی کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

اچھی خود احتسابی اور خود پر سزا جاری کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثال قائم کر دی اور اس مدرسے کے استاد کا نمونہ بن کر سامنے آئے کہ "اپنے نفس سے ابتداء کرو۔"

ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے دیکھا کہ دیوار کے نیچے بیٹھے ہیں اور اپنی زبان کا کنارہ پکڑے ہوئے گویا اس کو سزا دے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر بڑا تعجب ہوا، فرمانے لگے: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اپنی زبان کو سزا کیوں دے رہے ہیں؟ استغفار میں ڈوبے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، مجھے کئی

بربادیوں و ہلاکت کی جگہوں پر اسی نے ڈالا ہے۔

آپ نے پوری زندگی اپنے حبیب اور معلم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر گزار دی۔ جنہوں نے نفس کی بڑائی کو باغ و بہار کرنے اور حق جہاں بھی ہو اس کا ساتھ دینے کی اولین تلقین فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اونٹوں کے صدقات تقسیم کرنے کا آپ نے اعلان فرمایا، جب لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بغیر اجازت اندر داخل نہ ہو۔ مگر ایک شخص جس کے ہاتھ میں اونٹ کی گردن میں لپیٹے جانے والی رسی تھی اندر داخل ہو گیا۔ اندر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما صدقات کا حساب اور حصے تیار کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے رسی لے کر اسے ماری اور تیز آواز سے فرمایا کہ تم اندر کیوں داخل ہوئے؟ وہ شخص تو سہم کر باہر نکل گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہایت افسوس ہوا وہ اس شخص کے پاس گئے اور فرمایا۔ بھائی مجھ سے بدلہ لے لو۔ حضرت عمر بولے واللہ بدلہ نہیں لیا جائے گا۔'' مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خوف خدا کے باعث کپکپی طاری ہو گئی، فرمانے لگے۔ قیامت کے دن مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو راضی کر لو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سواری ایک چادر اور پانچ دینار دے کر راضی کر لیا وہ شخص خوشی بختی اور رضامندی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوا۔

خوف خدا اور عاجزی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا شدید خوف اور فکر دامن گیر رہتی تھی۔ دل میں بڑا خوف خدا چھپا تھا اور رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک دن کھلی فضا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے، نگاہوں کو آسمان میں دوڑا رہے تھے، اچانک ایک پرندے کو ایک درخت پر دیکھا جو بڑی پیاری اور میٹھی آواز میں چہچہا رہا تھا۔ آپ نے بڑی درد بھری آواز سے فرمایا:

''مبارک ہو تجھے اے طائر، میری تو خواہش ہے کہ میں تجھ جیسا
ہو جاؤں تو درخت پر بیٹھتا ہے، پھل کھاتا ہے اور اڑ جاتا ہے اور
تیرا نہ کوئی حساب ہوگا نہ تجھ پر عذاب ہے۔''

ایک مرتبہ دن ڈھلے حضرت عمر بن خطابؓ، خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں آئے اور فرمایا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان! یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حیا اور تواضع سے سر جھکا لیا، فرمایا۔ تم تو یہ کہہ رہے ہو۔ حالانکہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''سورج عمر سے بہتر کسی انسان پر طلوع نہیں ہوتا۔'' (ترمذی: ۳۶۱۷)

یہی پہلی عمارت تھی جسے دنیا کو گرانے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دنیا کے سمندر میں تیرتے رہے مگر ان کے کپڑے بھی گیلے نہ ہوئے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی چمک دمک کو جھاڑ دیا تھا۔

مرض وفات کے نصیحت آموز واقعات

زمانے کے جلو میں دن گزرتے رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خشیت اور خوف سے کٹے پٹے بدن کے ساتھ بستر مرض سے جا لگے اور افسوس کے ھالے میں حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رکی ہوئی سانس جیسی آواز میں فرمایا، ''اے میری بچی۔ میں قریش کا سب سے بڑا تاجر اور مالدار شخص تھا لیکن جب مجھے امارت کی مصروفیات نے مشغول کر دیا تو میں نے یہ مناسب جانا کہ میں صرف اتنا مال حاصل کروں جو میری مصروفیات کے لئے کافی ہو تو اس مال میں سے (جو امارت کے عہدے کے ضمن میں لیا گیا تھا) صرف یہ عباء، برتن اور یہ غلام باقی ہے۔ لہٰذا جب میں انتقال کر جاؤں تو یہ تینوں چیزیں فوراً عمر بن خطاب (نامزد خلیفہ) کے پاس لے جانا۔

چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ عباء، وہ پیالہ، اور غلام کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے، فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد آنے والے کو تھکا دیا ہے وہ یہ پسند کرتے تھے کہ کہنے والے کے لئے کوئی بات نہ چھوڑیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اس دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ درہم۔ انہوں نے اپنا مال لیا اور اسے بیت المال میں ڈال دیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریع الدموع اور بڑے نرم دل انسان تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر انتہائی رقیق القلب انسان تھے جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رونے لگ جاتے اور رونے کے غلبے کے باعث ان کی قرأت سنی نہیں جا سکتی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنہائی میں عبادت کیسی ہوتی تھی؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یادوں میں کھو سی گئیں پھر جواب دیا کہ جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ کھڑے ہو کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگتے پھر نماز میں تلاوت کرتے اور روتے رہتے۔ سجدہ کرتے تو روتے دعا کرتے تو روتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

شرم وحیاء کے پیکر

حیا نے ان کا دل ساکن کر دیا تھا ان کے کان گویا بڑے شہتیر تھے مگر وہ اس وقت چھوٹے ہو جاتے جب تعریف کا گھیرا ان کو ڈھانپتا یا ان کے کانوں تک کوئی تعریفی کلمہ پہنچتا۔ ایسے وقت لگتا کہ ان کا دل حیاء کے مارے نفس کے کنوئیں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔

ان کے بکھرے انفاس سے ایک دعا سمیٹ لیجئے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ خَيْرًا مِّمَّا يَظُنُّوْنَ وَاغْفِرْلِيْ بِمَا لَا

يَعْلَمُوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ”اے اللہ مجھے ان کے گمان سے بھی اچھا بنا دیجئے، اور جو انہیں نہیں معلوم وہ گناہ (بھی) معاف کر دیجئے اور جو یہ (میرے بارے میں) کہتے ہیں اس پر مجھ سے مؤاخذہ مت کیجئے گا۔“

طبیب نے کہا

حضرت ابوبکر تیز مرض کے شکار جسم کے ساتھ بستر مرگ پر جا پہنچے۔ بستر پر پڑے بھاری محسوس ہوتی ہوئی گردن کے ساتھ آخرت کے خوف سے کپکپاتے ہوئے رات گزاری۔ لوگ جوق در جوق آنا شروع ہوئے۔ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ۔ اے ابوبکر کیا ہم تمہارے لئے طبیب کو بلا دیں؟ ارد گرد کھڑے لوگ پوچھنے لگے۔

کمزور سی مسکراہٹ اور دھیمی آواز کے ساتھ ہونٹ کھلے فرمایا۔ طبیب تو میرے پاس آچکا۔ پوچھا کہ طبیب نے کیا کہا؟ فرمایا، طبیب نے کہا ”انی فعال لما اریــــد“ کہ میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں (رب ذوالجلال کی صفت فعال لما یرید کی طرف اشارہ فرمایا) آپ نے دھنسی ہوئی آنکھیں بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ تو قوم نے تأسف سے سر ہلایا اور گہری خاموشی میں کھو گئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اندر داخل ہوئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موت سے لڑ رہے تھے، آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا

لعمرک ما یغنی الثراء عن الفتیٰ　　اذا حشرجت یوما و ضاق بها الصدور

ترجمہ: ”تیری عمر کی قسم دولت بھی اس جوان کو بچا نہیں سکتی جس دن سانس غرغرا جائے اور دل تنگ ہو جائیں۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے فرمایا۔ میری بچی اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہو، اور سکرات موت واقعی آ گئی۔ (سورہ ق:۱۹) پھر بڑی مشکل سے آہستہ آواز سے فرمایا کہ

دیکھو میرے یہ دو کپڑے ہیں انہی کو دھو کر مجھے کفن دے دینا۔ کیونکہ نئے

کپڑوں کی زندہ لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔

بستر مرگ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دم آخر تھا کہ حضرت سلمان اندر داخل ہوئے اور فرمایا، ''اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ! مجھے وصیت کیجئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا (کی دولت) کے منہ کھول دے گا لیکن تم اس میں سے اپنے گزارے کے بقدر مال کے علاوہ کچھ مت لینا۔''

سانحہ ارتحال

اس کے بعد ان کی روح شوق کے پروں پر سوار ہوگئی جنہیں فرشتے اڑائے لیجا رہے تھے، پورا مدینہ آہ و بکا سے گونج اٹھا، بالکل ایسا منظر تھا جیسا منظر رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ مدت خلافت دو سال تین مہینے آٹھ دن رہی۔ آپ کا جسد طاہر نبی کریم ﷺ کے برابر میں دفن کر دیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ جن کا کوڑا بادشاہوں کی تلوار سے زیادہ خوفناک تھا۔
☆ انسانیت نے جن کو معزز بنایا اسلام نے مؤدب بنایا۔
☆ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ عادل انسان۔
☆ جب لوگ بھوکے ہوتے تو یہ سب سے پہلے بھوکے ہوتے اور
☆ جب لوگ پیٹ بھرتے تو سب سے آخر میں پیٹ بھرتے۔

☆☆☆

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تاریخ نے ان کے پاس طویل قیام کیا۔ اور وہ اپنے زمانے کو عدل اور اپنے

زہد ہی سے سیراب کرتے رہے۔ دنیا کو زمانہء وحی میں لا کھڑا کیا۔ یہ تھے حضرت ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو کہ امیر المؤمنین اور دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ عام الفیل کے تیرہ سال کے بعد پیدا ہوئے اور ان کا دل ایمان کے نخلستان میں ہجرت سے پانچ سال پہلے اڑ آیا۔

ان کا اسلام لانا فتح، ان کی ہجرت مدد اور ان کی حکومت رحمت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایمان کی آبیاری اپنے جگر کے ٹکڑوں سے کی۔ آیات کو تیز دھار نفس کے ساتھ قبول کیا۔ آپ کا اسلام لانا وہ طاقتور چنگھاڑ تھی جس نے شرک کے ستونوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسلام کمزور تھا ان کے ایمان لانے سے طاقتور ہو گیا۔ قوت کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بے شمار معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی ذمہ داری آپ پر آپڑی تو آپ نے عدل و انصاف کے چراغ روشن کر دیئے، مظلوموں کی خوب داد رسی کی، ان کی موجودگی میں جرم میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ اپنا چہرہ کھولے۔ بشری طاقت سے بڑھ کر انہوں نے کام کیا ان کی زندگی اجتماعی اور لوگوں سے باہم رابطہ میں گزری۔

ان کا زہد زندگی کے مشاغل سے فرار نہ تھا بلکہ ایسا زہد تھا جس کو اعضا میں سرایت کئے ہوئے ایمان نے منور کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی پر (تن آسانی اور) آسائشوں کو عملاً حرام کر لیا تھا کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کر سکیں گے۔

مراد نبی و دعائے نبی ﷺ

ان کا اسلام لانا رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ”عمر نامی ان دو شخصوں میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو عزت و طاقت عطا فرما۔“ (ترمذی: ۵/۶۱۷)

گویا نبی کریم ﷺ نے دعا کی، اللہ جل شانہ نے انتخاب فرمایا۔ اور پھر

رسول اکرم ﷺ نے ان کی مدح میں فرمایا، ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔'' (ترمذی: ۳۶۸۷)

دنیا آپ کے تقوے سے روندے جانے پر چیخ پڑی ہر وہ چیز جس میں تقوی کا عنصر شامل ہو وہ باوجودیکہ اہل سعادت سے نہ ہو مگر سعادت کی طرف دوڑ آتی ہے۔

تقویٰ کی حالت

ایک مرتبہ کسی نے آپ کو دودھ پیش کیا، آپ نے پیا تو وہ دودھ آپ کو کچھ عجیب محسوس ہوا) تو فوراً پلانے والے کو بلوایا، پوچھا کہ تم نے دودھ کہاں سے لیا؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے چشمے پر گیا وہ کچھ لوگ صدقات کی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے، انہوں نے ہمیں یہ دودھ نکال کر پلایا تو میں نے اپنے برتن میں لے لیا تھا۔ یہ الفاظ کیا تھے گویا آگ تھے جس نے ان کے اندر آگ لگا دی، آپ بے چین ہو گئے چنانچہ آپ نے فوراً انگلیاں حلق میں ڈال کر تے فرمائی۔

ایک عامل نے آپ کے پاس تحفے میں حلوہ بھیجا۔ آپ نے لانے والے سے پوچھا کہ وہاں سب لوگ یہی کھاتے ہیں؟ اس نے سر ہلا کر کہا جی نہیں۔ یہ مخلص دوست کا کھانا۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زوردار آواز میں تقریباً چیختے ہوئے فرمایا۔ تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اپنا یہ تحفہ لے جاؤ اور اپنے عامل کو واپس کر دو اور اسے کہہ دینا کہ، تمہیں عمر نے حکم دیا ہے کہ کسی بھی کھانے سے اس وقت تک پیٹ نہ بھرے جب تک تم سے پہلے دوسرے سب مسلمان اس سے پیٹ نہ بھر لیں۔

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مستقل رہتے اور ان سے ورع (پرہیزگاری) سیکھتے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، اطباء نے تجویز کیا کہ خالص شہد پلایا جائے۔ اور بیت المال میں ایک چھوٹا سا برتن شہد سے بھرا موجود تھا۔ چنانچہ آپ لاٹھی کے سہارے سے مسجد آئے اور منبر پر چڑھ کر لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم

اجازت دو تو میں اس برتن سے شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ لوگوں بطیب خاطر اجازت دے دی۔

ایک مرتبہ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس آئے اس وقت وہ مشک (خوشبو) کی تقسیم سے فارغ ہوئی تھیں چنانچہ آپ نے دیکھا کہ ان کا دوپٹہ مشک کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ آپ نے دوپٹہ لیا اور اسے پانی سے خوب دھویا حتیٰ کہ اس سے ساری خوشبو نکل گئی (خوشبو دھونے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں ان کے حصے میں عام عورتوں کو ملنے والی مشک سے زیادہ مشک نہ آجائے)۔

زہد کی حالت

آپ اکثر بھوکے سو جاتے تھے چنانچہ آپؓ کے قویٰ (اعصاب) کمزور ہو گئے۔ ضعف اس قدر تھا کہ شاید ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ نرم کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا جس نے بدن کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک دن دوپہر کے وقت حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ان کے ہاں گئیں اور ان سے ان کی حالت کے بارے میں اور اس جان لیوا زہد کے بارے میں گفتگو کی۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

اے امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ اپنی راہ کو جنت اور مولیٰ کی رضا سدھار گئے۔ انہوں نے نہ دنیا چاہی اور نہ دنیا نے ان کا ارادہ کیا۔ انہی کے نقش قدم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی چل (کر آخرت کو سدھار) گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح کروائے ہیں، مال آپ کے پاس لایا جاتا ہے۔ عجم کے قاصدین اور عرب کے وفود آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور آپ کے اس جبہ پر بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں، اگر آپ کوئی نرم کپڑا پہن لیں تو آپ خوش منظر نظر آئیں، اور صبح و شام آپ کو کھانے کی پلیٹ دی جائے۔"

ان کی بات سن کر حضرت عمر بہت شدید روئے اور آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھنے لگے کہ، "میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتی ہو کہ

رسول اکرم ﷺ نے زندگی بھر جَو کی روٹی سے بھی مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو؟ یا کبھی صبح و شام انہیں کسی ایک دن کھانا ملا ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ نہیں (ایسا کبھی نہیں ہوا) تو کیا تم دونوں مجھے دنیا میں رغبت دلانے آئی ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ اونی جبہ زیب تن فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی جلد کو اس کی سختی اور چبھن کی بناء پر کھجلایا بھی کرتے تھے۔ کیا تم دونوں یہ بات جانتی ہو؟ انہوں نے کہا، ہائے اللہ، ہاں...... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے حفصہؓ! تم کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ بخشے بخشائے تھے اس کے باوجود بھوکے رہتے اور سجدے میں روتے ہوئے سویا کرتے اور ان کا یہ معمول اللہ تعالیٰ کے پاس جانے تک تھا؟۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ عمر عمدہ کھانے ہرگز نہیں کھائے گا نہ ہی نرم کپڑے پہنے گا۔ دو کھانے ایک دسترخوان پر جمع نہیں کرے گا سوائے نمک اور زیتون کے، اور اپنے دونوں دوستوں کی اتباع میں مہینے میں ایک بار سے زیادہ گوشت نہیں کھائے گا۔''

اور پھر ایسا ہی انہوں نے کیا حتیٰ کہ اللہ عز و جل کے پاس چلے گئے۔

زیتون اور سرکہ آپ کے دہن مبارک کے قریبی دوست تھے آپ انہی پر کاربند رہے حتیٰ کہ آپ کے بدن کو شدید نقصان بھی ہوا۔

ایک مرتبہ آپ کی زوجہ محترمہ نے ساٹھ درہم کا گھی خریدا، آپ نے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے گھی خریدا ہے اور یہ آپ کے نفقے سے نہیں بلکہ اپنے مال سے خریدا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں اسے چکھوں گا بھی ہرگز نہیں جب تک کہ لوگ سیر ہو کر کھانے نہ لگ جائیں۔

☆☆☆

دنیا سے بے زاری اور عشق رسول ﷺ

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ

وہ گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا، یہ گوشت کیسا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل چاہ رہا تھا۔ تو آپ نے بڑی ناگواری سے فرمایا کہ کیا جس چیز کا دل چاہے گا وہ کھاؤ گے؟ بندے کے اسراف کرنے کو اتنا کافی ہے کہ وہ اپنی پسند کی ہر چیز کھائے (یعنی جس چیز کا دل چاہے وہ کھائے)۔

ایک مرتبہ آپ نے پانی مانگا تو ان کے پاس شہد ملا پانی لایا گیا، چنانچہ فرمانے لگے کہ یہ اچھی چیز ہے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا ہے کہ قوم کی پسند اور خواہشات کو اللہ تعالیٰ نے عیب کے طور پر بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (الاحقاف: ۲۰)

''تم اپنی اچھی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں خرچ کر چکے اور اس سے تم نے فائدہ اٹھایا۔''

پھر کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیاں (ان کا بدلہ) ہمیں جلد نہ دے دی جائیں۔ چنانچہ آپ نے وہ پانی نہیں پیا۔

آپ نے زندگی دل کی بے چینی ضمیر کی کپکپاہٹ کے ساتھ گزاری۔ دل خوف خدا سے نچڑ چکا تھا، سینے میں سے ہانڈی کے کھدکھدانے جیسی آواز سنائی دیتی جو خوف و اقتدار کے باعث تھی۔ ان کے دل میں خوف خدا سے دھڑکن ڈھول کی آواز سے زیادہ سنائی دیتی۔

مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ام سلمہ نے انہیں ''انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ

''میرے بعض ساتھی میری وفات کے بعد کبھی بھی مجھے نہ دیکھ سکیں گے۔''

یہ سن کر تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر تھرتھری سی طاری ہوگئی۔ الفاظ ان کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے بڑے ہی تھکے قدموں سے اٹھے اور ذہن میں ہوائیاں سی اڑ

رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا پہنچے اور عرض کیا، ''سنو تمہاری اماں محترمہ کیا فرما رہی ہیں؟ اور پھر ان کی بات سنائی تو عمر تو جیسے ڈر گئے اور قدموں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ فوراً تیزی سے اٹھے اور حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں جا پہنچے۔ اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، رعشہ رعشہ کانپ رہا تھا، کانپتی سی آواز میں عرض کیا

اماں جان، ''آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتایئے کہیں ان لوگوں میں سے میں تو نہیں؟۔''

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا۔ نہیں (تم ان میں سے نہیں) لیکن تمہارے بعد میں کسی کو (اس میں شامل ہونا نہ ہونا) ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۹۸)

خشیت الٰہی کی انتہاء

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا آواز دے کہ ''اے لوگو تم سب لوگ جنت میں داخل ہو گے مگر صرف ایک شخص داخل نہ ہوگا'' تو مجھے یہی خوف ہوگا کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔''

ایک مرتبہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر مدینے کی گلیوں میں لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر کے پاس سے گزرے جہاں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ کے کانوں سے اس کی قرأت کی آواز ٹکرائی جو کہ سورہ طور کی ابتدائی آیات پڑھ رہا تھا۔ وہ جب یہاں پہنچا، ''بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے اور اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، قسم ہے رب کعبہ کی قسم بالکل سچ ہے۔'' پھر آپ گدھے سے اترے اور اس کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر گھر لوٹ آئے اور ایک مہینے تک بیمار پڑ گئے، لوگ عیادت کو آتے رہے مگر کسی کو ان کی بیماری کی تشخیص نہ ہو سکی۔

تواضع وانکساری کی حالت

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تنکا اٹھایا، خوف خدا سے اسے تکتے

رہے۔ پھر فرمانے لگے کاش میں اس تنکے کی طرح ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا، کاش میں بھولا بسرا ہو کر مٹ جاتا۔

جب انہیں خنجر لگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے اور عرض کیا۔ اے امیر المومنین مبارک ہو، خوشخبری ہو۔" آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کئی شہروں کو فتح کروایا، آپ کے ذریعے نفاق کو دور فرمایا اور آپ کے ذریعے رزق کو عام کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بکھری سانوں کو سمیٹتے ہوئے تھکے لہجے میں بمشکل فرمایا۔ اے ابن عباس میری امارت کی وجہ سے میری تعریف کر رہے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس کے خیال کے بغیر بھی کر رہا ہوں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا (باوجود اس کے کہ آپ نے زمین کو عدل سے بھر دیا تھا) "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری یہ خواہش ہے کہ میں اس امارت سے اسی طرح نکل آؤں جس طرح داخل ہوا تھا کہ نہ میرے لئے اجر ہو نہ ہی کوئی جرمانہ اور بوجھ ہو۔

قناعت کا بھرپور مظاہرہ

آپ ایک ہی کپڑے میں دنیا کو شکست دیتے رہے جس میں دس پیوند لگے ہوئے تھے زہد آپ کے دل کا قبلہ تھا۔

مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی، لوگ خاموشی سے سوالیہ نظروں کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ امیر المومنین کو دیر کیوں ہو گئی؟ اور وہ ہیں کہاں؟ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے معذرت کرنے لگے کہ میرے اس کپڑے کے دھلنے نے مجھے آنے میں دیر کروا دی، یہ دھل رہا تھا اور میرے پاس دوسرا کپڑا نہیں ہے۔"

آپ نے اپنے اس پیوند لگے معمولی سے کپڑے سے حلہ بنایا اپنے عمامے سے تاج بنایا اور اس بھری دنیا کے سامان پر چلتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی شرم وحیاء نے انہیں ہر آسائش و ناز و نعم سے دور رکھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفہ ہونے کے باوجود پیوند لگا اونی جبہ پہنتے تھے، جن میں سے بعض پر پیوند چمڑے کے تھے۔ بازاروں میں گشت کرتے تو کاندھے پر کوڑا رکھا ہوتا جس سے رعایا کو (ادب سکھاتے اور) سرزنش فرماتے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ وہ خلیفہ تھے اور ان کے ازار (تہبند) میں بارہ پیوند لگے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ان دنوں وہ امیر المؤمنین تھے ان کے دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند لگے تھے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔

بے مثال عدل ومساوات

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بے شمار کپڑے آئے، آپ نے انہیں لوگوں میں تقسیم فرما دیا ہر شخص کو ایک کپڑا ملا۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینے لگے آپ نے جو لباس پہنا ہوا تھا اس میں دو کپڑے تھے۔

آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا، لوگو! سنو اور اطاعت کرو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نہ سنیں گے نہ اطاعت کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں؟ اے ابوعبداللہ؟

انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کپڑوں کی تقسیم میں ایک ایک کپڑا دیا اور خود آپ نے دو کپڑے لے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ جلدی مت کرو۔ پھر زور سے پکارا اے عبداللہ بن عمر! تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ میں نے دوسرا کپڑا جو پہنا ہے کیا یہ تمہارا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ''ہاں اللہ جی ہاں۔'' یہ سن کر حضرت سلمان فارسی نے فرمایا۔ اب ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔''

خوف خدا کی حالت

آپ کے اندر دنیاوی آسائشوں (کے وبال) کا ایسا خوف طاری تھا جو دلوں کو پیس دیتا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے، وہ اس چڑیا کی طرح پھڑکتے جو پھندے میں پھنس گئی ہو اور جب بھی انہیں کوئی خوشی نظر آتی اس سے اعراض کر لیتے، ایک مرتبہ آپ کے پاس قادسیہ کی غنیمت آئی، آپ اس کو دیکھتے اس پر ہاتھ رکھتے جاتے اور روتے جاتے اور سینہ مبارک سے دیگچی کھد کھدانے کی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرمانے لگے۔ اے امیر المؤمنین یہ وقت تو خوشی اور مسرت کا وقت ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ ہاں بالکل۔ لیکن اس قوم کو جب بھی یہ (مال) ملے گا ان میں عداوت اور دشمنی پیدا کرے گا۔

خشیت الٰہی سے رونا

رونا آپ کے دل کی غذا تھی اور آنسو وہ پانی تھا جس سے آپ کا دل دھلتا تھا، اگر آنکھوں سے آنسو تھم جاتے تو اپنے ضمیر میں ایک درد سا محسوس فرماتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہنم کے خوف اور جنت کے شوق سے رویا کرتے تھے۔ آنسوؤں کے بہت زیادہ بہنے کی وجہ سے رخساروں پر دو کالی لکیریں بن گئی تھیں۔ ایک دن آپ نے فجر کی نماز میں سورۂ یوسف تلاوت کی تو آپ کو رونا آ گیا اور اس میں آپ ایسے جکڑے کہ آپ کے رونے اور ہچکیوں کی آواز آخری صف تک پہنچ رہی تھی اور آپ بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے، ”میں اپنے رنج وغم کا شکوہ اللہ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔“ (سورہ یوسف: ۸۶)

کبھی کسی پڑھنے والے کے پاس سے گزرتے جو رات میں کوئی ایسی آیت پڑھ رہا ہوتا (یا وہ خود پڑھتے) تو خوب روتے حتیٰ کہ گر جاتے اور بیمار ہو کر گھر میں مقیم ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں نماز میں مشغول ہو جاتے اور جب تک چاہتے نماز پڑھتے رہتے اور رات کا جب آخری پہر ہوتا تو گھر والوں کو نماز تہجد کے لئے اٹھاتے۔ فرماتے نماز نماز۔ اور پھر تلاوت فرماتے،

﴿وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ (سوره طه: ۱۳۲)
''اور اپنے گھر والوں کونماز کا حکم دو۔''

انفاق فی سبیل اللہ

آپ کے اموال، انفاق کے جلو میں سفر کرتے اور انکا ٹھکانہ غریبوں کی جھولیاں ہوتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے عرض کیا کہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے اور اس سے پہلے مجھے اس سے زیادہ نفیس مال نہیں ملا۔ میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو اسے رکھ لو ورنہ اسے غریبوں کے لئے صدقہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین غریبوں کے لئے صدقہ کر دی۔

خود پسندی سے نفرت

آپ کے ایمان نے ہر قسم کے تکبر اور خود پسندی کو خود سے دور پھینک دیا تھا اور اپنے دل کی فصیل کی گردن کو نظر میں رکھتے اور جب بھی اس قسم کی چیزوں کی جھلک نظر آتی اسے توڑ دیتے۔

ایک مرتبہ آہستگی سے منبر پر غم سے نڈھال جسم کے ساتھ چڑھے اپنا گلا صاف کیا اور لوگوں کو پکارا۔ چنانچہ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا،

اے لوگو! میں نے خود کو اس حال میں دیکھا کہ میں بنی مخزوم سے تعلق رکھنے والے اپنے ماموؤں کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور اس کی اجرت ایک مٹھی بھر کھجوریں ہوا کرتی تھیں۔'' یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے اور دہشت سرگوشیاں بلند ہونے لگیں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف قریب آئے اور خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمانے لگے۔ اے امیر المومنین یہ ارشاد فرمانے سے آپ کا کیا مقصد تھا؟ آپ نے اپنے کپکپاتے ہونٹوں کو جنبش دی اور آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ فرمایا۔ میں اپنے نفس کے ساتھ تنہائی میں تھا تو اس نے کہا تو امیر المومنین ہے اور تیرے اور اللہ کے درمیان کوئی اور نہیں ہے،

لہٰذا تجھ سے افضل کون ہو سکتا ہے۔'' لہٰذا میں نے یہ چاہا کہ اپنے نفس کو اس کی اصل حیثیت کی پہچان کرادوں۔

ایک دن منبر پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرا کوئی عیب جانتا ہے وہ بیان کردے۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''آپ میں دو عیب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ روشن اور رخسار منور ہو گئے، مسکرا کر فرمایا، بتاؤ وہ کیا ہیں؟ اللہ تم پر رحم کرے۔ اس نے کہا کہ آپ کے پاس دو قمیصیں ہیں، ایک پہنتے ہو دوسری اتار کے رکھتے ہو اور کھانے کی دو قسمیں آپ کے دسترخوان پر ہوتی ہیں اور اتنی عام لوگوں کو میسر نہیں ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم آئندہ میں دو قمیصیں ہرگز نہیں رکھوں گا نہ دو کھانے ایک دسترخوان پر جمع کروں گا۔'' چنانچہ پھر آپ ہمیشہ اس پر کاربند رہے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔

خدمت بیت المال

ایک گرمی کا دن تھا سخت گرمی پڑ رہی تھی اور سورج کی گرم شعاعیں اور اس کے شعلے ریت میں سرایت کر رہے تھے۔ ایسے میں اہل عراق کا ایک وفد جس کے قائد احنف بن قیس تھے آ پہنچا اور یہ لوگ امیر المومنین کو ڈھونڈ رہے تھے، چنانچہ انہوں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ عمامہ اترا ہوا تھا اور اسے اپنی کمر پر عبا کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور آپ صدقے کے اونٹوں کی خدمت کر رہے تھے۔

چنانچہ جب آپ نے حضرت احنف کو دیکھا تو انہیں آواز لگائی، اے احنف اپنے کپڑے اتار کر آؤ اور امیر المومنین کی مدد کرو کیونکہ ان اونٹوں میں یتیم، مسکین اور بیواؤں کا حق ہے۔'' اس منظر نے لوگوں کو حیران کر دیا تھا ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ صدقہ کے غلاموں میں سے کسی کو حکم کیوں نہیں دیتے جو آپ کے بدلے یہ کام کر لیتا اور آپ کو بھی اس سختی سے چھٹکارا مل جاتا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عظیم لوگوں کے تواضع میں فرمایا مجھ سے اور احنف سے بڑا غلام کون ہوسکتا ہے؟ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ہے وہی ان کی طرف سے مسئول بھی ہے اور اس پر ان کے لئے وہ کچھ کرنا واجب ہے جو کسی غلام کے لئے ''مثلا اپنے آقا کی خیر خواہی اور امانت کی ادائیگی وغیرہ'' ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذمہ داریوں کی فکر

مدینہ کے راستوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے چلتے چلے جارہے ہیں، راستے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ''امیر المومنین کہاں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیرت سے سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر رکے جواب دیا کہ صدقے کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو حیرت سے پلٹتے ہوئے فرمایا، آپ اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر ایک بکری بھی فرات کے کنارے چلی جائے تو قیامت کے دن عمر سے اس کا مؤاخذہ ہوگا۔''

جلتے سورج کی شعاعوں تلے مدینہ سے باہر حضرت عمر سر پر چادر رکھے چلے جا رہے ہیں کہ ایک غلام وہاں سے گدھے پر سوار گزرا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کرلو، تو غلام رک گیا اور گدھے سے اتر کر عرض کیا، امیر المؤمنین سوار ہو جائیے۔ تو حضرت عمر نے فرمایا نہیں پہلے تم سوار ہو میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا، کیا تم چاہ رہے ہو کہ مجھے نرم چیز (گدھے کی پیٹھ) پر سوار کر دو اور خود سخت چیز (زمین) پر چلو'، یہ نہیں ہوگا۔ بہر حال بڑی بحث اور اصرار کے بعد غلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور گدھے پر سوار ہو گیا اور آپ گدھے پر اس کے پیچھے بیٹھے اور اسی حال میں مدینے میں داخل ہوئے، لوگوں نے آپ کے تواضع رحم اور خوف خدا (کے مظہر اس منظر) کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن جھٹک کر نیند کا غبار جھاڑا اور رعیت کی خبر گیری کے لئے نکل پڑے، اچانک ایک عورت کو دیکھا جو ننگے پیر اندھیرے سے نکل کر آ رہی تھی اور اس کی کمر پر مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، آپ نے اس سے رات گئے اندھیرے میں پانی لانے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور اس کے پاس کوئی خادم نہیں ہے، لہٰذا وہ رات میں نکل کر ان کے لئے پانی وغیرہ کا انتظام کرتی ہے اور دن میں وہ بچوں کی تنہائی کے خوف سے نہیں نکلتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل اس کا یہ حال دیکھ کر پارہ پارہ ہو گیا، آپ نے اس سے وہ مشکیزہ لے کر اسے اس کے گھر تک پہنچایا اور جاتے ہوئے فرمایا کہ صبح عمر کے پاس جانا وہ تمہارے لئے خادم کا انتظام کر دے گا'' اس نے کہا کہ ان تک تو پہنچنا مشکل ہوگا۔ حضرت عمر نے فرمایا، وہ تمہیں مل جائیں گے۔ انشاء اللہ

چنانچہ صبح وہ عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی دیکھا تو پہچان گئی کہ یہ وہی رات والا اللہ کا بندہ ہے۔ چنانچہ الٹے پاؤں حیاء کے مارے لوٹ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خرچ اور ایک خادم مہیا کرنے کا حکم فرما کر اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر پہنچوا دیئے۔

شہادت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن ۲۳ھ میں نماز فجر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ایک دشمن ابولولؤ مجوسی کے ہاتھوں اچانک خنجر کے حملے کا نشانہ بن گئے اور شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی اور خلافت دس سال پانچ مہینہ اور اٹھائیس دن رہی۔

سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(شہادت ۳۵ھ بمطابق ۶۵۶ء)

☆ وہ شخص جس سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔

☆ جنہوں نے دو مرتبہ جنت خریدی۔

☆ نبی کی دو بیٹیاں جن کے سوا کسی کے عقد میں نہ آئیں۔

☆ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے گھر والوں سمیت جس نے ہجرت کی۔

☆☆☆

جس نے تاریخ سے تعریفی کلمے کا انتظار نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے شکر کی عبارت کا۔

یہ ہیں ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابو عبداللہ قریشی، اموی، مکی۔ تیسرے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں سے ایک۔ اور ان چھ افراد میں شامل کہ رسول اکرم ﷺ وفات تک ان سے راضی رہے۔

واقعہ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ ناز ونعم میں جوان ہوئے، صاف ستھرے روشن ضمیر کے مالک تھے، پاکیزہ فطرت تھے جاھلیت کی گندگی سے خود کو دور رکھا، آپ کا شفاف دل چمکدار روشن اخلاق پر مشتمل تھا۔ اسلام میں آنے سے اس کی روشنی اور نور میں اضافہ ہوگیا۔ ایمان ان کے دل کی گہرائی میں داخل ہوا اور داعی اسلام کی آواز نے ان کا دل ساکن کر دیا چنانچہ اسلام لے آئے اور مومنین کے قافلے میں شامل ہو گئے، ایمان کی صبح حاضر ہوئے اور پہلے سات مسلمانوں میں شامل ہو گئے جن کے عاشق دل رسول اکرم ﷺ کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔

ان کا سرسبز دل خلوص سے معمور تھا لہٰذا آپ کا اسلام لانا بڑا وقار وتابعدار تھا، جس میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہ تھی، ابھی ایمان کی طفولیت کے دن تھے کہ آزمائش میں مبتلا ہو گئے اور اپنے چچا حکم بن ابوالعاص کے ظلم کا شکار ہوئے، اس نے زنجیروں میں جکڑ دیا

تھا مگر جب دین اسلام پر ان کی مضبوطی دیکھی تو مجبوراً چھوڑ دیا۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، ایمان کو بازوؤں کے درمیان اٹھائے پھرتے، ناز ونعم کی زندگی سے نکل آئے۔ دائمی راحت اور بھری پڑی زندگی کو چھوڑ کر خالی انجانا اور خطروں سے بھرپور راستہ اختیار فرمایا۔ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے گھر والوں سمیت ہجرت کرنے والے پہلے شخص قرار پائے۔

رسول اکرم ﷺ کی دو صاجبزادیوں حضرت رقیہ وام کلثوم کے یکے بعد دیگرے نکاح میں آنے کی وجہ سے ذوالنورین کا عالی لقب پایا۔ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ احد اور خندق کے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بنت رسول اکرم ﷺ کی بیماری اور تکلیف کے باعث بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کے حکم پر بدر میں انکا حصہ شمار کیا گیا۔ لہٰذا بدری صحابی گنے جاتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان میں رسول اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے مدینہ میں نائب مقرر کئے گئے۔ درمیانے قد کے تھے نہ زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے۔ خوبصورت چہرے، حسین دانتوں والے، نرم خو اور خوش اخلاق انسان تھے، ستر سال کی عمر میں خلافت کا بار اٹھایا گفتگو کے اعتبار سے بھی تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے۔

عبدالرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول ﷺ میں سے حضرت عثمان جیسا کوئی نہ دیکھا جو مکمل اور خوبصورت گفتگو ان سے اچھی کر سکتا ہو۔ وہ ایسے شخص تھے کہ ان کی گفتگو بڑی بارعب اور متاثر کن ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی، ایک مرتبہ بئر رومہ خرید کر اور دوسری مرتبہ تنگدست لشکر (جیش العسرہ) کو تیار کر کے (خریدی)۔

حیاء کے پیکر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے کو پہلوں کی طرز پر یکتا حیا پر لپیٹ دیا تھا۔ اور کیسے نہ ہوتا؟ یہ تو ایسے انسان تھے کہ جن کی حیاء کی وجہ سے فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام

ایک دن نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لیٹے ہوئے اور آپ کی پنڈلی مبارک کھلی ہوئی تھی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر آئے تو آپؐ یوں ہی لیٹے رہے اور ان سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر آئے آپؐ یوں ہی لیٹے رہے اور ان سے بھی یونہی باتیں کرتے رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کپڑے درست کئے اور پنڈلیاں بھی ڈھانپ لیں اور ان کو اندر بلا لیا، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے بھی باتیں کیں اور پھر وہ نکل گئے۔

یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے عرض کیا کہ جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو آپؐ اٹھ کر نہیں بیٹھے اور ان کی پرواہ نہ کی، پھر حضرت عمرؓ کے آنے پر بھی آپؐ اٹھ کر نہیں بیٹھے اور پرواہ نہ کی لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے بھی درست فرمائے؟ تو آپ ﷺ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس شخص سے فرشتے حیا کرتے ہوں۔ (مسلم:۲۴۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ عثمان بہت حیا والے انسان ہیں، اور مجھے یہ خوف ہوا کہ اس حالت میں میں نے انہیں اندر بلا لیا تو شاید ان کی حیا انہیں مجھ کو اپنی ضرورت بیان کرنے سے روک دے۔ ان کی حیا تو انہیں

(مجبور کرتی ہے) کہ جب وہ گھر میں ہوں دروازہ بھی بند ہو وہ غسل کرنے لگیں تو حیا کپڑے اتارنے سے روکتی ہے اور کمر کو سیدھا کرنے سے روکتی ہے۔ (مسند احمد: ۷۳/۱)

پرکشش بلند اخلاق

آپ کے اخلاق دلوں کو کھینچنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور سب صفات سے بڑھ کر آپ کی سخاوت تھی آپ کا ضمیر خرچ کرنے میں سچا تھا۔

حد درجہ سخاوت

چنانچہ جب مسلمان مدینہ میں مقیم ہو گئے اور ان کی زندگی آہستہ آہستہ گزرنے لگی تو ان ابتدائی دنوں میں جو مشکلات پیش آئیں وہ یہ سب دیکھا کرتے۔ زندگی کی سب سے بڑی مشکل پانی کی تھی پینے کا پانی لانا ان مصائب کا پہلا تیر تھا جو اس معاشرے کے جسم پر لگا تھا۔ مدینہ میں ایک کنواں جس کا نام ''رومہ'' تھا اس میں میٹھا پانی ہوتا تھا، یہ ایک یہودی کی ملکیت تھا جو اس کا پانی مسلمانوں کو بیچا کرتا تھا بعض مسلمان تو پانی خریدنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتے تھے لہٰذا بڑی مشکل ہوتی تھی۔ لہٰذا اس معاملے نے رسول اکرم ﷺ کو بڑا کبیدہ خاطر کر رکھا تھا۔

اک دن آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور انہیں دردناک آواز میں نصیحت کی اور اس کنوئیں کو خریدنے کی ترغیب دلائی، فرمایا کہ کون ہے جو ''رومہ'' کنوئیں کو خریدے اور مسلمانوں کے ڈولوں کے ساتھ اپنا ڈول جنت میں اس سے اچھا حاصل کرے؟ چنانچہ یہ کلمات جیسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچے آپ اس کام کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ آواز آپ کے اس دل میں خواہش بن گئی جو بھلائی اور سخاوت سے معمور تھا۔ چنانچہ آپ نے یہودی سے بات چیت شروع کر دی اور اس سے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمان کی باری والے دن مسلمان اس سے خوب پانی بھرتے۔ اس کے بعد اس یہودی نے کہا میرا کنواں میرے لئے بیکار ہو گیا ہے لہٰذا اس کا باقی آدھا بھی تم

خرید لو چنانچہ مزید آٹھ ہزار درہم دے کر وہ بقیہ آدھا کنواں بھی خرید لیا۔

حد سے گزر جانے والی سخاوت

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے ہاتھوں نے انہیں دنیا سے دور کر دیا، مال ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی امانت تھا جب بھی ان کا رازق ان سے مانگتا یہ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑتے۔

افسوس اور غم کی حالت میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور جہاد کے لئے لوگوں کو خرچ کرنے کی ترغیب فرمانے لگے۔ ارشاد فرمایا، کون ہے جو اس تنگ دست لشکر کو تیار کرائے؟ حضرت عثمان نے سچی نیت سے بھری آواز سے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ سو اونٹ مجاہد کے ساز و سامان سمیت میری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی پکار پر جواب دیا کہ میری طرف سے دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ ﷺ۔ اللہ کے راستے میں تین سو اونٹ ساز و سامان سمیت میری طرف سے ہیں۔''

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ منبر سے نیچے اترے آپ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار تھے اور چہرے کی لکیریں چمک رہی تھیں۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

لیکن حضرت عثمان نے بھی مسجد میں کئے ہوئے اعلان پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ساڑھے نو سو اونٹ ساز و سامان سمیت اس لشکر کے لئے دیئے اور پچاس گھوڑے ساز و سامان سمیت دے کر ہزار سواریاں پوری کر دیں۔ ادھر نبی کریم ﷺ لشکر کی تیاری سے فارغ ہو گئے اور جب لشکر آفاق میں اللہ کا دین پھیلانے کے لئے روانہ ہونے کو تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عظیم لوگوں کے تواضع کے ساتھ ایک تھیلی لئے ہوئے تشریف لائے جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ لا کر آنحضرت ﷺ کی جھولی میں

ڈال دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تھیلی کو دونوں ہاتھوں میں لے کر الٹتے پلٹتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ''آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔''
(مستدرک حاکم: ۱۰۲/۳، بتصحیح وتوفیق علامہ ذہبی)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع

اذان کی آواز بلند ہوئی لوگ تیزی سے مسجد کی طرف چلے، نمازیوں کا اژدھام ہوگیا اور مسجد لوگوں کے لئے تنگ پڑ گئی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ مسجد نمازیوں سے پر ہوگئی ہے اور ساتھ مسجد کی توسیع کی فکر لاحق ہوگئی لیکن مال کی فراہمی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ سے ہوگئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، باری تعالیٰ کی حمد وثناء کی، پھر لوگوں میں منادی فرمائی کہ کون ہے جو آل فلاں کی زمین خرید کر جنت میں اس سے بہتر زمین کے بدلے اسے مسجد میں شامل کر دے۔ اس وقت حضرت عثمان بن عفان ہی تھے جنہوں نے اس نیکی کی بات کو کرم کے کانوں سے سنا اور فوراً ہی جا کر وہ زمین اس کے مالکان سے پچیس ہزار میں خرید کر مسجد کے لئے وقف کر دی۔

سو اونٹوں پر لدی اشیائے خورد ونوش وقف کرنا

عہد صدیقی میں ایک مرتبہ آسمان نے پانی روک لیا۔ لوگ جمع ہو گئے کہنے لگے آسمان سے پانی نہیں برس رہا اور زمین سے غلہ نہیں اگ رہا اور لوگ سخت پریشانی میں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آسمان کے نور سے متصل دل کے ساتھ فرمایا۔ لوٹ جاؤ اور صبر کرو۔ تھوڑے ہی دن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شام سے سو اونٹوں کا قافلہ لے کر آئے جس پر گندم اور دوسرا غلہ لدا تھا۔ مدینہ کے تاجر دوڑے دوڑے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے، دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر تشریف لائے تو بات چیت شروع

ہوئی۔

حضرت عثمانؓ: کیا چاہتے ہو؟

تجار: قحط کا زمانہ ہے۔ بارشیں نہیں ہوئیں غلہ نہیں اگا۔ لوگ سخت پریشانی میں ہیں ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کے پاس کھانے کی اشیاء ہیں وہ ہمیں بیچ دیں تاکہ ہم غریب مسلمانوں پر آسانی کر سکیں۔

حضرت عثمانؓ: ضرور! محبت اور عزت کے ساتھ۔ تشریف لائیے خریداری کیجئے۔ چنانچہ وہ لوگ اندر داخل ہوئے اور کھانے کی مختلف اشیاء دیکھنے لگے جو قافلہ لے کر آیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔ تاجر حضرات۔ ''ان اشیاء کے خریدنے اور شام سے مدینے لانے تک کے صلے میں آپ مجھے کتنا منافع دیں گے؟

تاجر حضرات: ہم دس پر بارہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے تو اور زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات: ہم دس پر چودہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے تو اور زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات: چلو ہم پندرہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات بڑی حیرانی سے بولے۔ اے ابوعمرو مدینہ میں ہمارے علاوہ کوئی اور تاجر نہیں ہے تو آپ کو کون ہے جو اور زیادہ دے رہا ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط گڑے ہوئے ایمان اور متقی حضرات کے کرم کے ساتھ جواب دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے زیادہ عطا فرما رہے ہیں۔ ہر درہم کے بدلے دس درہم۔ کیا تمہارے پاس اس سے زیادہ دینے کو ہے؟

تاجر حضرات سر جھکا کر حیاء سے بولے ہائے اللہ! نہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا۔ سنو میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا غلہ مسلمانوں کے غریب لوگوں کے لئے صدقہ کر دیا۔

خوف خدا کی حالت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایمان سچے ایمان کے حواس کے گچھے سے متعلق تھا جو نفس سے فوری بدلے کو اس روحانی صفاء کا پہلا درجہ سمجھتے ہیں جو ضمیر کی راحت کا سامان کرتی ہے۔

ایک مرتبہ شدید غصہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بس اتنا سا فعل سرزد ہو گیا کہ آپ نے غلام کا کان پکڑ کر موڑ دیا، جس سے اسے تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ نے بیٹھ کر غور کیا تو ان میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی لہر سی دوڑ گئی فوراً آواز دی اے غلام۔ وہ آپ کے سامنے آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرا کان موڑا تھا نا؟ تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ غلام نے بدلہ لینے سے انکار کر دیا، اسے شرم آ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ اور زبان بند کر لئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو اس نے نہایت نرمی سے آپ کا کان پکڑ لیا۔ مگر آپ نے بلند آواز سے اس سے فرمایا کہ زور سے پکڑو۔ دنیا میں قصاص (اور بدلہ) دینا کتنا ہی آسان اور اچھا ہے کہ آخرت میں قصاص نہیں رہتا۔

زہد عثمان رضی اللہ عنہ

باوجود اس کے کہ آپ کو بڑی مالداری و دولت حاصل تھی مگر آپ غریبوں کی سی زندگی بسر فرماتے تھے اور دنیا کے قہر کو چند سوکھے چھوٹے ٹکڑوں سے دور فرماتے۔ حضرت عثمانؓ لوگوں کو امیروں کا کھانا کھلاتے اور خود گھر میں آ کر سرکہ سے روٹی کھاتے۔ اپنی زندگی رات کو عبادت کرنے اور دن میں روزے پر سوار بسر کرتے۔ آپ کا رات کی عبادت سے اتنا گہرا عشق تھا کہ آپ رات کو قیام میں ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت فرما لیتے یہ آپ کی وتر تھی جس کو بتیراء کا نام دیا گیا۔

مختصر آسان زندگی

آپ کی زندگی بڑے مختصر انداز میں آسانی سے گزری۔ دنیا آپ کی یادداشت کا زیادہ حصہ مشغول نہیں کر سکی آپ کا دل شکر گزاری اور رضا سے معمور تھا۔

عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جمعے کے دن منبر پر دیکھا، آپ کے بدن پر ایک موٹا عدنی تہبند تھا جس کی قیمت چار درہم ہوتی تھی حالانکہ ان دنوں آپ امیر المومنین تھے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں قیلولہ کرتے سوتے دیکھا، آپ امیر المومنین تھے۔ اور آپ کے پہلو میں کنکریاں چبھنے کے نشانات تھے۔ آپ اپنے ایک خچر پر سوار ہوتے اور آپ کے پیچھے آپ کا غلام بیٹھا ہوتا حالانکہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مقصد ان کا تواضع بیان کرنا ہے کہ وہ عام بادشاہوں کی طرح نہ تھے۔

جب رات کچھ گزر جاتی تو آپ رات کو زندہ رکھنے کے لئے جاگ جاتے، تلاوت اور ترتیل سے اپنے سکون کو متحرک کرتے۔ باوجود بڑھاپے کے خود وضو کا انتظام فرماتے، کسی خادم کو نہ اٹھاتے الا یہ کہ کوئی خادم پہلے سے جاگا ہوتا تو وہ وضو میں مدد کر دیتا۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کسی خادم کو اٹھا لیا کریں تا کہ وہ آپ کے وضو میں آپ کو تکلیف نہ ہونے دے۔ آپ نے جواب دیا۔ نہیں، رات ان کا حق ہے وہ اس میں آرام کریں گے۔

دنیا آپ کے لئے آخرت کی سواری تھی، آپ دنیا میں ایسے چلے جیسے کوئی اجنبی ہوں یا مسافر کوچ کے انتظار میں ہو۔

فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا تمہیں اس لئے دی ہے تم اس کے ذریعے آخرت تلاش کرو۔ اس لئے نہیں دی کہ تم اسی کی طرف مائل ہو جاؤ۔

خوف خدا سے رونا

رونے نے آپ کے دل کے تار کاٹ دیئے تھے اور غموں نے آپ کے صحن کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ کا چہرہ کڑواہٹ اور تاسف سے بھرا رہتا تھا۔ آپ جب بھی کسی قبر پر کھڑے ہوتے خوب روتے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی، آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت جہنم کو یاد کرنے پر نہیں روتے، قبر کو یاد کر کے ہی کیوں روتے ہیں؟ آنسوؤں کے ساتھ جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس میں نجات ہوگئی تو اس کے بعد کی منزلیں آسان ہیں اور اگر یہاں نجات نہ ہوئی تو اس کے بعد کی منزلیں سخت ہیں۔ (ترمذی: ۲۳۰۸)

شہادت

سبائی بلوائیوں نے آپ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور روزے کی حالت میں قرآن پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ آپ کا پاکیزہ جسم ان کی تلواروں کے نیچے زخموں سے چور ہو گیا۔ ۳۵ھ میں شہادت ہوئی، عمر بیاسی سال تھی اور مدت حکومت بارہ سال میں بارہ دن کم تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

- ☆ وہ بہادر انسان جسے تاریخ نے اسلام کی محراب سے جنم دیا۔
- ☆ ایمان کے بچھونے میں الٹنے پلٹنے والے صحابی
- ☆ جن کو نبی کریم ﷺ سے وہ نسبت تھی جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔
- ☆ مدرسہ اسلام کے پہلے طالب علم

☆☆☆

بچپن میں اسلام کی خوشبو سے روشناس ہوئے وحی کی سرسبز گزرگاہ میں سانس

لی۔ ان کے اخلاق انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کی طرح تھے۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد، چوتھے خلیفہ راشد اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی تھے۔

بعثت نبوی سے دس سال قبل کعبہ میں ولادت ہوئی، ان کا بچپن فضول کاموں سے دور گزرا، بت پرستی کے جنجال میں بھی نہ پڑے، کوئی غلط بات ان میں نہ تھی ان کی آنکھ ایمان کے نور پر کھلی۔

رسول اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں جوان ہوئے۔ اور بیت نبوت میں وحی کے بازوں کے سائے میں پل بڑھ کر بڑے ہوئے۔ ان کا وجدان اس عظیم خبر کے لئے متحرک ہوا لہٰذا اپنی خالص ساعت اس کے لئے استعمال کی، ان کے شوق نے اللہ کے لئے اڑان بھری اور ان کے صاف ستھرے اخلاق نے ترقی کی اور رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں ان کے نور میں اضافہ ہوا۔ ان کا اسلام عظیم نمونۂ عمل تھا۔

سمجھنے والے دل اور جوان نفس کے ساتھ قرآن اخذ کیا، ایمان ان کے ساتھ ہی جوان ہوا حتی کہ ان کے حواس اور وجدان میں مل گیا اور دل کو بھر دیا۔

ان کی شخصیت میں آباء واجداد کے اخلاق اور وحی کی شفافیت جمع تھی۔ نبی کریم ﷺ کے بستر مبارک پر ہجرت کی رات لوہے سے زیادہ سخت اور پہاڑوں سے زیادہ بلند عزم کے ساتھ سوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا انتخاب اپنے بھائی ہونے کے لئے فرمایا۔ یہ اپنے سے آگے کود گئے تاکہ مصائب کا مقابلہ کر سکیں، مصائب اور جنگوں کے لئے ان کا نیزہ کبھی نرم نہ پڑا اور مقابلے سے سربلندی ہی میں اضافہ ہوا۔

تمام معرکوں میں حاضر رہے، شیر کی طرح تھے۔ اکثر معرکوں میں جھنڈا اپنے سینے سے لگائے رکھا، ان کی تلوار کی ضربوں کے نیچے قلعے بھی مات کھا گئے۔ جس سے مقابلہ کیا اسے پچھاڑ دیا، اپنی تلوار سے کتنی ہی تکلیفیں رسول اکرم ﷺ سے دور کیں۔ بڑے خوبصورت اور نیک سیرت انسان تھے۔ (کرم اللہ وجہہ)

حضرت علیؓ کا زہد اور حضرت عمرؓ کے تحفے سے محبت

باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے اور کئی ملک زیر نگیں تھے مگر اپنے جسم کو ایک مختصر سے پیوند لگے کپڑے میں چھپائے رکھا۔ اپنی زندگی ایک ہی کپڑے میں گزار دی دوسرا کپڑا ہی نہ تھا۔ آپ نے اس کپڑے کو نہ چھوڑا حتی کہ اس کے دھاگوں سے زندگی منقطع ہو گئی۔

ایک پرانے سے بوسیدہ کپڑے میں جس کے دونوں کنارے جھالروں کی طرح لٹکے ہوئے تھے، جناب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، دونوں ہونٹ تسبیح مین مشغول ہیں، اتنے میں ان کے آزاد کردہ موالی میں سے ابو مریم نامی شخص آئے، گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بڑی آہستگی سے عرض کیا۔

''اے امیر المومنین میری ایک عرض ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ پوچھا۔ ابو مریم کیا حاجت ہے تمہاری؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے جسم مبارک سے یہ چادر اتار دیجئے، یہ پرانی اور پھٹی ہوئی چادر ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چادر کا ایک کونا اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور رونے لگے حتی کہ آپ کی ہچکیاں بلند ہونے لگیں۔ ابو مریم مارے خجالت کے شرمندہ ہو گئے، عرض کرنے لگے اے امیر المومنین اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی یہ حالت ہو جائے گی تو میں آپ کو یہ چادر اتارنے (بدلنے) کا نہ کہتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، انہوں نے فرمایا، ''اے ابو مریم! تمہارے کہنے سے میری اس چادر سے محبت بڑھ گئی ہے کیونکہ یہ چادر مجھے میرے محبوب اور میرے دوست حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تحفہ کے طور پر دی تھی، اس کے بعد آپ پھر رونے لگے حتی کہ آپ کے سینے سے ہانڈی کے جوش کی سی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔

تکبر کو دور کرنے کے لئے زہد

ایک سخت گرم دن میں جب کہ گرمی اپنی آگ ریت پر بکھیر رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے ملے آپ نے ایک سخت کھردرا موٹا کپڑا پہنا ہوا تھا، جس پر پیوند لگے ہوئے تھے، کسی ساتھی نے ازراہ ہمدردی عرض کیا۔ امیر المومنین آپ اس سے نرم کپڑے سے اپنے لئے لباس کیوں نہیں بنا لیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ کپڑا تکبر کو میرے قریب آنے سے روکتا ہے، میری نمازوں میں خشوع پر میری مدد کرتا ہے اور یہ لباس لوگوں کے لئے نیک رہنما ہے تاکہ وہ اسراف اور تکبر نہ کریں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی

> "یہ دار آخرت ہے جسے ہم ان لوگوں کا ٹھکانہ بنائیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے۔" (القصص:۸۳)

شہر نبی ﷺ کی یادگار چادر

سردی کی شدت سے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے کپکپا رہے تھے اور ان پر ایک پرانی بوسیدہ چادر تھی۔ ایک شخص نے کہا، امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اس مال میں آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا حصہ رکھا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں، کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ آپ کے ہاتھ پاؤں مارے سردی کے کپکپا رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، واللہ میں تمہارے اموال میں سے کچھ نہیں لوں گا اور یہ پرانی بوسیدہ چادر جو میں پہنتا ہوں یہ وہ چادر ہے جو پہن کر میں مدینہ سے نکل کر (کوفہ) آیا تھا۔

فقر اور زہد کا دوست "علی رضی اللہ عنہ"

سونے کی چمک اور دیناروں کی چھن چھن میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان کے

دل کو پھنسا سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندگی زاہد بن کر گزاری اور (فقر) غربت میں دنیا سے چلے گئے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ مدینے کے بازار میں سرگرداں تلوار بیچنے کے ارادے سے گھوم رہے ہیں اور کمزور سی آواز میں فرما رہے ہیں'' مجھ سے یہ تلوار کون خریدے گا۔ قسم اس ذات کی جس نے دانے (بیج) کو پھوڑا، کئی مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے اس تلوار کے ذریعے میں نے تکلیفیں دور کی ہیں۔ اگر میرے پاس ایک تہبند خریدنے کے پیسے ہوتے تو میں یہ تلوار کبھی نہ بیچتا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت کے وقت نہ پیلا (دینار) چھوڑا، نہ سفید (درہم) سوائے سات سو درہم جو کہ عطیے کے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ گھر والوں کے لئے ایک خادم خریدیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت

انہوں نے دنیا کو انفاق کی تلوار سے شکست دی، مال ان کے نزدیک وسیلہ تھا غایت نہ تھا، ان کے نزدیک نہ کوئی خادم تھا نہ آقا۔

ایک کمزور جسم کے ساتھ جسے فقر نے خراب کر دیا تھا، ضرورت نے ذلیل کر رکھا تھا ایک مسکین شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانے کی چیز مانگنے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ جاؤ اپنی اماں کے پاس کہو کہ ابا نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے ان میں سے ایک درہم دے دو۔'' وہ گئے اور واپس آ کر کہا وہ درہم تو آپ نے آٹے کے لئے رکھوائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بندے کا ایمان اس وقت تک صادق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ کے پاس موجود اپنے ہاتھ میں موجود شے سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ نہ کرے۔'' پھر فرمایا، جاؤ اسے کہو کہ وہ چھ کے چھ درہم دے دے۔ چنانچہ انہوں نے بھجوا دیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ چھ درہم اس سائل کو دے دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی وہاں سے

اٹھے نہ تھے کہ ایک شخص اپنا اونٹ لے کر بیچنے آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ اونٹ ایک سو چالیس درہم میں ادھار پر لے لیا اور پھر وہ اونٹ دو سو درہم میں بیچ دیا (ساٹھ درہم منافع ہوا) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ بات جس کا وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص ایک نیکی کرے گا اسے اس جیسی دس نیکیاں بدلے میں ملیں گی۔'' (سورہ الانعام:۱۶۰)

تواضع و انکساری

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قطعہ زمین خریدا اور اس میں کنواں کھدوایا لوگ کنواں کھود رہے تھے کہ اس میں سے میٹھا ٹھنڈا پانی پھوٹ پڑا۔ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوش خبری دینے بھاگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشخبری سن کر تواضع سے سر جھکا لیا گویا وہ خود سے سرگوشی کر رہے تھے۔ فرمایا کہ اس سے وارث ضرور خوش ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے بلند آواز سے پکارا۔

''اے لوگو

''میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے پانی کا چشمہ اور زمین اللہ تعالیٰ کے راستے میں فقراء اور مساکین کو صدقہ کر دی ہے۔''

فقراء کی عزت کا لحاظ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک کمزور جسم اونچی ٹھوڑی، دھنسی ہوئی آنکھوں والا شخص آیا، جس سے فقر اور ضرورت کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ اس کا جسم ایک بنے ہوئے پیوند لگے کپڑے میں لپٹا تھا، اس نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا (لگتا ایسا تھا کہ اس کے ہونٹ ابھی حیا کے مارے گر جائیں گے) اے امیر المومنین مجھے آپ سے کام ہے اور میں اپنی فریاد آپ سے بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بیان کر چکا ہوں۔ اگر آپ نے ضرورت پوری کر دی تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، آپ کا شکریہ ادا کروں گا، اور اگر آپ پوری نہ کر سکے تو میں رب تعالیٰ کی حمد کروں گا

اور آپ کا عذر قبول کروں گا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیا اور ادب کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ زمین پر لکھ دو میں سوال کی ذلت تمہارے چہرے پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس شخص نے لکھا کہ میں محتاج ہوں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی، ''میرے پاس ایک لباس لاؤ، لباس لایا گیا تو اس شخص نے لے کر پہن لیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے سو دینار عطا فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں قرآنی آیات کا نزول

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا مال ہر وقت اور ہر حال میں غریبوں پر لٹاتے رہتے تھے، انہیں اس کام سے نہ رات کی تاریکی روک سکتی تھی نہ ہی سورج کی گرمی۔

ایک دن منبر کے قریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چادر اوڑھے بیٹھے، قرآنی آیات دل ہی دل میں دہرا رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال پوچھا کہ یہ ''آیت'' کس کے بارے میں نازل ہوئی؟

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً﴾

(البقرہ: ۲۷۴)

''وہ لوگ جو اپنے اموال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپ کر اور کھلم کھلا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ان کے پاس چار درہم تھے انہوں نے رات میں ایک درہم اللہ کے راستے میں خرچ کیا، دوسرا دن میں، تیسرا چھپ کر اور چوتھا سب کے سامنے خرچ کیا۔

سوکھے ٹکڑوں کا خوگر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سوکھے ٹکڑوں کے لقموں کے ذریعے بھوک کو شکست

دیتے تھے۔ دوپہر کے وقت عکبرا (بغداد کے قریب ایک شہر ہے) کا عامل آپ سے ملنے آیا، دروازے پر پہنچا تو کوئی دربان نظر نہ آیا جو اس کو داخل ہونے سے روکتا۔ چنانچہ وہ اجازت لے کر اندر داخل ہو گیا دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سامنے ایک پیالہ اور ایک پانی سے بھرا برتن ہے پھر آپ ایک چھوٹی سی تھیلی لے کر آئے۔

تھیلی دیکھ کر اس شخص نے دل میں سوچا کہ یقیناً حضرت امیر المومنین کا مجھے انعام دینے کا ارادہ ہو گیا ہے، یہ مجھے کوئی جوھر یا کوئی اچھی چیز دینے والے ہیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی کھولی تو اس میں سوکھی روٹی کا ٹکڑا تھا جو آپ نے برتن میں ڈال دیا اور اس پر تھوڑا سا پانی ڈال دیا اور اس شخص سے فرمایا، ''آؤ میرے ساتھ کھالو۔''

اس شخص نے حیرت سے کہا، اے امیر المومنین۔ آپ یہ کچھ کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ عراق میں ہیں اور عراق میں کھانے کی چیزیں اس سے بہت زیادہ ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خشوع اور زہد کے ساتھ جواب دیا۔ لیکن اللہ کی قسم! یہ روٹی میرے پاس مدینے سے آتی ہے کیونکہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اپنے پیٹ میں پاک چیز کے علاوہ کوئی چیز داخل کروں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل تقوے پر لگا ہوا تھا جو ان کے ادب اور صواب کے قریب ہو گیا تھا ہر قسم کی لالچ و طمع کو دنیا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صحیح ہوتے (یعنی لالچ اور طمع کی ہر صورت کو زہد میں بدلتے اور حضرت علی کے زہد کے ذریعے اسے بے اثر ہوتے) دیکھا۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غلام قنبر بڑی تیزی سے آپ کے پاس آیا اور خیر خواہانہ طریقے سے عرض کیا۔ اے امیر المومنین آپ تو ایسے شخص ہیں کہ کوئی چیز نہیں بچا رکھتے اور آپ کے اہل بیت کا اس مال میں حق ہے۔ اور میں نے آپ کے لئے کچھ چیز چھپا کر رکھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دہشت زدہ ہو کر فرمایا، کیا چیز

ہے وہ؟ قنبر نے کہا، آیئے آپ میرے ساتھ آیئے۔ چنانچہ یہ دونوں چلے اور ایک چھوٹے سے گھر میں داخل ہوئے اس میں ایک بڑی بوری سلی ہوئی دیوار کے نچلے حصے کے ساتھ رکھی تھی، آپ نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ سونے چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے غصے سے قنبر کو دیکھا اور پھر فرمایا،

تیری ماں تجھے گم کرے کیا تو میرے گھر میں بڑی آگ داخل کرنا چاہتا تھا۔ پھر آپ اسے لوگوں میں تقسیم کرنے میں لگ گئے، جب وہ سب مال ختم ہو گیا تو بڑبڑانے کے انداز سے فرمانے لگے، اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دینے کی کوشش کر۔

شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن بن ملجم نامی خارجی نے اچانک حملہ کر کے ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور مدت خلافت چار سال نو مہینے آٹھ دن رہی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۰۱ھ بمطابق ۷۲۰ء)

- ☆ زہد سے ایسا لباس بنایا جسے ان کے علاوہ کسی نے نہ پہنا۔
- ☆ چٹائی سے شاہی تخت بنایا۔
- ☆ اس بات کو ترک کر دیا کہ تاریخ میں بادشاہت کے دروازے سے داخل ہوں۔ تاریخ میں زہد اور عدل کے دروازے سے داخل ہوئے۔

☆☆☆

جس نے عدل کے چراغ سے ظلم کی تاریکیوں کو دور کیا۔ جسے گمان تک نہ تھا کہ ایک دن تاریخ ان کی سیرت اور ان کے قصے اپنے اوراق کی زینت بنائے گی۔

یہ ہیں نیک خلیفہ اور عادل حکمران۔ پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ جو اپنے اہل زمانہ میں سب سے بہتر انسان اور امت میں فضیلت اور تقویٰ میں یکتا شخصیت تھے۔

مدینہ منورہ کے گلستان میں پیدا ہوئے، ان کا سینہ خوشبوئے نبوت اور تاریخ کی یادوں سے منور تھا، ناز و نعم میں پل کر بڑے ہوئے اپنے دل میں صحابہ کا علم اور تابعین کے اجتہاد کو جمع کیا۔

ولید کے دور میں مدینہ کے گورنر بنے پھر سلیمان بن عبدالملک نے انہیں شام میں اپنا وزیر اور ولی عہد مقرر کیا۔ مسجد دمشق میں بیعت لی گئی۔ نحیف جسم، دھنسی ہوئی سی آنکھیں۔ نرم سفید چہرہ، خوبصورت اور خوب سیرت انسان، جن کا عدل اور زہد ضرب المثل ہے۔ بھیڑیئے ان کے دور میں بکریوں کے ساتھ چرتے تھے اور مملکت میں خوشحالی عام ہو گئی تھی۔

ان کی والدہ ام عاصمہ بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم تھیں۔ مدت خلافت ڈھائی سال رہی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عظمت جنگل میں گھومنے والے زاہدین کی طرح ہے کہ جن کے پاس دنیا مزین ہو کر آئے اور سامنے آ کر گر جائے مگر یہ اس کو چھوڑ دیں۔

بادشاہ روم کا خراج تحسین

ایک دن بادشاہ روم زمین پر غمزدہ بیٹھا ہوا تھا، اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا کسی نے پوچھا، بادشاہ کی یہ کیا حالت ہے؟ جواب دیا کہ وہ نیک شخص دنیا سے چلا گیا، پوچھا کون شخص؟ کہا۔ عمر بن عبدالعزیز، پھر اس نے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوتے۔ (مزید گفتگو کے دوران اس نے کہا کہ) مجھے اس راہب سے تعجب نہیں ہوتا جو اپنا دروازہ بند کر دے، دنیا کو چھوڑ کر راہب بن کر عبادت

کرے۔ تعجب اس شخص پر ہے کہ دنیا جس کے قدموں کے نیچے ہو پھر وہ اسے چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو جائے۔

مالک بن دینارؒ کا خراج تحسین

حضرت مالک بن دینار حیرت انگیز خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حیرت انگیز زہد کی حکایت بیان کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔

ایک دن مالک بن دینار مریدین کے درمیان بیٹھے فرمارہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مالک بن دینار زاہد ہے۔ حالانکہ زاہد تو صرف عمر بن عبدالعزیز تھے جن کے پاس دنیا آئی مگر انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ اپنے کاندھے سے عظمت کا کپڑا کبر کی چادر اتار کر نفس کے غرور کو کچل دیا۔

میں ایک عام سا مسلمان ہوں

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز، مرحوم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو دفنا کر فارغ ہوئے اور قبر سے باہر آئے تو زمین کے ہلنے اور دہلنے کی آواز سنی، جیسے کوئی بڑا عظیم حادثہ رونما ہو رہا ہو۔ پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ جواب ملا کہ خلافت کی سواریاں ہیں امیر المومنین۔ اور یہ آپ کو لینے کے لئے آئی ہیں۔ یہ سن کر ان کے اندر نفس کے خیالات داخل ہوئے مگر انہوں نے انہیں کچل دیا اور باآواز بلند فرمایا۔ میرا ان سواریوں سے کوئی کام نہیں، انہیں مجھ سے دور کر دو اور میرا خچر لاؤ۔ چنانچہ خچر لایا گیا آپ اس پر عارفین کے تواضع کے ساتھ سوار ہو گئے۔ مسلح محافظ آپ کے ساتھ چلنے لگا تو آپ نے اسے جھڑک دیا دور ہو مجھ سے۔ میں تو ایک عام مسلمان شخص ہوں۔'' پھر آپ اپنے خچر پر سوار چلتے چلے گئے اور ایمانی عزت اور تواضع کی ہیبت آپ پر طاری تھی۔

تواضع اور زہد

آپ کا پیٹ سیر ہو کر کھانے کو جانتا نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ محتاجی ہے اس

شخص کو جسے سب سے زیادہ فکر پیٹ کی ہو۔

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے کوئی دوا بنا دیں جس سے آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہو جائے؟ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ''میں اس دوا کا کیا کروں گا؟ واللہ میں کسی نکلنے والی چیز کو داخل کروں تو جو چیز مجھ سے نکلے گی وہ مجھے تکلیف دے گی۔''

آپ نے دلوں کو باغ و بہار کرنا اور جسموں کی استقامت اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ آپ کا نفس عمارتوں کے طویل کرنے میں نہیں لگا تھا۔ آپ فرماتے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت مبارک دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے کوئی عمارت نہیں بنائی نہ اینٹ پر اینٹ رکھی نہ ہی کسی بانس پر بانس رکھا۔''

ایک عامل نے لکھا کہ ہمارا شہر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے (اس کی مرمت کے لئے رقم عنایت فرمادی جائے) تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، اسے تقویٰ سے مضبوط کرو اور اس کے راستوں کو ظلم سے پاک کرو۔

دلوں کے معالج

آپ دلوں کے معالج تھے، آخرت میں رغبت رکھتے اور اسی کے لئے عمل فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک عامل کی شکایت آئی۔ آپ نے اس عامل کو خط لکھا کہ میرے بھائی جہنمیوں کی جہنم میں طویل بے خوابی اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کو یاد کر۔ خبردار (کوئی ایسا عمل مت کرنا کہ) اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے اعراض کر لیا جائے ورنہ آخری وقت اور امید ختم ہونے کا وقت ہوگا۔'' جب اس عامل نے یہ خط پڑھا تو طویل سفر کر کے عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں آ پہنچا، آپ نے پوچھا ''کیسے آئے؟'' اس نے کہا آپ کے خط سے تو میرا دل اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جاؤں گا حتی کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاؤں۔

زہد اور اس کی ترغیب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ ان کے بیٹے نے ایک ہزار درہم کا نگینہ خریدا ہے، آپ نے فوراً اپنے بیٹے کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک ہزار درہم میں کوئی نگینہ خریدا ہے، فوراً اس نگینے کو بیچ دو اور ایک ہزار (لوگوں کے) پیٹ بھرو اور دو درہم کی انگوٹھی بنا لو، اس کا نگینہ لوہے کا بناؤ اور اس پر لکھو، "**رحم اللہ امرأ عرف قدر نفسہ**" اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے نفس کی قدر پہچان لے۔

یکتا قسم کا تقویٰ

آپ کا تقویٰ بڑا ہی یکتا نوعیت کا تھا، باخبر بلند مرتبہ جسے آپ نے خود اس مرتبہ میں ڈھالا تھا جو عقلوں کی پہنچ سے بھی آگے تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے تقوی جیسا تقویٰ۔

ایک دن آپ کے پاس غنیمت کی مشک (خوشبو) لائی گئی آپ نے فوراً ہاتھ سے ناک پکڑ کر بند کر دی۔ فرمانے لگے مشک سے نفع سونگھ کر اٹھایا جاتا ہے، مجھے یہ پسند نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے بغیر میں اسے سونگھوں۔

آپ کا تقویٰ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ خلافت (مملکت) کے اونٹ تک استعمال نہیں فرماتے تھے حالانکہ بیت المال آپ کی نگرانی میں تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عامل کو خط لکھا کہ وہ ان کے لئے شہد خرید کر بھیجے۔ لیکن مسلمانوں کے اموال (اجتماعی مال۔ بیت المال) میں سے کسی چیز کو اس کے لئے استعمال نہ کرے۔ چنانچہ اس عامل نے شہد خرید کر بھیجا لیکن ڈاک کے گھوڑوں پر لاد کر بھیجا۔ جب شہد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچا تو آپ نے لانے والے سے دریافت کیا کہ کس چیز پر لائے؟ اس نے کہا ڈاک پر۔ تو حضرت عمر نے وہ شہد بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے دیا۔

تواضع کا تاج

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے سینہ اور دل کو تواضع کے تاج سے مزین فرما دیا تھا اور لوگوں کو عظمت کے جوہر سکھایا کرتے تھے اور اپنے اعمال سے عظیم لوگوں کے تواضع کی کتاب کی پہلی سطر لکھی۔

چنانچہ ایک رات آپ ایک مہمان کے ساتھ بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے کہ اچانک چراغ کی لو مدھم ہوگئی اور بجھنے کے قریب ہوگئی۔ تو مہمان نے کہا کہ میں چراغ صحیح کر کے لاتا ہوں، مگر آپ نے فرمایا کہ مہمان سے خدمت لینا کوئی عزت کی بات نہیں ہے۔ مہمان نے کہا کہ پھر غلام کو اٹھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابھی کچی نیند میں ہے۔ پھر آپ خود اٹھے چراغ میں تیل ڈالا اور اسے پھر سے روشن کیا اور دوبارہ مہمان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ مہمان نے کہا کہ ''اے امیر المومنین! آپ خود اٹھ کر کام کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، میں جب گیا تو عمر تھا اور اب واپس آیا ہوں تو بھی عمر ہی ہوں۔''

ایک کپڑا۔ وہی اپنے پیشرووں کا طرز

ایک دن مسلمہ بن عبدالملک، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا دیکھا کہ آپ اپنے گھر کے کونے میں بیٹھے ہیں اور تہبند اوڑھا ہوا ہے۔ مسلمہ نے سمجھا کہ آپ بیمار ہیں، تو پوچھنے لگا کہ امیر المومنین آپ کو کیا ہوا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہوا۔ بس اتنی سی بات ہے کہ میں اپنے تہبند کے سوکھنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کوئی دوسرا تہبند کیوں نہیں بنا لیتے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی پر آنسو بہنے لگے اور آپ بار بار یہ آیت دہراتے جاتے۔

''یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں
سربلندی اور فساد نہیں چاہتے۔'' (القصص:۸۳)

ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنے کمزور سے جسم کو بستر پر ڈال دیا، آپ کی

عیادت کرنے کے لئے آپ کا چچا زاد اور برادر نسبتی مسلمہ بن عبدالملک آیا۔ دیکھا کہ آپ نے ایک میلی سی قمیص پہنی ہوئی ہے۔ تو اپنی بہن فاطمہ سے کہنے لگا کہ اے فاطمہ امیر المومنین کی قمیص دھو دو۔ تو انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ دھو دوں گی۔ پھر دوبارہ جب وہ عیادت کے لئے آیا تو وہی میلی قمیص پہنے دیکھا تو غصہ سے اپنی بہن سے کہا کہ میں نے تمہیں امیر المومنین کی قمیص دھونے کا کہا تھا؟ لوگ ان کی عیادت کے لئے آتے ہیں۔ تو اس کی بہن فاطمہ نے افسوس سے کہا کہ بھائی خدا کی قسم امیر المومنین کے پاس دوسری قمیص نہیں ہے (کہ وہ پہن لیں کہ اس قمیص کو دھولیا جائے)

آخری لمحات

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت قریب آیا تو رو پڑے۔ کسی نے کہا کہ امیر المومنین کیوں روتے ہیں؟ آپ کو تو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سنتوں کو زندہ کیا اور عدل کو غالب فرما دیا۔ یہ سن کر تو اور زیادہ روئے۔ فرمایا کیا مجھے کھڑا کر کے مخلوق کے معاملے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے بٹھا دیا، تو گڑ گڑا کر امید و خوف کے ملے جلے انداز سے اعترافاً کہنے لگے۔

میں وہ ہوں جسے تو نے حکم دیا تو میں نے کوتاہی کی۔ تو نے منع کیا تو میں نے نافرمانی کی (تین مرتبہ ارشاد فرمایا) لیکن اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر آپ نے اردگرد کھڑے لوگوں کو اشارے سے فرمایا کہ آپ لوگ باہر چلے جایئے کیونکہ میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو نہ تو جن ہیں نہ ہی انسان۔'' چنانچہ لوگ باہر چلے گئے اور آپ کے پاس صرف خادم رہ گیا۔ پھر آپ یہ آیت تلاوت کرنے لگے۔

''یہ آخرت کا گھر ہے ہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں سر بلندی اور فساد نہیں چاہتے اور اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے۔'' (القصص آیت نمبر ۸۳)

وفات

پھر خادم باہر آیا اور اس نے اشارہ کیا تو لوگ اندر داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہ قبلہ رخ ہیں اور روح قبض کی جا چکی ہے۔ اور ان کی روح ان کے جسم اور دنیا کو چھوڑ کر شوق کے پروں پر سوار ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ ۱۰۱ ہجری تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲ ہجری بمطابق ۶۲۴ء)

☆ وہ شخص جس کی وفات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے اور اسے بوسہ دیا۔

☆ پیوند لگے کپڑوں سے دنیا کو شکست دینے والا انسان

☆ جس کی روح اس کے جسم سے پہلے جنت پہنچ گئی۔

☆☆☆

تنگدستی اختیار کرنے والا ایک غمزدہ انسان' دو ہجرتیں کرنے والا' جس نے دنیا سے کچھ حاصل نہ کیا نہ دنیا اس کا کچھ بگاڑ سکی۔ جس کی زندگی اسلام سے لحد تک تقوے اور زہد سے عبارت تھی۔ جس کا سینہ ہمہ گیر شعور سے لبریز تھا۔

یہ تھے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔ دار ارقم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دخول سے قبل اسلام لائے۔ دو ہجرتیں کیں۔ دور جاہلیت میں عرب دانشوروں میں سے تھے۔ اسلام سے پہلے ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ سادات مہاجرین میں سے تھے۔ مدینہ میں سب سے پہلے وفات پانے اور سب سے پہلے جنت البقیع میں مدفون ہونے والے صحابی ہیں۔

دن کو روزہ رکھتے رات کو نماز پڑھتے۔ ترک دنیا کر کے سیاحت اختیار کرنا چاہی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روک دیا۔ اپنی زندگی کو بغیر دیواروں کا معبد بنا لیا تھا۔

کھردرا اور موٹا لباس پہنتے سوکھے ٹکڑے نوش جاں فرماتے۔

حضرت عثمان کی زوجہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گئیں تو وہ زیب و زینت چھوڑ چکی تھیں۔ ازواج مطہرات نے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ تمہارے شوہر تو قریش کے سب سے مالدار شخص ہیں۔ زوجہ عثمان نے کہا کہ وہ رات کو نمازیں پڑھتے رہتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔

ایک دن حضرت عثمان خدمت نبوی ﷺ میں آئے تو پھٹے ہوئے لباس پر چمڑے کا پیوند لگائے ہوئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو ان کی حالت پر بڑا رحم آیا اور صحابہ کرام کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

''اس دن تم کس حال میں ہو گے جب تم میں سے ایک شخص صبح کو ایک لباس پہنے گا اور شام کو دوسرا لباس پہنے گا۔ اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جائے گا دوسرا اٹھایا جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۵)

وفات

حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کی خبر جب رسول اکرم ﷺ کو پہنچائی گئی تو تیزی سے ان کے ہاں پہنچے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر دراز ہیں۔ آپ ان کے قریب جا کر انہیں چومنے لگے۔ آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان بن مظعون کے رخساروں پر گر رہے تھے۔ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے۔ ''اے عثمان اللہ تم پر رحم فرمائے تم نے دنیا سے کچھ حاصل کیا نہ دنیا تمہارا کچھ بگاڑ سکی۔''

(الترمذی:۹۸۹)(حلیۃ الاولیاء ص ۱/ ۱۰۵)

☆☆☆

سیدنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳ ہجری بمطابق ۶۲۵)

☆ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ تاریخ آنے والوں کے لیے اس کا قصہ وقت کے اہم لوگوں میں لکھے گی۔

☆ ایک جوان جس کا نام امر ہو جانے والوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا۔

☆ جس کے دل کی آواز ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت'' تھی۔

☆ ایمان کے بہادروں میں ایک بہادر سردار

☆☆☆

جس نے اپنے الفاظ سے انصار کے دل جیت لیے جس کی آواز مشعل بن کر آئی تا کہ شرک کے اندھیروں کو دور کردے۔ یہ ہیں ''مصعب الخیر'' ایمان کے شہسواروں میں سے ایک شہسوار۔

قریش کا قابل بھروسہ نوجوان جو اپنے اہل میں بڑا معزز اور نیک تھا جس میں خوش پوشاکی وخوراکی اور عقل کی رجاحت جمع تھی جو چیز وہ صبح کے وقت کھاتا یا پہنتا تو شام کے وقت تک اس کے پاس ٹھہرتی نہ تھی مگر...... ایمان کے الفاظ نے اس کے کانوں کو چیر دیا تا کہ دل میں جگہ بنالے۔ چنانچہ اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور دار ارقم میں داخل ہو گیا۔ اور خفیہ طور پر آتا جاتا رہا۔ اس کے گھر والوں کو علم ہوا تو انہوں نے اس کو پکڑ کر قید کر دیا۔ مگر یہ ان کی قید سے بھاگ کر مہاجرین حبشہ کے ساتھ حبشہ پہنچ گیا۔ پھر مکہ آیا اور وہاں سے ہجرت کر کے مدینے چلا گیا۔ نرم کھال والا درمیانے قد کا انسان تھا۔ اسلام کا پہلا سفیر اور مدینہ منورہ میں پہلا جمعہ قائم کرنے والا (جلیل القدر عظیم شہید صحابی)۔

حضرت مصعب خود کو نعمتوں کی زندگی سے نکال کر تنگی اور فاقہ مستی میں لائے کھردرے کپڑے پہنے اور اپنے زہد کی بناء پر انصار کے دلوں میں براجمان ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ اپنی گفتگو سے صحابہ کے دلوں کو غذا بہم پہنچا رہے تھے کہ اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر وہاں آئے پیوند لگے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو ان کی جسم پوشی کو ناکافی تھے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو رقت طاری ہوگئی اور ان کی حالت دیکھ کر آپ کو بڑا رحم آیا۔

نبی کریم ﷺ فرمانے لگے۔ اس شخص کو دیکھو کہ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نور سے بھر دیا ہے۔ میں نے اسے اس کے ماں باپ کے درمیان دیکھا جو اسے بہتر سے بہتر کھانے پینے کی چیزیں فراہم کیا کرتے تھے۔ میں نے اسے وہ لباس بھی پہنے دیکھا ہے جو اس نے دو سو درہم میں خریدا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے اسے اس حال میں پہنچا دیا ہے جو کہ تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خراج تحسین

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے کھانا لایا گیا' جب ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ شدید رونے لگے پھر اپنی بکھری سانسوں کو مجتمع کر کے فرمایا کہ

حضرت مصعب بن عمیر جنگ احد کے دن شہید ہوئے ہمیں ان کے کفن کے لیے کپڑا تک نہ ملا۔ انہوں نے ایک چادر (جس پر سفید لکیریں تھیں) پہنی ہوئی تھی ہم نے اسی سے ان کو ڈھانپنا چاہا تو جب سر ڈھانپتے تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ بہرحال نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر (اذخر) گھاس کے پتے وغیرہ ڈال دیئے جائیں۔

شہادت

حضرت مصعب بہادری اور جاں نثاری کے پیکر تھے۔ ان کے دو ہاتھ تھے۔ ایک ہاتھ سے اسلام کا جھنڈا سنبھالتے اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلاتے۔ چنانچہ جب ایک ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا' دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا رانوں کے درمیان دبا کر سینے سے چمٹا لیا۔ پھر ابن قمیہ نامی بدبخت نے آپ کو

نیزہ مارا جو آپ کے پاکیزہ جسم کے آر پار ہو گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

(متوفی ۱۸ ہجری بمطابق ۶۳۹ عیسوی)

☆ ایسا شخص جسے فرشتوں نے ادب سکھایا۔
☆ جس کے اگلے دو دانت اس سے پہلے جنت میں پہنچے۔
☆ ایسا امیر جنہیں کوئی دیکھتا ان پر صدقہ کرتا۔

☆☆☆

ان کے دو ہاتھ تھے ایک ہاتھ مال خرچ کرتا اور غریبوں پر سرور لاتا اور دوسرا ہاتھ دشمنوں کو مار لگاتا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالتا۔

یہ تھے ''امین الامت'' امیر قائد عامر بن عبداللہ بن جراح قریشی رضی اللہ عنہ جو کہ شامی علاقوں کے فاتح، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، اسلام لانے والے ابتدائی لوگوں میں سے ایک، تمام معرکوں میں حاضر رہے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

میدان احد میں موت پر بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ انور سے اپنے دانتوں سے کھینچ نکالیں، جس سے اگلے دانت ٹوٹ گئے۔ چنانچہ یہ وہ شخص تھے جن کے دانت سب سے بہتر طریقے سے ٹوٹے۔

حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال کا نگران بنایا اور حضرت عمرؓ نے شام کے علاقوں میں جہاد کرنے والے لشکر کی قیادت سونپی۔ ان کے دو بیٹے تھے دونوں وفات پا گئے لہٰذا نسل میں کوئی باقی نہ رہا۔

امت کے امین

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کا ایک امین ہوتا ہے۔ میری امت کے

امین ابوعبیدہ ہیں۔ (مسلم: ۲۴۱۹)

حضرت عمر کی تمنا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمنشینوں سے فرمایا تم میں سے ہر ایک کوئی تمنا کرے۔ چنانچہ ہر ایک نے کوئی نہ کوئی تمنا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن میری تمنا یہ ہے کہ ایک گھر ہو جو ابوعبیدہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو۔''

تواضع اور زہد

حضرت ابوعبیدہ کے تواضع اور زہد کا یہ حال تھا فرماتے تھے کہ لوگوں میں جو بھی شخص لال ہو کہ کالا' آزاد ہو یا غلام' اگر میں جانتا ہوں کہ یہ شخص تقوے کے اعتبار سے مجھ سے افضل ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اس کے جیسا بن جاؤں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام پہنچے۔ عام لوگ اور وہاں کے معززین ان سے ملے۔ آپ نے فرمایا میرا بھائی کہاں ہے؟ کسی نے کہا۔ کون؟ آپ نے فرمایا۔ ''ابوعبیدہ'' لوگوں نے کہا وہ ابھی آتے ہی ہیں۔ اتنے میں ابوعبیدہ آ گئے۔ حضرت عمر اترے ان سے معانقہ کیا تو ابوعبیدہ نے کہا کہ میرے گھر چلیں چنانچہ حضرت عمر ان کے ہاں پہنچے۔ دیکھا تو صرف ان کی تلوار' کمان اور سفری تھیلا موجود تھا پوچھا کہ تم تو امیر ہو تمہارا سامان کہاں ہے؟ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت ابو عبیدہ کھڑے ہوئے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی اور اس میں سے کچھ سوکھے ٹکڑے برآمد کیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر کو رونا آ گیا۔ فرمانے لگے۔'' تم نے وہ کچھ کیوں نہیں اختیار کیا جو تمہارے ساتھیوں نے اختیار کیا ہے؟ تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا اے امیر المومنین ایسا کرنا مجھے لوگوں کی باتیں سننے کی حالت میں پہنچا دیتا۔ حضرت عمر نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ اے ابوعبیدہ ہم سب کو دنیا نے بدل دیا سوائے تمہارے (تم نہیں بدلے)۔

سخاوت وایثار

حضرت ابوعبیدہ بڑے کریم اور سخی انسان تھے۔ زہد اور سخاوت کی اعلیٰ مثال تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب نے چار سو دینار لیے اور انہیں ایک تھیلی میں ڈال کر غلام کو فرمایا کہ جاؤ یہ ابوعبیدہ کے پاس لے جاؤ اور دیکھنا کہ وہ ان سے کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام گیا اور وہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ حضرت عمرؓ نے بھیجی کہ آپ اسے اپنی بعض ضروریات میں خرچ فرمالیں۔

حضرت ابوعبیدہ نے وہ تھیلی لی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو صلہ دے اس پر رحم فرمائے۔ اور پھر اپنی باندی کو آواز دی۔ اے لڑکی یہاں آؤ۔ یہ سات درہم فلاں کو دے آؤ۔ یہ پانچ فلاں کو اور یہ فلاں کو...... حتیٰ کہ چار سو درہم ختم کردیئے۔ یہ دیکھ کر غلام نے جاکر حضرت عمر کو صورت حال بیان کردی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرح صدر کے ساتھ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسلام میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں۔ جن کا عمل ایسا ہے۔

خدا کے فیصلوں پر رضامندی

شام میں طاعون پھیل گیا حتیٰ کہ وہاں کوئی گھر نہیں بچا جس سے کوئی ایک جان اس طاعون نے نہ لی ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کو لکھا کہ وہ جلدی سے مدینہ آنے کی کوشش کریں۔ (آپ طاعون کی وجہ سے ان کی طرف سے فکرمند تھے)۔

حضرت ابوعبیدہ نے جب خط پڑھا تو کہنے لگے کہ میں امیر المومنین کا مقصد سمجھ گیا ہوں کہ وہ اس کو بچانا چاہتے ہیں جو (ہمیشہ) باقی رہنے والا نہیں۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوابی خط لکھا کہ

''میں آپ کا مقصد سمجھ گیا ہوں لیکن اپنے ارادے سے مجھے آزاد کردیجئے

کیونکہ میں مسلمان فوج کا ایک سپاہی ہوں اور ان لوگوں سے دور نہیں ہوسکتا۔ (انہیں تنہا چھوڑ کر نہیں آ سکتا)''۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوابی خط پڑھا تو بہت روئے۔ کسی نے پوچھا کیا حضرت ابوعبیدہ وفات پا گئے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

وفات

لیکن چند ہی دن بعد حضرت ابوعبیدہ وفات پا گئے اور طاعون بھی ختم ہوگیا اور وہ ''طاعون عمواس'' میں سن ۱۸ ہجری میں انتقال فرما گئے ان کی عمر پچاسی سال تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(متوفی ۱۸ ہجری بمطابق ۶۳۹ عیسوی)

- ☆ وہ شخص کہ نبی کا دیدار جس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔
- ☆ اسلام نے جسے ایمان کے گلستان میں پگھلا دیا۔
- ☆ ایسا شخص جس کی محبت نبی کریم ﷺ کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ شخص بذات خود ایک امت تھا۔ جسے نبی کریم ﷺ نے ایمان اور زہد کی تلقین فرمائی۔ یہ حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ زاہدوں کے تاجدار علماء کا خزانہ امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کرنے والے چھ افراد میں سے ایک۔

ہئیت میں بہت خوبصورت چمکتے چہرے' خوبصورت دانتوں' چمکیلے ثنایا (اگلے دو دانت) سرمگیں آنکھیں' عطا کی گئی شفقت' میٹھی گفتگو' حیرت انگیز بیان' چپ ہوں تو آنکھوں کو اچک لیں گفتگو کریں تو دلوں پر قابض ہو جائیں گویا کہ ان کی زبان سے نور اور موتی بکھر رہے ہوں۔

جب اسلام لائے تو نو عمر جوان تھے' ستر انصار کے ہمراہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے درمیان مواخات قائم فرمائی' بدر' احد' خندق اور دیگر معرکوں میں حاضر رہے۔

نبی کریم ﷺ کی زیارت ان کی آنکھوں کا سرمہ تھا' نبی کریم کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے۔ خدمت فرماتے اور سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتے۔ غزوہ تبوک کے بعد اہل یمن کے قاضی اور مرشد بنا کر بھیجے گئے۔ اور نبی کریم ﷺ کے سانحہ ارتحال تک اسی عہدے پر رہے۔ عہد صدیقی میں مدینے واپس آ گئے۔ پھر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد شام میں شریک رہے اور حضرت ابو عبیدہ کی وفات کے بعد انہیں ان کی جگہ نائب بنایا گیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں امیر جیش کے طور پر برقرار رکھا۔

انصار کا ایک بافضیلت جوان

انصار کے جوانوں میں حلم' سخاوت' کرم' زہد وغیرہ میں سب سے افضل تھے' اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے انہیں مل جاتا۔ اپنی ذہانت اور سخاوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔

☆ علم میں وہ مقام حاصل تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں۔

(ترمذی: ۳۷۹۰)

☆ عقل کے راجح ہونے کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر یہ فرمانا کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو توفیق عطا فرمائی۔ (ترمذی: ۱۳۲۷)

☆ رسول اکرم ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا۔ "اے معاذ مجھے تم سے محبت ہے۔" (ابو داؤد: ۱۵۲۲)

ایک اور جگہ فرمایا۔ ''قیامت کے دن معاذ لوگوں کے سامنے اپنے قدموں سے آئیں گے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے علم اور عقل کی مدح کرتے ہوئے فرمایا کہ ''عورتیں معاذ جیسا کوئی اور پیدا کرنے سے عاجز ہوگئی ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حضرت معاذ بڑے موحد اور اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو اور اپنی ذات میں ایک امت تھے۔

☆☆☆

ایک دن بیٹھے اپنے غلام کو نصیحت فرما رہے تھے کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو ایسے پڑھو کہ یہ تمہاری آخری نماز ہے اور تم دوبارہ کبھی نماز نہ پڑھ سکو گے۔ اور یہ جان لو کہ موت دو قسم کی نیکیوں کے درمیان مرنا ہے ایک تو وہ جو اس نے آگے پہنچائی ہے اور دوسری قسم وہ جسے اس نے مؤخر کر دیا ہے۔

حضرت معاذ میں ہیبت سر کے بالوں کی جڑ سے لیکر پاؤں کے تلوے تک بھری ہوئی تھی۔ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھتے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے جب اصحاب رسول ﷺ کے درمیان گفتگو فرماتے تو وہ ان کی جانب ہیبت سے دیکھتے (مرعوب ہوکر) اور ان کی آنکھیں حیاء کے مارے بہنے لگتیں۔

تقویٰ کی حالت

تقویٰ نے ان کے دل کو پگھلا کر رکھ دیا تھا اور اس میں یہ ایک خاص قسم کی لذت جو دنیا کے عشاق کی لذت سے فائق تھی۔ محسوس فرماتے تھے۔ ان پر تقویٰ کا بادل سایہ کیے رہتا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے وساوس گھیرے رہتے۔

حضرت معاذ کی دو بیویاں تھیں جب وہ ایک کے گھر میں ہوتے تو دوسری کے

گھر سے نہ پانی پیتے اور نہ ہی وضو فرماتے۔ پھر یہ دونوں بیویاں شام میں ''طاعون عمواس'' میں ایک ہی دن وفات پا گئیں لوگ مصروف تھے چنانچہ آپ نے ہی ان کے لیے قبر کھودی اور اس بات کے لیے قرعہ ڈالا کہ پہلے کس بیوی کو قبر میں ڈالا جائے۔

حضرت معاذ جب شام آئے تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ لوگوں کو حکم دے دیں کہ آپ کے لیے چٹائی پتھر اور لکڑیاں جمع کریں تا کہ آپ کے لیے ایک عمارت بنا دیں؟ تو فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں قیامت کے روز مجھے اس عمارت کو کمر پر اٹھا لانے کے لیے نہ کہہ دیا جائے۔

☆☆☆

اخلاص وزہد

آپ نے اپنے اخلاص سے دنیاوی وساوس کو قطع کر دیا تھا اور خود کو انفاق کے گلستان میں لا چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور غلام کو دیکر فرمایا کہ جاؤ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور دیکھنا کہ وہ ان سے کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام گیا اور عرض کیا کہ یہ تھیلی امیر المومنین حضرت عمر نے بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ اسے اپنی بعض ضروریات میں خرچ فرمالیں۔ حضرت معاذ نے وہ تھیلی لیکر حضرت عمر کو صلہ اور رحمت کی دعا دی اور پھر اپنی باندی کو آواز دی۔ اے لڑکی ادھر آؤ فلاں کے گھر اتنے دینار دے آؤ فلاں کے گھر اتنے دینار دے آؤ۔ اتنے میں ان کی بیوی کو یہ بات معلوم ہوگئی وہ آئیں اور عرض کیا کہ واللہ ہم بھی مساکین ہیں ہمیں بھی دے دو تو تھیلی میں صرف دو درہم بچے تھے انہوں نے وہ انہیں دے دیئے۔

غلام نے واپس جا کر بتایا تو حضرت عمر نے فرمایا۔ الحمد للہ اللہ کا شکر ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو ایسا عمل کرتے ہیں۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے عمل جیسا دیکھا (قارئین پڑھ چکے ہیں کہ حضرت

ابو عبیدہ کے پاس بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح چار سو دینار بھیجے تھے۔ المستطرف میں یہ واقعہ ایک ہی دن کا مذکور ہے (مترجم) تو فرمایا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ روضہ اطہر رسول ﷺ کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اپنے نبی پر رو رہے ہو؟ تو حضرت معاذ نے ہچکیوں میں جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن میں نے انہیں اسی جگہ یہ فرماتے سنا تھا کہ معمولی سی ریاء بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں وہ تقویٰ والے لوگ زیادہ محبوب ہیں جو جب موجود نہ ہوں تو انہیں ڈھونڈا نہیں جاتا۔ اور جب موجود ہوں تو پہچانے نہیں جاتے۔ یہی لوگ علم کے چراغ اور ہدایت کے ائمہ ہیں۔

آخری لمحات

حضرت معاذ بستر میں بیٹھے ہیں۔ طاعون سے متاثر ہو چکے ہیں۔ عیادت کرنیوالے انہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔ آپ نے ایک شخص کو ہچکیاں لے لے کر روتے دیکھا۔ تو اس سے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں اس دنیا پر نہیں رو رہا جو مجھے تم سے حاصل ہوتی تھی' بلکہ میں اس علم (کے کھو دینے) پر رو رہا ہوں جو میں تم سے حاصل کیا کرتا تھا۔

آپ کے پاس علم سے محبت کرنے والا ایک شخص آیا کہنے لگے مجھے کچھ سکھائیے۔ حضرت معاذ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ روزہ رکھو اور بے روزے بھی رہو۔ نماز بھی پڑھو آرام بھی کرو۔ کماؤ مگر گناہ مت کماؤ اور اس حال میں مرنا کہ تم مسلمان ہو اور مظلوم کی بددعا سے بچنا۔

حضرت معاذ بستر مرگ سے لگ گئے۔ صبح ہوتی تو فرماتے۔ ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس رات سے جس کی صبح آگ میں ہو۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں

دنیا سے نہروں کے کھودنے اور درخت اگانے کے لیے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ میں پیاسوں کو پانی پلانے' چند گھڑی کو تیری راہ میں تھکنے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے ساتھ شریک ہونے کے لیے کیا کرتا تھا۔

وفات

پھر سکرات موت طاری ہوگئی۔ بار بار ہوش میں آتے اور بے ہوش ہوتے۔ پھر اپنی بکھری ہوئی آواز کو مجتمع فرما کر کہا۔ "اے میرے رب! غم تیرا غم ہے۔ تیری عزت کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور اسی حال میں آپ کی روح شام میں اردن کے کنارے ۱۸ ہجری میں پرواز کر گئی۔ غور میں مدفون ہوئے۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ

سیدنا حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲۰ ہجری بمطابق ۶۴۱ عیسوی)

- ☆ ایمان کے ستونوں میں سے ایک حیرت انگیز نمونہ اور مثال۔
- ☆ زہد کے سرکردہ ناموں میں سے ایک نام۔
- ☆ ایک گورنر جسے تاریخ نے فقراء کی فہرست میں لکھ دیا۔
- ☆ جن کے فضائل اور محاسن بے سروسامانی' رقت مال' کم قیمت کپڑوں اور اجنبیت کے پیچھے چھپے ہیں۔
- ☆ جس نے اپنے صحیفہ اعمال میں نبی کریم کا زہد' ابوبکر کا تقویٰ اور عمر کا عدل جمع کر رکھا تھا۔

☆☆☆

تارک دنیا گورنر' جو خیبر سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی اور اس کے بعد خیبر اور دوسرے معرکوں میں حاضر رہے' یہ ہیں سعید بن عامر جمحی جو بڑے اور بافضیلت صحابہ میں شامل ہیں۔ اپنے فضل' زہد اور خیر کی بنا پر مشہور ہوئے۔ تجربہ کار دانا شخص تھے

جانتے تھے کہ فضائل میں کیسے آگے بڑھا جاتا ہے۔

یہ جب اپنا وظیفہ نکالتے تو پہلے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا سامان خرید لیتے اور جو باقی بچتا وہ سب صدقہ کر دیتے۔ بیوی پوچھتی کہ باقی رقم کہاں ہے تو جواب دیتے کہ اپنے رب کو قرض کے طور پر دیدی ہے۔

واعظ بالحق

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس خلافت کے ابتدائی دنوں میں تشریف لائے اور بلند آواز سے نصیحت کی۔ ''اے عمر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا اللہ کے معاملے میں لوگوں سے نہ ڈرنا اور تمہارا کوئی قول تمہارے فعل کا مخالف نہ ہو۔ اس لیے کہ بہترین قول وہ ہے کہ فعل جس کی تصدیق کرے۔ اے عمر اپنی توجہ ان کی سمت جما دینا جن مسلمانوں کے معاملے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ولی وحکمران بنایا ہے۔ اور ان کے لیے وہی کچھ پسند کرنا جو اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرو۔ اور ان کے لیے وہ چیز ناپسند سمجھنا جو تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے ناپسند سمجھتے ہو۔ سختیوں کو حق سے ملا دینا (تاکہ خلاف شرع کام سرزد نہ ہو)۔

ان کی باتیں سن کر حضرت عمر پر رقت طاری ہوگئی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اے سعید ان سب کاموں کی استطاعت کسے ہے؟ سعید نے جواب دیا کہ اس کی استطاعت تم جیسے آدمی کو ہے جو ان میں سے ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی حکومت کا اہل ونگران بنایا ہے اور اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت سعید بن عامر کی محبت بیٹھ گئی اور ان کا دل سعید کے ان الفاظ کا دیوانہ ہوگیا جن سے دنیا سے بے رغبتی جھلک رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ ان جیسے لوگ ہی امارت اور حکمرانی کے اہل ہیں لہٰذا حکم نامہ جاری کر کے انہیں شام بھیجنے کا فیصلہ کرلیا اور حمص کا گورنر بنا دیا۔ جو کہ انتہائی

مالداروں اور تاجروں کا شہر تھا جہاں عقلمند اپنی سمجھ کھو بیٹھتا ہے لہٰذا وہاں ان جیسا ہی کوئی تارک دنیا شخص گورنری کے لیے موزوں ہوسکتا تھا۔

عہدہ قبول کرنے میں تامل اور انکار

چنانچہ حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ ''میں تمہیں گورنر بنانا چاہتا ہوں۔'' یہ سن کر حضرت سعید کا رنگ متغیر ہوگیا اور مارے خوف کے کپکپانے لگے۔ فرمایا۔ ''اے امیر المومنین مجھے فتنہ میں مت ڈالیے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے لوگوں کا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں جن سے تم افضل نہیں ہو اور نہ ہی اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کی گردنیں اڑاؤ ان کی عزت خراب کرو۔ بلکہ اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کے ذریعے ان کے دشمن سے جہاد کرو اور ان کے درمیان ان کے غنائم تقسیم کرو۔

چنانچہ حضرت سعید کے آنسو خشک ہوگئے۔ نفس پرسکون ہوگیا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں سے نکلی آواز حق کے سامنے سر جھکا دیا۔ لہٰذا ان کی درخواست منظور کرلی۔ پھر حضرت سعید نے اپنی لاٹھی کندھے پر رکھی اور اپنا رخ دیار شام کی جانب کر دیا۔

سعید بن عامر کی گورنری اور زہد

دن تیزی سے گزرتے چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام پہنچے۔ اس کے اطراف اور گاؤں دیہات کا دورہ کیا حتیٰ کہ حمص میں جا کر اترے۔ وہاں کے دوسرے ذمہ داروں سے فرمایا کہ یہاں کے فقراء کے نام لکھ کر دیئے جائیں۔ انہوں نے فہرست حضرت عمر کے حوالے کی تو اس میں سعید بن عامر کا نام بھی تھا۔ حضرت عمر نے نام دیکھ کر پوچھا۔ یہ کون سعید بن عامر ہے؟ جواب ملا کہ ''یہ ہمارے امیر ہیں'' حضرت عمر نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر بھی فقراء میں شامل ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''جی ہاں''۔

حضرت عمر نے پوچھا کہ ان کا وظیفہ اور رزق کہاں جاتا ہے؟ تمہارا گورنر غریب کیسے ہوسکتا ہے؟ ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین وہ اپنی کوئی چیز مساکین

کو دینے سے بچا نہیں پاتے۔'' یہ سن کر حضرت عمر رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

پھر آپ نے ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور ان کے پاس بھجوا دیئے اور قاصد کو کہا کہ ان کو کہنا کہ ان سے اپنی ضروریات میں مدد لے لیں۔ چنانچہ جب قاصد ان کے پاس آیا تو انہوں نے تھیلی لے کر دیکھا تو اس میں دینار تھے۔ انہوں نے دیکھ کر ''انا للہ'' پڑھی اور ان پر رنج وغم کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ان کی بیوی نے یہ منظر دیکھا تو پوچھا کیا ہوا؟ کیا امیر المومنین وفات پا گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اس سے بھی عظیم بات ہے۔ بیوی نے پوچھا کیا قیامت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑی بات ہوئی ہے۔ بیوی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا کہنے لگی ہوا کیا ہے؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ اپنے چہرے سے غم کھرچ چکے تھے فرمانے لگے کہ دنیا میرے پاس آئی ہے۔ میرے گھر میں فتنہ داخل ہوا ہے یہ دنیار ہیں۔ ان کی بیوی نے کہا۔ آپ ان کا جو دل چاہے کیجئے۔ چنانچہ آپ نے جلدی جلدی تھیلی باندھی اور نکلے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد پر روانہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے وہ سارے دینار ان میں تقسیم کر دیئے۔ جب واپس آئے تو بیوی نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر کچھ دینار بچا لیتے تو ہم اس سے کچھ گزارا کر لیتے۔ تو سعید بن عامر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر اہل جنت کی کوئی عورت زمین پر اتر آئے تو ساری زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے۔'' اس لیے واللہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان پر تمہیں ترجیح دیتا۔ یہ سن کر وہ چپ ہوگئیں۔

سعید بن عامر سے اہل حمص کے چار شکوے

حضرت عمر رضی اللہ کے گرد اہل حمص جمع تھے وہ عاملوں کی شکایتیں بہت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اے اہل حمص تم کو اپنے امیر سے کیا شکایتیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے امیر سے چار شکایتیں ہیں۔

(۱) وہ دن چڑھنے سے پہلے گھر سے باہر نہیں آتے۔
(۲) رات کو کسی کا جواب نہیں دیتے۔
(۳) مہینے میں ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ہم سے نہیں ملتے۔
(۴) بعض دنوں میں اتنے غمگین رہتے ہیں کہ یہ ہوش سے بیگانے ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر بے چین ہوگئے۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی اے اللہ! سعید کے بارے میں میرے گمان کو ناکام مت ہونے دیجیو۔

چنانچہ آپ نے فوراً حضرت سعید اور اہل حمص کو آمنے سامنے لا بٹھایا اور پھر پوچھا۔ ہاں اب کہو تمہیں کیا شکایت ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ دن چڑھنے سے پہلے باہر نہیں آتے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میں اس سے پہلے باہر نکلنا ناپسند نہیں کرتا بلکہ مجبوری یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادم نہیں ہے۔ اس لیے میں خود آٹا گوندھتا ہوں پھر انتظار کرتا ہوں حتیٰ کہ وہ خمیرہ ہو جائے پھر اپنی روٹی پکا کر وضو کر کے باہر نکلتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا دوسری کیا شکایت ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رات کو کسی کی آواز کا جواب نہیں دیتے۔ حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں دن کا وقت ان کے لیے رکھا ہے اور رات اپنے رب تعالیٰ کے لیے رکھی ہے۔

حضرت عمر نے پوچھا۔ تیسری شکایت کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مہینے میں ان کا ایک دن ایسا ہے کہ یہ اس میں گھر سے باہر نہیں آتے؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ ایک تو یہ کہ میرے پاس خادم نہیں ہے دوسرے یہ کہ میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے کہ میں بدل لوں اس لیے میں بیٹھا رہتا ہوں تاکہ کپڑا سوکھ جائے پھر میں رگڑ لوں (یہ دھو کر سکھانے یا اس کے کسی اور متبادل کا ذکر ہے) پھر میں ان کے پاس دن کے آخری حصے میں جاتا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا چوتھی شکایت کیا ہے' ان لوگوں نے کہا کہ بعض دن

یہ بڑے غمگین رہتے ہیں؟ تو حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں حضرت خبیب بن عدی انصاری کے قتل کے دن مکہ میں موجود تھا۔ قریش ان کا گوشت کاٹ چکے تھے اور انہوں نے اسے ایک لکڑی پر اٹھایا اور کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ آج تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے۔ تو خبیب نے کہا کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوں اور محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ پھر انہوں نے زور سے کہا۔ اے محمد۔

میں جب بھی وہ دن یاد کرتا ہوں اور میرا ان کی مدد نہ کرنا مجھے یاد آتا ہے تو مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے مجھے وہ غم لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر نے خوشی سے پکار کر کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری فراست کو ناکام نہیں کیا۔

پھر حضرت عمر نے ان کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے اور فرمایا کہ ان کو اپنے معاملات میں استعمال کر کے سہارا لو۔ تو انہوں نے وہ دینار لیکر آل فلاں کی بیواؤں، فلاں قوم کے یتیموں اور فلاں قوم کے پریشان لوگوں تک بھجوا دیئے۔ اس کے بعد چند دینار بچے تو وہ انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیئے کہ ان سے گھر کا خرچ چلاؤ۔ اس کے بعد اپنی ذمہ داری کی طرف لوٹ گئے۔

وفات

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ بے سرو سامانی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ ۲۰ ہجری میں ان کی روح اپنے ٹھکانے کی طرف پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت بھی یہ حضرت عمر کی طرف سے حمص کے گورنر ہی تھے۔

ان کا نامہ اعمال بالکل سفید تھا دنیا سے ان کا سفینہ اس حال میں روانہ ہوا کہ دنیا کے بوجھ کی کوئی چیز اس پر لدی ہوئی نہ تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲۰ ہجری بمطابق ۶۴۱ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کے دل کی شریانوں میں زہد اتر گیا تھا۔
☆ تاریخ چاہتی تو اس شخص کے پاس سے تیزی سے گزر سکتی تھی مگر۔
☆ اس نے اسے عظیم لوگوں میں شمار کیا۔
☆ زہد کے فرشتوں نے جس کے دل سے مصافحہ کیا۔
☆ جس نے دنیا کے خوف کے بدلے آخرت کی امان خرید لی تھی۔

☆☆☆

''عمیر بن سعد'' وہ کردار ہیں کہ جس کی بازگشت تاریخ کے کانوں اور صفحات پر بار بار سنائی دیتی رہے گی۔ ایک زاہد تارک دنیا گورنر جو فتوحات شام میں موجود تھے۔ حضرت عمر نے حمص کا گورنر بنایا وہاں یہ ایک سال رہے۔ پھر مدینے بلوایا تو یہ آ گئے۔ پھر جب واپس بھیجنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

انہوں نے دنیا کو ایمان اور یقین سے بھر دیا۔ ان کی آواز ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھی۔ دنیا کو چھوڑ دیا۔ دنیا کی چیخ و پکار ان کے تقوی کی مضبوط فصیلوں کو توڑ نہیں سکی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ شام میں عمیر سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔

زہد کے عجیب واقعات

حضرت عمر نے انہیں حمص کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ایک سال تک یہ وہاں رہے اور اس اثنا میں کوئی خبر ان کی نہیں ملی۔ حضرت عمر نے کاتب سے فرمایا کہ عمیر کو خط لکھو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہم سے خیانت کی ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا کہ جب ہمارا یہ خط پہنچے تو فوراً چلے آنا اور جو تم نے خراج وغیرہ جمع کیا ہے وہ بھی لیتے آنا۔

خط پڑھتے ہی حضرت عمیر نے اپنا تھیلا نکالا۔ اس میں زادہ راہ اور پیالہ رکھا

پانی کا برتن لٹکایا اور لاٹھی پکڑی اور پیدل ہی حمص سے چل پڑے اور مدینہ پہنچ گئے۔ ان کا رنگ بدل گیا تھا۔ چہرہ غبار آلود' بال بڑے لمبے ہو گئے تھے۔ یہ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمتہ اللہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیکر انہیں دیکھا۔ وسوسے سرایت کر چکے تھے۔ پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو میرا حال دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ کو صحیح سلامت نظر نہیں آ رہا۔ میرے ساتھ دنیا ہے جس کا اجراس کے سینگوں کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا آیا ہے؟ (ان کی مراد تھی مال وغیرہ) عمیر نے جواب دیا۔ کہ میرے ساتھ میرا تھیلا ہے جس میں میرا توشہ اور پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں کھانا کھاتا ہوں اور اسی سے کپڑے سر بھی دھوتا ہوں۔ میرا مشکیزہ ہے جس میں میرے وضو اور پینے کا پانی ہے۔ لاٹھی ہے جس سے ٹیک لگاتا ہوں' دشمن سے اگر وہ سامنے آ جائے تو مقابلہ کرتا ہوں۔ خدا کی قسم دنیا میرے سامان کے تابع ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا پیدل آئے ہو؟ انہوں نے کہا ''جی ہاں'' حضرت عمر نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو آپ کے لیے سواری کا انتظام کر دیتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے نہیں کیا اور میں نے کہا بھی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ ''بہت برے لوگ ہیں جن کے پاس سے تم آئے ہو۔'' تو حضرت عمیر نے جواب دیا۔ ''اے عمر اللہ تعالیٰ نے تمہیں غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور میں نے ان لوگوں کو فجر کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

حضرت عمر نے پوچھا کہ میں نے جس کے لیے تمہیں بھیجا تھا وہ کہاں ہے؟ اور تم نے وہاں کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا ڈر ہوتا کہ میں آپ کو غم میں مبتلا کر دوں گا تو میں آپ کو کچھ نہ بتاتا۔ آپ نے مجھے بھیجا تو میں اس شہر میں پہنچا۔ وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خراج جمع کرنے کی ذمہ داری دی۔ پھر جب انہوں نے جمع کر لیا تو میں نے وہ آمدنی اس کی جگہوں (مصارف) میں خرچ کر دی۔ اگر آپ کے لیے کوئی چیز بچتی تو میں ضرور لے آتا۔ حضرت عمر نے تعجب سے فرمایا۔ ''تو کیا تم ہمارے پاس کچھ بھی لے کر نہیں آئے؟'' انہوں نے جواب دیا۔

''نہیں''۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمیر کے لیے تقرر نامے کی تجدید کردو۔ مگر عمیر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں نہ آپ کے لیے کام کروں گا نہ ہی کسی اور کے لیے۔ کیونکہ واللہ میں بچ نہیں سکا اگرچہ میں نے جن ایام میں آپ کے ساتھ کام کیا ہے انہیں بد بخت نہیں بنایا (یعنی کوئی خیانت کا کام نہیں کیا) اس کے بعد حضرت عمیر بن سعد نے اجازت مانگی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دے دی۔

پھر حضرت عمر نے ان کے پیچھے حارث نامی ایک شخص کو بھیجا اوراسے سو دینار دیئے کہ عمیر بن سعد کے پاس جاؤ اوران کے پاس مہمان کی طرح ٹھہرو۔ اگرتم ان کے پاس نعمتوں (مالداری) کے آثار دیکھو تو واپس آ جانا اور اگر انہیں تنگدستی کے حال میں دیکھو تو یہ سو دینار انہیں دے دینا۔

چنانچہ حارث ان کے پیچھے گئے دیکھا کہ وہ گھر کی دیوار کے پہلو میں بیٹھے اپنی قمیض (سے جوئیں' مٹی کا غبار وغیرہ) صاف کررہے تھے۔ انہوں نے حضرت عمیر کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا اترو اللہ تم پر رحم کرے پھر پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟

حارث نے کہا ''مدینہ سے آ رہا ہوں۔''

عمیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔''امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا ہے۔''

حارث نے کہا۔''اچھے حال میں۔''

عمیر نے پوچھا۔ کہ کیا وہ حدود وغیرہ جاری نہیں کرتے؟

حارث نے کہا۔ کیوں نہیں۔ انہوں نے تو اپنے بیٹے کو غلط بات پر کوڑے مارے تھے جس سے اس کی وفات ہوگئی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔''اے اللہ عمر کو عزت عطا کر کیوں کہ میں صرف یہی جانتا ہوں کہ وہ تجھ سے شدید محبت کرتا ہے۔''

اس کے بعد حارث ان کے ہاں تین دن مہمان بن کر مقیم رہے۔ ان کے پاس صرف جو کی ایک بوری تھی۔ لہٰذا وہ حارث کو جو کی روٹی کھلاتے اور خود بھوکے رہتے

حتیٰ کہ بڑی مشکل ہوگئی۔ چنانچہ عمیر نے حارث کو کہا کہ تم نے ہمیں تکلیف میں ڈال دیا۔ اگر مناسب سمجھو تو کسی اور کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔ یہ دیکھ کر حارث نے سو دینار کی تھیلی نکالی اور ان کو دیکر بتایا کہ یہ امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجی تھی۔ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرو۔

عمیر پر کپکپی طاری ہوگئی وہ چیخے کہ یہ دنیار مجھ سے دور کرو مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو انہیں مصارف میں خرچ کردو۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس میں یہ دینار رکھوں تو ان کی بیوی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر ایک حصہ انہیں دیا چنانچہ عمیر باہر نکلے اور شہداء کے بچوں اور فقراء میں تقسیم کر کے واپس آ گئے اور حارث کو کہا کہ امیر المومنین کو میرا اسلام کہنا۔

حضرت عمر کے پاس حارث آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ تنگدستی کی حالت تھی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ انہوں نے دیناروں کا کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ پھر حضرت عمر نے عمیر کو خط لکھوایا کہ جب میرا خط تمہیں ملے تو فوراً چلے آؤ۔ خط ہاتھ سے رکھنے سے پہلے پہلے۔'' چنانچہ حضرت عمیر آ گئے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ تم نے دیناروں کا کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جو کیا سو کیا آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم مجھے بتاؤ تم نے کیا کیا؟ چنانچہ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے وہ دینار اپنے لیے آگے بھیج دیئے۔ (روز قیامت کے لیے بھجوادیئے)۔

حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دو کپڑے اور ایک اونٹ کھانے کے غلے کا انہیں دے دیا جائے۔ مگر عمیر نے دنیا سے بیزار لہجے میں کہا کہ کھانے کی چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے میرے گھر میں دو صاع جو موجود ہیں جب تک میں انہیں کھا چکوں گا اللہ تعالیٰ اور رزق عطا فرما دیگا۔ البتہ یہ دو کپڑے میں لوں گا کیونکہ میری بیوی کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ انہوں نے وہ دو کپڑے لیے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔ پھر زیادہ وقت نہ

گزرنے پایا کہ حضرت عمیر بن سعد کی وفات ہوگئی۔

ان کی وفات کا سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بڑا شاق گذرا آپ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور آنسو بہاتے پیدل نکل پڑے اور سیدھے بقیع الغرقد (مدینے کا ایک قبرستان) پہنچے حضرت عمیر کی قبر پر کھڑے ہوکر ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر اردگرد لوگوں سے بآواز بلند فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنی تمنا بیان کرے۔ کسی نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے پاس مال ہو اور میں اسے راہ خدا میں خرچ کروں۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

''میری تمنا یہ ہے کہ میرے پاس عمیر بن سعد جیسے بہت سے لوگ ہوں اور میں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں کام لوں۔ عمیر کی وفات دور فاروقی میں ۲۰ ہجری کے قریب ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

- ☆ میزان عدل میں جن کی پنڈلی احد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوگی۔
- ☆ شرک کے کانوں میں قرآن کی آواز جس نے سب سے پہلے ڈالی۔
- ☆ جس کا ایمان زبردست تھا وہن کو جانتا نہ تھا۔
- ☆ جو پہلے چھ افراد میں سے چھٹے انسان تھے جن کا دل ایمان سے روشناس ہوا۔
- ☆ اپنے کمزور جسم کو ہلاکتوں کے نوکیلے دانتوں کے نیچے ڈالنے والے صحابی۔

☆☆☆

یہ ہیں ام عبد کے صاحبزادے جو وحی کا سورج طلوع ہونے میں حاضر ہوئے جنہیں ہدایت اور نور لڑکپن میں عطا ہوئے۔ سابقین اولین میں اپنا مقام بنایا۔ چھٹے

انسان تھے جن کا دل ایمان سے منور ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے۔ شرک کے کانوں میں سب سے پہلے قرآن کی آواز ڈالی۔ اپنے سچے ایمان کے ذریعے قریش کی کبریائی کو شکست دی۔ سخت تکلیفیں جھیلیں، قریش کے کوڑوں نے انہیں گھیر لیا تھا چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے حکم پر دو ہجرتیں کیں۔ بدر اور دیگر معرکوں میں حاضر رہے۔

نبی کریم ﷺ کے رفیق و راز دار تھے۔ جب لوگوں کو منع کر دیا جاتا تھا تو یہ ان کے ہاں داخل ہو سکتے تھے۔ لوگوں میں رسول اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے'' میں اپنی امت کے لیے اس چیز سے راضی ہوں جس سے ام عبد کا بیٹا راضی ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۳۱۷)

حضرت ابن مسعود زہد کا ایک قلعہ اور علم کی ایک محراب تھے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے دنیا کو پرے دھکیل دیا تھا۔ اپنے نفس کے ساتھ مسلسل محنت کرتے رہے حتیٰ کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔

اقوال زریں

آپ کے بے شمار اقوال زریں ہیں جو اس عقل سے نکلے جو یقین سے پر تھی آپ کے یہ اقوال حکمت و دانائی سے بھرپور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چیز اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان پڑی ہو اگر اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت ہوگی تو وہ اسے شیطان سے بچالے گا اور اگر ضرورت نہ ہوگی تو شیطان کے لیے راستہ چھوڑ دیگا۔ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بچے تیرا گھر تجھے کافی ہونا چاہیے۔ (زیادہ تر گھر میں رہو) اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گناہ کو یاد کر کے رویا کرو۔

اور فرمایا۔ ''دنیا کا خالص پن ختم ہو گیا۔ گدلا پن باقی رہ گیا۔ اب ہر مسلمان کے لیے موت ہی ڈھال ہے۔''

☆ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے لیے علم ہونا کافی ہے اور دنیا سے دھوکہ کھانے کے لیے جاہل ہونا کافی ہے۔

☆ فرمایا کہ ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کے لیے مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ دنیا کے لیے جمع وہ شخص کرتا ہے جسے عقل نہ ہو

☆ فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو شخص صبح اسلام کے ساتھ کرے اور شام بھی اس حال میں کرے کہ مسلمان ہو تو اسے ملنے والی دنیا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

☆ فرمایا کہ اگر جہنمیوں سے وعدہ کیا جائے کہ ان کے لیے ایک دن عذاب میں تخفیف کی جائے گی تو وہ خوشی سے مر جائیں۔

☆ جو شخص دنیا میں صبح کرتا ہے تو وہ مہمان ہی ہوتا ہے اور اس کا مال عاریت۔ حقیقت یہ ہے کہ مہمان جانے کے لیے آتا ہے۔ اور عاریت واپس کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

زہد اور دین کے بارے میں ان کے جوامع الحکم

سب سے سچی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ (۲) سب سے مضبوط جڑ کلمہ تقویٰ کی ہے۔ (۳) بہترین ملت' ملت ابراہیمی ہے۔ (۴) بہترین سنت سنت محمدی ﷺ ہے۔ (۵) بہترین راستہ انبیاء کا راستہ ہے۔ (۶) سب سے عزت والی بات اللہ کا ذکر ہے۔ (۷) بہترین قصے قرآن کریم ہے۔ (۸) بہترین کام وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ (۹) بدترین کام بدعت ایجاد کرنا ہے۔ (۱۰) جو کم ہو اور کافی ہو جائے اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈال دے۔ (۱۱) بدترین ملامت موت کے وقت کی ملامت ہے۔ (۱۲) بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ (۱۳) بدترین گمراہی ہدایت

کے بعد گمراہ ہونا ہے۔ (۱۴) بہترین مالداری نفس کی مالداری ہے۔ (۱۵) بہترین توشہ تقویٰ ہے (۱۶) جو دل میں آنے والی بہترین بات یقین ہے (۱۷) شک کفر میں سے ہے (۱۸) بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے (۱۹) شراب گناہوں کو جمع کرنے والی ہے (۲۰) عورتیں شیطان کا پھندا ہیں (۲۱) جوانی جنون کا ایک حصہ ہے۔ (۲۲) نوحہ کرنا جاہلیت کا عمل ہے۔ (۲۳) بعض جمعہ میں پیچھے جانے کے لیے آتے ہیں۔ (۲۴) بعض اللہ کا ذکر اسے چھوڑنے کی طرح کرتے ہیں۔ (۲۵) جھوٹ سب سے بڑا گناہ ہے۔ (۲۶) مومن کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (۲۷) مومن کے مال کی حرمت اس کی جان کی طرح ہے۔ (۲۸) جو کسی سے درگزر کرے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے گا۔ (۲۹) جو غصہ کو دبائے اللہ اسے اجر دے گا۔ (۳۰) جو کسی کو معاف کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا۔ (۳۱) جو کسی مصیبت پر صبر کرے اللہ اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔ (۳۲) بدترین کمانے والا سود کمانے والا ہے۔ (۳۳) کھانے کی بدترین چیز یتیم کا مال ہے۔ (۳۴) وہ شخص خوش بخت ہے جسے دوسرے کے ذریعے نصیحت حاصل ہو۔ (۳۵) بد بخت وہ شخص ہے جو ماں کے پیٹ میں بد بخت ہو جائے۔ (۳۶) تم میں سے ہر ایک کے لیے اتنا کافی ہے جس پر اس کا نفس قناعت کرے۔ (۳۷) ہر معاملہ آخرت کی طرف (لوٹایا جاتا) ہے۔ (۳۸) ہر عمل کا سرمایہ اس کا انجام (آخر) ہے۔ (۳۹) بدترین خواب جھوٹے خواب ہیں (۴۰) سب سے زیادہ عزت کی موت شہداء کا قتل ہے۔ (۴۱) جو مصیبت کو جانتا ہے اس پر صبر کرتا ہے۔ (۴۲) جو مصیبت کو نہیں جانتا وہ انکار کرتا ہے۔ (۴۳) جو تکبر کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے (۴۴) جو دنیا کے پیچھے پڑ جائے وہ اس کو عاجز کر دیتی ہے۔ (۴۵) جو شیطان کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (۴۶) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سزا دے گا۔

اسلام لانے کا واقعہ

ان کا سینہ صاف ستھری فطرت پر مشتمل تھا اور پاک روح شفافیت کے سمندر

میں تیرتی تھی۔ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں جب پہلی مرتبہ حق کا نور ان کی آنکھوں نے دیکھا۔

''میں قریب البلوغ لڑکا تھا اور عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتا تھا ایک دن نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا۔ اے لڑکے کیا تمہارے پاس ہمیں پلانے کے لیے دودھ ہے۔ میں نے کہا یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں اور میں آپ کو نہیں پلاؤں گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی ایک سالہ بکری ہے جس کا ابھی نر بکرے سے واسطہ نہ پڑا ہو؟ میں نے کہا جی ہاں ہے۔ پھر میں وہ بکری ان کے پاس لے آیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور رب تعالیٰ سے دعا فرمائی چنانچہ تھن دودھ سے بھر گئے۔ پہلے نبی کریم ﷺ نے دودھ نکال کر پیا پھر حضرت ابوبکر نے پیا اور پھر میں نے پیا۔ پھر آپ ﷺ نے تھن کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''دودھ خشک کر'' ''دودھ خشک کر'' چنانچہ دودھ خشک ہو گیا۔

یہ دیکھ کر میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کلمات مجھے بھی سکھا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم تو سیکھے سکھائے لڑکے ہو۔'' بس اس دن سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا دل نبی کریم ﷺ کی محبت اور ادب سے معمور ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ کے تذکرے پر رونا

علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعرات کی رات کو لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے بھی انہیں سنا وہ فرما رہے تھے کہ ''رسول اکرم ﷺ نے کئی بار فرمایا۔ علقمہ کہتے ہیں ٹھیک اسی وقت میں نے دیکھا کہ حضرت ابن مسعود لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ان الفاظ پر ان کی لاٹھی کپکپانے اور تھرتھرانے لگی۔ (یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر نبی سے رونے کی کیفیت میں آ گئے۔ اس کی شدت سے ان کے ہاتھ کپکپائے تو لاٹھی بھی ہلنے لگی)۔

زہد وخشیت کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعود بیمار ہو گئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے پوچھا کہ کیا محسوس کر رہے ہو؟ جواب دیا ''اپنے گناہ'' حضرت عثمان نے پوچھا۔ کس چیز کا دل چاہ رہا ہے؟ جواب دیا میرے رب کی رحمت اور اس کی رضا کو۔ حضرت عثمان نے پوچھا کسی اچھے طبیب کا انتظام کیا جائے؟ جواب دیا کہ طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ حضرت عثمان نے پوچھا کچھ رقم وغیرہ کا انتظام کروں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

وفات کے وقت آپ رونے لگے۔ کسی نے کہا۔ آپ رو رہے ہیں؟ حالانکہ آپ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ'' کیوں نہ روؤں؟ میں اس چیز پر سوار ہوا جس کا آپ مجھے منع فرماتے تھے۔ اور جو حکم دیا اس کو میں نے چھوڑا۔ دنیا اپنے حال پر چلی جائے گی اور اعمال لوگوں کی گردنوں کے ہار بن کر باقی رہ جائیں گے۔ اگر نیک ہوئے تو معاملہ نیک ہوگا۔ برے ہوئے تو معاملہ بھی برا ہوگا۔

وفات

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ۳۲ ہجری تھا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

☆ اس نے اپنے دل سے ایک گھر بنایا جس کی روشنی اللہ تعالیٰ کا ذکر تھی۔
☆ بعثت نبوی سے پہلے رب کے لیے نماز پڑھنے والے شخص۔
☆ جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد دیکھنا ہو اسے چاہیے کہ حضرت ابوذر کو دیکھے۔
☆ انہوں نے گھر نہیں بنایا جس کے برباد ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے۔
☆ جس نے اپنے الفاظ سے زہد کے شعار کو پگھلا دیا تھا۔ جس کا ضمیر قناعت کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

☆☆☆

تقویٰ علم اور عمل کی اصل، صحابہ کے گلدستے کا پھول، یہ ہیں حضرت جندب بن جنادہ الغفاری المعروف ابوذر غفاری، نبی کریم ﷺ کے ابتدائی معزز ساتھی، قدیم مسلمان، رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی۔ اسلام لائے اور بدر و احد تک اپنی قوم میں مقیم رہے۔ زندگی بڑی خالص گزاری سچائی میں ضرب المثل، سلام اسلام پہلی مرتبہ نبی کریم کو پیش کرنے والے ان کا قبیلہ ان کے ہاتھوں پر اسلام لایا۔ راست گو انسان تھے۔ باطل سے بغاوت کرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد شام کے دیہاتی علاقے کی جانب ہجرت کر گئے۔ پھر دمشق میں رہائش پذیر ہوئے۔

نیک معزز انسان تھے کم یا زیادہ مال سے رنجیدہ نہیں ہوتے تھے۔ فقراء کو مالداروں کے اموال میں شرکت کی دعوت دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (گورنر شام) نے امیر المومنین حضرت عثمان سے شکایت کر دی چنانچہ انہوں نے انہیں مدینے

بلوالیا اور پھر مدینہ کے قریب ربذہ نامی جگہ میں تادم وفات مقیم رہے۔

حضرت ابوذر کو خراج تحسین

نبی کریم ﷺ نے ان کی فضیلت میں ارشاد فرمایا۔ ''زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچا انسان کوئی نہیں ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔'' کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ ابوذر علم سے بھرا ظرف ہے۔

واعظ حق گو

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے ایک منبر بنایا تھا جس سے وہ فتنوں کے اندھیروں کو دور کیا کرتے تھے اور آخرت یاد دلایا کرتے تھے۔ وہ لوگوں میں آواز لگاتے پھرتے کہ

میں تمہارا خیر خواہ ہوں تم پر شفیق ہوں' رات کی تاریکی میں قبر کی وحشت کے لیے نماز پڑھا کرو۔ اور دنیا میں یوم حشر کی گرمی کے لیے روزے رکھا کرو' اور سخت دن کے خوف سے صدقہ کیا کرو۔

حضرت ابوذر نے اپنے نفس کا یوں احاطہ کیا ہوا تھا جیسے کلائی کا کنگن سے احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اپنے نفس کو ڈانٹتے رہتے اور یہ کہہ کر اسے خوف دلاتے رہتے کہ۔

''کاش میں درخت ہوتا لوگ مجھ سے ٹیک لگاتے' کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔''

ان کا وجدان حرکت میں رہتا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سکیڑ لیے تھے اور رات

کی تاریکیوں میں ذکر الٰہی میں مگن رہتے۔ دن اپنا روزے میں گزارتے۔ دنیا ان پر خواہشات کے تیروں اور دھوکے کی اشیاء درہم اور دیناروں سے حملے کرتی مگر وہ ہمیشہ اس کا مقابلہ اپنی عرق آلود پیشانی سے فرماتے۔

زہد کی حالت

دوپہر کے وقت امیر شام حبیب بن مسلمہ نے حضرت ابوذر کو تین سو دینار بھیجے اور کہلوایا کہ انہیں اپنی ضرورتوں میں خرچ کر لیں۔ حضرت ابوذر نے قاصد کو کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ یا کہا اسے ہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر غیرت کھانے والا نہیں ملا؟ اللہ کی قسم ہمارے لیے یہ سایہ بہت ہے جس کے پیچھے ہم چھپے رہتے ہیں اور بکریوں کا گلہ ہمارے پاس آجاتا ہے ہماری یہ خادمہ اپنی خدمات ہمیں صدقہ کرتی رہتی ہے اور چادر ہمارے لباس سے زائد موجود ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ فاضل زائد مال پر میرا حساب نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو درداء کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ گھر بنوا رہے ہیں اور لوگوں کی گردنوں پر چٹانی پتھر اٹھوا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوذر نے ان سے فرمایا۔ ''کیا تم گھر بنا رہے ہو؟ جس کی خرابی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے۔ اگر میں تمہارے پاس سے گزرتا اور تم گندگی میں لتھڑے ہوتے تو وہ منظر میرے لیے اس منظر سے زیادہ پسندیدہ ہوتا جو میں دیکھ رہا ہوں۔

سرکاری عہدوں سے بیزاری

کافی عرصے کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے پرانے دوست حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ تو شاید دیکھ نہ سکے۔ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے اپنی بانہیں پھیلا دیں اور خوشی سے پکارے مرحبا اے ابوذرؓ مرحبا میرے بھائی۔ لیکن حضرت ابوذر نے انہیں خود سے دور کیا اور جھڑک کر بولے ''میں تمہارا بھائی

نہیں ہوں۔ میں تو اس وقت تک تمہارا بھائی تھا جب تک تم والی اور امیر (گورنر) نہیں بنے تھے۔

ایک دن ایک شخص ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ اے ابوذر یہ کیا بات ہے کہ آپ جب لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں وہ آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں؟ تو حضرت ابوذر نے فرمایا ''اس لیے کہ میں انہیں خزانے جمع کرنے سے منع کرتا ہوں۔''

ایک مرتبہ ام ذر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے طرز زندگی پر کچھ کہا سنا اور یہ تو وہ تنگدست تھے کہ ان پر خیمہ لگاتے تھے تو فرمانے لگے۔ اے ام ذر ہمارے سامنے ایک کٹھن گھاٹی ہے جو ہلکا ہوگا وہ بھاری سے زیادہ آسانی سے گزر جائے گا۔

کسی نے حضرت ابوذر سے عرض کیا کہ آپ فلاں فلاں لوگوں کی طرح کوئی زمین وغیرہ کیوں نہیں بنا لیتے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں اس سے کیا کروں گا کہ میں گورنر بن جاؤں؟ میرے لیے تو پورے دن میں ایک گلاس پانی یا دودھ کافی ہے اور ایک سے دوسرے جمعے تک ایک قفیز گندم کافی ہے۔

ایک دن لوگوں کو نصیحت فرماتے ہوئے خزانے جمع کرنے سے منع فرما رہے تھے تو فرمایا۔ ''تم میں سے کسی کے پاس ایک دینار بھی رات گزارنے نہ پائے نہ درہم نہ سونا چاندی الا یہ کہ کوئی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرنے یا کسی مقروض کو دینے کے لیے رکھی ہو۔ یہ فرما کر آپ واپس چلے گئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا امتحان لینا چاہا تو ایک شخص کو ایک ہزار دینار دے کر رات کی تاریکی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا' حضرت ابوذر نے رات ہی کو وہ دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر فجر کی نماز کے فوراً بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ جا کر ابوذر سے کہو کہ میرے جسم کو حضرت معاویہ کی سزا سے بچائیے میں غلطی سے آپ کو دینار دے گیا تھا۔'' اس شخص نے جا کر یہی کہا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہو

کہ ابوذر نے آپ سے کہا ہے کہ واللہ ان دیناروں نے ہمارے پاس صبح نہیں دیکھی۔ لیکن ہمیں تین دن کی مہلت دیدیں تاکہ ہم آپ کے دینار جمع کرسکیں۔

واقعہ وفات

جلد ہی حضرت ابوذر کو موت نے آ گھیرا' وفات کا وقت قریب آیا تو اہلیہ رونے لگیں تو آپ نے گھٹی گھٹی سی آواز میں فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے رو رہی ہوں کہ مجھے آپ کی تکفین کے لیے کچھ میسر نہیں ہے۔ آپ کے کپڑوں میں اتنے کپڑے نہیں جو کفن بن سکیں۔ یہ سن کر آپ نے ایمان کے ساتھ فرمایا۔ ''مت رو اس لیے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ایک جماعت سے یہ فرماتے سنا تھا کہ تم میں سے ایک شخص ویرانے میں انتقال کریگا اور اس کے جنازے میں مومنوں کی ایک جماعت حاضر ہوگی۔'' چنانچہ اس جماعت میں سے ہر شخص کا اپنے لوگوں یا شہر میں انتقال ہوا اور میں ہی ویرانے میں انتقال کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم نہ تو نبی کریم ﷺ نے جھوٹ کہا نہ میں کہتا ہوں۔ جاؤ راستہ کو دیکھو۔ بہرحال وہ اس ٹیلے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو جاتی پھر راستہ دیکھتیں اور دوبارہ آ کر ان کی تیمارداری کرتیں۔ اسی دوران ایک قافلہ نظر آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک مسلمان شخص انتقال کر رہا ہے۔ اس کو کفن تم لوگ دو گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ۔ یہ سننے کے بعد وہ لوگ بھاگم بھاگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے دیکھا کہ وہ آخری سانسیں لے رہے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر میرے یا میری اہلیہ کے پاس کوئی کپڑا جو میرے کفن کے لیے کافی ہوتا تو میں اپنے ہی کپڑے میں کفن کرواتا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھے وہ شخص کفن دے جو نہ امیر ہو' نہ عریب (معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا) نہ نقیب ہو (نمبردار) اور نہ برید (ڈاکیا) وغیرہ ہو۔ اس قافلہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان صفات سے خالی ہوتا۔ صرف ایک

انصاری نوجوان لڑکا ایسا نکلا۔ اس نے کہا۔

چچا جان! میں آپ کو کفن دوں گا۔ میں ان عہدوں میں سے کسی چیز کا حامل نہیں ہوں۔ میں آپ کو اپنی اس چادر میں جو میں نے پہنی ہوئی ہے اور دو ان کپڑوں میں جو میری والدہ نے خود میرے لیے بنے تھے۔ (سوت کات کر بنائے تھے) چنانچہ حضرت ابوذر کو اس نوجوان انصاری لڑکے نے کفن دیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۲ عیسوی)

☆ جن کا دنیا میں گزارے کا سامان مسافر کے توشے کے برابر تھا۔
☆ اپنے نفس پر محنت کرتے رہے حتیٰ کہ اس کا تزکیہ کر دیا۔
☆ ایسا شخص جس پر سختیاں آتیں تو اور نکھر جاتا۔
☆ ہتھیلی اور انگلیوں سے مال کی سخاوت کرنے والا۔

☆☆☆

اپنے رب کے سامنے تواضع کے لیے فقر سے محبت کی۔ تقوے کے قصوں سے خواہشات کا دروازہ بند کر دیا۔ جب گفتگو کرتے تو سننے والوں کی آنکھیں آنسوؤں سے چمکنے لگتیں۔ حکمت کی روشنی' ایمان کا سرچشمہ' قراء کے سردار' یہ ہیں حضرت عویمر بن مالک انصاری خزرجی جو بڑے دانشور تھے۔ بدر کے دن اسلام لائے اور بہادری اور عبادت گزاری میں مشہور ہوئے۔

یہ مدینے کے بڑے تاجر تھے۔ پھر انہوں نے عبادت اور تجارت دونوں کو ساتھ چلانے کی کوشش کی مگر ایسا کر نہ سکے تو عبادت میں لگ گئے اور تجارت چھوڑ دی۔

عہد نبوی ﷺ میں قرآن کریم کو جمع کرنے والے افراد میں شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت معاویہ نے دمشق میں قاضی مقرر فرمایا۔ بڑے

دانا شخص تھے ان کی دانائی نے اسلام میں انہیں برگزیدہ بنا دیا تھا۔ دنیا ان کے ہاتھوں میں عاریت تھی۔ ایک دن دنیا کی بے قدری بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ۔

واللہ! اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو فرعون کو پانی کا ایک گھونٹ بھی دنیا میں نصیب نہ ہوتا۔

ان کے الفاظ دلوں سے گناہوں کا میل کچیل دھو دیتے تھے۔ دنیا ان کے سامنے مزین ہو کر (بناؤ سنگھار کر کے) آئی مگر آپ نے زہد عبادت اور تقویٰ کا خوگر ہو کر اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ حکمت آپ کے لبوں پر جھلملاتی رہتی تھی۔

آپ زمین پر نصیحت اور دانائی کی باتیں پھیلاتے اپنے ساتھیوں کے مابین گھومتے رہتے اور وہ پیغام پہنچاتے رہتے جو آپ نے اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھے تھے۔ جب بھی آپ کوئی مجمع دیکھتے ان کی طرف جاتے اور اپنی آواز ان تک پہنچاتے ہوئے یہ اعلان فرماتے۔

''اللہ تعالیٰ کی ایسے عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ خود کو مُردوں میں شمار کرو' مظلوم کی بددعا سے بچو اور جان لو کہ بے پرواہ کرنے والی کم چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈال دے نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی اور گناہ کبھی نہیں بھولتا۔

وہ لوگوں کو مال جمع کرنے سے ڈراتے اور فرماتے کہ

مال والے لوگ کھانا کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں' وہ پہنتے ہیں ہم بھی پہنتے ہیں وہ سوار ہوتے ہیں ہم بھی سوار ہوتے ہیں۔ اور ان کے زائد اموال کو وہ دیکھتے ہیں تو ہم بھی ان کے ساتھ ان کا مال دیکھتے ہیں اس زائد مال کا حساب ان پر ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

حضرت ابو درداء نے دنیا میں زندہ رہنے کا فلسفہ رضا ہمیں سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں زندہ رہنے کو پسند نہیں کرتا۔ تپتی دھوپ میں (روزے سے) پیاس کی شدت۔ رات میں سجدہ کرنا' اور ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو

اچھی باتیں یوں چنتے ہیں جیسے اچھی کھجوریں چنی جاتی ہیں۔''

حضرت ابو درداء نے لوگوں سے مختلف شخصیت بنائی تھی۔ وہ ایسا سونا تھے جسے سختیاں سوائے نکھارنے کے کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ وہ فرماتے کہ میں تین چیزوں کو پسند کرتا ہوں اور عام لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ (۱) فقر (۲) بیماری (۳) موت۔ فقر کو تو میں اپنے رب کے سامنے تواضع کے لیے پسند کرتا ہوں اور بیماری کو گناہوں کا کفارہ ہونے کی وجہ سے اور موت کو اپنے رب سے ملنے کے شوق میں پسند کرتا ہوں۔

ایک دن بیٹھے لوگوں کے احوال اور دنیا پرستی میں غور وفکر کر رہے تھے۔ پھر اپنے سر کو جھٹکا تاکہ یہ خیالات ذہن سے نکل جائیں اور زبان کو استغفار کرتے ہوئے حرکت دی۔ فرمایا میں دل کے ٹکڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' کسی نے پوچھا۔ اے ابو درداء دل کے ٹکڑے ہونے کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا یہ کہ میرے لیے ہر جگہ ہر وادی میں مال بھر دیا جائے۔ (اس سے دل کا بکھرنا مراد ہے کہ دل مختلف جگہوں میں اٹکا ہوا ہو)۔

حضرت ابو درداءؓ کو اپنے گناہوں کا شدید خوف لگا رہتا تھا۔ بہت زیادہ روتے تھے حتیٰ کہ آنکھ میں تکلیف ہوگئی اور آنکھ کی روشنی ختم ہوگئی۔ عیادت کرنے والوں میں سے کسی نے کہا (جو کہ ان کی نیکی اور اللہ تعالیٰ سے قرب کو جانتے تھے) کہ اگر آپ دعا کریں تو آپ کی بینائی لوٹ آئے گی۔ مگر ان کا دل صبر کی لذت سے بھرا ہوا تھا۔ فرمانے لگے۔ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود میں اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا سے فارغ نہیں ہوسکا۔ تو اب آنکھ کی بینائی کے لیے کیسے دعا کروں؟۔

حضرت ابو درداءؓ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے دین کے لیے گزاری۔ ان کی عقل، فکر، علم اور دانائی سے بھری تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کرنے کو طویل قیام سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ فرماتے ''ایک گھڑی کا تدبر و تفکر پوری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی نعمتوں میں غور وفکر کرتے اور وجود کی حکمت پر غور کرتے ہوئے کی۔

حضرت ام درداء سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء کا افضل ترین عمل کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ غور وفکر کرنا اور عبرت حاصل کرنا۔

علم وعمل سے محبت

حضرت ابو درداء علم اور عمل سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ صحابہ کرام فرماتے کہ علم وعمل میں ہم میں سب سے زیادہ پکے اور اتباع کرنے والے ابو درداء ہیں۔ خود ابو درداء فرماتے کہ علم حاصل کرو اگر نہ کرسکو تو اہل علم سے محبت کرو اور اگر محبت نہیں کرسکتے تو ان سے بغض مت رکھو۔ اور فرمایا۔ ''جو شخص نہیں جانتا اس کے لیے ایک مرتبہ ہلاکت ہے اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔''

ان کے دل میں شفافیت ایمان اور اخلاص کی سچائی ڈال دی گئی تھی وہ دنیا کو صرف آخرت کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابو درداء ان علماء میں سے ہیں کہ جن کے اخلاص کی برکت سے بیماری سے شفا ہو جاتی ہے۔ ابو درداء کے زہد اور خوف کا یہ حال تھا کہ جب دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کر چکتے اور وہ واپس چلے جاتے تو پھر سے ان کو آواز دیکر بلاتے اور پوچھتے کہ تمہارا مسئلہ کیا تھا؟ چنانچہ دوبارہ سن کر پھر فیصلہ فرماتے۔

کسی وقت ذکر وتسبیح سے فارغ نہ بیٹھتے کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ دن میں کتنی تسبیح پڑھ لیتے ہیں۔ جواب دیا ایک لاکھ الا یہ کہ گنتی میں کوئی رہ جاتی ہو۔ اتنا فرما کر پھر سے تسبیح پڑھنے لگے۔

جب حضرت ابو درداء دمشق گئے تو وہاں لوگوں کو اونچی اونچی عمارتیں بناتے اور مال جمع کرنے پر مائل دیکھا تو سڑکوں پر نکل گئے اور لوگوں کو پکارا۔ اے دمشق والو اپنے ایک خیر خواہ بھائی کی بات غور سے سنو۔'' چنانچہ لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ ''میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں تم لوگ وہ عمارتیں بنا رہے ہو جس میں رہو گے نہیں

اور وہ کچھ جمع کر رہے ہو جو کھاؤ گے نہیں۔ اور اس کی امید کر رہے ہو جو حاصل نہ کرسکو گے۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے خوب عمارتیں بنائیں دور کی امیدیں باندھیں اور خوب سارا مال جمع کیا۔ چنانچہ ان کی امیدیں دھوکہ بن گئیں جمع کردہ مال بھوسہ اور عمارتیں و مکانات قبریں بن گئے۔''

ابو درداء رضی اللہ عنہ کے گھر کا حال

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام گئے اور وہاں بھی رعیت کے احوال معلوم کرنے لگے اور اپنے ساتھیوں صحابہ کے حال کو دیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ ابو درداء کے مکان پر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ''السلام علیکم'' آواز آئی۔ ''وعلیکم السلام'' کون؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''کیا میں اندر آجاؤں۔'' ابو درداء انہیں پہچانے نہیں۔ فرمایا۔ ''آجایئے۔'' حضرت عمر نے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ دیکھا کہ دروازے میں کنڈی تھی ہی نہیں جس سے دروازہ بند کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر دیکھا تو گھر میں اندھیرا تھا۔ چراغ نہیں تھا۔ لہٰذا زمین ٹٹولتے ہوئے حضرت ابو درداء کے قریب پہنچ گئے اور بیٹھ گئے۔ بچھونے کو ٹٹولا تو وہ زمین تھی اور تکیہ ٹٹولا تو وہ اونٹ کی کمر پر رکھنے والا کپڑا تھا۔ اوڑھنے کا کپڑا ٹٹولا تو وہ ایک پتلی سی چادر تھی۔ اتنے میں حضرت ابو درداء نے پوچھا کون ہے۔ امیر المومنین ہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ ''ہاں'' پھر فرمایا اللہ رحم کرے۔ تم پر کچھ وسعت کردوں؟ حضرت ابو درداء نے زاہدین کی ثابت قدمی سے جواب دیا۔ ''اے عمر کیا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمائی تھی؟ حضرت عمر نے پوچھا کون سی حدیث؟ حضرت ابو درداء نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''تم میں سے ہر ایک کے گزارے کا سامان مسافر کے توشہ سفر کے برابر ہونا چاہیے۔'' حضرت عمر نے فرمایا ''ہاں یاد ہے''۔ حضرت ابو درداء نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔ ''اے عمر ہم نے ان کے بعد کیا کیا؟ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء دونوں

روتے رہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہوگئی۔

حضرت ابودرداء بستر پر دراز تھے۔ حدیر سلمی عیادت کے لیے آئے تو دیکھا کہ وہ اونی جبہ پہنے لیٹے ہوئے ہیں اور پسینے میں شرابور ہیں۔ حدیر نے کہا۔ اے ابو درداء آپ کو کس نے روکا ہے کہ آپ ان کپڑوں کو نہ پہنیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیئے ہیں اور اس سے نرم بچھونا استعمال کریں۔ حضرت ابو درداء نے نقاہت کے ساتھ مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ہمارا ایک گھر (دار آخرت) ہے ہم اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور وہیں ہمیں جانا ہے اور ہلکے بوجھ والا بھاری بوجھ والے سے بہتر ہے۔

خوف خدا کا حال

جب وفات ہونے لگی تو آپ رو پڑے۔ یہ دیکھ کر ام درداء نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی! آپ رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں رو رہا ہوں۔ اور کیوں نہ روؤں؟ مجھے نہیں معلوم کہ میرے کتنے گناہ آگے پہنچ چکے۔ پھر اور رونے لگے اور فرمایا سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب میں رب تعالیٰ سے ملوں تو وہ کہیں یہ نہ فرمائے کہ مجھے سب پتہ ہے (جو جو اعمال تم نے کیے) تو اس وقت میں کیا کروں گا؟

پھر اپنے بیٹے اور بیوی کی طرف ناصحانہ نظروں سے دیکھا اور فرمایا۔ اے ام درداءؓ میرے اس مرنے کی طرح (موت) کے لیے عمل کرنا (پھر بیٹے کو کہا) میرے بیٹے اپنے باپ کی موت کی طرح موت کے لیے عمل کرنا۔

وفات

اس کے بعد کلمہ شہادت کا ورد کرتے رہے بار بار بے ہوش ہوتے اسی حال میں وفات ہوگئی۔ ان کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرگئی۔ شام میں ۳۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر بہتر سال تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ﴾

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

☆ جس نے اپنی روح کو نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بدلے بیچ دیا تھا۔

☆ جو زمین پر چلتا پھرتا شہید تھا۔

☆ جس نے اپنا سارا کا سارا مال صدقہ کر دیا۔

☆☆☆

تاریخ نے اس کا جنم دن اس روز لکھا جب اس نے نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کیا۔ اس کے اسلام لانے کی بازگشت ایسی بجلی کی کڑک تھی جس نے شرک کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ ہیں طلحۃ الخیر جو ان پہلے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ایمان کی خوشبو سونگھی وہ اپنے شوق کے پروں سے نور کے اترنے کی جگہ اڑ کر گئے اس مبارک جماعت میں شامل تھے۔ جسے اسلام نے سنوارا اور منتخب کیا۔

عشرہ مبشرہ میں سے ایک' چھ افراد کی شوریٰ کے ایک ممبر' ان لوگوں میں شامل جن سے رسول اکرم ﷺ راضی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ قریش کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔ ایمان کی آواز ان کے دل میں نقارے کی آواز سے بھی بلند تھی۔ باوجود اپنی دولت اور مرتبے کے انہوں نے تکلیف سہنے والوں کا کردار اختیار کیا۔

وہ ایک کچھار کے شیر کی طرح نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ ان کے دو ہاتھ تھے ایک ہاتھ سے وہ تلوار چلاتے اور دوسرے سے نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے موت کو انتہائی قریب سے دیکھا مگر خوفزدہ نہیں ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ ''جسے خواہش ہو کہ وہ زمین پر چلتے پھرتے کسی شہید کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ طلحہ کو دیکھے۔ (ترمذی: ۳۷۴۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''طلحہ نے واجب کر لی'' یعنی اپنے اوپر جنت

واجب کر لی۔

سخاوت و زہد

بڑے سخی انسان تھے۔ مال ان کے پاس ہوتا تو دل کو تکلیف دیتا تھا۔ اپنا مال خرچ کرتے اور مسکینوں کے دل کو خوش فرماتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغیر سائل کے مانگے طلحہ کی طرح خوب زیادہ عطا کرنے والا شخص نہیں دیکھا۔

حضر موت سے حضرت طلحہ کے پاس سات لاکھ درہم آئے۔ رات کو چڑیا کی طرح بڑے بے چین رہے۔ تو یہ کیفیت دیکھ کر ان کی زوجہ ام کلثوم (جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں) نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے سہمے سے لہجے میں فرمایا آج رات میں نے غور وفکر کیا تو میں نے کہا کہ اس شخص کا گمان اپنے رب کے ساتھ کیسا ہوگا جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کے گھر میں اتنا مال رکھا ہو۔ ام کلثوم نے کہا کہ جب صبح ہو تو برتن اور تھالیاں منگا کر (ان میں رکھ کر) تقسیم کر دینا۔ یہ سن کر حضرت طلحہ نے فرمایا۔ اللہ تم پر رحمت کرے تم ایک موفق باپ کی موفق بیٹی ہو (اچھی بات کہنے اور اچھی رائے دینے والے جس سے دوسرے کو سمجھ آ جائے)۔ چنانچہ حضرت طلحہ نے صبح تھالیاں اور پیالہ منگوائے اور مہاجرین وانصار میں یہ درہم تقسیم کر دیئے۔

پھر انہیں ان کی زوجہ نے کہا۔ اے ابو محمدؒ کیا اس مال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے؟ تو حضرت طلحہ بولے کہ پھر تم نے آج پورے دن میں کیوں نہیں کہا؟ لو یہ باقی درہم رکھ لو۔ یہ کہہ کر تھیلی نکال کر انہیں دی تو اس میں مشکل سے ایک ہزار درہم بچے ہوں گے۔

ایک اعرابی نے آ کر حضرت طلحہ سے کچھ مانگا اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ تو حضرت طلحہ نے فرمایا کہ تم نے وہ واسطہ دیا ہے کہ آج تک کسی نے یہ واسطہ دے کر مجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ میری ایک زمین ہے جس کے بدلے حضرت عثمان تین لاکھ درہم

دے رہے ہیں۔ لیکن میں نے ابھی تک بیچی نہیں ہے جاؤ وہ زمین لے لو۔ لیکن اگر تم چاہوتو میں عثمان کو زمین بیچ کر رقم تمہیں دے دوں اگر چاہوتو زمین ہی رکھ لو۔'' بہر حال حضرت طلحہ نے زمین بیچ کر اس کی قیمت میں ملنے والی رقم اس سائل کو دیدی۔

دونوں ہاتھوں سے اللہ کے راستے میں لٹانے والا

حضرت طلحہ کی ایک زوجہ محترمہ حضرت سعدیٰ بنت عوف مریہ کہتی ہیں کہ میں ایک دن حضرت طلحہ کے پاس آئی تو دیکھا کہ بڑے غم وفکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ کیا میری کسی بات نے آپ کو غمگین کر دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں واللہ تم تو بہت اچھی بیوی ہو۔ لیکن میرے پاس رقم ہے اس نے پریشان کر رکھا ہے۔ سعدیٰ نے کہا کہ غم کس بات کا؟ اپنی قوم کو یہ رقم بانٹ دو۔'' یہ سنتے ہی حضرت طلحہ نے آواز لگائی۔ اے لڑکے میرے پاس میری قوم کو بلا کر لے آؤ۔ چنانچہ انہوں نے قوم والوں کو مال تقسیم کر دیا۔ سعدیٰ کہتی ہیں کہ میں نے حساب رکھنے والے سے پوچھا کہ انہوں نے اپنی قوم کو کتنی رقم دی تو غلام نے جواب دیا کہ چار لاکھ۔

حضرت طلحہ تاجر تھے۔ انہوں نے بنو تمیم کا کوئی بے سہارا شخص نہیں چھوڑا جس کی امداد (کر کے اسے غنی) نہ کیا ہو۔ اس کا قرض نہ اتارا ہو۔ وہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہر سال دس ہزار درہم بھجوایا کرتے تھے۔ اور ایک دن ایک لاکھ درہم صدقہ کیے۔

شہادت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے دن شہید ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف تھے۔ بصرہ میں ۳۶ ہجری میں تدفین ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال تھی۔ ان کی قبر بصرہ کی نمایاں جگہ میں ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

☆ سلمان ہم سے ہیں گھر کے آدمی ہیں۔(الحدیث)
☆ وہ شخص جسے تاریخ نے اسلام کی محراب سے جنم دیا۔
☆ جس نے تورات اور انجیل سے حقیقت تلاش کی اور پھر اسے اسلام میں پایا۔
☆ ایسا شخص جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے چراغ سے منور کر دیا تھا۔

☆☆☆

یہ اپنے آپ کو سلمان الاسلام کہتے۔ پہلے اصبہان کی مجوسی قوم سے تعلق تھا۔ ''جبان'' نامی قصبے میں پلے بڑھے پھر شام چلے گئے۔ پھر موصل، پھر نصیبین، پھر عموریہ گئے اور فارسی مذہب اور یہود و نصاریٰ کی کتب پڑھیں پھر جب آخری نبی کی آمد کے بارے میں سنا کہ وہ جزیرہ عرب میں آنے والا ہے تو بلاد عرب کا رخ کر لیا۔ راستے میں نبو کلب کا قافلہ ملا۔ ان سے کچھ خدمت لی اور پھر زبردستی غلام بنا کر بیچ دیا ان سے بنو قریظہ کے ایک یہودی نے خرید لیا اور مدینہ لے آیا۔

پھر جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آمد کی خبر سنی تو آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور علامات نبوت دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کے قدموں میں گر کر رونے لگے۔ پھر اسلام لے آئے مگر اسلام لانے کو خفیہ رکھا اور اسلام کے ذریعے آزادی حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے آقا نے غزوہ بدر اور احد میں انہیں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی مدد کی تاکہ یہ خود کو آزاد کرالیں۔ (نبی کریم ﷺ نے بالآخران کے باغ میں کھجور بو کر انہیں آزادی دلانے میں اصل کردار ادا کیا تھا۔)

انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کیا اور پھر غزوہ احزاب میں شریک ہوئے اور خندق بھی ان ہی کے مشورے پر کھودی گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت

میں مستقل رہے۔ عراق پر مسلمانوں کے حملے تک مدینہ میں ہی رہے اور پھر مدائن کی فتح میں شریک ہوئے اور حضرت عمر نے انہیں مدائن کا گورنر مقرر فرمایا۔ چنانچہ یہ وہیں رہے اور اسی حال میں ان کی وفات ہوئی اور ان کی قبر ایوان کسریٰ کے قریب مشہور ہے۔

بڑے تجربہ کار، طاقتور، زاہد اور متقی انسان تھے۔ گدھے کی سواری کرتے اور بچوں تک کے ساتھ کھیل لیتے تھے حالانکہ گورنر تھے۔ دنیا کی محبت میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ دل کی فصیل پار کر سکے۔ انہوں نے اپنے سینے سے نفس کے شیطان کو نکال پھینکا تھا۔

سلمان اہل بیت میں سے ہیں

ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہو گیا۔ انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت سلمان سے کہا کہ اپنا نسب بتایئے؟ حضرت سلمان نے فرمایا میں اسلام کے سوا کسی کو اپنا باپ نہیں جانتا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب سلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوتے تو کسی اور کی طرف رخ نہ کرتے (کسی اور کی ضرورت نہ ہوتی)

حضرت سلمان سے کسی نے پوچھا کہ حکمرانی میں کیا چیز ناپسند ہے؟ فرمایا حکمرانی کرنے کا مزہ اور اسے چھوڑنے کی کڑواہٹ (دونوں ہی ناپسند ہیں)۔

تواضع وانکساری

ایک مرتبہ حضرت سلمان قریش کے حلقہ کو پھلانگتے ہوئے گزرے تو ایک شخص نے کہا تمہاری اوقات اور تمہارا نسب کیا ہے۔ کس بنیاد پر تم قریش کی گردنوں کو پھلانگ رہے ہو؟ یہ بات سن کر سلمان کو رونا آ گیا۔ ان کی گھٹی ہوئی سانسیں بکھر چکی تھیں فرمانے لگے کہ

"تم نے میری اوقات اور میرا نسب پوچھا ہے میں ایک گندے نطفے سے بنا

ہوں اور آج فکر اور عبرت کا سامان ہوں۔ کل کو مرنے کے بعد بد بودار سڑی لاش ہوں گا اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے میزان قائم ہوں گے اور لوگوں کو فیصلہ سنانے کے لیے بلایا جائے گا اور اعمال نامے ترازو میں رکھے جائیں گے تو اگر ترازو کا پلڑا (میرے حق میں) جھک گیا تو میں معزز کریم شخص ہوں اور اگر ترازو کا پلڑا نہیں جھکا تو میں کمینہ اور ذلیل ہوں۔ یہ ہے میری اوقات اور سب لوگوں کی اوقات۔

زہد وکسب

حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین کو اپنے اسلامی بھائی حضرت سلمان فارسی سے ملنے کا شوق ہوا۔ تو انہیں بلوالیا اور اپنے ساتھ رکھ کر خوب خدمت کی۔ پھر (کچھ عرصے بعد) پوچھا کہ ''میرے بھائی تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو تو بتا دیں؟ تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ایک دستر خوان پر گھی اور گوشت ایک ساتھ رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے دو لباس ہیں ایک آپ گھر میں پہنتے ہیں اور دوسرا پہن کر باہر نکلتے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے؟ انہوں نے فرمایا۔نہیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''ایسا آئندہ اب کبھی نہیں کروں گا۔''

حضرت سلمانؓ دنیا کے دراہم کو خرچ کردیتے تاکہ آخرت کا خزانہ حاصل ہوسکے۔ آپ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا اور آپ تیس ہزار کے قریب مسلمانوں کے امیر تھے۔ آپ لوگوں کو خطبہ ایسی عبا پہن کر دیا کرتے تھے جس کا کچھ بچھاتے اور کچھ حصہ اوڑھ کر سوتے تھے۔ جب وظیفہ ملتا تو اسے اللہ کے راستے میں خرچ کردیتے اور صدقہ کردیتے تھے۔

حضرت سلمان اپنے ہاتھ سے کام کر کے کماتے اور اسی کمائی سے کھاتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک درہم کے کھجور کے پتے خریدتے اور ان کو صحیح کر کے (قابل استعمال مختلف اشیاء بنانے کے لیے) بازار میں تین درہم میں بیچ دیتے۔ ایک درہم کے مزید پتے لے لیتے۔ ایک درہم گھر کے خرچ کے لیے دیتے اور ایک درہم صدقہ کردیتے۔ اور فرماتے کہ اگر کام کاج کرنے سے مجھے عمر رضی اللہ عنہ (امیر المومنین) بھی منع کریں

گے تو میں باز نہیں آؤں گا۔

مدائن میں آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ حالانکہ یہ مدائن کے گورنر تھے یہ جہاں ہوتے وہاں سائے میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کہا کہ ہم آپ کے لیے ایک گھر بنا دیں تاکہ آپ دھوپ کی تپش اور سردی میں ٹھنڈ سے بچ سکیں۔ (آپ نے انکار کیا مگر) وہ شخص اصرار کرتا رہا چنانچہ آپ نے ہاں کہہ دی۔ پھر جب وہ شخص جانے لگا تو آپ نے پیچھے سے آواز دی اور فرمایا کہ ایسا گھر بنانا جیسا میں نے بنانے کی نیت کی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ایسا گھر آپ کے لیے بنائیں کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اس کی چھت سے سر ٹکرا جائے اور جب لیٹیں تو پاؤں دیوار سے ٹکرا جائیں۔ آپ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چنانچہ جیسا کہا تھا ویسا گھر بن گیا۔

ایک دن سخت گرم دھوپ میں آپ باہر نکلے۔ موٹا سا اونی جبہ پہنا ہوا تھا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ اس سے نرم کپڑا پہن لیں تو اچھا ہے۔ حضرت سلمان نے اپنا سر انکار میں ہلایا اور متواضعانہ لہجے میں فرمایا۔ کہ میں ایک غلام ہوں اور ویسا ہی لباس پہنتا ہوں جیسا کہ کوئی غلام پہنتا ہے۔ جب میں مروں گا تو ایسا لباس پہنوں گا جس کے کنارے کبھی بوسیدہ نہیں ہوں گے۔

اقوال زریں

حضرت سلمان صیقل شدہ قلب اور سرسبز و شاداب دل کے مالک تھے۔ روتے اور فرماتے کہ مجھے تین شخصوں نے حیرت میں ڈال دیا حتیٰ کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ (۱) دنیا کی امید کرنے والا شخص حالانکہ موت اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ (۲) غافل شخص حالانکہ اس سے غفلت نہیں برتی جا رہی۔ (اللہ تعالیٰ اسے ہر دم نظر میں لیے ہوئے ہے) (۳) خوب منہ پھاڑ کر ہنسنے والا شخص۔ حالانکہ اسے نہیں معلوم کہ اس سے رب تعالیٰ ناراض ہے یا اس سے خوش ہے؟

تین باتوں نے مجھے غم میں ڈال دیا حتی کہ مجھے رونا آ گیا۔ (۱) نبی کریم

ﷺ' ان کی جماعت اور چاہنے والوں کی جدائی۔ (۲) قیامت کی ہولناکی۔ (۳) رب کے سامنے کھڑا ہونا۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے جنت میں بھیجے جانے کا حکم دیا جائیگا یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔

آخری لمحات

حضرت سلمان بستر مرگ پر موت سے لڑ رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ان کی عیادت کرنے تشریف لائے جب ان کے نزدیک بیٹھے تو حضرت سلمان رونے لگے حتیٰ کہ ان کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ آپ کیوں روتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ سے راضی تھے اور کل آپ ان سے حوض کوثر پر ملیں گے۔ حضرت سلمان نے جواب دیا کہ ''میں موت سے ڈر کرنہیں رو رہا اور نہ ہی دنیا کی حرص میں رو رہا ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ تم میں ہر ایک کا گزارے کا سامان اتنا ہونا چاہیے کہ جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے۔'' اور میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں اس حد سے آگے نکل گیا۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے (حالانکہ ان کے پاس صرف ایک پیالہ ایک صفائی کی کوئی چیز اور ایک کپڑے دھونے کا برتن تھا)۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ ''اے ابو عبداللہ ہمیں بھی کوئی نصیحت کردیں (کوئی وعدہ لے لیں) تاکہ ہم آپ کے بعد اس پر عمل کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''جب کوئی ارادہ کرو تو اس وقت اللہ کو یاد کرنا۔ اور جب کوئی فیصلہ کرنے لگو اور جب تقسیم کرنے لگو تو اپنے خرچ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔''

وفات

۳۶ ہجری میں آپ کی روح آسمانوں کے دروازوں کے پاس پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ترکہ کی کل قیمت بیس اور چند درہم تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

☆☆☆

سیدنا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

- ☆ جن کا دل ان کی زبان سے پہلے ایمان لایا۔
- ☆ جنہیں نبی کریم ﷺ نے اختیار دیا کہ وہ مہاجرین میں سے ہو جائیں یا انصار بن جائیں۔
- ☆ جو نفاق کی بیخ کنی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔
- ☆ رسول اللہ ﷺ کا راز چھپا کر رکھنے والے صحابی۔
- ☆ وہ واحد صحابی جنہیں رسول اکرم ﷺ نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے۔

☆☆☆

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

ان کی والدہ نے انہیں ایمان کی تلقین کی تو ان کا دل نبی کریم ﷺ کی محبت سے معمور ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت کا سرمہ آنکھوں کو لگنے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ یہ ہیں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جن کے گھر والوں کے دل قرآن کریم نے پرسکون کر دیئے تھے۔ پھر ان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی ملاقات کا شوق بھر گیا چنانچہ انہوں نے اپنی لاٹھی اپنی گردن پر رکھی اور مکہ چل دیئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور خود کو نبی کریم ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کر دیا اور ہر قسم کی خدمت آپ کے سامنے رکھ دی۔ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو حذیفہ مستقل خدمت میں آ گئے جیسے کہ آنکھ دوسری آنکھ کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔

نفاق سے بری حذیفہ رضی اللہ عنہ

ان کی شفاف طبیعت نفاق کو نہیں جانتی تھی۔ اسلام نے اسے اور بھی چمک عطا کر دی۔ کھلی بصیرت کے ساتھ زندگی گزاری۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور کسی کو نہیں بتائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ

معمول بنالیا تھا کہ جس شخص کی نماز جنازہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہیں پڑھتے تھے یہ بھی اس کے جنازے میں شریک نہ ہوتے۔ اس طرح اس خوف سے کرتے کہ کہیں مرنے والا منافق نہ ہو۔

آخرت کا خوف

کافروں نے حضرت حذیفہ کو جنگ بدر میں شریک ہونے نہیں دیا تھا مگر اس کے بعد یہ ہر جنگ میں شریک رہے اور انہیں جھپٹنے والے عقابوں کے حملے کا شکار بنا کر رکھ دیا۔ (عقاب کی طرح دشمن پر جھپٹتے عقاب کی طرح بہادری دکھاتے) جہنم کی آگ کے خوف نے حذیفہ کو ہر برائی کے حوالے سے گویا بھسم کر کے رکھ دیا۔ زیادہ تر خاموش رہتے اور ہم نشینوں کی خواہش پر ہی بولتے اور جب بات کرتے تو ان کے دہن مبارک سے نور اور موتی گرتے۔

خود فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے بارے میں پوچھتے اور میں برائی کے بارے میں اس ڈر سے پوچھتا کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

ایک دن لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار فتنوں کی جگہوں سے بچو۔'' کسی نے پوچھا کہ فتنے کی جگہیں کیا ہیں؟ فرمایا کہ امیروں کے دروازے۔ کیونکہ تم میں سے کوئی وہاں جاتا ہے تو اس کی جھوٹ بول کر تصدیق کرتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو اس میں ہوتی نہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میری خواہش ہے کہ اگر کوئی شخص میرے اموال کی اصلاح (ونگرانی) کرنے والا ہوتا تو میں دروازے بند کر کے (عبادت میں) بیٹھ جاتا حتیٰ کہ اسی حال میں اللہ تعالیٰ سے جا ملتا۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ تم لوگ سب سے پہلے خشوع کھو بیٹھو گے اور سب سے آخر میں اپنے دین میں سے نماز کو کھو بیٹھو گے۔

کوتاہ امیدی

انہیں آرزو کی کمی نے کمزور کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ اپنے اعمال کو وقت پورا ہونے

سے پہلے ہی نمٹانے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ سے صبح کے وقت ملے اور پوچھا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ جب تم بیت الخلاء کے لیے جاتے ہو تو نہایت آہستہ قدموں کے ساتھ جاتے ہو؟ اور جب بیت الخلاء سے نکلتے ہو تو بڑی تیزی سے چلتے ہوئے جاتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بیت الخلاء کے لیے آتا ہوں تو اس وقت باوضو ہوتا ہوں اس لیے آہستہ چلتا ہوں اور جب بیت الخلاء سے نکلتا ہوں تو بے وضو ہوتا ہوں لہٰذا تیز اس لیے چلتا ہوں کہ کہیں وضو کرنے سے پہلے پہلے موت نہ آجائے۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمہاری امید تو بڑی طویل ہے مجھے تو ایک قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم رکھنے پر بھی موت کا خوف ہوتا ہے۔

اپنا حال اور اپنی فرمانبرداری و نیکی کو چھپانے میں بہت احتیاط فرماتے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے رو رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے پیچھے ایک شخص کو بیٹھے دیکھا وہ آپ کے رونے کی آواز سن چکا تھا۔ چنانچہ اس سے بڑی لجاجت سے فرمایا کہ یہ بات کسی سے مت کہنا۔

امیری میں فقیری

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب کسی جگہ کسی شخص کو امیر بنا کر بھیجتے تو وہاں کے زعماء کو خط لکھتے کہ میں فلاں کو امیر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ لہٰذا اس کی اطاعت کرنا۔ چنانچہ جب حضرت حذیفہ کو مدائن بھیجا تو حسب معمول لکھا کہ میں فلاں کو بھیج رہا ہوں۔ اس کی اطاعت کرنا۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ کوئی بڑی شان و شوکت والا آدمی ہوگا۔ لہٰذا وہ استقبال کرنے کے لیے باہر نکلے۔ ادھر سے حضرت حذیفہ گدھے پر سوار دونوں ٹانگیں ایک طرف کو کیے ہوئے ان کے پاس سے گزرے (اتنی عاجزی سے بیٹھنے والے کو) وہ لوگ پہچان نہ سکے کہ یہ امیر ہو سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے

لوگوں سے پوچھا کہ امیر (گورنر) کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ ابھی یہاں سے گزر کر گئے ہیں چنانچہ وہ ان کے پیچھے واپس آئے اور ان سے ملے تو ان کے ایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے ہاتھ میں تھوڑا سا پانی تھا۔ انہوں نے حضرت حذیفہ سے عرض کیا۔ آپ ہم سے جو مطالبہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں؟ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ جب تک میں تمہارے ہاں ہوں میرے کھانے اور میرے جانور کے چارے کا انتظام کر دیا کرنا۔ پھر حضرت حذیفہؓ وہاں کافی عرصہ رہے پھر حضرت حذیفہؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر بلوایا اور جب ان کے آنے کا وقت معلوم ہوا تو راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ دیکھا تو حضرت حذیفہ اسی طرح گدھے پر سوار آ رہے ہیں جس طرح یہاں سے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر خوش خوش چمکتے چہرے کے ساتھ حضرت حذیفہ سے ملے اور انہیں اپنے ساتھ لپٹا کر فرمایا۔ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔

آخری لمحات

رات کے وسط میں حضرت حذیفہ نے موت کو قریب آتے محسوس کیا تو بہت شدید روئے کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا کہ میں دنیا پر حسرت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ موت مجھے دنیا کی زندگی سے زیادہ پسند ہے لیکن اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں وہاں کس حال میں جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ یا ناراضگی کے ساتھ؟

پھر بڑی کمزوری آواز میں فرمایا۔ (اس وقت تکلیف بڑھ چکی تھی) ''یہ کونسا وقت ہے؟ کسی نے بتایا کہ رات کا درمیانہ پہر ہے۔ فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے قبلہ رخ کر دو۔ قبلہ رخ بٹھا دیا گیا۔ تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اے اللہ میں تجھ سے آگ میں صبح کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں مالداری پر فقر کو اختیار کرتا تھا اور عزت پر ذلت کو ترجیح دیتا تھا اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ جو شخص فاقہ کے ساتھ آئے وہ پسندیدہ ہوتا ہے ندامت کے

ساتھ آنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ (مرنے کے بعد جسے ندامت ہو)

پھر حضرت حذیفہ نے پوچھا کہ تم میرا کفن لے آئے؟ انہوں نے کہا ''جی ہاں۔'' تو فرمایا کہ میرا کفن شاندار نہ ہو کیونکہ اگر کسی مردے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائیاں نیکیاں ہوں تو اس کا کفن اس سے اچھے کفن سے بدل دیا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے وہ کفن بھی چھین لیا جاتا ہے۔

وفات

پھر آپ نے مصافحے کے انداز سے ہاتھ بڑھایا گویا موت سے مصافحہ کر رہے ہوں۔ پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ کا انتقال مدائن میں ۳۶ ہجری میں ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(متوفی ۵۹ ہجری بمطابق ۶۷۹ عیسوی)

☆ انہوں نے اپنے دل کا چراغ بنایا جس کی روشنی نبی کریم ﷺ کے ارشادات تھے۔

☆ تاریخ نے ان کا نام زاہدین کے قافلے میں رکھا۔

☆ جس کے بارے میں زہد اور تقویٰ آپس میں جھگڑتے تھے۔

☆☆☆

ان کا زہد دنیا کی دیوار میں گولے کی طرح آ کر لگا۔ ان کی نیک صفات نے زمانے کو بھر دیا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن صخر دوسی ہیں جنہوں نے یتیم اور کمزور و بے سہارا بچے کی سی پرورش پائی۔ مدینہ آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے چنانچہ رغبت اور شوق کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

یقین سے بھرپور زندگی

ان کی زندگی یقین کے عطیے سے رنگی ہوئی تھی ان کا سینہ علم کا خزانہ تھا۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے اور سب سے زیادہ خدمت نبوی ﷺ میں رہنے والے شخص تھے۔ نبی کریم ﷺ کے پیچھے ہر جگہ پہنچ جاتے، ان کے پاس ایسے کان تھے جو غور سے سنتے، ایسا دل تھا جو محفوظ کرتا تھا۔ مضبوط ایمان اور تیز حس والے شخص تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا عامل انہیں بنایا تھا لیکن جب انہیں نرم مزاج اور عبادت میں بہت زیادہ مشغول دیکھا تو انہیں معزول کر دیا۔ ان کی زندگی روزہ اور نماز اور زہد و جہاد کے ساتھ چلتی رہی۔ انہوں نے اپنے دل کو ترک دنیا کا شربت پلا دیا تھا، خواہشات کے خیالات بھی ان کی ساعت سے نہیں ٹکراتے تھے ۔روزہ ان کی روح کی غذا اور دل کی خوش بختی کا راز تھا۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بازار میں چکر لگاتے اور پھر گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہتے کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر وہ کہتے کہ نہیں ہے تو فرماتے کہ میرا روزہ ہے۔ آپ مہمان کو پسند کرتے اور کھانا کھلانے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

ایک شخص نے بتایا کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں مہمان بنا، چھ ماہ آپ کے پاس رہا میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان سے زیادہ کوئی چست اور مہمان نواز نہیں دیکھا۔

عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سات دن مہمان رہا چنانچہ آپ، آپ کی زوجہ اور خادم رات کے تین حصوں میں نماز پڑھا کرتے۔ پہلے ایک پڑھتا پھر دوسرے کو اٹھا دیتا پھر وہ تیسرے کو اٹھا دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک درویش

ایک مرتبہ ان کی بیٹی پاس آ کر بیٹھی تو آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، میری بچی سونے سے ملمع لباس مت پہننا میں تجھ پر آگ کی لپٹوں کا خوف کرتا ہوں،

ریشم مت پہننا اس سے مجھے تیرے جل جانے کا خوف ہے۔

مدینہ میں ایک شخص نے اپنا مکان بنوایا جب وہ مکان مکمل ہو گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ اس شخص نے آپ سے کہا کہ ''حضرت مجھے بتایئے کہ میں اس کے دروازے پر کیا لکھوں؟ آپ نے فرمایا، لکھ دے کہ میں اس کے بگڑنے کے لئے بناتا ہوں، موت کے لئے پیدا ہوا ہوں اور اپنے وارث کے لئے مال جمع کر رہا ہوں۔'' وہاں ایک اعرابی کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا۔ اے شیخ تم نے بہت بری بات کہی۔ یہ سن کر وہ شخص بولا۔ تیرا ستیاناس ہو یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

تواضع کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تواضع، ان کے نزدیک دنیا کی بے وقعتی اور اس کی رنگینیوں کی بے حیثیتی پر یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ ایک دن وہ بازار سے اپنی کمر پر ایندھن لادے ہوئے گزر رہے تھے، ان دنوں آپ خلیفہ مروان بن حکم کی طرف سے گورنر تھے۔ لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو کہا کہ امیر محترم کے لئے راستہ چھوڑو۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دیا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی دے اتنا راستہ ہی کافی ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فلسطین پہنچے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں چپاتی پیش کی، جب آپ کے سامنے کھانے کے لئے رکھی گئی تو آپ رونے لگے تو کسی نے پوچھا ''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ اسے رسول اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے تادم آخر نہیں دیکھا۔

آخری لمحات

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بستر مرض پر بیٹھے رو رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا

''کیوں روتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تمہاری اس دنیا پر نہیں رو رہا لیکن اپنے لمبے سفر اور توشے کی کمی پر رو رہا ہوں، کیوں کہ میں جنت اور جہنم کو جانے والے راستے پر آ گیا ہوں مگر مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کون مجھے اچک لے؟

وفات

مروان حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض وفات میں ملنے کے لئے آیا اور کہا، اے ابوھریرہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا کرے۔ حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا،

''اے اللہ میں تجھ سے ملنا پسند کرتا ہوں تو تو بھی میرے ملنے کو پسند کر''

جب مروان وہاں سے نکلا تو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے کوچ کا وقت آن پہنچا۔ آپ نے موت سے مسکراتے ہوئے مصافحہ فرمایا اور ۵۹ھ میں مدینہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی عمر مبارک اٹھہتر سال تھی۔ جنت البقیع میں آپ کے جسد اطہر نے سکونت اختیار کی

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما

(متوفی ۷۳ھ بمطابق ۶۹۳ء)

☆ ان کے استاد نبی کریم ﷺ اور ان کے والد حضرت عمرؓ تھے۔

☆ ان کے نزدیک مال خادم تھا سردار نہ تھا۔

☆ زہد ان کے سر سے لے کر پاؤں تک بھرا تھا۔

☆☆☆

بچپن ہی میں اسلام کی خوشبو حاصل کی، سرسبز و شاداب ضمیر اور نرم جلد کے مالک تھے، اپنے والد کے ہمراہ مدینے ہجرت کی، بدر اور احد کے دن ننھے قرار دیئے گئے تھے لہٰذا جنگ خندق پہلا غزوہ تھا جس میں شریک ہوئے۔ بیعت رضوان میں شامل تھے، فتح مکہ میں شرکت کی۔

لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے والد کے ساتھ مشابہہ تھے۔ سخاوت کو گود لیا اور اسے دوست بنالیا۔

اسلام ان کے لیے مقدر ہی اس لیے کیا گیا تھا تاکہ اپنے دل کو وحی کے نور سے معمور کریں۔ قریش کے جوانوں میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو انہیں تھا۔ انہیں خلافت کی پیش کش ہوئی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور خلافت کو اپنی پیٹھ دکھادی۔

اتباع سنت کے خوگر

اپنی زندگی نبی کریم ﷺ کے طریقے اور نقش قدم کی اتباع سے لذت حاصل کرتے گزاری حتیٰ کہ حج کے راستے میں جہاں نبی کریم ﷺ نے آرام فرمایا تھا یہ بھی وہاں اتباعاً آرام فرماتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ اگر عبداللہ رات کو (تہجد کی) نماز پڑھا کرے تو یہ بہت اچھا آدمی ہے چنانچہ اس دن سے رات کو بہت کم سونے لگے۔ (زیادہ تر عبادت فرماتے) (بخاری حدیث ۱۱۲۲)

حضرت ابن عمر کو خراج تحسین

حضرت سعید بن مسیّب فرماتے تھے کہ اگر میں کسی کے بارے میں گواہی دیتا کہ یہ اہل جنت میں سے ہے تو میں ابن عمر کے بارے میں گواہی دیتا۔

طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ تقویٰ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ دنیا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پچھاڑنا چاہا مگر حضرت ابن عمر نے اسے پچھاڑ دیا اور دنیا نے ان سے جنگ کی تو انہوں نے اسے شکست دیدی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک دنیا کی طرف مائل ہوا اور دنیا اس کی طرف مائل ہوئی۔ سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے۔

وہ چیخ چیخ کر اعلان کرتے کہ ”جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو۔“

زہد و عبادت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس لیے پیدا کیے گئے تھے کہ اپنے پاس موجود مال کی بیخ کنی کریں۔ لہٰذا یہ اس کو انفاق کے ذریعے پاک کرتے رہے اور ایک دن میں تیس ہزار درہم صدقہ کر دیتے اور پھر پورا مہینہ ایسے گزرتا جس میں ایک ٹکڑا گوشت کا بھی نصیب نہ ہوتا۔

اگر کسی دن عشاء کی جماعت فوت ہو جاتی تو اس دن پوری رات عبادت میں گزارتے پوری زندگی میں (کم از کم) ایک ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔ ہر چھوٹے بڑے کو گزرتے ہوئے سلام کرتے۔ کسی یتیم یا مسکین کے بغیر ایک لقمہ بھی نہیں تناول فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو ہاتف بنا رکھا تھا جس کی آواز ان کے دماغ میں گونجتی رہتی تھی۔ اپنے اموال کو غریبوں کی ضرورت اور غربت کی تکلیف دور کرنے کے لیے بھیجتے رہتے۔ اپنے معلم اول کے راستے پر چلے لہٰذا دنیا کی دھوکے بازی کے سامنے کھڑے نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں ان کے پاس بائیس ہزار درہم آئے تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے پہلے انہیں تقسیم فرما دیا۔ جب سے رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی انہوں نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی (کوئی تعمیر نہیں کروائی)۔

حضرت ابن عمر کو جب کوئی چیز اچھی لگتی تو اسے رب تعالیٰ کی قربت میں پیش کر دیتے (یعنی صدقہ کر دیتے تھے)۔ یہ بات ان کے غلام جب اچھی طرح پہچان گئے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی مسجد میں چادر لپیٹ کر (عبادت کیلئے) بیٹھ جاتا۔ حضرت عمر جب اسے اس اچھی حالت میں دیکھتے تو آزاد کر دیتے۔ کسی نے آپ کو بتایا کہ اے ابن عمرؓ، واللہ یہ لوگ صرف آپ کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ دے گا ہم اس سے دھوکہ ضرور

کھائیں گے۔

حضرت ابن عمرؓ کی ایک باندی جس کا نام ''رمیثہ'' تھا وہ ہر طرح سے خوبصورت تھی۔ حضرت ابن عمر نے جب اسے دیکھا اور وہ انہیں اچھی لگی تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔'' کہ تم نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہ کرو۔'' (آل عمران:۹۲) اور میں تجھے دنیا میں پسند کرتا ہوں لہٰذا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔

ایک دن ٹھنڈا پانی پیا تو روئے اور بہت زیادہ روئے۔ تو کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ'' ان جہنمیوں اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ (آڑ) ڈال دی جائے گی۔'' (سباء:۵۴) اور میں جانتا ہوں کہ جہنمیوں کو پانی سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ ہوگی۔

ایک دن کسی نے بتایا کہ فلاں انصاری کا انتقال ہوگیا اور اس نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم چھوڑے ہیں۔'' تو افسوس کے ساتھ فرمایا لیکن درہموں نے اسے نہیں چھوڑا۔

ایک مرتبہ تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ مدینہ سے کئی میل دور سے مچھلی لائی گئی اور ان کے لیے بھونی گئی اور پتلی روٹیاں پکائی گئیں۔ پھر جب افطار کے وقت دستر خوان پر سجائی گئی تو پہلے اسے دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ اسے فلاں قوم کے یتیموں کے پاس لے جاؤ۔ بیوی نے عرض کیا کہ آپ اپنی خواہش تو پوری فرما لیں پھر لے جائیں گے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے پاس لے جاؤ اگر وہ یتیم اس سے خواہش پوری کرلیں گے تو میں نے بھی اپنی خواہش پوری کرلی۔

غرورِ نفس کو زہد سے کچل دینا

ان کا وجدان آخرت کے خوف اور شوق سے لرزتا رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے زہد سے نفس کے غرور کو کچل دیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے ساتھ سفر میں

ہمرکاب ہوا۔ وہ جب بھی کھانا کھاتا ایک لقمہ لیکر ہاتھ صاف کر لیتا۔ پانی پیتا تو محض ایک گھونٹ پیتا۔ حضرت ابن عمر نے اس سے پوچھا کہ بھائی کیا بات ہے؟ آپ بغیر کھائے پیٹ بھر لیتے ہو اور بغیر پیئے سیر ہو جاتے ہو؟ تو آنسوؤں کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک پیٹ نہ بھروں گا جب تک کہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ کل میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ جنت میں ہے یا جہنم میں؟ اس کی بات سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے افسوس کے ساتھ سر جھکا لیا اور پھر تا دم آخر کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ہزاروں درہم خرچ سودا ادھار میں

ایوب بن وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر کے پاس حضرت معاویہ کے ہاں سے چار ہزار درہم آئے اور ایک دوسری جگہ سے چار ہزار درہم اور دو ہزار درہم تیسرے آدمی نے بھیجے۔ پھر وہ دوسرے دن بازار آئے تو جانور کے لیے چارہ ادھار خریدنے کے لیے آئے۔ ایوب کہتے ہیں کہ مجھے کل آنے والی رقم کا علم تھا۔ چنانچہ میں ان کی باندھی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ تم سچ سچ بتاؤ۔ کیا کل ابو عبدالرحمٰن کے پاس چار ہزار درہم حضرت معاویہ کے ہاں سے اور دوسرے فلاں کے پاس سے نہیں آئے تھے۔ اس نے کہا ''کیوں نہیں؟ ایوب نے پوچھا کہ پھر وہ آج چارہ ادھار لینے کیوں بازار آئے تھے؟ تو باندی نے جواب دیا کہ ''انہوں نے رات گزرنے سے پہلے ہی وہ درہم تقسیم کر دیئے تھے۔

یہ سن کر ایوب بازار میں آئے اور چیخ کر کہنے لگے۔ ''اے تاجرو! تم دنیا کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ ادھر حضرت ابن عمر کے پاس کل دس ہزار درہم آئے تھے اور صبح کو وہ اپنے جانور کے لیے چارہ ادھار لینے آئے تھے؟

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت ابن عمر رات کو سب گھر والوں کے ساتھ ایک تھالی میں کھانا کھاتے

تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل آیا اور راہ خدا میں کچھ دینے کا سوال کیا تو حضرت ابن عمر ثرید میں سے اپنا حصہ لیکر اسے دینے گئے واپس تشریف لائے تو تھالی کا کھانا چٹ ہو چکا تھا۔ (لہٰذا خود بھوکے رہے۔ ایسا کئی بار ہوا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کوڑھ کے مریضوں کو بلا کر ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور فرماتے کہ شاید قیامت کے دن ان میں سے کوئی بادشاہ ہو۔

ایک دن ان کے گھر والوں نے کوئی خاص کھانا بنایا اور روٹی کے ساتھ ان کے سامنے رکھا۔ حضرت ابن عمر کا یہ ارادہ ہوا کہ یہ کھانا مساکین کو دے دیں' اتنے میں گھر والوں نے وہ کھانا اٹھا کر رکھ دیا تا کہ وہ اسے تقسیم نہ کرسکیں۔ تو حضرت ابن عمر نے آواز لگائی کہ تم نے مجھے مسکینوں کو کھانا کھلانے سے محروم کر دیا۔ ہے تا کہ میں اسے اپنے پیٹ میں ڈال لوں۔ واللہ میں آج کھانا چکھوں گا ہی نہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے لیے کوئی معجون وغیرہ بنالیں؟ تو آپ نے پوچھا کہ معجون کیا ہوتا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک چیز ہے جسے اگر آپ کھائیں تو ہاضمہ کو آسان کرتی ہے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ واللہ چار مہینے ہوگئے کہ میں نے اب تک ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا کیونکہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں جو ایک مرتبہ بھوکے رہتے تھے دوسری مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو موٹا کھردرا لباس پہنے دیکھا تو اسے رحم سا آیا۔ تو وہ ایک نرم کپڑا لیکر آیا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ نرم تھا چنانچہ آپ نے وہ اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اس کو پہنوں تو کہیں متکبر اور اترانے والا نہ بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ متکبر اور اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چار جوانوں کی آرزوئیں

ایک مرتبہ حجر اسماعیل میں چار نوجوان جمع ہوئے مصعب بن زبیر' عروہ بن

زبیرؓ عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہمؓ انہوں نے آپس میں کہا اپنی اپنی تمنا بیان کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ میں خلافت کی تمنا کرتا ہوں۔ حضرت عروہ نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔ حضرت مصعب نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ عراق کا امیر بنوں اور عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت الحسین کو اپنے نکاح میں جمع کروں۔ حضرت ابن عمر نے کہا کہ میں تو صرف مغفرت کی تمنا کرتا ہوں۔

چنانچہ ان میں سے ہر ایک کی تمنا حرف بحرف پوری ہوئی اور امید واثق یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مغفرت بھی ہو چکی ہوگی۔

حضرت ابن عمر حرم میں چل رہے تھے کہ حجاج بن یوسف کے کسی ساتھی کا تیر ان کے پاؤں میں آکر لگا تو یہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ حجاج عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں اسے جانتا جس نے آپ کو زخمی کیا ہے تو میں اسکی گردن اڑا دیتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تو نے ہی تو مارا ہے۔'' اس نے کہا وہ کیسے' آپ نے فرمایا کہ جس دن تو نے اللہ تعالیٰ کے حرم میں اسلحہ داخل کیا (اسی دن مارا)۔

وفات

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ صرف گرم دھوپ کی پیاس اور رات تہجد کی محنت (کے ختم ہونے چھوٹ جانے) کا۔ آپ کا انتقال مکۃ المکرّمہ میں ۷۳ ہجری میں ہوا۔ اور حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت سعید بن میّب کا قول ہے کہ ''حضرت ابن عمر کا جس دن انتقال ہوا۔ وہ تو چلے گئے مگر اب کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو ابن عمر جیسے اعمال کر کے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو چاہتا ہو۔

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ ابن عمر کی وفات ہوگئی اور وہ فضائل میں عمر کی طرح تھے۔

سیدنا حضرت ھرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۶ ہجری بمطابق ۶۴۷ عیسوی)

☆ جس کی قبر پر آسمان بھی رویا۔

☆ جو اپنے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے، مؤمنوں کے دل ان کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ کر دیئے۔

☆ جن کی رگوں میں انبیاء کرام کی محبت دوڑتی تھی۔

☆☆☆

اپنے نفس کے لیے مردہ کو اختیار کیا جس پر سابقین اولین نے بھی رشک کیا۔ ایسا شخص جس نے اپنے آنسوؤں اور اپنے خون سے زمین کو سیراب کر دیا۔ یہ ہیں عابد و زاہد، سرگرداں و سیاح۔ آٹھ بڑے اور مشہور زھاد میں سے ایک ''ھرم بن حیان العبدی ازدی'' بنو عبدالقیس سے تعلق تھا' کمانڈر اور فاتح' بڑے عبادت گزار تابعی تھے۔ ان کا نام ھرم (بوڑھا) اس لیے پڑا کہ یہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہے حتیٰ کہ ان کے دانت نکل آئے تھے۔ جنگوں میں بنو عبدالقیس کے امیر ہوتے تھے۔

اقوال زریں

ان کے دل سے دنیا کی محبت نکل گئی تھی اور آخرت کی محبت داخل ہوگئی تھی۔ ان کے اقوال دلوں کو کھینچتے ہیں۔ اور عقلوں کو جکڑ لیتے ہیں۔ ان کے بعض اقوال یہ ہیں۔ (۱) جو شخص دنیا پر آخرت کو ترجیح دے وہ دانا حکیم ہے اور جو اللہ کی نافرمانی نہ کرے وہ کریم ہے۔

لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار فاسق عالم سے بچنا۔'' چنانچہ ان کا یہ قول لوگوں کے سینوں سے ہوتا ہوا حضرت عمر بن خطاب تک جا پہنچا۔ وہ تو خوف کے مارے کانپ اٹھے۔ پوچھا کہ ''فاسق عالم'' کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے جواب بھیجا کہ واللہ اے امیر المومنین میری مراد نیک تھی (مطلب یہ تھا کہ) امام علم کی بات

کہے مگر فسق کا عمل کرے تو اس کے عمل کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔''

زہد و عبادت

جہنم کی آگ کے ذکر سے خوف کے مارے ان کا جگر جل چکا تھا اور یہ زندگی کی موجوں کا مقابلہ گناہوں سے چھٹکارا پانے کے لیے کرتے رہے۔

ایک دن ھرم بن حیان کے پاس صحابی رسول حممہ دوسی رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے پاس رکے جب رات ہوئی تو ھرم رونے لگے۔ ہچکیاں لے کر آنسو بہاتے روتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ ان سے حممہ دوسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ فرمانے لگے کہ مجھے وہ رات یاد آ گئی جس کی صبح آسمان کے تارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ اس نے مجھے رلا دیا۔

یہ دونوں حضرات کبھی کبھار آگ کے پاس صبح کرتے پھر گلدستوں کے بازار میں جاتے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کرتے اور کبھی یہ لوہاروں کے پاس جاتے اور آگ سے پناہ کی دعا کرتے۔

کبھی کبھار ھرم بن حیان رات کو گھومتے رہتے اور روتے ہوئے چیختے کہ میں نے اس آگ جیسی آگ نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والے سو رہے ہوں اور اس جنت جیسی جنت نہیں دیکھی کہ جس کے طلبگار سو رہے ہوں۔

عمل اللہ کے حکم پر ہے

وہ فرماتے کہ اگر مجھے بتا بھی دیا جائے کہ میں اہل جہنم سے ہوں تو بھی میں عمل کرنا نہیں چھوڑوں گا تاکہ مجھے میرا نفس ملامت نہ کرے۔''

ھرم بن حیان امیر (گورنر) بنائے گئے تو انہوں نے خیال کیا کہ ان کی قوم والے ان سے ملنے ضرور آئیں گے چنانچہ ایک آگ روشن کی گئی جو ان کے اور ان لوگوں کے درمیان روشن کی گئی تھی۔ چنانچہ جب وہ آئے تو انہوں نے دور سے انہیں

سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیکر فرمایا۔ ''میری قوم کو خوش آمدید۔ آؤ نزدیک آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں قریب آنے کی استطاعت نہیں ہے۔ آپ کے اور ہمارے درمیان آگ حائل ہے۔ تو ھرم نے جواب دیا تو کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم مجھے اس سے بڑی آگ میں جہنم میں ملو؟ یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے۔

آخری وصیت

ھرم بن حیان کو ایک معرکہ میں نیزہ کا زخم لگا انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر لایا گیا۔ پھر ان پر غشی طاری ہوگئی۔ شہادت کا وقت قریب آ گیا تو لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ وصیت فرمایئے۔ تو ھرم نے ایسی آواز میں کہا کہ لگتا تھا کہ ابھی موت اسے شکست دیدے گی۔'' فرمایا۔ میری چادر بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا پورا نہ ہو تو غلام کو بیچ دینا اور میں تمہیں سورہ نحل کی آخری آیات کی وصیت کرتا ہوں۔

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ الایة﴾ (الخ سورہ نحل ۱۲۵ تا آخر)

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت وعظ کے ذریعے بلاؤ اور ان سے اس بات کے ذریعے مناظرہ کرو جو اچھی ہو۔''

شہادت اور قبر پر کرامت کا ظہور

اس کے بعد آپ کی روح ایک گرم دن میں رب تعالیٰ کے پاس پرواز کر گئی۔ جب تدفین سے فارغ ہوئے تو ایک بادل آیا اور عین ان کی قبر پر رکا اور اس پر اپنا پانی برسایا۔ ایک قطرہ بھی قبر سے ادھر ادھر نہ گرا سب قبر پر ہی گرے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر وہاں گھاس اگ آئی تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا عمرو بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

☆ نماز کی محراب میں شب بیداری کو پسند کرتے تھے۔
☆ اپنی گنگناہٹ سے شیر کی دھاڑ کو شکست دی۔
☆ ان کی دعا رحمت کی کنجی تھی رکوع رات کا چراغ اور روزہ دن کی غذا تھی۔

☆☆☆

وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے تھے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے ڈریں زاہد اور عبادت گزار' یکسو اور متواضع یہ ہیں حضرت عمرو بن عتبہ بن فرقد السلمی رحمتہ اللہ علیہ ''جو کہ کوفہ کے مشہور عابد تھے اور عبادت نے انہیں روایت حدیث کی فرصت نہ دی۔

اپنی زندگی ذکر الٰہی روزہ اور نماز میں خرچ کی۔ ثقہ تھے جب ان کے ساتھی جنگ کے لیے نکلتے تو ان کی کثرت نماز کی بناء پر رات کو چوکیداری کے لیے کسی کو نہیں کھڑا کرتے تھے۔ ان کے زہد اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے بڑے عجیب وغریب واقعات ہیں جنہیں سننے اور پڑھنے والے انہیں گپ شپ سمجھتے ہیں۔

عمرو بن عتبہ کے عجیب واقعات

عمرو بن عتبہ کے ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن شدید گرمی میں گرم دوپہر میں ہم بیدار ہوئے تو ہم نے عمرو بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ کو ڈھونڈا مگر وہ نہ ملے تو ہم ان کی تلاش میں نکلے تو انہیں ایک پہاڑ میں دیکھا کہ وہ سجدہ میں گرے ہوئے ہیں اور اوپر ایک بادل ان پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

ایک دن ہم نے رات میں انہیں نماز پڑھتے دیکھا۔ اتنے میں ایک شیر کی دھاڑ سنی تو ہم لوگ بھاگ گئے مگر وہ کھڑے نماز پڑھتے رہے۔ ملے تک نہیں۔ ہم نے بعد میں پوچھا۔ کہ آپ شیر سے ڈرے نہیں؟ تو انہوں نے زاہدوں کے لہجے میں کہا کہ میں

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ اس کے سوا کسی سے ڈروں۔

زہد کا حال

روزانہ ان کی دو روٹیاں ہوتیں ایک صبح سحری میں کھاتے اور دوسری سے افطار کرتے۔ عمرو بن عتبہ اپنی بھرپور کوشش اور محنت سے زہد کے سمندر میں تیرتے رہے۔ دنیا سے دور ہٹ کر اسباب آخرت کی طرف متوجہ تھے۔ ان کے والد انہیں ان کے ان اعمال اور نسک کی بناء پر چاہتے تھے اور ان کے نجی کاموں میں مدد کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے تو وہ اپنے والد سے کہتے۔ ابا جان میں تو غلام ہوں اپنی گردن چھڑانے کے لیے محنت کر رہا ہوں۔ مجھے اس کے لیے عمل کرنے دیجئے۔ والد فرماتے کہ ”میرے بیٹے میری محبت تم سے دو طرح کی ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ رضا کیلئے (۲) باپ کی بیٹے سے محبت۔“ عمرو نے کہا۔ ابا جان آپ نے مجھے جو مال بھیجا ہے وہ ستر ہزار درہم ہے اگر آپ کو چاہیے تو موجود ہے مجھ سے لے لیں اور اگر نہیں تو مجھے خرچ کرنے کی اجازت دے دیں باپ نے اجازت دے دی تو انہوں نے سب درہم خرچ کر دیئے (صدقہ کر دیئے) ایک درہم بھی نہ بچا۔

عمرو نے ایک گھوڑا چار ہزار درہم میں خریدا اور اسے اللہ کے راستے میں دوڑانے کے لیے بھیج دیا۔ مگر ان لوگوں نے اسے کھلانا پلانا شروع کیا تاکہ اس کی قیمت بڑھ جائے تو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہلوایا کہ ”یہ جو قدم بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں دشمن کے خلاف اٹھاتا ہے وہ قدم مجھے چار ہزار درہم سے زیادہ پسند ہیں۔“

کبھی جب رات مکمل تاریک ہو جاتی تو یہ گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور قبرستان میں کھڑے ہو کر آوز لگاتے۔ اے اہل قبور، اعمال نامے لپیٹ دیئے گئے۔ اعمال اٹھا لیے گئے۔ پھر رونے لگتے۔ اور خوف اور رنج کی حالت میں قدموں پر گر جاتے حتیٰ کہ صبح اسی حال میں ہو جاتی۔ پھر یہ لوٹ آتے اور صبح کی نماز میں شریک ہوتے۔

دعاؤں کا قبول ہونا

بڑے مستجاب الدعوات دل کے شفاف' الفاظ کے تیز تھے اپنی دعا سے خیر کے تیر چلایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں اس نے دو عطا کیں اور ایک کا میں منتظر ہوں۔ پہلی دعا میں نے زہد عطا کرنے کی کی تھی۔ چنانچہ اب مجھے پرواہ نہیں کہ کیا آیا اور کیا گیا۔ دوسری دعا میں نے نمازوں پر طاقت ملنے کی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بھی عطا فرما دی اور تیسری دعا شہادت کی مانگی تھی اور اب میں اس کی امید لگائے بیٹھا ہوں۔

شہادت

(ان کی تیسری دعا یوں قبول ہوئی کہ) جب جہاد کے لیے نکلے تو انہوں نے ایک سفید جبہ پہنا اور پھر فرمایا کہ واللہ اگر میرا خون اس جبے پر بہہ جائے تو بہت اچھا لگے گا چنانچہ جب قتال کا شور بلند ہوا تو انہیں تیر آ کر لگا۔

ابراہیم بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں خون کو اس جگہ سے بہتے ہوئے دیکھا جہاں انہوں نے ہاتھ رکھا ہوا تھا چنانچہ یہ شہید ہو گئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آذربائیجان میں ۳۲ ہجری میں شہید ہوئے اور مرج ہی میں دفن ہوئے جہاں کی تمنا کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت اویس القرنی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۳۷ ہجری بمطابق ۶۵۷ عیسوی)

☆ کالی رنگت عام سے نسب اور لوگوں میں ظاہری بے وقعتی کے باوجود تاریخ نے انہیں عظیم لوگوں میں شمار کیا۔

☆ زمین والوں کے لیے بے نام ونشان مگر اہل آسمان کے لیے جانے پہچانے انسان۔

☆ موت کی یاد نے جس کے لیے کوئی خوشی نہیں چھوڑی۔

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کو جن کی شکل وصورت وحی کی رہنمائی نے محفوظ کروائی۔ جس نے دعا کے ہاتھوں سے گناہوں کو دھویا۔ یہ ہیں حضرت اویس بن عامر بن جزء بن مالک القرنی'' آٹھ مشہور زاہدین میں سے ایک' متقدمین عبادت گزاروں میں سے اور تابعین کے سرداروں میں سے ایک شخصیت۔ نسلی تعلق یمن سے تھا۔ دیہاتوں' پہاڑوں اور ریگستانوں میں رہتے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے دور مبارک کو پایا مگر اپنی والدہ کی خدمت نے انہیں خدمت نبوی ﷺ میں حاضری سے روکے رکھا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوگئی۔ مگر یہ دیدار نہ کرسکے۔ اس کے بعد مدینہ ایک وفد کے ہمراہ آئے۔

گھر والے سمجھتے کہ مجنون ہیں اس لیے دروازے کے قریب ایک چھوٹا سا کمرا بنوا دیا چنانچہ پھر کئی سال تک وہ لوگ ان کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ ان کا کھانا ان گٹھلیوں سے ہوتا جو وہ گلیوں سے جمع کرتے جب جمع ہو جاتیں تو انہیں بیچ دیتے۔ اگر کوئی پڑی ہوئی کھجور مل جاتی تو اسے اپنی افطار کے لیے بچا رکھتے۔ ان میں ہر چیز چیخ چیخ کر زہد کا اعلان کرتی۔ اپنے کاندھے سے دنیا کے غبار کو جھاڑ چکے تھے اور شوق کے ساتھ آخرت کو تلاش فرماتے۔

اویس قرنی کا تعارف بزبان رسول ﷺ

نبی کریم ﷺ نے ان کا قصہ اپنے صحابہ کو بیان کیا اور ان کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا۔ ''اچھے تابعین میں ایک شخص ہیں جن کا نام اویس ہے ان کی والدہ بھی ہیں۔ اویس کو برص کے نشان ہیں اسے کہنا کہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔''

مدینہ آمد

آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ زبان سے ادا ہو کر بڑی قوت کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں اتر گئے۔ چنانچہ جب بھی یمن سے کوئی وفد آتا بڑے اشتیاق سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں اویس بن عامر موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ایک وفد میں وہ تشریف لے ہی آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ اویس بن عامر ہیں؟

انہوں نے جواب دیا ''جی ہاں''

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مراد سے تعلق تھا پھر قرن سے ہے؟

انہوں نے فرمایا۔ ''جی ہاں''

آپ نے پوچھا پہلے آپ کو برص تھا اب صرف ایک نشان رہ گیا ہے؟

انہوں نے فرمایا ''جی ہاں''

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کی والدہ بھی ہیں؟

انہوں نے فرمایا ''جی ہاں''

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ''تمہارے پاس اویس بن عامر قرنی اہل یمن کے وفد کے ساتھ آئیں گے جو پہلے مراد پھر قرن سے ہوں گے۔ ان کو برص تھا مگر اب ایک نشان رہ گیا ہے ان کی والدہ بھی ہیں۔ اگر اویس اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو وہ اسے ضرور پوری فرمائے گا۔'' اگر تم یہ کرسکو کہ

وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کردیں تو ایسا ضرور کرنا۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے گزارش کی کہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں تو حضرت اویس رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ اب کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا کہ کوفہ جانے کا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا وہاں کے گورنر کو آپ کا خیال کرنے کا لکھ دوں؟ حضرت اویسؒ نے فرمایا کہ مجھے کمزور لوگوں میں سے ہونا زیادہ پسند ہے۔

کوفہ میں شہرت

چنانچہ جب اگلے سال حج کے موقع پر کوفہ کے معززین میں سے ایک شخص حج پر آیا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ حضرت اویس کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ اس نے افسوس سے عرض کیا۔ "بوسیدہ گھر اور کم سامان کے ساتھ۔"
چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اکرم ﷺ کی وہی حدیث سنائی۔

جب یہ شخص کوفہ پہنچا تو حضرت اویس کے ہاتھ چومنے لگا۔ اور بہتے آنسوؤں سے گزارش کی کہ میرے لیے استغفار فرمائیں۔ حضرت اویس نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ ایک نیک سفر سے واپس آئے ہو تم میرے لیے استغفار کرو۔ پھر پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے تھے؟ اس نے کہا "جی ہاں" بس اب میرے لیے استغفار کردیں۔ حضرت اویس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "کہ جب تک تم مجھ سے یہ وعدہ نہ کرو گے کہ بعد میں میرا مذاق نہیں بنواؤ گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث سنی ہے وہ کسی اور سے ذکر نہیں کرو گے میں استغفار نہیں کروں گا۔ اس شخص نے وعدہ کر کے ہاں کہہ دی۔ تو آپ نے اس کے لیے استغفار کیا۔

پہاڑوں میں چلے جانا

مگر تھوڑے ہی دن بعد اہل کوفہ پر ان کا راز افشاء ہوگیا اور نبی کریم ﷺ

کے الفاظ مبارکہ اہل کوفہ کے کانوں تک اس شخص کے ذریعے پہنچ گئے۔ چنانچہ لوگوں کا ایک سیلاب امڈ آیا جوان سے مغفرت کی دعا کروانے پہنچا۔ یہ دیکھ کر حضرت اویس پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے جہاں انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

کپڑوں کی عدم دستیابی

حضرت اویس کی باتیں جادو کی طرح دل میں اتر جاتی تھیں اور عقل کو جکڑ لیتی تھیں۔

اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ اویس ایسی بات کرتے تھے جو دلوں میں اتر جاتی تھی۔ پھر ہم نے انہیں گم کر دیا تو میں نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو ایک شخص نے بتایا کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ ادھر اویس قرنی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم اس کا ٹھکانہ جانتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں۔ تو میں اس کے ساتھ گیا حتیٰ کہ ان کے غار تک پہنچ گیا تو وہ میرے پاس نکل آئے میں نے ان سے عرض کیا۔ میرے بھائی آپ کو ہم سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''کپڑوں کی عدم دستیابی نے۔'' تو میں نے انہیں ایک چادر دی۔

حضرت اویس اپنے کپڑے بھی صدقہ کر کے ننگے بیٹھ جاتے تھے حتیٰ کہ اتنا لباس نہ میسر ہوتا کہ وہ اس کو پہن کر جمعہ کی نماز میں چلے جائیں وہ روٹی کے ٹکڑے زمین سے چنتے ان میں سے آدھے کھا لیتے اور آدھے صدقہ کر دیتے۔

اپنی معذوری کا رب کے سامنے اظہار

ان کے چیختے فقر کے باوجود جب رات ہو جاتی اور ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا تو وہ اپنی بانہیں پھیلا کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہتے۔ ''اے اللہ آج ہر بھوکے جگر کے لیے میں تجھے معذرت پیش کرتا ہوں کیونکہ میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کھانے کے جو میرے پیٹ میں گیا

اور میرے گھر میں کوئی لباس نہیں سوائے اس کے جو میری کمر پر موجود ہے۔

ایک مرتبہ ھرم بن حیان ان کے پاس آئے اور عرض کیا۔ حضرت مجھے وصیت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا کہ جب سونے لگو تو موت کا انتظار کرو اور جب کھڑے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دل اور نیت کی اصلاح فرما دے۔"

حضرت اویسؒ قرنی کا شعار

حضرت اویسؒ کا شعار یہ تھا کہ "سختیوں میں حق کے ساتھ لگے رہو اور خوشی میں بھی باطل کے ساتھ لطف نہ اٹھاؤ لہٰذا وہ جہاں حق دیکھتے وہ اسے اپنا لیتے۔

عین اس وقت جب جنگ صفین کا طبل بج چکا تھا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے۔ شامی لشکر میں سے ایک شخص نے آواز لگائی کیا تم میں اویس قرنی موجود ہیں؟ جواب ملا "ہاں موجود ہیں۔ تمہیں ان سے کیا لینا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ "اویس قرنی تابعین میں احسان کے ساتھ اچھے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

موت کی یاد نے ان سے ہر خوشی چھین لی تھی اور ان کی زندگی غم اور خوف کی حالت میں گزر رہی تھی۔ چنانچہ ایک شخص جس کا تعلق "مراد" سے تھا وہ حضرت اویس کے پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کی صبح کس حال میں ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے صبح ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ دن کیسے گزر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے دن کیسے گزرتے ہیں کہ جب صبح ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ شام نہیں دیکھ پائے گا اور جب شام ہو تو اس کا گمان ہو کہ صبح نہیں دیکھ پائے گا۔ اور جنت کی خوشخبری ملے گی یا جہنم کی؟ اے مراد (قبیلے) کے بھائی! موت اور اس کی یاد مومن کے لیے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑتی۔

کرامات اور وفات

حضرت اویس قرنی کی کرامات دیو مالائی کہانیوں کی طرح ان کی زندگی میں بھی مشہور تھیں اور ان کے بعد بھی مشہور ہیں۔

عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت اویس قرنی بھی تھے۔ جب ہم واپس ہوئے تو حضرت اویس بیمار ہو گئے تو ہم انہیں اٹھا لائے اور ان کی وفات ہو گئی تو ہم نے پڑاؤ کر دیا۔ دیکھا تو وہاں ایک قبر کھدی ہوئی پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور خوشبو لگا کفن بھی موجود ہے چنانچہ ہم نے اس پانی سے انہیں غسل دیا اور وہ کفن انہیں پہنا کر اس قبر میں تدفین کر دی۔

جب ہم آگے نکل گئے تو ہم میں سے کسی نے دوسرے کو کہا کہ چلو ہم ان کے لیے دعا وغیرہ کر کے واپس آتے ہیں چنانچہ ہم واپس گئے تو وہاں قبر کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ ایک قول کے مطابق ان کی وفات جنگ صفین کے دوران ہوئی تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۵۵ ہجری بمطابق ۶۷۵ عیسوی)

☆ قریب تھا کہ وہ انبیاء جیسے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے۔
☆ ایسا شخص جس کے کپڑوں کو خیر نے بوسہ دیا۔
☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرتے جیسے کہ اسے دیکھ رہے ہوں۔
☆ وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے تھے کہ اس کے سوا کسی سے ڈریں۔

☆☆☆

ذکر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا نور بنایا۔ اس امت کے راہب تھے۔ ان میں سے تھے جن پر زہد ختم ہو جاتا ہے۔ رہنما اور ولی۔ یہ ہیں ابو عمر عامر بن عبداللہ بن عبدالقیس عنبری۔ بنو عنبر سے تعلق رکھنے والے تابعی تھے۔ بصیرہ کے تابعین

میں سب سے پہلے عبادت گزاری اور شنک میں مشہور ہونے والے۔ زہد وعبادت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہی سے قرآن سیکھا۔ ان کا دل آخرت سے اٹکا رہتا۔ ان کے خواب امیدوں کے باغ میں گھومتے رہتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس امت کے راہب ہیں۔

خوف خدا اور صرف خوف خدا

ان کے اندر اللہ عزوجل کا خوف قرار پکڑ چکا تھا۔ چنانچہ جب ذکر کیا جاتا تو یہ چڑیا کی طرح تڑپنے لگتے۔ فرماتے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر چیز کو ڈراتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اسے ہر چیز سے خوف دلاتا ہے۔

ایک دن یہ نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان سانپ کی شکل بنا کر ان کی قمیض کے نیچے سے داخل ہو کر گریبان سے نکلا۔ مگر عامر نہ ہلے اور نہ ہی ڈرے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ نے سانپ کو خود سے دور کیوں نہ کیا؟ تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ اس کے سوا کسی اور سے ڈروں' واللہ مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کب داخل ہوا اور کب نکلا۔

نمازوں سے محبت

نماز کی محراب میں کھڑے ہونے اور نفس کو باغ و بہار کرنے سے محبت رکھتے۔ چنانچہ جب سورج طلوع ہو کر خوب چمکنے لگتا تو یہ نفل نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور نماز عصر تک نمازیں ہی پڑھتے رہتے۔ اس کے بعد لوٹ آتے تو طویل قیام کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی ہوتی تھیں۔ فرماتے اے نفس تجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے لیے تجھے بنایا گیا ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ ''عامر نے خود پر لازم کر رکھا تھا کہ وہ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھیں گے۔ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے اور

سب سے آخر میں نکلتے اور جب کوئی انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیتا تو نماز مختصر کر دیتے۔

توکل اور خدا پر بھروسہ

اللہ تعالیٰ پر قوی بھروسہ اور بہت زیادہ توکل والے انسان تھے۔ ایسے پہاڑ تھے کہ مصائب کے سامنے سرخم نہ فرماتے۔

چنانچہ ایک دن انہیں بتایا گیا کہ آپ کے گھر کے قریب آگ لگ گئی ہے۔ جواب دیا کہ آگ کو چھوڑ دو وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ اور پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ الفاظ کانوں نے سنے ہیں۔ آگ بھڑکتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور جب ان کے گھر تک پہنچ گئی تو اس نے راستہ بدل لیا۔

مال کو کوئی وزن اور حیثیت نہیں دیتے تھے۔ اس شخص کی طرح خرچ فرماتے جسے فقر کا خوف نہ ہو۔ ان کا انفاق اس شخص کی مانند تھا جو یقین رکھتا ہو کہ مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔ چنانچہ عامر جب اپنا وظیفہ نکالتے تو اسے اپنے کپڑے کی ایک طرف باندھ لیتے اور راستے میں جس مسکین سے ملتے اسے دیتے چلتے اور پھر جب گھر پہنچتے تو وہ پوٹلی اپنے گھر والوں کی جانب اچھال دیتے تو جب وہ اس پوٹلی کے درہم وغیرہ گنتے تو وظیفہ کی رقم کے برابر ہی ملتے (پورے ہوتے)۔

زہد و توکل

ایک دن ان کی بھتیجی دودھ کی بنی روٹی ان کے افطار کرنے کے لیے لائی۔ اتنے میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ کون ہے جو بھوکے پیٹ کو کھانا کھلائے؟ حضرت عامر نے سائل کی بات سے متاثر ہو کر اپنی بھتیجی سے کہا کہ اے بھتیجی! کیا یہ روٹی میری ہے اور میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت عامر نے سائل کو وہ روٹی دیدی۔ تو ان کی بھتیجی دوسری چیز لے آئی تو حضرت عامر نے فرمایا لاؤ لاؤ تو وہ ایک کھجور لائی تو آپ نے کھجور کھا کر اوپر سے پانی پی لیا۔ پھر فرمایا۔ میری

بھتیجی یہ پیٹ ایک برتن ہے جو چیز اس میں ڈالو گے یہ بھر جائے گا اور وہ چیز ذخیرہ بن کر باقی رہے گی جو تم آگے بھیجو گی۔''

اپنے گھر میں دنیاوی چیزوں کو نہیں رکھا تھا۔ سوائے ہلکی پھلکی چیزوں کے۔ چنانچہ ایک دن ابن قدامہ کی باندی ان کے ہاں آئی۔ آپ نماز میں مشغول تھے۔ اس نے آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے تسبیح کہی تو وہ اندر داخل ہوگئی۔ دیکھا تو گھر میں پانی کے مٹکے کے سوا کچھ نہ تھا اور آپ نے بھی ہلکے درجے کے کپڑے پہن رکھے تھے اور کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عامر جب بازار میں پھلوں کے پاس سے گزرتے فرماتے تھے کہ یہ سب ختم ہو جائیں گے اک جائیں گے۔

ایک مرتبہ عامر چار زانو بیٹھے دنیاوی زندگی کی حکایت اور اس کی رنگینیوں کی حقیقت لوگوں کو بتا رہے تھے۔ فرمایا کہ

میں نے لوگوں کی زندگی چار چیزوں میں دیکھی ہے۔ لباس، عورتیں، نیند اور طعام۔ چنانچہ لباس کی مجھے پرواہ نہیں جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں اور اپنے کندھے پر ڈالوں۔ عورتوں کی بھی مجھے پرواہ نہیں کہ میں عورت کو دیکھوں یا دیوار کو۔'' البتہ نیند اور کھانے نے مجھ پر غلبہ کرلیا ہے ان کا کچھ حصہ مجھے پہنچتا ہے۔ اللہ کی قسم میں اپنی محنت سے ان کا ضرر خود سے دور کروں گا۔ حسن کہتے ہیں کہ واللہ وہ اپنی محنت سے ان کا ضرر دور کرتے رہے حتی کہ وہ اللہ کے پاس چلے گئے۔

ایک دن بیٹھے رو رہے تھے اور آنسو بہہ رہے تھے کہ کسی نے کہا۔ اے عامر آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟ بھیگی آنکھوں سے جواب دیا کہ مجھے اس رات پر تعجب ہوا جس کی صبح کو قیامت کا دن ہوگا۔

ایک دن ذبح ہونے والی چڑیا کی طرح تڑپ رہے تھے اور ان کے سینے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس طرح دہرے ہوئے جا رہے تھے جیسے دانے توے پر مڑ جاتے ہیں۔ پھر پکارنے لگے۔ اے اللہ جہنم کی آگ نے مجھے سونے سے روک دیا ہے

لہٰذا میری مغفرت فرمادے۔

ان کی امیدیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ موت انہیں جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دن ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ نماز مختصر کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جلدی سے اپنی ضرورت بتاؤ مجھے جلدی ہے۔ اس شخص نے کہا۔ آپ کو کس چیز کی جلدی ہے؟ فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے۔ مجھے ملک الموت سے ملنے کی جلدی ہے (کہ معلوم نہیں وہ کب آجائے) چنانچہ جب وہ شخص چلا گیا تو عامر پھر نماز پڑھنے لگے۔

شادی سے احتراز

ایک مرتبہ بصرہ کے گورنر نے ان کے پاس کسی کو بھیج کر پوچھوایا کہ آپ کسی عورت سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے انہیں ترک نہیں کیا البتہ پیغام نکاح دینے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ (مطلب تھا کہ حورعین کو پیغام نکاح دینے اور اس سے شادی کرنے کے لیے عبادت گزاری میں لگا ہوا ہوں)۔

شبہ والی چیزوں کا ترک

امیر نے ان سے پوچھا کہ آپ پنیر کیوں نہیں کھاتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسی سرزمین پر ہوں جہاں مجوسی رہتے ہیں اگر دو مسلمان گواہی دیں کہ اس میں مردار ملا ہوا نہیں ہے تو میں اسے کھالوں گا۔

امراء کے دروازوں سے کنارہ کشی

امیر نے پوچھا کہ آپ کو امراء کے پاس آنے سے کس نے منع کیا ہے؟ فرمایا تمہارے دروازوں پر ضرورت کے طلب گار ہوا کرتے ہیں لہٰذا ان کو بلاؤ اور ان کی ضرورتیں پوری کرو۔ پھر ان لوگوں کو بلانا جنہیں تم سے کوئی طلب نہیں۔

ایک دن ایک ذمی پر ظلم ہوتے دیکھا تو اس پر اپنی چادر ڈال دی پھر آواز

لگائی میں اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے عہد کو ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ آپ نے اسے ان سے چھڑا لیا اور اس سے ظلم کو دور کیا۔

آخری وقت کے ارشادات

حضرت عامر بن قیس کے مرض میں شدت آ گئی حتیٰ کہ وہ بستر پر لا کر بٹھا دیئے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آنے لگے۔ عامر رونے لگے تو کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی یہ آیت رلا رہی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدہ آیت ۲۷)

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے ہی قبول فرمائے گا۔''

پھر مسلسل تکلیف میں رہے حتیٰ کہ موت کا وقت نزدیک آ گیا تو بہت زیادہ روئے۔ کسی نے پوچھا کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ موت سے ڈر کر نہیں رو رہا نہ ہی دنیا کی حرص ہے۔ لیکن میں گرم دوپہر میں روزے کی حالت میں پیاس کی شدت اور سرد راتوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کی لذت چھوٹنے پر رو رہا ہوں۔ اپنے طویل سفر اور توشے کی قلت پر رو رہا ہوں کیونکہ میں ڈھلان اور چھڑائی کے اس راستے پر آ گیا ہوں جہاں جنت ہے یا جہنم اور مجھے نہیں معلوم کہ میں کس جگہ ڈالا جاؤں گا۔

وفات

اس کے بعد انہوں نے اپنی آخری سانس لی اور ان کی روح اپنے رب کی طرف پرواز کر گئی۔ بیت المقدس میں ۵۵ ہجری میں انتقال ہوا۔

☆☆☆

سیدنا ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۶۲ ہجری بمطابق ۶۸۱ عیسوی)

☆ جنت میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رفیق۔

☆ جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزے کو جمع فرمایا۔

☆ شام کے مہکتے پھول۔ زاہدوں کے قطب۔

☆☆☆

انہوں نے خیر کے لیے ایک روشن دان بنا رکھا تھا جو فضیلت دیکھتے اسے حاصل کر لیتے جنگوں میں ان کی کڑک دار آواز نقارے کی آواز سے زیادہ بلند ہوتی تھی۔ یہ ہیں حکیم الاسلام عبداللہ بن ثوب الخولانی جو کہ ثقہ فقیہ تابعی اور بڑے عابد و زاہد تھے۔

یمن سے تعلق تھا۔ مخضرمی ہیں جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی اسلام لائے مگر خلافت ابوبکر میں مدینے تشریف لائے اور پھر شام ہجرت کر گئے۔ اس کی سیرت اور زندگی معجزات کے مشابہہ ہے جہاں ہوتے کرامات انہیں گھیرے رہتیں۔ ان پر بڑی سختیاں آئیں مگر یہ عظیم چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

یمن کے بے وقوف مدعی نبوت اسود عنسی نے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا اور اس نے انہیں آگ میں ڈلوا دیا۔ مگر یہ آگ میں صحیح سلامت رہے۔ جنگوں کے کمانڈر حضرات ان کی آمد سے بشارت پاتے اور انہیں آگے رکھتے تھے۔

ملعون اسود عنسی اور حضرت ابو مسلم رحمتہ اللہ علیہ

یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور شیطان نے اس کی خواہشات اس کے لیے مزین کر دیں چنانچہ اس نے حضرت ابو مسلم کو بلوایا اور بات چیت کی۔ کہنے

لگا کہ ''کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ مطمئن دل سے نکلی آواز سے آپ نے فرمایا ''جی ہاں'' اس نے پوچھا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ ''حضرت ابو مسلم نے فرمایا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ اس نے اپنا سوال پھر دہرایا تو انہوں نے بھی اپنا یہی جواب دہرایا۔ حضرت ابو مسلم رحمتہ اللہ علیہ کے جواب گولوں کی طرح اسود عنسی کی ہیبت کو توڑ رہے تھے۔ اس نے کالے دل کے ساتھ رعونت سے ایک بڑی آگ بھڑکائے جانے کا حکم دیا اور اس آگ میں حضرت ابو مسلم خولانی کو پھنکوا دیا مگر آگ انہیں نقصان نہ پہنچا سکی اور یہ آگ سے صحیح سلامت نکل آئے۔

اسود عنسی کو اس کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اگر اس کو یونہی آزاد چھوڑ دیا تو یہ آپ کے علاقوں میں فساد مچائے گا۔ لہٰذا اسود عنسی نے انہیں وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو یہ یمن سے نکل کر مدینے تشریف لے آئے۔

حضرات شیخین اور حضرت ابو مسلم

جب حضرت ابو مسلم مدینے پہنچے تو نبی کریم ﷺ کا سانحہ ارتحال ہو چکا تھا اور حضرت ابو بکر خلیفہ تھے۔ یہ آئے اور مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عمر کی نظر ان پر پڑی۔ ان سے پوچھا۔ بھائی کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا یمن سے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ اس اللہ کے دشمن نے ہمارے ساتھی کے ساتھ کیا کیا جسے اس نے آگ میں ڈال دیا تھا اور آگ نے اسے نقصان نہیں پہنچایا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ وہ عبداللہ بن ثوب ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہیں وہ تمہی تو نہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''ہائے اللہ، جی ہاں میں ہی ہوں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے معانقہ کیا ان کی آنکھوں کے دمیان بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور دونوں کے

درمیان انہیں بٹھایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے موت نہ دی تاوقتیکہ میں امت محمد ﷺ کے اس شخص کو دیکھ لوں جس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جو حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن (رحمٰن کے دوست) کے ساتھ پیش آیا۔

دنیا کے ذکر سے اعراض

دنیاوی خواہشات اور رنگینیاں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں اور یہ کسی ایسے شخص کے پاس نہ بیٹھتے جو دنیاوی بات کر رہا ہوتا۔ یہ ایسے شخص کے پاس سے اٹھ جاتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ یہ ایک مسجد میں داخل ہوئے وہاں کچھ لوگوں کو بیٹھے دیکھا وہ اس طرح بیٹھے تھے جیسے اللہ کا ذکر کر رہے ہوں چنانچہ یہ ان کے پاس بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک یہ کہہ رہا تھا کہ میرا غلام آیا اور اسے یہ ملا وہ ملا۔ دوسرا کہہ رہا تھا میں نے غلام سامان دیا وغیرہ۔ حضرت ابومسلم نے ان کی طرف دیکھا اور حیرت سے سبحان اللہ کہا اور فرمایا۔

''جانتے ہو تمہاری اور میری مثال کیسی ہے؟ ایک شخص نے شدید بارش سے بچنے کے لئے ادھر ادھر دیکھا تو ایک بڑا دروازہ دیکھا تو سوچنے لگا کہ میں اس مکان میں داخل ہو جاؤں تاوقتیکہ بارش ختم ہو جائے چنانچہ وہ اندر گیا تو دیکھا کہ مکان کی چھت نہیں تھی۔'' میں بھی تمہارے پاس آ کر بیٹھا امید تھی کہ تم اللہ کا ذکر اور نیکی کے بات کر رہے ہو گے مگر تم تو دنیا دار نکلے۔

عبادت اور خشوع

حضرت ابومسلم کثیر عبادت اور بہت خشوع والے تھے۔ مسجد میں ایک کوڑا لٹکا رکھا تھا۔ اگر نماز میں نیند یا سستی پیدا ہوتی تو یہ کوڑا اٹھا کر اپنی پنڈلی پر ایک دو ضرب لگاتے پھر دوبارہ نماز پڑھنے لگ جاتے۔

ایک مرتبہ دو آدمی ان کے گھر مہمان آئے ان کی زوجہ نے کہا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ آئے دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں تو پیچھے بیٹھ گئے اور دیکھا کہ رکوع میں اتنی دیر لگائی جتنی دیر تین یا چار سو رکعتوں میں لگتی ہے۔ بہر حال جب انہوں نے سلام پھیرا تو وہ کہنے لگے کہ اے ابو مسلم ہم کافی دیر سے آپ کے منتظر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے تمہاری آمد کا علم ہوتا تو میں تمہاری طرف ضرور متوجہ ہو جاتا۔

کرامات

حضرت ابو مسلم کی کرامات بے شمار ہیں اور کرامات کے ظہور پر خاموش رہتے۔ کسی سے حیرت کی نظر یا تعریفی کلمات کے منتظر اور خواہش مند نہ ہوتے جس سے وہ شہرت کے آسمان پر پہنچیں یا بزرگی جتائیں۔

ایک دن ان کی بیوی نے آواز دی۔ اے ابو مسلم ہمارے پاس آٹا نہیں ہے" پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک درہم ہے جو سوت بیچ کر حاصل ہوا ہے۔ فرمایا کہ لاؤ مجھے دو اور تھیلا بھی دے دو۔

پھر بازار میں آئے تو ایک فقیر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ "اے ابو مسلم مجھے صدقہ دیجئے۔ انہوں نے وہ درہم انہیں دے دیا۔ اور اس کے بعد اس تھیلے میں برادہ اور بڑھئی کے ہاں کی مٹی ڈال دی اور خاموشی سے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بیوی نے دروازہ کھولا تو یہ تھیلا خاموشی سے دروازے کے ساتھ رکھ کر تیزی سے واپس ہو گئے۔ رات گئے واپس لوٹے تو بیوی نے ان کے سامنے روٹیاں رکھیں۔ انہوں نے حیرت سے فرمایا یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے کہا کہ اس آٹے سے بنائی ہیں۔ جو آپ دروازے کے ساتھ رکھ گئے تھے۔ چنانچہ ابو مسلم روٹی کھاتے جاتے اور روتے جاتے۔

دریا کو بغیر کشتی پار کرنا

ایک مرتبہ حضرت ابو مسلم روم کے علاقے میں کسی جنگ میں شریک تھے۔

مجاہدین کے سامنے دریا (یا نہر) آ گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پار کرلو اور پھر خود سب کے سامنے دریا میں اتر گئے۔ دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی اتر گئے اور پار ہو گئے اور پانی گھوڑوں کے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتا تھا (حالانکہ دریا بہت گہرا تھا)۔

خلیفہ کو نصیحت

(جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو) حضرت ابو مسلم ان کے پاس تشریف لے گئے وہ کرسی خلافت پر بیٹھے تھے اردگرد لوگ ان کی تعظیم کے لیے موجود تھے۔ ابو مسلم نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ ''السلام علیک یا اجیر المومنین۔'' اے مومنوں کے مزدور السلام علیک'' لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے اور دربار میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں کسی نے کہا اے...... خاموش امیر المومنین کہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سر جھکا لیا تھا۔ فرمانے لگے ابو مسلم کو مت ٹوکو' کیونکہ اسے زیادہ معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا ہے۔ حضرت ابو مسلم حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں لوگوں کے معاملے کا ذمہ دار (امیر) بنا دیا ہے تو اس کے ہاں تمہارے جیسے لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے ایک مزدور اجرت پر رکھا ہو اور اپنی بکریوں کا رکھوالا بنا دیا ہو اور اس شرط پر اس کے لیے اجرت رکھی ہو کہ اگر وہ گلے کے ساتھ اچھی محنت کرے ان کے جسموں کی حفاظت کرے اون بڑھائے۔ چنانچہ اگر وہ معاہدے کے مطابق کام کرے حتیٰ کہ چھوٹا جانور بڑا ہو جائے۔ لاغر بکری موٹی ہو جائے' بیمار صحیح ہو جائے تو وہ اسے اجرت دے گا اور زیادہ بھی دے گا لیکن اگر اس نے ریوڑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ غفلت برتی اور کوئی بکری ہلاک ہوگئی۔ موٹی بکری لاغر ہوگئی اور ان کا دودھ اور اون ضائع ہو گئے تو مالک اس کی اجرت روک لے گا اور غصہ ہو کر سزا بھی دے گا۔

لہٰذا آپ اپنے لیے وہ انداز اختیار کریں جس میں آپ کے لیے خیر اور اجر

ہو۔'' یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا۔ اے ابومسلم ہم نے تمہیں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہ جانا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق

رات کا آخری پہر تھا۔ مسلمان رومی سرزمین سے واپس آ رہے تھے تو وہ ایک آبادی سے گزرے جو حمص سے چار میل کے فاصلے پر تھی۔ اچانک ایک راہب اپنے صومعے (عبادت خانہ) سے نکل کر آیا اور ان سے گویا ہوا۔ ''کیا آپ لوگ ابومسلم خولانی کو جانتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ''جی ہاں'' اس نے کہا کہ جب ان سے ملو تو ان کو میرا سلام کہنا کیونکہ ہم اپنی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ وہ جنت میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے۔'' لیکن تم لوگ اب انہیں زندہ پا نہ سکو گے۔ بہرحال یہ لوگ جو دمشق کے قریب غوطہ نامی جگہ پہنچے تو وہاں حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۶۲ ہجری بمطابق ۶۸۱ عیسوی)

- ☆ جن کا دل آسمان کے تاروں سے ملا ہوا تھا۔
- ☆ ان کی قرآن کی تلاوت دل کے تاروں کو ہلا دیتی تھی۔
- ☆ مشک سے بھرا تھیلا جسے حرکت دیں تو خوشی و استعجاب بڑھائے۔

☆☆☆

یہ ہیں بلبل زاہدین قراء کی زینت اس امت کے ربانی حضرت ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الھمدانی' ثقہ تابعی ہیں یہ (نسک کے راستے پر) چلے حتیٰ کہ زاہدین کی جماعت میں پہنچ گئے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے علم کی روایت کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فقہ و سمجھ حاصل کی۔ ایمان کی تلوار سے معرکوں کے غبار کو چیرا لہٰذا بڑے معرکے سر کئے' صفین میں شریک تھے۔ خراسان کے جہاد میں حصہ لیا۔ کوفہ میں رہائش رکھی۔ عراق کے فقیہ تھے۔ طریقے اور صفات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہہ تھے۔

ان کی آواز مزامیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح بڑی سریلی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ فرماتے کہ قرآن کی تلاوت سناؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔'' یہ پانچ دنوں میں ایک قرآن ختم فرماتے' لاولد انتقال ہوا۔ حضرت مرہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی تعریف میں فرمایا کہ ''علقمہ رحمتہ اللہ علیہ (بن قیس) اس امت کے ربانی تھے۔''

صاحب علم وفضل

علم وفضل والے تھے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ بھی ان سے مسائل پوچھا کرتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کے بارے میں یہ تعریفی کلمات ارشاد فرمائے۔''

''میں جو چیز پڑھتا ہوں یا جانتا ہوں وہ بات علقمہ بھی پڑھتے اور جانتے ہیں۔ ایک دن قابوس بن ابی ظبیان نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ اصحاب رسول ﷺ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ ان کے والد نے فرمایا ''اس لیے کہ میں نے خود اصحاب رسول ﷺ کو دیکھا ہے وہ ان سے سوال کرتے اور مسائل میں فتویٰ لیتے ہیں۔

اس قدر بڑے علم کے باوجود انہوں نے کبھی حلقہ درس نہیں بنایا نہ ہی کبھی کسی ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے بلکہ وہ حلقوں سے دور ہی بھاگتے تھے۔

کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ مسجد میں کیوں نہیں بیٹھتے تاکہ لوگ آپ کے پاس بیٹھیں اور آپ فتویٰ دیں۔ یہ سن کر ان کے بدن میں رعشہ سا طاری ہوگیا۔

آپ نے سر ہلاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میری گردن روندی جائے اور کہا جائے کہ ''یہ علقمہ ہے۔''

بادشاہوں کی چوکھٹ سے احتراز

انہوں نے اپنی پیٹھ امراء کے دروازوں کی طرف کر دی تھی اور کبھی کسی حکمران کی چوکھٹ پر بھی نہ چڑھے کسی نے انہیں کہا کہ آپ سلطان کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے غصہ میں فرمایا۔ واللہ میں ان کی دنیا سے کچھ حاصل نہیں کروں گا الا یہ کہ وہ اسی کے مثل مجھ سے دین حاصل کریں اور ڈرتا ہوں کہ جتنا میں ان سے لوں وہ مجھ سے اس سے کم حاصل کریں گے۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ابن زیاد جب بصرہ اور کوفے کا گورنر بنا تو اس نے انہیں بلوایا مگر یہ نہیں گئے تو کسی نے ابو وائل سے پوچھا کہ یہ کیوں نہیں گئے تو انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ علقمہ کے پاس چلو تو انہوں نے علقمہ کے پاس جا کر ان سے یہ بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جان رکھو کہ تم جب بھی ان حکمرانوں سے کچھ حاصل کرو گے تو یہ اس سے افضل چیز تم سے واپس لیں گے۔'' (نوٹ کتاب میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے ہم نے اپنی یادداشت سے بڑھا دی ہے: ان کان صحیحا فمن اللہ والافمنی)

وفات

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اوپر جاہلیت کے رونے کی طرح مت رونا اور میری وجہ سے کسی کو تکلیف مت دینا' دروازہ بند کر دو اور میرے جنازے کے پیچھے کوئی عورت نہ چلے نہ ہی آگ لے کر چلنا۔ اگر تم اتنا کر سکو کہ میرے آخری الفاظ لا الہ الا اللہ ہوں تو ایسا کر لو (یعنی مجھ سے زیادہ باتیں مت کرو تاکہ کلمہ پڑھتے ہوئے ہی میری وفات ہو جائے)۔

چنانچہ کوفہ میں ۶۲ ہجری میں ان کا پاک بدن مٹی کے حوالے کر دیا گیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۶۳ ہجری بمطابق ۶۸۲ عیسوی)

☆ ایسے شخص کہ جنہیں رسول اکرم ﷺ دیکھتے تو پسند فرماتے۔

☆ ان کی سرگوشی تسبیح، گفتگو اللہ تعالیٰ کی حمد اور بلند آواز کلمہ اور تکبیر کی آواز ہوتی۔

☆☆☆

ایسا نوجوان جس نے تاریخ کے کانوں میں زہد کا گیت اتارا۔ زہد کے راستے پر جوانی کی ابتداء سے چلا۔ یہ متقی پرہیز گار اور عبادت گزار نوجوان محراب زہد، ابو یزید ربیع بن خثیم ثوری کوفی ہیں جو بڑے سرکردہ اور عقلمند انسان تھے نبی کریم ﷺ کا زمانہ انہوں نے پایا۔ شہرت کی روشنی سے فرار کے لیے بے قیمت کپڑے پہنتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کا زہد و عبادت مشہور ہوا۔ ان کے لب ذکر الٰہی سے رکتے نہ تھے۔ رضا سے ایسا لباس بنایا تھا جو دنیا میں انہیں چھپاتا تھا۔ زاہدین کا راستہ گم نہیں کیا اور ان کا زہد فقر سے فرار کے لیے بھی نہ تھا بلکہ ایسے شخص کا زہد تھا جس نے بہت کچھ (دنیاوی دولت و عزت سے) پایا مگر اسے ترک کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا۔ ''اے ابو یزید اگر تمہیں رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو ضرور پسند فرماتے اور تمہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے۔'' شعبی سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ذکر کیا کہ ربیع ہم سب میں بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔'' علقمہ بن مرثد نے فرمایا کہ زہد آٹھ تابعین پر ختم ہو گیا ان میں سے ایک حضرت ربیع بھی تھے۔

ذکر و فکر ان کی غذا تھی

ذکر اور فکر ان کو آسمان کے دروازوں تک ان کی معراج اور اسراء تھے۔ ایک دن ''ابن الکواء'' آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ اپنے سے بہتر شخص کی طرف میری رہنمائی

کریں۔ تو ربیع نے فرمایا کہ جس کی گفتگو خیر خاموشی تفکر اور چلنا تدبر ہو۔ وہ شخص مجھ سے بہتر ہے۔ ایک دن ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کی صبح کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ ہم نے گناہ کی حالت میں صبح کی اپنا رزق کھا رہے ہیں اور اپنا وقت پورا ہونے کے منتظر ہیں۔

حضرت ربیع نے ذکر کو دل کی غذاء اور روشنی بنالیا تھا چنانچہ ایک دن کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے تو کسی نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھیں گے؟ فرمایا کہ اگر میرے دل سے موت کا ذکر ایک لمحے کے لیے بھی جدا ہو گیا تو میرے دل کا معاملہ بگڑ جائے گا۔

نماز روزے سے محبت

نماز اور روزے سے بے انتہا محبت تھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جاگنے کے تو عاشق تھے انہیں کوئی چیز غافل نہیں کرسکتی تھی۔ ایک حصے پر فالج ہو گیا تھا تو دو افراد کے سہارے مسجد جاتے۔ کسی نے کہا۔ اے ابو یزید اللہ تعالیٰ نے تمہیں رخصت دی ہے اگر آپ نماز گھر میں پڑھیں (تو جائز ہے) آپ نے جواب دیا "لیکن میں حی علی الفلاح پکارتے سنتا ہوں اور جو شخص اسے سنے تو اسے چاہیے کہ اس کی پکار پر لبیک کہے اگرچہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جائے۔

ربیع جب سجدہ کرتے تو یوں لگتا کہ کسی نے کپڑے پھینک دیئے ہوں۔ چنانچہ چڑیا آ کر ان پر بیٹھ جایا کرتی تھیں۔

شہرت سے دور رہنا

وہ یہ پسند کرتے تھے کہ اندھیرے میں رہیں۔ شہرت کی روشنی اور ظاہر ہونے سے بہت دور رہیں۔ ان کی باندی کا بیان ہے کہ حضرت ربیع کا ہر عمل چھپ کر ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس آتا اور یہ قرآن پڑھ رہے ہوتے تو قرآن کو کپڑے سے چھپا لیتے (تاکہ وہ مشہور نہ کردے کہ وہ تلاوت کرتے رہتے ہیں)۔

اپنے نفس کو طاعت کے کوڑے سے سدھا لیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کا گھوڑا چوری ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ چور کے لیے بد دعا کریں تو آپ نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ میں دعا

کروں گا۔'' پھر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

''اے اللہ اگر وہ چور مالدار ہے تو اس کی مغفرت فرما اور اگر غریب ہے تو اسے غنی فرما۔''

بنو تمیم کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت ربیع بن خثیم کے پاس دس سال بیٹھا مگر ان کی زبان سے دنیا کے کسی معاملے کے بارے میں الفاظ نہیں سنے صرف دو موقع ایسے آئے کہ انہوں نے دنیاوی بات کی اور یہ بات کی۔(۱) کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ (۲) تمہارے ہاں کتنی مسجدیں ہیں۔

جہنم کی آگ کی یاد نے ان کی نیند کو بے چین کر دیا تھا۔ ایک دن ان کی صاحبزادی نے ان سے پوچھا۔''ابا جان کیا بات ہے دنیا کے سارے لوگ سوتے ہیں مگر آپ نہیں سوتے۔ ان کے چہرے پر غم کا ہالہ قائم تھا فرمایا۔ بیٹی مجھے جہنم (کی آگ) سونے نہیں دیتی۔

آخری لمحات

جب آپ کو مرض کے تیر لگے تو آپ بستر پر پڑ گئے۔ فرمانے لگے کہ''موت سے بہتر کوئی غائب نہیں جس کا مومن انتظار کرے۔ جب ان کی بیماری بڑھ گئی تو ان کی صاحبزادی رونے لگیں تو انہوں نے فرمایا میری بچی مت رو بلکہ یہ کہہ''آج خوشخبری ہو کہ میرے والد کو خیر ملی ہے۔

کسی نے کہا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلا لاتے ہیں؟ فرمایا کہ عاد ثمود اور اصحاب الرس اور دوسرے زمانوں کے لوگوں میں بھی مریض اور معالج تھے۔ مگر نہ دوا کرنے والا بچا اور نہ ہی دواء دینے والا۔ موت کی خبر دینے والا اور مرنے والا سب ہی ہلاک ہو گئے۔

وفات

واقعہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وفات کوفہ میں ۶۳ ہجری میں ہوئی اس وقت کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد گورنر تھا۔

سیدنا حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ

☆ جو سوئے تو صرف سجدے کی حالت میں۔
☆ خوف کی محراب میں سرگرداں۔
☆ رات کے اندھیروں کا راہب۔

☆☆☆

امامؒ رہنما' ثقہ تابعی' عارف باللہ' چمکتے دل کے مالک۔ یہ ہیں۔ ابو عائشہ مسروق بن عبدالرحمٰن الھمدانی' یمن سے تعلق تھا۔ حالت صغر میں چوری ہو گئے تھے لہٰذا مسروق نام پڑھ گیا۔ مخضرمی ہیں نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں ایمان لائے اور عہد صدیقی میں مدینے آئے۔ خود کو علم اور ورع (تقویٰ) کے میدان ہی میں پایا۔ کوفے میں مقیم تھے۔ غریب تنگدست انسان تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام پوچھا تو جواب دیا۔ مسروق بن اجدع' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اجدع تو شیطان کا نام ہے۔ تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو۔ چنانچہ پھر یہی نام باقی رہا۔

علمی فضیلت

حضرت شریح سے زیادہ مسائل کو جاننے والے تھے۔ جب نماز پڑھتے تو گویا وہ رات کی تاریکی میں عبادت کرنے والے راہب ہوتے۔ جنگ قادسیہ میں ایک ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا کوئی بیٹا نہیں جنا۔ جب عبیداللہ بن زیاد کوفہ آیا تو اس نے پوچھا کہ یہاں لوگوں میں سب سے زیادہ افضل شخص کون ہے؟ جواب ملا کہ حضرت مسروق ہیں۔''

محنت کے بازو پر چادر لپیٹ لی اپنی لاٹھی گردن پر رکھی اور علم کے حلقوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اصحاب حدیث کے ہمراہ حدیث کی عنان کو گھماتے رہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے میں میں نے مسروق جیسا علم کی طلب

رکھنے والا شخص نہیں دیکھا۔

ایک دن مسروق کوفے سے بصرہ ایک شخص سے ایک آیت کا مفہوم پوچھنے گئے تو اس شخص کو بھی اس کا علم نہ تھا چنانچہ اس نے ایک اور عالم کا پتہ بتایا جو شام میں رہتے تھے چنانچہ یہ اس کی تلاش میں شام روانہ ہو گئے۔

زہد و ورع کے عجیب قصے

زہد اور ورع کے عجیب قصے ہیں جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے چنانچہ حج کرنے گئے تو وہاں ایک دن بھی نہ سوئے۔ اگر سوتے تو سجدے کی حالت میں سوتے۔ اور واپسی تک پیشانی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بچھائی۔

ان کی زوجہ فرماتی ہیں کہ وہ اس قدر نماز پڑھتے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ انہیں قاضی کا عہدہ سونپا گیا تو کبھی اس کی تنخواہ نہیں لی بلکہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ مجھے اچھا گمان صرف اس وقت ہوتا ہے جب خادم یہ کہے کہ گھر میں نہ آٹا ہے نہ کوئی درہم وغیرہ۔"

دنیا کی حقیقت

ایک دن یہ اپنے خچر پر سوار تھے ان کے پیچھے ان کا بھتیجا بیٹھا تھا۔ آپ نے اسے کہا کہ تجھے دنیا دکھاؤں؟ یہ کہہ کر حیرہ کے پرانے کچرا گھر کے پاس لے گئے۔ فرمایا کہ "یہ ہے دنیا۔ لوگوں نے کھایا اور اسے فنا کر دیا۔ پہنا تو اسے بوسیدہ کر دیا۔

ایک دن گرمی کے موسم میں روزے کی حالت میں غشی طاری ہوگئی۔ صاحبزادی نے عرض کیا۔ ابا جان روزہ توڑ دیں۔ آپ نے فرمایا تم نے میرے ساتھ یہ کہہ کر کیا چاہا؟ اس نے کہا کہ "نرمی اور آسانی چاہی تھی۔ فرمانے لگے۔ "میری بچی میں تو اپنے لیے اس دن میں آسانی تلاش کر رہا ہوں جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر فرمانے لگے کہ کسی شخص کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے

لگے۔ اور کسی شخص کے لیے اتنا جہل کافی ہے کہ اس کو اپنے عمل پر عجب (تکبر خود پسندی) پیدا ہونے لگے۔

ان کی زوجہ فرماتی ہیں کہ ہم نے انہیں جب بھی دیکھا' کثرت نماز کی بناء پر ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی نظر آئیں۔

آخری لمحات

جب موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ کسی نے کہا یہ رونا پیٹنا کیسا؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں یہ تو ایک وقت ہے اور مجھے یہ نہیں معلوم کہ کہاں لے جایا جائے گا۔ میرے سامنے دو راستے ہیں نہیں معلوم جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں لے جایا جائے۔

حضرت مسروق دنیا سے بالکل خالی ہاتھ چلے گئے۔ ان کی ملکیت میں کچھ نہ تھا بالکل اس طرح کہ جب پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پڑوس سدھار گئے تو لوگوں نے ان کے کفن کے لیے رقم ڈھونڈھی تو کچھ نہ ملا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ

''ان کے کفن کی قیمت کی ادائیگی کے لیے قرض لے لو۔''

بہرحال کوفہ میں ۶۳ ہجری میں ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

سیدنا احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۶۳ ہجری بمطابق ۶۸۲ عیسوی)

☆ ایک شخص جو شرف سے دور بھاگتا تھا اور شرف اس کے پیچھے چلا آتا تھا۔

☆ صحابیت کے شرف سے محروم ہوئے مگر نبی کریم ﷺ کی رضا سے محروم نہ ہوئے۔

☆ شاید وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی میں سردار بن جاتے۔

☆☆☆

عرب کے یکتا لوگوں میں سے ایک شخص' حکمت اور زہد کا شہسوار' یہ ہیں۔

حضرت احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین المری سعدی تمیمی، کنیت ابو بحر تھی۔ احنف اس لیے مشہور ہوئے کہ ان کی پنڈلیاں ٹیڑھی تھیں (حنف) کے معنی ٹیڑھی پنڈلیوں والا ہونا ہے چہرے کی بدصورتی اور کوتاہ قد ہونے کے باوجود وہ دھاۃ عرب (عرب کے ذہین ترین لوگوں) اور اسلام کے عظیم سپوتوں میں شمار ہوتے تھے۔

بنو تمیم کے سردار، ایک فصیح اور بہادر شخص، بردباری ضرب المثل تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی۔ جس پر انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور فرماتے کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے علاوہ میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کی وجہ سے قیامت میں نجات کی امید ہو۔

بصرہ میں پیدا ہوئے، یتیمی میں جوان ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا مگر آپ ﷺ کا دیدار نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے پاس وفد لیکر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ ان کے پاس ایک سال رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر بصرہ واپس آ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ احنف کو اپنے قریب کرو اس سے مشورہ کیا کرو اور اس کی بات سنا کرو۔

خراسان کی فتوحات میں شریک تھے۔ یوم جمل کے فتنہ سے الگ ہو گئے تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔

اپنا محاسبہ کرتے ہوئے فرماتے کہ میں نے خود کو قرآن کریم پر پیش کیا تو میں نے خود کو اس آیت کے زیادہ مشابہہ پایا۔ اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور نیک اعمال کو خلط کر دیا اور دوسرے برے کیے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

زہد و تواضع

حضرت احنف تنہائی میں جا کر ہاتھ اٹھا کر گڑ گڑاتے۔ اے اللہ اگر تو مجھے

عذاب دے تو میں اس کا اہل ہوں اور اگر تو مجھ کو معاف کر دے تو تو اس کا اہل ہے۔''

فرماتے کہ تعجب ہے اس شخص پر جو پیشاب کی جگہ سے دو مرتبہ گزرنے کے باوجود تکبر کرتا ہے۔

حضرت احنف اپنی قوم میں بڑے اونچے مقام پر تھے حتیٰ کہ اپنی عقل، حلم اور زہد کی بناء پر ان کے سردار بن گئے۔ تو لوگوں نے ان کی عزت افزائی کے لیے عرض کیا کہ ہم آپ کے چوکیدار (دربان) مقرر کر دیں؟ تو آپ نے تواضع اور انکساری سے فرمایا کہ میں نے دربان (داروغہ) کے بارے میں صرف جہنم میں ہونا سنا ہے۔ واللہ میرے لیے کبھی کوئی دربان مقرر نہیں کیا جائے گا۔

وفات تک ان کا گھر بانس کی چھپٹیوں کا بنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ سفر سے واپس آئے تو اپنے گھر کی چھت کو بدلا ہوا دیکھا۔ (یا اس پر لال یا سبز رنگ ہوا دیکھا) تو ٹھٹک کر رہے گئے۔ کسی نے پوچھا کہ چھت کو کیسا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا بھائی معاف کرنا جب تک اسے نہیں بدلو گے میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔

کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے سردار بنایا۔ فرمایا کہ اگر لوگ پانی کی برائی کریں تو میں پانی بھی نہ پیوں۔

خشوع وخوف الٰہی

حضرت احنف کسی بیمار شخص کی طرح بے چین رہتے اور کسی گمشدہ بچے کی ماں کی طرح جہنم کے عذاب کے خوف سے رویا کرتے تھے۔ حضرت احنف کا خادم جو ان کی تنہائی کے حال سے واقف تھا۔ بیان کرتا ہے کہ وہ اکثر جب تنہائی میں جاتے تو قرآن کریم ہی مانگتے۔ اور ان کی عام طور سے رات کی نماز دعاؤں پر مشتمل ہوتی۔ (زیادہ تر دعا میں مشغول ہوتے) ان کو جب بھی کسی گناہ کا احساس ہوتا یا کوئی عیب ظاہر ہوتا تو وہ اپنا ہاتھ چراغ کے اوپر رکھ دیتے اور خود سے کہتے محسوس کر (درد ہوتا ہوا) پھر فرماتے اے احنف محسوس کر تجھے فلاں دن فلاں کام پر کس نے اکسایا تھا۔

روزے سے محبت

ان کی روزے سے محبت اس درجہ تھی کہ انتہائی بڑھاپے میں بھی روزے رکھا کرتے تھے چھوڑتے نہیں تھے انہیں کہا گیا کہ آپ بوڑھے ہیں روزے سے اور کمزوری بڑھ جائے گی؟ تو فرمانے لگے کہ میں بڑے طویل سفر کے لیے انہیں ذخیرہ کرر ہا ہوں۔

عرب کے بڑے بردبار اور مشہور شخص تھے ایک دن یہ بصرہ کے مضافات میں اکیلے کہیں چل رہے تھے کہ ایک شخص ان کے سامنے آیا اور انہیں برا بھلا کہنے اور عیب لگانے لگا اور یہ چپ چاپ چلتے رہے جب یہ آبادی کے قریب ہوئے تو احنف اس کی طرف مڑے اور نرمی سے فرمایا۔ اے بھتیجے اگر کچھ اور کہنا باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ لو۔ کیونکہ اگر میری قوم نے تمہاری باتیں سن لیں تو تمہیں ان لوگوں سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

پڑوس کے حقوق کا خیال

ایک مرتبہ احنف بن قیس اپنے گھر کی چھت پر چڑھے تو اچانک ان کی نظر پڑوسی پر پڑ گئی۔ فوراً کپکپاتی آواز میں فرمایا برا کیا برا کیا۔ مجھے پڑوسی پر بغیر اجازت داخل کر دیا گیا۔ آئندہ اس گھر کی چھت پر کبھی نہیں چڑھوں گا۔

ایک مرتبہ احنف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کے ساتھ خاموشی سے بیٹھ گئے کوئی بات نہ کی۔ حضرت معاویہ نے بڑے تعجب سے کہا۔ آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ احنف نے بڑے حوصلے سے کہا کہ اگر جھوٹ بولوں تو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور سچ بولوں تو تمہارا خوف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکوہ کبھی کسی سے نہیں کرتے تھے ایک دن کہنے لگے کہ میری چالیس سال سے آنکھ کی روشنی ختم ہو چکی ہے مگر آج تک میں نے کسی سے اس کا شکوہ نہیں کیا۔

ایک مرتبہ لوگ ان کی تعریف کرتے ہوئے آئے کہنے لگے۔ اے ابو بحرؒ ہم

نے آپ سے زیادہ باوقار اور بردبار شخص نہیں دیکھا۔ یہ سن کر حیاء سے ان کا چہرہ لال ہوگیا۔ ان کی تعریف کا انکار کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ لیکن میں نے خود کو تین معاملات میں بڑا جلد باز پایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا؟ تو فرمایا۔ "(۱) نماز کا وقت جب ہو جائے تو میں جلدی کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اسے ادا کرلوں۔ اور بے شوہر کی عورت کا جب پیغام نکاح کفو سے آجائے تو میں جلدی کرتا ہوں حتیٰ کہ اس کا نکاح کرادوں اور جنازہ جب اٹھایا جائے تو میں جلدی کرتا ہوں حتیٰ کہ اسے اس کی قبر تک پہنچادوں۔

کرامات

ان کی بڑی کرامات بھی مشہور ہیں۔ ایک دن چیونٹیاں بہت ہوگئیں اور احنف کو ان سے تکلیف ہوئی تو کرسی لانے کا حکم دیا اور کرسی کو ان کے بل کے پاس رکھ کر بیٹھ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور کہا کہ تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ بس اب رک جاؤ ورنہ ہم تمہیں تکلیف دیں گے۔ چنانچہ چیونٹیاں رک گئیں اور اپنے بل میں چلی گئیں۔

بے مثال حلم

ان کے بے مثال حلم کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دن احنف بن قیس اپنے گھر کے دالان میں بیٹھے تھے۔ اچانک لوگ ان کے بیٹے کی قتل شدہ لاش اور ان کے بھتیجے کو رسیوں میں جکڑ کر لائے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر احنف نے ذرا سی جنبش بھی نہ لی اور نہ اپنے بیٹھنے کے انداز کو بدلا۔ بڑی نرمی سے اپنے بھتیجے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ میرے بھتیجے! تم نے اپنے رب کا گناہ کیا ہے اور اپنے ہی تیر سے خود کو مارا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی کو قتل کیا ہے۔ پھر اپنے دوسرے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے بیٹے اپنے چچا زاد کی رسیاں کھول دو اور اپنے بھائی کی نعش دفنانے کا انتظام کرو اور اس کی ماں کے پاس دیت کے سو اونٹ لے جاؤ اس لیے کہ وہ بیچاری عورت ہے۔

وفات

احنف بن قیس حضرت مصعب بن زبیر کے دوست تھے۔ ان کے پاس وفد لیکر کوفہ گئے اور ان ہی کے پاس ۶۳ ہجری میں وفات ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت صفوان بن محرز رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۷۴ ہجری بمطابق ۶۹۳ عیسوی)

☆ جس نے نماز کی شمعوں سے رات کو روشن کیا۔

☆ ان کا گھر ان کی قبر تھا۔

☆ ایسا شخص جو الحمد للہ کہتا تو لوگوں کو رلا دیتا۔

☆☆☆

جس نے اخلاص کو دل کی گہرائیوں سے چھوا۔ جس کے الفاظ دلوں تک راستہ بنا لیتے تھے۔ یہ ہیں عابد' صالح ایک بڑے ولی صفوان بن محرز بن زیاد المازنی جو جلیل القدر تابعی نمازوں میں بہت کھڑے ہونے اور رونے والے شخص تھے۔

عبادت کے سمندر میں سرگرداں' دنیا کو پہچانے مگر اس کے سامان سے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی۔ رات کے اندھیرے کو اپنی نماز کی شمع سے دور کرتے۔ دنیاوی گفتگو انہیں پسند نہ تھی۔ دنیا میں بادشاہ بن کر اس طرح زندگی گزاری کہ دنیا ان کے قدموں کے نیچے اور عزت وتقویٰ کا تاج ان کے سر پر تھا۔

صفوان کے معمولات

اپنی زندگی ایک روٹی سے افطار کرتے گزار دی۔ پانی کے چند گھونٹ پیتے تو سیراب ہو جاتے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ فجر کی نماز کے بعد اپنی گود میں قرآن کریم رکھ کر پڑھتے حتیٰ کہ چاشت کا وقت ہو جاتا۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے

حتیٰ کہ زوال کا وقت قریب آ جاتا۔ چنانچہ یہ اٹھ کر خود کو زمین پر ڈال دیتے اور ظہر تک سو جاتے۔ وفات تک ان کا یہی معمول رہا۔ جب ظہر کی نماز پڑھ لیتے تو عصر تک نفل نمازیں پڑھتے۔ عصر کے بعد قرآن کریم لیکر اصفرار شمس تک قرآن پڑھتے رہتے۔

حضرت ابو الحسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے گرد لوگ جمع تھے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ چنانچہ با آواز بلند فرمایا۔ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو دنیا کی حلال چیزوں میں بھی اس طرح رغبت نہیں رکھتے جس طرح تم حرام چیزوں میں نہیں رکھتے۔ میں ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں جن کی نیکیوں کے بارے میں اس سے زیادہ ڈر ہے کہ وہ قبول نہ کی جائیں جتنا تمہارے گناہوں کے نہ قبول ہونے کا ہے۔ اور میں ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں جو زمین پر بیٹھ کر کھاتے ہیں اور زمین پر ہی سوتے ہیں۔ ان میں سے ایک صفوان بن محرز بھی ہیں۔

صفوان کا زہد

صفوان کبھی دنیا میں عمارتوں کے بنانے میں دنیا والوں کے ساتھ نہیں ہوئے۔ نہ حلال اور پاک اور من پسند چیزوں کے جمع کرنے میں ان کا ساتھ دیا جن پر انسان کی رال ٹپکتی ہے۔ انہوں نے خود کے لیے زمین میں چھوٹا سا تہہ خانہ سا بنا رکھا تھا جس میں سویا کرتے تھے۔ جب صفوان روٹی کھا لیتے تو کمر مضبوط ہو جاتی اور اس پر پانی پی لیتے اور کہتے۔ ''دنیا اور دنیا والوں کو ہمارا سلام ہے۔ (دنیا اور اس کی لذتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں)۔

ساحر بیان' صفوان

صفوان کی گفتگو کیا تھی بلبل کی کوک تھی۔ جب الفاظ زبان سے نکلتے لوگوں کے آنسو چھلک پڑتے۔ ان کی گفتگو (زبان سے نہیں) دل کی گہرائی سے نکلتی تھی اور لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتی۔ صفوان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھتے تو ساتھی (حلقہ احباب) آپس میں ذکر و اذکار اور آخرت کی گفتگو میں مشغول ہو جاتے مگر اپنی

باتوں میں انہیں کوئی رقت اور کشش نظر نہ آتی تو کہتے ۔ اے صفوان ہمیں بیان کیجئے۔ اور جب کبھی صفوان صرف الحمد للہ کہتے تو دلوں پر رقت طاری ہو جاتی اور ان کے آنسو مشکیزے کے کھلے منہ کی طرح بہنے لگتے۔

مستجاب الدعوات صفوان

حضرت صفوان کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے۔ دعا قبول ہو جاتی رد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن امیر بصرہ نے حضرت صفوان کے بھائی کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا۔ صفوان نے کسی معزز کو نہیں چھوڑا کہ جس سے فائدہ ملنے کی آس ہوتی اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس سے اپنے بھائی کی رہائی کے سلسلے میں بات کی۔ چنانچہ رات کو مصلے پر ہی غم کی حالت میں سو گئے خواب میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے صفوان اپنی حاجت کو اس کی اصل جہت سے مانگو۔'' چنانچہ بڑبڑا کر اٹھے۔ وضو کیا نماز پڑھی اور دعا کی اور ان کی آواز یوں بلند ہوگئی جیسے بجلی آسمان کے دروازوں کو ہلا رہی ہو۔''

چنانچہ دعا کی برکت سے امیر بصرہ ''ابن زیاد'' کا دل نرم ہوگیا اور وہ اپنی نیند سے بیدار ہوگیا۔ اس کے دل پر رعب طاری تھا اور خوف کے مارے پیشانی عرق آلود تھی۔ چنانچہ اس نے اسی وقت آواز لگائی کہ ''صفوان بن محرز کے بھائی کو میرے پاس لیکر آؤ' میری نیند اس کی وجہ سے حرام ہوگئی ہے۔ چنانچہ اہلکار اسے لے آئے۔ ابن زیاد نے اسے کہا کہ بغیر کسی ضمانت یا اور کسی چیز کے چلے جاؤ۔ چنانچہ ان کا بھائی وہاں سے رہائی پا کر نکل آیا اور حضرت صفوان کو پتہ تک نہیں چلا اور اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت صفوان نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اس نے آ کر سارا قصہ بیان کیا۔

وفات

حضرت صفوان بن محرز رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ۷۴ ہجری میں بصرہ میں ہوا۔ اس وقت بشر بن مراون وہاں کا گورنر تھا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت اسود نخعی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۷۵ ہجری بمطابق ۶۹۴ عیسوی)

☆ روزہ جن کی اسراء اور نماز معراج تھی۔
☆ بعض صحابہ جن سے رؤیت نبی کی بناء پر ہی فائق تھے۔
☆ ایسا شخص جو کہ زہد کے دروازے سے تاریخ میں داخل ہوا۔

☆☆☆

رات کے ستاروں میں سے ایک ستارہ زہد کے آٹھ قلعوں میں سے ایک قلعہ' جنہیں زہد کی بنا پر یہ نصیب ہوا کہ وہ نماز اور روزے میں مشغول رہیں۔ یہ ہیں حضرت اسود بن یزید بن قیس النخعی' کوفہ کے عالم تھے۔ علقمہ بن قیس کے بھتیجے مگر عمر میں علقمہ سے بڑے تھے۔ زاہد' متقی' پرہیز گار اور حافظ۔ ان کی عبادت راہبوں کی طرح کی تھی۔ اپنی ذات سے ایک لشکر تشکیل دے لیا تھا جو نفس کے حملوں کا مقابلہ کیا کرتا۔

مخضرمی تھے' جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے مگر نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تھے۔ سادات تابعین میں سے تھے۔ صحابہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا اوران کے روحانی چشموں سے فیضیاب ہوئے۔ گشت کرنے والے زاہدین میں سے تھے۔

حضرت علقمہ بن مرثد کا قول ہے کہ زہد آٹھ تابعین پر مکمل ہوگیا۔ ان میں سے ایک حضرت اسود بن یزید بھی ہیں۔ حضرت عمارہ کہتے ہیں کہ اسود راہبوں میں سے ایک راہب تھے۔

عبادت و زہد

ان کی زندگی پاک اور لہو ولعب سے دور گذری اور کسی کے خیال سے بھی زیادہ حیرت انگیز گذری۔ آپ رمضان المبارک میں دو راتوں میں قرآن ختم کرتے اور رمضان کے علاوہ ہر چھ راتوں میں اور صرف مغرب اور عشاء کے درمیان سوتے تھے۔

اسود نخعی نے حج و عمرے تقریباً اسی کیے تھے اور حج اور عمرے کی نیت الفاظ

میں ادانہیں کرتے تھے۔ کسی نے یہ بات ذکر کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نیت کو جانتا ہے۔
جب حاجیوں کا اژدھام ہوتا اور حاجی حضرات ان معطر فضاؤں میں بکھرے اپنی اور تلبیہ کی آواز سے فضا کو بھر رہے ہوتے۔ ایسے میں اسود نخعی آواز لگاتے۔ ''لبیک غفار الذنوب'' اے گناہوں کے خوب معاف کرنے والے میں حاضر ہوں۔

اسود نخعی صحن محراب میں شب بیداری سے محبت کرتے اور رات کی تاریکی میں اپنی آواز دھیمی رکھ کر (مناجات کرنے کے عاشق تھے۔ گرمیوں کے روزوں نے انہیں بیمار کر دیا حتیٰ کہ ان کا جسم کثرت صیام کے باعث کبھی ہرا ہو جاتا کبھی پیلا پڑ جاتا۔ کسی نے کہا کہ اپنے بدن کو کیوں تھکا رہے ہو؟ بڑی دھیمی سی آواز میں فرمایا۔ واللہ میرا ارادہ صرف اسے راحت پہنچانے کا ہے۔

وفات

حضرت اسود بستر مرگ پر جا پہنچے اور روتے کپکپاتے راتیں گزارتے آنسو خوف کے مارے رخساروں پر بہتے رہتے۔ کسی نے کہا یہ رونا دھونا کیسا؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں؟ اس کا مجھ سے زیادہ حقدار کون ہے؟ واللہ اگر خدا کی طرف سے میری مغفرت ہو بھی گئی تو مجھے اپنے کیے پر ضرور حیا آئے گی۔ پھر جلد ہی انہیں موت نے آن لیا اور انہوں نے ۷۵ ہجری میں کوفہ میں اپنے رب کا پڑوس اختیار فرمالیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت یزید بن اسود رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۷۵ ہجری بمطابق ۶۹۴ عیسوی)

- ☆ ایسی آواز جسے آسمان والے پسند کرتے تھے۔
- ☆ ایسا شخص جس کی دعا کی گنگناہٹ کو بارش کا فرشتہ پسند کرتا تھا۔
- ☆ جس کی گفتگو آسمانوں کے کانوں میں نسیم صبح کی ہلکوریوں سے زیادہ بھلی لگتی تھی۔

☆☆☆

جس شخص نے اپنی آواز سے دنیا کی کبریائی کو ہلا کر رکھ دیا اس کی دعا رزق کی

کنجی تھی۔ جو مستجاب الدعوات تھا۔ جس کے وسیلے سے لوگ بارش کی دعا کرتے تھے۔ خوف خدا سے بھرپور ایک زاہد' صاحب کرامات ولی اور نیک انسان۔ یہ ہیں حضرت ابو الاسود یزید بن اسود (رحمتہ اللہ علیہ) مخضرمی تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ مگر رسول اکرم ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی۔ کسی نے پوچھا آپ کی عمر کتنی ہے؟ کہنے لگے کہ میں نے اپنی قوم میں عزیٰ کی پوجا ہوتے دیکھی ہے۔

مستجاب الدعوات اور دعاؤں کا وسیلہ

آسمان نے پانی روک لیا (قحط سالی ہوگئی) چنانچہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق نماز استسقاء کے لیے نکلے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آواز لگائی۔ ''یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آوازیں لگانا شروع کیں تو یہ لوگوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے منبر کے پاس پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر منبر پر بیٹھ گئے اور حضرت معاویہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے۔

''اے اللہ ہم تیرے دربار میں ہم میں سے اچھے اور افضل آدمی کے ذریعے سفارش کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم یزید بن اسود جرشی کے واسطے سے سفارش کرتے ہیں۔ اے یزید اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائیے۔'' حضرت یزید نے ہاتھ اٹھائے لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بادل آسمان پر چھا گئے اور ہوا چلنی شروع ہوگئی اور ایسی بارش ہوئی کہ لگتا نہیں تھا کہ لوگ گھروں کو بھی پہنچ سکیں گے۔

ضحاک بن قیس نماز استسقاء کے لیے نکلے مگر بارش نہ ہوئی نہ ہی بادل آئے۔ تو ضحاک نے کہا یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر آواز دی کہ ''یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ یزید میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو کھڑے ہو جاؤ۔'' بہر حال حضرت یزید کھڑے ہو گئے اور لوگ ان کی طرف مڑ گئے۔ انہوں نے اپنی گردن پر رکھے کپڑے کا کنارا اٹھایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

لگے: ''اے اللہ اے رب۔ تیرے بندے تیری قربت طلب کر رہے ہیں۔ ان کو بارش عطا کردے۔'' چنانچہ جب لوگ واپس ہوئے تو وہ بارش میں بھیگ رہے تھے۔ جب یہ منظر دیکھا تو ہاتھ اٹھائے اور پھر دعا کی۔ (اے اللہ اس ضحاک نے بھی مجھے مشہور کردیا ہے۔ اس سے مجھے راحت (نجات) عطا فرما۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ضحاک قتل ہوگیا۔

وفات

حضرت یزید بن اسود رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزہ روح دنیا سے ۷۵ ہجری کے قریب کوچ کرگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت صلہ بن اشیم رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۷۶ ہجری بمطابق ۶۹۵ عیسوی)

- ☆ ایسا زاہد شیر جس کی چوکیداری کرتا تھا۔
- ☆ ایسا شخص کہ شیر نے جس کی بات مانی اوراس پر حملہ کرنے سے باز رہا۔
- ☆ جس نے مسکراتے ہوئے شہادت سے مصافحہ کیا۔

☆☆☆

جس گھڑی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہا وہ وقت چھوٹا ہوگیا۔ اسلام ان کے لیے اس لیے مقدر ہوا کہ اللہ انہیں شہداء کے قافلے میں شامل کرے۔

یہ ہیں ابو صہباء حضرت صلہ بن اشیم عدوی بصری زہد کے باغ۔ رات کے راہب دن کے شہسوار بڑے تابعی ہیں۔ ان کے محاسن بیان سے باہر ہیں۔ جس نے دنیا کے ثمن سے حورعین کا مہر ادا کیا۔

ان کا دل ایمان باللہ اور اللہ کے خزانوں پر بھروسے سے معمور تھا۔ ان کے دل کو خوف خدا کے شعلوں نے جھلسا دیا تھا۔ پھر رضا کا سورج روشن ہوا۔ جس نے ان کی دنیا کو منور کردیا۔

موت کا اعلان کرنے والے کی آواز نے اطراف کو ہلا دیا۔ ایک شخص نے آ کر ان کے کانوں کو بڑی بھاری خبر سنائی۔ ''اے ابن اشیم تمہارے بھائی کا انتقال ہوگیا۔'' آپ نے بزبان رضا انا للہ'' پڑھی اور اس شخص کو کہا قریب آؤ اور کچھ کھالو۔ بھائی کی موت کی اطلاع تو مجھے بہت عرصہ پہلے مل چکی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بیشک تم بھی مرنے والے ہو اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں۔'' (الزمر آیت ۳۰)

عبادت وزہد اور کرامت

جب اندھیرا اپنے پردوں کو دنیا پر پھیلا دیتا اور لوگوں کے پہلو بستروں میں پہنچ جاتے تو دنیا کے غموں سے بھاگ کر یہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے اس قدر نمازیں پڑھتے کہ اپنے بستر تک آ نہیں پاتے اگر آ پاتے تو گھٹنوں کے بل ہی آتے۔

جعفر بن زید کہتے ہیں کہ ہم لوگ افغانستان میں کابل کے علاقے میں مسلمانوں کے ایک لشکر میں جنگ کے لیے نکلے۔ لشکر میں صلہ بن اشیم بھی تھے۔ جب رات نے اپنے پردے پھیلا دیئے۔ ہم ابھی راستے ہی میں تھے کہ لشکر نے پڑاؤ کر دیا اور کچھ کھانے کی چیزیں ہاتھ کیں اور رات کا آخری کھانا کھا کر اپنے خیموں میں آرام کے لیے چلے تو میں نے صلہ بن اشیم کو بھی اپنے خیمے کی طرف جاتے دیکھا وہ بھی لوگوں کی طرح گئے اور اپنا پہلو بھی ان لوگوں کی طرح سونے کے لیے ٹکا دیا۔

میں نے دل میں کہا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو انہیں عابد سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ اتنا طویل قیام کرتے ہیں کہ پاؤں سوج جاتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ واللہ آج رات میں انہیں چھپ کر دیکھوں گا کہ یہ رات میں کیا کرتے ہیں۔'' چنانچہ جب لشکر نیند میں ڈوب گیا تو میں نے انہیں بستر سے نکل کر آتے دیکھا کہ وہ لشکر سے اندھیرے کی طرف چھپ کر جا رہے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جنگل میں داخل ہوگئے۔ جو لگتا تھا کہ اس میں طویل عرصے سے کسی کے قدم نہیں پڑے۔ چنانچہ ان کے پیچھے چلتا رہا' جب وہ ایک دور جگہ میں پہنچے تو اندازے سے قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کر دی وہ اپنے پر سکون

اعضاء اور دل سے نماز پڑھ رہے تھے جیسے اس وحشت سے انہیں انس حاصل ہو رہا ہو۔

اسی دوران میں نے ایک شیر کو جنگل کی مشرقی جانب سے آتے دیکھا مجھے جب شیر کے ہونے کا یقین ہوا تو خوف کے مارے میرا دل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور میں بھاگ کر ایک اونچے درخت پر اس کے شر سے بچنے کے لیے چڑھ گیا ادھر شیر مسلسل صلہ بن اشیم کے قریب ہوتا رہا مگر وہ اپنی نماز میں یونہی مستغرق رہے۔ حتیٰ کہ شیر ان سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ واللہ صلہ بن اشیم نے اس کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور نہ اس کی پرواہ کی۔ جب وہ سجدے میں تھے تو میں نے کہا شیر اب تو انہیں چیر پھاڑ کھائے گا۔"

پھر جب وہ سجدے سے اٹھے تو شیر ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے انہیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ جب انہوں نے سلام پھیرا تو نہایت اطمینان سے شیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اے درندے اپنا رزق کسی اور جگہ پر ڈھونڈ اور پھر کچھ نامعلوم الفاظ کہنے کے لیے ہونٹ ہلائے جنہیں میں سن نہ سکا۔ اور شیر آہستہ سے مڑا اور جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔

زہد اور ورع

حضرت صلہ کا احاطہ کرنے والے زہد اور ورع کے ہالہ میں اتنی طاقت نہیں کہ تاریخ اس شخص کی سخاوت اور اس بہادری کو فراموش کر دے جو دشمنوں کے دل ان کے پیروں میں گرا دیتی تھی۔ چنانچہ ابن اشیم کی آواز دشمنوں کے لیے ایسی تھی جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر کی دہاڑ اور مسلمانوں کے قائدین لشکر انہیں اپنی اپنی صفوں میں لانے کے لیے اپنی سی کوششیں کیا کرتے۔

ایک مرتبہ جنگ کے لیے نکلے جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور دشمن کے جھنڈے بلند ہو گئے تو حضرت صلہ بن اشیم اور ان کے ایک ساتھی مسلمانوں کی صفوں سے نکلے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس کر انہیں کاٹنے لگے اور نیزے اور تلوار کے واروں پر رکھ لیا۔ حتیٰ کہ لشکر کا اگلا حصہ شکست کھا کر زخم خوردہ پیچھے بھاگا۔ یہ دیکھ کر دشمن کے

کمانڈر کے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور سانس پھول گئی کہنے لگا کہ مسلمانوں کے لشکر کے دو آدمیوں نے ہم پر اتنی مصیبت اتار دی ہے تو جب یہ سب لڑیں گے تو کیا حال کریں گے لہٰذا مسلمانوں کی بات مان لو اور ان کی اطاعت قبول کر لو۔"

آخری معرکہ

بلاد ماوراء النہر میں ایک لشکر نکلا۔ لشکر کے اگلے حصے میں صلہ بن اشیم تھے ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی تھا۔ چنانچہ تلواروں کی جھنکار بلند ہوئی گردنیں اڑنے لگیں اور لڑائی سخت ہو گئی۔ تو ابن اشیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو آواز دی۔ میرے بیٹے۔ آگے بڑھ اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کر یہاں تک کہ میں تجھے اللہ کے ہاں شمار کروں جس کے ہاں امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔ بیٹا باپ کی آواز پر تیر کی طرح نکلا اور سچے عزم کے ساتھ صفوں کو چیرتا رہا حتیٰ کہ شہید ہو کر گر گیا۔

جب اس بہادر بیٹے کے باپ نے اپنے سپوت کی شہادت کی خبر سنی تو اپنے بیٹے کے ساتھ مل جانے کے لیے ہوا کی تیزی سے نکلے اور دشمنوں سے قتال کرتے رہے حتیٰ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں تلے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

جب ان دونوں حضرات کی شہادت کی خبر بصرہ پہنچی تو عورتوں نے سیاہ کپڑے پہنے اور حضرت صلہ بن اشیم کی بیوی سے اظہار افسوس کرنے گئیں۔ مگر اس نے ایمان سے معمور دل کے ساتھ کہا کہ۔

"اگر تم میرے پاس مبارکباد دینے آئی ہو تو تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر تم کسی اور کام کے لیے آئی ہو تو لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

تاریخ شہادت

حضرت صلہ بن اشیم اور ان کے صاحبزادے نے ۷۶ ہجری میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت شقیق بن سلمہ رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۸۲ہجری بمطابق ۷۰۱عیسوی)

☆ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والوں میں ایک فرشتہ۔
☆ جب ذکر کرتے تو دل جسم میں (نکل کر) اڑ جاتا۔
☆ دنیا سے زہد کے ذریعے بچے شیطان سے اس کی مخالفت کے ذریعے اور نفس سے خواہشات کے ترک کے ذریعے بچے۔

☆☆☆

ایک ولی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مصائب اٹھا لیتے تھے۔ وہ جو دنیا کی بیکار چیزوں اور اس کے دھوکے باز رنگینیوں سے دور بیٹھا کرتے تھے۔ یہ ہیں شقیق بن سلمہ، ابو وائل، بنو مالک بن مالک بن ثعلبہ اسدی میں سے ایک شخص۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماعت حدیث کی۔ اہل کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے سب سے بڑے عالم۔ ثقہ اور کثرت سے احادیث روایت کرنے والے تابعی۔

عفت لسان اور تواضع

بڑے عفیف اللسان تھے کسی کا تذکرہ برائی نہ فرماتے۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پرندے کی طرح تڑپتے۔ تنہائی میں ہوتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے۔ حضرت ربیع بن خثیم جب شقیق کو دیکھتے تو فرماتے۔ اور بشارت دیجئے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والوں کو۔''

ابراہیم تیمی ان کے بارے میں فرماتے کہ ''ہر بستی میں کوئی نہ کوئی ایسا بندہ ہوتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مصائب دور کر دیتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ابو وائل بھی ان میں سے ایک ہیں۔

حضرت شقیق کا قول ہے کہ ہمارا رب کتنا اچھا رب ہے کہ ہم اگر اس کی

اطاعت کریں تو وہ ہماری مخالفت نہیں کرتا۔‘‘

شقیق کا زہد

شقیق بن سلمہ نے اپنی ساری زندگی جہاد اور محراب میں گزاری۔ اپنی تلوار سے دنیا کے دائیں بازو پر (مراد دنیا خود ہے) ایسی ضرب لگائی کہ اس کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ان کا نرکل و بانس سے بنا ایک جھونپڑا تھا جس میں یہ خود اور ان کا گھوڑا رہتے تھے جب جہاد پر جاتے تو اس جھونپڑے کو گرا کر اس کا ملبہ صدقہ کر دیتے جب واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔

زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو محفوظ رکھنا

اپنی زبان کو پاک رکھا۔ کبھی کسی انسان یا جانور کو برا بھلا نہ کہا۔ ہمیں زبرقان نامی شخص بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو وائل کے پاس موجود تھا کہ میں نے حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا اور اس کی برائیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ تو ابو وائل نے فرمایا کہ اسے برا بھلا مت کہو۔ تمہیں کیا پتہ کہ اس نے ’’اے رب مجھے معاف کر دے۔‘‘ کہا ہو اور رب تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہو؟

دنیا داری سے بیزاری

ایک شخص نے ابو وائل کو خوشخبری دیتے ہوئے بتایا کہ تمہارا صاحبزادہ قاضی بن گیا ہے۔ تو اسے جواب دیا کہ واللہ اگر تو میرے پاس اس کی موت کی خبر لاتا تو میرے لیے زیادہ پسندیدہ بات ہوتی۔ پھر زور سے اپنی باندی کو آواز دی اے برکہ۔ اگر ہمارا بیٹا یحییٰ کوئی چیز لائے تو مت لینا اور جب ہمارا کوئی ساتھی کچھ لائے تو لے لینا۔

سخاوت

حضرت شقیق رحمتہ اللہ علیہ کا وظیفہ دو ہزار تھا انہیں جب ملتا تو وہ اتنی رقم جو سال بھر کے خرچے کے لیے کافی ہوتی رکھ لیتے اور باقی صدقہ کر دیتے۔

وفات

حضرت شقیق بن سلمہ کی وفات ۸۲ ہجری میں ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت مطرف بن شخیر رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۸۷ ہجری بمطابق ۷۰۶ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کے ہاتھ میں کوڑے نے تسبیح کہی۔
☆ جس نے ایسی نعمت طلب کی جس میں موت نہ ہو۔
☆ جس نے مرنے سے پہلے اپنی قبر میں ایک قرآن ختم کیا۔

دنیا اس کے تقویٰ کے قدموں تلے روندی جاتی رہی۔ ہر لذت ان کی نظروں میں سراب تھی۔ صاحب کرامات' رہنما' حجت جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل عطا فرمائے۔ یہ ہیں حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر حرشی عامری' ابوعبداللہ جو بڑے زاہد اور کبار تابعین میں سے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی بصرہ میں گزاری۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ذاکر اور متواضع شخص تھے۔ خود کو قرآن کریم کے سامنے پیش کرتے ان کا دل ڈرا ہوا ذکر الٰہی سے بھرپور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں جیسے پاگل تھے۔ نفس کو ذلیل کرتے رہتے اور فرماتے کہ میری جب بھی کسی نے تعریف کی میں اپنی نظروں میں کمتر ہوتا چلا گیا۔

ایک مرتبہ حج کرنے گئے تو جب عرفہ میں تھے ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگے اور دل کی گہرائی سے نکلی آواز سے پکارا۔ اے اللہ اس مجمع کو میری وجہ سے (خالی ہاتھ) نہ لوٹانا۔

ان کا زہد اور دنیا سے بیزاری

دنیا ان کی نظروں میں ایک پیسے کے برابر بھی نہ تھی اور مکھی کے پر کے برابر

اس کی حیثیت نہ تھی۔ ایک دن دھوکے باز دنیا کی حقیقت کھولتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر ساری دنیا مجھے مل جاتی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے ایک گھونٹ کے بدلے وہ مجھ سے مانگ لیتا تو وہ اس کا ثمن (اس کی قیمت) ادا کر چکا ہوتا۔

مطرف اونی لباس پہنتے۔ مسکینوں کے ہمراہ بیٹھتے۔ اس بارے میں کسی نے کچھ کہا تو فرمایا کہ میرے والد بڑے سخت آدمی تھے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب کے سامنے تواضع کا اظہار کروں۔

موت ان کا نصب العین تھی اس لیے وہ کھانے پینے اور لباس سے خوش نہ ہوتے تھے۔ فرماتے اس موت نے نعمت والوں پر ان کی نعمتیں خراب کر دی ہیں (ان کا مزہ خراب کر دیا ہے۔ لہٰذا ایسی نعمت' اللہ تعالیٰ سے مانگو جس میں موت نہ ہو۔

ایک مرتبہ کوئی شخص مطرف سے کچھ مانگنے آیا تو آپ نے اس شخص پر رحم کھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہاری کوئی حاجت ہے تو وہ لکھ کر دے دو۔ میں تمہارے چہرے پر سوال (مانگنے) کی ذلت دیکھنا نہیں چاہتا۔

دعاؤں کا قبول ہونا

حضرت مطرف بڑے مستجاب الدعوات ولی تھے۔ گڑ گڑا کر آسمان کا دل ہلا دیتے تھے جب ان کے ہاتھ آہ وزاری کے ساتھ بلند ہوتے تو قبولیت ان کی جھولی میں ڈال دی جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص اور آپ کے مابین کوئی مسئلہ تھا۔ اس شخص نے مطرف پر جھوٹا الزام لگا دیا اور کوئی غلط بات کہہ دی۔ تو مطرف نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور مظلوم دل کے ساتھ یوں گویا ہوئے۔" اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے موت دے دے۔ چنانچہ وہ شخص اپنی جگہ پر مر گیا۔

کرامات

حضرت مطرف کی کئی کرامات مشہور رہیں جو ان کے فضل صفاء اور نکھار کی گواہی دیتی ہیں۔ ایک مرتبہ اندھیری رات میں یہ اور ان کا بھتیجا آ رہے تھے تو ان کے

ہاتھ میں موجود کوڑا روشن ہو گیا اور اس سے تسبیح کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔

جب یہ اپنے گھر میں داخل ہوتے تو ان کے گھر کے برتن تسبیح پڑھتے۔

قبر میں ختم قرآن

جب موت کی تکلیف نے آ گھیرا اور آپ کے اعضاء بوجھل ہو گئے تو دعا کی۔ اے اللہ میرے لیے جو تو نے دنیا و آخرت کا فیصلہ کیا ہے اس میں مجھے اختیار فرما۔ اس کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھے میری قبر کے پاس اٹھا لے چلو چنانچہ اس قبر میں وفات سے پہلے قرآن پاک ختم فرمایا۔

وفات

بالآخر طاعون جارف کے بعد عراق میں حجاج بن یوسف کی گورنری کے دور میں ۸۷ ہجری میں آپ کی روح جسم کو چھوڑ گئی۔ آپ کی تدفین بصرہ میں ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۹۲ ہجری بمطابق ۷۱۰ عیسوی)

☆ جو اہل زمین کے جسم اور اہل آسمان جیسے عمل کے ساتھ گیا۔

☆ ایسے ولی جسے فرشتے جنت لیکر گئے۔

☆ جس نے دنیا سے ہاتھ دھو لیے اور آخرت کے باغوں سے تعلق جوڑ لیا۔

☆☆☆

طاعت کے ہاتھ جسے دنیا سے دور دھکیل دیتے تھے۔ مضبوط ایمان والے۔ یہ ہیں ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی۔ نیک انسان، اللہ کی طرف یکسو، ایک فقیہ، رہنما، واعظ صاحب زہد و ورع اور نصیحت اور عبادت کے خوگر، کبھی بات نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی مقصد سامنے ہوتا جب وہ سجدہ کرتے تو چڑیا آ کر ان پر بیٹھ جاتی گویا کہ یہ کوئی لکڑی کا تنا ہوں۔

عوام بن خوشب کہتے ہیں۔ ''میں نے ابراہیم تیمی سے زیادہ بہتر شخص کبھی نہیں دیکھا۔ کبھی میں نے انہیں نماز اور اس کے باہر جھکے سر کو اٹھائے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دنیاوی باتوں میں کبھی نہیں لگتے تھے۔

ایک دن لوگوں کو وعظ فرمایا اور دنیا کے بارے میں فرمانے لگے کہ تم میں اور ان لوگوں میں کتنا فرق ہے کہ دنیا ان لوگوں کے پاس آئی مگر وہ اس سے دور بھاگتے اور دنیا تم سے بھاگتی ہے اور تم اس کے پیچھے جاتے ہو۔

زہد وخشیت

ان کے زہد و ورع اور تقوے کے باوجود وہ اپنے عمل کو کم سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ میں نے جب بھی اپنے قول پر اپنے عمل کو پرکھا مجھے ہمیشہ خوف ہی رہا کہ کہیں میں قول کو جھوٹا کرنے والا نہ ہوں۔

لوگوں سے دور تنہائی میں ایک دن ابراہیم تیمی اپنی عقل کو فکر کے سمندر میں غوطے دے رہے تھے تو نفس نے یہ تخیل کیا کہ وہ جنت میں ہیں اور اس کے پھل کھا رہے ہیں اور اس کی نہروں سے پی رہے ہیں اور حوروں سے گلے مل رہے ہیں پھر انہیں تخیل ہوا کہ وہ جہنم میں ہیں اور زقوم کھا رہے ہیں اور ماء صدید (لہو اور پیپ کا ابلتا ملغوبہ) پی رہے ہیں اور اس کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تو کونسی چیز چاہتا ہے؟ تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے اور وہاں میں نیک عمل کروں۔ تو انہوں نے کہا کہ تو اسی امید (کے دائرے) میں ہے لہٰذا نیک عمل کر۔''

ایک دن وہ اپنے زہد دنیا سے دوری اور کھانے کی چیزوں میں تنگدستی کے بارے میں بتا رہے تھے کہ میں نے تیس دن اس طرح گزارے کہ میں نے کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔ سوائے ایک انگور کے دانے کے جو میری بیوی نے زبردستی کھلا دیا تھا اور اس سے میرے پیٹ میں درد ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا

آپ ان کی بات کی تصدیق کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ کہے کہ میں آسمان سے اتر کر آیا ہوں تو تب بھی میں اس کی تصدیق کروں گا۔

حضرت ابراہیم تیمی نے لوگوں کو خوف دلاتے اور پیٹ بھرنے سے ان کو روکتے ہوئے فرمایا۔ جس کسی نے وہ ایک لقمہ کھایا جو اسے خوشی دے یا ایک گھونٹ پیا تو آخرت میں سے ایک حصہ اس کا کم ہو جائے گا۔"

حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا تو انہیں ڈھونڈنے والا ان کے پاس آیا اور بولا کہ ہمیں ابراہیم چاہیے تو انہوں نے فرمایا میں ابراہیم ہوں (حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ مطلوب ابراہیم نخعی ہیں) چنانچہ وہ انہیں حجاج کے پاس لے گیا۔ حجاج نے انہیں ایسی جگہ قید کر دیا جہاں نہ دھوپ سے بچنے کا انتظام تھا اور نہ ہی ٹھنڈ سے بچاؤ کا۔ اور ایک بیڑی میں دو افراد تھے۔

حضرت ابراہیم کی حالت بدل گئی ان کی والدہ قید خانے ملنے آئیں تو انہیں پہچان نہ سکیں جب تک کہ ابراہیم نے خود ان سے بات نہ کر لی۔ ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ اسی قید میں رہے حتیٰ کہ وہیں انتقال کر گئے۔

حجاج کا خواب

حجاج نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ آج اس شہر میں ایک جنتی شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ صبح حجاج نے اٹھ کر پوچھا کہ کیا شہر واسط میں کسی شخص کا انتقال ہوا ہے؟ جواب ملا کہ جیل میں ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ہے۔ حجاج نے کہا کہ یہ شیطان کے حربوں میں سے ایک حربے کا خواب تھا۔

تدفین

پھر حجاج نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تدفین کا حکم دیا۔ آپ کی وفات سن ۹۲ ہجری میں ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما

(متوفی ۹۴ ہجری بمطابق ۷۱۲ عیسوی)

☆ جس نے اپنی سخاوت سے غریبوں کے آنسو پونچھے اور مساکین کے رنج دور کیے۔

☆ اگر تم انہیں دیکھتے تو تمہارا دل یہی کہتا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی اولاد ہیں۔

☆ ایسا شخص جس کی رگوں میں انبیاء کا خون گردش کرتا تھا۔

☆☆☆

جس نے نفس کی پاکیزگی اور نسب کی بلندی کو اپنے اندر جمع کر رکھا تھا۔ ان کی سخاوت غریبوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی تھی۔ یہ ہیں آل بیت کے زاہد علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی۔

زاہد اور پرہیزگار' بردباری اور سخاوت ان کی ضرب المثل تھی۔ ان کی خوبصورتی دیکھ کر دل ان کی محبت میں مبتلا ہو جاتے اور ان کے کام دیکھ کر آنکھیں مبتلائے عشق ہو جاتیں۔ یہ "علی الاصغر" تھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ان کے علاوہ کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں بچی تھی۔

خفیہ طور سے مدد کرنے کی درسگاہ تھے۔ ہاتھ کے بڑے کشادہ تھے۔ دن بھر میں ایک ہزار رکعت پڑھنے کا معمول تادم آخر رہا۔ وفات کے بعد شمار کیا گیا تو ان سے خفیہ مدد پانے والے گھر سو کے قریب تھے۔

مختلف لوگوں کا خراج تحسین

اہل مدینہ کہتے کہ چھپ کر کیے جانے والے صدقہ کو ہم نے حضرت زین العابدین کی وفات کے بعد کھو دیا۔ امام زھری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرنے والے اہل فضل میں سے کوئی قریشی حضرت علی بن حسین سے زیادہ افضل نہ تھا۔ حضرت زین العابدین فرماتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقسیم پر قناعت کر لے وہ سب سے

زیادہ مالدار ہے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ میں آل بیت میں علی بن حسین سے زیادہ افضل کسی سے نہیں ملا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اہل بیت میں ان جیسا کوئی نہیں تھا۔

ایک شخص حضرت سعید بن مسیتب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے فلاں سے زیادہ متقی پرہیز گار کسی کو نہیں دیکھا۔'' تو ابن مسیتب مسکرائے اور گویا ہوئے۔'' کیا تم نے علی بن حسین کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔'' ابن المسیب نے فرمایا کہ میں نے اس سے زیادہ متقی پرہیز گار کوئی نہیں دیکھا۔

خشیت الٰہی کی کیفیت

خوف الٰہی نے ان کا دل ساکن کر دیا تھا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ وہ جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ پیلا پڑ جاتا اور کندھے کا گوشت کپکپانے لگ جاتا۔ کسی نے عرض کیا۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ! یہ وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونا چاہ رہا ہوں اور کس سے مناجات کرنے والا ہوں؟

ایک مرتبہ علی بن حسین کے گھر میں آگ لگ گئی۔ یہ سجدے میں تھے لوگ پکارنے لگے۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ! آگ۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ۔ آگ۔'' مگر انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا حتیٰ کہ اسے بجھا دیا گیا۔ کسی نے عرض کیا۔ آپ کو آگ سے کس چیز نے غافل کر دیا تھا؟ (آپ کی پیشانی عرق آلود تھی) فرمایا مجھے آخرت کی آگ نے اس سے بے پرواہ کر دیا تھا۔

سخاوت اور نادار لوگوں کی مدد

رات کو اپنی کمر پر روٹیوں سے بھری بوری لاد کر اسے صدقہ فرماتے اور کہتے کہ ''خفیہ طور سے صدقہ کرنا رب کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔'' جس وقت ان کی وفات

کے بعد انہیں غسل دیا جا رہا تھا۔ غاسلین نے دیکھا کہ ان کی کمر پر کالا سا نشان ہے۔ پوچھا کہ یہ کالا سا نشان کیسا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ آٹے کی بوریاں رات کو اپنی کمر پر اہل مدینہ کے فقراء کے لیے لے کر نکلتے تھے۔ اس کے اٹھانے کے نشان ہیں۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے اخلاق انبیاء کرام کے اخلاق کے مشابہہ تھے۔ ایک دن مسجد سے باہر ایک مدینہ سے باہر کے آدمی سے ٹکرا گئے تو اس نے آپ کو برا بھلا کہا۔ وہ بیچارا انہیں جانتا نہ تھا۔ خدام اور غلام اسے مارنے کو دوڑے تو آپ نے چلا کر کہا کہ اس شخص کو کچھ نہ کہنا۔'' پھر آپ آگے بڑھے اور بڑی نرمی سے آہستگی سے فرمایا کیا تمہاری کوئی حاجت ہے جس میں ہم تمہاری مدد کر سکیں۔ وہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھ کر شرما گیا اور زمین کو تکنے لگا چنانچہ آپ نے اپنی عبا جو پہنی ہوئی تھی اس پر ڈال دی اور اسے ایک ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا۔ اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے پکار کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اولاد رسول ﷺ میں سے کوئی ہو۔'' یہ سن کر علی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے تم نے جو جانا اس پر برا بھلا کہا اور ہمارا جو معاملہ تم سے مخفی رہا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔''

آپ (زین العابدین) اس شخص کی طرح عطیہ دیتے جسے فقر کا خوف نہ ہو اور ان کا ادب انبیاء کرام علیہم السلام کے ادب کے قریب تھا۔ چنانچہ جب آپ کسی سائل کو صدقہ دیتے تو چوم کر حوالے کرتے۔

ایک دن حضرت زین العابدین حضرت محمد بن اسامہ بن زید کے پاس ان کی عیادت کرنے گئے۔ وہ بہت شدید رو رہے تھے تو ان سے آپ نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ محمد بن اسامہ نے کہا کہ مجھ پر قرض ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کتنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ پندرہ ہزار' تو حضرت زین العابدین نے فرمایا چلو وہ میرے ذمے ہیں۔''

خوف وخشیت

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اپنے کسی

بھائی کو دیکھوں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کروں اور دنیا (کے مال) پر اس سے بخل کروں۔

ایک مرتبہ احرام باندھا اور جب تلبیہ کہنے کا ارادہ کیا تو ایک دم پیلے پڑ گئے اور کانپنے لگے۔ الفاظ آپ کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ ایک لفظ کہنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ کسی نے کہا آپ تلبیہ نہیں کہہ رہے؟ آپ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ فرمایا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ میں کہوں اللھم لبیک اور اللہ مجھے کہے لا لبیک'' چنانچہ جب تلبیہ کہا تو غشی طاری ہوگئی اور اپنی سواری سے گر گئے اسی حال میں رہے حتیٰ کہ حج مکمل ہوگیا۔

وفات

حضرت زین العابدین بستر مرگ پر جا لگے تو روئے اور آنسو بہنے لگے۔ آپ کے صاحبزادے نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا۔ میرے بیٹے ''جب قیامت کا دن ہوگا تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی اس سے نہیں بچے گا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اگر چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو بخش دے۔''

بہر حال اٹھاون برس کی عمر میں آپ کی روح خالق حقیقی کے پاس چلی گئی ۹۴ ہجری تھا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۹۵ ہجری بمطابق ۷۱۴ عیسوی)

☆ جن کی وفات نے بڑے بڑے لوگوں کے دل دکھا دیئے۔

☆ ان کے اندر اسلام کی عزت کی آگ روشن تھی۔

☆ دنیا جن کے دل پر جادو نہ کر سکی۔

☆☆☆

جس نے دنیا میں علم کے شرف اور جنت میں شہداء کے مرتبے کو جمع کر لیا تھا۔

جس کا ایمان زہد کے عرش پر براجمان تھا' بڑے عالم' حافظ' قاری' مفسر' فقیہ اور خدا کے سامنے رونے والے انسان۔

یہ ہیں حضرت سعید بن جبیر اسدی (ولاء کے اعتبار سے اسدی تھے) کوفی۔ کنیت ابوعبداللہ تھی مشہور تابعی اور زاہد ہیں۔ ورع وتقویٰ کے اہم ستون۔ اپنا علم بڑے صحابہ سے حاصل کیا۔ نسلاً حبشی تھے۔ فضل والے آدمی تھے۔ عبادت میں مصروف تابعین میں سب سے بڑے عالم۔ کسی کو اپنے سامنے غیبت کرنے نہ دیتے تھے۔ ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔

طاغوت کے باغی

شبہات کے اندھیروں کو دور کرنے والے ایک چراغ تھے۔ خاموشی میں ان کے آنسو بہتے رہتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بنوامیہ کے سرکش سانڈ حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب ان کے ساتھی شکست کھا گئے تو انہوں نے مکہ مکرمہ میں پناہ لی جہاں کے گورنر نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا اور حجاج نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت ابن جبیر کی شان

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حجاج نے حضرت سعید کو قتل کر دیا حالانکہ روئے زمین کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔

جب حضرت سعید نماز پڑھنے لگتے یوں لگتا کہ کھونٹے کی طرح گڑ گئے ہوں۔ سال میں دو مرتبہ سفر کرتے ایک عمرے کے لیے ایک حج کے لیے۔ بہت زیادہ عبادت اور بہت زیادہ طاعت والے انسان تھے۔ ایک دن کعبہ میں داخل ہوئے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کر لیا۔

فرمایا کرتے کہ مال کا ضیاع یہ بھی ہے کہ اللہ تمہیں حلال رزق دے اور تم

اسے اس کی نافرمانی میں خرچ کرو۔

بڑی تیز حس کے مالک تھے۔ ان کی آنکھ کبھی خشک نہ ہوتی تھی۔ امام اعرج حضرت ابن جبیر کے رونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ سعید رات میں اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ اور کبھی جب ان کے اصحاب ان کے پاس آتے اور یہ رو رہے ہوتے تو ان کا رونا دیکھ کر وہ بھی رونے لگ جایا کرتے تھے۔

والدہ کی فرمانبرداری

اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے تھے ان کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ سعید کو کسی بچھونے کاٹ لیا تو ان کی والدہ نے قسم کھائی کہ میں اس پر منتر پڑھواؤں گی۔ جب منتر پڑھنے والا آ گیا تو انہوں نے اسے اپنا وہ ہاتھ دیا جس پر بچھو نے کاٹا نہیں تھا۔ لیکن اپنی والدہ کی قسم ٹوٹنے کو پسند نہ کیا۔

ایک مرتبہ شہد سے بھرا پیالہ ان کی خدمت میں لایا گیا۔ انہوں نے لیا اور ایک گھونٹ لیکر واپس رکھ دیا اور کہنے لگے واللہ مجھ سے اس بارے میں بھی پرسش ہوگی۔

اس دنیا میں امیدیں کم رکھنے والے شخص تھے۔ ایک مرتبہ ذر بن عبداللہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ ہر وہ دن جس میں مومن جی رہا ہے وہ غنیمت ہے۔'' اور فرماتے کہ یہ دنیا آخرت کے جمعوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ (آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ایک ہفتہ کی حیثیت ہے)۔

حضرت ابن جبیر اور موت کی یاد دو دوست تھے کبھی جدا نہ ہوتے۔ یہ بات ہمیشہ فرمایا کرتے رہتے کہ اگر موت کی یاد میرے دل سے جدا ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل بگڑ نہ جائے۔

حضرت سعید بن جبیر کی گرفتاری

جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر کو پکڑا تو آپ نے فرمایا کہ

میں خود کو قتل ہوتے دیکھ رہا ہوں اور عنقریب تمہیں خبر مل جائے گی۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اور میرے ایک دوست دعا میں مصروف تھے جب ہم نے دعا میں حلاوت دیکھی تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تو عطا فرمادی جب کہ میں انتظار میں ہوں۔

اور جب انہیں قتل کیے جانے کے لیے طلب کیا گیا تو حضرت سعید نے اپنے صاحبزادے کو بلوایا۔ وہ آئے اور رونے لگے آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ تمہارا باپ پچھتر سال کی عمر ہونے کے بعد کتنا زندہ رہتا؟

پھر جب یہ حجاج کے سامنے کھڑے ہوئے تو حجاج نے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور قتل کردو چنانچہ جب یہ دروازے سے نکلے تو ہنسنے لگے۔ حجاج کو ان کی ہنسی کی خبر دی گئی۔ تو اس نے بلوایا اور پوچھا کہ کس بات پر ہنس رہے ہو؟ فرمایا کہ ''تیری اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت اور اللہ تعالیٰ کی تیرے لیے بردباری پر ہنس رہا ہوں۔

شہادت

پھر آپ نے شہید ہونے سے پہلے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ اسے میرے بعد کسی اور پر مسلط مت کیجیئو کہ یہ کسی کو قتل کرے۔ پھر آپ کو چمڑے کے بستر پر لٹا کر ذبح کردیا گیا۔ (یہ چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا تھا جس پر لوگوں کو قتل کیا جاتا تھا)

آخری دعا کی قبولیت

آپ کی شہادت کے بعد حجاج چند دن زندہ رہا اور پھر مر گیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۹۶ ہجری بمطابق ۷۱۵ عیسوی)

☆ جس نے خود سے دھوکے کے شیطان کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے طاعات کی عزت انہیں عطا فرما دی۔

☆ ایسا شخص جس کے دل کی رگوں میں تقویٰ دوڑتا تھا۔

☆ جس نے اپنے نفس کو ذلیل کیا اور دین کو عزت دی۔

☆ سر بلند عاشق جو زندگی کے معرکہ کو لڑنا اور نفس کو باغ و بہار کرنا جانتے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے ان کے خاص اصحاب میں داخل تھے۔ ان کے مشہور شاگرد حماد بن ابی سلیمان حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ کی سند حدیث بڑی مشہور اور بے شمار محدثین کے نزدیک اعلیٰ اسناد میں شامل ہے۔ انہیں فقہ حنفی کی اساس میں شامل کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ (از ادارہ)

☆☆☆

یہ حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ کنیت ابو عمران تھی۔ فقیہ عراق اکابر تابعین میں سے ایک صالح شخص' اہل کوفہ میں سے حافظ الحدیث' زاہد جس نے نفس کی اصلاح کو طویل کر دیا تھا۔

علم سے بھری زنبیل تھے۔ متواضع انسان تھے۔ شہرت اور فتویٰ دینے کو ناپسند کرتے تھے۔ کسی ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کے جواب سے زائد بات ارشاد نہ فرماتے۔ حدیث کم بیان کرتے تھے۔ گفتگو نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی سوال کیا جائے۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ حجاج مر گیا تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ان کی ہیبت اور رعب بادشاہوں جیسا اور تواضع علماء کا تھا۔ مغیرہ کہا کرتے تھے کہ ہم ابراہیم سے امیر کی ہیبت کی طرح خوف کھایا کرتے تھے۔

ابن زبیر کا خراج تحسین

حضرت سعید بن جبیر کے گرد لوگ حلقہ کیے بیٹھے تھے۔ ان سے سوالات کر رہے تھے اور اپنے سوالات کی تصحیح کروا رہے تھے۔ حضرت سعید نے تعجب سے فرمایا تم مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ موجود ہیں۔

شہرت سے کراہت

ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ شہرت سے (شیر کی طرح) دور بھاگتے تھے۔ جب انہیں کسی راستے میں شہرت کا علم ہوتا تو دوسرا راستہ اختیار کرتے۔ ارشاد فرماتے کہ کسی شخص کے لیے اتنا شر کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا کے معاملے میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے۔"

زبید کہتے ہیں میں نے جب بھی ابراہیم سے کوئی سوال کیا تو ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہی دیکھے۔ ایک دن کوئی شخص ان سے کچھ پوچھنے آیا تو آپ نے اس کو کہا کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی نہ ملا جس سے تم یہ سوال کر سکتے؟

تواضع وعبادت

ایک دن قرآن کریم پڑھ رہے تھے ایک شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے کپڑے سے مصحف ڈھانک لیا۔ فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھے کہ ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔

جب رات آتی اور لوگ اپنے بستروں میں چھپ جاتے تو یہ اپنا ایک خاص لباس نکالتے (نیا جوڑا پہنتے) خوشبو لگاتے اور مسجد چلے جاتے اور صبح تک مسجد میں عبادت کرتے رہتے جب صبح ہو جاتی تو گھر آ کر وہ نیا جوڑا اتار کر دوسرا لباس پہنتے پھر نماز فجر کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

تقویٰ اور زہد

حضرت ابراہیم نخعی کی بیوی کی وفات ہوگئی۔ ان کا کافی سارا مال تھا جو آپ نے ان کے (والدین اور بہن بھائیوں) کے حوالے کر دیا۔ کسی نے پوچھا کہ انہوں نے تو مال آپ کو ھبہ کر دیا تھا؟ فرمایا ہاں کیا تو تھا مگر ان دنوں وہ بیمار تھی۔ پھر آپ نے وہ سارا ان کے ورثاء کو دے دیا۔

ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ ورع وتقوی میں ضرب المثل تھے۔ ان کے دل کی شفافیت نے ہر خواہش اور شبہ کو نکال پھینکا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک جانور سواری کے لیے کرائے پر لیا۔ اس پر کہیں جارہے تھے کہ ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ آپ نے گھوڑے کو آگے لیجا کر باندھا پھر واپس پیدل آئے کوڑا اٹھا کر اس پر دوبارہ سوار ہوگئے۔ لوگوں نے تعجب سے عرض کیا۔ ''اگر آپ جانور کو موڑ کر وہیں لے جاتے اور پھر کوڑا اٹھاتے تو آسان تھا۔ آپ نے زہد وخشیت کی مالک آواز میں فرمایا کہ

میں نے جانور کرائے پر اس لیے لیا ہے کہ اس پر اس طرح چلا جاؤں اس لیے نہیں کہ اسے دوبارہ موڑ کر لے کر آؤں۔

آخری لمحات

جب آپ کو موت نے آگھیرا۔ وفات کا وقت قریب آگیا تو رونے لگے اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے کسی نے عرض کیا۔ اے ابوعمران کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں حالانکہ میں ملک الموت کا انتظار کر رہا ہوں اور معلوم نہیں کہ وہ مجھے جنت کی خوش خبری دے گا یا جہنم کی خبر دے گا۔

اس کے بعد ''**لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر** کا ورد کرتے رہے۔

جب تکلیف کی شدت بڑھی تو **لا الہ الا اللہ وحدہ. لا الا الا اللہ** کا ورد

شروع کر دیا اور پھر اسی حال میں وفات ہوگئی۔

وفات

۹۶ ہجری میں شہر کوفہ سے آپ کی روح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ یہ ولید بن عبدالملک کا دور خلافت تھا۔

☆☆☆

سیدنا عبداللہ بن محیریز رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۹۹ ہجری بمطابق ۷۱۸ عیسوی)

☆ ایسا جس کے غصہ ہونے پر اللہ تعالیٰ بھی غصہ ہو جاتا۔
☆ جس امت میں ابن محیریز ہوں وہ گمراہ نہیں ہوسکتی۔
☆ ایسا شخص جس نے دین کے بدلے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔

☆☆☆

اتنے سخی تھے کہ اللہ تعالیٰ خوش رہے۔ بخل اتنا کرتے تھے کہ دنیا خوش رہے۔ ان کی دنیا انہیں آخرت سے غافل نہ کرسکی۔ یہ ہیں۔ امام وفقیہ رہنمائے ربانی حضرت عبداللہ بن محیریز ابن حنادہ بن وھب ابو محیریز القرشی جمحی مکی۔ ایک باعمل عالم اور سادات تابعین میں سے ایک سردار۔ خاموش اپنے گھر میں بیٹھے رہنے والے۔ اپنے نفس سے اپنی چیزیں چھپانے کو سب لوگوں سے زیادہ چاہنے والے۔ حق جب ظاہر ہوتا تو اس پر خاموش نہ رہتے۔

مختلف حضرات کا خراج تحسین

بیت اللہ الحرام میں علم کا سرمایہ اپنے سینے میں جمع کیا۔ ہر جمعہ قرآن کریم ختم فرماتے۔ خود کو تقویٰ کے میدان میں اور اپنی کوشش کو صالحین کی محراب میں ڈال دیا۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جو شخص اقتداء کرنا چاہے تو اسے ابن محیریز

جیسے لوگوں کی اقتداء کرنا چاہیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسی امت کو گمراہ نہیں کریں گے جس میں ابن محیریز ہوں۔''

رجاء بن حیوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن محیریز کی بقاء لوگوں کیلئے امان ہے۔ اور فرمایا کہ ''اگر اہل مدینہ اپنے عابد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے ہم پر فخر کریں تو ہم اہل مکہ ان پر اپنے عابد ابن محیریز'' کی وجہ سے فخر کریں گے۔

ابن محیریز ادب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص راستے میں اپنے والد سے آگے چلے اس نے والد کی نافرمانی کی۔ سوائے یہ کہ وہ اس لیے آگے چلے کہ اس کے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائے۔

زہد و تواضع

ابن محیریز شہرت کو ناپسند کرتے۔ تعریف سے خوف کھاتے اور اس بات سے ڈرتے کہ ان کا نام آسمان دنیا میں مشہور ہو۔ ایک دن ہیبت اور وقار کے ساتھ اپنے دہن مبارک سے نور بکھیرنے اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنانے تشریف فرما تھے۔ خوف دلاتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں لیکن تم یہ مت کہو کہ ''حدثنا ابن محیریز'' (ہمیں ابن محیریز نے بیان کیا) کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ قول مجھے اس طرح نہ پچھاڑ دے جس سے مجھے تکلیف ہو۔

جب کبھی اکیلے میں ہوتے اور نفس کو ٹھنڈا کر چکتے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑ گڑاتے۔ اے اللہ میں تجھ سے گمنامی مانگتا ہوں۔''

عبداللہ بن عوف القاری بیان کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ ''برودس'' نامی جزیرے میں تھے (جو کہ رومی جزیرہ سے اسکندریہ کے قریب ہے) تو وہاں ابن محیریز بھی تھے جو بہت زیادہ نمازیں پڑھنے والے شخص تھے وہاں یہ بات مشہور ہوئی اور ان کی یہ تعریف ان کے کانوں تک بھی پہنچی تو ابن محیریز نے نماز کم اور مختصر کر دی۔

تقویٰ وخشیت

ان کا تقویٰ اتنا بڑھا ہوا تھا جو آج تک کانوں نے نہ سنا ہوگا اور ان کے فضائل دلوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ابن محیریز کپڑا خریدنے خوردہ فروش کی دکان پر گئے۔ دکاندار انہیں جانتا نہ تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کپڑا کتنے کا ہے اس نے قیمت بتائی۔ اتنے میں دوسرے دکاندار نے جو انہیں جانتا تھا آواز لگائی کہ ''یہ ابن محیریز ہیں ان سے اچھی طرح معاملہ کرنا۔'' یہ سن کر ابن محیریز کا رنگ بدل گیا' فرمانے لگے کہ میں اپنے مال سے کپڑا خریدنے آیا ہوں نہ کہ دین سے'' یہ کہہ کر دکان سے نکل گئے اور وہاں سے کچھ نہ خریدا۔

امراء کے ہدایا سے بیزاری

حضرت ابن محیریز امراء اور بادشاہوں کے ہدایا و تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک نے ان کے لیے ایک باندی ھدیہ بھیجی تو ابن محیریز اپنا گھر چھوڑ کر نکل گئے اور اس میں آتے ہی نہ تھے۔ یہ بات عبدالملک کو کہی گئی کہ ''اے امیر المومنین آپ نے ابن محیریز کو گھر بدر کردیا ہے۔ اس نے کہا۔'' وہ کیسے؟ جواب ملا کہ اس باندی کی وجہ سے جو آپ نے ابن محیریز کو بھیجی تھی۔ چنانچہ عبدالملک نے کسی کو بھیج کر وہ باندی واپس منگوالی اور پھر ابن محیریز بھی اپنے گھر واپس آ گئے۔

ایک دن ابن محیریز رحمتہ اللہ علیہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس گئے تو سلمان بن عبدالملک نے ان سے کہا۔ ابن محیریز ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شادی کردی۔ فرمایا جی ہاں! تو سلیمان نے کہا کہ تو ہم اس کا مہر ادا کریں گے۔'' فرمایا کہ مہر معجّل جو تھا وہ ہم ادا کر چکے اور مہر مؤجل وہ میرے بیٹے کے ذمے ہی ہے۔ (وہی ادا کرے گا)۔

بلال بن ابی بردہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس وقت سفارش کے طور پر کہا کہ اے

ابن محیریز امیر کا عطیہ قبول فرما لیجئے۔ پھر جب ابن محیریز وہاں سے نکلے تو ابن ابی بردہ بھی نکلے۔ ان کے پیچھے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ابن ابی بردہ کب سے سلیمان کا چپڑاسی بن گیا؟

وفات

حضرت ابن محیریز ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں ۹۹ ہجری میں رب تعالیٰ کے جوار میں منتقل ہو گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم﴾

(متوفی ۱۰۶ ہجری بمطابق ۷۲۵ عیسوی)

☆ جنہوں نے اپنے داد کی عظمت اور اپنے والد کے زہد کو جمع کر لیا تھا۔
☆ اپنے طریق اور علم سے لوگوں کے دلوں کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔
☆ جنہوں نے دنیا کو زہد، علم اور تواضع سے بھر دیا۔

☆☆☆

فقہاء کے زاہد اور زاہدین کے فقیہ، علماء کا مرجع، سات فقہاء مدینہ میں سے ایک زاہد تابعین کے سرداروں میں ایک سردار، عادل شخص کے عالم بیٹے، یہ ہیں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم۔

مدینہ منورہ کے گلشن میں پیدا ہوئے اور اس کی معطر فضاؤں میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے علم کے حلقوں اور علماء کی مجالس میں ایام طفولیت سے ہی حاضر ہونے لگے۔ حالانکہ اپنے دامن سے الجھ کر گر پڑتے تھے۔ ایمان اور فقہ سے ان صحابہ کرام کے ذریعے سیراب ہوئے کہ جن کی سماعتوں سے ابھی نبی کریم ﷺ کی آواز جدا نہیں ہوئی تھی۔

ان کے والد ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ اور یہ اپنے دوسرے بھائیوں

میں اپنے والد کے ساتھ زیادہ مشابہہ تھے اور طریقہ اور عادت وطبیعت کے اعتبار سے اپنے دادا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سالم بن عبداللہ کے دور میں گزشتہ صالحین کے زہد وقصد اور زندگی سے ان سے زیادہ مشابہہ کوئی نہ تھا' ایک مرتبہ حضرت سالم نے اشعث کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔" اے اشعث اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کچھ مت مانگنا۔"

سالم کا زہد وفضیلت

سالم بڑی قدر وفضیلت والے انسان تھے۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے تو وہ انہیں مستقل خوش آمدید (مرحبا) کہتا رہا اور اوپر لے جاتا رہا حتیٰ کہ اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک کعبہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت سالم بن عبداللہ اپنے زاہدانہ انداز سے بیٹھے ہیں اور ان کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مگر ان کی سرگوشی کی آواز سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ہشام نے کہا کہ اے سالم۔ آپ کی کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیجئے۔ حضرت سالم نے تسبیح روک کر اسے دیکھا اور فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں کسی اور سے کچھ مانگوں۔ ہشام حضرت سالم کا جواب سن کر خاموشی سے حیرت کے ساتھ انہیں تکتا رہا اور جب حضرت سالم بیت اللہ سے نکلے تو ہشام ان کے پیچھے چلا اور اس سے پہلے کہ لوگ ان کے گرد ہجوم کر کے سوال اور فتویٰ پوچھنے لگیں تو اس نے اپنی بات دوبارہ دہرائی اور کہا کہ اب آپ بیت اللہ سے نکل آئے ہیں۔ اب اپنی کوئی ضرورت بتائیے؟ حضرت سالم نے پوچھا۔ دنیاوی یا اخروی ضرورت؟ اس نے کہا کوئی دنیاوی ضرورت بتائیے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیاوی ضرورت تو میں نے اس ذات سے نہیں مانگی جو ان کی مالک ہے تو اس سے کیسے مانگوں جو اس کا مالک بھی نہیں ہے۔

سالم کا کھانا

ایک مرتبہ حضرت سالمؒ ولید بن عبدالملک کے پاس آئے تو ولید حضرت سالم کے جسم اور ہیئت کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا جو کہ حضرت عمر بن خطاب کے بڑا مشابہہ تھا۔ پوچھنے لگا کہ آپ کی جسامت بہت خوبصورت ہے آپ کی غذا کیا ہے؟ حضرت سالم نے جواب دیا کہ سوکھی روٹی اور زیتون۔ ولید کو اس جواب سے بڑی حیرت ہوئی اس نے بڑے دہشت کے انداز میں پوچھا کہ کیا آپ اسے گوارا کر لیتے ہیں۔ (کیا آپ کو اچھا لگتا ہے) حضرت سالم نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ میں کھانا چھوڑے رکھتا ہوں حتیٰ کہ (بھوک کی وجہ سے) مجھے یہ کھانا بھی اچھا لگتا ہے چنانچہ جب اچھا لگتا ہے کھالیتا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا سالم رحمتہ اللہ علیہ سے مشورہ

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو ان کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہوگئی اور انہوں نے بڑے خوف و جزع میں رات گزاری۔ چنانچہ حضرت سالم اور حضرت کعب قرظی اور مرجاء بن حیوۃ کو بلوایا۔ اور ان سے فرمایا کہ میں اس معاملے میں مبتلا کر دیا گیا ہوں لہٰذا مجھے مشورہ دیجئے۔ چنانچہ حضرت سالم نے خشوع آمیز آواز سے فرمایا کہ۔ اگر کل کو آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو دنیا سے کنارہ کش ہو جایئے (عربی الفاظ ہیں دنیا سے روزہ رکھ لیجئے) اور آپ کی دنیا سے افطار موت پر ہونی چاہیے۔"

وفات

حضرت سالم نے ساری زندگی زہد و عبادت میں محنت کرتے گزاری۔ حتیٰ کہ آپ ماہ ذی الحجہ ۱۰۶ ہجری کے آخر میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت طاؤس بن کیسان رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۰۶ اہجری بمطابق ۷۲۵ عیسوی)

☆ اگر آپ کی آنکھ انہیں دیکھ لے تو آپ ان کے سوا کسی اور کی مجالس پسند نہ کریں۔

☆ وہ اپنی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے پیش نہ کرتے تھے۔

☆ ان سے کوئی خوبی چھوٹی نہیں اور نہ کسی فضیلت سے محروم رہے۔

☆☆☆

اپنے نفس کو خواہش اور پسندیدہ اشیاء کی لذت سے دور رکھا۔ دنیا کو ذکر اور تواضع سے بھر دیا۔ ایسی کتاب تھے جس کا ہر صفحہ تقویٰ کی خوشبو بکھیرتا تھا یہ ہیں حضرت طاؤس بن کیسان۔ اہل یمن میں سے تھے۔ نسلاً فارسی تھے۔ اکابر تابعین میں سے ایک فقیہ زاہد اور خاشع بزرگ' خلفاء اور بادشاہوں کو نصیحت کرنے کی بڑی جرأت رکھتے تھے۔

طاؤس نے چالیس حج کیے۔ پچاس صحابہ کرام کو دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہوں سے اجتناب کرنے والے تین حضرات تھے۔ (۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت طاؤس (۳) حضرت ثوری۔'' عمرو کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کے ہاتھ میں موجود دنیاوی مال و دولت سے طاؤس سے زیادہ بچنے والا نہیں دیکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ طاؤس اہل جنت میں سے ہیں۔

خود حضرت طاؤس فرماتے ہیں ابن آدم جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے اسے شمار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ بیماری میں اس کا رونا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس سے عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیے تو حضرت طاؤس نے تواضع اور خوف کی حالت میں فرمایا۔ ''میں اپنے دل میں خشیت نہیں پا رہا کہ تیرے لیے دعا کروں۔''

غیر اللہ سے کچھ نہ مانگو

حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن طاؤس ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ ''اے عطاء خبردار ایسے شخص کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنے سے بچنا جو تیرے لیے اپنا دروازہ بند کر دے اور تیرے اور اس کے درمیان پردہ ڈال دے۔ تجھ پر لازم ہے کہ اپنی ضرورتوں کو اس سے طلب کر جس کا دروازہ قیامت تک تیرے لیے کھلا ہوا ہے جس نے تجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تو اس سے دعا کر اور تجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری دعا قبول کرے گا۔

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا مگر انہوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ بعد میں کسی نے کہا کہ امیر المومنین کا بیٹا آپ کے پاس آیا مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے یہ چاہا کہ اسے بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں جو مال دولت ہے اس کی رغبت نہیں رکھتے۔

حکمرانوں کو وعظ و نصیحت

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک حج کرنے آیا تو اس نے (وہاں کے منتظمین سے) کہا کہ میرے پاس کسی فقیہ کو بھجواؤ تاکہ میں اس سے حج کے کچھ مسائل پوچھ سکوں۔ اتنے میں اس کے پاس سے حضرت طاؤس گزرے کسی نے بتایا کہ یہ طاؤس یمانی ہیں۔ حاجب نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ امیر المومنین کے جوابات دو۔ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے معاف رکھو۔ مگر حاجب نہ مانا اور انہیں زبردستی سلیمان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ تو طاؤس فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اس مجلس کے بارے میں مجھ سے ضرور سوال کرے گا۔ پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ اے امیر المومنین جہنم کے ایک گڑھے کے کنارے چٹان تھی۔ وہ اس گڑھے میں ستر سال تک گرتی گئی تب

اس کی تہہ میں پہنچی۔ جانتے ہیں اس گڑھے کو کن لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ سلیمان نے کہا نہیں معلوم۔ پھر سلیمان نے طاؤس سے چیخ کر کہا بتاؤ تمہارا بھلا ہو۔ وہ گڑھا کس کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکومت میں اپنا شریک بنایا مگر ان لوگوں نے ظلم کیا۔" یہ سن کر سلیمان رونے لگا اور اس کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔

حکمرانوں سے دوری

حضرت طاؤس مکہ آئے تو اتفاقاً انہی دنوں نیا گورنر بھی آیا تھا۔ تو لوگ حضرت طاؤس کے پاس جمع ہوئے اور مکہ کے نئے گورنر کے پاس جانے پر انہیں ترغیب دینے لگے اور کہا کہ وہ بڑے فضل سخاوت والا آدمی ہے اور اتنے علم والا ہے اگر آپ چلے جائیں تو اچھا ہے۔ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے تو لوگوں نے کہا ہمیں اس سے آپ کے حق میں ڈر لگتا ہے۔ یہ سن کر حضرت طاؤس نے فرمایا کہ (اگر ایسا ہے) تو وہ شخص اس طرح نہیں جیسا تم بتا رہے ہو؟

دنیا کی کسی چیز کی ضرورت نہیں

ایک مرتبہ سردی میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اس شہر کا گورنر وہاں سے گزرا تو اس وقت یہ سجدے میں تھے۔ چنانچہ گورنر کو سردی کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچنے کا خوف ہوا تو آپ کے اوپر ایک چادر ڈال دی۔ انہوں نے اس کے فارغ ہونے تک سر نہیں اٹھایا۔ مگر جب سلام پھیرا اور ان چادروں پر نظر پڑی تو انہوں نے وہ چادر اپنے کندھے سے اتار پھینکی اور وہاں سے گھر چلے گئے اور ان چادروں کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وفات

یوم ترویہ سے ایک دن پہلے ۱۰۶ ہجری میں مکہ مکرمہ میں ان کی وفات

ہوگئی۔ان کی نماز جنازہ ہشام بن عبدالملک نے پڑھائی۔ یہ وہاں حج کرنے آیا ہوا تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۰۸ ہجری بمطابق ۷۲۶ عیسوی)

☆ ایسا شخص جو جب چاہتا اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا تھا۔

☆ مالداروں کی طرح زندگی گزاری اور فقراء کی سی موت حاصل کی۔

☆ ان کا مال شکر گزاری ہی میں اضافہ کرتا تھا۔

☆☆☆

اپنی مالداری سے ضرورت مندوں کے لیے دربار بنایا جس کی طرف فقراء آتے تھے واعظ، رہنما، حجت اور ایک مشہور بڑے آدمی...... یہ ہیں ابوعبداللہ بن بکر بن عبداللہ مزنی بصری۔ ایسا نوجوان جسے زہد نے باادب بنایا (جس کی تربیت زہد نے کی) جس کے چہرے پر تقویٰ کی پرچھائیں نظر آتیں۔ قاضی کے عہدے کے لیے بلایا گیا مگر اس نے انکار کردیا۔ اپنا موٹا لباس پہن کر فقراء کے درمیان ان کا دل خوش کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت بکر مزنی فرمایا کرتے کہ میں چاہتا ہوں کہ مالداروں کی سی زندگی جیوؤں اور فقراء کی سی موت مروں چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ مقروض تھے۔

بصرہ کے حضرت سلیمان تیمی فرماتے تھے کہ حسن بصری بصرہ کے بزرگ اور بکر مزنی نوجوان ہیں۔'' بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے۔''اے اللہ مجھے وہ رزق عطا فرما جو تیرا شکر کرنے میں ہمیں آگے بڑھائے اور ہمیں اپنا فاقہ کش اور محتاج بنا اور ہمیں اپنے سوا ہر ایک سے بے پرواہ فرما۔''

ایک دن فقراء کے درمیان بیٹھے ان کے دل خوش کررہے تھے اور ان کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کے پاس داخل ہونے سے انس کا ولولہ پیدا کررہے تھے۔ فرمایا۔

''اے ابن آدم تجھ سا کون ہے؟ کہ تیرے محراب اور پانی کے درمیان سے رکاوٹیں ختم کردی گئی ہیں۔ تو جب چاہے اللہ کے پاس حاضر ہوسکتا ہے اور تیرے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوتا۔

تواضع اور زہد

حضرت بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا مقام فقراء کے کارواں میں بنایا اور ان پر الہامی کلام کا القاء فرماتے رہتے تا کہ شریر نفوس کو دبا دیں جو غرور کے آسمان میں بلند ہوئے جا رہے ہوں۔ فرمانے لگے۔ ''جب تم اپنے سے بڑی عمر کے شخص کو دیکھو تو یوں کہو کہ یہ شخص مجھ سے ایمان اور نیک عمل میں بڑھ گیا اس لیے مجھ سے بہتر ہے۔ اور جب خود سے چھوٹی عمر کے شخص کو دیکھو تو یوں کہو کہ میں گنا ہوں اور نافرمانیوں میں اس سے بڑھ گیا اس لیے یہ مجھ سے بہتر ہے۔'' اور جب تم اپنے بھائیوں کو تمہارا اکرام کرتے اور تعظیم کرتے دیکھو تو کہو کہ یہ زائد چیز ہے جن کا ان سے مواخذہ ہوگا اور جب ان سے کوتاہی سرزد ہوتی دیکھو تو یوں کہو کہ یہ گناہ ہے جو میں نے کیا ہے۔''

ایک مرتبہ حج کے سفر میں جبل عرفہ پر لوگوں کا اژدھام ہوگیا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر چلا چلا کر رونے کی ملی جلی آوازوں سے دعائیں کر رہے تھے۔ حضرت بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو یقین سے کہہ دیتا کہ ان لوگوں کی مغفرت ہوگئی۔

عہدہ قضاء سے دلچسپ انکار

ایک مرتبہ گورنر نے بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ کو بلوا بھیجا تا کہ انہیں عہدہ قضاء پر متعین کیا جاسکے۔ چنانچہ ان سے کہا۔ اے ابو عبداللہ! ہم آپ کو قضاء کے عہدے پر مقرر کر رہے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں اللہ کی قسم مجھے قضاء کے معاملات کا کچھ علم نہیں ہے۔ اور (لاعلمی کے بارے میں) اگر میں سچ کہہ رہا

ہوں تو آپ کو چاہیے کہ مجھے متعین نہ کریں اور اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو ایک جھوٹے کو مقرر نہ کریں۔

آخری لمحات

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی بستر مرض پر جا پہنچے۔ جسم کمزور ہو گیا۔ احباب اور دوست عیادت کے لیے آنے لگے۔ انہوں نے ان کو اپنے سامنے دیکھا تو سر اٹھا کر فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر رحم کرے جسے اس نے قوت عطا کی اور اس نے خود کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کی طاقت کم کر کے اسے کمزور کر دیا تو اس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں لگایا۔

وفات

۱۰۸ ہجری میں ان کی پاکیزہ روح بارگاہ عزوجل میں حاضر ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت مسلم بن یسار رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۰۸ ہجری بمطابق ۷۲۶ عیسوی)

☆ وہ شخص جس نے اپنی آواز سے امید کا دروازہ کھول دیا۔
☆ جو نماز سے فارغ ہوتا تو ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا۔
☆ اپنے علم کے ذریعے وحی کے دور میں پہنچ گئے۔

☆☆☆

ان کا دل تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے مناجات سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے اپنی روح کی غذا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو بنالیا تھا۔ یہ ہیں سیدنا حضرت عمرؓ مسلم بن یسار اموی رحمتہ اللہ علیہ (یہ ولاء کے اعتبار سے اموی تھے) رجال حدیث میں سے بڑے عبادت گزار شخص تھے۔ فقیہ، زاہد اور مجاہد تھے۔ اصل میں مکہ کے

تھے پھر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اور بصرہ کے منصب افتاء پر فائز ہوئے۔

فقیر منش اور ایسے عبادت گزار تھے کہ جب وہ نماز پڑھتے تو لگتا کہ بیمار ہیں اور جب سجدہ کرتے تو لگتا کہ وہ کپڑے (کی گٹھڑی) ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے تو لگتا کہ وہ نماز میں ہیں اور ذکر و تسبیح میں مشغول اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں مگن ہیں۔

ابن عون رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کے دور میں ان سے افضل کوئی نہ تھا۔ حضرت مسلم بن یسار لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ ایسے شخص کی طرح عمل کرو جسے اس کے عمل کے سوا کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور ایسے شخص کی طرح توکل کرو جسے صرف وہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے۔ اور فرماتے کہ ''لذت حاصل کرنے والے تنہائی میں رب تعالیٰ سے مناجات کرنے جیسی لذت نہیں پا سکتے۔

مسلم بن یسار سجدے میں مناجات کرتے ہوئے کہتے۔'' اے اللہ میں تجھ سے اس حال میں کب ملوں گا کہ تو مجھ سے راضی ہو۔''

خشوع و خضوع کی کیفیت

جب نماز میں ہوتے تو ان کا دل امید (رجاء) کے دروازوں سے متصل ہو جاتا۔ اور دنیا سے کٹ کر رہ جاتا۔ ایک دن نماز میں داخل ہوئے اور رکوع و سجود کرنے لگے۔ اسی دوران ان کے پڑوس میں آگ لگ گئی اور آگ کے شعلوں نے آگ کی عقل گم کر دی اور وہ ہر چیز کو جلانے لگی۔ مگر یہ خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے نماز پڑھتے رہے ان کا دل رکوع و سجود کی طرف ہی لگا رہا حتیٰ کہ آگ بجھا دی گئی۔

رات کو نماز کے لیے یوں کھڑے رہتے جیسے کہ گڑی ہوئی کیل ہوں۔ ایک مرتبہ ایک شامی ان کے گھر میں داخل ہو گیا گھر والے ڈر گئے اور جس کے جو ہاتھ میں آیا لاٹھی نیزہ وغیرہ لیکر اس پر پل پڑے چنانچہ وہ ان کے ہاتھوں میں گر پڑا۔ پھر جب حضرت مسلم بن یسار نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی بیوی نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے

کہا کہ یہ شامی اندر گھس آیا اور گھر والے ڈر گئے مگر آپ متوجہ نہ ہوئے؟ تو حضرت مسلم بن یسار نے زاہدین کی سی پرسکون آواز میں فرمایا کہ مجھے تو پتہ ہی نہ چلا۔

ایک مرتبہ مسجد کی دیوار گر گئی۔ اس کی آواز سے بازار والے تک ڈر گئے اور بھاگم بھاگ مسجد پہنچے تو دیکھا کہ مسلم بن یسار نماز میں مصروف ہیں اور دیوار ٹوٹنے سے بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

خوف خدا کی کیفیت

مسلم بن یسار کی آنکھ رونے سے کبھی بند نہ ہوتی (کبھی آنسو نہ تھمتے تھے) جیسا کہ آسمان کبھی بادلوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ابن سیرین کی آل میں سے ایک شخص نے بتایا کہ میں نے حضرت مسلم کو جامع مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ چنانچہ جب انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے ان کے سجدے کی جگہ دیکھی تو آنسوؤں کی کثرت سے ایسا لگا جیسے کسی نے وہاں پانی انڈیل دیا ہو۔"

شیطان کے حملوں سے حفاظت

ان کے تقویٰ پر (نفس و شیطان کے) بڑے حملے ہوتے اور حملہ ان کے آنگن میں اترتا مگر یہ شکست نہ کھاتے تھے۔ اور فرماتے کہ جب تم کوئی کپڑا پہن کر یہ سمجھنے لگو کہ تم ان کپڑوں میں دوسرے کپڑوں کی بہ نسبت زیادہ افضل ہو (ان کپڑوں میں تمہاری وہ عزت اور شرف ہے جو دوسرے کپڑوں میں نہیں) تو یہ تمہارے لیے بہت برا کپڑا ہے۔

خوف خدا

ان کی عقل اخلاص کے افق میں منڈلاتی اور دل میں خوف جاگزیں ہوتا اور یہ خود خوف خدا میں غرق خود سے باتیں کرتے کہ "میرے ہر عمل کے بارے میں مجھے خوف ہوتا ہے کہ اس کو خراب کرنے والی کوئی چیز اس میں داخل ہوگئی ہوگی۔ سوائے اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرنے کے عمل کے (کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ خوف نہیں)۔

ایک دن اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے نفس کے پوشیدہ خیالات کو بیان کررہے تھے۔ فرمایا۔ میں ایک دن بیمار ہوگیا تو میرے اعمال میں میرا کوئی عمل اتنا معتمد نہ تھا جتنا کہ اس قوم کے ساتھ میرا عمل جن سے میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے محبت کرتا تھا۔

کرامات

ان کی کرامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دن یوم ترویہ کے دن یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو وہ لوگوں کے سامنے آئے اور پکار کر فرمایا کہ کیا تم لوگ حج کرنا چاہتے ہو؟ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ شیخ کا دماغ چل گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو حج کرنا چاہتا ہے وہ نکل پڑے چنانچہ کچھ لوگ ان کے ساتھ نکلے۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد جب صبح کی روشنی ہوئی تو حضرت مسلم بن یسار نے فرمایا کہ سواریوں کی باگیں چھوڑ دو۔ (لوگوں نے دیکھا تو سامنے تہامہ کی پہاڑیاں تھیں (یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے)۔

وفات

۱۰۸ ہجری میں ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۰ ہجری بمطابق ۷۲۸ عیسوی)

- ☆ ایک شخص جس کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ تھا۔
- ☆ نبی کریم ﷺ کے ایک گھر میں پرورش پائی۔
- ☆ ان کی تحنیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنگن میں جوان ہوئے۔
- ☆ ایسا شخص جس کے دل کی محراب میں زہد جاگزیں ہو چکا تھا۔

☆☆☆

تقوے کی ایک نشانی اور علامت۔ زہد کے ایک متلاشی' تابعین کے سردار یہ ہیں حضرت حسن بن یسار بصری (کنیت ابو سعید تھی) جو کہ متقی پرہیز گار رہنما' خوف و رنج کے خوگر' اپنے دور کے شیخ اور استاذ' بصرہ کے سردار فقیہ' ثقہ' امت کے عظیم پیشوا تھے۔

خصوصیات

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے تحنیک فرمائی (گھٹی دی) مکمل حسین اور بے انتہا خوبصورت اور خوب سیرت انسان اور ایک بہادر' فصیح اور عالم شخص تھے۔ صحابہ کرام کے حافظوں سے علم حاصل کیا اور مدینہ کی خوشبو سے زہد حاصل کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے آنگن میں جوان ہوئے۔ والی خراسان ربیع بن زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہیں کاتب (سیکرٹری) مقرر کیا۔ بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ دلوں میں ان کی عظیم ہیبت تھی یہ حکام کے ہاں جا کر انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے۔ حجاج بن یوسف اور ان کے درمیان کئی موقعوں پر قصے ہیں۔ فصاحت میں آخری حد تھے۔ حکمت ان کی زبان مبارک سے پھوٹتی تھی۔ لوگوں میں سب سے طویل آخرت کے رنج والے تھے۔ لوگوں میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔

مختلف لوگوں کا خراج تحسین

حضرت محمد الباقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے کہ یہ وہ شخص ہے' کہ جس کا کلام انبیاء کرام کے کلام کے مشابہ ہے۔"

خالد بن صفوان حیرہ میں مسلمہ بن عبدالملک کے پاس آئے تو اس نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو خالد بن صفوان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امیر کو نیکی عطا کرے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں ان کا پڑوسی ہوں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ان (حسن بصری) کی خلوت' جلوت کے اور قول فعل کے مطابق ہے۔ اگر یہ کسی کام پر لگ جائیں تو اسے مکمل کرتے ہیں اور اگر کسی کام کو چھوڑ دیں تو اس پر قائم رہتے ہیں۔ اگر لوگوں کو کسی کام کا حکم دیں تو سب لوگوں سے زیادہ اس پر خود عمل کرتے ہیں۔ اور اگر کسی چیز سے منع کریں تو سب سے زیادہ خود اس سے رکتے ہیں۔ میں نے انہیں لوگوں سے بے پرواہ اور لوگوں کو ان کا محتاج دیکھا ہے۔ اتنا سن کر مسلمہ نے کہا۔ خالد' اتنا کافی ہے۔ وہ قوم کیسے گمراہ ہو سکتی ہے جس میں یہ (حسن بصری) ہوں۔"

اشعث کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن کے بعد جس سے بھی ملا وہ میری نظر میں چھوٹا محسوس ہوا۔ حضرت حسن بصری کا ایک قول یہ ہے کہ موت نے دنیا کو رسوا کر دیا اور کسی عقل والے کے لیے کوئی خوشی نہیں چھوڑی۔

زہد اور اس کا پرچار

دنیا حضرت حسن کے نزدیک معمولی سی چیز کے برابر بھی نہ تھی۔ وہ درہم و دینار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اشعث کہتے ہیں کہ ہم جب حضرت حسن کے ہاں جاتے اور جب وہاں سے نکلتے تو دنیا کو "کچھ بھی" شمار نہیں کرتے تھے۔

حضرت حسن لوگوں کو وعظ کرتے اور ان کی سماعتوں میں دنیا کی ناپسندیدگی انڈیلتے ہوئے فرماتے کہ درہم اور دینار دو بدترین ساتھی ہیں وہ تمہیں کوئی فائدہ نہ دیں

گے۔ حتیٰ کہ تم سے جدا ہو جائیں گے۔ (فائدہ دینے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ دیں گے)۔''اور فرماتے'' جو شخص بھی درہم (دولت) کو عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں۔''اور فرمایا'' کہ دنیا کو ذلیل کرو (اس کی توہین کرو) خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ خوشی اسے ذلیل کر کے ہوتی ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی متواضع اور دنیا سے بے رغبت ہو کر گزاری اس میں دنیا کا کوئی سامان نہ تھا سوائے اس سامان کے جو آخرت تک پہنچائے۔

ان کے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کی عیادت کرنے گئے۔ تو دیکھا کہ گھر میں نہ بستر تھا نہ بچھونا' قالین وغیرہ اور نہ ہی کوئی تکیہ سوائے ایک کھجور کے پتوں سے بنی چارپائی جس پر چٹائی ڈال دی گئی تھی۔

ایک اعرابی بصرہ آیا تو اس نے پوچھا کہ اس شہر کا سردار کون ہے؟ کسی نے کہا کہ ''حسن''۔ اس اعرابی نے پوچھا وہ کس بات سے ان کے سردار بن گئے؟ تو جواب ملا کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس سے بے پرواہ ہیں اور لوگ اپنے دینی معاملات میں ان کے پاس موجود (علم) کے محتاج ہیں۔ یہ سن کر اعرابی نے کہا کہ کتنی اچھی صفت ہے۔ واقعی انہیں سردار ہونا چاہیے تھا۔

مکارم اخلاق

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے سینے کو فضائل اور مکارم اخلاق سے مزین کر رکھا تھا۔ کوئی فضیلت ان سے چھوٹ نہ سکی ہر فضیلت انہوں نے اپنے سینے سے باندھ لی تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی تو آپ نے اس کے پاس تر کھجوروں سے بھری ایک تھالی بھیجی اور کہلوایا کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں جو مجھے تحفے میں بھیجی تھیں یہ ان کے بدلہ میں بھیج رہا ہوں۔ یہ سن کر اس شخص کو شرم آ گئی اور اس نے اس کے بعد انہیں برے الفاظ سے کبھی یاد نہ کیا۔

قول کے مطابق عمل

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر عرض کیا کہ آپ جمعے کے خطبے میں غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب کیوں نہیں دیتے۔ چنانچہ حضرت حسن نے کہا کہ میں انشاء اللہ بیان کرونگا۔ چنانچہ جب جمعہ آیا تو حضرت حسن منبر پر چڑھے مگر خطبے میں غلاموں کے آزاد کرنے پر کچھ بیان نہیں کیا۔ پھر دوسرے جمعے بھی ایسا ہی کیا حتیٰ کہ چوتھے یا پانچویں جمعہ کے خطبہ میں غلاموں کے آزاد کرنے پر بیان کیا اور اس کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ شخص آیا اور اس نے تعجب سے کہا کہ حضرت میں نے آپ سے غلاموں کے آزاد کرنے پر ترغیب دینے کی درخواست کی تھی مگر آپ نے چار جمعوں کے بعد بیان فرمایا ہے؟ تو حضرت حسن نے جواب دیا کہ میں غلاموں کی آزادی کی ترغیب کا خطبہ اس وقت تک نہیں دے سکتا تھا جب تک کہ میرے پاس مال نہ آتا اور میں بازار جا کر غلام خریدتا اور اسے آزاد کر دیتا۔ ہاں پھر اس کے بعد لوگوں کو اس کی نصیحت کرتا تا کہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہوں کہ جو لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

جہنم کی آگ کا خوف' آخرت کا رنج

آخرت کے شدید رنج میں مبتلا تھے۔ ان کا دل کمزور ہو چکا تھا۔ زخم ہرے ہو چکے تھے گویا کہ جہنم کی آگ صرف انہی کے لیے بنی ہے۔

حضرت ابراہیم لشکری فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے زیادہ طویل الحزن شخص نہیں دیکھا اور میں جب بھی انہیں دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ تازہ تازہ کوئی مصیبت ان پر آئی ہے۔"

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کو غم و رنج اختیار کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کے فضائل بتا کر ان کی نظروں میں اسے اچھا کر دکھاتے۔" فرمایا "تمہیں امن حاصل ہونے سے پہلے تمہارا خوف اس امن سے بہتر ہے جس کے بعد تم خوف میں مبتلا ہو جاؤ۔"

ایک دن ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ اے ابوسعید دل میں کون سی چیز (آخرت کا) رنج ڈالتی ہے؟ فرمایا۔ "بھوک۔ اس نے پوچھا کہ کونسی چیز رنج کو نکالتی ہے؟ فرمایا پیٹ بھرنا۔"

عبادت وخشیت

جب رات تاریک ہو جاتی تو یہ اپنے قدم محراب میں جما لیتے اور طویل بکاء میں لگ جاتے۔ حضرت علی بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت حسن نے رات ان کے ہاں بسر کی اور رات کو محراب میں کھڑے روتے گزار دی۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ زید نے ان سے پوچھا کہ اے ابوسعید۔ آج رات آپ نے ہمارے گھر والوں کو رلا دیا۔ کیا ہوگیا تھا؟ فرمایا۔ اے علی! میں نے اپنے آپ سے کہا کہ "اے حسن کہیں اللہ تعالیٰ کسی برائی (برے عمل) کو دیکھ کر یہ نہ کہہ دے کہ تو جو چاہے عمل کر لے میں تیرا کوئی عمل قبول نہیں کروں گا۔ (بس اسی بات پر روتا رہا)۔

موت کی آمد کا یقین

ایک دن راستے کی ایک جانب لوگوں کے مجمع میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے ابوسعید! میں نے گھر بنایا ہے۔ آپ میرے ساتھ چل کر مکان دیکھیں اور میرے لیے برکت کی دعا فرما دیں۔ چنانچہ حضرت حسن مجمع سمیت تشریف لے گئے جب اس مکان تک پہنچے تو مکان مالک سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تجھے زمین والے دھوکہ دیں۔ آسمان والے تجھ سے نفرت کریں اور تو اپنے گھر کو برباد کرے اور دوسرے کا گھر بنائے۔ یہ فرما کر لوگوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

چنانچہ جب لوگ حضرت حسن کے گھر تک پہنچے تو اس کی دیوار ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ کسی نے کہا۔ اے ابوسعید اس گھر کے گرنے سے پہلے مرمت کروالیں۔ حضرت حسن نے جن کا نصب العین کوتاہ امیدی تھا فرمایا کہ "رہنے دو رہنے دو معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے۔ (موت اس سے بھی پہلے آجائے گی)۔

وفات

ان کی روح شوق کے پروں سے اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف پرواز کر گئی۔
۱۱۰ ہجری تھا اور ماہ رجب کے ابتدائی دنوں کی شب جمعہ تھی۔
جب ان کی وفات کی خبر پھیلی تو پورا بصرہ آہ و بکاء سے گونجنے لگا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۰ ہجری بمطابق ۷۲۸ عیسوی)

☆ زاہدین کے درمیان ان کا مرتبہ ایسا تھا جیسے فرشتوں میں حضرت جبرائیل کا۔
☆ اپنے دل سے دنیا کے دھوکے اور عشق ذات کو دور نکال پھینکا تھا۔
☆ خود کو بھلائی اور تقویٰ کی گود میں لٹا دیا تھا۔

☆☆☆

ایسا شخص جس کی گفتگو تسبیح، جس کی خاموشی، تفکر اور عبادت تھی۔ اپنی دنیا کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی محبت سے روشن کر رکھا تھا۔ یہ ہیں محمد بن سیرین بصری (ولاء کے اعتبار سے انصاری ہیں) کنیت ابوبکر تھی۔ بصرہ کے امام اور اپنے دور میں ورع اور تقویٰ کے اہم رکن تھے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اختتام سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ ایسے گھر میں پرورش پائی جس کے ہر رکن سے ورع وتقویٰ کی بہاریں پھوٹتی تھیں۔ جوان ہوئے تو کپڑا فروش تھے۔ کپڑے بیچتے' کانوں سے کم سنائی دیتا تھا۔ پھر فقہ میں سمجھ بوجھ حاصل کی۔ حدیث کی روایت کی اور وراثت' قضا (قانون) اور حساب کا علم حاصل کیا۔

ورع وتقویٰ سے مشہور رہوئے۔ ان کا چرچا خواب کی تعبیروں سے ہوا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں فارس میں کاتب کے عہدے پر فائز فرمایا۔ ان کے

والد محترم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ محمد بن سیرین کو ہدایت' اچھی طبیعت اور خشوع عنایت ہوا تھا۔ چنانچہ جب لوگ انہیں دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ جب یہ مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے کپڑے سے اس کی صفائی کرتے۔

زندگی کی تقسیم عبادت و تجارت

اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا تھا۔ ایک حصہ عبادت کے لیے اور ایک حصہ کمانے کے لیے۔ چنانچہ جب دن بلند ہو جاتا تو مسجد سے نکل کر تجارت کے لیے بازار پہنچ جاتے اور جب رات آتی تو اپنے گھر کی مسجد میں قدم جما کر کھڑے ہو جاتے۔

ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن بغیر روزے کے رہتے۔ اپنی والدہ سے بہت زیادہ نیک سلوک کرنے والے شخص تھے۔ مکمل زبان سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ (مطلب یہ کے اونچی آواز سے اور منہ کھول کر بات نہیں کرتے تھے)۔ عام طور سے ان کا کلام (گفتگو) تسبیح و تحمید ہوتی۔ سچی بات کہتے' جب بھی دو باتیں سامنے آتیں تو ان میں سے دین کے اعتبار سے زیادہ با اعتماد مضبوط بات کو اختیار فرماتے۔

خراج تحسین

زبانیں ان کی تعریف بیان کرتی ہیں اور انہیں یوں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مواق العجلی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے تقویٰ میں زیادہ فقیہہ تھا اور ابن سیرین سے زیادہ فقہ میں کوئی پرہیزگار نہ تھا۔

بکر بن عبداللہ مزنی فرمایا کرتے تھے۔ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ اپنے دور کے سب سے زیادہ متقی انسان کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ محمد بن سیرین کو دیکھے۔

تقویٰ نفس کو نصیحت اور ذات کو نکھارنے کے بارے میں ان کے بہترین اقوال موجود ہیں جیسے کہ انہوں نے فرمایا۔ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ بنا دیتا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔

محمد بن سیرین بڑے عبادت گزار' صاحب تقویٰ اور زاہد شخص تھے۔ جب

نصف نہار کے وقت بازار میں داخل ہوتے تو تکبیر و تسبیح اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ اے ابوبکر اس وقت بھی؟ فرمایا کہ یہ وقت ذکر سے غفلت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا میں اس وقت ذکر الٰہی کرنا پسند کرتا ہوں۔

ایک دن کسی شخص کا آپ نے تذکرہ کیا اور لوگوں کو پہچان کرانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ فلاں کالا۔ اس کے بعد انہیں بڑی ندامت ہوئی اور غلطی کا احساس ہوا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی مغفرت چاہتا ہوں کہ میں نے کہیں اس کی غیبت نہ کردی ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا اعلان ہوا کہ وہ اپنے رب کے پڑوس میں جا پہنچے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابن سیرین انہیں غسل دیں۔ مگر اس وقت ابن سیرین قید میں تھے۔ لوگوں نے آکر بتایا تو فرمانے لگے کہ میں تو قید میں ہوں لوگوں نے کہا کہ ہم نے گورنر سے اجازت لے لی ہے۔ تو فرمایا کہ مجھے گورنر نے قید نہیں کیا بلکہ مجھے اس نے قید کروایا ہے جس کا حق مجھ پر ہے۔ چنانچہ اس صاحب حق کو بلوایا گیا اور اس نے اجازت دی تو ابن سیرین نے جیل سے نکل کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔

بھلائی، نیکی اور نصیحت

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس بھلائی، نیکی اور نصیحت پر مشتمل ہوتی۔ ان کی امیدوں سے تقویٰ کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ ایک مرتبہ ابن سیرین نے ایک شخص کو حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہتے سنا تو اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اے بھائی۔ رک جاؤ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والا بادشاہ ہے۔ اگر وہ حجاج سے اس کے مظالم کا بدلہ لے تو بہت جلد لے لے گا۔ اس لیے اپنے آپ کو کسی کی برائی میں مشغول مت کرو۔

خرید و فروخت کا طریقہ کار

جب کسی کو کوئی چیز بیچتے تو اس سے تین بار پوچھتے کہ کیا تم راضی ہو؟ اگر

خریدنے والا ''ہاں'' کہتا تو ابن سیرین گواہی کے لیے گواہوں کو لے آتے (کہ گواہ رہنا)۔

حضرت سری بن یحییٰ' حضرت ابن سیرین کے تقوے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن سیرین کو کسی چیز میں چالیس ہزار کا منافع ہوا اور انہوں نے اس بیع سے اسی ہزار کا سودا خریدا پھر ان کے دل میں کوئی شبہ وغیرہ آ گیا لہٰذا اس معاملے کو چھوڑ دیا۔

ایک دن کسی نے حلال وحرام کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھ لیا تو ان کا رنگ بدل گیا۔ حتیٰ کہ ایسے لگنے لگے کہ یہ وہ نہیں ہیں جو سوال کیے جانے سے پہلے تھے۔

ایک مرتبہ چالیس ہزار درہم کا تیل ادھار پر خریدا اور پھر جب ایک برتن کھول کر دیکھا تو اس میں ایک مرا ہوا چوہا پڑا تھا۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ یہ تیل سارے کا سارا ایک ہی جگہ میں (جہاں نکال کر رکھا جاتا ہے) ہوتا ہے اور نجاست یقیناً صرف ایک برتن ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لیے اگر میں بیچنے والے کو واپس کر دوں گا تو ہوسکتا ہے وہ لوگوں کو بیچ دے۔ چنانچہ اس ڈر سے وہ سارا تیل گرا دیا پھر جب اس کی ادائیگی نہ کر سکے تو قید کر دیئے گئے۔

دینی سمجھ

دین کے اسرار کو باریکی سے سمجھنے والے شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل ذہانت سے روشن کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص نے آ کر ان پر دعویٰ کیا کہ میرے آپ کے ذمے دو درہم ہیں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ تو اس شخص نے کہا کہ کیا آپ قسم کھا سکتے ہیں؟ اس کا خیال یہ تھا کہ دو درہم کے لیے ابن سیرین قسم نہیں کھائیں گے۔ مگر ابن سیرین نے قسم کھا لی۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابوبکر۔ کیا آپ دو درہموں کے لیے قسم کھا رہے ہیں؟ چنانچہ آپ نے ایمان اور تقویٰ کے ساتھ جواب دیا۔ ہاں میں قسم کھا رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں اسے حرام کھلانا نہیں چاہتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ حرام ہے۔

حق گو ابن سیرین

محمد ابن سیرین کلمہ حق کہہ دیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے معاملے میں کسی ملامت گر کی لعنت ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے بادشاہوں کے سامنے ابن سیرین سے زیادہ سخت کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک دن عمر بن ہبیرہ والیٔ عراق نے انہیں بلوایا۔ چنانچہ یہ اس کے بلانے پر چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کا بھتیجا بھی تھا۔ چنانچہ جب یہ والی کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور خوب تعظیم سے پیش آیا۔ پھر پوچھنے لگا کہ اے ابوبکر آپ نے اپنے شہر والوں کو کس حال میں چھوڑا؟ ابن سیرین نے جواب دیا کہ میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ ظلم ان میں عام ہو چکا ہے اور تم ان کی طرف سے غفلت برت رہے ہو۔

ان کے بھتیجے نے انہیں کہنی سے ٹھوکا دیا تو انہوں نے اس کی طرف مڑ کر فرمایا کہ انہوں نے تجھ سے نہیں مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا ہے اور یہ گواہی ہے۔ ''اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔'' (البقرۃ آیت ۲۸۳) چنانچہ جب مجلس ختم ہوئی تو ابن ہبیرہ نے انہیں اسی طرح پرتپاک طریقے سے رخصت کیا۔ جیسے استقبال کیا تھا۔ اور آپ کے پاس ایک تھیلی جس میں تین ہزار درہم تھے بھجوائی۔ مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

وفات

۱۱۰ ہجری میں آپ کی روح پرواز کر گئی اور آپ کا جسم بصرہ میں مٹی تلے چھپا دیا گیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت طلحہ بن مصرف رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۲ ہجری بمطابق ۷۳۰ عیسوی)

☆ ایسا شخص گویا کہ اس کی تربیت فرشتوں نے کی تھی۔

☆ اپنے دل سے غموں کا احاطہ کر لیا تھا۔

☆ جس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک آخرت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے' ہنسے گا نہیں۔

☆☆☆

جس نے احسان کی زنجیر سے زبان کو باندھ دیا تھا۔ جس کی خاموشی فکر' نظر عبرت اور گفتگو ذکر الٰہی تھی۔ ورع (پرہیز گاری) نے اس کے دل میں ایسی حسرت ڈال دی تھی جس نے دل کو جلا کر رکھ دیا تھا یہ ہیں طلحہ بن مصرف بن کعب بن عمرو ہمدانی' کوفی' ابو محمد۔ جو کہ قراء کے امام اور تقویٰ کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔

اپنے زمانے میں کوفے کے سب سے بڑے قاری' پرہیز گار اور عبادت گزار جن کی سچائی اور وفاء (ایفاء عہد وغیرہ) مشہور تھی۔ خاموشی کے دروازے سے آخرت کی طرف دوڑے۔ امام احمد جن کے اخلاق کو بہت پسند کرتے تھے۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن مصرف سے زیادہ اپنی زبان پر قابو رکھنے والا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ عبدالملک بن ابجر کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن مصرف کو جب بھی کسی مجمع میں دیکھا تو ان پر طلحہ کی فضیلت ہی دیکھی۔

حضرت طلحہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے کہ ''اے اللہ میری خاموشی کو فکر بنا دے۔ اور میری نظر کو عبرت اور میری گفتگو کو ذکر بنا دے۔

زہد و خشیت

شہرت کے چنگل سے خود کو دور لے گئے۔ کوفہ کے بڑے قاری تھے۔ لوگ ان سے قرات سیکھا کرتے تھے۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت دیکھی تو دل میں ناگوار گزری

چنانچہ خود امام اعمش کی مجلس میں پہنچ گئے اور ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ چنانچہ لوگ امام اعمش کی طرف مائل ہو گئے اور طلحہ کو چھوڑ دیا۔

ایک دن ہنسی آ گئی تو اپنے نفس کو سزا دینے کو اس پر پل پڑے۔ نفس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ کیوں ہنستا ہے؟ ہنستا تو وہ ہے جو تمام گھبراہٹوں اور خوف کو پار کر کے پل صراط سے آگے نکل گیا ہو۔ پھر فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک یہ نہ جان لوں کہ قیامت میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا نہیں ہنسوں گا۔ چنانچہ ان کی وفات ہو گئی۔ مگر کسی نے انہیں ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابن مصرف اگر آپ کھانے کا غلہ بیچا کریں تو آپ کو منافع ہوگا؟ فرمایا کہ ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر مہنگائی میرے دل میں دیکھے۔

تقویٰ اور پرہیزگاری

(ان کی دیوار اور پڑوسن کی دیوار مشترک تھی) چنانچہ ان کی پرہیزگاری ملاحظہ کیجئے کہ انہیں اس میں صرف ایک کیل ٹھونکنی تھی تو پڑوس کی خاتون مالکن سے اجازت منگوائی تو اس نے کہلوایا کہ آپ ضرور کیل لگائیں اور اگر روشن دان بھی نکالنا چاہیں تو اجازت ہے۔

ان کی پڑوسن ان کی پرہیزگاری بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ہماری ایک خادمہ حضرت طلحہ کے ہاں آگ کا انگارہ مانگنے گئی۔ حضرت طلحہ نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت طلحہ کی اہلیہ نے کہا کہ اے فلانہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم ابو محمد کے لیے تمہاری انگیٹھی پر یہ گوشت کا ٹکڑا بھون لیں تاکہ یہ بعد میں افطار کر سکیں۔ چنانچہ ایسا کر لیا۔ اور جب طلحہ نماز سے فارغ ہوئے تو (اس بات پر مطلع ہونے پر) تیز آواز سے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا میں یہ گوشت چکھوں گا نہیں حتیٰ کہ تم اس خادمہ کی مالکن کو نہ بھجوا دو تم نے ان کی انگیٹھی کیوں روکی اور اس پر کیوں اپنا گوشت بھونا؟

آخری لمحات

جب حضرت طلحہ بن مصرف بستر مرگ میں جا پہنچے خناق کی تکلیف انہیں ہوگئی تو یہ شدید درد کے مارے رونے لگتے تو کسی نے کہا کہ حضرت طاؤس بیماری میں رونے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد طلحہ بن مصرف کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

وفات

۱۱۲ ہجری میں ان کی پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عطاء بن رباح رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۱۴ ہجری بمطابق ۷۳۲ عیسوی)

☆ باوجود نسب محفوظ نہ ہونے کے بزرگی کا اصرار تھا کہ وہ ان سے مصافحہ کرے۔
☆ ایسا شخص جو علماء کو اپنے الفاظ سے رلا دیتا تھا۔
☆ انہیں حیا آتی تھی کہ زمین میں ان کی رائے کی وجہ سے ان کی عزت کی جائے۔

☆☆☆

ہمیشہ کے لیے امر ہو جانے والے لوگوں کے گلزار اور عظیم لوگوں کے چمن میں اپنی روح کو اڑا لے گئے۔ یہ ہیں حضرت عطاء بن رباح ابو محمد قریشی (قریش کے مولیٰ تھے)۔ فقیہ حرم، سید الفقہاء، شیخ الاسلام۔ حضرت ابن عباس کے حلقہ کے جانشین، یمن میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پلے بڑھے۔ آل ابی میسرہ فہری کے مولیٰ تھے۔ سیاہ فام تھے آنکھوں میں بھینگا پن تھا ناک چپٹی تھی۔ ہاتھ بیکار تھے۔ پاؤں سے بھی معذور ہوئے پھر نابینا ہوگئے۔

اتنی معذوریوں کے باوجود وہ مقام حاصل کیا کہ لوگوں نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں اور عطاء کا نام فقہ تفسیر اور حدیث کی سند میں بہت اونچا نام ہے)۔

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کی مجلس اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتی کبھی اس ذکر سے خالی نہ ہوتی اگر ان سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب بہت حسین ہوتا۔

سلمہ بن کہیل کہتے ہیں میں نے عطا کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ جو علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہوں۔

زہد و تواضع

ایک دن ان سے کسی بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم۔ تو کسی نے کہا آپ اپنی رائے سے کیوں نہیں بتاتے؟ فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میری رائے کی وجہ سے دنیا میں میری عزت کی جائے۔ (عربی میں لفظ "یدان" ہے جس کے متضاد معنی ہیں۔ ایک معنی ذلیل ہونے کا بھی ہے)۔

حضرت عمر بن ذر فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا میں نے انہیں کبھی قمیض پہنے نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسا کپڑا جو پانچ درہم کے مساوی ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ حج کے لیے تشریف لائے تو لوگ مسئلے مسائل پوچھنے لگے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم میرے پاس جمگھٹا لگا رہے ہو حالانکہ تمہارے ہاں ابن ابی رباح جیسا شخص موجود ہے۔

دنیا سے دوری

دنیا ابن ابی رباح کے پاس بناؤ سنگھار کر کے آئی مگر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اپنی زندگی زاہد بن کر گزاری۔ حکمرانوں نے انہیں نزدیک کرنا چاہا مگر یہ دور ہو گئے۔ اور حکمرانوں کے دروازے مسلمانوں کی خدمت کے علاوہ اور کسی مقصد سے نہیں کھٹکھٹائے۔

ہمیں عثمان بن عطا خراسانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے

ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے پاس جارہا تھا۔ تو جب ہم دمشق کے قریب پہنچے تو گدھے پر سوار ایک بوڑھے کو دیکھا جس کا رنگ سیاہ تھا ایک کھردرا موٹا لبادہ اور پرانا جبہ پہنا ہوا تھا ایک پھٹی ہوئی ٹوپی سر پر تھی' مجھے اس حلیہ میں دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ میں نے اپنے والد کو کہا کہ یہ کون ہے؟ میرے والد نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ چپ کر۔ یہ حجاز کے فقہاء کے سردار عطاء بن ابی رباح ہیں۔

پھر میرے والد اپنے خچر سے اور حضرت عطاء اپنے گدھے سے اترے دونوں نے معانقہ کیا پھر سوار ہو کر چلے اور ہشام کے دروازے پر پہنچ گئے ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ انہیں اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ جب میرے والد وہاں سے نکلے تو میں نے پوچھا کہ تم دونوں کے ساتھ اندر جو معاملہ ہوا وہ مجھے بتایئے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ

جیسے ہی ہشام کو علم ہوا کہ حضرت عطاء دروازے پر ہیں تو فوراً اس نے اجازت دے دی اور واللہ میں ان ہی کی وجہ سے اندر داخل ہوسکا۔ ہشام نے جب انہیں دیکھا تو مرحبا کہا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور پوچھا کہ اے ابومحمد تمہاری کیا حاجت ہے؟ تو عطا بن ابی رباح نے ان سے اہل حرم اہل مدینہ اور اہل ثغر کے وظائف کے اجراء کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ہشام نے اپنے غلام کو کہا کہ ان سب لوگوں کے وظائف کے اجراء کا حکم نامہ لکھو اور پھر ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے لگا۔ اس کے بعد ہشام حضرت عطاء کے پہلو کی جانب جھکا اور پوچھا اے ابومحمد اس کے علاوہ کوئی ضرورت تو نہیں؟ تو حضرت عطاء نے کہا کہ اے امیرالمومنین اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یہ جان رکھو کہ آپ اکیلے پیدا ہوئے تھے اور اکیلے ہی مروگے اور اکیلے ہی اٹھائے جاؤ گے۔ اکیلے ہی کا حساب کتاب ہوگا۔ جو لوگ آپ کو نظر آ رہے ہیں واللہ ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ ہوگا۔"

یہ سن کر ہشام منہ کے بل زمین پر روتے ہوئے گر گیا۔ پھر حضرت عطاء' خلیفہ کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس ہو لئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو اچانک ایک شخص پیچھے سے آیا اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی

تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ حضرت عطاء نے کہا۔ اسے دور رکھو' دور رکھو۔ (اور یہ آیت پڑھی) اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔" (الشعراء آیت:۱۰۹) واللہ حضرت عطاء اندر گئے اور وہاں سے نکل آئے مگر ایک قطرہ بھی پانی کا نہ پیا۔

وفات

۱۱۴ ہجری کو مکہ مکرمہ میں ان کی روح دنیا چھوڑ گئی۔

امام اوزاعی نے فرمایا عطاء کا جس دن انتقال ہوا وہ لوگوں کے نزدیک سب زمین والوں سے زیادہ پسندیدہ انسان تھے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت وھب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۴ ہجری بمطابق ۷۳۲ عیسوی)

☆ جس نے اپنی حکمت کی تلوار خواہشات پر چلائی اور انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔
☆ عظیم لوگوں کی محراب میں ایک راہب۔
☆ ایسا شخص جس کے سائے سے شیطان ڈرتا تھا۔

☆☆☆

جس نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اپنی خواہشات کو پاؤں تلے رکھ لیا۔ ان کی آواز دلوں کی کنجی تھی۔ یہ ہیں حضرت وہب بن منبہ بن کامل صنعانی رحمتہ اللہ علیہ۔ ان فارسی النسل لوگوں کی اولاد میں سے تھے جنہیں کسریٰ نے یمن بھیجا تھا۔

صنعاء میں حضرت عثمان بن عفان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ اہل کتاب کی کتابیں اور ان کے واقعات بھی پڑھے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ زہد و عبادت میں مصروف ہوئے۔ حکمت ان کی زبان پر بہتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں

صنعاء کا گورنر مقرر کیا تھا۔

زہد و تواضع

زبان بڑی پاکیزہ تھی کسی کو برا بھلا نہ کہتے۔ بستر پر نہیں سوتے تھے۔ اور خواب میں اگر کچھ دیکھ لیتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آ جاتا تھا۔ وعظ فرماتے اور ان کے دل سے چمکتے الفاظ نکلتے اور لوگوں کے سینوں میں موجود دلوں تک راہ بنا لیتے۔ انہوں نے اپنی زبان سے خواہشات کو کاٹنے کے لیے تلوار بنالی تھی۔ لوگوں کے درمیان بیٹھتے اور فرماتے کہ ''جو شخص اپنی خواہشات کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ لے شیطان اس کے سائے سے ڈرتا ہے۔''

حضرت وہب نے راجح عقل اور نفس کے تواضع کو جمع کر رکھا تھا۔ ذات کے دھوکے سے کوتاہ امیدی کے معرکہ میں شدید مصروف رہے اور تعریف کی جگہوں پر جانے سے احتراز کرتے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں احباب کے حلقہ میں تشریف فرما ہوتے تو ان کی ساعتوں میں نصیحت انڈیلتے ہوئے فرماتے کہ جب کوئی شخص تمہاری ایسی تعریف کرے جو تم میں نہ ہو تو اس شخص سے اس بات سے بے خوف نہ ہونا کہ وہ تمہاری ایسی برائی مذمت کرے جو تم میں نہ ہو۔

جب کوئی ان کی تعریف کرتا اور لوگوں کے درمیان ان کی شان کو بلند بیان کرتا تو فوراً ہی اس کو جواب دے دیتے کہ میں اپنے اخلاق کی جانچ کرتا رہتا ہوں میرے اندر ایسی کوئی خوبی نہیں ہے۔''

عبادت و کرامت

ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے ہاں رات گزاری۔ جب رات ہوئی تو حضرت وھب اپنے معمولات کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنی قرأت کی منماہٹ سے رات کی خاموشی کو توڑنے لگے۔ اتنے میں ان کا وہ دوست بھی جاگ گیا اس نے جب حضرت وہب کی طرف دیکھا تو نور کا ایک ہالہ ان پر سایہ فگن تھا۔ چنانچہ صبح اس دوست

نے حضرت وہب کو بتایا کہ میں نے آپ کو رات کو دیکھا تو آپ پر ایک نور کا ہالہ تھا جیسے آسمان سے کوئی چراغ اتر آیا ہو۔ یہ سن کر حضرت وہب نے اپنا سر جھکالیا اور انہوں نے تواضع اور حیاء کے ساتھ کہا کہ جو تم نے دیکھا ہے اسے چھپانا۔

مکارم اخلاق

ایک دن حضرت وہب بن منبہ بیٹھے لوگوں کو وعظ ونصیحت فرما رہے اور احادیث کا درس دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر ہانک لگائی کہ اے وہب بن منبہ فلاں شخص آپ کو گالیاں دے رہا تھا میں نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سنا۔ تو حضرت وہب کا رخ بدل گیا۔ آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شیطان کو تمہارے سوا اور کوئی قاصد نہیں ملا؟ پھر وہب اس مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے کہ وہ شخص آیا جس نے آپ کو گالیاں دی تھیں۔ اس نے آ کر سلام کیا۔ وہب نے مسکرا کر کھلے دل سے جواب دیا اور اس سے مصافحہ کر کے اسے اپنے پاس بٹھایا۔

امراء سے دوری کی ترغیب

حضرت وہب کو پے در پے یہ خبریں ملیں کہ عطاء خراسانی بادشاہوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت وہب نے عطاء خراسانی کو دیکھا تو انہیں بڑی محبت سے ڈانٹنے لگے کہ تمہارا بھلا ہو اے عطا۔ کیا مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ تم اپنے علم کو بادشاہوں کے دروازوں تک لے جاتے ہو۔ اے عطاء تمہارا بھلا ہو۔ تم ایسے شخص کے پاس آتے ہو جو تمہارے لیے اپنا دروازہ بند کرتا ہے اور اپنا فقر تمہارے سامنے کرتا ہے اپنی مالداری تم سے چھپاتا ہے۔ اور اس کو تم چھوڑتے ہو۔ جو تمہارے لیے اپنے دروازے کھلے رکھتا ہے اور اپنی مالداری تمہارے سامنے ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''مجھ کو پکارو میں پکار کا جواب دوں گا۔ (المومن:٦٠) تمہارا بھلا ہو اے عطاء اگر جو چیز تمہیں کافی ہے وہ بے پرواہ کرسکتی ہے تو دنیا کی کم سے کم چیز بھی تمہیں کافی ہوسکتی ہے اور اگر تمہیں کافی ہونے والی چیز تمہیں بے پرواہ (مستغنی) نہیں کرتی تو دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں کافی ہوسکے۔

وفات

حضرت وہب بن منبہ کی روح ان کے سر کو گرا کر صنعاء شہر میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ۱۱۴ ہجری تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۱۵ ہجری بمطابق ۷۳۳ عیسوی)

☆ جس نے دنیا میں اپنی گردن کو آخرت کی قید سے چھڑا لیا۔
☆ اخلاص کی تلوار سے نفس کے وسوسوں کو کاٹ ڈالا۔
☆ جن کے دخول جنت میں موت کے سوا کچھ مانع نہ تھا۔

☆☆☆

جب انہیں دیکھو نماز کے دروازوں کو کھٹکھٹاتے ملیں گے۔ تم سے خود پسندی چھین لیں گے۔ تم خود کو چھوٹا سمجھنے لگو گے جس وقت انہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ ہیں حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود جو کہ شاعر اور خطیب' اور فصیح انسان تھے۔ عبادت' قرأت اور نیکی میں مشہور ہوئے۔ سالکین کی روش پر چلے حتیٰ کہ منزل تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے تیر سے دنیا کے شبہات کو شکست دی۔ موت کے مقروض تھے۔ ذکر الٰہی سے دلوں کی شفاء اور شیطان نفس کو دھتکارنے کے لیے مصلی بنایا تھا۔

اقوال زریں

(۱) تکبر کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سے کم درجے شخص پر اپنی فضیلت سمجھو۔

(۲) تم سے پہلے کے لوگ دنیا کے لیے وہ کچھ رکھتے تھے جو آخرت سے فاضل بچتا تھا۔

(۳) اور اب تم اپنی آخرت کے لیے وہ رکھتے ہو جو دنیا میں سے بچ جاتا ہے۔

حضرت عون بن عبداللہ ذکر سے محبت رکھتے اور فرماتے تھے۔ ہر ایک شخص کے اعمال میں سے کوئی عمل سردار ہوتا ہے اور میرے اعمال میں ''ذکر'' سردار عمل ہے۔

فرماتے۔ ''ذکر کی مجالس دلوں کی شفاء ہیں۔''

حضرت عون کے الفاظ مرہم تھے جب ضمیر کے زخموں پر گرتے اسے جگا دیتے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتے۔

ایک شخص عون رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں کپکپاتے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میں منافق نہ ہو جاؤں۔ تو حضرت عون رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اگر تو منافق ہوتا تو اس سے خوف نہ کھاتا۔

عبادت وخشیت

وہ تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتے اور آنسوؤں کی لڑیوں سے ان کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ اگر کوئی دیکھ لیتا تو یہ اپنے چہرے سے آنسو پونچھ ڈالتے (یعنی آنسوؤں کو منہ پر مسل لیتے) کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ انسان کے آنسو اس کے جسم کے جس حصے کو لگتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

ان کا دل موت کی یاد اور کوتاہی امیدوں سے معمور تھا۔ یہ اپنے نفس کو ڈانٹتے ہوئے فرماتے۔ میرا ستیاناس ہو۔ میں کس طرح اپنے نفس سے غافل ہوں۔ حالانکہ موت کا فرشتہ مجھ سے غافل نہیں ہے۔ ستیاناس ہو۔ میں لمبی امیدوں کی بات کیسے کرتا ہوں حالانکہ موت مجھے ڈھونڈ رہی ہے۔

ایک مرتبہ ان کے اصحاب ان کے گرد جمع تھے۔ پوچھنے لگے کہ مومن کے لیے سب سے زیادہ نفع والا دن کونسا ہے؟ فرمایا کہ جس دن وہ اللہ سے ملے اور اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارا مقصد دنیاوی دن پوچھنے کا تھا۔ فرمایا۔ ''کہ سب سے زیادہ فائدہ مند دن وہ ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کا

آخری حصہ وہ پا نہ سکے گا۔"

وفات

جب وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت کی کہ ان کی زمین بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی زمین صدقہ کر رہے ہو اور عیال چھوڑ کر جا رہے ہو؟ دل کو نکھارنے والے ایمان کے ساتھ فرمایا کہ یہ زمین تو اپنے لیے آگے بھیج رہا ہوں اور اپنے عیال کے لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ چنانچہ ان کا بیٹا آل ابن مسعود میں فضیلت علم اور مال کے اعتبار سے سب سے بہتر تھا۔ ان کی روح ۱۱۵ ہجری کے آخر میں دنیا سے پرواز کر گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت یزید الرقاشی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۰ ہجری بمطابق ۷۳۷ عیسوی)

☆ جس نے اپنے آنسوؤں سے دل کی آگ کو بجھا دیا تھا۔
☆ ایسا شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی خشیت کی وجہ سے رو کر کی۔
☆ جس کا رونا ہی اس کی عبادت کا نچوڑ تھا۔

☆☆☆

انہوں نے آزادی کا مزہ اپنے آقا کی قرب میں ہی چکھ لیا تھا۔ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھا تا کہ ان کا دل نکھر جائے۔ یہ ہیں یزید بن اَبان الرقاشی، صالح، زاہد، راتوں کو رونے والے۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے روئے حتیٰ کہ آنکھوں کے پردے گر گئے اور ان کے آنسوؤں نے آنسوؤں کی گزرگاہ (بہنے کی جگہ) کو جلا دیا تھا۔

دنیا میں اس سے بے رغبت رہے۔ اپنی خواہشات کو دبا کر رکھا، تنہائی میں جا کر خوب روتے۔ لوگوں کو کھانے پینے زہد کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ "اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے بھوکے رہنے والے قیامت کے دن اولین جماعت میں ہوں گے۔"

زہد وخشیت

ہمیں موسیٰ اللقیطی نے یزید رقاشی کا کھانے کے بارے رویہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یزید رقاشی نے خود کو اللہ کے لیے ساٹھ سال تک بھوکا رکھا حتیٰ کہ ان کا جسم کمزور ہوگیا' بدن لاغر اور رنگ تبدیل ہوگیا۔ اس کے باوجود فرمایا کرتے کہ مجھ پر میرا پیٹ غالب ہوگیا۔ مگر اس کے لیے کسی تدبیر پر قادر نہیں ہوں۔

ایک شدید گرم دن میں اشعب بن سواء حضرت یزید رقاشی کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ اے اشعب آؤ ہم اور تم پیاس کے دن (قیامت) میں ٹھنڈے پانی (کی عدم دستیابی یا مشکل) پر روئیں۔ پھر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے کہ مجھ سے عبادت گزار آگے نکل گئے اور میں مایوس رہ گیا۔ ہائے ہائے۔ حالانکہ یہ بیالیس سال تک روزے رکھ چکے تھے۔ (یعنی صوم داؤدی)

خوف آخرت

جب یزید رقاشی اپنے گھر میں داخل ہوتے تو روتے اور جب کسی جنازے میں شریک ہوتے تو روتے اور جب ان کے پاس ان کے بھائی (ان جیسے حضرات) تشریف فرما ہوتے تو یہ خود روتے اور انہیں بھی رلا دیتے۔ ایک دن انہیں ان کے بیٹے نے کہا۔ ابا جان آپ کتنا روتے ہیں؟ واللہ اگر جہنم کی آگ صرف آپ کے لیے ہی بنی ہوتی تب بھی آپ اس سے زیادہ نہ روتے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ میرے بیٹے؟ تیری ماں تجھے گم کرے یہ آگ میرے لیے اور میرے ساتھیوں اور ہمارے جن اور انسان بھائیوں کے لیے ہی تو بنائی گئی ہے۔" اس کے بعد یہ آیت پڑھنے لگے۔ "وہ اس جہنم اور حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے درمیان طواف کرتے رہیں گے۔" (الرحمٰن:۴۴) اور گھر میں چیختے ہوئے گھومنے لگے۔ حتیٰ کہ ان پر غشی طاری ہوگئی۔

حضرت یزید رقاشی بات کرتے تو ان کے آنسو ان کی داڑھی اور رخساروں پر جاری رہتے۔ وہ فرماتے کہ میرے بھائیو! رونے کے دن سے پہلے رولو اور نوحے کے دن

سے پہلے نوحہ کرلو۔ توبہ منقطع ہونے سے پہلے توبہ کرلو۔ اے جوانوں اور بوڑھوں کی جماعت اپنے آپ پر نوحہ کرو۔ پھر اتنا روتے حتیٰ کہ گر جاتے پھر افاقہ ہوتا تو پھر روتے ہوئے گر جاتے اور پھر آپ کو بے ہوشی کی حالت میں گھر والوں کے پاس اٹھا کر لایا جاتا۔

ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ رونے سے اکتاتے نہیں؟ چنانچہ وہ رونے لگے اور فرمایا کہ کیا دودھ پیتا بچہ غذا سے اکتاتا ہے؟ واللہ میری خواہش ہے کہ میں آنسوؤں کے بعد خون کے آنسو روؤں اور خون کے بعد کچلہو سے روؤں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل جہنم آنسو خشک ہونے کے بعد خون کے آنسو روئیں گے۔

آخری لمحات

جب یزید رقاشی کی وفات کا وقت قریب آیا اور موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا تو یہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا واللہ میں نماز کے لیے کھڑے ہونے اور دن کے روزے چھوٹنے پر رورہا ہوں۔ پھر روتے ہوئے کہنے لگے۔ اے یزیدؔ تمہارے لیے کون نماز پڑھے گا؟ اور کون روزہ رکھے گا اور کون تمہارے بعد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کو اعمال پیش کرے گا۔ تمہارے گزشتہ گناہوں کی معافی کون مانگے گا؟

اے وہ شخص! قبر جس کا مسکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور کل کو آگ اس کا گھاٹ ہے۔ تو نے اپنے لیے آگے کیا بھیجا؟ اور تو نے اپنی موت کے لیے کیا تیاری کی؟ اور تو نے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے کیا تیاری کی؟

وفات

امام بخاریؒ نے انہیں ۱۱۰ ہجری سے ۱۲۰ ہجری کے درمیان انتقال کرنے والوں میں ذکر کیا ہے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت بلال بن سعد رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۲ ہجری بمطابق ۷۴۰ عیسوی)

☆ یہ اہل شام میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ۔
☆ ایسا شخص جو لوگوں کو نبی کی زبان سے وعظ کرتا تھا۔
☆ جن کے کانوں میں خوف کا نقارہ بجتا رہتا تھا۔

☆☆☆

امام ربانی، واعظ، زاہد، یہ ہیں حضرت بلال بن سعد بن تمیم بن عمرو السکونی ابو عمرو الدمشقی، مشہور تابعی۔ اہل دمشق کے شیخ، جامع مسجد دمشق کے پیش امام اور ایک بڑے عالم تھے۔

ان کے والد صحابی تھے۔ انہوں نے اپنے والد اور کئی صحابہ کرام سے علم حاصل کیا۔ اہل شام کے بڑے فصیح و بلیغ شخص تھے۔ اپنی زندگی کا ایک قصیدے میں خلاصہ کر دیا ہے جو تاریخ کی یادداشت میں گونجتا رہتا ہے۔ امامت اور خطابت کیا کرتے تھے اور انہیں اچھے قصے بیان کرتے تھے۔

خراج تحسین

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے بلال بن سعد سے زیادہ بلاغت والا واعظ کسی کو نہیں دیکھا۔ حکمت ان کی زبان پر اس طرح چلتی تھی جیسے صبح کے وقت باد نسیم چلتی ہے۔ ان کی آواز دلوں میں اتر جاتی تھی۔

اقوال زریں

ان کے اقوال زریں بھی ہیں۔ فرمایا کہ گناہ کے چھوٹے ہونے کی طرف مت دیکھو لیکن جس کی نافرمانی کی ہے اس کی عظمت کو دیکھو۔ اور فرماتے: ''اتنا گناہ بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور ہم دنیا میں رغبت کرتے ہیں۔

خوف خدا اور زہد کی ترغیب

ایک دن بلال بن سعد دمشق کے مضافات میں لوگوں کو وعظ کرنے نکلے اور انہیں دنیا میں رغبت سے روکتے اور خوف دلاتے۔ وہ کانوں میں خوف کے نقارے بجاتے اور فرماتے کہ ہائے اس بات کا غم کہ مجھ میں غم پیدا نہیں ہوتا۔

جب کسی منکر کو دیکھتے یا ان کی سماعت تک کوئی ایسی بات پہنچتی تو وعظ کرتے ہوئے بآواز بلند فرماتے کہ اگر گناہ کو چھپاؤ گے تو صرف گناہگار کو ہی نقصان دے گا اور جب ظاہر کرو گے اور اسے نہ بدلا تو وہ سب کو نقصان دے گا۔

ایک دن لوگوں کے نفوس کے شر کو توڑنے کے لیے پکار کر فرمایا۔ کہ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ولی مت بن کر دکھاؤ حالانکہ تم تنہائی میں اس کے دشمن ہو۔

حیرت انگیز عبادت

ان کی عبادت و ریاضت اپنی حیرت انگیزی کی وجہ سے حیرت انگیز واقعات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ ایک دن اور ایک رات میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک رات کڑک دار سردی میں نماز پڑھ رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں نیند نے ڈیرہ جمانے کی کوشش کی تو انہوں نے خود کو گھر میں بنے ہوئے ایک حوض میں کپڑوں سمیت گرا دیا۔ حتیٰ کہ نیند کو دور بھگا دیا اس پر ان کے گھر والوں نے ناراضگی سے کہا کہ اپنے ساتھ اس طرح کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیا کہ اس حوض کا پانی جہنم کے (ماء صدید) لجلہو کے پانی سے بہتر ہے۔

لوگوں کے ساتھ خیر خواہی

بلال بن سعد کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے بعد ایک شخص نے اس پر بیس سے کچھ زائد درہم کا دعویٰ کیا۔ تو بلال نے پوچھا کہ کوئی گواہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا کہ کوئی لکھی ہوئی دستاویز؟ کہا کہ نہیں۔ چنانچہ بلال رحمتہ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ پھر قسم کھالو تو اس شخص نے قسم کھالی۔ اس نے ہاں کہی اور پھر قسم کھالی۔ اس کے بعد حضرت بلال گھر میں گئے اور اس کے مطلوبہ دراہم لاکر اسے دیئے اور نہایت آہستگی سے اسے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو یہ رقم میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ادا کردی ورنہ اگر تم جھوٹے ہو تو میں نے یہ رقم تمہیں صدقہ کردی۔

کرامات

امام اوزاعی حضرت بلال بن سعد کی کرامت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پانی کم ہو چکا تھا تو لوگ استسقاء کے لیے نکلے۔ ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے۔ چنانچہ بلال رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ اے حاضرین! کیا تم گناہ کے اقراری نہیں ہو۔ سب نے کہا کہ ''ہیں'' چنانچہ بلال رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کی اور کہا۔ ''اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ

''احسان کرنے والوں پر کوئی آنچ نہیں ہے۔ (التوبہ:۹۱) اور ہم نے گناہ کا اقرار کرلیا ہے اس لیے ہماری مغفرت فرمادے اور ہمیں بارش عطا فرمادے۔''

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اسی دن ہمیں بارش عطا ہوگئی۔ یعنی بلال بن سعد کی دعا اور ان کی گفتگو سے)

وفات

حضرت بلال بن سعد رحمتہ اللہ علیہ' ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں ۱۲۰ ہجری کے بعد انتقال کر گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۳ ہجری بمطابق ۷۴۱ عیسوی)

☆ رحمان کے قاریوں میں سے ایک قاری۔
☆ ایسا شخص جس کو دیکھ کر دلوں کو تسکین ہوتی تھی۔
☆ ہر دن آخرت کے لیے تیار ہوتا تھا۔
☆ جنگوں میں اس کی انگلی ایک ہزار تلواروں سے بہتر تھی۔

☆☆☆

قتال کے شہسواروں میں سے ایک شہسوار' رات کے راہبوں میں سے ایک عبادت گزار۔ اللہ تعالیٰ سے رابطے میں' ایک مستجاب الدعوات شخص۔ یہ ہیں حضرت محمد بن واسع بن جابر ازدی۔ ابوبکر' اسلام کا فخر' قراء کی زینت' عابد' خشوع وخضوع والے زاہدین کے شیخ' ایک فقیہ' ایک پرہیزگار اور حدیث کا ایک ثقہ راوی۔

خراج تحسین

ان کو بصرہ کی قضاء کا عہدہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ دنیا کو ترک کر دیا اس لیے کہ دنیا کی ہر لذت ختم ہونے والی اور مرنے والی ہے۔ ان کا ایمان اور زہد نہ ہلنے والی چٹان کی طرح تھے۔

سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن واسع سے زیادہ خشیت والا شخص کوئی نہ دیکھا اور ان کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے صحیفہ کی طرح ملاقات کرے۔

موسیٰ بن بشار کہتے ہیں کہ میں مکہ سے بصرہ تک محمد بن واسع کا ہمسفر رہا وہ پوری رات نماز میں گزارا کرتے تھے۔

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ جب بھی میں اپنے دل میں سختی دیکھتا تو میں سفر کر کے جاتا اور محمد بن واسع کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ (تو سختی ختم ہو جاتی)۔

زہد و تواضع

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کے زہد اور تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ جب انہیں لوگوں کی طرف سے ان کے لیے کوئی تعریفی بات سننے میں آتی تو فرماتے کہ اگر گناہوں کی بو ہوتی تو تم میرے قریب آنے پر قادر نہ ہوتے (بدبو کی وجہ سے)

عابدین کے انداز سے ایک شخص نے آ کر ابن واسع سے عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ تو انہوں نے چمکتے چہرے سے جواب دیا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم دنیا اور آخرت میں بادشاہ بنو۔ اس شخص نے بڑی حیرت سے لب ہلاتے ہوئے تیزی سے عرض کیا کہ یہ میرے لیے کیسے ممکن ہے تو آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ۔ پھر ابن واسع نے اپنی نظریں وسیع آسمان پر ڈالیں اور دل کی گہرائی سے نکلنے والے الفاظ کے ساتھ فرمایا کہ۔

''خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جسے رات کا کھانا ملے تو صبح کا نہ ملے اور صبح کا ملے تو رات کا نہ مل سکے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔''

ایک دن محمد بن واسع بازار میں اپنا گدھا بیچنے کے لیے لے گئے۔ تو ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ اس گدھے کو میرے لیے پسند کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر راضی ہوتا تو اسے بیچتا نہیں۔

محمد بن واسع نے مجاہدین کا لباس پہنا اور اللہ کی بندگی کی قول سے دعوت دینے کے بعد اپنی تلوار سے دعوت دینے لگے۔ اس وقت یہ اسلام کی ایک تلوار اور خراسان کے والی یزید بن مہلب کے ساتھ تھے۔ اسی دوران حج کا وقت آ گیا تو اس نے انہیں حج کے قافلے کا امیر بنا دیا اور پھر یزید نے ان سے کہا کہ کیا ہم تمہارے لیے کسی چیز کا حکم کر دیں (مراد رقم وغیرہ تھی) تو ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کیا سارے لشکر کے لیے کریں گے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو حضرت ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک دن ابن واسع نے اپنے بیٹے کو دیکھا وہ بڑے ناز سے اترا کر ہاتھ ہلا ہلا کر چل رہا ہے تو یہ دیکھ کر ان کے چہرے (کا رنگ) بدل گیا اور انہیں یہ انداز بہت برا لگا۔ چنانچہ فوراً اپنے بیٹے کو نصیحت کی زبان سے سمجھانے کے لیے اس کے قریب پہنچ گئے اور فرمایا کہ

''جانتا ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم میں خریدا تھا اور تیرا باپ اللہ اس جیسے لوگ مسلمانوں میں زیادہ نہ کرے۔''

مستجاب الدعوات ابن واسع

ابن واسع بڑے خشوع' پرہیز گاری' عبادت والے اور مستجاب الدعوات شخص تھے۔ ان کے دو ہاتھ تھے جو قبولیت کے دروازے کھولتے تھے۔ ایک دن محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ' قتیبہ بن مسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں نکلے۔ ترک ان کے خلاف نکل چکے تھے۔ تو قتیبہ بن مسلم نے مسجد میں دیکھنے کسی کو بھیجا کہ دیکھو کوئی وہاں تو نہیں ہے؟ اس نے آ کر بتایا کہ وہاں ابن واسع کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف کیے دعا میں مصروف ہیں تو قتیبہ نے کہا ان کی یہ انگلی مجھے تیس ہزار شہسواروں اور تلواروں سے زیادہ پسند ہے۔

شہرت اور عہدے سے نفرت

محمد بن واسع کو شہرت پسند نہ تھی نہ ہی عہدہ پسند کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان سے موت کے پنجوں کی طرح دور بھاگتے تھے۔ مالک بن منذر بصرہ کا کوتوال تھا۔ اس نے محمد بن واسع کو بلوایا تا کہ انہیں قاضی بنا دے مگر محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا مگر انہوں نے دوبارہ انکار کیا تو ابن منذر نے غصے میں دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ''یا تو تم اس عہدے پر براجمان ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں تین سو کوڑے ماروں گا۔'' ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے اطمینان سے غور و فکر کے ساتھ جواب دیا۔ اگر تم یہ کر سکو (کوڑے مار سکو) تو کر لو کیونکہ تم ہم پر مسلط ہو اور پھر دنیا میں ذلت اٹھانے والا آخرت

میں ذلت اٹھانے والے سے بہتر ہے۔

موت کا یقین امیدوں کی کمی

حضرت محمد بن واسع کوتاہ امید شخص تھے اگر سوتے تو انہیں اٹھنے کا انتظار (یقین) نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ لیٹنے لگتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری نیند میری موت ہو جس سے میں دوبارہ نہ اٹھ سکوں۔

دن گزرتے رہے ابن واسع کی عمر آگے بڑھ گئی اور صحت کمزور ہوگئی۔ مرض کے تیروں نے انہیں گھائل کر دیا چنانچہ کمزور نحیف اور بیماری سے شکست خوردہ جسم کے ساتھ بستر مرگ پر پہنچ گئے۔ لوگ جوق در جوق ان کی عیادت کو آنے لگے۔ تو فرمایا میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کہاں لے جایا جائے گا۔ قسم اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ معلوم نہیں مجھے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یا مجھے معاف کر دیا جائے گا۔

وفات

جب موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنا سر ڈھانپ لیا اور جلدی جلدی کہنے لگے۔ رب کے فرشتوں کو خوش آمدید۔ و لاحول و لاقوۃ الاباللہ (نہ حرکت ہے نہ قوت ہے مگر اللہ کی مشیت سے)

فضالہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت ایسی خوشبو محسوس کی کہ اس جیسی کبھی خوشبو سونگھی نہ تھی۔ پھر اس کے بعد ابن واسع کی آنکھیں چندھیا گئیں اور ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ ۱۲۳ ہجری تھا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم﴾

(متوفی ۱۲۴ ہجری بمطابق ۷۴۱ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس نے اللہ تعالیٰ سے اپنا نفس چھ بار خریدا۔
☆ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو اس وقت بلایا جب یہ سجدے میں تھے۔
☆ جس نے اپنے صدقے سے فقراء کی رات کی تاریکیوں کو روشن کیا۔

☆☆☆

ایک زاہد پرہیز گار۔ جس نے اپنی راتیں نماز کے قیام میں اور دن روزے کی حالت میں گزارے اور اپنی زندگی زہد میں مغفرت کی امیدوں میں گزاری۔ یہ ہیں حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہم) چپ چاپ سے صدقہ دینا ان کا شغف تھا۔ راتوں کو لوگوں کے قدموں میں (درہم) بکھیر دیتے جس وقت وہ نماز میں مصروف ہوتے۔ موت نے انہیں اس وقت آن لیا جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں مہمان تھے۔

خوف وخشیت

جب موت کا ذکر ہوتا تو خوفزدہ اور ہل جاتے اور ان کے اعضاء مجنوں کی طرح کپکپانے لگتے۔ حضرت سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ عامر بن عبداللہ نے اپنا نفس اللہ تعالیٰ عزوجل سے چھ مرتبہ خریدا۔''

یہ ہر مرتبہ اتنا صدقہ کرتے جو ان کی دیت کے برابر ہوتا اور ان کا کیا ہوا صدقہ ایک بہت بڑی رقم بنتا ہے۔ ان کی عادت یہ تھی کہ تھیلی سے دس ہزار درہم تقسیم کے لیے نکالتے اور جب عشاء کی نماز پڑھتے تو ان کے پاس وہ درہم بھی ہوتے تھے۔ یہ عبادت کرنے والوں کو (اندھیرے میں) محسوس کرکے دیناروں یا درہموں کی تھیلی ان کے پاؤں کے پاس یوں رکھ دیتے کہ نمازی کو تھیلی کا تو پتہ چلے مگر رکھنے والے کی جگہ کا علم نہ ہو سکے۔ کسی نے انہیں کہا کہ آپ کو اس بات سے کیا مانع ہے کہ آپ بذات خود ان

تک یہ درہم پہنچوا دیں۔؟ تو فرمانے لگے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ جب وہ (مستحق) مجھے یا میرے قاصد کو دیکھے تو اس کا چہرہ لال ہو جائے۔

آخری لمحات

بیماری نے انہیں کمزور کر دیا اور یہ تکلیف کے عالم میں بستر میں جا بیٹھے اچانک مسجد سے مؤذن کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر.........فوراً چیخے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد لے چلو (عبداللہ بن عامر کا گھر مسجد سے قریب تھا) کسی نے کہا کہ آپ بیمار ہیں اپنے اوپر آسانی کریں۔ مگر فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد لے جاؤ اللہ کا داعی پکارے اور میں جواب نہ دوں؟ چنانچہ وہ لوگ انکا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے گئے چنانچہ یہ مسجد میں مغرب کی نماز میں شامل ہوئے ابھی امام نے ایک رکعت پڑھی تھی کہ ان کا دوران نماز سجدے کی حالت میں انتقال ہو گیا۔

وفات:

ان کی وفات کا سال ۱۲۰ ہجری کی دہائی میں ہے ایک قول کے مطابق ۱۲۴ ہجری ہے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۷ھ بمطابق ۷۴۴ء)

☆ جس نے اپنی قبر میں نماز پڑھی خیر کی ایک کنجی

☆ عبادت کی کمان میں ایک تیر اور زھد کے شہسوار

☆☆☆

رحمٰن کی آوازوں میں سے ایک آواز ہر ستون کے پاس قرآن کریم ختم کیا ان کا دل حواس اور شفافیت کے ایک تنے کے سہارے مضبوط قائم تھا یہ ہیں ثابت بن اسلم البنانی جو کہ امام، رہنما، زاہد و عابد، اپنے دور کے ہیرے، کوفے کے فقیہ اور عابد تھے۔

عبادت وخشیت

ثابت بنانی بہت زیادہ روزے رکھنے والے، نمازیں پڑھنے والے اور کثرت سے رونے والے انسان تھے طویل آنسوؤں کے جانشین تھے ایسی خشیت کے مالک تھے کہ جسے اگر سو آدمیوں میں تقسیم کیا جاتا تو کافی ہو جاتی۔ کوفے کی مساجد کو ڈھونڈتے تاکہ انہیں اپنے سجدے کی بکاء سے معمور کریں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خیر کی کچھ کنجیاں ہیں اور ثابت بنانی خیر کی ان کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔

بکر بن عبداللہ نے فرمایا کہ جو چاہے کہ اس دور کے سب سے بڑے عابد کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ثابت بنانی کو دیکھے۔ ثابت بنانی نے خوف اور ندامت کے آنسوؤں سے زندگی کا استقبال کیا اور رنج کی انگلیوں کے اطراف کی طرف دوڑتے رہے۔ اس عورت کی جلن کی طرح روتے جس کا بیٹا گم ہو گیا ہو حتی کہ ان کی پسلیاں اوپر نیچے ہو جاتیں۔

بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھ میں بہت تکلیف ہو گئی۔ معالج نے کہا کہ آپ ایک بات کی ضمانت دے دیں تو آنکھ ٹھیک ہو جائے گی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ آپ روئیں گے نہیں۔ اس کی بات سن کر ثابت بنانیؒ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے فرمایا اس آنکھ کا کیا فائدہ جو روئے ہی نہ؟ پھر آپ نے علاج کرانے سے انکار کر دیا۔

عشقِ رسول ﷺ

رسول اکرم ﷺ کی محبت ان کے دل میں جاگزیں تھی جب نبی کریم ﷺ کے الفاظ ان کے کانوں تک پہنچتے تو ان کی آنکھوں میں شوق کے آنسو چمکنے لگتے۔ یہ شوق ان کے دل پر اس طرح چھا گیا کہ اسے جلا کر رکھ دیا اور اسے جلیل القدر صحابی حضرت انسؓ بن مالک کی جانب دھکیلنے لگا اور پھر جونہی حضرت ثابت کی نظر حضرت انسؓ پر پڑی تو بچوں کی طرح ان کی طرف بھاگے اور ان کا ہاتھ چومنے لگے اور روتے ہوئے کہتے

جاتے کہ آپ کے ہاتھ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کو چھوا ہے۔

طاعت کے پیکر

انہوں نے اپنی گمشدہ میراث کو طاعت کے سمندر میں خود کو غرق کر کے اور رات کے مصائب اور تکالیف کو زیر کر کے پالیا۔ چنانچہ ثابت بنانی ہر رات تین سو رکعتیں پڑھا کرتے اور جب صبح ہوتی تو ان کے پاؤں تھک کر چور ہو چکے ہوتے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں دباتے اور اپنے عمل کو ہلکا سمجھتے ہوئے فرماتے کہ عبادت گزار چلے گئے اور میرے لئے کچھ نہ بچا۔

اپنے بارے میں بتاتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں مسجد کا کوئی ستون اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک وہاں ایک قرآن نہ ختم کرلوں اور وہاں رو نہ لوں۔

حضرت ثابت بنانیؒ اپنے احباب کے ہمراہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے تو راستے میں جو بھی مسجد پڑتی اس میں نماز ضرور پڑھتے۔ اور جب حضرت انسؓ کے پاس پہنچتے تو حضرت انسؓ پوچھتے ثابت کہاں ہے؟ ثابت کہاں ہے؟ اس کی عادت ایسی ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔

دعا کی قبولیت

حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے آنسوؤں کے ساتھ گڑگڑا کر دعا کرتے اے اللہ! اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق دیتا ہے تو مجھے اپنی قبر میں نماز کی توفیق عطا فرمادے۔ چنانچہ یہ دعا حرف بحرف قبول ہوئی اور انہیں وفات کے بعد قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔

وفات

ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ بنانی دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی روح ہمیشہ رہنے والوں کے پاس اوپر پہنچ گئی۔ یہ عراق پر خالد بن عبداللہ کی گورنری کا زمانہ تھا۔ ۱۲۳ ہجری یا دوسرے قول کے مطابق ۱۲۷ ہجری تھا۔

حضرت سیدنا محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۰ ہجری بمطابق ۷۴۸ عیسوی)

☆ مدرسہ بکاء کا ایک طالب علم جس کے نزدیک دنیا بے قیمت تھی۔
☆ اس نے نفس پر چالیس سال محنت کی حتی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔
☆ جس پر غموں نے حملہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

ایسا شخص جس نے دل کو صبح کی ہواؤں (بادِ نسیم) اور آنکھوں کے آنسوؤں سے مار دیا......... یہ ہیں حضرت محمد بن منکدر بن عبداللہ بن ھدیر بن عبدالعزی قریشی تیمی مدنی۔ شیخ الاسلام، عابدوں کے شہسوار، قراء کے سردار، ایک زاھد وعابد، آہیں بھرنے والے سچائی کے معدن، اور رجال حدیث میں سے ایک راوی، بعض صحابہ کی زیارت سے سرفراز ہوئے سرسبز وشاداب دل کے مالک، بھرپور ایمان، پرہیزگاری کے ایک متلاشی توکل کی ایک درسگاہ، قیام لیل میں مصائب کا مقابلہ کرنے والے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو رو پڑتے اور ان کے آنسو اُمڈ آتے۔

اپنا حال خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر چالیس سال محنت کی حتی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔

عبادت وخشیت

تیز حواس اور شفاف دل کے مالک، آنکھوں میں آنسو ٹھہرتے نہ تھے۔ رات کی تاریکی میں محمد بن منکدر کھڑے ہوتے اور اپنی آواز کی سرگوشی سے رات کے اندھیرے کو توڑتے۔ ایک دن اپنی محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان پر بکاء غالب آ گئی اور ان کا جسم یوں تڑپنے لگا جیسے چڑیا پھندے میں آ پھنسی ہو۔ یہ حال دیکھ کر گھر والے ڈر گئے پوچھنے لگے تمہیں کس چیز نے رلایا؟ تو ان سے بات نہ کر سکے ان کے الفاظ حلق میں گھٹ کر رہ گئے پھر سے رونے لگ گئے۔ چنانچہ گھر والوں نے ان کے

دوست ابو حازم کو بلوایا اور انہیں پورا واقعہ بتایا چنانچہ وہ تیزی سے ان کی محراب میں داخل ہو گئے اور پھر ابو حازمؒ نے ان سے پوچھا ''میرے بھائی تمہیں کس چیز نے رلایا؟ تم نے تو گھر والوں کو ڈرا دیا ہے کوئی تکلیف ہے یا اور کچھ ہے۔؟

محمد بن منکدر کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی کتاب کی آیت نے میری یہ حالت بنا دی۔ ابو حازمؒ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے بتایا کہ ''یہ آیت'' اور ان کے سامنے اللہ (کے ہاں) سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس پر انہیں گمان بھی نہ ہوگا۔ (الزمر آیت ۴۷)

یہ سن کر ابو حازمؒ بھی رونے لگے اور محمد بن منکدرؒ کی آگ کو اور بھڑکا دیا اور دونوں آنسوؤں کے سمندر میں غوطے لگانے لگے۔ ابن منکدر کے گھر والوں نے کہا کہ ابو حازم ہم نے تو تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تم ہماری پریشانی دور کرو گے مگر تم نے پریشانی بڑھا دی۔

ان کا پڑوسی کسی بیماری میں مبتلا تھا وہ رات کو تکلیف کے مارے چیختا اور محمد بن منکدر زور سے الحمدللہ کہتے۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میرا پڑوسی مصیبت کی وجہ سے آواز بلند کرتا ہے اور میں نعمت کی وجہ سے آواز بلند کرتا ہوں۔

دعا کی قبولیت

ایک مرتبہ ایک شخص نے محمد بن منکدر کے پاس سو دینار امانت رکھوائے تو اسے محمد بن منکدر نے کہا کہ اے بھائی اگر ہمیں ضرورت ہو تو ہم خرچ کر لیں؟ پھر ہم تمہیں ادا کر دیں گے اس شخص نے کہا ''جی ہاں'' چنانچہ محمد بن منکدر کو ضرورت پڑ گئی اور انہوں نے خرچ کر لئے اور پھر اس شخص کا قاصد اس کی امانت واپس لینے آیا اور محمد بن منکدر کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر رو کر دعا کی۔ اے اللہ میری امانت کو ضائع مت کر اور میری طرف سے اسے ادا کر دے۔ اس کے بعد یہ کسی کام سے باہر نکلے تو راستے میں ایک نامعلوم شخص نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور انہیں ایک سو دینار کی تھیلی دی۔ جس سے انہوں نے اپنا قرض ادا کر دیا لیکن محمد بن منکدر کو اپنی موت تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شخص کون تھا جس نے یہ تھیلی بھجوائی تھی۔

ان کی وفات کے بعد اس شخص نے یہ راز کھولا جو تھیلی لایا تھا۔ کہ یہ تھیلی حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ نے بھجوائی تھی اور اس کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ حضرت محمد بن منکدر کو دے آؤ لیکن انہیں مت بتانا حتی کہ میں مرجاؤں یا محمد بن منکدر وفات پا جائیں۔ چنانچہ اس شخص نے یہ راز نہ کھولا حتی کہ ان دونوں بزرگوں کی وفات ہوگئی۔

آخری لمحات

محمد بن منکدر موت کی آغوش میں جا لیٹے اور روتے رہتے کپکپاتے رہتے۔ لوگ ان کی حالت دیکھ کر تعجب کرتے۔ چنانچہ ان سے پوچھنے لگے کہ یہ جزع فزع کیوں ہے؟ آپ نے مردنی سی آواز میں فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کی اس آیت سے ڈرتا ہوں۔

﴿وَ بَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْ يَحْتَسِبُوْنَ﴾

(الزمر آیت: ۴۷)

''اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان تک نہ ہوگا۔''

میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لئے وہ کچھ ظاہر نہ ہو جس کا مجھے گمان بھی نہیں۔

چنانچہ لوگ آپ کو اس بات پر تسلیاں دیتے رہے حتیٰ کہ اچانک ان کا چہرہ چراغ کی طرح کھل اٹھا اس وقت وہ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر تم وہ کچھ دیکھ لو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں (یا فرمایا جن نعمتوں میں میں ہوں) تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

وفات

۱۳۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۱ھ بمطابق ۷۴۹ عیسوی)

☆ اگر آپ ان کے سجدے دیکھ لیں تو آپ کا دل کہے گا کہ یہ فرشتہ ہے۔
☆ اھل بصرہ کے چراغ۔
☆ ایسا شخص جس کے دل کو حکمت نے پرسکون کر دیا تھا۔
☆ جس نے دنیا کو تقوے کی دیواروں کے پیچھے قید کر دیا تھا۔

☆☆☆

ماہر عالم، نوجوانوں کے نوجوان، امام، حافظ اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار یہ ہیں ایوب بن ابوشیمہ کیسان سختیانی بصری ابو بکر۔ اپنے دور کے فقہاء کے سردار ثقہ تابعی، عبادت گزار حافظ، جنہوں نے چالیس حج کئے صاحب کرامات زہد اور تقوی جب حدیث رسول ﷺ سنتے تو رو پڑتے۔ لوگوں کے سامنے سب سے زیادہ مسکرانے والے شخص تھے۔

اقوال زریں

ان کا کلام تاریخ نے محفوظ کیا، حکمت کے مصادر نے اسے اچک لیا تا کہ کتابوں میں اسے محفوظ رکھ سکیں۔ ان کے اقوال میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) بہت زیادہ کھانا پیٹ کی بیماری ہے۔
(۲) بندہ دو خصلتوں کے باعث سردار بنتا ہے۔
 (۱) لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے مایوس ہو جانا۔
 (۲) اور جوان سے سرزد ہو رہا ہے اس سے تغافل برتنا۔

ایوب سختیانی حضرت بصریؒ کی خدمت میں گئے جب وہاں سے واپس ہوئے اور اتنی دور ہو گئے کہ ان تک آواز نہ پہنچ سکتی تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا یہ نوجوانوں کا سردار ہے۔ ایک اور مرتبہ فرمایا کہ یہ اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایوب جیسا شخص نہیں دیکھا۔

حضرت شعبہ کہتے ہیں کہ ایوب فقہاء کے سردار ہیں میں نے ان سے جب بھی کوئی وعدہ کیا یہ اس میں مجھ سے بازی لے گئے۔

حضرت اشعث کہتے ہیں کہ ایوب علماء کے پرکھنے والے ماہر ہیں۔

زہد وخشیت

حضرت ایوب سختیانی زہد کی ایک محراب تھے حکمت ان کی زبان سے جاری ہوتی تھی۔ دنیا سے بے رغبتی اختیار کی اور اسے زہد کی تلوار سے کاٹ ڈالا، اور اسے تقویٰ کی دیواروں کے پیچھے قید کر دیا۔ ایوب فرماتے کہ:

زہد دنیا میں تین قسم کے ہیں (۱) سب سے زیادہ پسندیدہ اللہ کی عبادت میں ہے کہ اس کے سامنے عبادت کی جائے۔ (۲) سب سے اعلیٰ زہد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچنا ہے (۳) اور ثواب کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھا زہد اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں میں ہے۔

عمل کے اخفاء سے محبت

ایوب سختیانی اخفاء کے پردے میں گشت کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اپنا عمل بھی خفیہ رکھتے رات کو نماز پڑھتے تو آہستہ آہستہ قرأت کرتے اور جب صبح ہو جاتی تو اونچی آواز سے قرأت کرتے تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ابھی ابھی نماز پڑھنے لگے ہیں۔

ایک مرتبہ دن کے وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے اور وہ لوگ اپنے منہ اور ساعتوں کو نبی کریم ﷺ کی احادیث کا ذکر کر کے معطر کرنے لگے۔ مگر چند ہی کلمات ایوب سختیانی نے سنے جو ان کے لبوں سے نکلے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر ان کے رخساروں پر بہنے لگے۔ یہ خود سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی محبت اور زہد کو چھپانا چاہیے۔ لیکن بوڑھا جب عمر کا زیادہ ہو جائے تو اس کے آنسو اس پر غالب آجاتے ہیں پھر انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا جیسے کہ جمائی آرہی ہو۔

شہرت اور حکمرانوں سے دوری

شہرت کو ناپسند کرتے اور ظاہر ہونے سے دور بھاگتے تھے حکمرانوں کے قریب نہ جاتے۔ یزید بن ولید (بن عبدالملک) ان کا دوست تھا لیکن جب انہوں نے اس کے خلیفہ بن جانے کی خبر سنی تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ! اس کو میری یاد بھلا دے۔

وفات

بصرہ میں ۱۳۱ ہجری میں طاعون کے زمانے میں وفات پا گئے اس وقت ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۱ ہجری بمطابق ۷۴۹ء)

☆ اپنے زھد کے ذریعے دنیا کے سحر کو باطل کر دیا۔
☆ اپنا دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جھکا دیا۔
☆ ایسا شخص جس نے اپنے دل کے دروازے بھلائی کی فوجوں کیلئے کھول دیئے تھے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے قرب کی آگ نے ان کی رگوں سے بھوک کو جلا کر رکھ دیا۔

☆☆☆

ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے اہل کے دلوں میں ایمان جاگزیں تھا انہوں نے دلوں میں یقین پیدا کر رکھا تھا۔ یہ ہیں حضرت مالک بن دینار بصری ابو یحییٰ۔ راوی حدیث، قاری قرآن، تقوے کی محراب میں ایک زاہد، صالحین میں سے ایک واعظ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اجرت پر قرآن کی کتابت کرتے اور اجرت بھی اتنی لیتے جو کھانے پینے کی اشیاء کے لئے کافی ہو ان کی گفتگو دلوں پر جادو کر دیتی تھی۔

دنیا کی خرابی مال سے ہے

مالک بن دینارؒ کا قول ہے کہ میں نے ہر گناہ پر غور کیا تو اسے مال کی محبت کی وجہ سے پایا۔ ایک اور قول ہے کہ جب سے میں نے لوگوں کو پہچانا ہے میں ان کی تعریف سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی برائی کرنے سے ناخوش ہوتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ وہ کس لئے فرمایا کہ تعریف کرنے والا بھی مفرط ہوتا ہے اور مذمت کرنے والا بھی۔

ایک دن لوگوں کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کرنے لگے کہ دنیا سے بچو کیوں کہ یہ علماء کے دلوں پر سحر کر دیتی ہے۔

اپنے زمانے میں منافقین کی کثرت کا شکوہ کرنے لگے فرمایا کہ اگر منافقوں کی دم نکل آئے تو انہیں چلنے کے لئے زمین نہ ملے۔

حضرت مالک بن دینار اپنے آپ پر زیادہ کھانے سے اور دنیا کی خواہشات کو پیٹ میں جمع کرنے سے خوف کرتے تھے۔ فرماتے ''اپنے پیٹ کو شیطان کی بوری مت بناؤ کہ ابلیس اس میں جو چاہے بھرتا رہے۔''

اور فرمایا سب سے برا بندہ وہ ہے جو اپنی خواہش، اپنے ارادے اور پیٹ کی پوجا کرے۔

مکھن لگی روٹی اور حضرت کا زھد

دن کے وقت مالک بن دینار اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ ''چالیس سال سے مجھے مکھن لگی روٹی کی خواہش ہے یہ سن کر وہ شخص ہوا کی طرح گیا اور اپنے گھر سے مکھن لگی روٹی لے کر آیا اور ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ ابن دینار نے وہ روٹی اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ پھر نفرت کے لہجے میں فرمایا کہ میں تیری چالیس سال سے خواہش کرتا تھا لیکن میں تجھ پر غالب رہا حتیٰ کہ آج کا دن آ گیا ہے اور اب تو چاہتی ہے کہ تو مجھ پر غالب ہو جائے پھر فرمایا اسے مجھ سے دور کر دو۔ اور آپ نے وہ روٹی کھانے سے انکار کر دیا۔

مالک بن دینار اپنے کھانے کے بارے میں اور وہ جو اپنے پیٹ میں گوشت اور اچھی چیزیں فراہم کرتے بیان فرماتے ہیں کہ میرا پورا سال ایسے گذرتا ہے کہ میں اس میں گوشت عیدالاضحیٰ کے دن کے سوانہیں کھاتا۔صرف میں اپنی قربانی میں سے کھاتا ہوں کیوں کہ اس میں تحفہ اور سنت ہوتی ہے۔

افسوس سے ٹوٹے دل اور ندامت کی زبان سے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک بکری کا بچہ ایک درہم میں خریدا اور بیس سال سے میں اپنے نفس کا اس بارے میں محاسبہ کرر ہا ہوں مگر ابھی تک کوئی راستہ نہیں نکال پایا۔

ایک دن ان کے دل میں کسی چیز کی خواہش ہوئی فوراً اپنے نفس پر ابل پڑے داڑھی پکڑ کر سرزنش کی کہ کیا جس چیز کی خواہش ہو ہر وہ چیز کھائے گا؟ جس چیز پر چاہے گا سوار ہوگا؟ یہ بہت برا کام ہے اے مالک۔

مالک بن دینارؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ایک دن میں دو روٹی آپ کو کافی ہو جائیں گی؟ آپ نے فرمایا (روٹی ہو گی تو) اس وقت اس کے ساتھ گھی بھی چاہوں گا۔

آپ نے ایک مرتبہ حجاج کے غلام حوشب ثقفی کو دیکھا تو آواز دی اور فرمایا اے ابو بشر مجھ سے دو باتیں یاد کرلو۔ایک تو یہ کہ جب سونے لگو تو تم بھوکے ہو اور دوسری یہ کہ جس کھانے کو دل چاہے اسے چھوڑ دو (یا یوں کہا جائے کہ کھانے کو اس وقت چھوڑ دو جب تمہارا دل اسے چاہ رہا ہو۔)

حضرت مالک بن دینارؒ دنیا، اس کے گھروں اس کے سامان اور اس کے کھانے پینے کی اشیاء میں بے رغبت تھے۔گھر کے دروازے میں کنڈی نہیں لگاتے تھے نہ ہی کوئی دربان تھا اپنے ساتھیوں اور پڑوسیوں کے درمیان بیٹھتے اور فرماتے کہ جو بھی میرے گھر میں آکر کوئی چیز لے لے وہ اس کے لیے حلال ہے اور مجھے کسی تالے یا چابی کی ضرورت نہیں۔

مالک بن دینار کی دعا

ایک مرتبہ مکہ کی طرف قافلہ گامزن تھا حضرت مالک بن دینار نے آواز لگائی اے لوگو! میں دعا کر رہا ہوں، آمین کہو۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر دعا کی اے اللہ! مالک بن دینار کے گھر میں تھوڑی یا زیادہ دنیا بالکل داخل مت کر۔

دنیا سے بے پرواہی

ایک دن مالک بن دینار کے گھر اور اس سے ملحقہ گھروں میں آگ لگ گئی۔ حضرت مالک نے قرآن کا نسخہ اور اپنی چادر اٹھائی اور نکل گئے کسی نے کہا اے ابویحییٰ گھر جل جائے گا۔ آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ اس میں کوئی چیز نہیں جس کے جلنے سے ڈروں پھر اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر چلائے۔ بھاری بوجھ (زیادہ سامان) والے ہلاک ہو گئے۔

جب رات تاریک ہو جاتی اور گھر گھرے اندھیرے ڈوب جاتے تو ایسے میں سلام بن ابی مطیع مالک بن دینار کے ہاں گئے وہ بغیر چراغ کے گھر میں تھے اور ان کے ہاتھ میں روٹی تھی۔ اس نے کہا اے ابویحییٰ کیا چراغ نہیں ہے جو آپ کا گھر روشن کرے؟ کیا کوئی ایسی چیز (پلیٹ وغیرہ) نہیں جس پر آپ روٹی رکھ سکیں۔ چنانچہ مالک پر افسوس طاری ہو چکا تھا فرمانے لگے کہ مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو جو کچھ گذر گیا میں اس پر نادم ہوں۔ (اب اسی حال میں بہتر ہوں)

چور کی توبہ

ایک مرتبہ ایک چور گھر میں داخل ہو گیا مگر اسے کوئی ایسی چیز نہ ملی جسے وہ چوری کرے حضرت مالک نے چور کی موجودگی کو محسوس کر لیا تو اس سے فرمایا کہ کیا ہوا دنیا کی کوئی چیز تجھے نہیں ملی؟ کیا آخرت کی کسی چیز میں رغبت ہے؟ چور نے کہا ''جی ہاں'' فرمایا تو آؤ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔ پھر اسے لے کر مسجد کی طرف یہ فرماتے ہوئے نکلے

کہ یہ چوری کرنے آیا تھا مگر ہم نے اسے چوری کرلیا۔

ذکر اور عبادت

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی رغبت کی وجہ سے ذکر اور عبادت ان کا شغف بن گیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے اللہ تعالیٰ کے ذکر جیسی کسی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ اپنے احباب کے درمیان بیٹھے فرما رہے تھے کہ دنیا والے دنیا سے نکل گئے اور سب سے زیادہ پاک اور اچھی چیز انہوں نے نہیں چکھی۔ احباب نے پوچھا ''وہ کیا چیز ہے؟''

فرمایا ''اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت''۔

جب صبح (تہجد) کا وقت آجاتا تو یہ نماز میں لگ جاتے پھر اپنی داڑھی کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر عاجزی کے ساتھ کہتے۔ اے اللہ جب تو اولین اور آخرین کو جمع کرے تو مالک بن دینار کے بڑھاپے کو جہنم کی آگ پر حرام کر دے۔''

حق گوئی و بے باکی

بڑے تکبر ناز و انداز اور غرور کے ساتھ بصرہ کا والی اپنی ہیبت ناک سواری پر مالک بن دینار کے سامنے سے گذرا۔ حضرت مالک بن دینار نے اسے ڈانٹتے ہوئے آواز دی اپنی اس چال میں کمی کر۔ والی بصرہ کے خدم و حشم و محافظ مالک بن دینار پر پل پڑنے کو بڑھے والی نے مداخلت کی کہا اسے چھوڑ دو۔ پھر اپنے غرور میں حضرت مالک کی جانب بڑھا اور بڑے فخر سے کہنے لگا۔ کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ مالک بن دینار نے کہا ''کیوں نہیں اور مجھ سے زیادہ تجھے جانتا کون ہے؟ تیری ابتداء ایک گندا پانی کا قطرہ تھا اور تیرا انجام ایک سڑا ہوا مردار ہے اور پھر اس دوران تو گندگی کو پیٹ میں اٹھائے پھرتا ہے''۔ یہ سن کر والی نے سر جھکا لیا اور واپس جاتے ہوئے بولا کہ اب تم نے مجھے بالکل صحیح پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے۔

ایک دن والی بصرہ نے انہیں بلوایا یہ چلے گئے وہاں پہنچے تو والی نے کہا کہ میرے لئے دعا کردیں۔ آپ نے فرمایا کتنے ہی مظلوم تیرے دروازے پر کھڑے تیرے لئے بددعائیں کررہے ہیں۔

آخری لمحات

جب مالک بن دینار اپنے مرض وفات میں بستر پر جا پہنچے تو جب جان سپرد خدا کررہے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمانے لگے ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں دنیا میں اپنی بقاء کو کسی عورت یا پیٹ کے لئے نہیں چاہتا تھا۔

وفات

۱۳۱ ہجری میں حضرت مالک بن دینارؒ نے بصرہ میں اپنے رب کے جوار کو اختیار کرلیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۲ ہجری بمطابق ۷۴۹ عیسوی)

☆ اگر تم محراب کی طرف ان کا لپکنا دیکھ لو تو کہو گے کہ یہ ابھی مر جائے گا۔

☆ اپنی زندگی غموں کو کھینچتے گزار دی۔

☆ ان کی رات کا تہائی حصہ صرف بکاء ہوتی۔

☆☆☆

روزہ اور نماز ان کے دل کے قریبی دوست تھے۔ راہبوں کے ہلاکت کدے میں دنیا کو ایسے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ کوئی انہیں دیکھتا تو یوں لگتا کہ جیسے وہ غموں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے ہوئے ہیں...... یہ ہیں منصور بن معتمر بن عبداللہ سلمی۔ ابوعتاب، حدیث اور تقوے کے بڑے آدمی تھے۔ اہل کوفہ میں سے تھے اور ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہ

تھا۔ ثقہ اور ثبت تھے ۔ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ چالیس سال مسلسل روزے رکھے رات کو نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے۔

رنج والم کے پیکر

منصور بن معتمر کو اگر آپ دیکھتے تو کہتے کہ اس شخص پر کوئی مصیبت آئی ہے۔ ایک طرف کو ڈھلکے ہوئے، دھیمی آواز، بھیگی آنکھیں، کہ اگر منصور کو حرکت دو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جائیں ۔حضرت سفیان ثوری ہمیں ان کی نماز کا حال بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تم منصور کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ شخص ابھی مر جائے گا۔

عبادت وخشیت

ایک رات صبح کے وقت منصور کی والدہ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو تیزی سے ان کے پاس آئیں اور بڑے خوف بھری شفقت سے کہنے لگیں۔ یہ تو اپنے آپ کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔؟ پوری رات روتا رہتا ہے چپ نہیں ہوتا۔ میرے بیٹے شاہد تو نے کسی کو نقصان پہنچایا ہے؟ شاہد کسی کو قتل کیا ہے؟ یہ سن کر منصور نے کہا۔اماں جان میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے؟

ان کی والدہ ان کی رات کی عبادت کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ تہائی رات وہ قرات کرتے، تہائی رات روتے رہتے اور تہائی رات دعا کرتے ۔وہ رات کو اپنے گھر کی چھت پر کھڑے نماز پڑھتے گویا کہ کوئی لکڑی اندھیرے میں کھڑی ہو۔

عہدوں سے بیزاری

کوفے کے عامل یوسف بن عمر نے انہیں بلوایا وہ انہیں عہدہ قضاء پر مقرر کرنا چاہتا تھا مگر وہاں جانے سے باز رہے تو اسے غصہ آ گیا اور انہیں زبردستی قضاء (قاضی) کی کرسی پر بٹھا دیا۔ چنانچہ دو شخص جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے اور سامنے بیٹھ گئے تو انہوں نے ان سے کچھ نہ پوچھا بولنے سے رکے رہے اور بات بالکل نہ کی حتی کہ وہ

دونوں واپس چلے گئے۔

پھر کسی نے یوسف بن عمر کو کہا کہ اگر تو ان کے گوشت کے ٹکڑے کر کے بکھیر دے تب بھی وہ عہدہ قضاء قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے انہیں چھوڑ دیا اور جانے دیا۔

وفات

۱۳۲ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا اور روح باری تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت صفوان بن سُلیم رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۲ ہجری بمطابق ۷۴۹ء)

☆ اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ چالیس سال تک بستر پر اپنا پہلو نہیں ٹکائے گا۔
☆ ایسا شخص جس کی گفتگو سے مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔
☆ ان کی دعا رزق کی ایک کنجی تھی۔

☆☆☆

انہوں نے فضائل کا شکار کرنے کے لئے جال تیار کیا تھا۔ ایسا شخص جسے اگر آپ دیکھیں تو وہ تمہیں اچھا لگے۔ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے آزاد کردہ غلام ابوعبیدہ صفوان بن سلیم بن عوف جو کہ چھپے ہوئے زاہد، ایک مجتہد، ایک باوفا، ایک امام، حافظ، فقیہ اور عابد، ایک ثقہ بے شمار حدیثوں کے راوی، بڑی محنت وریاضت، تقویٰ اور پرہیز گاری والے شخص تھے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے تو ہاتھ خالی نہیں لوٹائے جاتے تھے لوگوں کے درمیان فقراء کے سے تواضع بادشاہوں کے سے دبدبے کے ساتھ زندگی گذاری اللہ کے سوا کسی کو وسیلہ نہیں بناتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اس گفتگو سے مریض شفا

پا جائے اور اس کے ذکر کرنے سے بارش آ جائے۔

عبدالعزیز بن ابی حازم کہتے ہیں کہ صفوان بن سلیم میرے ساتھ مکہ گئے تھے مگر انہوں نے واپسی تک بالکل آرام نہ کیا (کمر لگا کر لیٹے نہیں)

حضرت صفوان زہد میں رغبت دلاتے ہوئے فرماتے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان کی ساری کوششیں پیٹ کے لئے ہوں گی اور دین خواہشات کا نام ہوگا۔

سلیمان بن سالم بیان کرتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں صفوان بن سلیم گھر کے اندر نماز پڑھتے (رات کی عبادت تہجد وغیرہ) اور سردی کے موسم میں گھر کی چھت پر نماز پڑھتے تا کہ نیند نہ آئے۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بڑی آہ وزاری سے دعا کرتے اے اللہ صفوان کی یہ محنت تیرے لئے ہے تو جانتا ہے۔

انس بن عیاض اس زاہد وعابد انسان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے صفوان بن سلیم کو دیکھا۔ اگر انہیں یہ کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہے تو جتنی عبادت وہ کیا کرتے تھے اس سے زیادہ کر نہ پاتے۔ (وہ اتنی زیادہ ہی ہوتی تھی کہ جیسے کل قیامت آنے والی ہے اور اس کے بعد اعمال کرنے کا موقع نہیں)

امراء کے ھدایا سے استغناء

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مدینے آیا مدینے کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ سلیمان نے حضرت صفوان کو دیکھا تو اسے ان کا حلیہ اور زہد بڑا اچھا لگا اس نے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی انہیں بھجوائی۔ جب اس کا قاصد وہ تھیلی لے کر آیا تو صفوان کپکپانے لگے اور تھیلی کو یوں پھینک دیا جیسے کہ وہ آگ ہو تھیلی اٹھائی نہیں بلکہ وہاں سے دور بھاگے خچر پر سوار ہو کر مدینے سے ہی نکل گئے اور جب تک سلیمان مدینے میں رہا وہ مدینے میں داخل نہ ہوئے۔

اپنے انفاق اور سخاوت کے باعث بخل کے دروازے سے نکل آئے چنانچہ جس محتاج پر نظر پڑتی اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ایک مرتبہ سردی کی رات میں مسجد سے نکلے تو

ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس کپڑے نہ تھے تو اسے اپنی پہنی ہوئی قمیض اتار کر دے دی۔

صفوان جب مسجد سے نکلنے لگتے تو روتے حتیٰ کہ ان کے سینے سے ہانڈی کے جوش مارنے جیسی آواز آتی، لوگ جمع ہو گئے اور پوچھا کہ صفوان آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ دوبارہ کہیں مسجد نہ آسکوں۔

بستر پر نہ لیٹنے کا عہد

انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک اپنے رب کے پاس نہ چلا جاؤں بستر پر پہلو دراز نہیں کروں گا اس عہد کے بعد چالیس سال زندہ رہے مگر بستر پر نہیں لیٹے۔ جب موت کا وقت آ گیا تو انہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ بستر پر کیوں نہیں لیٹتے؟ انہوں نے لاغر چہرے اور خوف سے نڈھال آواز کے ساتھ جواب دیا کہ کیا میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا نہ کروں؟ چنانچہ وہ اکڑوں حالت میں ہی بیٹھے رہے حتیٰ کہ اسی حال میں ان کی روح اپنے رب کے پاس چلی گئی۔

وفات

مدینہ منورہ میں ۱۳۲ ہجری میں حضرت صفوان کی وفات ہوئی۔

کافی عرصہ کے بعد ایک دن ایک گورکن قبر کھود رہا تھا کہ وہ اچانک ایک کھوپڑی پر گرا جس کی ہڈیوں پر سجدے کے نشان تھے حتیٰ کہ اس کی پیشانی اس کے سامنے آ گئی تو گورکن نے اس قبر والے کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ یہ قبر حضرت صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت زیاد بن ابی زیاد رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۵ ہجری بمطابق ۷۵۲ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کی باتیں بادشاہوں کو رلا دیا کرتی تھیں۔
☆ جس نے اطاعت کے کوڑے سے اپنے نفس کو نکھارا۔
☆ اپنے نفس کی لگام نہ چھوڑی کہ وہ آرام بھی کر سکے۔

☆☆☆

ان کی باتیں دلوں کو جکڑ لیتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو نکال دیتی تھیں.........

یہ ہیں زیاد بن ابی زیاد مدنی عبداللہ بن عیاش کے موالی صالحین میں سے ایک فقیہ ربانی، زہد وعبادت گذاری سے پہچانے جاتے ہیں۔ دمشق میں رہائش پذیر ہوئے اور اپنے وقت کے مشائخ میں سب سے بڑے عالم بن گئے۔ نفس کو باغ و بہار کرنے والی کوئی فضیلت ایسی نہ تھی جسے اپنایا نہ ہو۔ دنیا نے ان کے گرد بڑا شور مچایا مگر انہوں نے اس کی طرف کان ہی نہیں لگائے۔

زہد وتواضع

زیاد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آتے رہتے تھے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ حضرت عمرؒ ان کا بڑا اکرام کرتے تھے اور یہ پیش کش بھی کی تھی کہ انہیں مال فے سے خرید کر آزاد کروا دیں مگر انہوں نے منع کر دیا۔ چنانچہ پھر لوگوں نے ان کی جان چھڑانے پر ان کی اعانت کی۔

اونی لباس پہنتے گوشت نہیں کھاتے لوگوں سے دور رہتے حتیٰ کہ کسی کے ساتھ بیٹھتے بھی نہ تھے۔ ان کی یومیہ خوراک نصف مٹھی کے برابر تھی۔ دنیا ان کے نزدیک بے کار بے قیمت تھی ان کے نصائح دلوں کو جکڑ لیتے تھے، من کو ہلا دیتے تھے، زندگی بڑی خوفزدہ اور اللہ تعالیٰ کے غصہ اور نافرمانی سے دور بھاگتے گذاری۔

فرمایا کرتے تھے کہ ”گناہوں سے باز رہنا قیامت کے دن کی تکلیفوں کو برداشت کرنے سے بہتر ہے۔“

زیادؒ نے خود کو خوب سزادی اور اپنے (اور اپنے) ساتھیوں کے غرور کو ملیامیٹ کیا اور فرمانبرداری کو خواہشات کے چنگل سے نکال لیا۔ چنانچہ یہ مسجد میں داخل ہو کر خوب (اللہ تعالیٰ کی جتنی مرضی) نماز پڑھا کرتے اور جب ان کا نفس مسجد سے باہر نکلنے کی سرگوشی کرتا تو اپنے نفس پر پل پڑتے اسے ڈانٹتے جھڑکتے فرماتے بیٹھا رہ، کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو اس مسجد سے کسی اچھی جگہ جانا چاہتا ہے؟ دیکھ اس میں کیا ہے؟ تو چاہتا ہے کہ فلاں اور فلاں کے گھر کو دیکھے؟ تیری کیا خواہش ہے تو کیا پہننا چاہتا ہے؟ میرے پاس کھانے کو صرف یہ روٹی اور نمک ہے۔ اور کپڑوں میں صرف یہ اونی لباس ہے۔ کوئی عورت اس بڑھیا کے سوا نہیں۔ اگر تو میرے ساتھ چل سکتا ہے موافقت کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مر جا۔

آخرت کا خوف

ایک نہایت سرد رات جس کی ٹھنڈک اعضاء اور گوشت کو مرعوب کئے جا رہی تھی ۔ حضرت زیاد امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں پہنچے وہ خطوط لکھ رہے تھے ان کے پاس ایک انگیٹھی رکھی تھی جس میں آگ جل رہی تھی زیاد انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر آگ تاپنے لگے اور حضرت عمرؒ بھی فارغ ہو کر آگ تاپنے زیاد کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا اے زیاد کوئی قصہ سناؤ زیاد نے کہا حضرت میں کوئی قصہ گو تو نہیں۔ حضرت عمر نے نصیحت و موعظہ میں رغبت کرتے ہوئے فرمایا۔ کوئی بات کرو کچھ بولو تو زیاد کہنے لگے۔ جب کوئی آدمی جہنم میں داخل ہو تو اسے اس بات سے کوئی فائدہ نہیں کہ جنت میں کون داخل ہوا اور جو شخص جنت میں جائے اسے اس بات سے کوئی نقصان نہیں کہ کون جہنم میں داخل ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہاں تم نے سچ کہا۔ پھر زیاد رونے لگے اور اتنا روئے کہ انگیٹھی کے بعض انگارے ان کے آنسوؤں سے بجھ گئے۔

وفات

حضرت زیاد بن ابی زیادؒ کی روح اپنے باری تعالیٰ کے پاس ۱۳۵ ہجری میں چلی گئی۔

﴿سیدنا حضرت ربیعۃ الرائی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۶ ہجری بمطابق ۷۵۳ء)

☆ لوگ ان سے علم حاصل کرنے سے پہلے ان کا ادب سیکھتے تھے۔
☆ یقین کی گرمی سے ان کا دل پُر تھا۔
☆ زھد کی ایک درس گاہ۔
☆ ان کی وفات سے فقہ کی حلاوت جاتی رہی۔

☆☆☆

حضرت ربیعۃ الرائی رحمہ اللہ تعالیٰ

علم کے راستے میں تربیت وتعلیم کے مناھج کے موجدین میں سے تھے۔ یہ ربیعہ بن فروخ تمیمی (ولاء کے اعتبار سے) مدینے کے رہنے والے، کنیت ابوعثمان تھی، امام، حافظ، فقیہ ومجتہد، سخی، مدینے کے مفتی حضرات میں سے تھے۔ انہی سے امام مالک نے فقہ حاصل کی۔ بڑی لمبی زندگی جئے اور عبادت گذاری رات کے قیام اور دن کی عبادت کے ساتھ منسلک رہے۔

ان کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا جب سے ربیعہ کا انتقال ہوا ہے فقہ کی حلاوت جاتی رہی۔

ایک شخص نے آکر حضرت ربیعہ سے پوچھا کہ زھد کی اصل کیا ہے؟ فرمایا کہ اشیاء کو ان کی حلال جگہوں سے لینا اور ان کو حقیقی جگہ میں رکھنا۔ (مستحقین اور راہِ خدا میں خرچ کرنا)

ایک دفعہ سر ڈھانپے تشریف فرما تھے، پھر لیٹ کر رونے لگے اور ان کی آواز بلند ہوگئی کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ ان کے رونے میں خوف اور دہشت کی آمیزش ہو چکی تھی فرمانے لگے۔ ریا کاری ظاہر ہے خواہشات چھپی ہوئی ہیں۔ لوگ اپنے علماء کے ہاں ایسے ہیں جیسے بچے اپنی ماؤں کی گود میں۔ جو حکم دیتے ہیں وہ مانتے

ہیں اور جس چیز سے منع کرتے ہیں رک جاتے ہیں۔

حکمرانوں کی دولت سے بےزاری

حضرت ربیعہ رائے نے کبھی اپنا سر حکمرانوں کے دراہم کے سامنے نہیں جھکایا لہٰذا ہمیشہ حق گو رہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ابو العباس سفاح کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے ان کے علم و فضل کے شایان شان انعام دینے کا حکم دیا مگر ربیعہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پانچ ہزار درہم دینے کا حکم دیا کہ اس سے باندی خرید لیں مگر ربیعہؒ نے وہ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آ گئے۔

سخاوت

سخاوت فضل اور عقل کے مالک تھے۔ جب یہ بیمار ہوتے اور لوگ عیادت کے لئے آتے تو یہ دستر خوان لگوا دیتے چنانچہ جو بھی عیادت کے لئے آتا وہ سیر ہو کر نشاط کے ساتھ ان کے گھر سے واپس لوٹتا۔

وفات

انبار کی سرزمین پر ہاشمیہ نامی مقام پر ۱۳۶ ہجری میں وفات پائی۔

سیدنا حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۹ ہجری بمطابق ۷۵۶ عیسوی)

☆ قریب تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے جیسے دل کے ساتھ ملاقات کرتے۔

☆ ایسا شخص جس کا نام آسمان کے دروازے ہلا دیتا تھا۔

☆ زمین پر زھد کی محراب۔

☆☆☆

جب تم انہیں دیکھو تو بادشاہوں کی عظمت اور انبیاء کا تواضع نظر آئے۔ ایسا زاہد جس نے زمین کی چھت کو مٹی کے برابر کر دیا تھا۔ یہ ہیں حضرت یونس بن عبید بن دینار

عبدی (ولاء کے اعتبار سے) بصری کنیت ابو عبداللہ حفاظ اور ثقات میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب رہے۔ کپڑے فروخت کرتے تھے۔ ان کی پرہیز گاری اور زہد بے نظیر تھے۔ بہت زیادہ استغفار کرتے۔ حق نظر آتا تو اس کی مدد کرتے۔ فوج سخت لڑائی میں ان کا نام لیتی تو مدد اتر آتی تھی۔

بڑے متواضع شخص تھے۔ تعریف بالکل پسند نہ تھی۔ نفس کے غرور کو خوف اور حسرت کی زنجیروں سے باندھ دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص نے ان کی تعریف کی اور ان کے فضائل گنوانے لگا تو حضرت یونس بن عبید نے اپنی شان گھٹاتے ہوئے فرمایا کہ میں نیکی کی سو خصلتیں گنوا سکتا ہوں جن میں سے ایک بھی میرے اندر نہیں ہے۔

حضرت یونسؒ کی نصیحت

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مجھ سے تین باتیں سن کر یاد کر لو۔ (۱) تم میں سے کوئی بادشاہ کے پاس نہ جائے اگرچہ اسے قرآن ہی سنانے جائے)(۲) کوئی ہرگز کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے اگرچہ اسے قرآن حفظ کرانے ہی جائے۔ (۳) اور تم میں سے کوئی اپنی سماعت پر خواہش پرستوں کو قابو نہ دے۔

اقوال زریں

انہوں نے اپنی زبان کو لوگوں کو رزق حلال کی نصیحت اور ترغیب دینے کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ وہ فرماتے یہ دو درہم ہیں ایک درہم سے اس وقت تک دور رہو جب تک تمہیں اس کی ضرورت نہ پڑے جب پڑ جائے تو اسے لے لو۔ اور یہ دوسرا درہم ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارا حق رکھا ہے اسے ادا کرو۔ اور فرماتے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر بندے کی وہ درست ہو جائیں تو باقی خود بخود درست ہو جائیں۔ اس کی نماز اور زبان۔

تقویٰ و زہد

حضرت یونس بن عبید تقوے اور پرہیز گاری کا فخر تھے اور تقوے کے ایک امام تھے فرماتے کہ آدمی کا تقویٰ اس کی گفتگو سے پہچانا جاتا ہے۔

یونس بن عبید کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر کپڑا مانگا غلام کپڑے کا تھان لایا تو یونسؒ نے فرمایا کہ اسے کھولو۔ اس نے کھولا اور اس پر ہاتھ مار کر زور سے ''صلی اللہ علی محمدؐ'' پڑھا۔ تو یونسؒ نے تقوے کے جذبے سے سرشار ہو کر فرمایا کہ یہ تھان اٹھا لو۔ پھر آپ نے وہ تھان بیچنے سے انکار کر دیا صرف اس ڈر سے کہ کہیں غلام نے اس کپڑے کی تعریف کے لئے درود نہ پڑھا ہو۔

ایک مرتبہ ایک بکری والے کے پاس یونس ایک بکری لے کر گئے اور فرمایا کہ اسے بیچ دو اور میں اس کے اس عیب سے بری ہوں کہ یہ چارہ الٹ دیتی ہے اور کھونٹے (یا شہیر) کو اکھاڑ لیتی ہے۔ انہوں نے بیچنے سے پہلے ہی اس کے عیوب بتا دیئے۔

دعاؤں کا وسیلہ

ظہر کی نماز سے کچھ پہلے ایک شامی شخص کپڑا مارکیٹ میں داخل ہوا اور ان کی دکان پر آ کر اس نے پوچھا آپ کے پاس چار سو درہم والا کپڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس دو سو درہم کا ملے گا۔ اتنے میں اذان ہو گئی تو یہ نماز پڑھنے چلے گئے جب واپس آئے تو ان کا بھانجا وہ کپڑا اسے چار سو درہم میں فروخت کر چکا تھا۔ یونسؒ نے بہت سے درہم دیکھے تو پوچھا کہ یہ درہم کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت ہے انہوں نے اس شامی سے فرمایا اللہ کے بندے میں نے تمہیں اس کپڑے کی قیمت دو سو درہم بتائی تھی اگر تمہیں لینا ہے تو لے لو اور اپنے باقی دو سو درہم بھی واپس لے لو ورنہ کپڑا رکھو اور اپنے چار سو درہم واپس لے لو۔

ان کی یہ باتیں سن کر شامی شخص نے بڑی حیرت سے پوچھا آپ کون ہیں؟ یونسؒ نے جواب دیا ایک مسلمان آدمی ہوں۔ اس نے کہا میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ

آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میرا نام یونس بن عبید ہے۔ یہ سن کر اس شامی کے چہرے پر خوشی اور رضا کے آثار پھوٹ پڑے۔ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم جب دشمن کی گردنوں میں ہوتے ہیں اور لڑائی کا معاملہ سخت ہو جاتا ہے تو ہم دعا کرتے ہیں۔

اے اللہ اے یونس بن عبید کے رب ہمارے لئے آسانی فرما'' تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

آخری لمحات

حضرت یونس بن عبید بیمار ہو گئے اور ان کا بدن بستر پر قید ہو گیا۔ تو عیادت کرنے والے آنے لگے تو ایوب سختیانی[1] نے فرمایا آپ کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر یونس بن عبید نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا اور رونے لگے۔ کسی نے پوچھا۔ اے ابوعبداللہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ فرمانے لگے کہ

''میرے پاؤں اللہ تعالیٰ کے راستے میں[2] غبار آلو نہیں ہو سکے۔

اور فرمایا کہ جو شخص اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ جہنم میں جائے گا تو وہ دھوکے میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے خود کو بے فکر سمجھتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حکم اس پر نافذ ہونے والا ہے اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔

وفات

حضرت یونس بن عبید کی روح ۱۳۹ ہجری میں باری تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

۱۔ ایوب سختیانی کی تاریخ وفات اسی کتاب میں ۱۳۱ ہجری لکھی گئی ہے یا تو یہاں ایوب سختیانی نہیں ہیں یا پھر ان کی تاریخ وفات مصنفؒ نے غلط لکھ دی ہے۔

۲۔ اللہ کے راستے سے مراد جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ لڑنا ہے اسلاف کے الفاظ احادیث طیبہ کے مطابق ہیں جہاں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے عام طور سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔

﴿سیدنا حضرت سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۴۰ ہجری بمطابق ۷۵۷ء)

☆ ایسا شخص جو بادشاہوں جیسی عظمت اور علماء کی ذمہ داریوں کا حامل تھا۔

☆ پھل کے پاس سے گزرتا تو کہتا صبر کر جنت میں ملاقات کا وعدہ ہے۔

☆ اس کی حکمت کی آواز روشنی اور وضاحت میں سورج کی طرح ہے۔

☆☆☆

سلمہ بن دینار

ان کا نام عام لوگوں کی فہرست سے نکال کر عزت اور ہمیشہ کے لئے امر ہو جانے والوں میں لکھ دیا گیا یہ ہیں ابو حازم سلمہ بن دینار مدنی مخزومی۔ نسلاً فارسی تھے ایک زاہد اور خاشع شخص۔ ان کی والدہ رومی تھیں۔ ان کو سرخ زرد رنگ کبڑا پن، بھینگا پن اور لنگڑا پن جیسے عوارض لاحق تھے۔

لاثانی شخص تھے ان کے زمانے میں ان جیسا کوئی نہ تھا جب صحابہ کا سورج چمک رہا تھا تو یہ دودھ پیتے بچے تھے پھر انہوں نے اپنی جوانی علم کی مختلف مجلسوں میں شریک ہونے میں لگا دی خود کو زہد اور تقوے کے میدان میں پھینک دیا۔ شہرت کو پرے کیا اور خود تواضع کے لباس کے پیچھے چھپ گئے۔ نیند چھوڑی رات کے پردے کو تسبیح اور رکوع سے چاک کیا دنیا کو جھوٹا سمجھتے اور موت کو حقیر سمجھتے رہے۔ حکمت ان کے لبوں سے پھوٹتی تھی، لوگوں کو وعظ کرتے تو رلا دیتے۔ ان کی آواز لوگوں کے دل میں مقیم ہو جاتی اور ان سے سکون بن کر نازل ہوتی۔ سلمہ بن دینار ہر بھلائی کا ذخیرہ تھے۔

خراج تحسین

عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حکمت کو ابو حازم کے منہ سے زیادہ کسی کے قریب نہیں دیکھا۔ ”عون“ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو دنیا کی اس بری طرح مذمت

کرتے اور اس کے بخیے ادھیڑتے صرف اسی لنگڑے (یعنی ابو حازم) کو ہی دیکھا ہے۔

سلمہ بن دینار کے نصائح

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ان جیسا زمانے میں کوئی نہ تھا۔

ابو حازم سلمہ بن دینار جب بازار میں کسی پھل کے پاس سے گذرتے تو فرماتے کہ تم سے جنت میں ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

کسی شخص نے پوچھا اے ابو حازم آپ کا مال کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ پر میرا اعتماد اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود چیز سے مایوسی۔

لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ اپنی نیکیوں کو اس سے بھی زیادہ شدت سے چھپاؤ جتنا کہ تم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ اور فرماتے کہ ''ہر وہ عمل جس کی وجہ سے تم موت کو ناپسند کرتے ہو اسے چھوڑ دو پھر تمہیں کہیں بھی مر جانے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

ایک دن مسجد میں بیٹھے رو رہے تھے اور اپنے آنسوؤں کو چہرے پر مل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے آنسو جسم کے جس حصے کو لگیں گے وہاں جہنم کی آگ نہیں پہنچے گی۔

تقدیر پر ایمان

رزق پر ایمان کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے کہ میں نے دنیا میں دو چیزیں دیکھی ہیں ایک میرے لئے اور ایک دوسروں کے لئے۔ جو دوسروں کے لئے ہیں اگر میں آسمانوں اور زمین کی تمام تدبیریں کرلوں تب بھی وہ مجھے نہیں ملیں گی اور دوسرے کا رزق میرے ہاتھ لگنے سے یوں روکا جائے گا جس طرح میرا رزق دوسرے کے ہاتھ لگنے سے روکا جاتا ہے۔

سلمہ بن دینار فرماتے کہ ابلیس کیا ہے؟ اس کی نافرمانی کرو تو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اطاعت کرو تو فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور فرماتے کہ ''جب تم اپنے رب کو دیکھتے

ہو کہ وہ تمہیں مسلسل نعمتیں عطا کر رہا ہے اور تم اس کی نافرمانی کر رہے ہو تو اس سے ڈرو“۔

سلیمان بن عبدالملک سے عبرت انگیز ملاقات

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک حج کے زمانے میں مدینے آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جس نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو پایا ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں! ابو حازم سلمہ بن دینار ہیں۔ چنانچہ اس نے انہیں بلوایا۔ تو وہ آ گئے انہیں دیکھ کر سلیمان نے کہا کہ ابو حازم یہ کیسی بے وفائی ہے؟ ابو حازم نے فرمایا امیر المومنین آپ نے میری کون سی بے وفائی دیکھ لی؟ اس نے کہا کہ بڑے بڑے لوگ آئے مگر آپ نہیں آئے۔ ابو حازم نے فرمایا کہ آپ اس سے پہلے مجھے جانتے نہیں تھے اور نہ ہی میں نے آپ کو دیکھا تھا پھر کون سی بے وفائی میں نے کی؟ سلیمان نے زھری کی طرف دیکھا اور بولا کہ شیخ نے صحیح فرمایا میں نے غلطی کی۔

خلیفہ سلیمان نے پوچھا اے ابو حازم ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ تم نے دنیا کو آباد کیا خوبصورت بنایا اور آخرت کو خراب ویران کیا لہٰذا اب آبادی سے ویرانے میں جانے کو ناپسند کرتے ہو۔ خلیفہ نے کہا آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کیسے ہوگی؟ ابو حازم نے فرمایا کہ احسان کرنے والے اس طرح پیش ہوں گے جیسے دور گیا ہوا شخص اپنے گھر والوں کے پاس چلا آئے اور برا کرنے والے اس بھگوڑے غلام کی طرح پیش ہوں گے جسے پکڑ کر اس کے آقا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ سن کر سلیمان خوب رویا حتی کہ اس کی ہچکیوں کی آواز آنے لگی اور رونا شدید ہو گیا۔

سلیمان نے پھر پوچھا کہ ابو حازم سب لوگوں میں زیادہ سمجھدار کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو پایا پھر اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی نشاندھی کی۔ سلیمان نے پوچھا کہ لوگوں میں بڑا احمق کون ہے؟ فرمایا کہ وہ ”شخص جس نے اپنے بھائی کی خواہش پر غصہ کھایا اور وہ ظالم تھا چنانچہ اس نے آخرت کو دنیا کے

بدلے بیچ دیا۔" سلیمان نے کہا اے ابو حازم کیا آپ ہماری مصاحبت اختیار کر سکتے ہیں کہ آپ کو ہم سے فائدہ ہو اور ہمیں آپ سے فائدہ ہو۔ ابو حازم نے فرمایا ہرگز نہیں سلیمان نے پوچھا کیوں نہیں؟ تو حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار نے فرمایا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں تھوڑا سا ہی سہی تمہاری طرف جھک گیا (مائل ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کا دگنا اور موت کا دگنا عذاب چکھا دیں گے پھر میرا اس معاملے میں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ سلیمان نے کہا اے ابو حازم اپنی ضرورت مجھے بتاؤ۔ تو ابو حازم نے فرمایا کہ آپ مجھے جنت میں داخل کر دیں اور جہنم سے نکال باہر کریں۔ سو سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ مجھے تو اس کی طاقت نہیں۔ تو ابو حازم نے فرمایا میری بھی اس کی سوا کوئی حاجت نہیں۔

خلیفہ ہشام کو نصیحت

خلیفہ ہشام بن عبدالملک مدینے آیا تو اس نے ابو حازمؒ کو بلوا بھیجا وہ آ گئے تو ہشام نے کہا۔ اے ابو حازم مجھے نصیحت فرمایئے! ابو حازم نے کہا" اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا میں زہد اختیار کرو اس لئے کہ اس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔"

کسی امیر نے ابو حازمؒ کو بلوایا تو وہ آئے تو وہاں علامہ افریقی اور زھریؒ وغیرہ موجود تھے۔ تو امیر نے کہا کہ ابو حازم کچھ فرمایئے! تو آپ کہنے لگے کہ بہترین امراء وہ ہیں جو علماء سے محبت کریں اور بدترین علماء وہ ہیں جو امراء سے محبت کریں۔

کسی امیر نے سلمہ بن دینارؒ سے کہا کہ اپنی کوئی ضرورت بیان کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رہنے دیجئے۔ میں آپ کے پاس آنے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو بیان کر چکا ہوں۔ وہ مجھے عطا کرے گا تو شکر کروں گا اور عطا نہیں کرے گا تو راضی رہوں گا۔

وفات

آپ کی روح اپنے رب کے پاس چلی گئی۔ یہ ۱۴۰ ھجری تھا اور ایک قول کے مطابق ۱۴۰ ھجری کے بعد وفات ہوئی۔

﴿سیدنا حضرت عطاء السلیمی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۴۰ ہجری بمطابق ۷۵۷ء)

☆ وہ شخص جسے خوف نے تقوے کی جیل میں قید کر دیا تھا۔
☆ اس نے اپنے دل کو آنسوؤں کے سمندر میں ڈبو دیا تھا۔
☆ اتنا رویا کہ آنسوؤں نے اس کی آنکھوں کی روشنی ختم کر دی۔
☆ اس کے لبوں نے چالیس سال تک مسکراہٹ نہیں دیکھی۔

☆☆☆

جب کوئی نصیحت ان کے دل تک پہنچتی تو یہ بے ہوش ہو جاتے۔ اگر آپ انہیں دیکھیں تو جان لیں گے کہ یہ شخص اہل دنیا میں سے نہیں ہے.......... یہ ہیں حضرت عطاء السلیمی بصری بڑے عبادت گذار تابعین میں عمر میں چھوٹے مگر قدر و منزلت میں بڑے۔ حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا اور حدیث کی روایت حضرت حسن بصریؒ سے کی۔ خود کو روایت حدیث سے دور کر لیا تھا۔ اتنا روتے تھے کہ آنکھیں چندھی ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے انہیں مرعوب کر دیا تھا اس لئے کھانے پینے کی کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ ان کا خوف شدید ہو چکا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جنت نہیں مانگتے تھے بلکہ معافی مانگتے تھے۔ کہا جاتا ہے ''عطاء'' خوف کے مارے چالیس سال تک اپنے بستر سے نہیں اٹھ سکے وہ وضو بھی بستر ہی پر کرتے تھے روزانہ اپنے جسم کو چھو کر دیکھتے کہ کہیں مسخ تو نہیں کر دیا گیا۔

خوف خدا کی حالت

نعیم بن مورع کہتے ہیں کہ ہم عطاء سلیمی کی خدمت میں آئے تو وہ فرمانے لگے کاش ''عطاء'' کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا اور یہ بات بار بار دہراتے رہے حتیٰ کہ سورج زرد ہو گیا۔ (مغرب سے قبل کا وقت ہو گیا)

وہ عام طور سے بڑے گڑگڑا کر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ دنیا میں میری

اجنبیت پر رحم فرما۔ موت کے وقت میرے گر جانے پر رحم فرما۔ اور تیرے سامنے کھڑے ہونے پر رحم فرما۔

خوف نے انہیں یوں گھیر لیا تھا کہ انہیں قرآن بھلا دیا چنانچہ یہ چیختے چلاتے نکل جاتے۔ کہتے ''میرے لئے رخصت کی احادیث تلاش کرو تاکہ میری حالت میں تخفیف ہو سکے۔

صالح مہریؒ نے اپنے دوست عطاء سلیمی کا ہاتھ پکڑا تاکہ انہیں خوف کے جنگل سے نکالیں جس میں وہ بھٹکنے والے تھے۔ اور انہیں بلند آواز سے فرمایا۔ شیخ تمہیں ابلیس نے دھوکا دیا ہے اس لئے کوئی ایسی چیز پیو جس سے تمہیں نماز اور وضو پر طاقت حاصل ہو جائے۔ پھر صالحؒ نے انہیں تین درہم اس وعدے پر دیئے کہ وہ روزانہ ستو پیا کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک یا دو دن پیا پھر پینا چھوڑ دیا اور فرمایا اے صالح ''جب مجھے جہنم یاد آتا ہے تو مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔

حضرت عطاء سلیمی برتن سے چلو بھر کر پانی لیتے تھے اور اعضاء وضو کو دھوتے ایک مرتبہ اسی طرح وضو فرما رہے تھے کہ اچانک کپکپاہٹ طاری ہو گئی اور بہت شدید رونے لگے۔ چہرے کی رگوں سے خون غائب ہو گیا (پیلے پڑ گئے) تو ان کے احباب ان کی حالت دیکھ کر ڈر گئے پوچھنے لگے ''اے عطاء'' کیا ہوا؟ آپ کے جسم میں یہ کپکپاہٹ کیسی ہو رہی ہے؟ آنسو بہاتے ہوئے عطا نے جواب دیا۔ میں چاہتا ہوں میرا حساب کتاب قیامت سے پہلے ہی ہو جائے اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے پہلے ہی کھڑا کر دیا جائے۔

جہنم کے عذاب سے خوف

ایک دن علاء بن محمد حضرت عطاء سلیمی کے گھر گئے دیکھا تو بے ہوش تھے۔ ان کی زوجہ ام جعفر سے پوچھا کہ عطاء کو کیا ہوا؟ فرمانے لگیں کہ ہماری پڑوسن نے تنور دہکایا تھا یہ اس میں جھانکے تو بے ہوش ہو کر گر گئے۔

حضرت سرار بن عبیدہؒ عطاء سلیمی کے گھر آئے تو ان کی زوجہ نے سرار سے کہا کہ آپ ان کو بہت زیادہ رونے پر سرزنش کیجئے چنانچہ انہوں نے کچھ کہا سنا تو حضرت عطاء کہنے لگے۔ اے سرار تم مجھے اس بات پر کیسے ڈانٹ رہے ہو جو میرے لئے ہے ہی نہیں۔ میں جب جہنمیوں اور ان پر ہونے والے عذاب کو یاد کرتا ہوں تو خود کو ان کی جگہ بدل کر سوچتا ہوں کہ میرے ہاتھ کس طرح گردن کے پیچھے باندھے جائیں گے اور کس طرح آگ بھڑکے گی۔ تمہارا بھلا ہو، اے سرار۔

ایک مرتبہ ایک شخص عطاء سلیمیؒ کے پاس سے گذرا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے بتایا کہ آپ کے بھائی حسن بصریؒ کے پاس سے آپ نے پوچھا کہ انہوں نے کیا فرمایا؟ اس نے بتایا کہ انہوں نے فرمایا دنیا رب کی طرف جانے کے لئے مومن کی سواری ہے اس پر مومن اپنے رب کی طرف کوچ کرتا ہے۔ لہٰذا اپنی سواریوں کو درست کر کے رکھو۔

یہ سن کر حضرت عطاء کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگے اور اس کے بعد کپکپی طاری ہو گئی اور پھر چیختے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔

وفات

۱۴۰ ہجری میں حضرت عطاء نے اپنے رب کا پڑوس چن لیا۔

سیدنا حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ

- ☆ ایک ستارہ جس نے زاہدین کے آسمان میں اپنا مقام بنایا۔
- ☆ زمین کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ۔
- ☆ جس نے اپنے دل کو اطاعت کے نور سے روشن کیا۔

☆☆☆

اپنے عمل کے ذریعے گناہوں کے گڑھے سے دور اللہ تعالیٰ کے قرب کے باغیچے

کی طرف بھاگ گئے یہ ہیں حضرت سلیمان بن طرخان تیمی ابوالمعتمر تیمی بصری۔ شیخ الاسلام زاہد۔ ایک پرہیزگار انسان بنوتیم میں آکر رہے تو تیمی کہلائے۔ مشقت وریاضت سے عبادت کرنے والے۔ ایک صاحب کرامات بزرگ جو کبھی بستر پر نہیں سوتے تھے۔

محدث تھے کسی شخص کو پانچ احادیث سے زیادہ بیان نہیں کرتے تھے۔ قدری فرقے کے لوگوں کو ناپسند کرتے تھے انہیں حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

زہد وتواضع

زہد کے بارے میں ان کے اقوال جادو سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کو سن کر سامعین کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے تھے۔ سلیمان تیمیؒ معصیت کے اندھیرے سے بھاگ کر اطاعت کے باغ میں پہنچ جاتے اور لوگوں کو یہ کہ کر ترغیب دلاتے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس پر ذلت طاری ہو جاتی ہے۔ اور فرماتے کہ نیکی دل کا نور اور عمل میں قوت ہے اور برائی دل میں اندھیرا اور عمل میں کمزوری ہے۔

سلیمان تیمیؒ نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس سے حیا کرتے گذاری ان کی روح ان کے ضمیر کی پکار کے نیچے تڑپتی اور مچلتی رہتی تھی۔

یحیٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں سلیمان تیمی سے زیادہ ''اللہ کے خوف والے کسی شخص کے ساتھ نہیں بیٹھا۔

حضرت شعبہ اس عظیم انسان اور اس کے دل کی شفافیت اور خوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان تیمی سے زیادہ سچا انسان نہیں دیکھا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کی سند کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے تو ان کا چہرہ بدل جاتا اور ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

عبادت وخشیت

ان کی عبادت بڑی مشقتوں اور مصائب سے بھرپور تھی جن کی صدا تاریخ کے کانوں میں آج تک گونجتی رہتی ہے۔ سلیمان تیمیؒ کے صاحبزادے ان کی سیرت اور عبادت

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے چالیس سال اس طرح گذارے کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔

سلیمان تیمی کی کرامات

ان کی کرامات آج تک ذہنوں کے آسمان میں روشن ہیں اور وہ لوگوں کی حیرت واستعجاب کا احاطہ کرنے کی استطاعت رکھتی ہیں۔ لہٰذا مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست سے پوستین پہننے کے لئے لی اور مقصد پورا ہونے پر واپس کر دی تو وہ دوست کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ اس پوستین میں مشک کی خوشبو محسوس کی۔

ابن سلمہ کہتے ہیں کہ "سلیمان تیمیؒ نے بیس سال تک اپنا پہلو زمین سے نہیں ٹکایا۔"

سلیمان تیمیؒ نے اپنی جان اور اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کو بیچ دی تھی کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی چادر پہنے فرمانبرداری کے انس میں نہ ہوں۔ ہر لمحے کوئی نہ کوئی چیز صدقہ ضرور کرتے اگر صدقہ نہیں کر پاتے تو وہ دو رکعت نماز پڑھتے۔

حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم جب بھی سلیمان تیمی کے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے وقت میں آتے تو انہیں اطاعت ہی میں لگا دیکھتے۔ نماز کا وقت ہوتا وہ نماز پڑھ رہے ہوتے نماز کا وقت نہ ہوتا تو ہم انہیں وضو کرتے، کسی عبادت کرنے، کسی جنازے کی اتباع میں یا مسجد میں بیٹھے تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھتے۔

گناہوں کے خوف نے ان کے دل سے خواہشات کو جلا کر رکھ دیا تھا چنانچہ انہوں نے استغفار لازم کر لیا۔ سلیمان تیمیؒ پر قرض بھی تھا تو وہ استغفار کرتے رہتے تھے۔ انہیں کسی نے کہا کہ اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب وہ میرے گناہ معاف کر دے گا تو میرا قرض بھی ادا کر دے گا۔

سلیمان تیمی نہ بڑی عمارتوں والے لوگوں میں سے تھے نہ دنیا جمع کرنے والوں میں سے چنانچہ ایک دن وہ گھر گر گیا جس میں آپ رہتے تھے۔ تو کسی نے کہا کہ اسے بنوالیں تو فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے کل موت ہے...... پھر انہوں نے

ایک خیمہ گاڑھ لیا اور وفات تک اسی میں رہتے رہے۔

آخری لمحات

سلیمان تیمیؒ بیمار ہو گئے اور اپنا جسم بستر پر ڈال دیا اور موت قریب آ گئی تو وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں نے ان کے کپڑے تر کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا موت سے ڈر رہے ہیں؟ آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا کہ نہیں۔ میں موت سے نہیں ڈر رہا لیکن میں ایک مرتبہ قدری فرقے کے شخص کے پاس سے گذرا تھا تو اسے سلام کیا تھا۔ بس اسی کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر میرا محاسبہ نہ فرمائے۔ پھر کمزور آواز سے اپنے بیٹے کو آواز دی اے معتمر مجھے کوئی رخصت و آسانی والی حدیث سناؤ شاید میں اللہ تعالیٰ سے ملتے وقت اس سے اچھے گمان کے ساتھ ملوں۔

وفات

سلیمان تیمیؒ کی روح دنیا سے آخرت کی طرف ذی القعدہ ۱۴۳ ہجری میں ہجرت کر گئی۔ ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔

سیدنا حضرت کھمس بن حسن قیسی رحمہ اللہ تعالیٰ

(وفات ۱۴۹ ہجری بمطابق ۷۶۶ء)

☆ اپنے پڑوسی کی دیوار سے بغیر پڑوسی کے جانے ہاتھ پونچھنے پر چالیس سال تک روتے رہے۔

☆ خود کو اور اپنی تاریخ کو تقوے کی گود میں ڈال دیا تھا۔

☆ ان کی زبان ایمان اور مشک سے معمور تھی اور یہ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتے رہے۔

☆☆☆

انہوں نے اپنی زندگی کی کہانی تقوے کے قلم، زہد کی روشنائی اور نور کے الفاظ

سے والدین کی خدمت سے نئے اوراق پر لکھی۔ یہ ہیں حضرت کہمس بن حسن قیسی، تمیمی حنفی، بصری، جو کہ اہل بصرہ میں سے بڑے عبادت گذار اور بڑے ثقات میں سے تھے ان کے جادو اور طرب بھرے الفاظ سے دل جھوم جھوم جاتے تھے اور یہ دلوں کو لے کر رقائق کے سمندر میں گشت کرتے رہتے۔

یہ گارالپائی کا کام کیا کرتے تھے اور دو دانق اجرت لیتے (دانق ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے) جب کام سے واپس آتے تو والدہ کے لئے ان سے پھل وغیرہ خرید کر لاتے۔

اپنی والدہ کی بڑی خدمت کرتے ان کی وفات تک خدمت اور دیکھ بھال میں لگے رہے کہمس ٹھنڈے پانی کی نعمت کے صلے میں آنسو بہایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے حتیٰ کہ تھک جاتے۔ چنانچہ جب تھکتے اور ان میں سستی یا اکتاہٹ پیدا ہونے لگتی تو اپنے نفس کو سرزنش کرتے ہوئے فرماتے:

''اے ہر گناہ کی پناہ گاہ خدا کی قسم میں تجھ سے اللہ کے لئے کبھی راضی نہیں ہوں گا''۔

ایک گناہ پر چالیس سال رونا

ایک دن کہمس حضرت ابوسلمہ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنے گناہوں کا شکوہ کرنے لگے فرمایا کہ میں نے ایک ایسا گناہ کیا جس پر چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ ابو سلمہ کے چہرے پر حیرانی کے آثار تھے، کہنے لگے ابوعبداللہ ایسا کون سا گناہ کر لیا؟ کہمس نے کہا کہ ایک دن میرا بھائی مجھ سے ملنے آیا تو میں نے ایک دینار کی مچھلی خریدی۔ چنانچہ اس نے کھالی تو میں نے اٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا تا کہ اس سے ہاتھ پونچھ لے۔ چنانچہ اس بات پر میں چالیس سال سے رو رہا ہوں کیونکہ وہ ٹکڑا میں نے اپنے پڑوسی کے علم میں لائے بغیر اٹھایا تھا۔

زہد وخشیت

ایک مرتبہ راستے میں کہمس کا کوئی دینار گر گیا چنانچہ یہ لوٹ کر گئے اور اسے

ڈھونڈنے لگے دینار مل بھی گیا۔ تو جب کہمسؒ نے اسے اٹھایا تو خود سے کہنے لگے کہ پتہ نہیں یہ دینار میرا ہے یا کسی اور کا دینار ہے۔ چنانچہ تقوے کے باعث اس دینار کو چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

والدہ سے حسن سلوک

ایک دن کہمس نے اپنے گھر میں ایک بچھو دیکھا تو اسے پکڑنا یا مارنا چاہا تو وہ تیزی سے ایک سوراخ میں گھس گیا کہمسؒ نے اس سوراخ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا تاکہ بچھو کو پکڑ لیں مگر بچھو نے انہیں ڈنگ مار دیا۔ کسی نے انہیں کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ سوراخ سے نکل کر میری والدہ کے پاس آ کر انہیں کاٹ نہ لے۔

شام کے وقت عمرو بن عبید حضرت کہمسؒ کے پاس آتے انہیں سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ تو ان کی والدہ نے کہمس سے کہا کہ میں اسے اور ان کے ساتھیوں کو دیکھتی ہوں مجھے ناگواری ہوتی ہے یہ لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ چنانچہ جب عمرو بن عبید اور ان کے ساتھی آئے تو کہمس نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میری والدہ کو تم اور تمہارے ساتھی پسند نہیں ہیں لہٰذا تم میرے پاس نہ آیا کرو۔

کرامات

حضرت کہمس صاحب فضل کرامات تھے ان کی برکت ہر اونچی نیچی جگہ سے اڑتی محسوس ہوتی حتیٰ کہ قریب و بعید کے سب لوگ پہچان گئے۔

ایک دن انہوں نے ایک درہم کا آٹا خریدا اور اسی آٹے میں سے ایک مدت تک کھاتے رہے جب کافی عرصہ ہو گیا تو انہوں نے اسے تولا تو وہ اتنا ہی نکلا جتنا رکھا تھا۔

وفات

۱۴۹ ہجری میں مکہ مکرمہ میں اپنے رب کے پڑوس سدھار گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۱۵۰ ہجری بمطابق ۷۶۷ء)

☆ تمام فقہاء فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔
☆ فقہ کے امام اور تقوے کی درسگاہ۔
☆ سب سے پہلے فقہ کے غلاف کو کھولنے اور اس کے موتی نکالنے والے۔

☆☆☆

جس نے علم کے سمندروں میں تیراکی کی، مسائل کی امواج سے مقابلہ کیا، گہرائیوں تک پہنچا حتی کہ فقہ کے جواہر اور عمدہ جوہروں کو حاصل کیا۔ یہ ہیں حضرت نعمان بن ثابت الکوفی، ائمہ اربعہ میں سے ایک۔ صغار (چھوٹے) صحابہ کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ اور ان کا دل علم کی محبت سے روشن ہو گیا چنانچہ اس کی وجہ سے سفر کئے اور علم کے ماہرین سے ہر علاقے میں جا کر ملے حتی کہ فقہ کی انتہاء ان پر ہو گئی۔

بڑے خوبصورت اور چمکتے چہرے والے، میٹھی گفتگو، میٹھے بول کے مالک، قد زیادہ لمبا نہ بہت چھوٹا۔ خز کے کپڑوں کی تجارت کی اور علم حاصل کیا جب انہیں مہارت حاصل ہو گئی اور علم پختہ ہو گیا تو تدریس کے لئے وقف ہو گئے۔ (اور تجارت کو خیر باد کہہ دیا) یہ عہد کیا تھا کہ اگر دوران گفتگو قسم کھالی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔

مختلف ائمہ کا خراج تحسین

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کوفے آیا تو میں نے وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا۔ پھر میں نے سب سے بڑے زاہد کا نام پوچھا تو لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا۔ پھر میں نے سب سے بڑے متقی، پرہیز گار شخص کا نام لیا تو لوگوں نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کوئی عقل مند، افضل، اور نہ ہی ان سے زیادہ پرہیز گار شخص دیکھا۔

ابن مبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ غیبت سے پرہیز کرنے والا امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ میں نے انہیں کبھی دشمن کا بھی ذکر برائی سے کرتے نہیں دیکھا۔ یہ سن کر سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ اس بات کی عقل بہت زیادہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی نیکیوں پر کسی شخص کو مسلط نہیں کرتے جو ان کی نیکیوں کو بہا کر لے جائے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

تقویٰ و زہد

امام ابوحنیفہؒ نے بہت بڑے تقوے کو اپنایا تھا حتیٰ کہ اس کے ذریعے صحابہ کرام کے راستے تک جا پہنچے تھے اور آپ کے شوق اس مختصر جثے میں بھڑکتے رہتے۔

حضرت حفص بن عبدالرحمٰن امام ابوحنیفہؒ کی کسی تجارت میں شریک تھے امام ابو حنیفہؒ انہیں خز کا کپڑا دے کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کافی سارا سامان دے کر انہیں بھیجا تو انہیں مال میں موجود عیوب گنوا دیئے کہ خریدار کو یہ عیب بتا دینا۔ چنانچہ حفص نے وہ سارا مال بیچ دیا لیکن خریداروں کو مال کے عیوب بتانا بھول گئے جب یہ بات امام ابو حنیفہؒ کو پتہ چلی اور خریداروں کو حفص جانتے بھی نہ تھے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ نے وہ ساری رقم جو اس سامان سے حاصل ہوئی تھی صدقہ کر دی۔

خوف آخرت

خوف اور بکاء نے آپ کے دل کو ساکن کر دیا تھا۔ چنانچہ جب قرآن پڑھتے یا رات کو تہجد کے لئے کھڑے نماز میں قرآن پڑھتے تو ان کے رونے کی ایسی آواز سنائی دیتی جو دل کی رگوں کو کاٹ دے۔ کبھی تو پوری رات کھڑے بس یہی آیت دہراتے رہتے۔

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾

(القمر آیت نمبر ۴۶)

ترجمہ ”بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی اندھیری اور کڑوی ہوگی۔“

حضرت امام ابوحنیفہؒ کسی بچھڑے بیٹے کی ماں کی طرح روتے رہتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

ایک دن بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ سورہ زلزال آگئی اور ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور خوف کے مارے پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اپنے ہاتھ سے اپنی داڑھی پکڑ لی آنکھیں تضرع کے باعث چندھیا سی گئیں۔ نہایت پست آواز سے فرمانے لگے۔ اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کا بدلہ خیر سے دے گی اپنے بندے نعمان کو آگ سے پناہ دے دے۔ اور آگ اور اس کے درمیان دوری کردے اور اپنی واسع رحمت میں اس کو داخل فرما، اے ارحم الرحمین۔

عبدالرزاق امام ابوحنیفہؒ کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں جب امام ابوحنیفہؒ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا مجھے ان کی آنکھوں اور ان کے رخساروں پر رونے کے آثار نظر آتے۔

امام ابوحنیفہؒ بڑے بردبار تھے نصیحت کو پسند کرتے اور تعریف سے نفرت کرتے تھے ایک دن ایک شخص نے انہیں پکار کر کہا ''اللہ سے ڈرو۔'' چڑیا کی طرح پھڑکنے لگے۔ رنگ پیلا پڑ گیا اور جسم کپکپانے لگا پھر اپنی بکھری سانسوں کو مجتمع کر کے فرمانے لگے۔ اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہر شخص ہر وقت اس جیسے کہنے والے کا محتاج ہے۔

حد درجہ سخاوت

امام ابوحنیفہؒ نے سخاوت اور انفاق کو گویا گود لے لیا تھا ان کی سخاوت کے واقعات مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں آپ کی زندگی سخاوت اور مال خرچ کرنے سے عبارت تھی اس قدر سخی تھے کہ جتنا اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے اتنا ہی محتاجوں وغیرہ پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ جب نیا کپڑا پہنتے تو مساکین کو اتنی ہی قیمت کے کپڑے عنایت فرماتے۔

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ ہم جب امام کے ہاں جاتے تو وہاں ہمیں ایک چٹائی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ جتنا ہاتھوں سے خرچ کرنے کے شہسوار تھے عبادت میں ان کی شہسواری اس سے کم نہ تھی دن روزے میں رات عبادت میں گذارتے قرآن کے ساتھی

بنے رہتے اور صبح وشام استغفار کیا کرتے۔

عبادت وتواضع

ایک دن کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے تو لوگ ان کی طرف اشارے کر کے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے ان کی کوئی سرگوشی آپ کی سماعت تک بھی پہنچ گئی وہ کہہ رہے تھے اس شخص کو دیکھ رہے ہو یہ رات کو سوتا نہیں ہے۔ کانوں تک یہ سرگوشی پہنچتے ہی خود سے کہنے لگے کہ میں لوگوں کی نظروں میں ایسا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا نہیں۔ لہٰذا آج سے لوگ میرے بارے میں وہ نہ کہیں گے جو میں نہیں کرتا اور آج سے رات میں کبھی بستر پر ٹیک بھی نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ اس دن سے جب رات کو اندھیرا ہو جاتا لوگ اپنے بستروں میں دبک جاتے تو امام ابو حنیفہؒ اپنے رب کے سامنے جا کھڑے ہوتے۔ مروی ہے کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور کثرت نماز کی وجہ سے لوگ ان کو گڑی ہوئی لکڑی کہنے لگے تھے۔ پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیتے تھے۔

امراء کے مال سے استغناء

تقدیر نے وہ زمانہ بھی دکھایا جس میں بادشاہوں اور حکمرانوں نے علماء کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ان کے پاس ضروریات زندگی کا ہر سامان ایسی جگہوں سے آجاتا کہ ان کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اپنے علم اور نفس کو اس ذلت سے بچا کر رکھا اور اس طرح کی کمائی سے بچ کر چلتے رہے اور رزق کے پیچھے بھاگنے سے ہمیشہ گریز کیا۔

ایک مرتبہ منصور (خلیفہ عباسی) نے آپ کو بلوا بھیجا اور آپ کا خوب اکرام کیا اور پھر جب امام ابو حنیفہؒ واپس ہونے لگے تو آپ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی جس میں تیس ہزار درہم تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے علماء کے تقوے کے ساتھ جواب دیا امیر المؤمنین میں بغداد میں اجنبی ہوں اور اس مال کی حفاظت نہیں کرسکوں گا لہٰذا یہ مال میری طرف سے بیت المال میں جمع کر کے محفوظ کرلیں مجھے جب ضرورت ہوگی میں آپ سے

مانگ لوں گا۔ چنانچہ دن تیزی سے گذرتے چلے گئے اور امام ابوحنیفہؒ دنیا میں اپنا وقت پورا کر کے رب تعالیٰ کے پڑوس چلے گئے۔ تو امام ابوحنیفہ کے گھر میں اتنی قیمت سے زیادہ لوگوں کی امانتیں رکھی ملیں۔ جب یہ بات خلیفہ منصور کو پتہ لگی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ پر رحم کرے اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا اور ہم سے کچھ بھی لینے سے انکار کیا مگر انکار کرنے کا بڑا لطیف پیرایہ استعمال کیا۔

عہدہ قبول کرنے سے انکار

اسی خلیفہ منصور نے آپ کو طلب کیا اور عہدہ قضاء قبول کرنے کا مطالبہ کیا مگر آپ نے انکار کر دیا تو منصور نے کہا: کیا آپ ہماری بات سے اعراض کر رہے ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ منصور نے کہا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا امیر المؤمنین نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اس عہدے کا اہل نہیں ہوں اور اگر سچا ہوں تو بتا چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔

چنانچہ خلیفہ منصور نے قسم کھائی کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کو عہدہ قضاء پر بٹھا کر چھوڑے گا۔ اور امام حنیفہؒ نے بھی قسم کھالی کہ وہ قضاء کا عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ منصور کے حاجب ربیع نے کہا آپ دیکھ رہے ہیں کہ امیر المؤمنین نے قسم کھالی ہے پھر بھی آپ نے قسم کھالی؟ تو امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین اپنی قسم کے بارے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔ چنانچہ اس بات پر امام ابوحنیفہؒ پر تشدد کیا گیا اور بغداد کی ایک جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

وفات

امام ابوحنیفہؒ نے جیل ہی میں اپنے رب کا پڑوس اختیار فرما لیا۔ اور ان کی پاکیزہ روح ۱۵۰ ہجری میں رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۵۱ ہجری بمطابق ۷۶۸ء)

☆ جس نے اپنے زہداور استقامت کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔

☆ صدقہ رات کی تاریکی میں دیتے کہ کہیں سورج کی روشنی بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

☆☆☆

اپنی والدہ سے ایک مرتبہ غلطی سے اونچی آواز سے بات کی تو کفارے میں دو غلام آزاد کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور دل کے تاروں میں پرہیز گاری رکھ دی تھی۔ یہ ہیں حضرت عبداللہ بن عون مدنی (ولاء کے اعتبار سے) جو کہ اہل بصرہ کے شیخ اور حافظ الحدیث تھے۔

اپنے آپ میں مگن رہتے کسی سے مذاق نہ کرتے اور نہ ہی تنگ کرتے۔ عراق میں ان جیسا سنت کا عالم کوئی نہ تھا ہر بات میں ثقہ تھے، جنگوں میں شریک ہوتے اور گھوڑ سوار ہوتے۔ ان کا ایک قریبی شخص روایت کرتا ہے کہ عبداللہ بن عون جب صبح کی نماز ادا کر لیتے مصلے پر ہی ذکر اذکار میں مشغول رہتے اور جب سورج طلوع ہو جاتا تو نماز اشراق پڑھتے پھر اپنے اصحاب کی جانب متوجہ ہوتے۔ اور میں نے انہیں کبھی کسی کو برا بھلا کہتے نہیں دیکھا چاہے وہ غلام ہو یا باندی ہی کیوں نہ ہوں، یا بکری یا مرغی ہی کیوں نہ ہوں۔

اپنی زندگی اس طرح گذاری کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے۔ اور جب کسی سے صلہ رحمی کرتے (عطیہ دیتے) تو خفیہ طور پر کرتے۔ صحیح ہو یا غلط قسم نہیں کھاتے تھے۔

قرہ بن خالد کہتے ہیں کہ ہم ابن سیرین کی پرہیز گاری پر تعجب کیا کرتے تھے۔ مگر ابن عون نے ان کی یاد بھلا دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ ابن عون کس وجہ سے بلند مرتبے پر پہنچے۔ انہوں نے جواب دیا۔ استقامت کی وجہ سے۔

زہد و عفت لسانی

یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ ابن عون لوگوں کے سردار دنیا چھوڑنے کی وجہ سے نہیں بنے بلکہ وہ ان کے سردار اپنی زبان کی حفاظت کی وجہ سے بنے۔

ابن عونؒ کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے اگر غصہ آ بھی جاتا تو زبان کی حفاظت کرتے کہ کہیں کوئی بری بات نہ نکلے بس اتنا فرماتے "بارک اللّٰہ فیک" اللہ تجھ میں برکت دے۔ (ایسا ہی ایک غلام کو کہا) تو غلام نے چیخ کر کہا کہ میں نے اونٹنی کی آنکھ پھوڑ دی ہے اور آپ "بارک اللّٰہ فیک" فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اللہ تجھ میں برکت دے اور تو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے آزاد ہے۔

محاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عون جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اہل اسلام کے لئے اتنی زیادہ اچھی امید رکھنے والا ہو۔ چنانچہ اگر ابن عونؒ کے سامنے کسی شخص کے عیب کا ذکر کیا جاتا تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے۔

خارجہ بن مصعب، حضرت ابن عون سے اپنی مصاحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عونؒ کی مصاحبت میں چوبیس سال رہا مگر نہیں جانتا کہ ملائکہ نے ان کا کوئی گناہ بھی لکھا ہو۔

ایک شخص نے ابن عونؒ سے جھگڑا کیا اور بڑی بُری باتیں کہیں تو ابن عونؒ نے ادب اور حیاء کے ساتھ فرمایا کہ اگر (ہر قول) نہ لکھا جا رہا ہوتا تو میں اس بارے میں وہ کچھ کہہ دیتا جو جانتا ہوں۔

مسلمانوں پر رحم

حضرت عبداللہ بن عونؒ کی کچھ دکانیں تھیں جنہیں وہ کرائے پر دیا کرتے تھے مگر مسلمانوں کو نہیں دیتے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں کو دکان کرائے پر کیوں نہیں دیتے؟ تو فرمایا کہ جب مہینہ سر پر آتا ہے تو سر پر کرایہ دینے کی ایک دہشت سوار ہوتی ہے۔ مجھے ناپسند ہے کہ میں مسلمان کو خوف زدہ کروں۔

وفات

حضرت ابن عونؒ بیماری میں بستر پر لگ گئے مرض کے تیروں نے ان پر ہجوم کر دیا جسم ٹوٹ پھوٹ سا گیا مگر کبھی نہ درد کا اظہار کیا اور نہ کبھی آہ کی ابن عون آپ کے دیکھنے سے بھی زیادہ صبر والے انسان تھے انہوں نے اپنی تکلیف کا کبھی شکوہ نہیں کیا۔ حتی کہ ۱۵۱ ہجری میں وفات پا گئے۔

سیدنا حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۵۱ ہجری بمطابق ۷۶۸ء)

☆ انہوں نے ایک سال محض اس لئے روزے رکھے کہ ان کے نفس نے پوچھا تھا کہ حجرہ کب بنا تھا۔؟

☆ پرہیز گاری نے ان کی آنکھیں نابینا کر دیں۔

☆ روزوں کے سمندر میں تہہ تک چلے گئے حتی کہ اس سے موتی نکال لائے۔

☆☆☆

یہ ہیں حضرت حسان بن ابی سنان بصری جو کہ بڑے پرہیز گار عبادت گذاروں میں سے تھے۔ عربی فارسی اور سریانی لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری اور ثابت بنانیؒ سے بہت زیادہ روایت کرتے تھے۔ پھر عبادت میں لگ گئے تو روایت نہ کر سکے۔ اگر ان کی طرف کوئی دیکھتا تو انہیں بیمار سمجھتا۔

فرماتے تھے کہ تقویٰ کتنا آسان ہے کہ جب مجھے کسی چیز میں شک ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

ایک دن حسان ایک کمرے کے قریب سے گذرے جو راستے کے ایک طرف بنا ہوا تھا تو دل میں کہنے لگے کہ یہ کتنے عرصہ پہلے بنا ہوگا؟ پھر فوراً ہی اپنے نفس پر پل پڑے اور ڈانٹنے لگے کہ تجھے اس سے کیا کہ یہ کب بنا؟ تو لایعنی سوال پوچھتا ہے۔ اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے ایک سال کے روزے رکھے۔

تقوے سے آسان کوئی چیز نہیں

ایک صفاء اور ذکر کی مجلس میں حضرت یونس بن عبید اور حضرت حسان بن ابی سنان بیٹھے تھے۔ یونس بن عبیدؒ نے فرمایا کہ ورع (تقوے) سے زیادہ کسی سخت چیز کا میں نے (مقابلہ) علاج نہیں کیا۔ حسان بن ابی سنان نے فرمایا کہ میں نے تقوے سے زیادہ کسی آسان چیز کو نہیں پایا۔ تو یونسؒ نے حیرت سے فرمایا وہ کیسے؟ حسانؒ نے فرمایا کہ جو چیز مجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر میں اس چیز کی طرف چلا جاتا ہوں جو شک میں نہ ڈالے۔ چنانچہ میں راحت پا لیتا ہوں۔

حسان بن ابی سنان عید کے دن نماز وغیرہ کے لئے نکلے پھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ آج میں نے بہت ساری خوبصورت عورتیں دیکھیں اور بار بار یہی کہتی رہی (کہ ادھر دیکھی ادھر دیکھی وغیرہ) تو حسان نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو میں باہر گیا اور واپس آ گیا مگر میری نظر صرف اپنے انگوٹھے پر ہی رہی۔

حسان حضرت مالک بن دینار کی مجلس میں جایا کرتے تھے جب مالک بن دینارؒ گفتگو فرماتے تو حسان رو پڑتے حتی کہ آنسوؤں سے سامنے کی زمین تر ہو جاتی اور مالک بن دینار کی آواز انہیں سنائی نہ دے پاتی۔

جود و سخاوت و زہد

حسان بن ابی سنانؒ بہت زیادہ صدقہ خیرات کرتے تھے، فرماتے کہ اگر مساکین نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ حسان بصرہ کے تاجرین میں سے تھے ان کا ایک شراکت دار اھواز میں رہتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ دونوں جمع ہوتے اور منافع تقسیم کر لیتے تھے چنانچہ اپنے حصے میں سے حسان اپنے گذارے کی رقم منہا کر کے باقی رقم صدقہ کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی اپنا حصہ منافع میں لے کر گذارے کی رقم نکال کر صدقہ کر دی تو کسی نے کہا کہ تمہارے گھر والوں کو دیکھا جائے ان کی ضرورت اس سے پہلے ظاہر نہیں ہوئی۔ ان کا خیال رکھو۔ تو حسان نے غمزدہ ہو کر فرمایا تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ چنانچہ تین سو درہم قرض لے کر ان کو بھجوائے۔

عبادت اور نسک

ان کی عبادت اور نسک کا ذکر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم ان کی زوجہ کی زبانی ان کی عبادت میں مشغولیت کا حال سنتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ حسان کی عادت یہ تھی کہ جیسے ہی رات اپنے پروں کو پھیلاتی تو وہ میرے بستر میں میرے پاس آجاتے اور جیسے ماں اپنے بچے کو بہلاتی ہے ایسے ہی مجھے بہلا کر سلا دیتے جب وہ یقین کر لیتے کہ میں سو گئی ہوں تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ میں نے ایک دن کہا اے ابوعبداللہ کیوں اپنے آپ کو اتنی تکلیف دیتے ہو؟ اپنے نفس پر نرمی کرو۔ تو قریب تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جھلک جاتے فرمانے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔ عنقریب میں ایسی نیند سو جاؤں گا جس سے ایک لمبے عرصے تک نہ اٹھ سکوں گا۔

حسانؒ نے اپنی پنڈلیوں سے چادر سمیٹ لی اور روزوں کے سمندر میں تیرنے لگے حتیٰ کہ اس کی تہہ تک جا پہنچے۔ ایک ٹکڑے سے افطار کرتے اور دوسرے ٹکڑے سے سحری کرتے حتیٰ کہ سوکھ گئے اور ان کا جسم کمزور پڑ گیا۔ اور وہ کسی خیالی ھیئت کی طرح نظر آنے لگے۔

آخری لمحات

حسان بن ابی سنانؒ بستر مرگ پر جا پہنچے اور ان کے ساتھی ان کا حال دیکھنے آئے تو پوچھا کیا محسوس کر رہے ہیں؟ جواب دیا کہ خیریت سے ہوں اگر میں آگ سے بچ جاؤں۔ کسی نے پوچھا کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا ہاں ایسی رات کی خواہش ہے جس کے دونوں اطراف صبح و شام بہت دور ہوں اور میں اس رات میں جیوں۔

جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں غسل کے لئے لے جایا گیا تو جب ان کے کپڑے کھولے گئے تو وہ بالکل کالے دھاگے کی طرح تھے اور ان کے ساتھی یہ دیکھ کر روئے جا رہے تھے۔

وفات

۱۵۱ ہجری کے لگ بھگ حسان بن ابی سنان نے اپنے رب کا پڑوس اختیار فرمالیا۔

سیدنا حضرت وھیب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۵۳ ہجری بمطابق ۷۷۰ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس نے قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اسے ہنستا ہوا نہیں دیکھیں گے۔

☆ دلوں کے علاج کے ماہر۔

☆ ان کے کھانے کی پاکیزگی کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ بلند فرمادیا۔

☆☆☆

بحر زھد کے موتی، تقوے اور پرہیزگاری کے صدف ایک عابد اور مکی دانشور۔ یہ ہیں وھیب بن ورد بن ابی ورد مخزوی۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام عبدالوھاب تھا بعد میں تصغیر کر کے وھیب رکھ دیا گیا ثوری اور ابراہیم بن ادھمؒ کے ہم عصر ہیں اور ان عابدین وزاھدین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے دل میں تقوے کو جمع کر رکھا تھا انہیں پاکیزہ کھانا ہی اچھا لگتا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک آخرت میں اپنا مقام نہیں جان لیں گے ہنسیں گے نہیں۔

بشر بن حارث کہتے ہیں کہ چار افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے کی پاکیزگی کے باعث بلند درجہ عطا فرمایا ان میں سے ایک وھیب بن ورد بھی ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ مسجد حرام میں حدیث پڑھاتے تھے جب سبق سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ چلو طیب (پاک شخص) کی طرف چلو۔ ان کی مراد طیب سے وھیب ہوتے۔

دنیا وھیب کے نزدیک سواری تھی لہٰذا وہ اس میں ایک لمحے کو بھی مشغول نہ ہوئے اور نہ ہی اپنا وقت چوری کرتے۔ ان سے دنیا کے زھد کے بابت سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ زھد، یہ ہے کہ جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس پر افسوس نہ ہو اور جو چیز ہاتھ آئے اس پر خوش نہ ہو۔

وھیب دنیا کی مذمت کے بارے میں فرماتے کہ اگر مومن دنیا سے اس لئے

نفرت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اس میں نافرمانی کی جاتی ہے تو اس پر حق بنتا ہے کہ وہ دنیا سے نفرت کرے۔

اہل دنیا سے بے گانگی

وھیب تنہائی اور لوگوں سے کم ملنے کی طرف مائل ہو گئے تھے چنانچہ فرمایا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ پچاس سال ملتے جلتے گذارے لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جس نے میرا کوئی گناہ معاف کیا ہو اور اگر میں نے قطع تعلق کیا ہو تو اس نے آ کر جوڑا ہو اور نہ کسی نے میرا کوئی عیب ڈھانکا اور جب وہ غصہ میں ہو تو میں اس سے کبھی امن میں نہیں رہا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بہر حال بڑی حماقت ہے۔

خلوت وجلوت میں یکساں

ان کی تنہائی اور جلوت دونوں ایک جیسی تھیں وہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ خلوت وجلوت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کیا کریں۔ اور فرماتے کہ ایسا نہ ہو کہ تم سب کے سامنے تو ابلیس کو گالی دو اور تنہائی میں اس کے دوست ہو۔

وھیب یہ سمجھتے تھے کہ معصیت (نافرمانی وگناہ) ایسی نحوست ہے جو عبادت کی حلاوت اور اللہ کی قربت کے انس کو ختم کر دیتی ہے۔

ایک دن عبداللہ بن مبارکؒ بیٹھے وھیبؒ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا نافرمان شخص عبادت کی لذت پا سکتا ہے؟ وھیب نے خشیت جھلکاتے چہرے سے جواب دیا کہ نہیں اور وہ شخص بھی نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو۔

تقوے کی کیفیت ومرتبہ

پرہیزگاری (تقوے) نے اپنی لاٹھی اپنی گردن پر رکھی اور وھیب کے دل میں براجمان ہونے چلا۔ وھیب کا دل حلال کھانے کی طرف متوجہ تھا وہ فرماتے کہ اگر تم اس ستون کی طرح نماز میں کھڑے رہو تو اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا حتی کہ تم یہ دیکھو کہ

تمہارے پیٹ میں جو گیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

اور تقویٰ وھیب کے دل میں ایسے مرتبہ پر پہنچا کہ وہ زمزم کے کنویں سے بھی اپنی ملکیت کے ڈول سے ہی پانی نکال کر پیتے تھے۔

بے مثال ورع

ایک دن مکہ کی فضاء میں علم کے سرچشموں کا حلقہ لگا تھا حضرت فضیل بن عیاضؒ وھیب بن وردؒ، اور عبداللہ بن مبارک احادیث سن اور سنا رہے تھے کہ وہ نرم کھجور کا ذکر آ گیا۔ تو وھیب نے فوراً کہا کیا نرم کھجور بازار میں آ گئی؟ تو عبداللہ بن مبارک نے حیرت سے فرمایا کہ اللہ تم پر رحم کرے یہ تو اس کا آخری وقت چل رہا ہے کیا تم نے نہیں کھائی؟ وھیب نے نفی میں سر ہلا کر لبوں کو جنبش دی اور فرمایا نہیں۔ ابن مبارکؒ نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ مکہ کے باغ عام طور پر ان زمینوں پر بنے ہوئے ہیں جو حکمران یونہی لوگوں کی ملکیت کر دیا کرتے تھے اس لئے مجھے نرم کھجور ناپسند ہو گئی۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کیا ہمیں بازار سے خریدنے کی آسانی نہیں دی گئی؟ کیا ساری کھجوریں انہیں زمینوں کی ہیں؟ اور جو مصر وغیرہ سے آتی ہیں وہ تو ایسی نہیں ہیں نا؟ اور میں نہیں سمجھتا کہ تم مصری کھجور سے مستغنی ہو گئے؟ وھیب اتنی باتیں سن کر بے ہوش ہو گئے۔ تو فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ارے یہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تو ابن مبارک نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سارا خوف اسے عطا ہو چکا ہے۔

جب وھیب بن ورد کو ہوش آیا اور وہ تکلیف کم ہو گئی تو فرمانے لگے اے ابن مبارک مجھے اپنی اجازتوں سے معاف رکھو واللہ میں کھجور صرف اسی طرح کھاؤں گا جیسے مجبور و مضطر شخص مردار کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی پرہیزگاری سے ان کا جسم سوکھ گیا اور جسم کمزور ہو گیا۔

خوف خدا کی حالت

اذان عصر کی آواز بلند ہوئی اور ابو صالح جدی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور وھیب بن ورد کے برابر میں کھڑے ہو گئے۔ جب نماز مکمل ہوگئی تو انہوں نے وھیب کو دعا کرتے دیکھا۔ اے اللہ اگر میں نے نماز میں کوئی کمی یا کوتاہی کی ہے تو مجھے معاف فرمادے۔

ابو صالح کہتے ہیں کہ وہ اس طرح دعا گو تھے کہ گویا کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا جس سے وہ مغفرت مانگ رہے تھے۔

وفات

۱۵۳ ہجری مکہ میں حضرت وھیب بن وردؒ نے اپنے رب کا پڑوس اختیار کرلیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۵۷ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ علم نے ان کی وفات پر سوگ کے کپڑے پہنے۔
☆ ان کی گفتگو بادشاہوں کی تلوار سے زیادہ بارعب تھی۔
☆ دنیا والوں کے درمیان عالم کے لقب کے ساتھ زندہ تھے اور آسمان والوں میں شہید کے لقب کے ساتھ پہنچے۔

☆☆☆

دنیا ان کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے آئی مگر انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دنیا ان کے نزدیک سراب اور عاریت کی طرح تھی۔ یہ ہیں حضرت امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ قبیلہ اوزاع سے تعلق تھا۔ دیار شام میں فقہ اور زہد کے امام تھے۔ شام کے علاقے بعلبک میں پیدا ہوئے اور بیروت میں مقیم ہوئے۔

اپنے زمانے کے یکتا اور اپنے دور کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے میں ملامت گروں کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کو عہدہ قضاء کی پیش کش ہوئی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بڑی شان والے تھے ان کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ قدر رکھتا تھا۔ بڑے علم وفضل کے مالک تھے۔ بیروت منتقل ہو گئے تھے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔

ہم قلم اور تاریخ کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ اس عظیم زاہد کے بارے میں ہمیں بتائے ہمیں ان کا راستہ ان کی ہیئت اور حال کے بارے میں بیان کرے۔

یہ بشر بن ولید تاریخ کے صفحات سے ہمیں بیان کر رہے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کو دیکھا گویا کہ وہ خشوع کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے۔

عباس بن ولید امام اوزاعیؒ کے اخلاق بیان کر رہے ہیں کہ بادشاہان اس بات سے عاجز ہو گئے کہ وہ اپنے اندر اور اپنی اولادوں میں امام اوزاعیؒ جیسے اخلاق پیدا کر سکیں۔

ایک دن ایک شخص نے آ کر ان سے خشوع کے بارے میں سوال کیا فرمایا کہ خشوع نظریں جھکانے، بازو جھکانے، دل کی نرمی یعنی خوف اور رنج کا نام ہے۔

انہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا زندگی کو مال جمع کرنے سے دور رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت امام اوزاعی نے صرف چھ دینار ترکہ میں چھوڑے۔

امام اوزاعی کا تقویٰ وخشیت

خاموشی کو لازم کر لیا تھا، تنہائی پسند کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ عافیت کے دس حصے ہیں اور ان میں سے نو حصے خاموشی اور ایک حصہ لوگوں سے دور بھاگنا ہے۔

امام اوزاعیؒ کے پاس دو ہتھیار تھے (۱) تقویٰ (۲) حکمرانوں کے ہاں سنی جانے والی ان کی بات۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی شخص ان کے لئے شہد بھرا مٹکا تحفہ میں لایا اور پھر کہا کہ

بعلبک کے والی کو میرے لئے سفارشی خط لکھ دیں۔ چنانچہ امام اوزاعیؒ نے ہیبت وقناعت کے ساتھ فرمایا کہ یہ مٹکا لے جاؤ اور میں سفارشی خط لکھ رہا ہوں چنانچہ انہوں نے سفارشی خط لکھدیا۔ اور والی نے ان کے سالانہ وظیفہ سے تیس دینار کاٹ لئے۔

نیک لوگوں کے درمیان مرتبہ

امام اوزاعیؒ کی محبت عام اور نیک صالحین کے دلوں میں جاگزین تھی چنانچہ جب یہ حج کے لئے گئے تو سفیان ثوری ان کے استقبال کو پہنچے اور قافلے سے ان کا اونٹ علیحدہ کر کے اس کی مہار اپنی گردن میں ڈال لی اور لے چلے جہاں لوگوں کے ہجوم سے گذرتے آواز لگاتے ''شیخ کے لئے راستہ دو''۔

امام اوزاعیؒ نیک سیرت، عبادت، زہد اور تقوے کے حامل تھے۔ رات کو نمازیں پڑھتے اور لوگوں کو اس کی نصیحت بھی فرماتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو طویل (نمازیں پڑھے گا) قیام کرے گا۔ قیامت کے دن اس کا کھڑا ہونا آسان ہو جائے گا۔

امام اوزاعیؒ صبح کی نماز پڑھ کر کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے اور تہلیل وتسبیح میں کھو جاتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔

ابو جعفر منصور کو نصیحت

ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے انہیں بلوا بھیجا۔ کچھ نصیحت کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ امام اوزاعیؒ نے پوچھا امیر المؤمنین آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

اے امیر المؤمنین جس بندے کے پاس اللہ کی طرف سے اس کے دین کے بارے میں کوئی نصیحت پہنچے وہ اللہ کی طرف سے اس کو بھیجی جانے والی نصیحت ہے اگر وہ اسے شکر کے ساتھ (عمل بالجوارح) قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ کی طرف سے یہ اس کے خلاف حجت بنے گی اور گناہ اس کا زیادہ شمار ہوگا۔

اے امیر المؤمنین! اگر بادشاہت آپ سے پہلے والوں کے پاس ہمیشہ رہتی تو آپ تک نہ پہنچتی۔ یہ ہرگز آپ کے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی جیسا کہ دوسروں کے پاس نہ رہی۔

''اے امیر المؤمنین جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت حاصل کرے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں اور اسے جو اللہ کی نافرمانی کے ذریعے حاصل کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں اور نیچا کر دکھاتے ہیں۔ بس میری یہی نصیحت ہے والسلام علیک۔ امام اوزاعی یہ فرما کر اٹھے اور واپس چلے گئے۔''

آنسو بہانے والے

امام اوزاعیؒ کے بہت جلد آنسو آجاتے تھے۔ دل خوف اور موت کی یاد سے بھرا ہوا تھا۔ ان کی والدہ ایک مرتبہ انہیں محراب میں عبادت کرتا دیکھ رہی تھیں جب یہ نماز پڑھ کر وہاں سے ہٹ گئے تو والدہ نے سجدے کی جگہ کو جا کر ٹٹولا تو وہ آنسوؤں سے تر تھی۔

ایک مرتبہ اپنے احباب اور شاگردوں کے پاس گئے اور اپنی نظران کے چہروں پر دوڑاتے رہے۔ پھر بلند آواز سے نصیحت فرمائی کہ'' جو موت کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اسے تھوڑا سا (رزق) بھی کافی ہو جاتا ہے۔

وفات

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بیروت میں ۱۵۷ ہجری میں وفات پا گئے اور پوری زندگی جس شہادت کی تمنا تھی وہ پوری ہوگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۵۸ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ وہ اپنے دور کے حکمرانوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین ہلا دیتے تھے۔
☆ ایسا شخص جس کی گفتگو دلوں کے تار کاٹ دیتی تھی۔
☆ اس نے اپنے دل میں ایک غموں کا گھر بنالیا تھا۔

☆☆☆

یہ ہیں محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب۔ شیخ الاسلام، ابوالحارث قریشی عامری، مدنی، جو کہ بڑے فقیہ محدث اور زاھد شخص تھے اور حضرت سعید بن مسیبؒ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

زھد وتقویٰ

لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار فضول کام اور فضول بات سے بالکل دور، لوگوں سے بہت زیادہ حسن ظن رکھنے والے، بڑے کریم تھے فقراء کے ساتھ خوب بھلائی کرتے ان کے الفاظ دلوں تک اپنا راستہ خود بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور فضائل پر عمل کے لئے صحراء کی ہوا سے زیادہ تیز تھے۔

ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے، ان کی غذا روٹی اور تیل ہوتی، رقیق الحال انسان تھے، فتنہ سے دور رہتے تھے۔ حق کے معاملے میں جرات رکھتے کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے بادشاہان ان سے مرعوب رہتے تھے۔

خراج تحسین

امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ ان علاقوں میں ان جیسا کوئی دوسرا نہیں آیا نہ ہی کسی دوسرے علاقے میں۔ وہ مالک سے زیادہ پرہیزگار اور حق گو تھے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جتنا مجھے ابن ابی ذئب کی وفات کا افسوس ہے اتنا

افسوس کسی پر نہیں ہوا۔ (یعنی ان سے نہ مل سکنے کا دکھ ہوا کیونکہ امام شافعیؒ ان کی وفات کے وقت صرف آٹھ سال کے بچے تھے۔)

ان کی عبادت اور تقویٰ بے مثل تھے پوری رات نماز میں گذارتے اور عبادت میں بہت محنت مشقت کرتے، حتیٰ کہ اگر انہیں یہ کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہے، تو وہ عام دنوں سے زیادہ عبادت نہ کر پاتے۔

ابن ابی الذئب گویا حق کے ترکش میں ایک تیر تھے۔ ان کی آواز بادشاہوں کی سماعت کو لرزا دیتی اور زمین کو امراء کے پاؤں کے نیچے سے سرکا دیتی تھی۔

حق گوئی و بے باکی

خلیفہ ابوجعفر منصور اور ابن ابی ذئب اور حضرت انس بن مالک نے ایک ساتھ حج کیا، تو ابن ابی ذئب کو ابوجعفر نے بلوایا اور اپنے ساتھ دارالندوہ میں بٹھایا۔ اور پوچھا کہ آپ مدینہ کے امیر حسن بن زید کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ عدل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن ابی ذئب نے فرمایا اس عمارت (کعبہ) کے رب کی قسم تو پکا ظالم ہے۔ یہ سن کر ابوجعفر کے حاجب نے ان کی داڑھی پکڑ لی تو ابوجعفر چیخا انہیں چھوڑ دے۔ اس کے بعد ابوجعفر نے ابن ابی ذئب کو تین سو دینار دینے کا حکم دیا مگر ابن ابی ذئب نے لینے سے انکار کر دیا۔

خلیفہ مہدی حج کے سال مدینہ آیا اور مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو مسجد کے تمام حاضرین سوائے ابن ابی ذئب کے، اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ابن زھیر نے کہا کہ کھڑے ہو جایئے۔ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ تو ابن ابی ذئب نے پہاڑوں کی سی سربلندی کے ساتھ جواب دیا کہ لوگ تو صرف رب العالمین کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ مہدی کی پیشانی پر ان کے رعب کے مارے پسینہ آ گیا۔ کہنے لگا کہ انہیں چھوڑ دو میرے سر کے سارے بال کھڑے ہو چکے ہیں۔

ابن ابی ذئب مدینے کے والی اور منصور کے چچا عبدالصمد کے پاس گئے اور

اس سے کچھ بات چیت کی تو عبدالصمد نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم ریا کار ہو، تو ابن ابی ذئب نے زمین سے ایک چھوٹی سی لکڑی اٹھائی اور اس کے سامنے کر کے فرمایا کہ میں کسے دکھاؤں گا سارے لوگ میرے نزدیک اس لکڑی سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں۔

وفات

ابن ابی ذئب کوفہ میں ۱۵۸ ہجری کو انتقال فرما گئے۔

سیدنا حضرت حیوہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۵۸ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ جب انہیں وظیفہ ملتا تو اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے اور جب واپس گھر آتے تو انہیں سارا مال بستر کے نیچے رکھا ملتا۔

☆ آنکھوں کے آنسوؤں سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی۔

☆ ان کی حالت ان کے وصف سے زیادہ جلیل القدر تھی۔

☆☆☆

ایک معزز، عبادت گذار شخص، امام ربانی، فقیہ، دیار مصر کے شیخ، یہ ہیں حضرت حیوہ بن شریح بن صفوان بن مالک کندی، مصری، ابو زرعہ۔ جو کہ امام، حافظ اور ثقہ، مستجاب الدعوات، رقیق الحال اور رونے والے انسان تھے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں مجھے حیوہ کے بارے میں بتایا گیا تو ان کی حالت ان کے بارے میں بتائے جانے والے اوصاف سے زیادہ تھی۔

ابن وھبؒ کہتے ہیں کہ میں نے حیوہ سے زیادہ اپنے عمل کو بے وقعت سمجھنے والا شخص نہیں دیکھا۔

زھد وکرامات

حیوہ اپنی سالانہ عطاء (وظیفہ) ساٹھ دینار وصول کرتے تھے اور گھر جانے سے

پہلے اسے صدقہ کر دیتے پھر گھر جاتے تو وہ ساٹھ کے ساٹھ دینار بستر کے نیچے رکھے مل جاتے۔

چنانچہ جب یہ بات ان کے چچا زاد بھائی کو پتہ لگی تو اس نے بھی وظیفہ سارا صدقہ کر دیا اور گھر آ کر بستر کے نیچے دیکھا تو اسے وہاں رقم نہ ملی تو اس نے حیوہ سے اس کا شکوہ کیا تو حیوہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر یقین کے ساتھ صدقہ کرتا ہوں اور تم نے تجربے کے طور پر صدقہ کیا ہے۔

وفات

۱۵۸ ہجری میں ان کی روح آخرت کے لالہ زار کی طرف پرواز کر گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سلیمان خواص رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۱ ہجری بمطابق ۷۷۷ عیسوی)

☆ رات کے اندھیروں کو قبر میں روشنی کے لئے جگائے رکھا۔
☆ اپنی دنیا سے روٹی اور نمک کے ساتھ معاملہ کیا۔
☆ اپنے زھد کے ذریعے دل سے دنیا کے وسوسے نکال دیئے۔
☆ ایسا شخص جس پر غموں نے ہجوم کر دیا تھا۔

☆☆☆

ایک عابد اور زاہد، اکابرین اہل شام میں سے ہیں جس نے اپنے لئے ایک خاص زندگی بنائی جس کے فصیلیں بڑی اونچی اور نا قابل تسخیر تھیں۔ یہ ہیں حضرت سلیمان الخواصؒ جن کے دل پر فتنوں اور خواہش نے حملہ کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے ان کے روز و شب روزے اور آہ و بکاہ میں گزرتے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے ان کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

سلیمان خواص چند علماء کے ساتھ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے ان میں امام

اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیز بھی تھے امام اوزاعی، نے زاھدوں کا ذکر چھیڑا اور ان کی سیرت بیان کرنے لگے۔ اتنے میں سعید بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نے سلیمان خواص سے زیادہ کسی کو زاہد نہیں دیکھا۔(انہوں نے سلیمان کو مجلس میں دیکھا نہ تھا) یہ سن کر سلیمانؒ نے سر ڈھانک لیا اور خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تو امام اوزاعی، سعید کی صرف متوجہ ہوکر ان سے خفگی کا اظہار کرنے لگے کہ تمہارا بھلا ہو۔ عقل سے کام لو دیکھو کہ تمہارے سر سے نکل کیا رہا ہے تم نے ہمارے ہم نشین کو اس کے سامنے تعریف کر کے تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

زہد کی کیفیت

ایک رات سعید بن عبدالعزیز بیروت میں سلیمان خواص کے ہاں گئے دیکھا کہ وہ سخت اندھیرے میں بیٹھے ہیں تو پوچھا کہ یہ اندھیرا کیسا؟ تو سلیمانؒ نے جواب دیا کہ قبر میں اس سے زیادہ اندھیرا ہوگا۔ پھر سعید نے ایک تھیلی درہموں کی نکال کر انہیں دی اور کہا کہ دوست کا دوست پر حق ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے دوست کا حق ادا نہ کرسکوں۔ پھر کہا کہ آپ یہ (درہم) لیں میں آپ کے لئے یہ قسم اللہ کے سامنے کھا رہا ہوں کہ یہ حلال ہیں۔ سلیمانؒ نے فرمایا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ تو سعید نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ سلیمان خواص یہ سنتے ہی چیخ پڑے۔ سعید تمہیں کیا ہو گیا ہے پہلے تم نے مجھے دنیا کے ذریعے فتنہ میں ڈالا اور اب دین کے ذریعے فتنہ میں ڈال رہے ہو؟

وفات

۱۶۰ ہجری کے لگ بھگ حضرت سلیمان خواصؒ کی روح اپنے رب کے پاس پرواز کر گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۶۱ ہجری بمطابق ۷۷۸ عیسوی)

☆ انہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حکمت پیدا کر دی۔

☆ دنیا کے لئے کچھ نہ چھوڑا سوائے اس کے جو آخرت سے بچا۔

☆ دنیا میں تیرتے رہے مگر ان کے کپڑے بھی نہ بھیگے۔

☆ تقویٰ کے تالے سے خواہش کا دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

جوانی کے آغاز ہی میں دین علم حاصل کر لیا اور چڑھتی جوانی میں ان سے علم حاصل کیا جاتا تھا۔ مصیبت کو نعمت سمجھتے اور آسانی کو مصیبت سمجھتے۔ یہ ہیں حضرت سفیان بن سعید بن مسروق ثوری جو امت کے عالم، شیخ الاسلام، حفاظ کے امام، علماء کے سردار، امیر المؤمنین فی الحدیث، اور علم وفضل میں اپنے زمانے کے سردار تھے۔

''ان کا دل غموں کا گھر تھا اور دوزخ کے خوف سے معمور تھا۔''

کوفہ میں پیدا ہوئے یہیں پلے بڑھے، منصور نے انہیں ولایت قبول کرنے پر بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کوفہ سے فرار ہو کر مکہ اور مدینہ میں آبسے پھر انہیں مہدی نے طلب کیا مگر یہ چھپ گئے اور بصرہ منتقل ہو گئے اور روپوشی ہی کے دور میں ان کی وفات ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی یادداشت عطا فرمائی تھی کہ جو چاہے اس میں بھر جائے پھر کوئی بات بھولتے نہ تھے۔ وہ اپنی یادداشت کے بارے میں خود بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی جس نے مجھ سے خیانت کی ہو۔ (یعنی بھول گئے ہوں)

علم کے سمندر تھے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت

کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ہلکے سائے اور دھیمی مسکراہٹ کے مالک تھے۔ اپنے دل کے ذریعے تقویٰ کے علاقے میں معززین اور متقین کے گھر میں پہنچ گئے اور خشیت کے کانٹے ان کے اور دنیا کی لذتوں کے درمیان آڑ بن گئے۔

ایک فقیہؒ کا قول ہے اگر ثوری نہ ہوتے تو تقویٰ مرجاتا۔

شعبہؒ کا قول ہے کہ تقویٰ اور علم کے ذریعے سفیان لوگوں کے سردار بنے۔

احمد بن یونس کا قول ہے کہ میں نے سفیان سے بڑا عالم، بڑا متقی، کوئی بڑا فقیہ اور بڑا زاہد نہیں دیکھا۔

حضرت ثوری اور زہد

حضرت سفیان ثوری سے کسی نے پوچھا کہ زھد کیا ہے؟ فرمایا مرتبے کا گرنا اور امیدوں کا کم ہونا۔ اور فرماتے کہ دنیا میں زھد یہ ہے کہ لوگوں سے دور رہو اور لوگوں میں زہد (ان سے دور رہنے) کا پہلا قدم اپنے آپ میں زھد ہے۔ سفیان ثوریؒ نے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے دنیا سے محبت کی اور اس سے خوش ہوا آخرت کا خوف اس کے دل سے اتر گیا۔

ثوریؒ دعا فرماتے۔ اے اللہ دنیا کو ہمارے ہاتھوں میں دے دے اور ہمارے دلوں میں مت دے۔ اور فرماتے کہ تقویٰ دین کا سرمایہ ہے اور آخرت کے معاملے کی تکمیل ہے۔

جیسے ہی رات ہوتی سفیان ثوری اپنی محراب میں داخل ہوجاتے اور دروازہ بند کرلیتے اور پکارتے۔ اے میرے خدا ہر محبوب اپنے محبوب کے ساتھ تنہا ہے اور اے میرے محبوب میں تیرے ساتھ تنہا ہوں۔

دنیا سے بے رغبتی اور زہد

حضرت ثوریؒ نے دنیا کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس کی زینت میں سے کچھ نہ لیا صرف گذارے کی مقدار ہی حاصل کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”دنیا کے لئے اتنا عمل

کرو جتنا تمہیں یہاں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا عمل کرو جتنا وہاں رہنا ہے۔''

علی بن ثابت حضرت ثوریؒ کی ھیئت اور حال کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو مکہ کے راستے میں دیکھا تو ان کے پاس موجود ہر چیز کی قیمت کا میں نے اندازہ کیا حتی کہ ان کی جوتیوں کا بھی، تو وہ چار دانق کی جوتی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم مکہ کے راستے میں سفیان ثوریؒ سے ملتے اور تمہارے پاس دو پیسے ہوتے اور تم انہیں صدقہ کرنا چاہتے اگر تم سفیان کو پہچانتے نہ ہوتے تو وہ دو پیسے ان کے ہاتھ میں رکھ دیتے۔

دنیا میں تعمیر سے استغناء

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عمارت یا گھر بنانے کے لئے ایک درہم بھی خرچ نہیں کیا۔ سفیانؒ نے تین باتوں کا عہد کیا تھا۔ (۱) کوئی ان کی خدمت نہ کرے گا۔ (۲) ان کے لئے کپڑا نہیں لپیٹا جائے گا۔ (۳) اور یہ کہ وہ اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھیں گے۔ (اپنے لئے کوئی مکان یا گھر نہیں بنائیں گے)

حضرت ثوریؒ ان لوگوں کا جو دنیا اور مال جمع کرتے ہیں مذاق اڑاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ "دنية" گھٹیا اور ردی ہے اور مال کو مال اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جس کے پاس ہوتا ہے اسے جھکا دیتا ہے۔

ثوریؒ شہرت کو ناپسند کرتے تھے اور نہ ظاہر ہونے میں رغبت رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ شہرت سے بچو۔

علی بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے سفیانؒ کو مجلس کے درمیان میں کبھی نہیں دیکھا وہ ہمیشہ دیوار کی جانب بیٹھتے اور بیٹھ کر دونوں گھٹنے ساتھ ملا لیتے۔

سفیان ثوریؒ خود اپنے گرد موجود لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی یہ چپل لوں اور ایسی جگہ جا کر بیٹھوں جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ ہو۔

تقوی وخشیت

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کو کوئی کپڑا تحفہ میں دیا مگر انہوں نے لینے سے

انکار کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں آپ سے حدیث پڑھنے والا آپ کا کوئی شاگرد نہیں ہوں کہ آپ میرا تحفہ واپس کر دیں۔ تو سفیان ثوریؒ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے حدیث کے شاگرد نہیں ہو لیکن تمہارا بھائی میرے پاس حدیث پڑھتا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں میرا دل اس کے لئے زیادہ نرم نہ ہو جائے۔

ایک دن حضرت ثوریؒ اپنے دوستوں میں بیٹھے اپنے ایک گناہ کا شکوہ کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ایک گناہ کی وجہ سے میں نے عہد کیا کہ اس کے بدلے میں پانچ ماہ تک روزے رکھوں گا اور راتوں کو قیام کروں گا (نماز پڑھوں گا) چنانچہ کسی نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ تو فرمایا کہ میں نے مسجد میں ایک شخص کو روتے دیکھا تو دل میں سوچا کہ یہ شخص ریاکاری کر رہا ہے۔

ایک دن سنار کے پاس گئے تو ان کا ایک دینار گر گیا جب یہ اٹھانے لگے تو اس کے برابر میں ایک اور دینار پڑا تھا لہٰذا یہ اپنے دینار کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ تقویٰ کے باعث دونوں دینار وہیں چھوڑ دیئے۔

تباہی اور شاہوں سے بیزاری

جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے ثوریؒ کو بلوایا اور جب یہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر ان کی طرف پھینکی اور کہا کہ یہ میری انگوٹھی ہے۔ جاؤ امت کے لوگوں میں قرآن وسنت کے ذریعے کام کرو۔ (والی وغیرہ بن جاؤ) تو حضرت سفیان ثوریؒ نے اس سے امان مانگی جو اس نے دے دی۔ تو حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین آپ مجھے بلوایا نہ کریں جب تک کہ میں خود ہی آپ کے پاس نہ آجاؤں۔ اور جب تک کوئی چیز خود نہ مانگوں نہ دیا کریں۔ اتنا کہہ کر وہاں سے نکل گئے۔ مہدی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے انہیں سزا دینی چاہی تو اس کے کاتب نے اسے کہا کہ آپ انہیں امان دے چکے ہیں۔

محمد بن ابراہیم ہاشمی نے سفیان ثوریؒ کے پاس دوسو دینار بھیجے تو انہوں نے

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے ان کے سامنے ذلیل ہونا پسند نہیں ہے۔

پولیس والوں سے نفرت

حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ رات کو کہیں چلے جا رہے تھے کہ دور سے ایک آگ دیکھی تو پوچھا کہ یہ آگ کیسی ہے؟ کسی نے بتایا کہ یہ پولیس والوں نے جلا رکھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں دوسرے راستے سے لے چلو ہم ان کی آگ کی روشنی سے بھی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔

حکمرانوں کے پاس جانے سے بیزاری

کسی نے کہا کہ اگر آپ امراء کے پاس آئیں جائیں تو (اچھا ہے) فرمانے لگے کہ مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں میرے کھڑے ہونے کے بارے میں پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ کسی نے کہا کہ آپ کہہ دیا کریں اور اپنی حفاظت کریں، تو فرمایا کہ تم مجھے سمندر تیرنے کا حکم دے رہے ہو اور یہ کہ میرے کپڑے بھی نہ بھیگیں۔

سفیان ثوریؒ کا دل خدا کے خوف اور رعب سے معمور تھا۔ چڑیا کی طرح پھڑکتے رہتے آنکھیں کبھی خشک نہ ہوتی تھیں اور آہ و بکاہ کی آواز مسلسل آتی رہتی تھی۔

عطاء الخفاف کہتے ہیں کہ میں جب بھی سفیانؒ سے ملا وہ روتے ہوئے نظر آئے تو میں نے پوچھ لیا آپ کو کیا ہوا؟ آنسو بہاتے ہوئے حضرت سفیان نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں کہیں بد بخت نہ ٹھہرا دیا جاؤں۔

رات کو سوتے اچانک ہڑ بڑا کر پکارتے ہوئے اٹھ بیٹھتے۔ آگ آگ۔ مجھے آگ کی یاد نے نیند اور دوسری خواہشات سے غافل کر دیا ہے۔

ایک شخص حضرت سفیان ثوریؒ کا پیچھا کیا کرتا تھا۔ تو وہ ہمیشہ ایک دیوار کے نیچے سے ایک رقعہ نکال کر پڑھتے دیکھتا جسے یہ پڑھ کر دوبارہ رکھ دیتے۔ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ دیکھوں تو اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ اس نے وہ رقعہ نکال کر پڑھا تو اس

میں لکھا تھا کہ ''اے سفیان اللہ عزوجل کے سامنے اپنے کھڑے ہونے کو یاد رکھنا۔''

آخری لمحات

عبدالرحمٰن بن مہدی حضرت سفیان ثوریؒ کی وفات کے وقت کا حال بیان کرتے ہیں کہ سفیان کا میرے ہاں انتقال ہوا تھا۔ جب انہیں تکلیف بڑھی تو وہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا اے ابوعبداللہ مجھے لگتا ہے کہ آپ نے بہت گناہ کئے ہیں۔ تو زمین سے انہوں نے کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا کہ میرے نزدیک میرے گناہ اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں۔ مجھے تو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں موت سے پہلے میرا ایمان سلب نہ ہو جائے۔

وفات

۱۶۱ ہجری میں حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے رب کا پڑوس اختیار کر لیا۔ وفات کے بعد حضرت حماد بن زید آئے دیکھا کہ ان کا جسم چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ فرمانے لگے ''اے سفیان مجھے آج تمہاری کثرت حدیث پر رشک نہیں آ رہا بلکہ مجھے تمہارے ان اعمال پر رشک آ رہا ہے جو تم نے آگے بھیجے ہیں۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۶۱ھ بمطابق ۷۷۸ عیسوی)

☆ زاھدین کا ایک بڑا شخص۔
☆ جس کا شعار دنیا میں موت تک تقویٰ رہا۔
☆ ریشمی کپڑوں کو چھوڑ کر موٹے کپڑوں کے پیچھے چھپ گئے۔
☆ اپنی پہلی زندگی کے صفحات لپیٹ کر نئی زندگی کے صفحات کھول کر ہمیشہ باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے۔

☆☆☆

ان کا تعلق اس قافلے سے تھا جس نے دنیا کو حقیر جانا اور جاں نثاری کے حیرت

انگیز سبق پیش کیے۔ یہ ہیں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بن منصور تیمی بلخی، ابواسحاق، امیر، زاہد، رہنما، عارف باللہ، زاھدین کے سردار، تقویٰ کی درس گاہ کے استاد، مشہور زاہد۔ جن کے نام نے تاریخ کے کانوں کو بھر دیا، شہزادے تھے بڑے ناز و نعم میں پلے بڑھے تھے۔

ان کے والد بادشاہوں میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ بلخ کے مال داروں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا کی چنانچہ مالداری کو پس پشت ڈال پھینکا اور علم، فقہ اور تقویٰ کی تلاش میں چار دانگ عالم میں سیاحت کو نکل پڑے۔

بڑے پرہیزگاروں میں سے تھے کھیتی باڑی اور باغوں کی رکھوالی کر کے زندگی گذارتے تھے بڑے ثقہ، فقیہ اور عارف باللہ تھے ان کی کرامات اور دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہے۔

زھد و خشیت

دنیا کے تذکرے سے اپنی زبان کو پاک رکھا اور اپنے دل کو خیر کی محراب میں پھرتے چھوڑ دیا۔ فرمانبرداری کی عزت سے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے غصہ اور دنیا کی ذلت سے بچایا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھمؒ صفات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے مشابہ تھے اگر صحابہ میں سے ہوتے تو بڑے فاضل ہوتے۔

ایک دن صاف دل کے ساتھ بیٹھے سوکھی روٹی کا ٹکڑا کھا رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر بادشاہوں اور شہزادوں کو معلوم ہو جائے کہ ہماری اس حالت میں کتنی نعمتیں اور مزے ہیں تو وہ زندگی بھر اس کے حصول کے لیے تلواروں کے ساتھ ہم سے لڑتے رہیں۔

زھد کے بارے میں ان کا ارشاد ہے کہ زھد، فرض، سلامتی، اور فضیلت ہے۔ فرض زھد، حرام سے دور رہنا ہے۔ سلامتی والا زھد شبہات سے بچنا ہے اور فضیلت والا زھد حلال چیزوں سے دوری اختیار کرنا ہے۔

لوگوں کو حصول رزق حلال کی نصیحت کرتے اور اس کی ترغیب دیتے، فرماتے کہ حلال کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے جو چاہو مانگ لو۔

ایک دن ایک شخص ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اس کا دل پھٹنے کے قریب تھا پوچھنے لگا۔ اے ابو اسحاق بتایئے کہ اللہ تعالیٰ سے دل کیوں محجوب ہیں؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کا ادراک کیوں نہیں کر سکتے) فرمایا اس لئے کہ دل اللہ کی مبغوض چیزوں کو پسند کرتے ہیں دنیا کو چاہتے ہیں اور غرور کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

دعاؤں کی قبولیت

ایک دن ابراہیم بن ادھمؒ سمندر کے سفر پر تھے کہ اچانک سخت آندھی چلی اور موجیں پہاڑوں کی طرح بلند ہو گئیں حتیٰ کہ لوگ ہلاکت کے قریب ہو گئے۔ ابراہیم سو رہے تھے تو ان کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ لوگ چیخ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ ابراہیمؒ نے اپنا سر اٹھایا اور گڑگڑا کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ اے اللہ تو نے ہمیں اپنی قدرت دکھا دی اب ہمیں اپنا عفو درگذر دکھا دے۔ بس اتنی دعا کی تھی کہ سمندر فوراً ساکن ہو گیا بالکل ایسے جیسے کہ کوئی تیل سے بھرا پیالہ ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا۔

یقین کامل

ابراہیم بن ادھمؒ کا دل رزق کے بارے میں ایمان سے معمور تھا۔ اللہ پر توکل کے بارے میں یقین سے پر تھا۔ ایک دن کسی شخص نے اپنے عیال کی کثرت کا شکوہ کیا تو اسے ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا:

"میرے بھائی اپنے گھر میں موجود ہر شخص کو دیکھو ان میں سے جو شخص ایسا ہو کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔

دنیاوی آسائشوں سے فرار

اچھی زندگی اور دنیا سے یوں دور بھاگتے تھے جیسے لوگ موت سے دور بھاگتے ہیں۔ ایک شخص خراسان سے آیا اور لوگوں کے ہجوم میں اس نے آواز لگائی تم میں ابراہیم بن ادھم کون ہیں؟ کسی نے کہا یہ ہیں۔ تو اس نے کہا کہ مجھے آپ کے بھائیوں نے بھیجا ہے۔ ابراہیم نے اپنے بھائیوں کا نام سنا تو اٹھے اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف

لے گئے۔ پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں آپ کا غلام ہوں۔ یہ خچر آپ کا ہے اور میرے پاس دس ہزار درہم ہیں جسے آپ خود پر خرچ کریں اور بلخ چلیں، تو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو تو آزاد ہے خچر تیرا ہے اور ساری رقم تیری ہے تو اسے خود خرچ کر لے۔ اور پھر یہ فرمانے لگے کہ ہم نے فقر مانگا تو مال داری ہمارے سامنے آتی ہے اور لوگ مال داری مانگتے ہیں تو ان کے سامنے فقر آتا ہے۔

وفات

۱۶۱ ہجری میں الجزیرہ میں ان کا انتقال ہو گیا اور ان کی میت وہاں سے شہر ''صور'' لائی گئی اور وہیں تدفین ہیں۔

☆☆☆

سیدنا حضرت داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۵ھ بمطابق ۷۸۱ عیسوی)

☆ اگر داؤد گذشتہ امتوں میں سے ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کا قصہ ضرور بیان کرتے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ان کی بغیر مال کے مدد کی بغیر نسب کے عزت عطا کی اور بغیر انسان کے انسیت عطا کی۔

☆ انہوں نے اپنی زبان کو ذکر کے سوا ہر چیز سے روک دیا اور نفس کو اس کی اصل قید سے پہلے خود قید کر دیا۔

☆☆☆

اس نے سخاوت کی لگام اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لی۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کی سواری پر چپکے سے سوار ہو گئے۔ یہ ہیں ابو سلیمان داؤد الطائی، کوفی، جو کہ امام، فقیہ اور صاحب بصیرت زاہد، ولی اور فقہ اور رائے کے ائمہ میں سے ایک تھے۔ امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ پھر اپنے نفس کی حالت کی طرف متوجہ ہو گئے اور خاموشی اختیار کر لی۔

دنیا سے یوں دور بھاگے جس طرح کوئی شیر سے دور بھاگتا ہے۔ ان سے اگر حدیث کا سوال پوچھا جاتا تو کہتے کہ مجھے چھوڑ دو میرا سانس نکلنے والا ہے۔ اور اگر قرآن کریم کے متعلق سوال کیا جاتا تو فرماتے کہ جواب ختم ہو گئے۔

ان کا زھد کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے کسی کو قبرستان میں یہ شعر نوحہ میں پڑھتے سنا۔

(ترجمہ) اور تیرے کس رخسار پر بوسیدگی ظاہر ہوگی اور تیری کون سی آنکھ رہے گی جب وہ بہہ جائیں گی۔

اقوال زریں

داؤد طائی کا قول ہے کہ زھد یہ ہے کہ کوئی شخص قادر ہونے کے بعد چھوڑ دے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہوں کی ذلت سے نکال کر تقوے کی عزت کی طرف لاتا ہے اسے بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر خاندان کے عزت عطا کرتا ہے اور بغیر انسانوں کے اسے انس عطا کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ زھد کے لئے یقین، علم عبادت کے لئے اور مصروفیت کے لئے عبادت کافی ہے۔

داؤد الطائی کے پاس حارث بن ادریس آئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ داؤد طائی نے فرمایا کہ مردوں کا لشکر تمہارے انتظار میں ہے۔ ایک اور شخص کو فرمایا۔ دنیا سے روزہ رکھ لو اور اپنی افطار اس میں موت کو بنا لو۔ اور لوگوں سے اس طرح دور بھاگو جس طرح درندے سے دور بھاگتے ہیں۔ اور اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو۔

ایک شخص نے آکر حدیث کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو میرا سانس نکلنے والا ہے۔ حضرت سفیان کہتے تھے کہ طائی نے اپنا معاملہ دیکھ لیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری آکر بیٹھے تو داؤد نے فرمایا کہ جب تم ٹھنڈا پیتے رہو گے اور لذیذ کھانے کھاتے رہو گے اور سائے میں چلتے رہو گے تو موت اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو کب پسند کرو گے؟ یہ سن کر سفیان ثوریؒ رونے لگے حتیٰ کہ اس کی شدت

سے رونے کی آواز بھی بند ہو گئی۔

ایک دن ابن سماک ان کے پاس آئے اور نصیحت کرنے کی درخواست کی تو داؤد نے فرمایا۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ نہ دیکھے جہاں کا اس نے تمہیں منع فرمایا ہے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا ہے وہاں تمہیں غیر حاضر نہ پائے، اس کے قریب ہونے اور اس کی تم پر قدرت و طاقت کے ہونے سے حیا کرو۔

زھد کی کیفیت

داؤد طائی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دنیا کو دور کر دیا تھا اور اپنا سینہ بھی دھکے کے لئے بڑھا دیا تھا اور پھر اپنے نفس کی طرف ہی متوجہ رہے حتی کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔ دنیا ان کے ہاتھ میں عاریت کی طرح تھی ان کا پیٹ دنیا میں زیادہ مشغول نہیں رہا۔

ایک دن داؤد طائی کی خادمہ (باندی) نے کہا کہ کوئی چکنی چیز پکا لوں؟ تو فرمایا ہاں پکا لو۔ چنانچہ اسنے چربی پکائی اور ان کے پاس لائی تو انہوں نے پوچھا فلاں قوم کے یتیموں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہی حال ہے۔ تو فرمایا کہ یہ کھانا ان کے پاس لے جاؤ کیونکہ اگر میں نے اسے کھا لیا تو یہ پاخانے میں نکل جائے گا اور اگر وہ یتیم اسے کھائیں گے تو ہم اسے اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر دیں گے۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد ان کے گھر کی کسی خاتون نے گھی میں ثرید بنا کر ان کے افطار کرنے کے وقت اپنی خادمہ کے ہاتھ بھیجی تو باندی نے پیالہ ان کے سامنے لا کر رکھا۔ داؤد اسے کھانے کے لئے آئے تو اسی وقت ایک سائل نے دروازے پر صدا لگائی۔ داؤد وہ پیالہ اٹھا کر اس سائل کے پاس لے گئے اور اس کے پاس دروازے پر ہی بیٹھ گئے حتی کہ اس سائل نے وہ کھانا کھا لیا۔ داؤد پھر گھر میں آئے پیالہ دھویا اور ان کے پاس رات کے کھانے کے لئے کھجوریں تھیں وہ اس پیالے میں ڈال کر خادمہ کو دے دیں اور فرمایا کہ انہیں میرا سلام کہنا۔ وہ خادمہ کہتی ہے کہ جو کھانا ہم لے گئے تھے وہ انہوں نے سائل کو دے دیا اور جو اپنی افطار وغیرہ کے لئے رکھا تھا وہ ہمیں دے دیا، میرا خیال

ہے کہ رات انہوں نے بھوکے ہی گزار دی۔

اچھا دنیا میں کھاؤں تو آخرت میں کیا ہوگا

ایک شخص مغرب کے بعد داؤد طائی کے گھر آیا، داؤدؒ نے اس کے سامنے روٹی کے سوکھے ٹکڑے پیش کئے وہ کھانے لگا تو اسے پیاس لگی تو اس نے اٹھ کر اس برتن سے جس میں پانی تھا پینے کے لئے پانی لیا تو وہ گرم تھا۔ تو اس شخص نے کہا۔ اے داؤد، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر آپ اس برتن کے علاوہ کسی اور برتن میں پانی رکھ لیں تو اچھا ہے۔ تو داؤد طائیؒ نے جواب دیا کہ اگر میں صرف ٹھنڈا پانی پیوں اور ہمیشہ اچھا ہی کھاؤں اور ہمیشہ نرم کپڑا ہی پہنوں تو میں نے آخرت کے لئے کیا بچایا۔

دنیا کی حقیقت کی معرفت

داؤد طائی جان گئے تھے کہ دنیا دھوکے کا گھر ہے لہٰذا انہوں نے اپنے نفس کو اس کی تعمیر میں محنت نہیں کرائی اور نہ ہی اس کے لئے کچھ جمع کیا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص داؤد طائیؒ کے گھر میں داخل ہوا اور اس نے گھر میں نظر دوڑائی تو کوئی اچھی چیز نظر نہ آئی گھر کسی کھنڈر کا نمونہ پیش کر رہا تھا تو اس نے بڑی رحمدلی سے کہا، آپ اس ویران گھر میں رہتے ہیں تو داؤد نے خوف سے معمور لہجے میں جواب دیا کہ میری قبر کی ویرانی میرے اور دنیا کی ویرانی کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

صالح عجلی حضرت داؤد طائیؒ کے گھر کی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن داؤد طائی کے گھر میں داخل ہوا، اس وقت ان کا مرض وفات تھا ان کے گھر میں سوائے ایک برتن کے جس میں سوکھی روٹیاں تھیں، ایک لوٹے اور تکیے کی جگہ استعمال ہونے والے اینٹ کے ٹکڑے کے کچھ نہ تھا۔ ان کے گھر میں کم یا زیادہ کچھ نہ تھا۔

خود احتسابی اور داؤد طائیؒ

چاشت کے وقت امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد داؤد طائی کی خدمت میں

تشریف لائے تو انہیں یہ کہتے سنا کہ تو نے چوزہ کھانے کی خواہش کی تو میں نے تجھے کھلا دیا۔ پھر تو نے چوزہ اور کھجور کھانے کی خواہش کی تو میں نے انکار کر دیا کہ تو یہ کبھی نہیں کھائے گا۔'' حماد کہتے ہیں کہ میں اندر گیا اور انہیں سلام کیا تو اس وقت خود اپنے آپ کو ڈانٹ رہے تھے۔

ایک دن داؤد طائی باہر نکلے تو انہوں نے کٹا پھٹا سا جبہ پہن رکھا تھا جس پر فقر و حاجت کے تیر لگے تھے۔ ایک شخص نے انہیں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ اسے سلوا ہی لیتے؟ تو فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فضول دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

جب داؤد طائیؒ بیمار ہوئے تو لوگ دیکھنے آئے اور صحت دریافت کی اور عرض کیا کہ اگر آپ گھر کے صحن میں نکل آئیں تو اچھا ہے وہاں ہوا زیادہ ہے اور آپ کو آرام ملے گا۔ تو فرمایا کہ اگر میں ایک قدم بھی اٹھاؤں گا وہ لکھ دیا جائے گا کہ میں نے بدن کے آرام کو طلب کیا تھا۔ یہ مجھے پسند نہیں۔

وفات

۱۶۵ ہجری میں حضرت داؤد طائیؒ کی روح پرواز کر گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت وراد عجلی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۵ھ بمطابق ۷۸۱ عیسوی)

☆ وہ شخص جس کی قبر قدرت کی طرف سے گلدستوں سے سجادی گئی ہو۔
☆ جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ جب تک اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لے گا ہنسے گا نہیں۔
☆ جس نے دنیا کے خلاف زھد اور تقوے سے مدد لی۔

☆☆☆

یہ ہیں حضرت ورّاد عجلی جو کہ عبادت گذار متقی اور بڑے تابعین میں سے تھے

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو پایا تھا۔ بڑے نیک انسان تھے۔ بڑی عبادت اور تقویٰ والے تھے۔ ان کا دل آخرت کے خوف سے بھرا ہوا تھا۔ بڑی ہیبت اور وقار کے مالک تھے۔

زھد وتقویٰ

مسجد چھپ کر آتے تھے۔ انہیں ظاہر ہونا پسند نہ تھا ایک کونے میں جا کر نماز پڑھتے دعا کرتے اور روتے رہتے اور دن کا کافی حصہ وہاں گذارتے پھر نکل جاتے۔ پھر دوبارہ ظہر کی نماز کے لئے آتے تو جماعت کے علاوہ اوقات میں عشاء تک وہیں نماز ،دعا، اور بکاء، میں مشغول رہتے پھر مسجد سے نکلتے کسی سے بات نہ کرتے۔ اگر ان کو کوئی شخص دیکھتا اوران کے بارے میں پوچھتا تو اسے جواب دیا جاتا کہ یہ وراد عجلیؒ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ وہ جب تک اللہ رب العالمین کے رخ مبارک کو نہ دیکھ لیں گے ہنسیں گے نہیں۔

خوف خدا

حضرت ابو ذر غفاریؓ کے گرد ہجوم لگا تھا اور وہ انہیں قیامت اور اس کے زلزلے کے دھماکے اور خطرناکی سے ڈرا رہے تھے کہ وراد عجلی اپنے نفس پر متوجہ ہوئے اور اسے بکاء کے سمندر میں ڈبو دیا اور چیخیں مارتے لوٹ پوٹ ہوتے رہے حتی کہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لیجایا گیا۔ تو حضرت ابو ذرؓ نے چہرے پر افسوس کے آثار کے ساتھ فرمایا ہم سے کیا کوتاہی ہوئی کہ اس کے دل کو زخمی کر گئی حتی کہ اسے اس قدر رلا دیا پھر پکار کر کہا اے بنو عجل کے بھائی، واللہ یہ صرف تیرے دل کی صفاء اور نکھار کی وجہ سے ہے اور ہمارے دلوں پر گناہوں کے ڈھیر لگے ہیں۔

رات کی عبادت اور دعائیں

ہم اس زاہد کی رات کی عبادت کا حال ان کے ایک رشتہ دار کی زبانی سنتے ہیں

کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری اور وراد عجلی کی رشتہ داری تھی۔ میں نے ان کی چھوٹی بہن سے پوچھا کہ ان کی رات کیسی ہوتی تھی؟ اس نے بتایا کہ وہ ساری رات گڑگڑا کر روتے رہتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ان کا کھانا کیا تھا؟ اس نے بتایا کہ افطار کے وقت ایک ٹکڑا اور دوسرا ٹکڑا رات کے آخر وقت میں سحری کے وقت۔ میں نے پوچھا کہ کیا تمہیں ان کی کوئی دعا یاد ہے تو اس نے بتایا کہ ہاں جب سحر یا طلوع فجر کا وقت قریب ہوتا تو یہ سجدہ کرتے اور رونے لگتے اور فرماتے۔ اے میرے مولیٰ تیرا بندہ تیری فرمانبرداری سے جڑنا چاہتا ہے اس کی مدد کر، اے منان اپنی توفیق سے اس کی مدد کر۔ اے میرے مولی تیرا بندہ تیری ناراضگی سے بچنے کو پسند کرتا ہے تو اے منان اپنے احسان سے اس کی مدد کر، اے میرے مولیٰ۔ تیرا بندہ بھلائی کی بڑی امیدیں رکھتا ہے جس دن خیر کے ساتھ کامیاب ہونے والے خوش ہوں گے اس دن اس کی امید مت توڑنا۔ صبح تک وہ اسی حال میں رہتے۔

قبر میں گلدستوں کا بستر

تقدیر کا داؤ وراد عجلی پر چلا اور ان کو اس نے بستر مرگ لٹا دیا اور ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ چنانچہ جب انہیں قبر تک لیجایا گیا۔ اور کچھ لوگ قبر میں اترے تو دیکھا کہ قبر میں گلدستوں کا بستر بچھا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی ایک گلدستہ لے گیا۔ اور وہ اس کے پاس تقریباً ستر دن تک تازہ موجود رہا اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور لوگوں کا صبح وشام تانتا بندھا رہا وہ آکر دیدار کرتے۔ چنانچہ وہاں کے حکمران کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے۔ لہٰذا ایک آدمی بھیج کر وہ گلدستہ اس سے لے لیا اور لوگوں کو منتشر کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ پھر یہ گلدستہ حکمران کے گھر تھا کہ اچانک وہاں سے غائب ہو گیا اور اسے پتہ ہی نہ چلا کہ گلدستہ کیسے (اور کہاں) چلا گیا۔

وفات

وراد عجلی کی وفات ۱۶۵ کے لگ بھگ ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۷۵ھ بمطابق ۷۹۱عیسوی)

☆ ان کا صدقہ انہیں جنت کی طرف لے اڑا۔

☆ انہوں نے دنیا کے دراہم اس لئے خرچ کیے تا کہ آخرت کے خزانے تک پہنچیں۔

☆ انہوں نے اپنی سوانح نور کے قلم سے لکھی۔

☆ لوگ جس سے راحت میں تھے اور یہ اپنی وجہ سے پریشان تھے۔

☆☆☆

انہوں نے ہر لذت اور خواہش سے اپنے نفس کو روک دیا تھا۔جنہوں نے مال خرچ کرنے اور عطاء کرنے میں بڑی حیرت انگیز مثالیں قائم کیں۔ سخاوت کی لگامیں اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیں دیار مصر کا فخر، فقیہ اور زاھد، یہ ہیں حضرت لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن ابو حارث۔ اپنے دور میں اہل مصر کے امام، محدث اور علامہ تھے۔

اصل میں خراسان کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش ''قلقشندہ'' نامی گاؤں میں ہوئی۔ بڑے سخی اور فیاض تھے۔ لوگوں کی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے مجلس لگاتے اور جو شخص جو کچھ بھی مانگتا اسے عطا کرتے۔ اپنے گھر کو محتاجوں کی پناہ گاہ بنا رکھا تھا۔ سردیوں میں کھجور اور شہد کے ساتھ لوگوں کو ھریسہ (گوشت اور گندم کا ایک کھانا) کھلایا کرتے تھے اور گرمیوں میں بادام کا ستو پلایا کرتے تھے۔

ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بھر گئی تھی امراء کوئی فیصلہ ان کے حکم کے بغیر نہیں کرتے تھے۔

لیث بن سعد کی سالانہ آمدنی پچیس ہزار دینار تھی جسے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے سال ختم نہیں ہوتا تھا کہ ان پر قرض چڑھ جاتا تھا اور کبھی زکواۃ واجب نہیں ہو پاتی تھی۔

ابن یونس کہتے ہیں کہ لیث بن سعد کا مصر میں ایک گاؤں تھا جس کا نام ''فرماء'' تھا اس کا سالانہ خراج ان کے پاس آتا تھا تو آنے والی رقم کو وہ چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں باندھ کر رکھ دیتے تھے اور پھر اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھ جاتے اور ایک تھیلی اسے دی دوسری اسے۔ اس طرح معمولی سی رقم ان کے پاس بچتی باقی یوں ہی بانٹ دیتے تھے۔

سخاوت کے ساتھ زھد

حضرت یحیٰی بن بکیر ایک دن ان کے ہاں پہنچے دیکھا کہ دروازے پر غریبوں کا ہجوم لگا ہے اور وہ ہر ایک کو صدقہ عطا کر رہے ہیں حتیٰ کہ وہاں کوئی نہ بچا۔ پھر میں اور لیث بن سعد وہاں سے چلے اور تقریباً ستر بیواؤں کے گھر گئے (انہیں خرچ وغیرہ دیا) پھر وہاں سے لوٹے تو میں ساتھ تھا انہوں نے غلام کو بھیج کر روٹی اور زیتون کا تیل منگوایا جب ہم گھر پہنچے تو وہاں چالیس کے قریب مہمان موجود تھے جن کے لئے گوشت اور حلوہ منگوایا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ روٹی اور حلوہ کس کے لئے ہے؟ اس نے بتایا کہ لیث کے لئے ہے؟ وہ اپنے مہمانوں کو گوشت اور حلوہ کھلاتے ہیں اور میں نے انہیں زیتون کے تیل اور روٹی کے سوا کچھ کھاتے نہیں دیکھا۔

ایک دن ان کے پاس ایک عورت آئی جس پر فقر و حاجت کے آثار نمایاں تھے اس نے کہا۔ اے ابوالحارث میرا بیٹا بیمار ہے اور اسے شہد کی خواہش ہے تو لیث نے آواز لگائی۔ اے لڑکے اسے ایک مبرط (بارہ رطل کا برتن ہوتا ہے) شہد دے دو۔

امام مالک اور لیث بن سعد

امام مالکؒ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا ارادہ بیٹی کی رخصتی کرنے کا ہے لہٰذا تم مجھے کچھ زرد رنگ بھجوا دو۔ تو انہوں نے تیس اونٹوں پر لاد کر زرد رنگ بھجوایا۔ امام مالکؒ نے اپنی بیٹی کی رخصتی مع ساز و سامان کے کر دی اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

امام لیث کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حج پر گیا تو ہم مدینے آئے تو امام مالکؒ نے تر کھجوروں کا ایک طباق میرے والد کی خدمت میں بھیجا۔

چنانچہ جب ہم کھجوریں کھا چکے تو میرے والد نے اسی طباق میں ایک ہزار دینار رکھ کر اسے امام مالکؒ کی خدمت میں بھجوادیا۔

لیث بن سعد کو مصر سے خلیفہ ہارون رشید کے پاس دمشق لیجایا گیا وہ فقہی مسائل پوچھنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے بعد میں پوچھا کہ آپ کے شہر کی درستگی (کھیتی باغ اور فصل وغیرہ کی سیرابی) کس چیز سے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دریائے نیل کے بہاؤ اور اس کے امیر کی نیکی اور درستگی سے اور ایک سرچشمہ ہے (مراد امیر المؤمنین تھے) جو گدلا پن لے آتا ہے اگر وہ نکھرا ہو تو زمینیں نکھر جاتی ہیں یہ سن کر ہارون نے خوشی اور تعجب سے سر ہلایا اور خشوع کے ساتھ کہا۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون نے پانچ ہزار دینار لیث کو دینے کا حکم دیا جو لیث نے اسے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ اسے مجھ سے زیادہ ضرورت مند شخص پر خرچ کریں۔

وفات

حضرت لیث بن سعد جمعہ کے دن ۱۷۵ھ میں وفات پا گئے شعبان ختم ہونے میں چودہ راتیں باقی تھیں۔ نماز جمعہ کے بعد قاہرہ میں تدفین ہوئی۔

محمد بن وہب کہتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کے جنازے میں شریک تھا میں نے اتنا بڑا اور لوگوں کی اتنی کثیر تعداد والا جنازہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے سب لوگوں کو روتے دیکھا۔ سب پر غم اور شکستہ دلی طاری تھی لوگ ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے۔

لیث بن سعدؒ کی وفات کے بعد ایک شخص ان کے بیٹے شعیب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے والد ہر مہینے مجھے ایک سو دینار دیا کرتے تھے چنانچہ شعیب نے اسے ننانوے دینار دیئے تو اس شخص نے کہا کہ کیا ایک دینار مزید دینے سے آپ عاجز ہو گئے ہیں؟ تو شعیب نے جواب دیا کہ نہیں لیکن میں نے ایسا اپنے والد کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے کیا ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۷۹ھ بمطابق ۷۹۵عیسوی)

☆ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جس کے اہلیان اپنے سینوں میں قرآن اٹھائے ہوئے تھے۔
☆ دل انکے زھد اور تواضع کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔
☆ ان کی والدہ نے انہیں ایمان اور ادب کا دودھ پلایا تھا۔
☆ جب بھی حدیث بیان کرتے باوضو بیان کرتے۔

☆☆☆

امام دارالھجرۃ (مدینہ) امت کی حجت، شیخ الاسلام، ایک ذہین اور عقل مند انسان یہ ہیں حضرت امام مالک بن انس اصبحی مدنی۔ جو کہ ذی مروہ نامی علاقے میں پیدا ہوئے جو مدینہ منورہ سے ۹۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ علم سے محبت ہوگئی اور دل میں اس کے ساتھ شغف انگڑائی لینے لگا تو والدہ محترمہ نے علم کے کپڑے پہنا دیئے اور فرمایا جاؤ ربیعہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان کا ادب حاصل کرو۔

امام مالکؒ کا حافظہ بڑا قوی تھا اہل مدینہ کا سارا علم ان تک جمع ہو گیا تھا بہت زیادہ تلاوت کرنے والے اور راتوں کو طویل بکاء کرنے والے شخص تھے۔

امام مالکؒ کو خراج تحسین

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں اگر مجھے کہا جاتا کہ امت کے لئے امام چنو تو میں امام مالک کو چنتا۔ امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ واللہ میں نے ان سے زیادہ جلدی صحیح جواب دینے اور مکمل زھد والا شخص نہیں دیکھا۔ ابن وھب کا قول ہے کہ ''میری آنکھ نے امام مالک جیسا متقی پرہیز گار شخص نہیں دیکھا۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس کے دل میں امام مالک کے دل سے زیادہ ھیبت ہو۔

محمد بن خالد کہتے ہیں کہ جب میں امام مالک کے چہرے کی طرف دیکھتا تو میں ان کے چہرے میں آخرت کی نشانیاں دیکھتا اور جب وہ گفتگو کرتے تو میں جان لیتا کہ حق ان کے منہ سے نکل رہا ہے۔

امام مالکؒ اور زھد

امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں زھد تین چیزیں ہیں، پاکیزہ کمائی، کوتاہ امیدی، اور اللہ کے ہاں موجود نعمتوں پر اعتماد اور بھروسہ۔ اور فرمایا کہ "علم ایک نور ہے اور وہ سوائے متقی اور خشوع رکھنے والے دل کے کسی سے تعلق نہیں رکھتا۔" ایک اور جگہ فرمایا کہ جو چاہے کہ اس کے دل میں خوشیاں کھل جائیں اور وہ موت کی سختیوں اور قیامت کی ہولنا کیوں سے نجات پا جائے، تو اس کا عمل تنہائی میں اس کی جلوت سے زیادہ ہونا چاہیے۔

علم کی قدر و منزلت امام کی نظر میں

علم ان کے نزدیک بہت زیادہ عزت و شرف والا تھا اس لئے وہ صرف اس کے مستحق و لائق شخص کو علم سکھایا کرتے خاص طور پر رسول اکرم ﷺ کی احادیث کا علم۔

چنانچہ ایک دن ابن حازم کے پاس سے گذرے تو وہ حدیث پڑھا رہے تھے، امام مالک وہاں سے آگے بڑھ گئے کسی نے ان سے تذکرہ کیا تو فرمایا کہ وہاں جگہ نہیں تھی اس لئے میں وہاں سے آگے بڑھ گیا کیونکہ مجھے کھڑے ہو کر حدیث سننا ناپسند ہے۔

ابن مہدی ہمیں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، جس سے احادیث رسول اکرم ﷺ کی ان کے دل میں قدر و منزلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے ساتھ ایک دن چل رہا تھا عقیق کی طرف جا رہے تھے تو میں نے ان سے حدیث رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ تمہاری وقعت میری نظر میں اس سے زیادہ تھی کیا تم مجھ سے اس حال میں حدیث رسول اللہ ﷺ پوچھ رہے ہو کہ ہم دونوں چل رہے ہیں۔

جب امام مالک حدیث بیان کرنے لگتے تو وضو فرماتے اور اپنے بچھونے پر بیٹھ جاتے اور داڑھی میں کنگھی بھی کرتے اور بڑے وقار اور ہیبت سے تشریف فرما ہوتے پھر حدیث بیان فرماتے۔ ان سے کسی نے اس اہتمام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی تعظیم کروں۔

ہارون رشید حج کے لئے آیا تو امام مالکؒ کے ہاں بھی آیا اور دروازے پر آ کر داخل ہونے کی اجازت مانگی تو امام مالک نے اسے روک دیا پھر کچھ دیر بعد اجازت دی۔ جب ہارون اندر آیا تو اس نے کہا۔ اے ابو عبداللہ آپ نے ہمیں دروازے پر روک دیا؟ تو امام مالک نے فرمایا واللہ اے امیر المؤمنین میں نے اس سے زیادہ وقت نہیں لگایا کہ میں وضو کر لوں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ صرف احادیث رسول اللہ ﷺ سننے تشریف لائے ہیں لہٰذا میں نے یہ پسند کیا کہ میں اس کی تیاری کر لوں۔

تقویٰ وزھد

امام مالکؒ نے اپنی زندگی شبہات سے بچتے اور ڈرتے گذاری لہٰذا وہ کسی بھی معاملے پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ان کا نصب العین ہوتی۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی فتویٰ دینا چاہا تو میں نے خود سے زیادہ بڑے عالم سے ضرور پوچھ لیا کہ شاید وہ میرے لئے اس میں کوئی دوسرا مقام سمجھتے ہوں۔ اور جب فتویٰ دیتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے ...... ہم تو محض گمان کرتے ہیں اور ہمیں اس کا یقین نہیں ہے۔ (الجاثیہ آیت نمبر ۳۲)

امام مالکؒ زندگی بھر کسی مکان کے مالک نہ ہو سکے بلکہ وہ تاحیات کرائے کے گھر میں رہتے رہے۔ یہ گھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گھر تھا اس کے دروازے پر ''ماشاءاللہ'' لکھ دیا تھا۔

علم کے اصول کی پابندی

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں علم اور عالم کی ہیبت جمع کر دی تھی۔ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی حج کے لئے آیا اور اس نے امام مالکؒ کو بلوایا تا کہ اپنے دو بیٹوں موسیٰ اور

ہارون کو احادیث سنوائے۔ مگر امام مالک نے فرمایا اے امیر المؤمنین علم اس بات کا لائق ہے کہ اس کی توقیر کی جائے اور دیا جائے۔ تو مہدی نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو پھر اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ امام مالکؒ کے پاس چلے جائیں تو وہ دونوں امام مالکؒ کے ہاں جا کر ان کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ ہمیں حدیث سنائیے۔ امام مالک نے علماء کے انداز سے جواب دیا اس شہر میں استاد کے سامنے (شاگرد) پڑھتے ہیں جس طرح غلام پڑھتا ہے اور جب وہ غلطی کرتا ہے تو استاد بتا دیتا ہے۔

یہ سن کر وہ دونوں غصے میں وہاں سے اٹھ آئے اور مہدی کو بتا دیا۔ چنانچہ اس نے امام مالک کو بلوایا اور کہا کہ آپ نے پہلے ان کے پاس آنے سے منع کیا اور پھر جب یہ آپ کے پاس آ گئے تو آپ نے ان کو حدیث سنانے سے منع کر دیا تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ میں نے ابن شہاب کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نے یہ علم روضہ رسول ﷺ میں بڑے لوگوں سے حاصل کیا ہے کہ ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا ہے اور وہ کسی کے سامنے نہیں پڑھتے۔ مہدی نے یہ سن کر رضا مندی سے سر ہلایا اور اپنے بیٹوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا کہ جاؤ اور ان کے سامنے حدیث پڑھو۔ (ان جیسے حضرات کی زندگی میں رہنمائی ہے)

(ہمارے عام قاری کو ہم یہ بتاتے چلیں کہ اسلاف کے دور سے احادیث کی تعلیم کے سلسلے میں عام رواج یہ چلا آ رہا ہے کہ شاگرد لکھی ہوئی احادیث استاد کے سامنے پڑھتا اور استاد سنتا رہتا ہے غلطی ہوتی ہے تو استاد بتا دیتا ہے۔ امام مالکؒ نے مہدی سے یہی فرمایا تھا کہ میں نہیں پڑھوں گا تمہارے بیٹے پڑھیں گے جیسا کہ اس تعلیم کا دستور ہے۔)

خلفاء کو وعظ و نصیحت

ایک دن امام مالکؒ ہارون رشید کے پاس گئے اور اسے نصیحت کرنے اور مسلمانوں کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ترغیب دینے لگے۔ چنانچہ بہادری سے بھری

آواز سے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت وقدر کے باوجود لوگوں کی ہانڈیوں کے نیچے آگ پھونکتے تھے حتیٰ کہ ان کی داڑھی مبارک سے دھواں نکلنے لگتا اور لوگ تم سے اس کے بغیر راضی ہو چکے ہیں۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں جب رات کو لوگ سو چکے تھے تو میں رات کو نکلا اور حضرت امام مالکؒ بن انس کے پاس گذرا وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے الحمدللہ کے بعد سورۃ التکاثر پڑھی جب آخری آیت پر پہنچے تو بہت دیر تک روتے رہے اور اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی۔

امام مالکؒ کا معمول تھا کہ وہ نماز میں رکوع وسجود طویل کرتے تھے جب نماز میں کھڑے ہوتے تو گویا سوکھی لکڑی ہوتے ان کی کوئی چیز حرکت نہیں کرتی تھی۔ امام مالکؒ کی زیادہ تر عبادت چھپ کر ہوتی جہاں سے آپ کو کوئی نہ دیکھے چاہے رات ہو یا دن۔

امام مالکؒ کے خادم کا بیان ہے کہ چالیس سال سے زیادہ ہو گئے کہ بہت کم ایسا ہوا کہ فجر کی نماز آپ نے عشاء کے وضو سے نہ پڑھی ہو۔ یا آپ نے ایسی جگہ کھانا کھایا ہو جہاں لوگ آپ کو دیکھ رہے ہوں۔ آپ صرف ضرورت کے وقت بات چیت کرتے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ لوگ جہنم میں منہ کے بل صرف اسی کی وجہ سے جائیں گے یہ کہہ کر آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔

انکار نفس

زھد اور تواضع نے آپ کو نفس کے انکار اور شہرت کے ترک کی طرف دھکیل دیا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے مشورہ کیا کہ ان کی کتاب ''مؤطا'' کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو اس کے مطابق چلنے پر مجبور کیا جائے مگر آپ نے حیا اور شہرت کے خوف سے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی فروع میں رائے مختلف تھی اور وہ دنیا کے کونوں میں پھیل گئے تھے اور ہر شخص اپنی ذات میں صحیح تھا۔ (صحیح عمل کرنے والا تھا)

بشر بن عمر حکایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ ہنستے نہ تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہنسنا بے وقوفی کی طرف لے جاتا ہے اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہنسنا صرف مسکراہٹ ہوتی تھی۔

ایک دن امام مالک مدینے کے ایک والی کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ اس کے پاس بیٹھے اس پر تعریف کی برسات کر رہے ہیں یہ دیکھ کر امام مالکؒ کو غصہ آ گیا انہوں نے امیر کو دیکھتے ہوئے فرمایا اس بات سے بچو کہ یہ لوگ تمہیں تعریف کر کے دھوکے میں ڈال دیں کیونکہ جو شخص تمہاری تعریف کرے اور وہ اچھی بات کہے جو آپ میں نہیں تو ہو سکتا ہے وہ ایسی غلط بات بھی آپ کی طرف کہہ دے جو آپ میں موجود نہ ہو۔ لہٰذا تم ان کی تعریف اور اچھا کہنے سے ڈرو۔

عشق و ادب رسول ﷺ

امام مالک جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کا اتنا ادب فرماتے تھے کہ زندگی بھر مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر سوار نہیں ہوئے بلکہ پیدل ہی چلا کرتے تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ امام مالک کے ورع و تقویٰ اور نبی کریم ﷺ کے ادب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر خراسان کا ایک بہت خوبصورت گھوڑا کھڑا دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ بڑا خوبصورت ہے۔ امام مالک نے فرمایا یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ یہ گھوڑا اپنی سواری کے لیے رکھ لیجئے۔ تو امام مالک نے ادب کی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اس مٹی کو سواری کی ٹاپ سے روندوں جس میں اللہ تعالیٰ کے نبی مدفون ہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھتے۔ جنازوں میں حاضر ہوتے، مریضوں کی عیادت کرتے اور لوگوں سے ملتے جلتے، مگر اس کے بعد انتقال سے دو سال پہلے سے یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی (کہ مسجد نبوی ﷺ میں آنا جانا تک چھوڑ دیا) چنانچہ جب امام مالک کے انتقال کا وقت قریب

آیا تو فرمانے لگے کہ اگر آج دنیا میں میرا آخری اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن نہ ہوتا تو میں یہ بات ہرگز نہیں بتاتا کہ مجھے سلسل البول (پیشاب کے قطروں کی بیماری) کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا اور میں مسجد نبوی میں اس لیے نہیں آتا تھا کہ میں بغیر وضو کسی ایسی جگہ پر آؤں جہاں رسول اکرم ﷺ آتے تھے۔ اس جگہ کی قدر و منزلت کی بناء پر ایسا نہیں کیا۔ اور میں نے بیماری کے بارے میں کسی کو بتانا اس لیے ناپسند کیا کہ بیماری کا ذکر کر کے میں اپنے رب کا شکوہ کروں۔

وفات

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی۔ اتوار کا دن تھا۔ بائیس دن بیمار رہے۔ ابن کنانہ کے ساتھ ابن ابی الزبیر اور آپ کے صاحبزادے یحیٰ نے آپ کو غسل دیا اور آپ کے کاتب حبیب (اور یہ لوگ) آپ پر پانی ڈالتے تھے۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے اور جنازہ گاہ میں ہی جنازہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی یہ اپنے والد کی طرف سے مدینہ میں امیر تھا اور آپ کے جنازے کے ساتھ چلا اور میت کو کاندھا بھی دیا۔ آپ کا کفن پانچ دینار تک کا تھا۔

☆☆☆

سیدنا ضیغم بن مالک رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۸۰ ہجری بمطابق ۷۹۶ عیسوی)

- ☆ رونا جن کے زہد کا قبلہ تھا۔
- ☆ جس نے اپنے دل کو عبادت کی حلاوت چکھائی۔
- ☆ جس نے اپنے دل کو اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے غسل دیا۔

☆☆☆

نماز نے ان کی کمر کو جھکا دیا تھا جہنم کی آگ کی یاد نے ان کے لیے کوئی خوشی

نہیں چھوڑی تھی۔ اپنی زندگی کپکپاتے دل اور خائف ضمیر کے ساتھ گزاری۔ یہ ہیں ضیغم بن مالک' ابوبکر' راسبی بصری' زاہد' رہنما۔ ایک ربانی شخص جس نے علم تابعین سے حاصل کیا۔ ان کا معمول تھا کہ روزانہ چار سو رکعت نماز پڑھتے۔ خائف اور رونے والوں میں سے تھے۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے نیکی اور فضائل میں ضیغم جیسا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔

خالق کائنات کی رضا کی تلاش

ایک رات جب کہ آسمان میں ایمان کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ضیغم بن مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے مولیٰ ابوایوب کے پاس بیٹھے ساعت کو گفتگو سے معطر کر رہے تھے تو ایسے میں ضیغم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ میں اپنا گوشت کتر دوں تو میں قینچی منگا کر ابھی اپنا گوشت کاٹ دوں۔

ضیغم رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ رونے اور گریہ کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جدا نہیں ہوتے تھے (تھمتے نہ تھے)۔ ایک دن ان کی والدہ نے پوچھا ضیغم کیا تم موت کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں امی جان۔'' ماں نے پوچھا۔ ''وہ کیوں بیٹا؟'' تو فرمایا۔ ''میری کوتاہیوں اور نفس سے غفلت کی وجہ سے پھر وہ اتنا روئے کہ ماں بھی رونے لگیں حتیٰ کہ سب گھر والے جمع ہو کر رونے لگے۔

خوف آخرت

ایک دن مالک بن ضیغم جناب حکم بن نوح کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ حکم نے زبان کھولی اور ضیغم کی سیرت بیان کرنے لگے اور گفتگو کے دوران بتایا کہ ''ایک مرتبہ ہم تمہارے والد ضیغم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سمندری سفر پر تھے تو اس رات وہ پوری رات روتے رہے۔ نہ کوئی سجدہ کیا نہ رکوع۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اے ابو مالک پوری رات آپ نے نہ کوئی سجدہ کیا نہ دعا کی؟ یہ سن کر بہت دیر روئے اور جب آنسو کچھ کم ہوئے تو فرمانے لگے کہ اگر مخلوق کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل کیا ہوگا تو وہ زندگی

کے مزے کبھی نہ اڑائیں۔ واللہ رات کو جب میں نے اس کی ہولناکی اور سخت اندھیرے کو دیکھا تو مجھے روز حشر اور اس دن کی سختی کی یاد آ گئی۔ اس دن ہر شخص کے لیے صرف اپنی جان اہم ہوگی۔ والد اپنے بیٹے کو اور بیٹا اپنے باپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔"

یہ فرما کر بہت زور سے چیخ ماری قریب تھا کہ ان کی روح نکل جاتی اور وہ تھر تھرانے اور تڑپنے لگے۔

ایک دن ان کی والدہ نے انہیں پکارا' ضیغم! انہوں نے آہستگی سے جواب دیا کہ لبیک امی جان! والدہ نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے پاس جانے میں تمہاری خوشی کیا ہے؟ تو انہوں نے ایک زبردست چیخ ماری پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کی والدہ ان کے پاس بیٹھ کر روتے ہوئے کہنے لگیں۔ میرے والد تجھ پر قربان ہم تیرے رب کے کسی معاملے میں سے بھی کچھ تیرے سامنے ذکر نہیں کر سکتے۔

وفات

۱۸۰ ہجری میں ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ان کے دوست بسر بن منصور اور ان کا انتقال ایک ہی دن ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۸۱ ہجری بمطابق ۷۹۷ عیسوی)

☆ تقویٰ اور زہد کے ذریعے دنیا کے عرش پر چڑھ گئے۔
☆ اپنے دل میں ایک گھر بنایا جس کا چراغ ذکر الٰہی تھا۔ اور سامان انفاق تھا۔
☆ ان کی عباء میں خیر کی ہر خصلت جمع تھی۔

☆☆☆

ایسے شخص جس کے دل میں دنیا کی ہر خواہش مدہم ہوگئی تھی اور دنیا کی گہرائی کی نہران کے سامنے خشک ہوگئی تھی۔ یہ ہیں حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح تمیمی

مروزی۔ جن کی کنیت (ابوعبداللہ تھی) اور یہ متقین کے امیر' اہل مشرق کے سب سے بڑے عالم اور مسلمانوں کے امام تھے۔ حافظ' مجاہد اور تاجر تھے۔ علم کی تلاش کی تو بیس سال عمر تھی اور پھر ساری زندگی سفر میں گزار دی کبھی حج کا سفر تو کبھی جہاد کا سفر۔

ابن مبارک کا مرتبہ

فقہ' حدیث اور عربیت اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کا دل فقہاء کی مجالس کا دیوانہ بن گیا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس کو علم کے سمندر اور تقویٰ کے چمن میں پھینک دیا تھا۔ وہ بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاتے اور خود روزے سے ہوتے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابن مبارک مسلمانوں کے ایک سردار تھے۔ ہارون رشید کو جب ان کی وفات کی اطلاع ملی تو اس نے کہا۔ علماء کا سردار وفات پا گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض ایک مرتبہ ابن مبارک سے پوچھنے آئے کہ۔ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ علماء' فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تو بادشاہ کون ہیں؟ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ زاہدین۔

سخاوت وزہد

ابن مبارک فرماتے تھے کہ قریب تھا کہ ادب دین کا دو تہائی حصہ قرار پا جاتا۔
عبداللہ بن مبارک بڑے متقی پرہیزگار اور فقراء پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے انسان تھے۔ ایک سال میں ایک لاکھ درہم خرچ کیا کرتے تھے اور محتاجوں کے قرض وغیرہ ادا کرتے اور فرماتے کہ میں ایک درہم شبہ کی وجہ سے واپس کروں (یا چھوڑ دوں) یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک لاکھ درہم اور ایک لاکھ درہم صدقہ کروں (انہوں نے اور ایک کہتے کہتے چھ لاکھ درہم تک تعداد پہنچائی)۔

تقویٰ اور ورع

ایک دن حضرت حسن بصری' عبداللہ بن مبارک کے پاس تشریف لائے تو ایک کبوتری کو گھر کے آس پاس اڑتے دیکھا تو ابن مبارک بتانے لگے کہ پہلے ہم اس

کبوتری کے انڈوں کو استعمال کرتے تھے مگر اب نہیں کرتے۔ حضرت حسن نے پوچھا۔'' وہ کیوں؟ تو فرمایا کہ دراصل یہ کبوتری دوسروں کے کبوتروں کے پاس آتی جاتی رہتی ہے وہاں عمل تناسل بھی ہوتا۔ لہٰذا ہمیں یہ ناپسند ہے اس وجہ سے اب یہ انڈے دے اور ہم انہیں استعمال کریں۔ (کیونکہ مال غیر کی اس میں آمیزش ہو چکی ہے)۔

ایک مرتبہ اپنے ایک دوست سے شام میں انہوں نے قلم مستعار لیا جب واپس آنے لگے تو واپس دینا بھول گئے۔ چنانچہ ''مرو'' شہر پہنچے تو سامان میں اس قلم پر نظر پڑی تو اسی وقت وہیں سے واپس ہوئے اور اسے قلم واپس کر کے آئے۔

عبداللہ بن مبارک اپنی سواری پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ اچانک اذان ہوئی تو وہیں نماز ظہر کے لیے اتر گئے۔ اس دوران ان کی سواری نے اس گاؤں کی کھیتی سے جو کہ حکومت کی ملکیت تھی کچھ چر لیا تو انہوں نے تقویٰ کے باعث اس سواری کو چھوڑ دیا اور اس پر سوار نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید ''رقہ'' آیا ہوا تھا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مبارک بھی انہی دنوں وہاں تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق استقبال کے لیے نکلے۔ ہجوم کی کثرت سے بہت شور وشغب ہوا اور رقہ شہر میں ایک زبردست ہلچل مچ گئی۔ ہارون رشید کی ایک ام ولد لڑکی نے محل کے برج سے نیچے جھانکا جب لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان کے ایک عالم رقہ آئے ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ تو وہ کہنے لگی کہ واللہ! یہ ہیں اصل بادشاہ۔ ہارون کی کیا حکومت ہے؟ یہ لوگ تو عوام کو فوج اور مددگاروں کے ذریعے جمع کر پاتے ہیں۔

کرامات اور دعا کی قبولیت

عبداللہ بن مبارک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات بھی تھے۔ ایکدن عبداللہ بن مبارک ایک اندھے کے پاس سے گزرے (تو اندھے سے بات چیت ہوئی)۔ تو اس نے کہا کہ اے ابن مبارک۔ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میری

بینائی لوٹا دے۔ حضرت ابن مبارک نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بینائی لوٹا دی۔

تنہائی پسند تھے

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی سیرت کے مطابق شب بیداری کا معمول تھا۔ کسی نے کہ کہا کہ آپ تنہائی سے گھبراتے نہیں؟ فرمایا میں کیوں گھبراؤں؟ حالانکہ میں تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ہمراہ ہوتا ہوں۔

وفات

آپ کی وفات فرات کے کنارے واقع ''ہیت'' نامی شہر میں ہوئی جبکہ آپ چار مضان ۱۸۱ ہجری کو ایک جہادی مہم سے واپس آ رہے تھے۔ اس وقت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ العمری رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۸۷ ہجری بمطابق ۸۰۰ عیسوی)

☆ تاریخ نے ان کا نام نور کی روشنائی سے لکھا۔
☆ ایسا شخص جس کی ہیبت نے بادشاہ کے تخت ہلا دیئے۔
☆ اگر ان کا تقویٰ ایک ہزار گناہگاروں کو تقسیم کر دیا جائے تو وہ سب اللہ کے ولی بن جائیں۔

☆☆☆

وہ اللہ کے لیے دنیا میں ایسے تھے جیسا کہ وہ چاہتے تھے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسا ہو۔ ان کے الفاظ بڑے بردبار سچے اور کانوں میں بجلی کی کڑک کی طرح تھے۔ یہ ہیں عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ ابوعبدالرحمٰن العمری' جو کہ امام' رہنما'

زاہد و عابد اور ایمان کے بڑے پختہ تھے۔

بڑے پرہیزگار اور اللہ کے لیے سب سے کٹے ہوئے تھے۔ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہتے۔ کم روایت کرنے والے' حق بات کرنے والے' اللہ کے حقوق میں کسی کی ملازمت کی پرواہ نہ کرنے والے انسان تھے۔ ہارون رشید پر ان کا بڑا رعب تھا۔ عمری بھی اس کے دارالحکومت میں جا کر اس کو وعظ و نصیحت کرتے اور آخرت کا خوف دلاتے۔

تقویٰ وزہد

حکمرانوں اور کسی اور سے بھی کوئی چیز نہ لیتے تھے۔ ان کے قریبی لوگوں میں یا جاننے والوں میں سے کوئی حکومت کا مقرب یا عہدیدار بنتا تو اس سے بات نہ کرتے۔ چنانچہ جب ان کا بھائی مدینہ منورہ کا والی بنا تو اس سے بات چیت چھوڑ دی۔ قبرستان میں رہتے اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی جس کا مطالعہ کرتے رہتے اور فرماتے کہ

قبرستان سے اچھا واعظ' کتاب سے اچھا غمگسار اور تنہائی سے اچھا محافظ کوئی نہیں۔ ان کا ایک حکمت بھرا قول یہ ہے کہ

''تمہاری اپنے آپ سے غفلت یہ ہے کہ تم اللہ سے اعراض کرو۔ وہ یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے ناراض ہوتا ہے پھر بھی ناراضگی کا کام کرو۔ اور مخلوق کے ڈر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔''

حکمرانوں کو وعظ و نصیحت

مصعب زبیری کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عبداللہ عمری سے زیادہ بارعب شخص نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید حج کے لیے مکہ آیا جس وقت وہ مروہ سے اتر کر صفا کی طرف جا رہا تھا اسے عبداللہ عمری نے آواز دی۔ اے ہارون! اس نے کہا چچا جان میں حاضر ہوں۔ عمری نے فرمایا صفا پر چڑھو۔ چنانچہ جب وہ صفا پر چڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ تو عمری نے فرمایا کہ بیت اللہ کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھنے لگا۔ تو عمری نے پوچھا کہ

کتنے لوگ طواف کرر ہے ہیں؟ اس نے کہا کہ ''بے شمار لوگ ہیں۔ تو عمری نے کہا۔ ہارون یہ بات جان لو کہ یہ سب لوگ صرف خاص اپنے نفس کے بارے میں (قیامت میں(جواب دیں گے مگر ان سب کے بارے میں تجھ اکیلے سے پوچھ ہوگی۔'' یہ سن کر ہارون رونے لگا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔عمری اسے اسی حال میں چھوڑ کر لوٹ گئے۔

تقویٰ کی اہمیت

ایک شخص عمری کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو عمری نے زمین پر ایک کنکری اٹھا کر فرمایا کہ اس کے وزن کے برابر تقویٰ اگر تیرے دل میں داخل ہو جائے تو وہ تمام زمین والوں کی نماز سے بہتر ہے۔تو اس شخص کے آنسو آنکھوں میں بھر آئے کہنے لگا اور بھی فرمایئے۔تو عمری نے فرمایا۔ کہ جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے کل کو جس طرح ہو تو تو بھی آج اس کے لیے اسی طرح ہو جا۔

آخری لمحات

عمری رحمۃ اللہ علیہ کمزور جسم کے ساتھ بستر پر پہنچ گئے۔ بیماری کے نوکیلے دانت ان پر گڑ چکے تھے اور جب موت کی غشی ان پر طاری ہوئی تو اپنے لبوں کو جنبش دی فرمایا کہ اگر دنیا میرے قدموں کے نیچے ہو اور اسے لینے کے لیے صرف مجھے اپنے قدم اوپر کرنے (اٹھانے) پڑیں تو میں تب اتنا بھی نہ کروں گا۔میرے پاس سات درہم ہیں جو مجھے درخت چھیلنے کی اجرت میں ملے تھے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے چھیلا تھا۔

وفات

پھر ان کی روح فرشتوں کے جھرمٹ میں آسمان پر چلی گئی۔ اس وقت ۱۸۴ ہجری تھا۔اور ان کی عمر چھیاسٹھ برس تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۸۷ ہجری بمطابق ۸۰۳ عیسوی)

☆ صالحین کی درسگاہ کے طلبگار جنہوں نے اپنے دل اور جوارح کے ساتھ خود کو ہمیشہ زندہ رہنے والوں کے قافلے سے ملا لیا تھا۔

☆ جنہوں نے اپنے سینے پر زہد اور تقویٰ کا تمغہ سجا لیا تھا۔

☆ ان کے دل میں نفس پر عتاب کرنا جاگزیں ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اسلام نے انہیں یہ موقع دیا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں اپنا نام لکھوا دیں۔ اکابر صالحین میں سے تھے۔ یہ ہیں حضرت ابو علی فضیل بن عیاض تمیمی خراسانی، مسلمان زاہدین کے سرداروں میں سے ایک سردار۔ جو سمرقند میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔

ابتداء میں رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا مگر ایک دن گھر کی چھت پر بیٹھے تھے کہ کہیں سے کسی کی تلاوت کی آواز آئی جو تلاوت کر رہا تھا۔

﴿اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾

(الحدید: ۱۶)

(ترجمہ) کیا ایمان والوں کے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور سچی نازل شدہ کتاب کے لیے جھک جائیں۔ سنتے ہی آنسو بھری آواز میں فرمایا۔ کیوں نہیں؟ اے رب۔ پھر اس کے بعد زمین میں سیاحت کرنے علم حاصل کرنے اور تقویٰ ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑے اور پھر مکہ میں جا کر مقیم ہوئے اور ساری زندگی بیت اللہ کا مجاور بن کر گزاری دی۔

خوف اور زہد

فضیل نے اپنی زندگی، آخرت کے خوف، زہد اور دوزخ کے ڈر کے ساتھ گزاری ان کی پیشانی اللہ تعالیٰ سے حیات کے عرق سے آلودہ رہتی۔ ابراہیم بن اشعث

بیان کرتے ہیں کہ میں نے فضیل جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑائی ہو۔ چنانچہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا' یا یہ خود کرتے تو ان پر خوف طاری ہو جاتا اور ان کی آنکھیں شدت فکر سے بہہ پڑتیں۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے فضیل سے زیادہ ڈرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

حکمت ان کی میراث تھی۔ دلوں تک حقیقت کو آشکارا کر دیا کرتی تھی۔ ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ زہد کیا ہے؟ فرمایا قناعت۔'' سوال کیا گیا۔ ورع کیا ہے؟ فرمایا حرام چیزوں سے بچنا' پھر سوال کیا گیا کہ عبادت کیا ہے؟ فرمایا فرائض کا ادا کرنا۔ پوچھا گیا کہ تواضع کیا ہے؟ فرمایا تواضع یہ ہے کہ تو حق کے ساتھ جھک جائے۔ فضیل یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریا کاری ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے۔

دنیا میں زندگی گزارنے کا انداز

دنیا میں اس طرح چلے کہ ان کا دل خوف اور رنج سے بھرا تھا۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ دور ہو چکی تھی۔ ابوعلی الرازی کہتے ہیں کہ میں فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تیس سال رہا مگر میں نے انہیں ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا سوائے اس دن جب کہ ان کا بیٹا انتقال کر گیا تھا۔ تو میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معاملے کو پسند کیا تو میں نے بھی کیا۔

خلوت پسندی

فضیل رحمۃ اللہ علیہ تنہائی پسند فرماتے تھے ان کے دل میں نفس کو سزا دینا بیٹھ گیا تھا چنانچہ جس وقت اکیلے ہوتے وعظ کا ڈنڈا نکال کر نفس کی خوب پٹائی کرتے اور فرماتے کہ تو نے لوگوں کے لیے سنگھار کیا اور بناوٹ سے کام لیا۔ خوب تیار ہو کر ان کے سامنے ریا کاری کرتا رہا حتیٰ کہ وہ تجھے پہچاننے لگے اور کہنے لگے کہ یہ نیک آدمی ہے۔ اس لیے

تیری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تیرے لیے مجلس میں جگہ خالی کرتے ہیں۔ تیری تعظیم کرتے ہیں۔تو ناکام ہو۔اگر یہی تیرا حال ہےتو تیرا کتنا برا حال ہے۔

رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے سے عشق تھا۔مسجد میں ان کی ایک چٹائی رکھی تھی چنانچہ جب رات گھروں کو اپنی تاریکی میں لپیٹ لیتی تو یہ مسجد میں داخل ہوتے اور رات کے اول حصے سے نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔حتیٰ کہ نیند ان کی آنکھوں پر غلبہ کرنے لگتی تو تھوڑی دیر کے لیے چٹائی پر لیٹ کر سو لیتے۔ پھر دوبارہ اٹھ کر نماز میں لگ جاتے پھر نیند کا اگر غلبہ ہوتا تو تھوڑی دیر سو لیتے۔اس کے بعد پھر دوبارہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے، صبح تک یہی معمول رہتا۔

ابن اشعث بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات انہیں بار بار یہ پڑھتے سنا۔

﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ وَ نَبۡلُوَا۟ اَخۡبَارَكُمۡ﴾ (سورہ محمد : ۳۱)

''اور ہم تم کو آزمائیں گے حتیٰ کہ تم میں مجاہدین اور صابرین کو جان لیں اور تمہارے قصوں کو جانچ لیں۔''

پھر فرمانے لگے کہ اگر تو نے ہمارے قصوں کو جانچا تو ہمیں رسوا کرے گا۔ اور ہمارے عیوب کو افشا کرے گا ہمیں ہلاک کرے گا سزا دے گا۔اس کے بعد بہت دیر تک روتے رہے۔

اقوال زریں

حضرت فضیل بن عیاض کے الفاظ نورانی تھے جو فوراً ہی دل میں بیٹھ جاتے۔

فضیل لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے کہ دنیا مستقل رہنے کی جگہ نہیں ہے۔حضرت آدم کو سزا کے طور پر یہاں اتارا گیا تھا۔

فرماتے کہ تمہارے دلوں پر ایمان کی حلاوت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ تم دنیا میں زہد اختیار نہ کرو۔

دل کی سختی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ دو خصلتیں دلوں کو سخت کر دیتی

ہیں۔ بہت زیادہ بولنا اور بہت زیادہ کھانا۔

خلیفہ ہارون رشید بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھ نے فضیل بن عیاض جیسا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ میں ایک دن ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اپنے دل کو آخرت کے رنج اور خوف کے لیے خالی رکھو حتیٰ کہ یہ دونوں اس میں مقیم ہو جائیں۔ پھر یہ تجھے گناہوں سے کاٹ دیں گے اور جہنم کی آگ سے دور کر دیں گے۔

ایک دن ہارون رشید نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو فرمانے لگے۔ کس بات کی نصیحت کروں یہ اللہ کی کتاب دو جلدوں کے درمیان ہے۔ اس میں دیکھ لو کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ان کے ساتھ کیا ہوا اور جنہوں نے اس کی نافرمانی کی ان کے ساتھ کیا ہوا؟''

خلیفہ ہارون اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ ہارون رشید حج کے لیے آیا تو اس کے دل میں کوئی بات کھٹکنے لگی۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی تو اس نے حاجب ابن ربیع سے کہا کہ کوئی (عالم) شخص دیکھو اس سے میں کچھ سوال پوچھوں۔ ربیع نے کہا کہ یہاں سفیان بن عینیہ ہیں۔ ہارون نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو چنانچہ دونوں ان کے پاس آئے۔ ربیع نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت سفیان نے پوچھا' کون ہے۔'' جواب دیا کہ امیر المومنین سے ملئے۔ تو وہ تیزی سے نکلے اور فرمایا امیر المومنین اگر مجھے بلوا لیتے تو میں آ جاتا۔ پھر ہارون نے ان سے کچھ دیر باتیں کیں اور پھر فرمایا آپ پر کچھ قرض ہے۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں ہے' تو ہارون نے ابن ربیع کو کہا کہ ان کا قرض ادا کر دینا۔

جب دونوں وہاں سے نکلے تو ہارون نے کہا کہ تمہارے ان صاحب نے میری کوئی تشفی نہیں کی۔ کوئی اور شخص بتاؤ۔ اس نے کہا کہ یہاں عبدالرزاق ہیں۔ چنانچہ یہ ان کے ہاں گئے اور پھر وہاں وہی کچھ ہوا جو سفیان کے ہاں ہوا تھا۔ پھر ہارون نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ پر قرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں ہے۔ ہارون نے ابن ربیع کو کہا کہ ان کا قرض ادا کر دینا۔ پھر یہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔

باہر نکل کر ہارون رشید نے کہا۔ میری ان سے بھی تشفی نہیں ہوئی مجھے کسی اور کے پاس لے چلو۔ چنانچہ ربیع نے کہا یہاں فضیل بن عیاض رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں فضیل کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے فضیل نے پوچھا کون ہے' ابن ربیع نے کہا امیر المومنین آئے ہیں ان سے ملیے۔ تو فضیل نے کہا کہ میرا امیر المومنین سے کیا کام۔ ابن ربیع نے کہا۔ سبحان اللہ! کیا آپ پر ان کی اطاعت فرض نہیں؟ چنانچہ فضیل نے دروازہ کھول دیا اور پھر گھر کے دور کونے میں چلے گئے۔ مکان میں اندھیرا تھا لہٰذا ابن ربیع اور ہارون رشید ٹٹولنے لگے حتیٰ کہ ہارون کا ہاتھ فضیل رحمۃ اللہ علیہ پر پڑ گیا۔

حضرت فضیل نے فرمایا۔ ہائے یہ ہاتھ کتنا نرم ہے اگر کل اللہ کے عذاب سے بچ جائے تو پھر ہارون سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنے تو انہوں نے خلافت کو اپنے لیے مصیبت شمار کیا اور تم لوگ اسے نعمت خیال کرتے ہو۔ انہوں نے علماء کو جمع کیا تا کہ وہ انہیں مشورہ دیں۔

چنانچہ حضرت سالم بن عبداللہ نے انہیں فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھ لو اور تمہاری افطار اس میں موت پر ہو۔ ابن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو مسلمانوں میں بڑی عمر کا شخص تمہاری نظر میں باپ کے برابر درمیانی عمر کا شخص بھائی اور چھوٹی عمر کا شخص بیٹا ہونا چاہیے لہٰذا اپنے والد کی توقیر کرو' اپنے بھائی کا اکرام کرو اور اپنے بیٹے پر شفقت کرو۔ حضرت رجاء بن حیوہ نے فرمایا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات چاہتے ہو تو عام مسلمانوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اور ان کے لیے وہ ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ پھر جس طرح چاہو مر جاؤ۔ (بے پرواہ ہو کر موت گلے لگا لو)

میں بھی تمہیں یہی کہتا ہوں اور تمہارے لیے اس دن کا سخت خوف رکھتا ہوں جس دن قدم ڈگمگا جائیں گے۔ امیر المومنین کیا آپ کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اس طرح کی باتیں آپ سے کریں؟ ہارون رشید یہ سن کر بہت زیادہ رویا حتیٰ کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ ابن ربیع نے کہا۔ امیر المومنین کے ساتھ نرمی کیجیے؟ تو حضرت فضیل بولے

اے ربیع کی ماں کے بیٹے۔ قتل تو اسے تم اور تمہارے ساتھی کر رہے ہو اور نرمی میں کر رہا ہوں۔ پھر جب ہارون کو افاقہ ہوا تو اس نے کہا کچھ اور بھی فرمایئے

تو فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اے خوبصورت چہرے والے تو وہ شخص ہے جس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کے بارے میں پوچھے گا۔ اگر تو اپنے آپ کو اس آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا لے۔ ہارون پھر رونے لگا اور پھر پوچھا کہ کیا آپ پر کوئی قرض ہے؟ فضیل نے فرمایا ہاں مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس پر وہ میرا محاسبہ نہ کرے۔ اگر اس نے مجھ سے سوال کر لیا تو میرے لیے ہلاکت ہے۔ اگر جرح کی تو ہلاکت ہے اور اگر مجھے میری حجت الہام نہ ہوئی تو بھی میرے لیے ہلاکت ہے۔

ہارون رشید نے کہا کہ میرا مطلب ہے کہ بندوں کا کوئی قرض ہے؟ فضیل نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس کا حکم نہیں دیا مجھے صرف وعدہ سچا کر دکھانے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہارون نے کہا یہ ہزار دینار ہیں انہیں لے لیجئے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کر لیجئے گا اور اس سے رب کی عبادت پر طاقت حاصل کیجئے گا۔ مگر فضیل نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا سبحان اللہ! میں تو تمہیں نجات کا راستہ بتا رہا ہوں اور تم اس کا بدلہ اس جیسی چیز سے دے رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور توفیق عطا فرمائے۔

ہارون اس کے بعد وہاں سے نکل آیا اور ابن ربیع سے کہنے لگا۔ اے ابو عباس اگر تم مجھے کسی شخص کے بارے میں نشاندہی کرو تو اس جیسے شخص کے بارے میں کیا کرو۔ یہ شخص مسلمانوں کا سردار ہے۔

وفات

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی روح ۱۸۷ ہجری میں رب تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ان کا انتقال مکۃ المکرمہ میں ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۲ ہجری بمطابق ۸۱۸عیسوی)

☆ اپنی زندگی کو اس طرح ڈھال لیا جو کسی خیال کے مشابہ ہو۔

☆ اپنے تقوے میں منفرد تھے' یکتا شخص تھے۔

☆ اپنے گھر میں چالیس ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا۔

☆☆☆

ان کا ہاتھ کسی کے سامنے نہیں پھیلا۔ تنگدستی کو ترجیح دی' کھردرے کپڑے پہنے۔ ان کی عزت بادشاہوں کی عزت سے بڑھ کر تھی' بافضیلت رہنما اور مسلمانوں کے امام' یہ ہیں حضرت عبداللہ بن ادریس اودی کوفی' نامور حفاظ میں سے تھے' عبادت گزار اور اپنی مرویات میں حجت تھے۔ ان میں ایسی کشش تھی جو احترام کو واجب کرتی تھی اور ایسا انداز تھا جو سر جھکانے کو واجب کرتا تھا۔ ان کے اور امام مالک کے درمیان سچی دوستی قائم ہو گئی تھی۔ ان کا مذہب اہل مدینہ کا مذہب تھا۔ انہیں ہارون رشید نے عہدہ قضا کی پیشکش کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابن ادریس یکتائے زمانہ انسان تھے۔ ابن عرفہ کہتے تھے کہ کوفہ میں میں نے ان سے زیادہ افضل شخص نہیں دیکھا۔

زھد وتقویٰ

ان کے زہد اور تقویٰ کے بارے میں حسن بن ربیع نقل کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن ادریس کے پاس تھا۔ جب میں وہاں سے اٹھا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ڈول مشکیزے کی قیمت پوچھ کر آؤ۔ تو جب میں جانے لگا تو مجھے واپس بلایا اور فرمایا کہ مت پوچھنا۔ کیونکہ تم مجھ سے حدیث لکھتے ہو اور مجھے یہ پسند نہیں کہ جو مجھ سے حدیث سنتا ہو میں اس سے کوئی اپنی ضرورت کی بات کہوں۔

ابن ادریس ہارون رشید کے پاس گئے تو ہارون نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔" ہارون رشید نے کہا کہ آپ کے شہر والوں نے مجھ سے قاضی مانگا تھا اور انہوں نے کچھ ناموں میں آپ کا نام بھی دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اپنی امانت میں شریک کرلوں اور آپ کو بھی امت کے اس اچھے معاملے میں شامل کرلوں۔ لہٰذا اپنا عہدہ لو اور شہر واپس چلے جاؤ۔ ابن ادریس نے جواب دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ ہارون نے غصہ میں کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا ہی نہ ہوتا۔ (کچھ سمجھا نہ ہوتا) ابن ادریس نے فرمایا میری بھی یہی خواہش ہے کہ میں نے آپ کو نہ دیکھا ہوتا۔

یہ کہہ کر ابن ادریس وہاں سے نکل گئے۔ پیچھے سے ہارون نے ایک قاصد کے ہاتھ پانچ ہزار درہم بھجوائے۔ قاصد نے انہیں کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہ اس رقم سے آپ اپنے سفر میں مدد لیں۔ تو ابن ادریس نے منع کر دیا اور رقم نہ لی۔ پھر ہارون رشید نے انہیں ایک رقعہ بھجوایا۔ جس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف کرے۔ ہم نے آپ سے اپنے اعمال میں شامل ہونے کی درخواست کی مگر آپ نہ مانے پھر ہم نے آپ سے اپنے اموال کے ذریعے صلہ رحمی کرنا چاہی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ لیکن جب آپ کے پاس میرا بیٹا مامون آئے تو اسے حدیث ضرور بیان کرنا انشاء اللہ تو ابن ادریس نے قاصد کو جواب دیا کہ مامون جب ہمارے پاس جماعت کے ساتھ آئے گا تو ہم اسے حدیث ضرور سنائیں گے۔

وفات

جب عبداللہ بن ادریس کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیٹی رونے لگی۔ تو انہوں نے فرمایا میری بچی مت رو۔ میں نے اس گھر میں چالیس ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے۔ ۱۹۲ ہجری کو کوفہ میں آپ کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۴ ہجری بمطابق ۸۱۰ عیسوی)

☆ انہوں نے اپنا سارا مال خرچ کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاس ان کے کفن کی قیمت بھی نہ مل سکی۔

☆ زھد کے سمندر میں ورع کے سفینے کے ناخدا۔

☆ قرآن میں سے بیس سال تک یوں عمل کیا حتیٰ کہ دنیا کو آخرت سے ممتاز کر دیا اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتیں ان کے نزدیک مخلوق کے پاس موجود اشیاء سے زیادہ قابل بھروسہ تھیں۔

☆☆☆

مشرق میں زاھدین کے سورج، متقین کے چراغ، خراسان کے مشہور مشائخ میں سے ایک زاہد، یہ ہیں حضرت شقیق بن ابراہیم بن علی ازدی بلخی، ابو علی۔ بڑے مجاہد تھے دین کے دشمن سے نیت کی اصلاح کے ساتھ تلوار اور نفس سے جہاد کرتے۔ انسانوں کے خزانوں کی معرفت میں بڑے باخبر تھے۔ دنیا سے بے رغبت ہو گئے (زھد اختیار کیا) اور اپنا سارا مال اللہ کے لئے خرچ کر دیا اور علم اور تقوے کو تلاش کرتے رہے۔

ان کے ایک پوتے کا کہنا ہے کہ میرے دادا کے اپنے تین سو گاؤں تھے مگر ان کو کفن دینے کے لئے کپڑا میسر نہ ہو سکا تھا۔

توبہ کی علامت

حضرت شقیق بلخی سے پوچھا گیا کہ توبہ کی علامت کیا ہے؟ ان کی آنکھ میں آنسو بھر آئے جواب دیا کہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر روئے۔ آئندہ گناہ میں پڑنے سے خوف کھائے۔ برے دوستوں کو بالکل چھوڑ دے اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔

اور فرمایا کہ جو شخص اپنی مصیبت کا اللہ کے سوا کسی اور سے شکوہ کرے وہ اطاعت کی حلاوت نہیں پائے گا۔

زھد کی ترغیب

ایک مرتبہ ان کے ہاں طلبہ کی ایک جماعت کتاب اللہ کی ایک آیت کی تفسیر پوچھنے آئی تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس شرط پر درس دوں گا کہ تم میرے پاس دو پہر کا کھانا کھاؤ گے تو انہوں نے یہ شرط مان لی تو حضرت شقیق بلخی پڑھانے آئے۔ پھر جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے ان کے سامنے جو کی روٹی سرکہ اور زیتون کا تیل رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو جنت الفردوس کی طلب رکھتا ہے اور جہنم کی لپیٹوں سے دور بھاگتا ہے۔

شقیق بلخی مہمانوں کو بہت پسند فرماتے تھے اور فرماتے کہ مجھے مہمان سے زیادہ کوئی اور پسند نہیں کیونکہ مہمان کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا اجر مجھے ملتا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

دنیا کے لئے لوگوں سے آگے نکلنے کی دوڑ کو ناپسند کرتے تھے اور ان سے وہ کچھ اخذ کرتے جس میں آخرت کے لئے خیر ہو اور اپنے اصحاب اور آخرت کے طلب گاروں کو وعظ و نصیحت فرماتے کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح رہو کہ جس طرح آگ کے پاس بیٹھتے ہو اس کا فائدہ لو اور اس سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں جلا نہ ڈالے۔

حکمرانوں سے دور رہنا

طویل عرصے کے بعد شقیق بلخی تین سو زاہدوں کے ہمراہ نیشاپور پہنچے اور یہ خبر اڑتے اڑتے خلیفہ مامون رشید کے کانوں تک پہنچ گئی تو مامون نے انہیں اپنے پاس بلوایا تاکہ ان کے ساتھ بیٹھے۔ مگر حضرت شقیق بلخیؒ نے منع فرما دیا۔

شہادت

۱۹۴ ہجری میں حضرت شقیق بلخی ترک علاقے میں ماوراء النہر کے ایک جنگ، جنگ کولان میں جام شہادت نوش فرما گئے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۰ ہجری بمطابق ۸۱۰ عیسوی)

☆ جس نے خواہشات کی ظلمت کو زھد کے آفتاب کے ذریعے دور کیا۔

☆ چالیس سال اس طرح گذارے کہ دو قمیضوں کے مالک بھی نہ تھے۔

☆ دنیاوی عزت کے لئے دنیا والوں سے مقابلہ نہیں کیا اور دنیاوی کمتری سے پریشان نہیں ہوئے۔

☆☆☆

امراء ان کے محتاج تھے اور یہ ان کے عطایا سے بے پرواہ تھے۔ تقویٰ نے انہیں ان کی کتابوں کو دفن کرنے پر مجبور کر دیا جنہیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا...... یہ ہیں یوسف بن اسباط شیبانی، ابو محمد، زاھد اور واعظ انطاکیہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ ملک شام کے بڑے عبادت گذاروں اور قراء میں سے تھے۔ اہل زمانہ کے اخیار میں سے تھے۔ اپنے پیٹ کی حفاظت کی اور اس میں خالص حلال چیز ہی ڈالی اور اگر حلال نہ ملا تو مٹی ہی پھانک لی۔ (مراد یہ ہے کہ بھوکے رہے)

ایک نے آکر سوال کیا کہ زھد کیا؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں سے بے رغبت رہے اور جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں اگر ان کا ارتکاب کرے گا تو اللہ تجھے عذاب دے گا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ زھد کی انتہاء کیا ہے؟ فرمایا کہ جو چیز ہاتھ آئے اس سے خوش مت ہو اور جو چلی گئی اس پر افسوس مت کرو۔ اس نے پھر پوچھا کہ تواضع کی غایت کیا ہے؟ فرمایا کہ تو گھر سے نکلے تو جس سے ملے تو یہ سمجھے کہ وہ شخص تجھ سے افضل ہے۔

فرماتے کہ مجھے چالیس سال ہو گئے کہ ایک ساتھ دو قمیض میری ملکیت میں نہ آئیں اور جو چیز میرے دل میں کھٹکتی میں نے اسے چھوڑ دیا۔

فرماتے کہ بھوک دل کو نرم کرتی ہے اور بھوک زمین کی ہر نیکی کی بنیاد ہے۔

ابن اسباطؒ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بولا جانے والا کوئی کلمہ کوئی لفظ منہ میں چھپا کر نہ رکھتے تھے۔

ایک دن ایک امیر آپ کی خدمت میں کوئی مسئلہ پوچھنے آیا اس نے سر پر شاشی ٹوپی پہن رکھی تھی یوسفؒ نے اسے اس کی ٹوپی کی وجہ سے ناگواری سے دیکھا اور فرمایا کہ میرے استاد محترم حضرت سفیان ثوریؒ اس طرح کا لبادہ پہننے والوں کو فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے۔ یہ سن کر اس امیر نے سر سے ٹوپی اتار کر ایک طرف رکھ دی تو یوسف ابن اسباط نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

امراء اور بادشاہوں کے عطایا قبول نہ کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی نصیحت کرتے۔ ایک مرتبہ کسی امیر نے کچھ بھیجا تو فرمایا کہ ''میرے ہاتھ پاؤں کا کاٹ دیا جانا مجھے اس مال کو کھانے سے زیادہ پسند ہے۔

وفات

۱۹۰ ہجری میں آپ کی روح اللہ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۷ ہجری بمطابق ۸۱۲ عیسوی)

☆ اپنے نفس کے پیچھے لگے رہے حتی کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔
☆ ان کی صفات ان کی حالت سے زیادہ فائق تھیں۔
☆ دائمی رنج کے ذریعے دل کا نور حاصل کر لیا۔
☆ اپنے نفس کو اطاعت کے ڈنڈے سے سیدھا کر دیا۔

☆☆☆

دنیا ان کے نزدیک ایسا گھر تھی جس میں قیام بہت تھوڑا ہے اور دنیا کی ہر مصاحبت جدائی والی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی بدحالی اور تنگ دستی کے ساتھ گذاری۔ یہ

ہیں حضرت وکیع بن جراح الرؤاسی، ابوسفیان، جو اپنے زمانے میں مسلمانوں کے امام تھے۔ حافظ اور ثبت (معتبر) اہل عراق کے محدث۔

جو کہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بیت المال کے نگران تھے یہ مختلف علاقوں میں فقہ اور علم کی تلاش میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ علم کا ایک سمندر بن گئے۔ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے انسان تھے ایک دن ایک رات میں قرآن کریم ختم کرتے، اپنے سر پر دنیاوی مفلسی کو اٹھائے بڑی غمگین زندگی گذاری۔

علم وخشیت میں مرتبہ

جب حضرت سفیان ثوریؒ کی وفات ہوئی تو وکیع ان کے جانشین ہوئے۔ امام احمد ان کی بڑی تعظیم وتوقیر فرماتے تھے۔

حضرت وکیع احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا احترام کرتے جب حدیث بیان کرتے تو قبلہ رخ ہو کر کرتے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر آپ وکیع کو دیکھ لیتے تو جان لیتے کہ آپ نے اس جیسا کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اور فرماتے کہ میری آنکھوں نے ان جیسا شخص کبھی کوئی نہیں دیکھا۔

مروان طاطری کہتے ہیں میں نے وکیع بن جراحؒ جیسا خشوع والا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ اور میرے سامنے جب بھی کسی کی تعریف کی گئی تو وہ بیان کردہ تعریف سے کم درجے کا نکلا۔ مگر وکیع اپنی بیان کردہ تعریف سے بھی اونچے درجے کے انسان نکلے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے محض اللہ کی رضا کے لئے حدیث بیان کرتے صرف حضرت وکیع کو دیکھا۔ وہ دنیا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مردار کی طرح ہے اس سے صرف اتنا لو جو تمہیں کھڑا کر سکے۔

سالم بن جنادہ فرماتے ہیں کہ میں وکیعؒ کی خدمت میں سات سال رہا میں نے ہمیشہ انہیں قبلہ رخ دیکھا اور کبھی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علی بن حشرم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کو کبھی ہاتھ میں کتاب لئے نہیں دیکھا وہ

حافظے سے حدیث پڑھاتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے حافظے کی دوائی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ، اگر میں تمہیں دوا بتاؤں تو استعمال کرو گے؟ میں نے عرض کیا ضرور کروں گا۔ فرمایا کہ گناہوں کو چھوڑنا۔ یاداشت اور حافظے کے لئے میں نے اس جیسی کسی دوسری چیز کا تجربہ نہیں کیا۔

حضرت امام شافعیؒ بھی اپنے شیخ کا یادداشت کے لیے بتائے ہوئے نسخہ ترک معاصی کا ذکر کرتے ہیں۔ فرمایا

شکوت الی وکیع سوء حفظی   فارشدنی الی ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور   ونور اللہ لا یھدی لعاصی

''میں نے وکیع سے اپنی یادداشت کی کمزوری کا شکوہ کیا تو انہوں نے ترک معاصی کی طرف میری رہنمائی کی۔ اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ کا نور گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

دنیاوی عہدوں سے بیزاری

ہارون رشید نے حضرت وکیع کو بلوایا اور کہا کہ آپ کے شہر والوں نے مجھ سے قاضی مانگا ہے۔ اور میں نے سوچا کہ آپ کو اپنی امانت اور نیک عمل میں شریک کرلوں لہٰذا آپ یہ عہدہ لے لیں تو حضرت وکیع وہاں سے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ اے امیر المؤمنین میں بوڑھا آدمی ہوں میری ایک آنکھ سے نظر نہیں آتا دوسری کمزور ہو چکی ہے۔

ایک شخص نے حضرت وکیع کو برا بھلا کہا تو وکیع اندر گئے اپنے چہرے پر مٹی ڈال لی پھر باہر تشریف لائے اور آنسو بہاتے ہوئے اس آدمی سے کہا کہ میرے گناہ کے سبب سے مجھے اور بھی برا بھلا کہو۔ کیونکہ اگر یہ گناہ نہ ہوتا تو تجھے مجھ پر مسلط نہ کیا جاتا۔

آخری لمحات

جب موت کا وقت آیا تو بستر میں جا پہنچے ان کے پاس ان کا بیٹا آیا تو انہوں نے اپنا ہاتھ نکال کر اسے دکھایا اور گویا ہوئے۔ بیٹا یہ ہاتھ دیکھ رہے ہو؟ میں نے زندگی

پھر اس سے کسی کو بھی نہیں مارا۔

وفات

۱۹۷ ہجری کو حج سے واپسی کے موقع پر فید نامی جگہ میں ان کی وفات ہوگئی۔
(فید مکہ سے کوفہ کے راستے میں واقع ہے)

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۲۱۱ ہجری بمطابق ۸۱۵ عیسوی)

☆ بادشاہوں جیسے دل کے ساتھ زندہ رہے اور مسکین جسم کے ساتھ وفات پائی۔
☆ ان کی دعا آسمان کا ڈول تھی۔
☆ دینا سے اس حال میں گئے کہ ان کی ملکیت میں، دنیا میں آتے وقت کی طرح کچھ نہ تھا۔

☆☆☆

صاف ستھرا پاکیزہ دلوں میں خدا کا خوف بھر دیا سچے ایمان کے مالک۔ زھد کا نامور شخص، اپنے دور کی برکت، یہ ہیں حضرت معروف بن فیروز کرخی۔ ابو محفوظ بہت زیادہ روزے رکھنے والے، مستجاب الدعوات، ان کی دعاؤں سے بارش ہو جاتی تھی۔

بغداد کے علاقے کرخ میں پیدا ہوئے بہت علم حاصل کیا اور پھر عبادت نے روایت چھڑوا دی۔ نیکی، زہد اور پرہیز گاری میں مشہور ہوئے۔ عذاب اور مصیبت سے اپنے شہر والوں کے لئے امان تھے۔ غیبت کے شیرے میں ڈوبنے کو ناپسند کرتے تھے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ اس شہر والے اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کو ابو محفوظ کرخی ان میں موجود ہیں۔

دنیا کرخیؒ کے نزدیک بہت چھوٹی اور بے وقعت تھی کہ وہ کسی ساکن کو متحرک نہ کر سکی۔ کرخیؒ حکمت کے سمندر کی تہہ میں جا کر اس کے موتی نکال لاتے۔ فرماتے کہ دنیا

ہانڈی ہے جو جوش ماری رہی ہے اور ایسا صحن ہے جو نشانہ باندھ رہا ہے اور فرمایا۔ بغیر عمل کیے جنت کی طلب کرنا گناہ ہے اور بغیر سبب کے شفاعت کا انتظار دھوکے کی ایک قسم ہے۔

ایک دن معروف کرخیؒ سے پوچھا گیا کہ دنیا دل سے کس طرح نکلتی ہے؟ فرمایا کہ خالص محبت اور حسن معاملہ کی وجہ سے۔

ایک مرتبہ بیٹھے تھے کہ حاکم کا ذکر چل نکلا تو فرمایا ''اے اللہ ہمیں اس کا چہرہ مت اور جس کی طرف تو دیکھا پسند نہیں کرتا۔''

ایک شخص آپ کے پاس آ کر بیٹھا اور لوگوں کی غیبت کرنے لگا تو معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ ''روئی کو یاد کر جب اسے تیری آنکھوں پر رکھ دیا جائے گا۔'' (مرنے کے بعد)

ان کا نفس ہر بھلائی کی طرف مائل رہتا ہر کسی کی پکار پر حسن ظن رکھتے۔ ایک دن روزے کی حالت میں ایک پانی پلانے والے کے پاس سے گذرے جو کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ پینے والے پر رحم کرے۔ چنانچہ کرخیؒ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید میں پانی پی لیا۔

ان کی آواز سے اہل آسمان مانوس تھے۔ جب بھی آواز بلند کرتے قبول ہو جاتی سخت گرم دن میں بارش کی دعا فرمائی اور ابھی یہ ہاتھ بھی نیچے نہیں کر پائے تھے کہ بارش ہوگئی۔

انہوں نے کوتاہ امیدی کے ذریعے اخلاص کا جگر مانگا تھا ایک دن معروفؒ نے نماز کی اقامت کہی اور ابن ابی توبہ سے کہا کہ آگے بڑھ جایئے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں نے تمہیں یہ نماز پڑھائی تو دوسری نماز نہ پڑھا سکوں گا۔ یہ سن کر حضرت معروف نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں یہ گمان رکھتے ہو کہ تم دوسری نماز پڑھ سکو گے؟ ہم طول امل (لمبی امید) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ کیونکہ طول امل اچھے عمل سے روک دیتی ہے۔

اپنا جسم لے کر دنیا کی فصیلوں سے دور بھاگ گئے جس طرح کہ دنیا میں داخل ہوئے تھے اور ان کی ملکیت میں کچھ نہ تھا (اسی طرح آخرت کی طرف روانہ ہوگئے) بیمار

ہو کر بستر پر جا پہنچے تو کسی نے کہا کہ وصیت کر دیجئے۔ فرمانے لگے کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری یہ قمیض بھی صدقہ کر دینا کیونکہ میں دنیا سے اسی طرح بغیر کپڑوں کے جانا چاہتا ہوں جس طرح داخل ہوا تھا۔

وفات

۲۰۰ھ میں وفات ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۰۴ھ بمطابق ۸۲۰ عیسوی)

☆ اگر امام شافعیؒ حدیث کی سماعت زیادہ کرتے تو امت محمد یہ دوسرے فقہاء سے مستغنی ہو جاتی۔

☆ لوگوں کی عقلوں کو تولا جائے تو امام شافعی ان سب کے سردار ہو جائیں۔

☆ نبی کریم ﷺ نے ان کے منہ پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔

☆☆☆

ایسا شخص جو قریب تھا کہ اخلاق اور خلق میں کامل ہو جاتا، جس نے اپنی امیدوں کو زھد کے گلدستہ اور تقویٰ کی ہواؤں سے گھیر لیا تھا۔ یہ ہیں امام محمد بن ادریس بن عباس بن سائب ابن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قریشی۔ ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ اپنے دور کے عالم۔ زمانے کے فقیہ، حدیث کے مددگار، ائمہ اربعہ میں سے ایک امام، جن کی طرف مذہب شافعی کی نسبت ہوتی ہے۔

غزہ میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال کوفے میں امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی۔ اپنی والدہ کی گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ پھر مدینہ امام مالکؒ کی خدمت میں تشریف لائے امام مالکؒ نے انہیں پسند کیا۔ مدینہ ہی میں مقیم رہے حتی کہ امام

مالک کی زندگی ہی میں فتویٰ دینے لگے اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

موطاء حفظ کرنے کے بعد عراق چلے گئے اور امام احمد بھی ان کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ بڑے فصیح، اور لغت و شعر کو جاننے والے تھے ان کی ذہانت اور علم ہر وقت شعلہ زن رہتے اگر ان سے ایک ہزار آدمی بھی مناظرہ کرتے تو امام شافعی ان پر غالب آجاتے۔

زھد کی تلقین

ایک شخص ان کے پاس نصیحت حاصل کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا زھد اختیار کرو۔ ابن راھویہ کہتے ہیں کہ میں امام احمد کے ہمراہ مکہ میں تھا تو امام احمد نے مجھے کہا کہ آؤ میں تمہیں ایسا آدمی دکھاؤں اس جیسا تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ تو انہوں نے مجھے امام شافعی دکھائے۔

مامون رشید کہتا تھا کہ میں نے امام شافعیؒ کا ہر چیز میں امتحان لیا تو ہر طرح سے کامل پایا۔

زھد وسخاوت

آپ نے اپنی باہیں خرچ کرنے کے لئے کھول رکھی تھیں۔ خیر کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا ایسی موسلا دھار بارش کی طرح تھے جو اپنی اچھائیاں اور ھدایا فقراء کو دیتی تھی۔

امام شافعیؒ ایک مرتبہ یمن سے آئے ان کے پاس بیس ہزار دینار تھے آپ نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگوایا اور وہاں مقیم ہوتے ہی سارے دینار بانٹ دیئے۔ مزنیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ سخی کوئی شخص نہیں دیکھا۔ عید کی رات میں ان کے ہمراہ مسجد سے نکل کر ان کے گھر تک آیا کہ اچانک ایک غلام آیا اور اس نے ایک تھیلی امامؒ کے حوالے کی کہ یہ میرے آقا نے بھیجی ہے۔ آپ نے وہ تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی۔ اتنے میں ایک شخص حلقے سے اٹھ کر آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میری

بیوی کے ہاں ابھی ابھی ولادت ہوئی ہے اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ تھیلی آستین سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور خود خالی ہاتھ گھر میں چلے گئے۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے ان کے لئے ایک ہزار دینار کا حکم دیا۔ امام شافعیؒ نے وہ لے لئے اور وہ وہاں سے چل پڑے۔ ہارون نے فوراً اپنے خادم کو کہا کہ امام شافعیؒ جا رہے ہیں ان کا پیچھا کرو۔ چنانچہ وہ چلا دیکھا کہ امام شافعی ایک ایک مٹھی بھر کر دینار محل میں پھینکتے جا رہے ہیں (یا کہا کہ لوگوں میں خدام وغیرہ میں بانٹتے جا رہے ہیں) حتی کہ آخر میں ایک مٹھی دینار رہ گئے وہ اپنے غلام کو دے دیئے اور فرمایا کہ اس سے کام چلاؤ۔ یہ دیکھ کر وہ خادم واپس گیا اور سارا حال کہہ سنایا تو ہارون رشید نے کہا کہ اسی لئے ان کے ارادے آزاد اور ظاہر اتنا مضبوط ہیں۔

کم کھانا

ایک مرتبہ امام شافعیؒ راستے میں چلے جا رہے تھے کہ ہاتھ سے کوڑا گر گیا چنانچہ ایک غلام تیزی سے آگے بڑھا اپنی آستین سے کوڑا صاف کیا اور امام شافعیؒ کے حوالے کر دیا تو امام شافعیؒ نے سات دینار عطا فرمائے۔

امام شافعیؒ نے اپنے پیٹ کو بھوک کے کوڑوں سے درست کیا۔ چنانچہ لقمہ بھی آپ کے پیٹ میں ڈر اور خوف کے ساتھ جاتا تھا۔ ایک دن اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے کھانے کا ایک قصہ بیان کر رہے تھے...... فرمایا کہ!

میں نے سولہ سال میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ایک مرتبہ کھالیا تھا تو حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کر دی تھی۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا بدن کو بھاری کرتا ہے۔ دل کو سخت کرتا ہے ذہانت کو ختم کرتا ہے اور نیند لاتا ہے عبادت میں کمزوری پیدا کرتا ہے۔

عبادت

امام شافعیؒ کی فکر، عقل، اور بیدار دل پر عبارت کا بڑا گہرا اثر تھا چنانچہ امامؒ ہر رمضان میں ساٹھ قرآن کریم ختم فرماتے اور سب کے سب نماز میں ختم کرتے۔ مردی

ہے کہ انہوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ پہلا حصہ لکھا کرتے۔ دوسرا حصہ نماز پڑھتے اور رات کا تیسرا حصہ سوتے تھے۔

حسین کرابیسی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کے ہمراہ ایک رات گذاری تو وہ رات کو تہائی رات کے برابر نماز پڑھتے تھے۔ میں نے انہیں پچاس آیات سے زیادہ پڑھتے نہیں دیکھا۔ اگر زیادہ پڑھتے تو سو آیات ہوتیں۔ اور تلاوت کے دوران رحمت کی آیت سے گذرتے تو رحمت کی دعا کرتے اور عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے گویا ان کے لئے امید اور خوف دونوں جمع ہو گئے تھے۔

تقدیر پر یقین

عبداللہ بن عبدالحکم ایک مرتبہ امام شافعیؒ کے پاس بیٹھا نصیحت کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ جب آپ کا مصر میں رہنے کا ارادہ ہو تو آپ کے پاس ایک سال کا راشن ہونا چاہیے اور حکمران کے ساتھ مجلس کرنا اس سے آپ کی عزت ہوگی۔" امام شافعیؒ نے اسے جواب دیا۔ اے ابو محمد جسے تقویٰ نے عزت نہ دی ہو اس کی کوئی عزت نہیں۔ میں غزہ میں پیدا ہوا۔ پرورش حجاز میں ہوئی۔ اور ہمارے پاس ایک دن کا راشن بھی نہیں ہوتا تھا مگر ہم کبھی بھوکے نہیں سوئے۔

وفات

امام شافعیؒ مصر میں پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور "درب النخل[1]" میں انتقال کر گئے۔ آپ کے مصاحب مزنیؒ نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی تدفین بنی زھر کے قبرستان میں ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

حضرت سفیان بن عیینہ کو جب ان کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا کہ اپنے زمانے کا سب سے افضل انسان مر گیا۔

☆☆☆

---

[1] درب النخل یا تو جگہ کا نام ہے یا لفظی معنی کے اعتبار سے کھجور کا باغ یا اس کا راستہ مراد ہے۔

سیدنا حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۱۵ ہجری بمطابق ۸۳۰عیسوی)

☆ جس نے مناجات کی لذت کو نیند کی لذت پر ترجیح دی۔
☆ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھ کر اپنے دل کو نکھار دیا۔
☆ ان کا تقویٰ ان کے زہد کی پہلی سیڑھی تھا۔
☆ دن کی بھوک اور رات کی بیداری سے انہوں نے دنیا کے دھوکے کو دور کیا۔

☆☆☆

جس نے بھوک کے ذریعے دل کے زنگ کو ختم کیا، دنیا کو ناکام کر کے آخرت کمائی۔ یہ ہیں حضرت ابوسلیمان دارانی، عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ عنسی، جو ''داریا'' دمشق کے مشہور زاہد تھے۔ بغداد چلے گئے تھے وہاں کافی عرصہ مقیم رہے پھر دوبارہ شام لوٹ آئے۔

اپنے ہاتھ میں حکمت کا ترکش رکھتے اور اس میں سے دنیا کی کبریائی کو شکست دینے والے تیر نکالتے۔ ان کے الفاظ دلوں کی پیاس بجھانے والے الفاظ ہیں۔

اقوال زریں

ابوسلیمان فرمایا کرتے کہ'' زھد ان چیزوں کے ترک کا نام ہے جو تمہیں اللہ سے غافل کر دیں۔'' فرماتے کہ زھد کو امیدیں کم کرنے سے حاصل کرو۔ اور دنیا کے دھوکے کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔ تھوڑی سی بھوک، تھوڑی سی بیداری، تھوڑی سی ٹھنڈک تم سے دنیا کو کاٹ سکتی ہے۔ اور فرمایا کہ تقویٰ زھد کی ابتداء ہے۔

اسی طرح کھانے میں زھد کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ'' بھوک آخرت کی کنجی ہے'' اور سیر ہو کر کھانا دنیا کی کنجی ہے۔ اور دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی کنجی اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔

ایک دن لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب دل بھوکا اور پیاسا ہو تو نکھرتا

اور نرم ہوتا ہے اور جب دل بھرا ہوا اور سیراب ہو تو اندھا اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا کہ ہر چیز میں کھوٹ اور زنگ ہوتا ہے۔ اور دل کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کو ترک دینا کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑے دونوں میں فائدہ کماتا ہے اور جو شخص آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑے دونوں میں خسارہ پاتا ہے۔

عزلت اور تنہائی پسندی

دارائیؒ شہرت سے دور بھاگتے اور تنہائی اور لوگوں سے چھپنے کو پسند کرتے۔ فرمایا کہ اگر تم یہ کرسکو کہ کسی وجہ سے نہ پہچانے جاؤ اور تم تک کوئی نہ پہنچ سکے تو ایسا کرلو۔

رات کی عبادت

رات کے شہسواروں میں سے تھے جو صالحین کی راتوں کو ذکر الٰہی کے نور سے روشن رکھتے ہیں اور تسبیح کی گنگناہٹ سے وحشت کو دور کرتے ہیں۔

صبح کے وقت اپنے اصحاب کو رات کے قیام (نماز) کی محبت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ فرمایا کہ اگر رات کی نماز نہ ہوتی تو مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی۔

کرامت

ابوسلیمان رات کی نمازوں کی برکت ایک عظیم کرامت وانعام کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ایک رات میں تہجد کی نماز پڑھے بغیر سویا رہا تو میں نے دیکھا کہ ایک حور مجھے جگا رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔ اے ابوسلیمان تم ہمیں چھوڑ کر سو رہے ہو؟ اور میں پردوں میں چھپی پانچ سو سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ کیا تمہاری آنکھیں سو رہی ہیں اور فرشتے جاگے ہوئے تہجد پڑھنے والوں کو دیکھ رہے ہیں۔ بد حالی ہے اس آنکھ کے لئے جو نیند کی لذت کو مناجات کی لذت پر ترجیح دے۔ اٹھو! اللہ تم پر رحم کرے یہ سونا کیسا ہے؟ ابوسلیمان کہتے ہیں کہ میں اسی وقت چونک کر اٹھ گیا اور اس حور کی سرزنش کی وجہ

سے حیاء کے مارے پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اور اس گفتگو کی مٹھاس آج تک میری سماعت اور دل میں بسی ہے۔

خوف خدا کی کیفیت

ایک مرتبہ ابوسلیمان دارانیؒ نے احرام باندھا اور تلبیہ کہہ کر آفاق کو معطر کرنا چاہ رہے تھے کہ اچانک بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے لوگ ان کو ہوش میں لانے لگے چنانچہ جب افاقہ ہوا تو پوچھا گیا کہ اے ابوسلیمان کیا ہوا آپ کو؟ تو انہوں نے بدلے ہوئے چہرے کے ساتھ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص حرام مال سے حج کرنے جائے تو جب وہ **اللھم لبیک** کہتا ہے تو رب تعالیٰ کہتا ہے کہ تیری کوئی لبیک نہیں تیری کوئی خوش بختی نہیں۔ جب تک کہ تو تیرے ہاتھ میں موجود مال واپس نہ لوٹا دے مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں مجھے یہ نہ کہہ دیا جائے۔

ایک دن بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ''جب میں گناہ کرتا ہوں تو مجھے موت اچھی نہیں لگتی۔ چاہتا ہوں کہ زندہ رہوں شاید کہ توبہ کرلوں۔

ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے سلیمان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ کمانے اور حلال مال حاصل کرنے گیا ہے اور زمین کی خرید و فروخت کے لئے گیا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ دل فلاح نہیں پا سکتا جو دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے۔

وفات

ان کی روح آسمان کی طرف سفر کر گئی اور ۲۱۵ ہجری میں ان کا جسم قبروں کے درمیان ایک قبر میں چھپا دیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۲۵ھ بمطابق ۸۴۰عیسوی)

☆ وہ شخص جس کے الفاظ نے آسمان کو رلایا۔

☆ ان کی والدہ نے انہیں دودھ کے ساتھ زھد پلا دیا تھا۔

☆ انہوں نے اپنی زندگی روزے اور نماز کے نام کر دی تھی۔

☆ جن کے منہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنے لعاب دہن ڈالا۔

☆☆☆

آفاق میں وعظ کرتے پھرتے رہے اور لوگوں کو تقویٰ اور اطاعت کی ترغیب دیتے رہے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے دوری سے جو دنیا میں رغبت سے ہوتی ہے ڈراتے رہے۔ یہ ہیں حضرت منصور بن عمار ابوالسری، السلمی خراسانی۔ایک بے مثل زاھد اور پرہیزگار، جن کے نصائح دلوں کو کھٹکھٹاتے ان کی گفتگو کے آس پاس لوگ جمع رہتے۔ بھرپور الفاظ اور سچی سیرت کے مالک تھے ان کا دل زہد اور خشیت سے بھرا ہوا تھا۔

زاھد کی دعا کی قبولیت

منصور بن عمار نے تیاری کی اور مصر چل پڑے انہیں آرزو کھینچے لے جا رہی تھی چنانچہ جب مصر میں داخل ہوئے تو وہاں قحط پڑا ہوا تھا اور اس نے کھیتی اور تھنوں کے دودھ تک سکھا دیا تھا۔ جب بڑی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوئی لوگ اونچی آواز سے رونے اور دعائیں کرنے لگے۔ ایسے میں مطمئن دل کے منصور اٹھے اور آگے بڑھ کر مسجد کے درمیان صحن میں پہنچ گئے۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ثناء و مدح بیان کرنے لگے پھر فرمایا!

لوگو! اللہ تعالیٰ سے صدقہ کے ذریعے تقرب حاصل کرو۔اس طرح کسی اور چیز سے اتنا تقرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے اپنی چادر اتار دی اور فرمایا یہ میری محنت و جہد ہے اب تم صدقہ کرو۔

چنانچہ اب لوگوں نے صدقہ کرنا شروع کیا حتیٰ کہ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں تک اتار کر دیدیں۔ تو آسمان سے بارش شروع ہوگئی اور جب مسجد سے نکلے تو وہ کیچڑ میں دھنسے جا رہے تھے۔ پھر ان کے پاس دو آدمی آئے اور کہا کہ حضرت لیث بلا رہے ہیں۔ تو یہ لیثؒ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا مسجد میں تم نے ہی بات کی تھی؟ فرمایا جی ہاں تو لیث نے کہا کہ مجھے اپنا وہ بیان دوبارہ سناؤ۔ چنانچہ منصور نے پوری گفتگو دوبارہ سنا دی اور انہیں نصیحت بھی کی۔ لیث رونے لگے حتیٰ کہ ان کی آواز بلند ہوگئی تو منصور نے ان پر رحم کیا اور خاموش ہوگئے۔

پھر منصور اسکندریہ روانہ ہوگئے اور جب وہاں کے قلعے پر گھوم رہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص انہیں بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ آپ وہی ہیں نا۔ جس نے جمعہ کے دن بات کی تھی۔ جواب دیا جی ہاں تو اس نے کہا آپ تو فتنہ بن گئے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جمعہ کے دن خضر علیہ السلام نے آکر دعا کی تھی اور ان کی دعا قبول ہوگئی۔ تو آپ نے نہایت غمزدہ چہرے کے ساتھ فرمایا۔ نہیں میں تو ایک گناہ گار بندہ ہوں۔

ایک مرتبہ منصور بن عمارؒ ہارون رشید کی مجلس میں گئے اسے نصیحت کی اور رلا دیا۔ پھر ہارون نے پوچھا آپ نے یہ تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ فرمایا کہ خواب میں میرے منہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا اور مجھے فرمایا تھا۔ اے منصور کہو۔

آواز میں اثر

منصورؒ حجاج کرام کے قافلے کے ساتھ گئے تو کوفہ میں رات گذاری دی۔ جب رات ہوئی اور اندھیرا پھیل گیا تو نماز کے لئے تیار ہوگئے۔ کہ اچانک ایک شخص کو روتی آواز میں چیخ کر پکارتے سنا۔

اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے گناہ کر کے تیری مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے نافرمانی تیرے عذاب سے لاعلمی میں کی تھی۔ لیکن میرے گناہ پر میری

بدبختی نے مدد کی اور تیرے پردہ ڈھانکنے نے مجھے دھوکے میں ڈال دیا تھا اب مجھے کون بچائے گا۔؟

تو منصور نے اونچی آواز سے یہ آیت تلاوت کی۔ ''اے ایمان والو خود کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''۔ (التحریم آیت ۶)

جیسے ہی منصور نے آیت ختم کی کسی چیز کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔ پھر صبح کو اس جگہ سے گذرے تو وہاں کوئی جنازہ تھا۔ ایک بڑھیا اپنی ضعیف آواز میں بتا رہی تھی کہ رات یہاں سے کوئی شخص گذرا تھا جس نے وہ آیت تلاوت کی تو اس کا پتہ پھٹ گیا اور یہ مر کر گر گیا۔

وفات

منصور بن عمارؒ کی وفات ۲۲۵ ہجری کے لگ بھگ ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت بشر بن الحافی رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۲۷ھ بمطابق ۸۴۱ عیسوی)

☆ ان کے زہد نے دلوں کے تاروں کو ہلا دیا تھا۔

☆ انہوں نے لوگوںؓ سے استغناء کی عزت اور رات کے قیام کے شرف کو جمع کر لیا تھا۔

☆ دنیا سے روزہ رکھا اور افطار موت پر کی۔

☆ دنیا ان کے نزدیک مچھر کے پر سے کم حیثیت رکھتی تھی۔

☆☆☆

انہوں نے تقویٰ کی کشتی میں بیٹھ کر آنسوؤں کا سمندر پار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کیا۔ دنیا کو رضا مندی کے کلہاڑے سے گرا دیا۔ یہ ہیں حضرت بشر بن حارث بن علی مروزی ابونصر حافی، تقویٰ کے سردار اور زھد کے امام، ''مرو'' سے تعلق تھا پھر بغداد

میں مقیم ہوئے۔ سوت کات کر بیچتے تھے ان کا ظاہر استقامت پر تھا اور باطن پاک تھا۔ ثقہ، زاھد پرہیزگار، صالح انسان تھے اور صرف صحیح حدیث روایت کرتے تھے۔

اپنی زندگی کو زھد کی بھٹی میں پگھلا دیا، دنیا کو بھولنے میں اس کی خوش بختی کی وجہ سے بڑی لذت ملتی تھی۔ بشر حافی، اپنی ہدایت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

میں راستے پر جا رہا تھا کہ میں نے زمین پر ایک رقعہ پڑا دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نہر میں اترا اور اسے دھویا۔ اس وقت میری ملکیت میں صرف پانچ دانق تھے چنانچہ میں نے چار دانق کی مشک اور ایک دانق کا عرق گلاب خریدا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو ڈھونڈ کر اس پر خوشبو لگانے لگا۔ پھر اپنے گھر آکر سو گیا۔ چنانچہ کوئی میرے خواب میں آیا اور اس نے کہا کہ اے بشر جس طرح تو نے ہمارے نام کو خوشبو سے معطر کیا ہے ہم بھی تیرے نام کو معطر کریں گے اور جس طرح تو نے اسے پاک کیا ہم بھی کریں گے۔

بشر حافی کی زندگی ان کے دور کے لوگوں کے لئے حیران کن تھی اس لئے انہوں نے ان پر مدح وثناء کے ڈول انڈیل دیئے اور ان کی مجلسیں بشر حافی کی سیرت کے اسباق پر مشتمل ہوتی تھیں۔

خطیب بغدادی کا قول ہے کہ بشر حافی پرہیزگاری میں اپنے دور کے سب لوگوں سے فائق تھے۔ امام احمد کو بتایا گیا کہ بشر حافی کی وفات ہوگئی ہے تو فرمایا کہ وہ شخص مر گیا جس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔

ابراہیم حربی نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا کہ بغداد نے بشر سے زیادہ تام العقل انسان پیدا نہیں کیا۔

اقوال زریں

حکمت بشر حافی کی زبان پر بہتی تھی۔ اور وہ اس پر اپنے لبوں کو حرکت دیا

کرتے تھے۔ چنانچہ زہد کی حقیقت کھولتے ہوئے فرمایا کہ زھد ایسا بادشاہ ہے جو صرف اس دل میں رہتا ہے جو دنیا سے کٹا ہوا ہو۔

دنیا کے بارے میں فرمایا جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے موت کو ناپسند کرتا ہے اور جو دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے موت کو پسند کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے دنیا مانگتا ہے وہ دنیا میں طویل قیام چاہتا ہے۔

لوگوں سے مستغنی ہونے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا۔ مومن کی عزت یہ ہے کہ لوگوں سے مستغنی ہو اور اس کا شرف رات کو نماز پڑھنا ہے۔ بھوک کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ بھوک دل کو نکھارتی ہے۔ خواہش کو مارتی ہے اور علم کی باریکی عطا کرتی ہے۔

شہرت اور خود پسندی سے کراہت

بشر حافی شہرت اور خود پسندی اور خود کو نمایاں کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لئے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ جس نے شہرت کو پسند کیا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا (اس نے تقویٰ اختیار نہیں کیا) اور وہ شخص جو ناموری چاہتا ہو آخرت کی حلاوت نہیں پائے گا۔

فرمایا کرتے کہ جب تمہیں بات کرنا اچھا لگے تو چپ رہو اور جب خاموش رہنا اچھا لگے تو بات کرو۔

طاعت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر کریں تو اس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

بشر حافیؒ کو خواہشات سے لڑنے اور انہیں شکست دینے میں بڑی مہارت تھی اور اونچے طریقے آتے تھے۔ لہٰذا عبادت کی حلاوت چکھنے کے بارے میں فرماتے کہ تم عبادت کی حلاوت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنے اور خواہشات کے درمیان لوہے کی دیوار قائم نہ کر دو۔

اس بارے میں اپنے احوال بتاتے ہوئے فرمایا کہ پچاس سال سے مجھے بھنا

ہوا گوشت اور پتلی روٹی پسند ہے مگر اس کے لئے ایک درہم بھی حاصل نہ کر سکا۔'' اور فرمایا'' میں پھل کو اس میں بے رغبتی کی بنا پر نہیں چھوڑتا لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ اپنی خواہش اس پر لگاؤں۔

ایک مرتبہ ان کے دوست نے انہیں بینگن دیا تو اسے جلدی سے واپس کر دیا اور اپنے نفس کو سرزنش کرنے چل پڑے اور فرماتے اے نفس کیا تو بینگن کھانا چاہتا ہے خدا کی قسم تو اسے ہرگز نہیں چکھے گا حتی کہ دنیا کو چھوڑ کر چلا جائے۔

ایک دن انہیں کسی نے کہا کہ آپ احادیث رسول ﷺ کیوں بیان نہیں کرتے؟ فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں حدیث بیان کروں مگر جس چیز کو میرا دل چاہتا ہے اسے میں چھوڑ دیتا ہوں۔

زھد وتقویٰ میں ان کا مقام

بشر حافی تقوی کی درسگاہ اور زھد کے استاد تھے ایک دن ان کی بہن نے دیکھا کہ ان کا چہرہ پیلا پڑ چکا ہے طاقت کمزور ہو چکی ہے تو ان کے پاس بیٹھ کر ان کا حال پوچھنے لگیں تو فرمایا کہ میرے پیٹ میں تکلیف ہے۔ تو والدہ کہنے لگیں کہ مجھے اجازت دو تو میں تمہارے لئے تھوڑا سا حلوہ بنا دوں میرے پاس ایک مٹھی بھر آٹا ہے تو تم اسے کھاؤ گے تو پیٹ کو آرام آ جائے گا۔ یہ سن کر بشر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کہنے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ یہ آٹا تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تو میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں گا؟ یہ سن کر والدہ رونے لگیں اور خود بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔

ایک دن ان کی بہن امام احمدؒ کی خدمت میں آئیں اور ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ ہم لوگ رات میں سوت کاتتے ہیں اور ہماری گذر بسر اسی پر ہے تو ہمارے قریب سے بغداد کے حکمران بنی طاہر کی مشعلیں گذرتی ہیں اور ہم لوگ اس کی روشنی میں ایک یا دو گانٹھیں کات لیتے ہیں ان کی آمدنی ہمارے لئے حلال ہے یا حرام تو امام احمد نے ان کے اس ورع (شبہات سے بچنے والے تقویٰ) سے متاثر ہو کر پوچھا۔ اے اللہ کی خادمہ آپ

ہیں کون؟ انہوں نے کہا۔ بشر حافی کی بہن۔ امام احمد رونے لگے اور فرمایا آپ جایئے آپ ہی کے گھر سے ورع تقویٰ نکلتا ہے۔

ایک شخص بشر حافی کے پاس آیا اور کہا مجھے نصیحت کیجئے تو فرمایا اپنی روٹی کو دیکھ کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔

وفات

حضرت بشر حافی نے محرم الحرام ۲۲۷ ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچھتر برس تھی۔

بشر حافی کا بارگاہ خداوندی میں اکرام

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا میری مغفرت فرما دی۔ مجھے تاج پہنایا اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا کہ اے احمد یہ تمہارے اس قول کا انعام ہے تم کہتے تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ تو پھر میں (ابن خزیمہ) نے پوچھا۔ بشر حافی کا کیا بنا؟ تو امام احمد نے فرمایا۔ واہ واہ بشر کے کیا کہنے۔ میں نے اسے جلیل (اللہ تعالیٰ) کے سامنے چھوڑا۔ ان کے سامنے کھانے کا دستر خوان تھا اور رب جلیل خود ان کی طرف متوجہ تھا۔ فرماتا تھا کہ اے نہ کھانے والے کھا اور پی' اے نہ پینے والے اور نعمتوں میں رہ' مزے کر' اے جس نے مزے نہ کیے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۳۷ ہجری بمطابق ۸۵۱ عیسوی)

☆ اس امت کے لقمان حکیم۔
☆ دنیا ان کی زبان کے ایک طرف بھی نہ گر سکی۔
☆ ازاران جیسے کسی دوسرے کو نہ بندھ سکی۔

☆☆☆

غفلت سے ہوش میں آئے۔ گناہوں کو یاد کیا۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے سے مطمئن تھا۔ یہ ہیں حاتم بن عنوان ابوعبدالرحمٰن المعروف ''الاصم'' جو کہ بڑے زاہد تھے۔ ورع اور تنگدستی سے مشہور ہوئے۔ بلخ سے تعلق تھا۔ بغداد تشریف لائے۔ امام احمد کے ساتھ ملے اور بعض معرکوں وفتوحات میں شریک ہوئے۔

اصم نام پڑنے کی وجہ

ان کا نام ''اصم'' (بہرا) پڑنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت ان سے مسئلہ پوچھنے آئی جس وقت وہ بات کر رہی تھی اس کی آواز بلند ریح خارج ہوگئی تو وہ شرمندہ ہوگئی مگر حضرت حاتم نے بہرے پن کا مظاہرہ کیا اور فرمایا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ذرا زور سے کہیئے مجھے آپ کی آواز نہیں آ رہی۔ (بس اس کے بعد جب تک وہ عورت زندہ رہی حضرت حاتم بہرے ہی بنے رہے)۔

حکمت بھری باتیں

حکمت آپ کی زبان پر جاری تھی۔ آپ کے روشن اور میٹھے ارشادات ہیں ان میں سے ایک ارشاد یہ ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ بغیر تقویٰ کے کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

زہد کی بنیاد

دوپہر کے وقت ایک شخص حضرت حاتم اصم کی مجلس میں آیا اور ان سے مسئلے

پوچھنے لگا تو اس نے سوال کیا کہ زہد کی اصل۔ اس کا وسط اور اس کا آخر کیا ہے؟ فرمایا زہد کی اصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس کا وسط صبر ہے اور اس کا آخر اخلاص ہے۔

اور فرمایا جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو آخرت میں رغبت کرے' مسکینوں سے محبت کرے اور آخرت کے لیے اعمال صالحہ آگے بھیجے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا مرتبہ ہوگا۔

توکل کی چار خصلتیں

ایک شخص نے سوال کیا کہ ''آپ نے توکل کرنے میں کن باتوں پر بنیاد رکھی؟ فرمایا کہ وہ چار خصلتیں ہیں۔

(۱) میں نے یہ جان لیا کہ میرا رزق میرے سوا کوئی اور نہیں کھا سکے گا۔ چنانچہ میرا نفس اس بارے میں مطمئن ہو گیا۔

(۲) میں نے یہ جان لیا کہ میرے اعمال میرے سوا کوئی نہیں کرے گا۔ لہٰذا میں ان میں مشغول ہو گیا۔

(۳) میں نے جان لیا کہ موت اچانک آجاتی ہے۔ لہٰذا میں اس کی تیاری کر رہا ہوں۔

(۴) میں نے جان لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نظر سے کسی وقت بچا ہوا نہیں لہٰذا میں اس سے حیا کرتا ہوں۔

لوگوں سے بچنے کا طریقہ

امام احمد بن حنبل حضرت حاتم اصم کے ساتھ بیٹھے انہیں مرحبا کہا اور پھر فرمایا۔ بتائیے کہ لوگوں سے چھٹکارا کیسے حاصل ہو؟ فرمایا کہ تم انہیں اپنا مال دو اور ان سے ان کا مال مت لو۔ ان کے حقوق ادا کرو اور کسی سے اپنے حق کی ادائیگی کے لیے مت کہو۔ ان کی غلط باتیں برداشت کرو اور ان سے کوئی ناگوار بات مت کرو۔ میں ضمانت لیتا ہوں کہ تم بچ جاؤ گے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

ایک مرتبہ ان کے پاس عاصم فقیہ آئے اور پوچھا کہ اے حاتم مجھے سکھایئے کہ میں نماز کیسے پڑھوں؟ فرمایا اے عاصم جب میں نماز پڑھتا ہوں تو اپنے رب کے حکم پر کھڑا ہوتا ہوں۔ آرام سکون سے چلتا ہوں۔ سنت کے مطابق نماز میں داخل ہوتا ہوں اور اس کے باوجود بھی ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز قبول نہ کی جائے۔

رزق کے حصول پر ایمان

ان کا دل ایمان اور توکل سے معمور تھا۔ زہد کے پچھاڑے ہوئے تھے۔ لوگوں کے ساتھ مجلس کرتے اور انہیں رزق پر ایمان کی تعلیم دیتے اور فرماتے کہ

میری چار بیویاں ہیں۔ نو بچے ہیں۔ شیطان کی کبھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مجھے ان کے رزق و معاش کے بارے میں کبھی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے۔

نصائح

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے؟ حضرت حاتم نے فرمایا کہ اگر تو اپنے آقا کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو ایسی جگہ کر جہاں وہ تجھے دیکھ نہ سکے۔

لوگوں کو موت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور عبادت کی زینت خوف ہے اور خوف کی علامت امیدوں کا کم ہونا ہے۔

ایک دن لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا روزانہ صبح شیطان یہ کہتا ہے کہ تو کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا؟ کہاں رہے گا؟ تو میں کہتا ہوں کہ موت کھاؤں گا' کفن پہنوں گا قبر میں رہوں گا۔

وفات

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ ۲۳۷ ہجری کے آخر میں اپنے رب کے پاس چلے گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۲۴۱ ہجری بمطابق ۸۵۵ عیسوی)

☆ انہیں فتنہ کی آگ میں ڈالا گیا مگر اس سے سونا بن کر باہر نکل آئے۔

☆ مشکلات کو صبر کی تلوار ایمان کے تیروں سے شکست دی۔

☆ قریب تھا کہ ماں کے پیٹ میں ہی امام بن جاتے۔

☆☆☆

مشکلات کے شیر' دنیا کے امام' جنہوں نے ایک درہم سے بھی بے رغبتی کی (زہد کیا) اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود مال سے خود کو بچائے رکھا۔ یہ ہیں حضرت امام احمد بن حنبل ابو عبداللہ شیبانی۔ اصل میں ''مرو'' سے تعلق تھا۔

یتیمی میں پرورش پائی۔ علم پر جھکے ہوئے پلے بڑھے۔ اور زمین میں ہر عالم کے پاس جانے کیلئے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اور تابعین کے مذہب کے لوگوں میں سب سے بڑے عالم بنے۔ علم سے اس وقت سے عشق تھا جب کہ ناخن بھی نرم تھے۔ صالحین کے درمیان کندھے لیکر داخل ہوئے حتیٰ کہ ان کے امام بن گئے۔

مامون رشید نے انہیں ''عقیدہ خلق قرآن'' کا قائل کرنا چاہا مگر وہ مناظرہ کرنے سے پہلے مر گیا۔ پھر معتصم باللہ خلیفہ بنا تو اس نے امام احمد کو اٹھائیس مہینے قید رکھا کیونکہ انہوں نے خلق قرآن کا قائل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے امام کا اکرام کیا۔ قدر کی اور شرف و تعظیم کی۔

امام نسائی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اور فقہ دونوں میں معرفت اور زہد اور ورع جمع کر لیے تھے۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے بڑا فقیہ اور بڑا پرہیزگار نہیں دیکھا کہا جاتا تھا کہ اگر امام احمد نہ ہوتے تو ورع (پرہیزگاری) مر جاتا۔

راہ خدا میں خرچ کرنے میں سمندر تھے۔ فقر کے نوکیلے دانت ان تک نہ پہنچتے تھے اور نہ ہی ضرورت کا وجود ان تک پہنچتا تھا۔

ایک دن ہارون مستملی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو امام احمد نے اسے پانچ درہم دیئے اور فرمایا کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ابوسعید بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کے مؤدب (استاد) تھے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے والد کے پاس جب آتا تو وہ مجھے تین یا کبھی زیادہ درہم دیتے اور میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے۔ کبھی جب مجھے کچھ دیتے تو فرماتے کہ ہم نے تمہیں اپنے پاس موجود مال میں سے آدھا دے دیا ہے۔ ایک دن میں آیا اور ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا تو وہاں سے نکلے اور ایک طباق میں کپڑے کے نیچے ڈھک کر چار روٹیاں لائے اور فرمایا کہ ہمارے پاس جتنا کچھ تھا یہ روٹیاں اس کا نصف ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ یہ مجھے دوسروں کے چار ہزار سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام احمد تقویٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ انہیں خواہشات کی پکار اور دھوکہ بازیوں کی چمک سے بھی خوف نہیں آتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص نے آکر بتایا کہ آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن بیمار ہے اور اسے مکھن کی طلب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مصاحب کو درہم دیکر مکھن لانے کو بھیجا جب وہ لایا تو چقندر کے پتے پر رکھ کر لایا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ ورق کہاں سے لائے۔ اس نے کہا سبزی والے کی دکان سے۔ پوچھا اجازت سے لائے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا جاؤ واپس دے کر آؤ۔

ایک مرتبہ ایک تاجر کے پاس کٹورا رہن رکھ دیا پھر جب چھڑانے گئے تو تاجر نے کٹورا نکالا تو کٹورا کچھ مشتبہ ہوگیا۔ پہچان نہ سکے لہٰذا اسی کے پاس (تقویٰ کے باعث) چھوڑ دیا اور تاجر کو کہا کہ آپ کے لیے یہ لینا جائز ہے۔

زہد کا اعلیٰ مرتبہ

لوگوں کے اموال میں بے رغبتی (زہد) اور نظر نہ کرنے کی بناء پر عزت کے اعلیٰ مراتب پر جا پہنچے تھے۔ چنانچہ عبدالرزاق اپنے دوستوں میں بیٹھے امام احمد کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رخساروں پر بہنے لگے فرمایا۔ مجھے یہ بات

معلوم ہوئی کہ امام احمد کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہے تو میں دس دینار لے کر گیا اور انہیں پیش کیے تو امام احمد مسکرائے اور فرمایا۔ اے ابوبکر اگر میں لوگوں میں سے کسی سے کچھ لوں تو تم ہی سے لوں گا یہ کہہ کر آپ نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔

امام احمد کی دعا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب مٹی پر سر سجدے میں رکھتے تو دعا فرماتے۔ اے اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرے کو تیرے غیر کا سجدہ کرنے سے بچایا ہے اسے اسی طرح تیرے غیر سے سوال کرنے سے بھی بچا۔

فرماتے کہ اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو تم میں سے کوئی میرے پاس بیٹھ نہیں پاتا۔

آپ کا کھانا

آپ کا کھانا چند لقمے ہوتے جو آپ کو آخرت تک پہنچاتے تھے بلکہ امام احمد اس وقت خوشی سے جھوم جاتے جب یہ چند لقمے بھی میسر نہ ہوتے۔

آپ کے صاحبزادے صالح بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھاتے دیکھا کہ وہ اسے لیتے اس پر سے غبار جھاڑتے۔ اسے پیالے میں رکھتے اور اس پر پانی ڈال کر اسے نمک سے کھاتے۔ میں نے انہیں کبھی کوئی انار، سفرجل، یا کوئی اور پھل خریدتے نہیں دیکھا ہاں البتہ خربوزہ خرید کر اسے روٹی سے کھایا کرتے تھے۔

کبھی کبھار تین تین دن تک کھانا نہ کھاتے اور چوتھے دن اپنے سامنے چوتھائی سے آدھا ستو رکھ لیتے۔ کبھی سارا پی لیتے اور کبھی کچھ چھوڑ دیتے۔

جب انہیں جیل میں ڈالا گیا تھا تو وہ کھانے میں بے رغبتی کرتے اور جب کھاتے تو انہیں اس بات کا خوف ہوتا تھا کہ کہیں انہیں دنیا فتنہ میں نہ ڈال دے۔ امام احمد فرماتے کہ میں نے کل اس بات پر غور کیا تو میں نے کہا کہ یہ دو مشقتیں ہیں۔ میں نے دین کی مشقت اٹھائی ہے اور اب یہ دنیا کی مشقت ہے۔

پھر کھانے سے دور رہنے کی وجہ سے کمزور ہو گئے۔ حتیٰ کہ کبھی کپڑا گیلا کر کے اپنے چہرے پر رکھتے تو ان کی جان میں جان آتی۔ انہیں کسی نے کہا کہ اے ابوعبداللہ اگر

آپ حکم دیں تو کوئی ہانڈی پکالی جائے تا کہ آپ کی جان میں جان آئے اور آپ میں نماز پڑھنے کی ہمت پیدا ہو سکے؟ تو فرمایا پکی ہوئی ہانڈی تو مطمئنین کا کھانا ہے۔

عبادت گزاری

امام احمد اپنی ذات میں خود عبادت کی ایک محراب تھے۔ روزانہ تین سو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ مصائب سے کمزور ہو گئے تو ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھا کرتے اور ایک سو اسی کے قریب پہنچا دیتے تھے۔

بہت زیادہ روزے رکھتے اور روزے نہیں بھی رکھتے تھے مگر پیر جمعرات اور ایام بیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے پھر جب لشکر سے واپس آئے تو روزے مستقل رکھے۔ یہاں تک آپ کی وفات ہو گئی۔

ابو داؤد سختیانی کہتے ہیں کہ امام احمد کی مجلس آخرت کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ ان میں دنیاوی امور میں سے کسی بات کا تذکرہ نہ ہوتا تھا اور میں نے انہیں دنیا کا ذکر کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

امراء کے درباروں سے دور رہنا

امراء اور حکمرانوں کے پاس جانے کو ناپسند کرتے تھے اور ان کے عطایا اور انعامات کو اپنی پیٹھ دکھا دی تھی۔ معتصم کا ایک محافظ بیان کرتا ہے کہ میں نے بادشاہ کے پاس آنے والوں اور بادشاہوں سے ملنے جلنے والوں میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ مضبوط دل کسی کا نہیں دیکھا۔ ہم لوگ (بادشاہ اور اس کے خدم وحشم) ان کی نظر میں مکھیوں کے جیسے تھے۔

امام احمد امام اسحاق بن راہویہ سے خط وکتابت کرتے تھے۔ ان کے علمی سوالوں کے جواب دیا کرتے۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھا کہ مجھے اپنے ہاں ایک دن امیر عبداللہ بن طاہر نے بلوایا۔ میں گیا تو میرے ہاتھ میں آپ کا خط تھا وہ اس نے لیکر پڑھا تو کہنے لگا کہ میں امام احمد سے محبت رکھتا ہوں اور حمزہ ابو شنجی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ دونوں بادشاہ کے معاملات میں گھلتے ملتے نہیں۔''

چنانچہ اس کے بعد امام احمد نے ابن راہویہ سے خط و کتابت بند کر دی۔

ایک مرتبہ ابن طاہر کا حاجب آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ امیر نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی زیارت کریں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ مجھے پسند نہیں اور امیر المومنین میری ناپسندیدہ باتوں پر مجھے معاف کر چکے ہیں۔

موت کی یاد

جب موت کا ذکر ہوتا تو عبرت آپ کا گلا گھونٹ دیتی اور فرماتے کہ خوف مجھے کھانے پینے سے روک دیتا ہے اور جب میں موت کو یاد کرتا ہوں تو مجھ پر دنیا کے سارے معاملات آسان ہو جاتے ہیں۔

آخری لمحات اور وفات

جب امام احمد بستر مرگ میں جا پہنچے تو روتے اور آہ و زاری کرتے۔ کسی نے بتایا کہ حضرت طاؤس بیماری میں رونے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد وفات تک امام احمد کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی۔

لوگوں کو جب ان کے بیمار ہونے کا پتہ چلا تو جوق در جوق آپ کی عیادت کو آنے لگے آپ کو سلام کرتے تو آپ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے۔

پھر جب جمعہ کا دن آیا تو اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ گلیاں اور سڑکیں بھر گئیں پھر جب دن چڑھا تو امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی۔ یہ ۲۴۱ ہجری تھا۔ لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور ان کی آوازیں اس قدر بلند ہوئیں گویا کہ پوری دنیا گونج رہی تھی۔

امام احمد کی نماز جنازہ میں لگ بھگ آٹھ لاکھ افراد نے شرکت کی اور تقریباً ساٹھ ہزار عورتیں شریک تھیں۔

حضرت یحییٰ نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کو جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمانے لگے کہ بغداد کے ہر گھر والوں کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں امام احمد کے لیے روئیں۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۲۵۳ ہجری بمطابق ۸۶۸ عیسوی)

☆ جس کے منہ میں حکمت گردش کرتی رہتی تھی۔

☆ جن کی خلوت جلوت کے جیسی تھی۔

☆ ایک مرتبہ الحمدللہ کہنے پر تیس سال اس پر استغفار کی۔

اپنے لیے کوئی قدم ایسا نہیں اٹھایا جس میں راحت ہو۔ ضمیر کی چیخ و پکار پر ان کے تمام پہلو بیدار ہو گئے۔ یہ ہیں حضرت سری بن مغلس السقطی، ابوالحسن جو ایک پرہیز گار دل کے مالک۔ بڑے زاہد، بغداد والوں کے امام اور شیخ تھے۔

بغداد میں پیدا ہوئے۔ پہلے وہ شخص تھے۔ جنہوں نے توحید کی زبان میں بات کی۔ تنہائی پسند تھے۔ تنہائی میں رہتے تھے۔ انہیں کوئی دیکھ نہیں پاتا تھا الا یہ کہ کوئی ان کے گھر کا رخ کرے۔ لوگوں اور ان کے اسباب سے کٹ کر رہ گئے تھے۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سری سقطی سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اٹھہتر سال ایسے گزرے کہ انہیں لیٹا ہوا کسی نے نہ دیکھا سوائے مرض وفات میں۔

حضرت حسن بزار کہتے ہیں کہ یہاں امام احمد اور بشر حافی تھے۔ اور ہم امید کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ہماری حفاظت کرے گا۔ پھر ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ سری باقی رہے تو اب مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ "سری" کے ذریعے ہماری حفاظت کریں گے۔

حکمت بھرے اقوال

حکمت ان کے منہ میں حرکت کرتی رہتی۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بدن کی راحت کے ساتھ بہت سستا پایا ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو بدن کی تھکاوٹ سمیت بہت مہنگا پایا ہے۔

آپ فرماتے کہ جو شخص اپنے آپ کا ادب کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ دوسرے کا ادب کرنے سے زیادہ عاجز ہوگا۔

اور فرمایا کہ اگر جمعہ اور جماعت کی نمازیں نہ ہوتیں تو میں اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتا اور باہر نہیں نکلتا۔

خوف دلاتے ہوئے فرماتے کہ ''اس بات سے ڈرو کہ تم بکھری ہوئی تعریف ہو اور چھپے ہوئے عیب ہو۔

غلط الحمدللہ کہنے پر تیس سال استغفار

خوف نے ان کے دل پر حملہ کر کے پہاڑوں سے زیادہ بھاری غم انہیں دے دیئے تھے۔ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ الحمدللہ کہا تھا اور اس پر تیس سال تک استغفار کرتا رہا۔ کسی نے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ فرمایا کہ میری ایک دکان میں بہت سا مال تھا اس بازار میں آگ لگ گئی مجھے بتایا گیا تو میں اپنی دکان کا حال معلوم کرنے نکلا تو مجھے ایک شخص ملا۔ اس نے کہا مبارک ہو۔ تمہاری دکان جلنے سے بچ گئی ہے میں نے یہ سنتے ہی الحمدللہ کہا۔ مگر جب بعد میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ الحمدللہ کہنا غلطی تھی (لہٰذا میں نے اس پر تیس سال استغفار کی)۔

خوف خدا کا حال

ان کے ڈر اور خوف کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں روزانہ اپنی ناک دیکھتا ہوں کہ کہیں عذاب سے میرا چہرہ کالا تو نہیں کر دیا گیا۔ اور میں ایسی جگہ مرنا پسند نہیں کرتا جہاں میں پہچانا جاتا ہوں۔ کسی نے پوچھا ابوالحسن وہ کیوں؟ تو فرمایا مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے زمین قبول نہ کرے تو میری رسوائی ہو۔

زہد کی حالت

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ان کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری کو یہ فرماتے سنا کہ تیس سال سے میری خواہش ہے کہ میں تازہ کھجور

کو شہد میں ڈبو کر کھاؤں مگر میں ایسا کر نہ سکا۔

ایک شخص ان کے پاس آیا وہ زہد اور ترک دنیا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ حضرت سری سقطی نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس نمک پسا ہوا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں تو فرمایا تم زہد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ایک دن سخت گرم دوپہر میں حضرت جنید' حضرت سری سقطی کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ پانی پینے کا مشکیزہ دھوپ میں رکھا ہوا ہے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت پانی کا مشکیزہ دھوپ میں رکھا ہوا ہے؟ فرمایا یہ پہلے سائے میں تھا مگر جب دھوپ آ گئی تو میرے دل نے کہا کہ اسے سائے میں لے جاؤں مگر مجھے اس بات سے حیا آ گئی کہ میں کوئی ایسا قدم اٹھاؤں جس میں میرے نفس کے لیے راحت ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ کوئی چیز بھیجی تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ لڑکے نے کہا کہ انہوں نے مجھے قیمت نہیں بتائی تو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے والد کو جا کر کہنا کہ پچاس سال سے ہم لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اپنے دین کے بدلے کچھ مت کھاؤ۔ اور تم آج یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم اپنے دین کے بدلے کچھ کھا لیں گے۔

وفات

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ رمضان ۲۵۳ ہجری میں اذان فجر کے بعد اپنے رب تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔ عصر کے بعد تدفین ہوئی۔ ان کو شونیزی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

سیدنا حضرت عبدالصمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۳۹۷ ہجری بمطابق ۱۰۰۶ عیسوی)

- ☆ ایسا شخص شیطان کا جس میں کوئی حصہ نہ تھا۔
- ☆ ایسا شخص جس نے موت کو مسکراتے ہوئے گلے لگایا۔
- ☆ اپنے پاس جو کچھ ہوتا لوگوں کو دے دیتے مگر لوگوں سے کچھ نہ مانگتے۔

یہ ہیں عبدالصمد بن عمر بن محمد بن اسحاق ابو القاسم الواعظ۔ جو کہ زہد اور نیکی والوں میں سے تھے۔ اچھائی کا حکم دیتے' برائی سے روکتے تھے۔ بڑے متواضع انسان تھے۔ جب لوگوں سے بات کرتے تو کبھی مجلس کے بیچ میں نہ جاتے۔

مال غیر سے بے رغبتی

پاکباز نفس کے مالک تھے کسی سے کچھ نہ مانگتے اور نہ ہی کسی سے کچھ لیتے۔ ایک دن اپنے ساتھیوں میں بیٹھے انہیں دنیا کا حال سنا رہے تھے کہ اسی دوران ایک شخص سو دینار لے کر آیا تا کہ انہیں دے دے۔ مگر عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظریں زمین پر جھکائے جواب دیا کہ میں ان سے مستغنی ہوں۔ (مجھے ضرورت نہیں ہے) تو اس شخص نے کہا کہ یہ اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیں۔ تو فرمایا کہ یہ زمین پر رکھ دے۔ چنانچہ اس شخص نے ان لوگوں کے درمیان وہ دینار رکھ دیئے پھر حضرت عبدالصمد نے فرمایا کہ تم میں سے جس کو ضرورت ہو وہ اپنی ضرورت کے مطابق لے لے چنانچہ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق دینار اٹھاتے گئے۔ اسی دوران جب کہ لوگ دینار آپس میں تقسیم کر رہے تھے۔ عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا آیا اور اس نے کھجوریں خریدنے کے لیے ان سے پیسے مانگے مگر عبدالصمد کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹے کو کہا کہ جاؤ سبزی والے سے چوتھائی رطل کھجوریں لے لو۔"

اسی طرح عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے ادھار کھجوریں لے لیں مگر ان دیناروں میں سے کچھ بھی نہ لیا۔

عید کا دن اور فقر کے مزے

مہینے اور دن اسی طرح گزرتے رہے اور تیزی سے عید آ گئی۔ عبدالصمد اپنے خوشبودار دن گزار رہے تھے اور ان کا گھر راشن' دانہ پانی سے خالی تھا۔ ایک شخص کچھ درہم لیکر آیا اور کہا یہ لے لیجئے۔ عبدالصمد نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اے بھائی۔ اللہ کے لیے مجھے آج کے دن اپنے فقر سے لطف اندوز ہونے دے۔ جس طرح مالدار لوگ اپنی

مالداری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

عبدالصمد اپنے اصحاب کو محنت اور عمل اور طلب آخرت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تمہیں دنیا تو مل نہ سکی اب کہیں آخرت بھی تم سے چھوٹ نہ جائے۔

آخری خواہش

ایمان ان کے دل میں جاگزیں تھا۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتوں پر بھروسے سے معمور تھا۔ چنانچہ عبدالصمد بستر مرگ پر اپنے رب سے ملاقات کے حکم کے انتظار میں لیٹے تھے کہ ام الحسن بنت القاضی تشریف لائیں یہ حضرت عبدالصمد کے کاموں کی دیکھ بھال اور گھر کی خدمت کرتی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر مطالبہ کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کرو۔ چنانچہ عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے بعد میری بیٹی حنیہ کے لیے ایسی رہنا جیسی تم میری زندگی میں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا ضرور انشاء اللہ میں ایسا ہی کروں گی۔

وفات

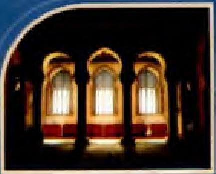
اس کے بعد عبدالصمد نے بات نہ کی اور بار بار استغفار کرتے رہے اور فرماتے جاتے کہ اللہ میری بیٹی کے لیے مجھ سے بہتر ہے۔

پھر جب تکلیف بڑھی تو کہنے لگے اے میرے آقا میں نے اسی دن کے لیے تیری عبادت کی تھی اور اسی وقت کے لیے اعمال کا ذخیرہ کیا تھا۔ میرے تجھ سے حسن ظن کو حقیقت بنا دے۔

پھر ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ بصرہ میں ''درب شماس'' میں تھے اور ۳۹۷ ہجری تھا۔

(بحمداللہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۵ عیسوی کو ترجمہ اختتام پذیر ہوا)

☆☆☆

دلچسپ فکر انگیز سبق آموز واقعات کا نایاب مجموعہ

۱۰۱ سبق آموز واقعات

مؤلف

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب

إدارۃ الرشید کراچی

دلچسپ فکر انگیز سبق آموز واقعات کا نایاب مجموعہ

۱۰۱
سبق آموز واقعات

مؤلف

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب

ادارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0321-2045610

نام کتاب .... ۱۰۱ سبق آموز واقعات

مؤلف .... مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب

ناشر .... ادارۃ الرشید کراچی

E-mail: idara-tur-rasheedpk.yahoo.com

ادارۃ الرشید

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0321-2045610

فہرست واقعات

انتساب

ہر اس مسلمان بھائی بہن کے نام جسے اس کتاب کے
۱۰۱ سبق آموز واقعات کے مطالعے سے کچھ سبق
یا عبرت حاصل ہو اور احقر مؤلف کو اپنی
نیک دعاؤں میں یاد رکھے۔

محمد ہارون معاویہ

عرضِ مؤلف

محترم قارئین! واقعات کے حوالے سے بندہ عاجز کی یہ پہلی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کا نام ”ایک سو ایک سبق آموز واقعات“ رکھا گیا ہے جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں ایک سو ایک سبق آموز واقعات ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اللہ کے فضل سے میری تالیف شدہ کتابوں کی تعداد اب تک بیس ہو چکی ہے، اور ان بیس کتابوں کی تالیف کے لئے بلا مبالغہ میں اب تک ہزاروں کتابوں کو اپنے مطالعے سے گزار چکا ہوں، جس میں میرا کوئی کمال نہیں بیشک یہ میرے اللہ ہی کا کرم و فضل ہے اور اب تو بحمد اللہ تقریباً زندگی کے اکثر شب و روز کا زیادہ تر وقت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں ہی گزر رہا ہے۔ لہٰذا ان کتابوں کے مطالعے کے دوران بہت سے سبق آموز و عبرت انگیز واقعات نظر سے گزرے، یقیناً ان واقعات سے میں نے خود اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں اور اثرات محسوس کئے، اس لئے اسی وقت سے ذہن میں یہ بات پختہ کر لی تھی کہ ان چیدہ چیدہ واقعات کو ضرور اپنے قارئین تک پہنچانے کی کوشش کروں گا انشاء اللہ، چنانچہ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کتاب میں موجود ایک سو ایک واقعات میں سے ہر واقعہ آپ کے لئے سبق آموز اور دلچسپ واقعہ ہوگا، میری دعا ہے کہ اللہ کرے یہ واقعات میری اور میرے قارئین کی زندگیوں میں اچھی اور مثبت تبدیلی کا ذریعہ ثابت ہوں آمین یا رب العٰلمین۔

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کار آمد بنا دے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا اور میرے ساتھ معاونت کرنے والے

میرے مخلص ساتھی مولانا ظہور الاسلام صاحب، مولانا فاروق عادل صاحب، مولانا عمر فاروق صاحب، مولانا محمد عادل شیخ صاحب مولانا محمد افضل صاحب، اور مولانا محمد کاشف صاحب۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی صاحب مدظلہ کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جب بھی ملاقات ہوتی ہے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب، اسی طرح میرے ہم کلاس، مخلص دوست کئی کتابوں کے مؤلف جناب مولانا محمد سفیان بلندی بھی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

میری دل سے ان حضرات کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصا اس کتاب کے ناشر مولانا فیصل رشید صاحب کا بھی دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش — محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی — ساکن میر پور خاص سندھ

واقعہ نمبر......۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کی بیوی نہایت حسین تھی جس پر وہ اسرائیلی فریفتہ تھا، چنانچہ جب اس عورت کا انتقال ہو گیا تو اس اسرائیلی کو بڑا قلق ہوا اور ایک مدت تک وہ اس عورت کی قبر پر بیٹھا روتا رہا، اتفاقاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے اس اسرائیلی کو پریشان حال دیکھ کر اس کا سبب معلوم کیا، جب اسرائیلی نے اپنا واقعہ بیان کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ میں اس کو تیرے لیے زندہ کر دوں؟ اس نے عرض کیا کہ، ہاں حضور یہی میں چاہتا ہوں۔

چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قبر کے مردہ کو آواز دی تو قبر سے ایک حبشی غلام جس کے ناک کے نتھنوں، آنکھوں اور جسم کے دوسرے سوراخوں سے آگ کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی غلام نے کلمہ پڑھا کہ "لا الہٰ الا اللّٰہ عیسیٰ روح اللّٰہ" اسرائیلی نے یہ دیکھ کر عرض کیا ،حضور! مجھ سے غلطی ہوگئی، میری بیوی کی قبر تو دوسری ہے، یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حبشی کو حکم دیا کہ تم اپنی قبر میں واپس ہو جاؤ، چنانچہ وہ مردہ ہو کر گر گیا اور اس کی قبر کو مٹی سے چھپا دیا گیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دوسری قبر کی جانب توجہ فرمائی اور حکم دیا کہ، اے صاحب قبر! اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا! چنانچہ قبر پھٹی اور اس سے ایک عورت سر سے گرد جھاڑتی ہوئی باہر آگئی جس کو دیکھ کر اسرائیلی

بولا کہ، یا روح اللہ! میری بیوی یہی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے وہ اسرائیلی اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر واپس ہونے لگا مگر عرصہ سے جاگا ہوا تھا اس لیے اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور اس نے بیوی سے کہا کہ تیری قبر پر گریہ وزاری اور بیداری نے مجھے ہلاک کر دیا ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کچھ دیر آرام کرلوں، بیوی کہنے لگی کہ! ہاں، آپ آرام کر لیجئے، چنانچہ وہ اسرائیلی بیوی کے زانو پر سر رکھ کر سو گیا، اتنے میں ایک گھوڑے پر سوار ایک شہزادے کا ادھر سے گزر ہوا جو اپنے زمانے کا یکتا حسین تھا، جس کو دیکھ کر شہزادی از خود فریفتہ ہوگئی اور اس کا دل قابو میں نہ رہا اس نے شوہر کا سر زانو سے نیچے رکھا اور فرط محبت وغلبہ عشق سے مجبور ہو کر شہزادے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، ادھر جیسے ہی شہزادے کی نظر اس پر پڑی وہ بھی اس کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا اور عورت کی خواہش پر اس کو اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لے گیا، چنانچہ اس کے شوہر نے بیدار ہو کر جب اپنی بیوی کو نہ پایا تو نہایت پریشان ہوا اور اس کے ملنے کی تدبیر سوچنے لگا سوچتے سوچتے آخر اس کے نشان قدم پر چل کر اپنی بیوی کو تلاش کر لیا جو شہزادے کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس کو دیکھ کر اسرائیلی نے شہزادے سے عرض کیا کہ، یہ میری بیوی ہے آپ اس کو چھوڑ دیجئے، ابھی شہزادہ کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ اس عورت نے کہا میں تیری بیوی نہیں، بلکہ شہزادے کی لونڈی ہوں! یہ سن کر شہزادہ اسرائیلی سے کہنے لگا کیا مجھ سے میری لونڈی کو لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا، خدا کی قسم! یہ میری بیوی ہے جس کو میرے سردار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مرنے کے بعد میرے لیے زندہ کیا ہے، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اتفاقاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے، جن کو دیکھ کر اسرائیلی کہنے لگا، یا روح اللہ! کیا یہ میری وہ بیوی نہیں ہے جس کو آپ نے میرے لیے زندہ کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! یہ وہی ہے یہ سن کر عورت کہنے لگی کہ یا روح اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے میں تو

اس شہزادے کی لونڈی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تو وہ عورت نہیں جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کیا ہے؟ عورت نے کہا، یا روح اللہ! بخدا میں وہ نہیں ہوں اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، جو جان خدا کے حکم سے میں نے تجھے دی ہے اس کو واپس کر دے! یہ سنتے ہی وہ عورت پھر مردہ ہو کر گر پڑی اور حضرت عیسیٰؑ فرمانے لگے کہ، جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جو کافر مرا تھا اور زندہ ہو کر ایمان لایا تو وہ اس حبشی غلام کو دیکھ لے جو پھر ایمان کی حالت میں مرا ہے اور جو کوئی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو مؤمن مرا تھا پھر اللہ نے اس کو زندہ کیا اور وہ کافر ہو کر حالت کفر میں مر گیا تو وہ اس عورت کو دیکھ لے، اس واقعہ کو دیکھ کر اسرائیلی نے قسم کھائی اب کبھی نکاح نہ کروں گا اور میدانوں کی طرف نکل گیا جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہ کر اسے موت آ گئی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ (بحوالہ حکایات الصالحین)

حاصل...... نبی اور رسول کے اقرار وانکار کا نتیجہ اس حکایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور سبق ملتا ہے کہ کامیابی اپنے نبی ﷺ کی اطاعت ومحبت سے ہی مل سکتی ہے، چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ ہر حال میں اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کو سامنے رکھیں، چاہے دل مانے یا نہ مانے لیکن نبی کریم ﷺ کے طریقوں کو لازمی اپنایا جائے، اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۲

حضرت خضر علیہ السلام کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام دریا کے کنارے بیٹھے تھے اتنے میں کسی سائل نے آ کر ان سے سوال کیا کہ میں آپ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں مجھے

عنایت فرمائیے! یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہوگئی، جب کچھ ہوش ہوا تو فرمانے لگے: بھائی! میں تو صرف اپنی جان اور مال کا مالک ہوں، تم نے مجھ سے اللہ کے واسطے سوال کیا ہے لہٰذا میں اپنی جان اور ذات تمہارے حوالے کرتا ہوں تم جس طرح چاہو اس کو استعمال میں لاؤ بازار میں فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اُٹھاؤ۔

چنانچہ سائل ان کو بازار لے گیا اور ایک شخص ساحمہ بن ارقم کے ہاتھ ان کو فروخت کر دیا، یہ خریدار ان کو اپنے گھر لے گیا جس کی پشت پر اس کا ایک باغ تھا، چنانچہ ساحمہ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک کدال دے کر کہا کہ اس سامنے والے پہاڑ (جو تین مربع میل رقبہ میں واقع تھا) مٹی کاٹ کاٹ کر باغ میں ڈالتے رہیں اور یہ حکم دے کر ساحمہ اپنی کسی ضرورت سے کہیں چلا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام اس پہاڑ سے مٹی کاٹ کاٹ کر باغ میں ڈالنے لگے، جب ساحمہ واپس آیا تو اس نے گھر والوں سے دریافت کیا: تم نے غلام کو کھانا بھی کھلایا یا نہیں؟ گھر والوں نے جواب دیا کہ: ہمیں معلوم نہیں غلام کہاں ہے؟ یہ سن کر جب ساحمہ خود کھانا لے کر باغ میں آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ غلام یعنی حضرت خضر علیہ السلام تمام پہاڑ کی مٹی کاٹ کر ڈال چکے تھے اور اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے مولیٰ حقیقی کی عبادت میں مصروف تھے، یہ دیکھ کر ساحمہ کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے دریافت کیا یہ تو بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ یہ بات سن کر حضرت خضر علیہ السلام پر کچھ بے ہوشی سی طاری ہوگئی اور پھر آفاقہ ہونے پر انہوں نے فرمایا کہ بھائی! میں خضر ہوں جس کو سن کر ساحمہ کے ہوش اُڑ گئے کہ تو نے یہ کیا کیا؟ ان کو غلام بنا کر ایسے کام پر لگایا یہ تو انتہائی گستاخی ہوئی پھر ہوش آنے پر ساحمہ نے توبہ کی اور پروردگار سے عذر خواہی کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کو آزاد کر دیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین مجھ سے اس کا مواخذہ نہ

فرمایئے، کیونکہ میں ان کو جانتا نہیں تھا اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے دعا فرمائی اور سجدہ شکر بجالائے کہ! اے میرے پروردگار میں تیرے ہی حق میں غلام بنا اور تیرے ہی حق میں آزاد ہوا، اس پر تیرا شکر گزار ہوں بعدازاں واپسی کی اجازت لے کر جب دریا پر واپس آئے تو دیکھا ایک شخص کھڑا دعا مانگ رہا ہے کہ اے میرے رب حضرت خضر علیہ السلام کو غلامی سے رہائی عطا فرمادے اور ان کی توبہ قبول فرمالے حضرت خضر علیہ السلام نے یہ دیکھ کر اس شخص سے دریافت کیا کہ آخر تو کون ہے؟ تو اس شخص نے بتایا کہ میں تو شاذون ہوں آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ! میں خضر ہوں۔

اس کے بعد شاذون نے کہا اے خضر! تم نے اپنے لیے رہنے کا مکان بنا کر دنیا طلب کی ہے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام کا دریا کے کنارے پر ایک عبادت خانہ تھا پس یہ سن کر وہ فوراً میدان میں نکل آئے اور وہیں اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے اسی جگہ ایک درخت لگایا اور اس کے سایہ میں عبادت شروع کی تو آواز آئی اے خضر! جب تم نے درخت کے سایہ میں سجدہ کیا تو تم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے مجھے دنیا کی محبت میں رضامندی نہیں ہے اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے شاذون فرشتہ سے کہا کہ اے شاذون! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے چنانچہ شاذون نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے شاذون کی برکت سے حضرت خضر علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ (از حکایتوں کا گلدستہ بحوالہ قلیوبی)

حاصل...... خدا کے برگزیدہ بندے اسی حالت میں راضی رہتے ہیں جو اللہ کو منظور ہو۔ بے شک ہماری فلاح بھی اسی میں ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر آنے والے

ہر پیچ وخم میں ہم راضی برضا رہیں، اللہ تعالیٰ کی چاہت کو سامنے رکھ کر زندگی گزاریں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۳

صلح حدیبیہ اور ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کا قصہ

سنہ ۶ ھ میں حضور اقدس ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے، کفار مکہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلت سمجھے اس لیے مزاحمت کی اور حدیبیہ میں آپ ﷺ کو رکنا پڑا، جاں نثار صحابہؓ ساتھ تھے جو حضور ﷺ پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے لڑنے کو تیار ہو گئے مگر حضور ﷺ نے مکہ والوں کی خاطر سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور صلح کی کوشش کی اور باوجود صحابہؓ کی لڑائی پر مستعدی اور بہادری کے حضور اکرم ﷺ نے کفار کی اس قدر رعایت فرمائی کہ ان کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔

صحابہؓ کو اس طرح دب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار تھا مگر حضور ﷺ کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرمانبردار اس لیے حضرت عمرؓ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا، صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں اُن شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے مسلمان اُس کو مکہ واپس کر دیں اور مسلمانوں میں سے خدانخواستہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے یہ صلح نامہ ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابو جندلؓ ایک صحابی تھے جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور

زنجیروں میں بندے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا ان کے باپ سہیل نے جو اس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، انھوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مرتب بھی نہیں ہوا اس لیے ابھی پابندی کس بات کی مگر انھوں نے اس بات پر اصرار کیا پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانا ابو جندلؓ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اُٹھا چکا اب واپس کیا جا رہا ہوں اُس وقت مسلمانوں کے دل پر جو گزر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے مگر حضور ﷺ کے ارشاد پر واپس ہوئے حضور ﷺ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکالیں گے صلح نامہ مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیرؓ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے کفار نے ان کو واپس بلانے کے لیے دو آدمی بھیجے حضور اقدس ﷺ نے حسب وعدہ واپس فرما دیا ابو بصیرؓ نے عرض بھی کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہو کر آیا آپ پھر مجھے کفار کے پنجہ میں بھیجتے ہیں آپ ﷺ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالے کر دی انھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے اب میرا نمبر ہے اس کے بعد ابو بصیرؓ پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں اس لیے میں نے یہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑ کانے والا ہے، کاش کوئی اس کا معین ومددگار ہوتا وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو واپس کر دیا جاؤں گا اس لیے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جندلؓ بھی جن کا قصہ پہلے گزرا چھپ کر وہیں پہنچ گئے اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ اُن کے ساتھ جا ملتا چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اس لیے ان لوگوں پر جو گزری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے اُن کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے حتیٰ کہ کفار مکہ نے پریشان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سری جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لیے آنے جانے کا راستہ کھلے، لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا ہے تو ابو بصیرؓ مرض الموت میں گرفتار تھے حضور ﷺ کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔

(رضی اللہ عنہ ورضوعنہ)

ف۔آدمی اگر اپنے دین پر پکا ہو بشرطیکہ دین بھی سچا ہو تو بڑی طاقت اس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کو مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔(بحوالہ حکایاتِ صحابہؓ)

حاصل......اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ استقامت کامیابی کے لئے

ضروری ہے، اگر استقامت نہ ہو تو انسان بہت جلد حالات کا شکار ہو کر اپنے ایمان سے محروم ہو جاتا ہے، چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ایمان پر استقامت سے ڈٹے رہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۴

بخت نصر بادشاہ کا عبرت انگیز واقعہ

بخت نصر بادشاہ ابتداء میں نہایت نیک بخت وصالح تھا حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ کی نہایت اطاعت کرتا تھا، اتفاقاً اس نے ایک عورت سے نکاح کیا، جس کے ہمراہ ایک لڑکی نہایت حسینہ وجمیلہ پہلے شوہر سے تھی، جب وہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو بادشاہ اس کی بہار حسن دیکھ کر فریفتہ و دیوانہ ہو گیا، اس کی ماں کو پیغام دیا، وہ بہت خوش ہوئی مگر دل میں اندیشہ کیا کہ بادشاہ پیغمبروں کا مطیع فرمان ہے، اور نکاح اللہ کے پیغمبر کی شریعت کے خلاف ہے، وہ کیوں اس کام کی اجازت دیں گے، اس لئے بادشاہ سے کہا کہ تم اس کا مہر ادا نہ کر سکو گے، اس نے دریافت کیا کہ کتنا مہر ہے؟ جو کچھ کہو میں دوں گا، عورت نے کہا اس کا مہر تمہارے دونوں پیغمبروں کا سر ہے، اگر تم یہ مہر ادا کر سکو تو لڑکی حاضر ہے، ورنہ اس کا نام مت لو، بادشاہ نے کہا کہ یہ پیغمبر ہمارے دشمن نہیں بلکہ ہمارے خیر خواہ اور دعا گو ہیں، ان کو بے جرم گناہ قتل کرنا ظلم عظیم ہے، اس کے سوا کچھ مانگو، جو مہر کہو، مجھے منظور ہے، اس نے کہا اس کے سوا کوئی مہر نہیں ہے، بادشاہ نے ہوائے نفسانی سے مغلوب ہو کر فوج کو حکم دیا کہ دونوں بے گناہوں کا سر کاٹ لاؤ، حکم کے بموجب سپاہیوں نے جا کر اول حضرت یحییٰؑ کو بیت المقدس میں

قتل کیا، اور حضرت زکریاؑ یہ حال دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلے، فوج پیچھے ہوئی اور شیطان نے ان کی رہنمائی کی جب سپاہیوں نے آدبایا اور گھیر لیا تو حضرت زکریاؑ نے ایک درخت سے التجا کی کہ مجھ کو اس وقت پناہ دے، وہ درخت پھٹ گیا، یہ اس کے اندر سما گئے، وہ پھر بند ہو گیا، لیکن قدرے کپڑا باہر رہ گیا، فوج متحیر ہوئی کہ کہاں غائب ہو گئے؟ شیطان نے نشان دیا کہ اس درخت کے اندر ہیں اور یہ کپڑا ان کے موجود ہونے کی علامت ہے، پھر شیطان نے آرا کی ترکیب بتلائی، درخت چیرا گیا، جب نوبت آرا کی سر تک پہنچی تو حضرت یحییٰؑ نے سسکی بھری، حکم الٰہی نازل ہوا، ''اگر اف کرو گے تو پیغمبری سے خارج کر دیئے جاؤ گے، تم نے غیر سے کیوں پناہ مانگی؟ اگر ہم سے التجا کرتے تو کیا ہم پناہ نہیں دے سکتے تھے؟ اب اس کا مزہ چکھو اور چپ سر پر آرہ چلنے دو، غرضیکہ سر سے پاؤں تک جسم چیرا گیا اور حضرت زکریاؑ نے دم نہ مارا، جب دونوں پیغمبر اس بیدردی سے قتل ہوئے، تو غضب الٰہی نازل ہوا، دن تاریک ہو گیا ایک بادشاہ فوج خونخوار لے کر چڑھا اور اس شہر کے باشندوں کو گرفتار کر لیا، حضرت یحییٰؑ کا خون بند نہ ہوتا تھا جب قبر میں رکھتے تھے، تو قبر خون سے لبریز ہو جاتی تھی، بادشاہ کے لشکر نے قسم کھائی کہ جب تک خون بند نہ ہو گا میں قتل سے باز نہ رہوں گا، ہزارہا آدمی تہ تیغ کر دیئے، لیکن خون بند نہ ہوا، اس وقت ایک شخص حضرت یحییٰؑ کی لاش پر آیا اور کہا کہ تم پیغمبر ہو، یا ظالم؟ ایک خون کے بدلے میں ہزار آدمی قتل ہو چکے، اب کیا سارے جہان کو قتل کراؤ گے؟ اتنا کہنا تھا کہ خون بند ہو گیا، جامع دمشق میں حضرت یحییٰؑ کی قبر ہے۔ (بحوالہ حکایات اولیاء)

حاصل...... غرض اس بیان سے یہ ہے کہ بجز اللہ کے کسی سے استعانت نہ چاہئے۔ کہ جب ایک نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ کے آرے سے چروادیا تو ہماری حیثیت کیا ہے، چنانچہ اس لئے اس واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہمیں

چاہیئے کہ نہ تو کبھی کسی پر کوئی ظلم کریں اور نہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر……۵

بنی اسرائیل کے ۹۹ افراد کے قاتل کی توبہ

بخاری ومسلم میں بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے یہاں توبہ کی قبولیت سے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا نہایت خوبصورت اور ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص چوری ڈکیتی اور قتل میں بہت مشہور تھا اور نہایت معمولی بات پر کسی کو قتل کر دیتا تھا، ہوتے ہوتے اس کے ہاتھ سے ۹۹ افراد کا قتل ہو چکا۔ اس کے بعد اس کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ مجھے بھی تو اللہ کے یہاں جانا ہے۔ چنانچہ یہ فکر بڑھتا رہا اور لوگوں سے معلومات کرتے ہوئے سرگرداں پھرنے لگا کہ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کسی عالم شخص سے ملاقات کی فکر ہوئی کہ معلوم کیا جائے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے ایک عابد شخص کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ اس شخص نے اس کے پاس جا کر مسئلہ معلوم کیا کہ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے، اور کیا میری مغفرت ہوسکتی ہے جبکہ میں نے ننانوے انسانوں کی جان ماردی ہے۔ تو اس عابد کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو اس نے اپنی عقل سے قیاس آرائی کہ جو آدمی ننانوے انسانوں کی جان مارسکتا ہے اس کی مغفرت کہاں سے ہوگی۔ چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ تیری توبہ قبول نہیں ہوگی، تو اس شخص نے غصہ اور جلال میں آکر اس کو بھی قتل کر کے سو (۱۰۰) پورے کر دیئے۔

کہ جب میری توبہ قبول نہیں ہوتی ہے تو لاؤ تجھے بھی ختم کر کے سو(۱۰۰) پورے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سو پورے کر دیئے۔

مگر اس کے دل میں تردد باقی رہا کہ میری مغفرت کی کوئی شکل ضرور ہوگی۔ اس لئے اس نے لوگوں سے پھر معلومات کا سلسلہ جاری کر دیا کہ روئے زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے اس سے جا کر کے معلوم کروں گا، وہی صحیح مسئلہ بتا سکتا ہے۔ آخر لوگوں نے اس کو بتلایا کہ فلاں جگہ ایک عالم رہتا ہے اس سے جا کے معلوم کرو۔ چنانچہ اس نے اس عالم صاحب کے پاس جا کر اپنی زندگی کی کارگزاری سنائی اور سو آدمیوں کو کس طرح سے قتل کیا ہے سارا کارنامہ سنا کر معلوم کیا کہ اب بتلایئے کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کیا اللہ کے یہاں مجھ جیسے گناہ گار کے لئے بھی مغفرت کا کوئی خانہ ہے تو اس عالم صاحب کو چونکہ علم تھا تو اس نے بتلایا کہ تیرے گناہ معاف کرنے میں اللہ کے یہاں کیا رکاوٹ ہے۔ اللہ کی رحمت کا سمندر تجھ جیسے گناہ گاروں کے گناہوں سے بہت بڑا اور بہت وسیع ہے چنانچہ اس عالم صاحب نے مشورہ دیا کہ تم فلاں جگہ سفر کر کے جاؤ وہاں کچھ اللہ کے بندے رہتے ہیں ان کا مشغلہ صرف اللہ کی عبادت ہے، ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو، اور نادم ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ انشاء اللہ تمہاری مغفرت ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے آدھا راستہ طے کر لیا تو ملک الموت آگئے اور اس کی موت ہوگئی۔ اب اس کی روح لیجانے کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ آسمانوں سے رحمت کے فرشتے بھی آئے اور عذاب کے فرشتے بھی۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح لیجانے کا حق ہم کو ہے۔ اس لئے کہ یہ سچے دل سے تائب ہو کر عبادت کے لئے جا رہا ہے اور عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ اس کی روح لے جانے کا حق ہم کو ہے اس لئے کہ اس شخص نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا ہے۔ پوری زندگی معصیت میں گنوادی ہے اسی دوران

آسمانوں سے آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ آیا۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنے والا فرشتہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تھے۔ چنانچہ اس فرشتہ نے تشریف لاکران دونوں طرح کے فرشتوں کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی مسافت ناپ کر کے دیکھ لو کہ جہاں سے آرہا ہے وہاں کی مسافت قریب ہے یا جہاں جارہا ہے وہاں کی مسافت۔؟

لہٰذا جہاں کی مسافت قریب ہو اس شخص کو وہاں والوں میں شمار کردیا جائے۔ چنانچہ دونوں طرف کی زمین ناپ کر دیکھی گئی تو جہاں جارہا تھا وہاں کی مسافت جہاں سے آرہا تھا اس کے مقابل میں صرف ایک بالشت قریب ہے چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مقام معصیت سے مقام عبادت صرف ایک بالشت قریب ہے، اس لئے رحمت کے فرشتوں کو اس کی روح لیجانے کا حق ہوگا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کی مغفرت کا اعلان ہوگیا۔

ایک روایت میں آتا ہے قتادۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حسن نے فرمایا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس شخص کے پاس جب ملک الموت آیا تو وہ شخص سینے کے بل اس سرزمین کی طرف گھسیٹتا گیا۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور وہ مجھے جہاں بھی یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں، بخدا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی ایسے شخص کو ہوتی ہے جس کا جانور بیابان میں گم ہوکر پھر اسے مل جائے، اور جو شخص ایک بالشت میری طرف آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے میں اس کے ایک باع (پھیلائے ہوئے دونوں ہاتھوں کے درمیان کی مسافت) قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کر

آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (کتاب التوابین بحوالہ بخاری شریف)

حاصل......معلوم ہوا کہ انسان جب بھی سچے دل کے ساتھ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے انشاء اللہ، یہ واقعہ خصوصاً ان حضرات کے لئے حوصلہ افزائی اور معاونت کا سبب ہے جو کہ بڑے بڑے گناہ کر کے اب مایوسی کی زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ شیطان انہیں مایوس کرتا ہے، بہرحال گناہگاروں کو شیطان کی باتوں میں آکر مایوس نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اللہ کی رحمت سے اچھی امید رکھ کر سچی توبہ کے ذریعے اپنے آپ کو پاک وصاف کر لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......٦

حضرت فضیل بن عیاض اور خلیفہ ہارون الرشید کا سبق آموز واقعہ

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید حج کے لئے مکہ مظمہ گیا منیٰ میں قیام کی پہلی رات تھی اس کا وزیر فضل بن ربیع رات گئے تک خیمہ میں اس کے ساتھ بیٹھا رہا پھر ہارون الرشید سے اجازت لے کر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور خواب راحت کے مزے لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اچانک سنا کہ کوئی اس کے خیمہ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اٹھ کر باہر آیا تو ہارون الرشید کو کھڑے پایا۔ فضل نے زمین ادب چوم کر کہا امیر المومنین نے اس وقت کیسے تکلیف فرمائی ہے۔ حضور حکم دیتے یہ غلام خود درِ دولت پر حاضر ہو جاتا۔ ہارون الرشید نے کہا اس وقت میرا دل کسی مردِ کامل کی زیارت کا متمنی ہے

مجھے کسی ایسے بزرگ کے پاس لے چل۔

فضل نے عرض کی کہ یہاں قریب ہی سفیان بن عُیینہؒ مقیم ہیں اگر آپ پسند فرمائیں تو ان کے ہاں چلیں ہارون الرشید نے کہا ''ہاں وہیں چلو۔''

دونوں سفیان بن عیینہؒ کی قیامگاہ پر پہنچے فضل نے دروازہ پر دستک دی سفیان نے پوچھا کون ؟ فضل نے کہا امیر المومنین تشریف لائے ہیں سفیان جلدی سے باہر نکلے اور بولے امیر المومنین مجھے پیغام بھیج دیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔

ہارون کچھ دیر ان کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ چلنے لگا تو پوچھا کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمایئے۔ سفیان نے کہا میرے سر پر قرض ہے۔

ہارون الرشید نے فضل کو حکم دیا کہ ابو محمد کا قرض فوراً ادا کرنے کا انتظام کرو۔ پھر دونوں وہاں سے چل پڑے۔

اثنائے راہ میں ہارون الرشید نے فضل سے کہا میرے دل کا اطمینان حاصل نہیں ہوا کسی دوسرے مردِ خُدا کے پاس چلو۔

فضل نے کہا۔امیر المومنین فلاں جگہ محدث عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی الصنعانی قیام پذیر ہیں ہارون الرشید نے کہا چلو انہی کے پاس چلتے ہیں فضل نے عبدالرزاق بن ہمام کی رہائش گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے عبدالرزاق نے آواز دی! کون ہے؟ فضل نے جواب دیا امیر المومنین آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرزاق عجلت سے باہر نکلے اور بولے امیر المؤمنین مجھے طلب فرمالیتے میں خود حاضر ہو جاتا، ہارون الرشید ان سے بھی تھوڑی دیر تک گفتگو میں مصروف رہا اور چلنے کا ارادہ کیا چلتے چلتے عبد الرزاق سے پوچھا آپ پر کوئی قرض تو نہیں؟ عبد الرزاق نے جواب دیا امیر المؤمنین میں اتنی رقم کا مقروض ہوں ہارون الرشید نے فضل کو حکم دیا ابو العباس ان کا قرض ادا کر دو وہاں سے چلے تو ہارون الرشید نے فضل

سے کہا اے ابوالعباس یہاں بھی میرے دل کی مراد پوری نہیں ہوئی چلو کسی اور کے پاس چلیں۔ فضل نے عرض کی امیر المؤمنین اس طرف فضیل بن عیاضؒ مقیم ہیں ہارون الرشید نے کہا تو آداب انہیں کے پاس چلتے ہیں، دونوں حضرت فضیل بن عیاض کے خیمہ پر پہنچے اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے (یا بروایت دیگر قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے) جب فارغ ہو گئے تو فضل نے دروازے پر دستک دی پوچھا کون ہے؟ فضل نے جواب دیا، امیر المؤمنین تشریف لائے ہیں۔ فضیل نے اندر ہی سے فرمایا یہاں امیر المؤمنین کا کیا کام؟ ان سے کہو تشریف لے جائیں اور میرے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔

فضل نے کہا سبحان اللہ کیا صاحب امر (خلیفہ) کی اطاعت آپ پر واجب نہیں ہے؟ فضیلؒ نے جواب میں فرمایا میری اجازت تو نہیں ہے ہاں حکومت کے زور پر اندر آنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔ یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھول دیا اور ساتھ ہی چراغ گل کر دیا تاکہ ہارون الرشید کا چہرا دکھائی نہ دے ہارون الرشید اور فضل دونوں خیمے کے اندر داخل ہو گئے اور گھپ اندھیرے میں فضیل کو ڈھونڈ نے لگے اچانک ہارون الرشید کا ہاتھ فضیل کے ہاتھ سے مس ہو گیا انہوں نے فرمایا، کیا ہی نرم ہاتھ ہے یہ ہاتھ کتنا خوش نصیب ہوگا اگر قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے۔ ہارون الرشید نے کہا! اللہ آپ پر رحمت کرے ہمیں کوئی نصیحت فرمایئے۔

فضیل بن عیاضؒ، تیرے باپ عباسؓ رسول اکرم ﷺ کے چچا تھے انہوں نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے کسی علاقہ کی حکومت عطا فرمایئے، حضور نے کہا اے عباس! میں نے تمہیں تمہارے نفس پر امیر بنایا، ایسا نفس جو اطاعت حق میں مشغول رہے اس حکومت سے بہتر ہے جس کی ذمہ داریوں کا کوئی

شمار نہیں حکومت قیامت کے دن شرمندگی کا باعث ہوگی۔

ہارون الرشید، کچھ اور ارشاد فرمایئے۔

فضیل بن عیاض، امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے رجاء بن حیوۃؒ، سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب القرظی کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ میں آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں، مجھے کوئی مشورہ دو۔ اے ہارون الرشید! ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو خلافت کو آزمائش خیال کیا لیکن تم اور تمہارے ساتھی اسے نعمت سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اب سنو کہ عمر بن عبدالعزیز کو سالم بن عبداللہ نے کیا جواب دیا، انہوں نے فرمایا اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں تو مسلمانوں میں جو بڑی عمر کا ہے اس کو اپنے باپ کی طرح، جو آپ کی عمر کا ہے اس کو اپنے بھائی کی طرح، اور جو لڑکا ہے اس کو اپنے فرزند کی طرح سمجھئے، اسی طرح غیر عورتوں کو اپنی ماؤں کی طرح اور بہنوں کی طرح سمجھئے۔

رجاء بن حیوۃؒ نے کہا، اگر آپ قیامت کے دن حق تعالیٰ کے سامنے شرمسار ہونا نہیں چاہتے تو مسلمانوں کے لیے وہی پسند کیجئے جو آپ اپنے لیے کرتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لیے بُرا سمجھتے ہیں اسے مسلمانوں کے لیے بھی بُرا سمجھئے، پھر جب چاہے بے خوف وخطر اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کر دیجئے۔

اے ہارون الرشید، اے خلیفۃ المسلمین میں بھی تمہیں اسی دن کا خوف دلاتا ہوں جب بڑے بڑے مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے اللہ تم پر رحم کرے کیا تمہارے ساتھی عمر بن عبدالعزیز کے ساتھیوں کی طرح ہیں جو تم کو ان جیسا مشورہ دیتے ہیں۔

حضرت فضیل کے ارشاد سن کر ہارون الرشید پر رقت طاری ہوگئی اور وہ اس قدر رویا کہ غشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو کہا، کچھ مزید فرمایئے۔

فضیل بن عیاضؒ۔اے ہارون الرشید میں تیرے اس حسین وجمیل چہرے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دوزخ کی آگ میں جھلس نہ جائے یاد رکھ کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ تجھ سے ایک ایک مسلمان کی نسبت سوال کرے گا کہ تو نے اس سے انصاف کیا یا نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی بڑھیا کسی رات بھوکی سوئی ہوگی تو قیامت کے روز وہ بھی تیرا دامن پکڑے گی اور تجھ سے جھگڑا کرے گی پس اس چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا اور زندگی کے لیل ونہار اسی طرح گزار کہ تیرے دل میں اپنی رعیت کے بارے میں کوئی کھوٹ اور کینہ نہ ہو کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس حاکم نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کے دل میں اپنی رعایا کے خلاف کینہ بھرا ہوا ہے وہ جنت کی بُو بھی نہ سونگھنے پائے گا، ہارون الرشید یہ سن کر زار زار رونے لگا یہاں تک کہ اسے اپنی سدھ بدھ نہ رہی، فضل بن ربیع نے حضرت عیاضؒ سے کہا، امیر المؤمنین سے کچھ نرمی برتئے آپ نے تو انہیں مار ہی ڈالا ہے۔عیاضؒ نے فرمایا اے ربیع کے بیٹے ہارون الرشید کو تم اور تمہارے ساتھیوں نے ہلاک کیا ہے میں نے انہیں ہلاک نہیں کیا ہے، ہارون الرشید کو ہوش آیا تو اس نے حضرت فضیل سے پوچھا! آپ پر کوئی قرض ہے؟ فرمایا خدا کا قرض ہے جس کا وہ مجھ سے محاسبہ کرے گا پس ہلاکت ہے میرے لیے جب مجھ سے باز پرس ہوگی اور میری کوئی دلیل کام نہ آئے گی۔

ہارون الرشید نے کہا میں لوگوں کا قرض پوچھتا ہوں۔

فرمایا میرے رب نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدہ کو سچا جانوں اور اس کی اطاعت کروں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے سوا کسی اور غرض کے لئے پیدا نہیں کیا مجھے نہ تو ان سے رزق حاصل کرنے کی خواہش ہے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں بے شک اللہ ہی رازق اور زبردست قوت والا ہے۔

ہارون الرشید! یہ ایک ہزار دینار کی تھیلی ہے میری والدہ کی میراث ہے اور خالص طیب ہے اس کو قبول فرمائیے۔

فضیلؒ ۔افسوس میری تمام نصیحتیں رائیگاں گئیں اور تم نے ان کو دل میں جگہ نہ دی یہ مال اس کو دو جس کو اس کی ضرورت ہے لیکن تم اس کو دیتے ہو جس کو اس کی ضرورت نہیں یہ مجھ پر ظلم نہیں تو کیا ہے میں تجھے نجات دلانا چاہتا ہوں اور تو مجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے فضل بن ربیع کہتا ہے کہ پھر حضرت فضیلؒ خاموش ہو گئے اور ہم دونوں سلام کر کے ان کی قیام گاہ سے باہر آ گئے راستے میں امیر المومنین نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا دیکھا مردان حق ایسے ہوتے ہیں آئندہ جب میں تم سے کہوں کہ کسی مرد خدا کے پاس لے چلو تو تم اس قسم کے (فضیل بن عیاض جیسے) مرد کے پاس لے جایا کرو۔ (بحوالہ احسن القصص)

حاصل......اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہم کبھی دنیا کی طلب میں نہ لگیں بلکہ اپنی آخرت کی فکر کو ملحوظ رکھیں ،اور خود کبھی کوئی امارت اور وزارت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں،البتہ اگر مسلمانوں کے مشوروں سے کوئی عہدہ سونپ دیا جائے ،تو حضرت فضیل بن عیاضؒ کی ان نصیحتوں کو اپنے سامنے رکھیں ،اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

واقعہ نمبر......۷

عبداللہ بن تامر کی آزمائش اوران کی شہادت

امام نسائیؒ، امام احمدؒ امام ترمذیؒ اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بروایت صہیب رومی حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے (ان نقول میں کسی قدر کمی زیادتی ہے

مگر ہم خلاصہ نقل کرتے ہیں) کہ کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا اس کے یہاں ایک کاہن یا ساحر (جادوگر) تھا جو اپنے فن میں کمال رکھتا تھا اس کی سلطنت گویا اسی کے جادو کے بل بوتے پر قائم تھی، بادشاہ کے دشمنوں کو وہ اپنے جادو کے زور سے ہلاک کردیتا تھا، لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی، امرائے سلطنت اور ارکان دولت اگر بادشاہ سے ناراض ہوتے یا سرتابی کرتے تو یہ اپنے جادو سے انکا رخ بادشاہ کی طرف موڑ دیتا تھا، اس طرح وہ ہر کام جادو سے کرالیتا تھا جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا اور اس کو اپنی زندگی سے ناامیدی ہوئی تو اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں میری عمر اخیر ہونے کو ہے، آپ کوئی ذہین اور سمجھدار لڑکا میرے سپرد کریں تاکہ میں اس کو اپنا علم سکھادوں، تاکہ میرے بعد وہ آپ کے امور سلطنت کو درست رکھے، چنانچہ بادشاہ نے ایک عاقل اور ہوشیار لڑکا اس کے حوالے کردیا، وہ لڑکا اس جادوگر کے پاس صبح شام حاضر ہونے لگا اور جادو کا فن سیکھنے لگا، راستے میں ایک راہب (درویش) اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں رہتا تھا۔

(معمر راوی کہتے ہیں کہ اس وقت راہب لوگ اپنے اصلی دین عیسوی پر قائم تھے،) ایک دن اس لڑکے نے دیکھا کہ بہت سے لوگ صومعہ (عبادت خانہ) سے نکل رہے ہیں اس لڑکے نے معلوم کیا کہ یہاں کون رہتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک راہب (عابد) رہتا ہے یہ سن کر وہ لڑکا بھی اس راہب کے پاس پہنچا اور اس کی باتیں سنیں، راہب کی باتوں سے اس کا قلب متاثر ہوا۔

راہب نے اس لڑکے کو دین حق اور توحید کی تعلیم دینی شروع کی تو وہ لڑکا ایمان لے آیا، یہ لڑکا جادوگر کے پاس جاتے ہوئے راستے میں راہب کے پاس ٹھہر جاتا تھا، اور دیر ہو جانے کی وجہ سے جادوگر اس لڑکے پر غصہ ہوتا تھا اور زدوکوب کرتا، لڑکا کہہ دیتا کہ مجھے گھر میں دیر ہوگئی، آخر جادوگر نے بادشاہ کے پاس شکایت کی، بادشاہ

نے لڑکے کو تاکید کی کہ ساحر کے پاس سویرے پہنچا کرو، اس کے درباریوں نے کہا کہ یہ لڑکا سویرے گھر سے آتا ہے، راستے میں دیر کرتا ہے، تو بادشاہ اور ساحروں نے یہ خیال کیا کہ کھیل میں لگ جاتا ہوگا، اس لئے دونوں نے لڑکے کو خوب تنبیہ کی، لیکن لڑکا درویش کے پاس جاتا رہا۔

ایک دن یہ لڑکا راہب کے پاس سے بادشاہ کی طرف واپس ہورہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ کسی مہلک جانور (شیر یا اژدھے) نے راستہ روک رکھا ہے لوگ اِدھر اُدھر (دونوں طرف) رکے کھڑے ہیں، لڑکے نے دل میں خیال کیا کہ آج امتحان لیتا ہوں کہ راہب حق پر ہے یا ساحر حق پر ہے؟ یہ خیال کرکے اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اٹھایا کہ اے خدا اگر اس راہب کا مذہب حق ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک فرما، اور وہ پتھر اس کو مار دیا اور وہ جانور اس سے فوراً ہلاک ہوگیا، لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا تو کہنے لگے کہ اس کو جادوگری میں کمال حاصل ہوگیا ہے، لڑکے کی ہر جگہ تعریف ہونے لگی اور اس کی خوب شہرت ہوگئی۔

آہستہ آہستہ یہ خبر راہب تک بھی پہنچ گئی اس نے لڑکے کو تنہائی میں بلا کر کہا بیٹا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی وکمال سے نوازا ہے، میں جانتا ہوں کہ تیرا مرتبہ بہت بلند ہوگا، اور تو کسی آزمائش میں مبتلا ہوگا لیکن یادرکھنا میں بہت کمزور اور بوڑھا ہوں کسی کو میرا پتہ نہ دینا، لڑکے سے قول وقرار لیکر راہب مطمئن ہوگیا، ادھر راہب کی صحبت اور انجیل مقدس کی تلاوت واتباع کی برکت سے حق تعالیٰ نے اس لڑکے کو ولایت عظمیٰ سے نوازا، یہاں تک کہ کوڑھی، مادرزاد نابینا، اور لاعلاج مریض اس لڑکے کی دعا سے شفایاب ہونے لگے لڑکا خوب مشہور ہوگیا، اس شہرت کو سن کر اس بادشاہ کا نابینا مصاحب اس کے پاس آیا اور خوب تحفے نذرانے پیش کرکے عرض کیا کہ مجھ پر بھی توجہ فرمایئے، اور میری آنکھیں بھی اچھی کردیجئے، لڑکے نے کہا کہ مجھے کوئی

نذرانہ ہدیہ درکار نہیں اور شفا میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ شفا دینے والا ہے، اگر آپ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائیں اور شرک و بت پرستی سے توبہ کرلیں تو میں اللہ سے دعا کروں گا پروردگار عالم آپ کی بینائی واپس عطا فرمادیں گے، وہ اندھا اسی وقت مجلس میں مشرف بایمان ہوا اور لڑکے نے دعا کی اور اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں، معمول کے مطابق جب یہ شخص بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو اس کی بینائی پر تعجب ہوا؟ اس سے معلوم کیا کہ میری مملکت کے تمام معالج تیری آنکھ کے علاج سے عاجز ہوگئے تھے آخر تجھ کو کس سے شفا حاصل ہوئی؟ مصاحب نے کہا کہ میرے پروردگار نے اپنی قدرت سے مجھے بینائی عطا فرمائی ہے بادشاہ نے کہا کہ میرے سوا تیرا پروردگار کون ہے؟ مصاحب نے کہا کہ میرا آپ کا اور اس ساری کائنات کا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، بادشاہ غضب ناک ہوا اور اس مصاحب کو سخت سزا دی اور پوچھا کہ یہ عقیدہ تجھ کو کس نے سکھایا؟ سختی سے گھبرا کر اس نے لڑکے کا نام بتادیا، بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تجھ کو میری پرورش اور میرے جادوگر کے فیض سے یہ کمال حاصل ہوا ہے، لڑکے نے کہا کہ میرے اور آپ کے اور جادوگر کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے یہ اللہ کی قدرت پر موقوف ہے، بادشاہ سخت ناراض ہوا اور اس کو کڑی سزا دلوائی اور کہا یہ لڑکا بہت غائب رہتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی جگہ جاتا تھا وہاں اس کے خیالات بدل گئے، جادوگر نے بھی دربار میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یہ لڑکا مدت سے غائب ہے، میرے پاس نہیں آتا۔

بادشاہ نے کہا اس سے سختی سے پوچھا جائے کہ یہ مدت سے کہاں رہا اور کس کے پاس آتا جاتا ہے جب سختی حد سے بڑھ گئی تو لڑکے نے مجبور ہوکر گوشہ نشین راہب کا نام بتادیا، بادشاہ نے راہب کو گرفتار کرکے حاضر دربار کیا اور اس سے کہا کہ اگر تو

اپنے دین سے نہ پھرے گا تو تجھ کو آرے سے چیر دیا جائے گا، راہب نے کہا کہ میں ہرگز اپنے دین برحق سے نہ پھروں گا، اور جو مصیبت آئے گی اس پر صبر کروں گا۔

چنانچہ بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو آرے سے چیر دیا گیا، پھر مصاحب کو بلا کر یہی کہا، مصاحب نے بھی دین برحق کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اس کو بھی آرے سے چیر کر شہید کر دیا گیا، پھر لڑکے کو بلا کر سمجھایا گیا کہ اگر تجھ کو زندگی محبوب ہے تو باز آجا ورنہ تو ان دونوں کا انجام دیکھ چکا ہے، تیرا حشر بھی یہی ہوگا، لڑکے نے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، تو بادشاہ نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجاؤ اور اس کو خوب سمجھاؤ اگر مان گیا تو اس کو بڑا مقام دوں گا اور اپنا مصاحب بنالوں گا، اور اگر یہ باز نہ آئے تو پہاڑ کی چوٹی پر سے اس کو دھکیل دینا تاکہ اس کے اعضاء پاش پاش ہو جائیں۔

جب اس کو پہاڑ پر لے گئے اور سمجھایا دھمکایا تو لڑکے نے اللہ سے اپنی حفاظت کی دعا کی، اسی وقت پہاڑ پر زلزلہ پیدا ہو گیا اور شاہی لوگ پہاڑ پر سے گر کر ہلاک ہو گئے، لڑکا بعافیت گھر واپس آیا، بادشاہ نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ جو تجھ کو لے گئے تھے، لڑکے نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے ان کے شر سے میری حفاظت کی اور ان کو ہلاک کر دیا، بادشاہ نے دوسرے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو ایک کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جاؤ یہ اپنے دین سے باز آئے تو بہتر ہے ورنہ دریا میں پھینک دو، چنانچہ وہ اس کو دریا میں لے گئے، اور سمجھایا، لڑکے نے پھر دعا کی تو کشتی الٹ گئی اور شاہی لوگ غرق ہو گئے، اور لڑکا صحیح سالم واپس آگیا، بادشاہ نے ماجرا پوچھا تو لڑکے نے پورا قصہ بیان کر دیا۔

اس لڑکے نے کہا اے بادشاہ تو مجھے مار نہیں سکتا ہاں تجھ کو میرا قتل ہی مقصود ہے تو اس کی تدبیر میں بتاتا ہوں، اگر وہ تدبیر اختیار کرے گا تو تو مجھ کو مار سکے گا، بادشاہ

نے تدبیر پوچھی، تو لڑکے نے کہا، اس شہر کے تمام لوگوں کو شہر سے باہر ایک میدان میں جمع کر لے اور مجھ کو سولی پر چڑھا کر ایک تیر اپنی ترکش سے نکال کر کلمہ "بسم اللہ رب ھذا الغلام" کہہ کر وہ تیر میرے مارتو میں مرجاؤں گا، بادشاہ نے یہی کیا تو تیر اس لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس لڑکے نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھ لیا، اور یہ کہتا ہوا شہید ہوگیا کہ میں اپنے پروردگار کے نام پر شہید ہو کر کامیاب ہوگیا۔

اور اس واقعہ کو دیکھنے پر تمام لوگوں نے باآواز بلند کہا کہ "امنّـا بِربّ ھذا الغلام امنّا بِربّ ھذاالغلام" یہ سن کر بادشاہ کے درباریوں نے کہا آپ نے ان تینوں کو ہلاک کر دیا ہے جو آپ کے مذہب کے خلاف تھے، مگر اب تو سب ہی لوگ آپ کے خلاف ہوگئے، یہ بات سن کر بادشاہ نہایت غضبناک ہوا اور شرمندگی سے چلا اٹھا اور خندقیں کھدوا کر اس میں آگ دہکانے کا حکم دے دیا، چنانچہ خندق میں آگ دہکائی گئی، اس کے کنارے پر اعیانِ سلطنت کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کارندوں سے کہا کہ سب سے معلوم کرو، جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو آگ میں ڈالدو، چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق ایمان والوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا گیا، یہاں تک کہ ایک ایسی عورت کو بھی لایا گیا جس کی گود میں بچہ تھا عورت کو جب آگ میں ڈالنے لگے تو وہ ہچکچائی، بادشاہ نے کہا کہ عورت کو رہنے دو پہلے اس کے بچے کو آگ میں ڈال دو شاید اس طرح وہ اپنے ایمان سے واپس ہو جائے۔

چنانچہ اس کے بچے کو آگ میں پھینک دیا گیا، بچے نے بلند آواز سے کہا، اماں جی! آپ صبر کریں اور بلا گھبراہٹ بسم اللہ پڑھ کر آگ میں کود پڑو یہ آگ گل وگلزار بن جائے گی، عورت یہ سن کر بغیر کسی گھبراہٹ کے آگ میں کود گئی، اور وہ آگ ایسی بھڑکی کہ اس نے بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو جو کہ کرسیوں پر بیٹھے مظلوموں کو جلنے

کا تماشہ دیکھ رہے تھے، سب کے سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

حضرت ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے آگ میں گرنے سے پہلے ہی ان کی روح قبض کر لی تھی، اس طرح ان کو اس آگ کی تکلیف سے اللہ نے محفوظ رکھا، محمد بن اسحاقؒ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر بتایا ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ یمن کے شہر نجران میں پیش آیا تھا، اور اس حادثہ میں اس ظالم بادشاہ (ذونواس) نے تقریباً بیس ہزار آدمیوں کو آگ میں ڈال کر شہید کیا تھا اس بارے میں دوسرے بھی اقوال ہیں، محمد اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس مقام میں مدفون تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اتفاق سے کسی ضرورت کی بنا پر وہ زمین کھودی گئی تو اس میں عبداللہ بن تامر کی لاش صحیح وسالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، اور اسکا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھا ہوا تھا، کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ جگہ سے ہٹایا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا گیا تو خون بند ہو گیا۔

اس عبداللہ بن تامر کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر اللہ ربی کندہ تھا، عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع فوراً حضرت عمر فاروقؓ کو دی حضرت فاروق اعظم نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی سابقہ حالت پر انگوٹھی سمیت دفن کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (بحوالہ بخاری ومسلم شریف)

حاصل ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایمان پر جب استقامت کے ساتھ انسان ڈٹ جائے تو یقیناً اللہ کی مدد آتی ہے، لہٰذا وقتی آزمائشوں سے نہیں گھبرانا چاہئے بلکہ ایمانی استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، چاہے اس کے لئے جان ہی کیوں نہ دینی پڑے، اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے ایمان پر استقامت

سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸

حلال رزق اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک واقعہ

حضرت قاری طیب صاحبؒ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام احمدؒ کو خط لکھا کہ بہت عرصہ ہوا آپ تشریف نہیں لائے۔ آپ سے ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ استاد ہیں اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ ان کے شاگرد ہیں، حضرت امام شافعیؒ کا قیام مصر میں تھا، اس لئے وہاں شوافع زیادہ ہیں، جواب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فوراً اپنا پروگرام لکھ کر بھیج دیا کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو آپ کی خدمت میں مصر میں حاضر ہو رہا ہوں۔ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے گھر والوں کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو اور دوست احباب اور دوسرے علماء کو ان کے آنے کی اطلاع دی، پھر ان کی دعوت اور ان کے استقبال کا خصوصی اہتمام کیا، اور لوگوں سے بتایا کہ اگر چہ وہ میرے شاگرد ہیں مگر وہ ایک بڑے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ جس دن ان کو پہنچنا تھا، اس دن امام شافعیؒ اپنے شاگردوں اور دوسرے علماء کو لے کر ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے، اس وقت مصر کے جو بادشاہ تھے وہ بھی حضرت امام شافعیؒ کے معتقد تھے، وہ بھی امام صاحب کے ساتھ استقبال کے لئے چلے آئے، اور پھر بادشاہ کے ساتھ ان کے ارکان دولت بھی وزراء اور امراء بھی آ گئے، وقت مقررہ پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ پہنچ گئے، حضرت امام شافعیؒ نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا، اور پھر عزت و احترام کے ساتھ ان کو لے کر گھر پہنچ گئے

اوران کے لئے بہترین کھانے کا انتظام کیا۔

اس زمانے میں عام طور پر اولیاء اللہ اور بزرگوں کی شان یہ تھی کہ وہ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کھانا کھانے بیٹھے تو دیر تک اس طرح کھانا کھاتے رہے جیسے کئی روز کے بھوکے ہیں، باقی لوگ کھانا کھا کر اٹھ گئے مگر وہ کھاتے رہے، لوگ بہت متعجب ہوئے کہ حضرت امام شافعیؒ نے تو ان کی تعریف کی تھی کہ یہ بڑے اللہ والے اور بزرگ انسان ہیں، مگر یہ تو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے ہیں۔ لوگوں میں اور گھر والوں میں ان کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔

پھر جس کمرے میں حضرت امام احمد حنبلؒ کے لئے رات کے وقت آرام کرنے کا انتظام کیا گیا تھا، اس کمرے میں حضرت امام شافعیؒ کی بچیوں نے ایک مصلیٰ بچھا دیا، مسواک رکھ دی، استنجا کے لئے ڈھیلے اور پانی رکھ دیا اور وضو کے لئے لوٹا بھر کر پانی رکھ دیا تا کہ جب وہ رات کو تہجد کے لئے اٹھیں تو انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو، اور اس زمانے میں رات کو تہجد کے لئے اٹھنا ایک عام معمول تھا۔

اللہ تعالیٰ بچائے کہ آج ہمارے زمانے میں یہ افسوسناک ماحول ہو گیا کہ صبح آٹھ بجے اور نو بجے اٹھنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اس زمانے میں تو عام لوگ بھی تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے، اور قائم اللیل ہوا کرتے تھے، اور جو علماء اور صلحاء تھے وہ تو رات کے وقت عبادت کیا ہی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی تہجد پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بہر حال حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے رات کو اس کمرے میں آرام کیا اور صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے چلے گئے، جیسے ہی وہ نماز کے لئے نکلے تو حضرت امام شافعی کی بچیاں اس کمرے میں آ گئیں تو وہاں دیکھا کہ پانی کا لوٹا ویسے کا ویسا پانی سے بھرا ہوا

ہے، نہ مسواک استعمال ہوئی، نہ ڈھیلے استعمال ہوئے اور نہ وضو کے لئے پانی استعمال ہوا، سب کچھ جیسا تھا، ویسا ہی رکھا ہوا ہے۔ اب ان کے دل میں یہ شبہ ہوا کہ شاید رات کو چونکہ زیادہ کھالیا تھا، اس لئے تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی جب فجر کی نماز پڑھ کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ تشریف لائے تو گھر والوں نے حضرت امام شافعیؒ سے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تو بہت بڑے اللہ والے اور بہت بڑے بزرگ ہیں، مگر رات کو انہیں کھانا بھی خوب کھایا، اور رات کو ہم نے ان کے وضو اور استنجا کے لئے پانی اور ڈھیلے رکھے تھے وہ بھی استعمال نہیں ہوئے، معلوم ہوا کہ رات کو تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی۔

اب حضرت امام شافعیؒ کو بھی تشویش ہوئی، لہٰذا انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بلایا اور تنہائی میں لے جا کر ان سے پوچھا کہ اس طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں کہ آپ نے کھانا بھی غیر معمولی طور پر کچھ زیادہ کھایا اور جس کمرے میں آپ کے لئے سونے کا انتظام کیا گیا تھا، اس کمرے میں آخری شب میں استعمال کے لئے جو چیزیں رکھی گئی تھیں، وہ بھی استعمال میں نہیں آئیں، کیا بات ہوئی؟ آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے، کیا یہاں سے جانے کے بعد آپ کے مزاج میں کچھ تبدیلی آگئی ہے؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حضرت! میرے بارے میں جو باتیں ہو رہی ہیں وہ درست نہیں ہیں بلکہ بات کچھ اور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں جس وقت کھانا کھانے کے لئے آپ کے دستر خوان پر پہنچا اور جس وقت میں نے اس کمرے میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ اس کھانے کے حلال اور طیب ہونے کی وجہ سے وہ کمرہ نور سے چکا چوند ہو رہا ہے، اور یہ دیکھا کہ آسمان سے لے کر اس دستر خوان تک انوار کی بارش ہو رہی ہے، جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو میں نے سوچا

کہ شاید اس سے زیادہ حلال اور طیب کھانا مجھے زندگی میں نہیں ملے گا، لہٰذا جتنا بھی زیادہ سے زیادہ اس کو کھایا جاسکے، کھالیا جائے، اس لئے کہ اس کھانے کا ذرہ ذرہ ایمان کو اور دل کو روشن کرنے والا ہے، اس لئے مجھ سے جتنا زیادہ سے زیادہ کھانا کھایا جاسکا کھالیا، اور میں نے یہ نہیں دیکھا کہ کون کتنا کھا رہا ہے، اور کون میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے جہاں تک مجھ میں کھانے کی سکت تھی میں کھاتا گیا، اور پھر حلال کھانے سے بدہضمی بھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ سریع الھضم ہوتا ہے اور اندر جاکر جزو بدن بن جاتا ہے اور روح کو منور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ الحمدللہ! میں نے اس کا اثر محسوس کیا، کھانا کھانے کے بعد نہ تو مجھے بدہضمی ہوئی اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی۔

پھر کھانا کھانے کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب میں اس کمرے میں پہنچا جہاں آپ نے میرے لئے آرام کا انتظام کیا تھا، وہاں جاکر تو میری حالت ہی بدلی ہوئی تھی، اور سونے کو آرام کرنے کو طبیعت ہی نہیں چاہ رہی تھی، اگرچہ میں لمبا سفر کر کے آیا تھا، مگر اس کھانے میں اتنی غذائیت اور توانائی تھی کہ میری تکان بھی ختم ہو گئی اور سستی بھی جاتی رہی۔

اور جب میں سونے کے لئے لیٹا تو مجھے نیند نہ آئی، لہٰذا میں لیٹا رہا اور لیٹے لیٹے قرآن وحدیث میں غور کرتا رہا، حتیٰ کہ پوری رات غور وفکر کرتے ہوئے گزار دی، اور اس رات میں نے قرآن وحدیث سے ایک سو مسائل مستنبط کر لئے، اور وہ مسائل ایسے تھے جو اس سے پہلے کبھی میرے ذہن میں آئے بھی نہیں تھے اور نہ ان کی طرف کبھی خیال گیا تھا، لیکن جب آج کی رات میں نے غور کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ قرآن وحدیث کے علوم اور اسرار میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں، تمام مسائل کی تفصیل اور جوابات میرے ذہن میں آتے چلے گئے اور صبح تک میں مسائل

کا استنباط کرتا رہا، اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ یہ سب آپ کے کھانے کا اثر تھا جو رات بھر میں نے محسوس کیا، اس لئے تہجد کے وقت نہ تو لوٹا استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نہ مسواک کی ضرورت پیش آئی، اور وہی عشاء کا وضو میرے لئے فجر میں کام آیا۔ یہ سن کر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اپنے گھر والوں کو حقیقت حال بتائی، اور جو لوگ ان کے بارے میں غلط قسم کی باتیں کررہے تھے ان سے کہا کہ تم نے ان کی شان میں گستاخی کی ہے، لہٰذا ان سے معافی مانگو ان کا تو یہ حال ہے۔

(بحوالہ خطبات حکیم الاسلام)

حاصل...... واقعی ہمارے اندر جو دین کا جذبہ نہیں ہے اور دین کی طرف میلان نہیں ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ دین برحق ہے اور آخرت برحق ہے اور ہمیں آخرت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، پھر بھی دل اس طرف نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری غذا میں مشتبہ غذا کا بڑا دخل ہے۔ اس لئے ہم حرام اور مشتبہ غذا سے بچنے کی کوشش کریں، خود بھی بچیں اور اپنے گھر والوں کو اور اپنے بچوں کو بھی حرام اور مشتبہ غذا سے بچائیں کہ کسی کے پیٹ میں حرام اور مشتبہ غذا نہ جانے پائے، ورنہ اس کے وبال سے نہ بچ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلال اور طیب روزی عطا فرمائے اور حرام غذا سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔ (جستہ جستہ از اصلاحی بیانات ج:۲)

واقعہ نمبر......۹

ایک حسین نوجوان کا سبق آموز واقعہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سخت ترین گرمی کے زمانے میں حج کو چلا لو بڑی شدت سے چلتی تھی ایک دن جب میں وسط حجاز میں پہنچا تو اتفاقاً قافلہ سے بچھڑ گیا اور مجھے کچھ غنودگی سی آگئی دفعۃً آنکھ جو کھلی تو اس جنگل بیابان میں ایک

آدمی نظر آیا تو میں جلدی جلدی اس کی طرف چلا تو دیکھا ایک کمسن لڑکا تھا جس کی داڑھی بھی نہ نکلی تھی اور اس قدر حسین کہ گویا چودھویں رات کا چاند ہے۔ بلکہ دوپہر کا سورج اس پر ناز ونعمت کے کرشمے چمک رہے ہیں میں نے اس کو سلام کیا اس نے کہا ابراہیم وعلیکم السلام میرا نام لینے پر مجھے انتہائی حیرت ہوئی اور مجھ سے سکوت نہ ہوسکا میں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ صاحبزادے تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوا تو نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں کہنے لگا ابراہیم! جب سے مجھے معرفت حاصل ہوئی میں انجان نہیں بنا اور جب سے مجھے وصال نصیب ہوا کبھی فراق نہیں ہوا میں نے پوچھا اس سخت گرمی میں اس جنگل میں تجھے کیا مجبوری کھینچ کر لائی کہنے لگا ابراہیم اُس کے سوا میں نے کبھی کسی سے انس پیدا نہیں کیا اور نہ اس کے سوا کسی کو ساتھی اور رفیق بنایا میں اس کی طرف بالکلیہ منتقل ہو چکا ہوں اور اس کے معبود ہونے کا اقرار کر چکا ہوں میں نے پوچھا کہ تیرے کھانے پینے کا ذریعہ کیا ہے کہنے لگا محبوب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے میں نے کہا خدا کی قسم مجھے ان عوارض کی وجہ سے جو میں نے ذکر کئے تیری جان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو اس نے روتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی موتیوں کی طرح سے اس کے رخساروں پر پڑ رہی تھی چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ کون شخص ڈرا سکتا ہے مجھ کو جنگل کی سختی سے حالانکہ میں اس جنگل کو اپنے محبوب کی طرف چل کر قطع کر رہا ہوں اور اس پر ایمان لا چکا ہوں مجھ کو بے چین کر رہا ہے اور شوق ابھارے لئے جاتا ہے اور اللہ کا چاہنے والا کبھی کسی آدمی سے نہیں ڈر سکتا اگر مجھے بھوک لگے گی تو اللہ کا ذکر میرا پیٹ بھرے گا اور اللہ کی حمد کی وجہ سے میں پیاسا نہیں ہوسکتا اور اگر میں ضعیف ہوں تو اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک (یعنی پورب سے پچھم تک) لے جا سکتا ہے تو میرے بچپن کی وجہ سے مجھے حقیر سمجھتا ہے اپنی ملامت کو چھوڑ جو ہونا تھا ہو چکا میں نے پوچھا تجھے خدا کی قسم اپنی

صحیح صحیح عمر بتا کیا ہے کہنے لگا تو نے بڑی سخت قسم مجھے دے دی جو میرے نزدیک بہت ہی بڑی ہے میری عمر بارہ برس کی ہے پھر وہ کہنے لگا ابراہیم تجھے میری عمر پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی میں نے کہا مجھے تیری باتوں نے حیرت میں ڈالدیا کہنے لگا اللہ کا شکر ہے اس نے بہت نعمتیں عطا فرمائیں اور اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے بہت سے مؤمن بندوں سے افضل بنایا ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے اس کے حسن صورت، حسن سیرت اور شیریں کلام پر بڑا تعجب ہوا میں نے کہا سبحان اللہ حق تعالیٰ شانہ نے کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں اس نے تھوڑی دیر نیچے کو سر جھکا لیا پھر اوپر کی طرف نظر اٹھا کر بہت ترچھی اور کڑوی نگاہ سے مجھے دیکھا اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ۔''اگر میری سزا جہنم ہو تو میرے لئے ہلاکت ہے اس وقت میری یہ رونق اور خوبصورتی کیا بنائے گی اس وقت میری ساری خوبیوں کو عذاب عیب دار بنادے گا اور جہنم میں طویل عرصہ تک رونا پڑیگا اور جبار جل جلالہ یہ فرمائے گا اور بدترین غلام تو میرے نافرمانوں میں ہے تو نے دنیا میں میرا مقابلہ کیا میری حکم عدولی کی تو میرے عہد وپیان کو (جو ازل میں ہوئے تھے) بھول گیا تھا یا میری (قیامت کی) ملاقات کو بھول گیا تھا (اے ابراہیم) تو اس دن دیکھے گا کہ فرمانبرداروں کے منہ چودھویں رات کی چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور حق تعالیٰ شانہ اپنے اوپر سے انوار کے پردے ہٹا دینگے جس کی وجہ سے یہ فرمانبردار اس پاک ذات کی زیارت سے ایسے مبہوت ہو جائیں گے کہ اس کے مقابلے میں ہر نعمت اور ہر راحت کو بھول جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہ ان فرمانبرداروں کو ہیبت اور خوشنودی کا لباس پہنائیں گے اور ان کے چہروں کو رونق اور شادابی عطا ہوگی''۔ یہ اشعار پڑھ کر کہنے لگا۔ اے ابراہیم مہجور وہ ہے جو دوست سے منقطع ہو گیا ہو اور وصال اس کو حاصل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے وافر حصہ لیا ابراہیم اپنے رفقاء سفر سے بچھڑ گئے ہو میں نے

کہاہاں میں ایسے ہی رہ گیا تجھ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لئے دعا کرے کہ میں اپنے ساتھیوں سے جاملوں میرے اس کہنے پر اس لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ آہستہ آہستہ زبان سے کہا کہ مجھے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوئے اس وقت مجھے دفعۃً نیند کا جھونکا سا آیا یا بیہوشی سی ہوئی اس سے جو میں نے افاقہ پایا تو قافلے کے بیچ میں اونٹ پر اپنے آپ کو پایا اور میرے اونٹ پر جو میرا ساتھی تھا وہ مجھ سے کہہ رہا تھا ابراہیم ہوشیار رہو سنبھلے رہو ایسا نہ ہو اونٹ پر سے گر جاؤ اور اس لڑکے کا مجھ کو کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ آسمان پر اڑ گیا یا زمین کے اندر اتر گیا جب ہم سارا راستہ طے کر کے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکا کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے رو رہا ہے اور چند شعر پڑھ رہا ہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ میں کعبہ کا پردہ پکڑ رہا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت بھی کر رہا ہوں لیکن دل میں جو کچھ ہے اس کو اور راز کی بات کو تو خوب جانتا ہے میں بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر آیا ہوں کہیں سوار نہیں ہوا اس لئے کہ میں باوجود اپنی کم سنی کے فریفتہ عاشق ہوں میں بچپن ہی سے تجھ پر مرنے لگا ہوں جب کہ میں عشق کو جانتا بھی نہ تھا اور اگر لوگ ملامت کریں کسی بات پر تو میں ابھی عشق کا طفل مکتب ہوں اے اللہ اگر میری موت کا وقت آ گیا ہو تو شاید میں تیرے وصل سے بہرہ یاب ہوسکوں"۔ اس کے بعد وہ بے اختیار سجدہ میں گر گیا اور میں دیکھتا رہا اور اس کے بعد میں اس کے پاس گیا اور اس کو ہلایا تو وہ انتقال کر چکا تھا رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے انتقال کا بڑا سخت صدمہ ہوا میں وہاں سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر آیا اور اس کے کفن دینے کے لئے کپڑا لیا اور مدد کے لئے ایک دو آدمی ساتھ لئے اور وہاں پہنچا جہاں اس کو مردہ چھوڑ کر آیا تھا تو اس کی نعش کا کہیں پتہ نہ چلا وہاں دوسرے حاجیوں سے دریافت

کیا مگر کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ کسی نے اس کو دیکھا تو میں سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لوگوں کے آنکھوں سے پوشیدہ فرما رکھا تھا میں وہاں سے اپنے قیام گاہ پر واپس آ گیا اور مجھے کچھ غنودگی سی آ گئی تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں ہے اور سب سے پیش پیش ہے اور اس پر اس قدر نور چمک رہا ہے اور ایسے عمدہ جوڑے ہیں کہ ان کی صفت بیان میں نہیں آسکتی میں نے اس سے پوچھا کہ تو وہی لڑکا ہے کہنے لگا میں وہی ہوں میں نے پوچھا کیا تیرا انتقال نہیں ہوا اس نے کہا ہاں ہو گیا میں نے کہا کہ میں نے تجھے تجہیز و تکفین کے لئے بہت تلاش کیا کہیں پتہ نہ چلا کہنے لگا ابراہیم سن جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا اور اپنی محبت میں فریفتہ کیا اور میرے عزیز واقارب سے جدا کیا اسی نے مجھے کفن دیا اور کسی دوسرے کا محتاج بننے نہیں دیا میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مرنے کے بعد تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا اس نے کہا اللہ جل شانہ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا ۔ اور فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے میں نے عرض کیا الہا تو الٰہی مقصود ہے اور تیری ہی مجھے آرزو ہے فرمایا کہ بیشک تو میرا سچا بندہ ہے اور جو تو مانگے اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں میں نے عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کے میرے زمانے کے تمام آدمیوں میں میری سفارش قبول فرمالے ارشاد ہوا کہ ان سب کے بارے میں تیری سفارش مقبول ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس لڑکے نے خواب میں مجھ سے رخصتی مصافحہ کیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا میں نے حج کے جو ارکان باقی تھے وہ پورے کئے مگر اس لڑکے کی یاد سے اور اس کے رنج سے میرے دل کو قرار نہ تھا میں حج سے فارغ ہو کر واپس ہوا لیکن حالت یہ تھی کہ راستہ میں سارے قافلہ والے یہ کہتے تھے کہ ابراہیم تیرے ہاتھ کی مہک سے ہر شخص حیران ہے کہ کیسی خوشبو آ رہی ہے اور اس واقعہ کے نقل کرنے والے کہتے ہیں کہ مرنے تک ابراہیمؒ کے ہاتھوں میں سے وہ

خوشبو آتی رہی۔ (بحوالہ فضائل حج)

حاصل...... بیشک جو اللہ کی محبت میں ڈوب جاتا ہے اس کی کیفیت ایسی ہی ہو جاتی ہے، اور یقیناً اصل چیز تو اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی ہے، خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ڈوب کر زندگی گزارے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی حقیقی محبت نصیب فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......١٠

حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہودی سے مناظرہ

یہودیوں کا بڑا مجمع اور ان کا ایک عالم ان میں تقریر کر رہا ہے حضرت بایزید بسطامیؒ جا کر اس مجمع میں بیٹھ گئے ان کے بیٹھتے ہی ان کے عالم کی زبان بند ہوگئی مجمع میں شور ہوا کہ حضرت بولتے کیوں نہیں؟...... عالم نے کہا "**دخل فینا محمدی**" ہم میں کوئی محمدی آگیا ہے، زبان بند۔ انہوں نے کہا اسے کھڑا کر وقتل کریں گے، کہا نہیں بھائی! جو محمدی ہو کھڑا ہو جائے، حضرت بایزید بسطامیؒ کھڑے ہو گئے یہودی نے کہا میں سوال کروں گا تو جواب دے گا؟ بایزیدؒ نے کہا دوں گا حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں ایک سوال کروں گا تو جواب دے گا؟ کہا دوں گا یہودی عالم نے سوالات شروع کر دیئے۔

(۱)......ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہیں؟

فرمایا: اللہ ایک ہے اس کے ساتھ دوسرا نہیں۔

(۲)......کہا دو بتاؤ جس کا تیسرا نہ ہو؟

فرمایا: "اللیل والنھار" دن اور رات اس کا تیسرا نہیں۔

(۳)......کہا تین بتاؤ جس کا چوتھا نہ ہو؟

فرمایا: لوح و قلم و کرسی تین ہیں اس کا چوتھا نہیں۔

(۴)......کہا چار بتاؤ جس کا پانچواں نہ ہو؟

فرمایا: تورات، زبور، انجیل، اور قرآن یہ چار ہیں اس کا پانچواں نہیں۔

(۵)......کہا کہ پانچ بتاؤ جس کا چھٹا نہیں؟

فرمایا اللہ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، چھ نہیں۔

(۶)......کہا کہ چھ بتاؤ جس کا ساتواں نہیں؟

فرمایا: ﴿خلق السمٰوٰت والارض بینھما فی ستة ایام ثمّ استوٰی علٰی العرش﴾ (القرآن) چھ دن میں زمیں وآسمان بنائے ہیں سات نہیں۔

(۷)......کہا کہ سات بتاؤ جس کا آٹھواں نہیں؟

فرمایا: ﴿الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقاً وجعل القمر فیھم نوراًوجعل الشمس سراجاً﴾ (القرآن) میرا رب کہتا ہے کہ میں نے سات آسمان بنائے ہیں اس لئے آسمان سات ہیں اس کا آٹھواں نہیں۔

(۸)......کہا آٹھ بتاؤ جس کا نواں نہ ہو؟

فرمایا: ﴿ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیة﴾ (القرآن)
میرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے پکڑا ہوا ہے نو نے نہیں۔

(۹)......کہا وہ نو بتاؤ جس کا دس نہیں؟

فرمایا: ﴿فی المدینه تسعةُ رهطٍ یُفسدون﴾ (القرآن) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو بڑے بدمعاش تھے۔ دسواں نہیں تھا اللہ نے نو کہا ہے۔

(۱۰)......کہا وہ دس بتاؤ جس کا گیارہواں نہیں۔ فرمایا: حج میں کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ نے ہم پر سات روزے وہاں رکھنے اور تین گھر پر رکھنے کو کہا ﴿تلک

عشرة كاملة﴾ (القرآن) یہ دس ہیں گیارہ نہیں۔

(۱۱)......کہاوہ گیارہ بتاؤ جس کا بارہ نہیں؟

فرمایا حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی تھے بارہ نہیں تھے۔

(۱۲)......کہاوہ بارہ بتاؤ جس کا تیرہ نہیں؟

فرمایا سال میں اللہ نے بارہ مہینے بنائے ہیں تیرہ نہیں۔

(۱۳)......کہاوہ تیرہ بتاؤ جس کا چودہ نہیں؟

فرمایا رئیتُ أحدَ عشرَ كوكباً وّالشمسَ والقمرَ رئيتُهمْ لِي سٰجدينَ (القرآن) حضرت یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے دیکھے ایک سورج دیکھا ایک چاند دیکھا جو مجھے سجدہ کر رہے ہیں یہ تیرہ ہیں چودہ نہیں۔

(۱۴)......کہاوہ بتاؤ کیا چیز ہے۔جس کو خود اللہ نے پیدا کیا اس کے بارے میں خود ہی سوال کیا؟

فرمایا حضرت موسیٰ کا ڈنڈا۔اللہ کی پیداوار ہے لیکن خود سوال کیا وما تلک بيَمينكَ يٰموسىٰ (القرآن) اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔

(۱۵)......کہا: کہ بتاؤ سب سے بہترین سواری کیا ہے؟ فرمایا، گھوڑا۔

(۱۶)......کہا: کہ بتاؤ سب سے بہترین دن۔فرمایا جمعہ کا دن۔

(۱۷)......کہا: کہ بتاؤ سب سے بہترین رات۔فرمایا لیلۃ القدر

(۱۸)......کہا: کہ بتاؤ سب سے بہترین مہینہ۔فرمایا ماہِ رمضان المبارک

(۱۹)......کہا: کہ بتاؤ کونسی چیز ہے جس کو اللہ نے پیدا کر کے اس کی عظمت کا اقرار کیا۔

فرمایا اللہ نے عورت کو مکار بنایا اور اس کے مکر کا اقرار کیا اِنَّ کیدَکُنَّ عظیمٌ

(القرآن) عورت کا مکر بڑا زبردست ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ بڑے سے بڑے عقلمند کے قدم اکھاڑنے والی ہو۔اور کوئی چیز نہیں ہے سوائے عورت کے بڑوں بڑوں کے عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

(۲۰)......کہا بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جو بے جان مگر سانس لیتی ہے؟

فرمایا والصُّبحِ اذَا تنَفَّسُ ۔میرا رب کہتا ہے کہ مجھے صبح کی قسم جب وہ سانس لیتی ہے۔

(۲۱)......کہا بتاؤ وہ کونسی چودہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ پاک نے اطاعت کا حکم دے دیا ان سے بات کی۔

فرمایا......سات زمین سات آسمان" ثُمَّ اسْتوىٰ اِلَى السَّمآءِ وهِىَ دُخانٌ فقالَ لها وللأرضِ ئتيا طَوعاً أوْ كرهاً قالتا أتينا طآئعين "(القرآن) اللہ نے سات زمینیں سات آسمان بنائے اور ان چودہ کو خطاب فرمایا کہ میرے سامنے جھک جاؤ تو ان چودہ کے چودہ نے کہا کہ یا اللہ! ہم آپ کے سامنے جھک رہے ہیں۔

(۲۲)......کہا بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جسے اللہ نے خود پیدا کیا پھر اللہ نے اسے خرید لیا؟

فرمایا......اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو خود خرید لیا جنت کے بدلے "اِنَّ الله اشْترىٰ منَ المؤمنين أنفُسَهم وأموالَهُم بأنَّ لهُمُ الجنَّة "(القرآن) ارے مسلمان اللہ کی قسم نہ تو بیوی کا ہے نہ تو بچوں کا ہے نہ تو تجارت کا نہ تو صدارت کا ہے نہ تو حکومت کا ہے نہ تو کسی جماعت کا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔اگر تو اللہ اور رسول کا بن کے چلے گا تو یہ سارا نقشہ تیرے تابع ہو کے چلے گا اور اگر اللہ اور رسول سے ٹکرائے گا تو اللہ تجھے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔

(۲۳)...... کہا بتاؤ وہ کونسی بے جان چیز ہے جس نے بے جان ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا فرمایا حضرت نوح ؑ کی کشتی پانی پر چلی اور چلتے چلتے جب بیت اللہ پر آئی تو بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔

(۲۴)...... کہا بتاؤ وہ کونسی قبر جو اپنے مردے کو لے کر چلی فرمایا حضرت یونس ؑ کی مچھلی جو اپنے اندر حضرت یونس ؑ کو بٹھا کر چالیس دن تک پھرتی رہی اور وہ قبر کی طرح تھی قبر کی طرح چل رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت قاہرہ غالبہ حضرت یونس ؑ کو مچھلی کے پیٹ میں بٹھا کر نہ مرنے دیا نہ بھوکا رکھا نہ پیاسا رکھا نہ بیمار کیا نہ پریشان کیا بلکہ مچھلی کو شیشے کی طرح کر دیا حضرت یونس ؑ مچھلی کے پیٹ میں بیٹھ کر سارے دریا کا تماشہ دیکھتے اندر سے باہر کا منظر دیکھتے مچھلی کا ایک ہی معدہ ہے اس میں غذا بھی آرہی ہے لیکن حضرت یونس ؑ امانت ہیں آرام سے بیٹھے ہیں معدے کی حرکت حضرت یونس ؑ کو تکلیف نہیں دے رہی لیکن مچھلی کی غذا بھی کھائی جارہی ہے حضرت یونس ؑ امانت بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

(۲۵)...... کہا بتاؤ وہ کونسی قوم ہے جس نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں جائے گی فرمایا حضرت یوسف کے بھائی "وَجَآءُ وْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ، قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً" (القرآن) حضرت یوسف ؑ کے بھائی شام کو آئے اور بکری کا خون کرتہ کے اوپر مل کر آئے اور جھوٹ بولا حضرت یوسف ؑ کو بھیڑیا اٹھا کے لے گیا لیکن حضرت یعقوب ؑ کے استغفار پر اور ان کی توبہ کرنے پر اللہ انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(۲۶)...... کہا بتاؤ وہ کونسی قوم ہے جو سچ بولے گی پھر بھی جہنم میں جائے گی فرمایا یہودی اور عیسائی ایک بول میں سچے ہیں یہودی کہتے ہیں عیسائی باطل پر ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی باطل پر ہیں اس میں دونوں سچے ہیں۔ "وقالتِ

الیَھودُ لیستِ النَّصٰریٰ علیٰ شئی وقالتِ النصٰریٰ لیستِ الیَھودُ علیٰ شئی ''(القرآن) دونوں سچے ہیں اس میں لیکن دونوں جہنم میں جائیں گے، اس کے علاوہ تو اور بھی بہت سوالات ہیں لیکن وقت بہت ہوگیا ہے اس لئے باقی کو چھوڑ رہا ہوں۔

اب حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اب میرا بھی ایک سوال ہے میں صرف ایک سوال کروں گا جواب دو گے کہا دوں گا۔ فرمایا مامَفتاحُ الجنۃِ مجھے بتا دے جنت کی چابی (کیا ہے؟......) یہودی عالم خاموش ہوگئے تو نیچے مجمع سے لوگوں نے کہا کہ بولتے کیوں نہیں؟ تم نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی اور وہ ہر ایک کا جواب دیتا رہا اور آپ ایک کا بھی جواب نہیں دے رہے کہنے لگا جواب مجھے آتا ہے مگر تم مانو گے نہیں یہی آج ہم کہتے ہیں کہ جناب مجھے سارا پتہ ہے تو مانتے کیوں نہیں؟ کہتے ہیں کیا کریں مجبور ہیں اسی مجبوری کو توڑنے کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکلا جائے یہودی عالم نے کہا جواب تو مجھے آتا ہے تم مانو گے نہیں کہنے لگے اگر تو کہے گا تو ہم مانیں گے کہ جنت کی چابی تو محمد رسول اللہ ﷺ ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی چابی میرے ہاتھ میں ہے اور جنت کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہے ساری دنیا کے انسان میرے جھنڈے کے نیچے جنت میں جائیں گے کوئی میرے جھنڈے سے نکل نہیں سکتا جنت کا دروازہ اور چابی آپ کے ہاتھ میں کوئی جا نہیں سکتا جنت والے جنت کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں'' وسیقَ الذینَ اتَّقوا ربَّھُم اِلَی الجنَّۃِ زُمَراً ۔ حتّٰی اذَا جآءُوھا وَفُتِحتْ أبوابُھا ''(القرآن) آئے ہیں دروازے پر کھڑے ہیں دروازہ بند ہے حضرت آدم کے پاس آتے ہیں اے ہمارے باپ! تو ہی ہمارا جدِ اول تو ہی ہمارا سب سے بڑا تو ہی جنت کا دروازہ کھلوا۔ وہ ارشاد فرمائیں گے ارے میں نے ہی تو تمہیں جنت سے نکلوایا تھا میں تمہیں

کہاں سے داخل کرواؤں یہ میرے بس کی بات نہیں ہے حضرت نوحؑ کے پاس آئیں گے آپ جد ثانی ہیں آپ دروازہ کھلوایئے وہ کہیں گے کہ میں نہیں کھلوا سکتا آج میرے بس کی بات نہیں ہے حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے حضرت عیسیٰؑ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے بس کی بات نہیں ہے جاؤ نبی عربی ﷺ کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ میں جنت کی چابی ہے اور جس کی اتباع میں دنیا کی کامیابی ہے۔

حاصل...... یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت مولانا طارق جمیل صاحب بڑے درد سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اتنا بھی آج ایمان نہیں ہے کہ اپنی دکان کے حرام کو نکال سکے تو یہ اسلام کہاں سے زندہ کرے گا جب اتنا ایمان نہیں ہے کہ ایک سنت کو سجا سکے تو یہ دنیا میں دین کو کیسے زندہ کرے گا اس کی نمازیں اس کو کیا نفع دیں گی دل حضرت محمد ﷺ والا نہیں ہے معاف کرنا دل میرا بھی اور آپ کا بھی وہی قارون والا ہے کہ مال اور مال ہو پیسہ ہو اور پیسہ ہو دروازہ بند ہے آج کوئی کھلوا کے تو دکھائے۔

(بحوالہ بصیرت افروز واقعات از مولانا طارق جمیل صاحب)

واقعہ نمبر......۱۱

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں جو بعد میں بڑے زاہدوں اور بڑے علماء میں سے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ابوذرؓ ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں مگر انہوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ جب ان کو حضور اقدس ﷺ کے نبوت کی پہلی پہلی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی کو حالات کی

تحقیق کے واسطے مکہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔ وہ مکہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے ابوذرؓ کی اس مجمل بات سے تشفی نہ ہوئی تو خود سامان سفر باندھا اور مکہ پہنچے اور سیدھے مسجد حرام میں گئے حضور ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مصلحت کے خلاف سمجھا شام تک اسی حال میں رہے شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مُسافر ہے مُسافروں کی غریبوں کی پردیسیوں کی خبر گیری ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا ان حضرات کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس لئے ان کو اپنے گھر لے آئے میزبانی فرمائی لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو کیوں آئے مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا صبح کو پھر مسجد آ گئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت کسی سے کیا نہیں غالبًا اس کی وجہ یہ ہو گی کہ حضور ﷺ کے ساتھ دشمنی کے قصے بہت مشہور تھے آپ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں ان کو خیال ہوا ہو کہ صحیح حال معلوم نہیں ہو گا اور بدگمانی کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لیے آیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی اس لئے پھر اپنے گھر لے گئے اور رات کو کھلایا سُلایا مگر پوچھنے کی اس رات کو بھی نوبت نہ آئی تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی تو حضرت علیؓ نے دریافت کیا، فرمایا کہ تم کس کام سے آئے ہو؟ کیا غرض ہے؟

تو حضرت ابوذرؓ نے پہلے ان کو قسم اور عہد و پیمان دیئے، اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں اس کے بعد اپنی غرض بتلائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ بیشک اللہ

کے رسول ہیں اور صبح کو میں جب جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا میں وہاں تک پہنچادوں گا لیکن مخالفت کا زور ہے اس لئے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ ہو تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتا درست کرنے لگوں گا تم سیدے چلے چلنا میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں جس کی وجہ سے تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو چنانچہ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پیچھے پیچھے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے وہاں جاکر بات چیت ہوئی اسی وقت مسلمان ہو گئے حضور اقدس ﷺ نے اُن کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمہ توحید کو اُن بے ایمانوں کے بیچ چلاّ کے پڑھوں گا چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدِرسول اللہ**'' پڑھا پھر کیا تھا، چاروں طرف سے لوگ اُٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا مرنے کے قریب ہو گئے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اُن کے اُوپر بچانے کے لیے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو یہ شخص قبیلہ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملک شام کے راستہ میں پڑتا ہے تمہاری تجارت وغیرہ سب ملک شام کے ساتھ ہے اگر یہ مرگیا تو شام کا آنا جانا بند ہو جائے گا اُس پر ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملک شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جاکر پھر بآواز بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے اس لیے ان پر ٹوٹ پڑے دوسرے دن بھی حضرت عباسؓ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ (بحوالہ حکایات صحابہؓ)

حاصل...... حضور ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود کہ اپنے اسلام کو چھپاؤ اُن کا یہ فعل حق کے اظہار کا ولولہ اور غلبہ تھا کہ جب یہ دین حق ہے تو کسی کے باپ کا کیا جاتا ہے جس سے ڈر کر چھپایا جائے اور حضور ﷺ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمل نہ ہو ورنہ حضور ﷺ کہ حکم کے خلاف صحابہؓ کی یہ مجال ہی نہ تھی چونکہ حضور اقدس ﷺ خود ہی اسلام پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرمار ہے تھے اس لئے حضرت ابو ذرؓ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور ﷺ کے اتباع کو ترجیح دی۔

یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی اور دنیاوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان اُن کے قبضہ میں تھا جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آتا تھا بڑی سے بڑی قوت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اشاعت سے ہٹا سکتا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

❁......❁......❁

واقعہ نمبر......١٢

حضرت مالک بن دینارؒ کی توبہ کا سبق آموز واقعہ

مالک بن دینارؒ سے ان کی توبہ کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، میں ایک سپاہی تھا اور شراب کا رسیا تھا۔ میں نے ایک نفیس باندی خریدی اور وہ میرے دل میں خاص مقام کی مالک بن گئی اس سے میری ایک بچی پیدا ہوگئی، میں اس بچی کو حد سے زیادہ پیار کرتا تھا جب وہ زمین پر گھسٹ کر چلنے لگی تو میرے دل میں اس کی محبت

اور بڑھ گئی، وہ مجھ سے مانوس ہوگئی اور میں اس کے سامنے جب شراب لاکر رکھتا تو وہ آ کر کھینچا تانی کر کے میرے کپڑوں پر شراب بہادیتی جب اس کے دو سال ہو گئے تو وہ مرگئی میرے دل کو اس کے غم نے بیمار کر دیا۔

پندرہ رمضان کو جمعہ کی رات میں شراب کے نشے میں مدہوش تھا، میں نے عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی میں نے خواب میں دیکھا کہ صور پھونکا گیا اور قیامت قائم ہوگئی مردے قبروں سے اٹھائے گئے اور تمام مخلوق جمع ہوگئی میں بھی ان میں تھا میں نے اپنے پیچھے سے آہٹ سنی مڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدھا ہے کالے رنگ کا ،آنکھیں نیلی ہیں، منہ کھولے میری طرف دوڑ رہا ہے۔

خوف ودہشت کے مارے میں بھاگا راستے میں ایک ستھرے لباس والے شخص کے پاس سے گذر ہوا میں نے سلام کہا اس نے جواب دیا میں نے کہا بابا! مجھے اس اژدھے سے پناہ دو تجھے اللہ تعالیٰ پناہ دے گا وہ بوڑھا رونے لگا اور کہا میں کمزور اور ضعیف ہوں اور یہ اژدھا زبردست ہے، میرے بس میں نہیں آگے چلو اور بھاگو شاید اللہ تعالیٰ تیری نجات کی کوئی صورت بنادے۔

میں آگے بھاگنے لگا اور ایک بلند جگہ پر چڑھ گیا ادھر سے میں نے جہنم کے طبقات کو جھانک کر دیکھا ان کی ہولناکیاں دیکھیں ،قریب تھا کہ اژدھے کے خوف سے میں ان میں گر جاتا۔

مجھے کسی نے آواز دیکر کہا چلو یہاں سے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو، میں اس کی بات سے مطمئن ہوگیا اور وہاں سے واپس لوٹا تو اژدھا میرے پیچھے تھا۔ میں پھر اسی بوڑھے کے پاس آیا اور کہا بابا! میں نے آپ سے درخواست کی کہ اس اژدھے سے میری جان چھڑاؤ آپ نے کچھ نہیں کیا، وہ بوڑھا پھر رونے لگا اور کہا میں ناتواں ہوں البتہ تم اس پہاڑ کے پاس جاؤ جہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں اگر

تمہاری کوئی امانت ہو تو وہ تمہاری مدد کرے گی، میں نے دیکھا چاندی کا ایک گول پہاڑ ہے اور اس میں جگہ جگہ سوراخ اور روشندان ہیں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں ہر روشندان پر سونے کے دو پٹے ہیں اور ان کے قبضے یاقوت کے ہیں اور آرائش موتیوں کی، ہر پٹ پر ایک ریشمی پردہ ہے۔

جب میں نے پہاڑ کی طرف نظر دوڑائی تو فوراً اس کی طرف بھاگا اور اژدھا میرے پیچھے تھا جب میں پہاڑ کے قریب پہنچا تو ایک فرشتے نے آواز دی: پردے ہٹاؤ، دروازہ کھول دو، اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ شاید اس حاجت مند کی یہاں کوئی امانت ہو جو اسے اس کے دشمن سے نجات دلائے۔

میں نے دیکھا پردے ہٹ گئے اور دروازے کھل گئے اور ان روشندانوں سے بہت سارے بچے میری طرف جھانکنے لگے ان کے چہرے چاند کی مانند تھے، اژدھا بھی میرے نزدیک پہنچ چکا تھا میں حیران رہ گیا ان بچوں میں سے ایک نے چلا کر کہا: ارے سب آؤ اس کا دشمن اس کے قریب آ گیا ہے، چنانچہ وہ جوق در جوق کھڑے ہو کر جھانکنے لگے اچانک میری وہ بچی جو مر گئی تھی وہ بھی ان کی ساتھ جھانک رہی ہے، جب اس نے مجھے دیکھا تو رونے لگی اور کہا: ہائے یہ تو میرا باپ ہے پھر اس نے نور کے جھرمٹ میں تیر کی تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اس نے اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھا کر میرا دایاں ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو اژدھے کی طرف بڑھا دیا تو وہ بھاگ گیا۔

پھر اس نے مجھے بٹھایا اور میری گود میں بیٹھ گئی اور اپنے دائیں ہاتھ سے میری داڑھی پکڑ کر کہا: اے ابا جان:

''کیا مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں۔'' (سورۃ حدید ۱۶)

میں رونے لگا اور کہا اے بیٹی تم لوگ بھی قرآن کو جانتے ہو؟ اس نے کہا ہم تو تم سے بھی زیادہ قرآن کو جانتے ہیں میں نے کہا اژدھے کے بارے میں تو کچھ بتاؤ جو مجھے ہلاک کرنے کے در پے تھا اس نے کہا وہ تیرا بُرا عمل ہے جس کو تو نے طاقتور بنایا ہے اور وہ تجھے جہنم کی آگ میں ڈبونا چاہتا ہے۔

میں نے کہا اس بوڑھے کے بارے میں بتاؤ جو راستے میں ملا اس نے کہا وہ تیرا نیک عمل ہے جسے تو نے اتنا کمزور کر دیا کہ اب وہ بُرے عمل کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

میں نے کہا اے بیٹی ! تم اس پہاڑی میں کیا کرتی ہو؟ اس نے کہا ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں، ہم یہاں قیامت تک رہیں گے۔ تمہارے انتظار میں ہیں جب تم آؤ گے تو ہم تمہاری سفارش کریں گے۔ مالک بن دینار فرماتے ہیں میں گھبرا کر اٹھا اور صبح کو میں نے شراب چھوڑ دی اور اس کے برتن توڑ ڈالے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی یہ میری توبہ کا سبب ہے۔ (بحوالہ کتاب التوابین)

حاصل...... معلوم ہوا کہ اولاد اگر بچپن میں فوت ہو جائے تو مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ یہی نابالغ اولاد آخرت میں کام آنے والی ہے جیسا کہ اس واقعہ سے سبق ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

❁......❁......❁

واقعہ نمبر......۱۳

ایک نوجوان کے قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ

ذیل میں ایک سبق آموز واقعہ پیش کیا جارہا ہے جو خود صاحب واقعہ کی زبانی نقل شدہ ہے ملاحظہ فرمائیے۔

میں ۱۹۲۲ء میں ضلع جہلم کے ایک دورافتادہ گاؤں میانی میں ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوا۔ والدین نے میرا نام کرشن لال تجویز کیا، میرے خاندان کے تمام افراد سناتن دھرمی عقائد کے مالک تھے اور شروع شروع میں میرا میلان طبع بھی انہی عقائد ونظریات کی طرف تھا۔ لیکن جب آٹھویں جماعت میں پہنچا تو میرا رجحان خودبخود دین اسلام کی طرف ہونے لگا اسی اثنا میں بوچھال کلاں ضلع جہلم کے ایک عالم دین مولانا عبدالرؤف صاحب سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے متعدد نشستوں میں مجھ پر اسلام کی حقانیت واضح کی۔ میں ان کے مواعظ سے بہت متاثر ہوا لیکن میں ابھی بچپن کی منزل ہی کا راہی تھا اس لئے اپنے آبائی مذہب اپنے خاندان، اپنے بہن بھائیوں، اپنے والدین اور گھر بار کو چھوڑنے کا خیال بھی میرے ننھے سے دل میں قیامت خیز زلزلہ برپا کر دیتا۔ میرا معصوم سا ذہن ایسی سوچ سے لرز جاتا۔ جب بھی مجھے اسلام قبول کرنے کا خیال آتا دل میں ماں اور بھائیوں کی محبت کا بہاؤ تیز ہو جاتا تھا بچپن کی ناتجربہ کاری اور ناپختگی میرے آڑے آتی اور میں کسی حتمی فیصلہ پر نہ پہنچ پاتا۔ یکم مارچ ۱۹۳۸ء کی سہانی اور مبارک رات میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے عین سامنے کھڑا ہوں، سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ (فداہ روحی، ابی، امی) دیوار کعبہ سے تکیہ لگائے میرے سامنے جلوہ افروز ہیں اور ارد گرد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما ہیں۔ میں والہانہ جذبہ وشوق کے عالم میں صحابہؓ کے درمیان سے گزرتا ہوا سید الانبیاء کی بارگاہ اقدس میں پہنچا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر اپنے مبارک ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام لیا۔ جس سے میرے بدن کے ہر رگ وریشہ میں مسرت وشادمانی کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔ فرمایا! کہو کیسے آئے ہو؟

''مشرف باسلام ہونے کے لئے آیا ہوں'' میں نے عرض کیا۔ یہ سن

کر آنحضرت ﷺ کا پر انوار چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔

میرا ہاتھ اپنے مقدس ہاتھوں میں تھام کر آپ ﷺ نے کچھ پڑھا جسے میں اس وقت سمجھ نہیں سکا۔ پھر فرمایا اب تم دولت اسلام سے بہرور ہو گئے ہو۔

حسب معمول صبح آنکھ کھلی تو میرا ننھا سا دل خوشی کے جذبات سے معمور تھا۔ جب والدہ محترمہ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تو انہوں نے مجھ سے خلاف معمول اس قدر خوش خوش نظر آنے کی وجہ پوچھی میں اس بات کو ٹال گیا۔

اسکول کے اوقات میں مولانا عبدالرؤف صاحب سے مل کر انہیں جب رات کا پر لطف خواب سنایا تو انہوں نے فرمایا روزانہ سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کیا کرو۔ تین مارچ ۱۹۳۸ء کو جمعرات کا دن تھا میں رات کو حسب معمول سو رہا تھا کہ خواب میں یوں محسوس ہوا جیسے اسکول بند ہونے پر میں میانی کے تمام طلبہ کے ساتھ گھر آ رہا ہوں ۔ راستے میں ایک قوی ہیکل ۔ دیو قامت اور کریہ المنظر شخص کھڑا ہے جسے دیکھ کر ہم سب پر لرزا طاری ہو گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ دجال ہے ہم میں سے جس سے بھی یہ پوچھے کہ تم کس کے بندے ہو وہ یہی جواب دے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

پھر وہ میرے ساتھیوں سے فرداً فرداً سوال کرنے لگا اور جو طالب علم اس کی مرضی کے مطابق جواب دیتا اسے قسم قسم کے کھانے مزے مزے کے پھل اور طرح طرح کے کھلونے دیتا اور جو اس کی بات نہ مانتا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ آخر میں جب میری باری آئی تو اس نے پوچھا کس کے بندے ہو؟

''اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں'' میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ یہ سنتے ہی اس نے میرے اس زور سے گھونسا رسید کیا کہ میں کئی گز دور جا گرا، اور رونے لگا۔ دجال نے تحکمانہ لہجے میں آواز دیتے ہوئے کہا۔ اِدھر آؤ۔ میں ڈرتا کانپتا ادھر چلا ہی

تھا کہ میرے کانوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شیریں آواز پڑی۔ پہلے میرے پاس آؤ'' آپ کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ابھی دو دن پہلے تو میں نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا آج یہاں کیسے تشریف لائے۔ میں دجال کی سخت مار کی وجہ سے روتا ہوا آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے میری کمر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا! دیکھو میں صرف تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں۔ دجال کی بات ہرگز نہ ماننا میں تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ناکامی کا منہ نہیں دیکھو گے'' یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ جب تشریف لے گئے تو میں دجال کے پاس پہنچا۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔ اور میں نے بھی حسب سابق وہی جواب دے دیا۔

اس پر وہ مارے غضب کے لال پیلا ہو گیا اور اس نے جب جھلا کر میرے منہ پر تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مارے دہشت کے میری چیخ نکل گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی اور پھر صبح تک مجھے نیند نہ آسکی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج بوچھال کلاں پہنچ کر قبول اسلام کا اعلان کر دوں گا۔ والدہ محترمہ نے جب صبح کو کھانا تیار کیا تو میں نے ان کے پاس بیٹھ کر کھایا، اس وقت دل میں جذبات کا تلاطم برپا تھا۔ جانتا تھا کہ آج ہمیشہ کے لئے ماں اور بھائیوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ پھر اس گھر میں جہاں زندگی کی کئی بہاریں دیکھی ہیں شاید ہی قدم رکھنا نصیب ہو۔ بھائیوں کی محبت وشفقت نے مجھے مجبور کیا تو بہانے بہانے میں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دل کو تسکین دی۔ اسی طرح حیلے بہانے سے پیاری ماں کے قدم چھو کر ہدیہ عقیدت واحترام پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہوا تو بستہ اٹھایا اور اپنے گھر، تینوں بھائیوں اور محترمہ والدہ کی طرف حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پرنم آنکھوں سے میں اپنے آبائی گھر سے رخصت ہو گیا۔

۴ مارچ ۱۹۳۸ء کو جمعہ کا مبارک دن اور محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ میں دوپہر کے وقت تیار ہوکر سیدھا مسجد میں داخل ہوا، مولانا عبدالرؤف صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا، اور غازی احمد نام تجویز ہوا۔

میرے اسلام لانے کی اطلاع جب گھر پہنچی تو کہرام سا مچ گیا سب نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے والد صاحب کشمیر میں ملازم تھے انھیں اور دوسرے رشتہ داروں کو بذریعہ تار مطلع کیا گیا۔ ابھی تین چار روز بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ والد صاحب نے دوسرے رشتہ داروں سے مل کر مولانا عبدالرؤف اور ملک محمد طفیل ہیڈ ماسٹر پر مقدمہ دائر کر دیا کہ انہوں نے ہمارے نابالغ بچے کو ترغیب وترہیب سے زبردستی مسلمان بنالیا ہے۔ ایس۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ ایک طرف والد محترم اور متعدد ہندو رشتہ دار تھے اور دوسری طرف میں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمان۔ عدالت میں میرے بیان ہوئے میں نے کہا! میں اپنی رضا ورغبت سے مسلمان ہوا ہوں میرے قبول اسلام میں کسی فرد وبشر کا ہاتھ نہیں میں مسلمانوں ہی کے پاس رہوں گا۔ والدین کے پاس مجھے جان کا خطرہ ہے۔ جب فیصلہ میرے حق میں ہوا تو مسلمان خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے عدالت سے واپس لوٹے۔

میرے والد صاحب بھلا کب نیچے بیٹھنے والے تھے۔ انھوں نے مختلف عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر انہیں کہیں بھی کامیابی نصیب نہ ہوسکی پولیس نے ہندوں کے دباؤ میں آکر بڑی تحقیق وتفتیش سے کام لیا۔ مگر میرے رشتہ داروں کو اپنا مقصد حل ہوتا نظر نہ آیا۔ ہر عدالت میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان میرے ساتھ ہوتے۔ جو اکثر اوقات بوچھال کلاں سے پیدل چل کر جایا کرتے۔ اس کے بعد والد محترم نے سیشن جج جہلم کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ میرے نابالغ لڑکے کو زبردستی مسلمان

بنالیا گیا ہے۔ جہلم کے سرکردہ ہندوان کے ساتھ تھے جنہوں نے مل ملا کر جج صاحب پر دباؤ ڈالا۔

عدالت میں پیشی ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ جج کا رویہ میرے بارے میں ٹھیک نہیں ہے۔ اس پیشی پر دو تین حضرات میرے ساتھ تھے جج صاحب نے مجھے دوسری تاریخ پیشی تک والد کے سپرد کیا۔ جب میں نے اپنے والد محترم کیساتھ جانے سے انکار کیا تو مجھے زبردستی کار میں بٹھا دیا گیا اور دریا کے کنارے ایک مندر میں مجھے لایا گیا جہاں سارا دن میں نے رورو کر گزارا۔ والدہ محترمہ کو جہلم بلایا گیا۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ان کے حق میں بیان نہ دیا تو وہ گھر پر زندہ نہیں جائیں گی بلکہ دریا میں کود کر خودکشی کر لے گی۔ دوسرے ہندو بھی وقتاً فوقتاً آ کر مجھے سمجھاتے بجھاتے اور قسم قسم کا لالچ دیتے رہتے۔

اس اثناء میں والد صاحب نے ہندو اکابر کے اثر ورسوخ سے کام لے کر ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر جہلم سے میرے نابالغ ہونے کا سرٹیفکٹ حاصل کر لیا اور اسے مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے ہی عدالت میں پیش کر دیا۔ جج صاحب نے جب مجھ سے پوچھا کہ آپ والدین کے پاس رہنے میں خوش ہیں؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا۔ لیکن افسوس کہ میری بات کسی کو وقعت نہ دی گئی اور زبردستی مجھے والدین کے سپرد کر دیا گیا۔

تعجب تو اس بات پر تھا کہ والد محترم کے حق میں فیصلہ دینے والے جج صاحب مسلمان تھے۔ والد محترم بتایا کرتے تھے کہ انہوں نے ان صاحب کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرایا تھا۔

اسی دن والد محترم مجھے ساتھ لے کر کشمیر روانہ ہو گئے۔ دو تین دن جموں میں ایک پنڈت صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ پنڈت صاحب نے بھی مجھے رام

کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ان کے غیر معقول دلائل مجھے ذرا بھی متاثر نہ کرسکے۔ یہاں پہنچ کر میں نے مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط لکھنے کی کوشش کی ،مگر کامیاب نہ ہوسکا۔

والد محترم نے وہ خط میری جیب سے نکال کر اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ چوتھے دن والد بھدرواہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ بٹوت تک بس کے ذریعے پھر بھدرواہ تک پیدل ہی راستہ طے کیا۔ دوسرے دن میرے والد مجھے ایک پنڈت کی معیت میں گاؤں سے باہر ایک بلند پہاڑی پر لے گئے اور اپنے پاس بٹھا کر کہا! دیکھو میں اس مقدمے میں تم پر دس ہزار روپے خرچ کرچکا ہوں تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ خاندان میں میری ذرہ بھی عزت نہیں رہی۔ یہ کہا اور میرے والد کے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں نے اپنی زندگی میں شاید پہلی اور آخری بار ہی والد کے آنکھوں میں اس طرح آنسو دیکھے تھے، میرا دل پسیج گیا مگر معاً مجھے رحمت ایزدی نے سہارا دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے وہ تمام حالات میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ میں نے اپنے والد محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آپ کی پریشانیوں اور تکالیف کا احساس ہے آپ نے میرے لئے بہت کچھ کیا مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میرا دل ترک اسلام کا تصور تک بھی نہیں کرسکتا۔ اگر آپ مجھے اسلام پر قائم رہنے کی اجازت مرحمت فرمادیں تو تمام عمر آپ کی غلامی میں بسر کردوں گا۔

والد نے یہ سنتے ہی چھڑی ہاتھ میں لے کر مجھے پیٹنا شروع کردیا اور اتنا پیٹا کہ بدن سے خون بہہ کر سارے کپڑے خون آلود ہوگئے۔ اس پر بھی والد محترم کو نہ رحم آیا اور نہ ان کے ہاتھ کی حرکت میں کمی آئی۔ میں آدھ مرا ہوکر بھی پڑا ٹھوکریں کھاتا رہا۔ آخر جب دل کا غبار اچھی طرح نکال چکے تو پنڈت سے مخاطب ہوکر کہنے

لگے۔

کیوں نہ میں اسے دریا میں دھکیل دوں۔شاید اسی طرح کلنک کا یہ ٹیکا میرے ماتھے سے اتر جائے پہاڑی کی دامن میں بپھرتا ہوا دریا میرے سامنے تھا۔اپنی موت کے خوف سے میں لرز گیا،مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی اور میرے دل میں یہ خیال بار بار ابھرنے لگا کہ اگر والد مکرم نے مجھے دریا میں پھینکا تو میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کروں گا۔

میرے آقا آپ نے مجھے اسلام کی جو دولت بخشی تھی میں اس کو صحیح وسالم لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔

پنڈت صاحب جو مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔والد محترم سے کہا بچہ ہے۔بڑا ہو کر سنبھل جائے گا۔آپ کوئی سخت اقدام نہ کریں۔والد صاحب نے اس کی بات مان لی اور مجھے ساتھ لے کر چپ چاپ گھر کی راہ لی گھر پہنچ کر والد نے خود میری مرہم پٹی کی۔چھڑی کی مار اور بوٹوں کی ان گنت ٹھوکروں سے جسم کا رواں رواں زخمی تھا،حتیٰ کہ ناک، منہ اور آنکھیں تک متورم تھیں۔تقریباً ہفتہ بھر بستر ہی پر دراز رہا۔پھر والد محترم نے مجھے بھدرواہ ہائی اسکول میں داخل کرا دیا۔میں ہندو لڑکوں کی نگرانی میں روز اسکول آنے جانے لگا۔مسلمان طلبہ کو میرے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ہندو لڑکے ہی نہیں ہندو اساتذہ بھی مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہ اسکول میرے لئے جہنم سے کم اذیت ناک نہ تھا۔آخر کار میں نے دوست محمد نامی ہم جماعت سے تعلقات بڑھائے اور اس کے توسط سے مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط لکھا اور بتایا کہ میں بفضل اللہ تعالیٰ اسلام پر قائم ہوں حضور نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کی برکت ہے کہ مجھے کوئی جسمانی تکلیف اسلام سے برگشتہ

نہیں کرسکی۔مولانا نے خط ملتے ہی قصبے کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کوئی ہے جو جان پر کھیل کر ایک مسلمان کو کافروں کے عذاب سے چھٹکارا دلائے؟ اس پر ایک غریب لیکن جذبہ شہادت سے سرشار شخص اٹھا اور اس نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔اس کا نام جان محمد تھا۔

جان محمد صاحب اسکول کے اوقات ہی میں بھدرواہ پہنچ گئے اور دوست محمد کی وساطت سے جب مجھے ان کی آمد کا پتہ چلا تو میں تفریح کے بعد روتا ہوا اپنے ماسٹر صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہا میرے پیٹ میں سخت درد ہے۔مجھے چھٹی عنایت فرمائی جائے ماسٹر صاحب نے چھٹی دے دی۔میں نے بستہ اٹھایا چھپتا چھپاتا آنکھ بچاتا ہوا مدرسہ سے نکل آیا۔

جان محمد صاحب نے ایک مسلمان رہبر کو ساتھ لیا اور ہم بھدرواہ سے بھاگ نکلے، راتوں رات سفر کرتے ہوئے ریاست کشمیر سے نکل کر ریاست چنبہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔پھر مسلمان رہبر واپس ہو گیا اور ہم دونوں تقریباً ساٹھ میل سفر طے کر کے دوسرے دن صبح ڈلہوزی پہنچے۔تھکان سے میرا بُرا حال تھا کپڑے میلے اور پاؤں متورم تھے۔

شام کو براستہ پٹھان کوٹ جب امرتسر پہنچے تو میں نے اپنا آبائی لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور امرتسر سے کھیوڑا کی راہ بوچھال کلاں پہنچ گئے بس اسٹینڈ پر لوگوں کا ایک ہجوم پذیرائی کے لئے موجود تھا۔

والد کو جب میرے فرار کا علم ہوا تو انھوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کرنے کے لئے تاریں دلادیں۔لیکن جس راستے کو ہم نے اختیار کیا تھا وہ والد صاحب کے علم میں بھی نہ تھا،اس لئے ہم بچ نکلے۔

چندروز بعد والدہ صاحبہ سے ملاقات ہوئی،انھوں نے اشکبار ہو کر فرمایا

"بیٹا ہمیں اس قدر ذلیل ہی کرنا تھا تو پہلے بتادیا ہوتا۔ تاکہ خرچ کرنے سے تو بچ جاتے۔ میں نے عرض کیا اماں جی! میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اسلام کو ترک کرنے پر کسی بھی صورت بھی امادہ نہیں ہوسکتا۔ آپ میرے لئے کچھ نہ کریں۔ ہاں ویسے میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ کی ہر خدمت میرے لئے سعادت کا موجب ہے مجھے آپ کے وہ احسانات یاد ہیں کہ جب بھی میرے خاندان والوں نے مجھے ختم کرنے کی کوئی سازش کی تو آپ نے مجھے اس سے پہلے ہی مطلع کردیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

میں نے والدہ صاحبہ سے صلح کرلی تھی اور اکثر والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ مگر والد محترم کو میں نے چھ سال بعد دیکھا تھا راستے میں اچانک آمنا سامنا ہوگیا۔ مگر وہ بغیر توجہ دیئے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے میں بھی انہیں بلانے یا ان سے ہاتھ ملانے کی جرأت نہ کرسکا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے موقع پر میرے خاندان کے تمام افراد ہندوستان چلے گئے اور میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پاکستان میں رہا اور اپنے آبائی مکان میں منتقل ہوگیا۔ ۱۹۵۰ء میں والد کی وفات ہوگئی اور والدہ مکرمہ اور تین بھائی انبالہ کے قریب ایک گاؤں میں مقیم ہیں۔

۱۹۴۱ء میں میٹرک کا امتحان میں نے اسکول میں اول رہ کر امتیازی حیثیت سے پاس کرلیا بعد ازاں میں نے علوم دینیہ کی طرف توجہ دی، چنانچہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک مدرسہ خادم الشریعہ پنڈی کھیپ، مدرسہ عربیہ اشاعت القرآن گجرات اور دار العلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور صوبے بھر میں اول رہا۔

میرا ایمان ہے کہ یہ ساری کامرانیاں آنحضرت ﷺ کی دعا کی مرہون منت

ہیں، ۱۹۵۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور دونوں میں اللہ کے فضل و کرم سے فرسٹ ڈویژن حاصل کی ۱۹۵۷ء میں بی ایڈ کیا ۱۹۵۸ء میں ایم اے عربی صوبے بھر میں اول رہ کر امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ۱۹۵۹ء میں ایم۔اے علوم اسلامیہ کا امتحان دیا اور صوبے بھر میں اول رہا۔ ان تمام عنایات پر میں اپنے مالک حقیقی کا شکر گزار ہوں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر ایک بہت بڑا ذہنی روحانی انقلاب محسوس کیا۔ ورنہ اسلام لانے سے پہلے میں ایک متوسط ذہن کا مالک تھا۔ اسلام کے سایہ عافیت میں پناہ لینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی ترقی کے دروازے بھی میرے لئے کھول دیئے اور دوسری بات جو میں نے اپنی علمی زندگی میں محسوس کی وہ نبی اکرم کی دعا کا اثر ہے کہ مجھے آج تک کسی امر میں ناکامی کا سامنا نہیں ہوا اور آنحضرت کی دعا ہی میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایا ہے اور انشاء اللہ قیامت کے دن یہی دعا میری نجات کا باعث ہوگی۔ آمین ثم آمین۔

(تلخیص از من الظلمات الی النور)

حاصل...... بیشک ایمان کی حلاوت کا اپنا ایک مزہ ہے، اور جب ایک مسلمان اس پر ڈٹ جائے تو یقیناً اللہ کی مدد بھی آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے ایمان پر استقامت سے جمے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۱۴

تین نوجوان بھائیوں کا عجیب قصہ

صدقہ بن مرداس نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انطاکیہ کے مضافات میں میں نے ایک اونچی جگہ پر تین قبریں دیکھیں ان میں ایک پر یہ شعر لکھا تھا۔

۱......زندگی سے وہ شخص کیا لذت حاصل کر سکتا ہے جو یہ جانتا ہو کہ خداوند عالم اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔

۲......اور اس سے بندوں کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں کا بدلہ لے گا اور جو بھلائیاں اس نے کی ہیں اس کی جزاء دے گا۔

دوسری قبر پر لکھا تھا:

۱......کیا لذت پائے گا وہ جو یقین رکھتا ہو اس بات پر کہ اس پر موت اچانک آہی جائے گی۔

۲......اس کی ساری بڑائی اور ملک چھین لے گی اور اس گھر میں ملائے گی جس کا وہ مستحق ہے۔

تیسری قبر پر لکھا تھا:

۱......کیسے مزے لوٹے گا وہ جس کا رخ ایسی منزل کی طرف ہے کہ جس پر اترنا جوانوں کو بوڑھا کر دیتا ہے

۲......جو چہرے کے نقوش کو بہت جلد مٹا دیتا ہے اور جس کے جوڑ بوسیدہ ہو جائیں گے۔

یہ تینوں قبریں ایک صف میں کوہان کی شکل میں بنی ہوئی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ میں ایک بوڑھے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اور اس سے کہا: میں نے تمہاری بستی میں ایک عجیب بات دیکھی۔ اس نے کہا کیا دیکھا؟ میں نے واقعہ بیان کیا اس بوڑھے شخص نے کہا کہ ان کا قصہ اس سے زیادہ تعجب خیز ہے جو تم نے ان کی قبروں پر دیکھا۔ میں نے کہا سناؤ کیا ہے۔

اس نے کہا یہ تین بھائی تھے ان میں سے ایک بڑا عہدیدار تھا جو بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا اور شہروں اور لشکروں کے انتظام پر مامور تھا دوسرا ایک مال دار تاجر تھا

وہ بھی بادشاہ کے خاص لوگوں میں سے تھا تیسرا ایک عبادت گذار شخص تھا جو عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کئے ہوئے تھا۔

اس عبادت گذار کی موت قریب آئی تو اس کے بھائی اس کے پاس جمع ہو گئے اور وہ سلطان کا مصاحب ہمارے علاقوں کا والی تھا عبدالملک بن مروان نے اس کو والی بنایا تھا اور وہ ایک ظالم جابر اور لٹیرا تھا یہ دونوں اپنے عابد بھائی کے پاس آئے جب اس کا آخری وقت تھا دونوں نے اس عابد سے کہا کہ کچھ وصیت کر لو اس نے کہا اللہ کی قسم میرا کوئی مال نہیں ہے کہ میں کچھ وصیت کروں نہ میرا کسی پر قرض ہے جس کے لینے کی وصیت کروں اور میں نے دنیا میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کے لوٹنے کا اندیشہ ہو۔

عہدیدار بھائی نے کہا! اے میرے بھائی یہ میرا مال تیرے سامنے ہے اس میں جو چاہے کہو اور جو دل چاہے وصیت کرو اس نے رخ پھیر دیا۔

تاجر بھائی نے کہا! میرے بھائی تجھے میری کمائی اور کثرت دولت کا پتہ ہے، شاید تیرے دل میں کسی بھلائی کا ارمان رہ گیا ہو جس کو مال خرچ کئے بغیر حاصل نہ کیا جا سکتا ہو یہ میرا مال ہے اس میں جو چاہو حکم کرو اس کو پورا کروں گا۔

وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا مجھے تمہارے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میں صرف ایک اقرار تم سے لیتا ہوں جس میں تم وعدہ خلافی نہ کرنا۔ انہوں نے کہا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دو اور کفن پہنا کر ایک اونچی زمین میں دفن کر دو اور میری قبر پے لکھ دینا۔

وکیف یلذ العیش من ہو عالم

بان الہ الخلق لابد سائلہ

فیاخذ منہ ظلمہ لعبادہ

ویجزیہ بالخیر الذی ھو فاعلہ

''زندگی سے وہ شخص کیا مزہ لے سکتا ہے جو یہ جانتا ہو کہ خداوند عالم اس سے باز پرس کرے گا اور اس سے بندوں کے ساتھ ناانصافی کا بدلہ لے گا اور نیکیوں کی جزا دے گا''۔

جب یہ کام کردو تو روزانہ میری قبر پہ آیا کرنا شاید تمہیں نصیحت نصیب ہو انہوں نے اس کی موت کے بعد ایسا ہی کیا اور اس کا عہدیدار بھائی اپنے لشکر کے ساتھ قبر پہ آتا اور اتر کر ان اشعار کو پڑھتا اور روتا جب تیسرا دن ہوا تو لشکر کے ساتھ حسب معمول آیا اور اتر کر رونے لگا پھر جب واپسی کا ارادہ کیا تو اس نے قبر کے اندر سے دھڑام کی آواز سنی قریب تھا کہ اس کا دل اس سے پھٹ جاتا چنانچہ وہ گھبراہٹ اور خوف کے ساتھ واپس ہوا۔

جب رات ہوئی تو اس نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا اے میرے بھائی تمہاری قبر سے جو آواز سنی وہ کیا تھی۔ اس نے کہا وہ ہتھوڑے کی آواز تھی مجھے کہا گیا کہ تو نے مظلوم کو دیکھا پھر بھی اس کی مدد نہ کی۔

چنانچہ وہ شخص صبح غمزدہ اٹھا اور اپنے بھائی کو اور دوسرے خاص لوگوں کو بلایا اور کہا میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بھائی نے جو اپنی قبر پر اشعار لکھنے کی وصیت کی تھی اس کا مقصد مجھے تنبیہ کرنا تھا اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ آئندہ میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا چنانچہ اس نے امارت چھوڑ دی اور عبادت میں مشغول ہو گیا اور عبدالملک بن مروان کو اس بارے میں خط لکھا تو اس نے لوگوں کو حکم دیا اس کو چھوڑ دو جہاں چاہے جائے۔

چنانچہ وہ پہاڑوں اور صحراؤں میں رہتا رہا یہاں تک کہ اس کی موت آئی اور وہ چرواہوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھا اس کے بھائی کو خبر پہنچی تو وہ حاضر ہو گیا

اور کہا اے میرے بھائی کوئی وصیت نہیں کرنی ؟ اس نے کہا کیا وصیت ہے کوئی مال نہیں جس میں وصیت کروں لیکن ایک وعدہ ہے وہ یہ ہے کہ جب میں مرجاؤں تو میری قبر تیار کر کے مجھے میرے بھائی کے پہلو میں دفنا دینا اور میری قبر پر لکھ دینا۔

وكيف يلذ العيش من كان موقنا
بان المنايا بغتة ستعاجله
فتسلبه ملكا عظيما ونخوة
وتسكنه القبر الذى هو اهله

''کیسے لذت پائے وہ شخص جس کو یقین ہو کہ بہت جلد اس پر موت اچانک آجائے گی اور اس سے عظیم ملک اور تمام بڑائی چھین کر اس قبر میں اس کو ٹھہرا آئے گی جس کا وہ باسی ہوگا''۔

پھر تین دن تک میرے پاس آیا کرنا اور میرے لئے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے۔

چنانچہ وہ مرگیا اور اس کے بھائی نے اس کی وصیت پر عمل کیا جب اس کی قبر پر تیسرے دن آیا دعا کی اور رویا پھر جب واپس ہونے لگا تو اس نے ایک شدید آواز سنی جس سے اس کی عقل زائل ہونے کے قریب ہوگئی اور وہ وہاں سے بے چین ہو کر لوٹا۔

رات کو اس نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اس نے کہا کہ میں نے جب خواب میں اپنے بھائی کو دیکھا تو اس کی طرف لپکا اور اس سے پوچھا کیا تم ہماری ملاقات کے لئے آئے ہو؟ اس نے کہا ملاقات تو بہت ہی دور ہے میں نے کہا میرے بھائی تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا خیریت سے ہوں، توبہ کتنی خوبیوں اور بھلائیوں

کی جامع ہے میں نے کہا میرا دوسرا بھائی کیسا ہے؟ اس نے کہا وہ تو نیک پیشواؤں کے ساتھ ہے میں نے کہا ہمارا کیا حال ہوگا اس نے کہا جس نے دنیا و آخرت کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ دیکھ لے گا۔ پس تم اپنی مالداری کو فقیری سے پہلے غنیمت سمجھو۔

راوی کا بیان ہے کہ اس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اپنے مال کو تقسیم کیا جائیداد بانٹ دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ گیا۔

اس کا ایک بیٹا بڑا ہو کر ایک خوبصورت اور باکمال نوجوان بنا اور تجارت شروع کی یہاں تک کے تجارت میں ایک اہم مقام حاصل کیا اس کے باپ کی موت قریب آئی اس نے اپنے باپ سے کہا ابا جان وصیت نہیں کرتے؟ اس نے کہا اے میرے بیٹے تیرے باپ کا کوئی مال ہی نہیں جس میں وصیت کرے لیکن میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے اپنے چچوں کے ساتھ دفنا دینا اور میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

وکیف یلذ العیش من ھو صائر
الی جدث تبلی تبلی الشباب منازلہ
ویذھب رسم الوجہ من بعد صونہ
سریعا ویبلی جسمہ مفاصلہ

"کیسے مزے لے سکے گا زندگی سے وہ جس کا رخ ایسی قبر کی طرف ہو جس کی گھاٹ نوجوانوں کو بوڑھا کر دیتی ہے اور چہرے کا رنگ اڑا دیتی ہے اور جلدی جلدی جسم اور جوڑوں کو بوسیدہ کر دیتی ہے"۔

جب یہ کرو تو اس کے بعد تین دن تک تم میرے پاس آجایا کرنا اور میرے لئے دعا کرنا اس نوجوان نے وصیت پر عمل کیا جب تیسرا دن ہوا تو اس نے ایک آواز سنی جس سے اس کی جلد سکڑ گئی اور رنگ اڑ گیا اور بخار چڑھ گیا اور وہ واپس گھر آ گیا۔

رات کو خواب میں اس کا باپ آیا اور کہنے لگا میرے بیٹے تم ہمارے پاس آنے سے نزدیک ہو اور موت قریب تر ہے پس تم اپنی سفر کی تیاری کر لو اور کوچ کا بندوبست کر و اور اپنا سامان اس گھر سے باندھ لو جس سے تمہیں نکلنا ہے اس گھر کی طرف جس میں تمہیں جانا ہے اور دھوکے میں نہ رہو کہ لمبی لمبی امیدیں لگا کے جیسے تم سے پہلے لوگ دھوکے میں رہے اور اپنی آخرت کے معاملے میں کوتاہی کی نتیجہ موت کے وقت ان کو شدید ندامت لاحق ہوئی اور عمر کی بربادی پر کف افسوس ملتے رہے چنانچہ نہ ان کو افسوس نے کچھ فائدہ پہنچایا اور نہ ہی کوتاہیوں پر شرمندگی نے ان کو اس شر سے نجات دلائی جس کا سامنا وہ کریں گے قیامت کے دن اپنے بادشاہ کی طرف سے۔ اے میرے بیٹے جلدی کر و جلدی کرو...... جلدی کرو......۔

عبداللہ بن صدقہ کہتے ہیں کہ جس بوڑھے نے واقعہ سنایا اس نے بتایا کہ جس رات کو اس نوجوان نے یہ خواب دیکھا صبح کو میں اس کے پاس گیا تو اس نے وہ خواب ہمیں سنایا اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ بات ایسی ہی ہے جیسے میرے باپ نے کہی اور میں سمجھتا ہوں کہ موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے رشتہ داروں اور لین دین والوں سے معاملہ صاف کیا اور سلام کہا اور لوگوں سے الوداع کہا لوگوں نے اسے الوداع کہا جیسے کسی کو کسی چیز سے ڈرایا گیا ہو اور اس کو اس کی توقع بھی ہو۔

وہ کہتا تھا کہ میرے باپ نے کہا! جلدی کر جلدی کر ان تینوں سے مراد یا تین لمحات ہیں تو وہ گذرے لہٰذا وہ نہیں ہیں اگر تین دن ہوں تو وہ کیسے گذریں گے اور یا تین مہینے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت تک زندہ رہوں گا یا تین سال ہیں اور یہ تینوں مہینوں سے بھی زائد ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ان سے مراد سال ہو۔

چنانچہ وہ تین دن تک بخشتا رہا اور صدقہ کرتا رہا جب اس خواب کو تیسرا دن

ہوا تو اس نے صبح سویرے اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور ان کو الوداع کہا اور سلام کہا پھر قبلہ رخ ہو کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں اور کلمہ شہادت پڑھا اور وفات پا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اسکے بعد ایک عرصہ تک لوگ گاہے بگاہے اس کی قبر پر دور دراز سے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ (بحوالہ فضائل صدقات)

حاصل...... بیشک جو سچے دل کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں، اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کریں اور اسی سے مانگتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۱۵

نافرمانی کا انجام

حضور اکرم ﷺ فجر کی نماز کے بعد اصحاب کرامؓ سے دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو آپ ﷺ اس کی تعبیر فرمادیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا اور کسی نے بھی خواب کا تذکرہ نہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دو آدمی میرے پاس آئے ہیں جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک مقدس سرزمین کی طرف لے چلے ہیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص وہاں بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا ہاتھ میں زنبور لئے ہوئے کھڑے اس بیٹھے ہوئے شخص کے کلّے چیر رہا ہے اور جب ایک کلّا گدی تک چر جاتا ہے تو دوسرے کلّے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے اور اتنی دیر میں اس کا پہلا کلّا درست ہو جاتا ہے مگر وہ شخص پھر اس کے ساتھ یہی عمل

کرتا ہے یہ دیکھ کر میں نے دریافت کیا آخر یہ کیا بات ہے؟ تو وہ دونوں کہنے لگے، آگے چلئے! ہم آگے چلے تو ایک ایسے شخص پر سے گزر ہوا جو لیٹا ہوا ہے اور دوسرا شخص اپنے ہاتھ میں ایک بھاری پتھر لئے اس لیٹے ہوئے کے سر کو نہایت بے دردی سے کچل رہا ہے چنانچہ جب وہ شخص اس کے سر پر زور سے پتھر مارتا ہے تو پتھر لڑک کر دور جا پڑتا ہے اور وہ شخص ابھی اس پتھر کو لانے بھی نہیں پاتا کہ اسکا سر پھر درست ہو جاتا ہے اور پھر وہ اسی طرح اس کا سر پھوڑتا ہے یہ ماجرا دیکھ کر میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ تو وہ دونوں آدمی کہنے لگے، آگے چلئے! جب آگے چل کر ہم ایسے غار پر پہنچے جو تنور کی طرح اندر سے کشادہ تھا اور اوپر سے تنگ جس میں آگ دہک رہی تھی اور بہت سے مرد و عورت اس میں پڑے تھے جب آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے تو وہ سب اوپر اٹھ آتے اور نکلنے کے قریب ہو جاتے تھے اور جب آگ نیچے بیٹھتی تو اس کے ساتھ نیچے چلے جاتے تھے یہ دیکھ کر میں نے معلوم کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وہ دونوں کہنے لگے، آگے چلئے! آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ ایک خون کی نہر میں ایک شخص کھڑا ہے اور دوسرا شخص نہر کے کنارے پر کھڑا ہے جس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں جس وقت اندر والا شخص نہر کے کنارے کی طرف آتا اور نکلنا چاہتا ہے تو کنارے والا شخص زور سے اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے کہ وہ پھر اسی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر نکلنا چاہتا ہے تو پھر مار کر اس کو اسی جگہ پہنچا دیتا ہے اس حال کو بھی میں نے معلوم کرنا چاہا تو وہ دونوں کہتے لگے کہ، آگے چلئے! آگے چل کر ہم ایک ایسے سبز و شاداب باغ میں پہنچے جس میں ایک بڑے درخت کے نیچے ایک بوڑھا آدمی اور بہت سے بچے بیٹھے ہیں اسی درخت کے قریب ایک اور شخص بیٹھا ہوا ہے جس کے سامنے آگ جل رہی ہے جس کو وہ دھونک رہا ہے پھر وہ دونوں مجھ کو اس درخت پر چڑھا لے گئے جس کے درمیان میں ایک خوبصورت مکان تھا وہ دونوں مجھے اس مکان میں لے گئے

اتنا عمدہ مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا جس میں بہت سے بوڑھے جوان اور بچے موجود تھے پھر باہر لا کر اس سے بھی اوپر لے گئے جہاں پہلے گھر سے بھی زیادہ عمدہ مکان تھا جس میں صرف بوڑھے اور جوان تھے اب میں نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ تمام رات تم مجھے لئے پھرے ہو آخر ان اسرار کی حقیقت سے بھی تو آگاہ کرو! جب انہوں نے بتایا کہ جس شخص کے کلّے چیرے جا رہے تھے وہ جھوٹا شخص ہے جس کی جھوٹی باتیں دنیا میں مشہور ہو جاتی تھیں قیامت تک وہ اسی سزا میں مبتلا رہے گا اور جس کا سر پھوڑا جا رہا تھا وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم قرآن عطا فرمایا مگر رات کو غافل ہو کر سو رہتا اور دن کو اس پر عمل نہ کرتا تھا قیامت تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا اور آگ کے غار میں زنا کار پڑے ہیں اور خون کی نہر میں سود خور ہیں۔

ہاں وہ بڑے میاں جو سر سبز درخت کے نیچے بیٹھے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد لوگوں کی نابالغ اولاد اور اسی درخت کے قریب جو آگ دھونکنے والا شخص آپ نے دیکھا وہ مالک داروغہ دوزخ ہے اور درخت کے اوپر والا، وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے عام مسلمانوں کا گھر ہے اور دوسرا شہیدوں کا ہے ہم دونوں آدمیوں میں میں جبرئیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں اس کے بعد کہنے لگے، ذرا سر اوپر اٹھایئے! میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میرے اوپر ایک سفید بادل مجھے نظر آیا، وہ کہنے لگے: یہ آپ کا گھر ہے! اس پر میں نے کہا تو مجھے چھوڑ دو میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں اس پر انہوں نے کہا، نہیں! ابھی آپ کی عمر پوری نہیں ہوئی اگر پوری ہو چکی ہوتی تو ابھی چلے جاتے۔ (بحوالہ بہشتی زیور)

حاصل...... انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اس سچی حکایت سے جھوٹ بے عملی یعنی قرآن پاک کا علم ہونے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا، نیز زنا کار، سود خور، کی

سزاؤں کا حال، نابالغوں، عام مسلمانوں اور شہداء کے درجات کا حال معلوم ہوا اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھے اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

واقعہ نمبر......۱۶

اطاعت الٰہی کا ثمرہ

کسی صابر وشاکر اور عیال دار شخص کی بیوی بڑی بدزبان اور ناشکری تھی جس کی وجہ سے وہ صاحب ایمان سخت پریشان رہتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ جب دو تین روز تک کچھ کھانے کو میسر نہ آیا تو اس عورت نے اپنے شوہر کو بہت کچھ سخت وست کہا کہ بال بچے بھوک سے مر جاتے ہیں اور تو نکھٹو گھر میں بیٹھا ہے کچھ تو شرم کر اور کما کر لا تاکہ بچوں کی مصیبت دور ہو یہ سن کر شوہر کہنے لگا کہ خدا کی بندی رات کے وقت شور وغل نہ مچا میں صبح کو کچھ مزدوری کر لاؤں گا اور جو کچھ اجرت ملے گی تیرے سامنے لاکر رکھ دوں گا چنانچہ جب وہ اللہ کا بندہ صبح کو مزدوری کرنے گیا تو کسی نے اس کی بات نہ پوچھی باقی سب مزدور اپنے اپنے کام پر لگ گئے جب اس بندہ خدا نے یہ حال دیکھا تو جنگل میں جاکر عشاء تک عبادت الٰہی میں مشغول رہا اور رات کو چپکے سے گھر میں جا پڑا کہ خالی ہاتھ دیکھ کر خدا جانے عورت کیا طوفان برپا کرے گی صبح اٹھ کر پھر کہیں سے مزدوری کر لاؤں گا رات کو جب عورت کی آنکھ کھلی تو کہنے لگی: میاں! اب تک کہاں تھے؟ اور کیا کما کر لائے؟ اس نے جواب دیا میں نے جس کی مزدوری کی ہے وہ بڑا رحیم وکریم ہے اس نے کل کو مزدوری دینے کا وعدہ کیا ہے اس پر عورت نے جھلا کر کہا: ہمارے بال بچے تو بھوکے مر رہے ہیں اور آپ وعدہ کرتے پھرتے

ہیں پھر صبح کو وہ شخص مزدوری کے لئے گیا مگر خدا کی شان ! پھر بھی اس کو کسی نے نہ پوچھا اور وہ مجبور ہو کر اسی مقام پر جنگل میں عبادت الٰہی اور گریہ وزاری میں عشاء تک مصروف رہا بڑی رات گئے جب ڈرتے ڈرتے گھر میں گیا تو وہ عورت کہنے لگی دونوں دن کی مزدوری لائے ہو؟ اس بے چارے نے گھبرا کر کہا: آقا نے کل تینوں دن کی مزدوری دینے کا وعدہ کیا ہے یہ سن کر عورت آگ بگولا ہو کر کہنے لگی، اپنا بھلا چاہتے ہو تو صبح تینوں دن کی مزدوری لے آؤ ورنہ منہ نہ دکھانا۔ صبح کو اس عورت نے ایک تھیلی اس مرد کے حوالے کر کے کہا تینوں دن کی مزدوری اس میں لے آنا اور خبر دار! خالی ہاتھ گھر میں نہ آنا یہ سن کر اس بندہ خدا کی نظر عالم اسباب سے اٹھ کر مسبب حقیقی کی طرف جا پڑی اور اسی وقت سیدھا جنگل میں جا کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گیا اور بہت رات گئے عورت کے خوف سے اس تھیلی میں ریت بھر لایا کہ رات اس حیلہ سے گزر جائے گی اور عورت کے لڑانے کی آفت سے بچ جاؤں گا۔

مگر جس وقت گھر کے دروازے پر پہنچے تو عورت کا ڈر اس قدر غالب ہوا کہ خدا جانے آج کیا آفت برپا کرے گی؟ اس لئے اس نے تھیلی ڈال کر واپسی کا ارادہ کر لیا مگر اچانک گھر میں سے ایسی خوشبو آئی جس نے دل ودماغ کو معطر کر دیا اور وہ عورت خوش ہوتی ہوئی گھر سے نکل آئی اس خدا کے بندے نے اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگی کہ اندر چل کر اس کی حقیقت سنو اور خدا کا شکر ادا کرو یقیناً تم سچ کہتے تھے اور تمہارا مزدوری دینے والا بھی سچا ہے واقعہ یہ ہے کہ میں بچوں کے کھانے پینے کی فکر میں مدہوش بیٹھی تھی اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے جا کر دیکھا کہ ایک سبز پوش سوار دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے لے اپنے شوہر کی تین دن کی مزدوری لے لے اور اب اسکو کچھ ایذا نہ دینا اور اس سے کہہ دینا کہ جس قدر تو نے مزدوری کی تھی اس قدر اجرت مل گئی زیادہ کرتا تو اور زیادہ پاتا آئندہ اس کا

خیال رکھنا پس طباق اس نے دیا ہے جس میں پچاس درہم ہیں اور دم بدم اس کی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے یہ سن کر وہ بندہ خدا گریہ وزاری کے ساتھ خدا کی حمد وثنا میں کھو گیا اور عورت اس کا شکستہ حال دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بار خدایا یہ کیا معاملہ ہے خوشحالی میں یہ پریشان حالی کیسی؟ چنانچہ جب ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ اے ناشکری عورت! حقیقت یہ ہے کہ تینوں دن میں نے کسی کی مزدوری نہیں کی بلکہ دن اور رات عبادت الٰہی میں مشغول رہا رات کو آ کر تیرے خوف سے یہ حیلہ کر دیتا تھا کہ آقا نے کل مزدوری دینے کا کہا ہے مگر میرے مالک حقیقی نے اپنے غلام کو سچا کر دکھایا اور تیری رات دن کی آفت سے مجھ کو نجات دے دی اس پر جتنا بھی اس کا شکر ادا کروں کم ہے دیکھ آج میں اُس تھیلی میں تیرے ڈر سے ریت بھر کر لایا ہوں تو اس کو خالی کر لے اور ریت کو پھینک دے جب اس کی بیوی نے چاہا کہ تھیلی خالی کرے تو دیکھتی ہے کہ وہ تھیلی تو ایسے زر و جواہرات سے پر ہے جن سے تمام گھر روشن ہو رہا ہے یہ حال دیکھ کر اس مرد صالح نے اپنی تمام عمر خدا کی شکر گزاری میں گزار دی۔

(بحوالہ حکایات الصالحین)

حاصل...... سبحان اللہ! جو بندہ اپنے خدا پر بھروسہ کر کے اس کی اطاعت اور فرماں برداری میں مصروف رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۱۷

ایک ولی اللہ کی مقبولیت

بصرہ کا ایک سردار ہمیشہ اداس اور غمگین رہتا تھا کسی نے اس سے دریافت کیا کہ آخراس پریشانی کا سبب کیا ہے؟اس پر سردار نے جواب دیا کہ بات کہنے کی نہیں پر کہی جاتی ہے کہ مجھ سے ایک ولی اللہ کی خدمت میں کچھ بے ادبی ہوگئی تھی اس لئے ڈرتا ہوں کہ قیامت کواس کے مواخذے میں گرفتار نہ ہو جاؤں واقعہ یہ پیش آیا کہ میں ایک مرتبہ زیارت بیت اللہ کو چلا اور سب دوست و آشنا عزیز و اقارب رخصت کرنے آئے حسب دستور کچھ دور چل کر میں نے سب کولوٹا دیا مگر ایک شخص زید جو میرے خواص میں سے تھا واپس نہ ہوا اوراس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا مجبور ہو کر میں نے اس کو جھڑک دیا کہ بیت اللہ کا جانا بھی کوئی آسان سمجھا ہے جو پیادہ پا چلنے کو تیار ہو گیا میرے ساتھ نہ آ اور جس راہ سے تیرا جی چاہے چلا جا کہنے لگا: اے آقا! کیا خدا اس پر قادر نہیں کہ تم کو زادِراہ جلد پہنچا دے اور مجھ کو بے یار و مددگار اور بلا توشہ چھوڑ دے، یہ کہہ کراس نے اپنی راہ لی اور میں اپنے راستے سے چلتا بنا راستہ بھر کہیں وہ مجھ کو نظر نہ آیا واللہ اعلم کہاں پوشیدہ ہو گیا۔

جب خدا کے فضل سے مناسک حج سے فارغ ہو کر میں مدینہ طیبہ کو چلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زید آ گیا اور السلام علیکم کہہ کر میرے پاس بیٹھ گیا میں نے حیرت سے پوچھا کہ حج کر آیا؟ کہا: ہاں، پھر میں نے ظرفاً کہا: حج کی سند بھی ملی؟ تو کہنے لگا: کیسی سند؟ وہ کس کام آتی ہے؟ میں نے کہا: حج کرنے والے کو بیت اللہ میں غیب سے چٹھی

ملتی ہے جس میں لکھا ہوتا ہے فلاں ابن فلاں حج کو آیا تھا اور اس کا حج قبول ہو گیا پھر اسی سند کے ذریعہ قبر اور حشر کے عذاب سے نجات ہوتی ہے یہ سن کر زید روتا چلاتا بیت اللہ کو واپس چلا گیا جب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے فارغ ہو کر لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زید پھر آ گیا اور السلام علیکم کے بعد ایک چٹھی میرے سامنے رکھ دی جو ایک نہایت عمدہ ریشمی کپڑے میں سبز خط سے زید کے عذاب قبر اور حشر سے نجات کے لئے لکھی تھی یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے پھر ذرا سکون ہونے پر میں نے معلوم کیا کہ اے زید! بتا تو اس کی حقیقت کیا ہے؟ آخر یہ دولت بے مثال تجھ کو کس طرح میسر آئی؟ تب اس نے بتایا کہ: سنو بھائی! جب میں بیت اللہ پہنچا تو کعبۃ اللہ حاجیوں سے بالکل خالی تھا اس وقت میں نے گڑگڑا کر زار وقطار رونا اور چلانا شروع کیا کہ اے مالک دو جہاں! کیا غریب گنہگاروں کا حج بھی قابل قبول نہیں جو مجھ کو حج کی سند نہیں ملی؟ کیا غریبوں کا کعبہ اور صاحب کعبہ اور ہے جو وہاں جا کر سند لاؤں؟ مجھ کو قسم ہے تیرے عزت وجلال کی جب تک چٹھی نہ پاؤں گا کعبہ سے باہر نہ جاؤں گا اور روتے روتے یہیں مر جاؤں گا اچانک غیب سے آواز آئی کہ اے زید! نجات کی چٹھی لے اور جا اپنی راہ لے پھر یہ چٹھی میرے ہاتھ میں آ گئی جس کو لے کر میں چلا آیا یہ سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اللہ! اللہ! اس شخص کا یہ عالی مرتبہ ہے جس سے میں آج تک واقف نہ تھا پھر عزت واکرام کے ساتھ میں اس کو اپنے ہمراہ بصرہ لے آیا اور وہ چٹھی نہایت احترام وتعظیم کے ساتھ معطر ومعنبر کر کے صندوق میں بند کر دی جب کبھی جی چاہتا تو کمال ادب واحترام سے نکال کر اس کی زیارت کر لیتا چومتا اور آنکھوں سے لگاتا تھا اور پھر محفوظ کر دیتا اتفاقاً میں کہیں سفر میں تھا کہ میرے پیچھے زید کا وصال ہو گیا جب میں واپس آیا تو اس خبر سے میرے رنج وقلق کی انتہا نہ رہی کہ افسوس! میں ایسے ولی کی تجہیز وتکفین میں بھی شریک نہ ہو سکا پھر اچانک مجھ کو وہ چٹھی

یاد آئی جو میرے بکس میں محفوظ تھی اب تو میں اور بھی بے تاب ہو گیا اور اپنے اوپر افسوس کرنے لگا کہ سفر کو جاتے وقت میں نے وہ چٹھی زید کو کیوں نہ دی پھر اپنا مہر شدہ صندوق منگا کر دیکھا جو اسی طرح بامہر بند تھا جب میں نے کھولا تو اس میں چٹھی نہ پائی اب تو میرے غم والم کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اور ایک حشر کا عالم برپا ہو گیا زار و قطار رونے لگا اور روتے روتے سو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ طرح طرح کی سجی ہوئی جنت میں زید سر پر ایک تاج رکھے ہوئے زرق برق لباس میں تخت جواہر پر جلوہ افروز ہے اور اس کے چاروں طرف حوروں کے جمگھٹے ہیں میں نے قریب جا کر سلام کیا تو اس نے کہا: اے آقا! اس قدر پریشان کیوں ہو؟ میں نے کہا مجھے یاد نہیں وہ چٹھی تو نے مجھے دے دی تھی، کہنے لگا: وہ تو یہ موجود ہے اور اس کی بدولت یہ دولت و حشمت مجھ کو حاصل ہوئی اب آپ کچھ تردد نہ کیجئے میں اپنی من مانی مراد کو پہنچ گیا۔ (بحوالہ حکایات الصالحین)

حاصل...... سبحان اللہ! جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سب مرادیں پوری کر دیتا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۱۸

حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کا عبرت ناک وسبق آموز واقعہ

حضرت ابوعبداللہ اندلسیؒ بہت بڑے بزرگ، زاہد، عابد اور عارف باللہ کے علاوہ حدیث و تفسیر، میں بھی ایک مایہ ناز جلیل القدر امام اور مفسر محدث تھے کہا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار (۳۰۰۰۰) حدیثیں حفظ یاد تھیں، اور قرآن مجید کو تمام روایات میں (قرات سبعہ عشرہ) پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا آپ کے تلامذہ اور مریدین کی

جماعت میں سے بہت سے تلامذہ اور مریدین بھی آپ کے ساتھ چلنے لگے جن میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ بھی تھے، حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ ہمارا قافلہ خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت امن وامان اور آرام سکون اور اطمینان کے ساتھ منزل بمنزل مقصود کی طرف جارہا تھا، اور آگے بڑھ رہا تھا ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا نماز کا وقت ہو چکا تھا، لیکن پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم اب تک نماز ادا نہ کر سکے تھے ہم نے بستی میں پہنچ کر پانی تلاش کیا ہم نے پوری بستی کا چکر لگایا، اس دوران ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے، جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرستوں، نصرانیوں کے راہبان اور پادریوں کا مجمع تھا، کوئی آفتاب کو پوجتا کوئی آگ کی پوجا کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا، ہم نے جب یہ دیکھا تو ہم سب کو تعجب ہوا اور ہم ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے آخر ہم گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ایک کنویں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی (بھر کر ایک دوسرے کو) پلا رہی تھیں، اتفاق سے شیخ مرشد حضرت ابوعبداللہ اندلسیؒ کی نظر ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو کہ اپنے خداداد حسن وجمال میں سب لڑکیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت زیور اور لباس سے بھی آراستہ تھی، شیخ کی آنکھیں اس کی آنکھوں کے ساتھ چار ہوتے ہی حالت بدلنے لگی اور چہرہ بدلنے لگا اس انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کے پاس موجود لڑکیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، یہ کس کی لڑکی ہے؟ لڑکیوں نے جواب دیا کہ یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے شیخ نے کہا پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے، کیا اس کا باپ اس کے لئے کوئی نوکر نہیں رکھ سکتا؟ جو اس لڑکی کی خدمت کرے۔ لڑکیوں نے کہا! کیوں نہیں، مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور سمجھدار آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ یہ لڑکی اپنے باپ کے مال

ومتاع، حشم وخدم پر تکبر کرتے ہوئے کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے، اور پورے تین دن اسی طرح گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے بات وغیرہ کرتے ہیں اسی حالت میں تین دن گزر گئے، البتہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو نماز ادا کرتے تھے، مریدین اور تلامذہ کی کثیر تعداد شیخ کے ساتھ تھی، لیکن سب سخت پریشانی میں تھے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی تھی، حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یہ حالت دیکھ کر میں نے آگے قدم بڑھایا تعجب اور پریشان حال میں کہا کہ کچھ تو فرمائیں کیا وجہ ہے؟ شیخ نے (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپا سکوں گا، پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب ہو چکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے اب یہ ناممکن ہے کہ میں اس سرزمین کو چھوڑ دوں۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا اے میرے آقا! آپ اہل عراق کے پیرومرشد ہیں اور علم وفضل اور زہد وعبادت میں شہرہ آفاق ہیں آپ کے مریدین کی تعداد اس وقت بارہ ہزار ہے، بہت ہو چکا ہے قرآن مجید کے طفیل سے ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔

شیخ نے فرمایا! میرے عزیزو! میرا اور تمہارا فیصلہ تقدیر خداوندی ہو چکا ہے، مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور مجھ سے ہدایت کی علامات اٹھالی گئی ہیں، شیخ نے یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا اور فرمایا اے میری قوم! فیصلہ قدرت کی طرف سے ہو چکا ہے اب یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب وغریب واقعہ پر بڑا تعجب ہوا اور ہم نے حسرت سے رونا شروع کر دیا، شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے، یہاں تک کہ

زمین آنسوؤں کے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہوگئی اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کی زیارت کے لئے شہر بغداد سے باہر استقبال کے لئے آئے اور لوگ شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کو ہمارے درمیان نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا کہ شیخ صاحب کیوں نہیں آئے؟ وہ کہاں ہیں؟ ہم نے سارا واقعہ لوگوں کو بتا دیا، واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کے مریدوں میں سے جماعت کی کثیر تعداد اسی غم وحسرت میں اسی وقت عالم آخرت کو سدھار گئے، اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب! ہمارے شیخ کو ہدایت دے اور پھر اپنے مرتبے پر لوٹا دے۔ شیخ کے جانے کے بعد بغداد کی تمام خانقاہیں بند ہوگئیں، اور ایک سال تک اسی غم وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے، خبر تو لیں کہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں؟ چنانچہ ہماری ایک جماعت نے شیخ کی طرف سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ تو جنگل میں سور چرا رہے ہیں ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ گاؤں والوں نے بتایا کہ شیخ نے سردار کی لڑکی سے منگنی کرنا چاہی تو اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ جنگل میں سور چرایا کرے گا، شیخ نے ہاں کر دی چنانچہ شیخ سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم یہ سن کر حقہ بقہ ہو گئے، اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈ نے لگا، بمشکل ہم اپنے دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں شیخ سور چرا رہے تھے ہم نے دیکھا کہ شیخ پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس لاٹھی سے وعظ وخطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے شیخ کی اس حالت نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا، شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا ہم نے قریب

پہنچ کر''السلام علیکم'' کہا، شیخ نے (دبی ہوئی آواز میں) وعلیکم السلام کہا،

حضرت شبلیؒ !اے شیخ اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے ہوتے ہوئے بھی آج آپ کا یہ حال ہے۔

شیخ اندلسیؒ!میرے بھائیو یہ میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا ہی کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا مجھے اپنے دروازے سے دور پھینک دیا اور اس کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے، اے میرے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہوں (اس کے بعد شیخ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا) اے میرے مولیٰ میرا گمان تیرے بارے میں تو ایسا نہ تھا کہ تو مجھے ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازے سے نکال دے گا (اور یہ کہہ کر خدا سے استغاثہ کرنا) اور رونا شروع کر دیا۔

شیخ نے آواز دے کر کہا کہ اے شبلیؒ !اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو (حدیث میں ہے السعید من وعظ بغیرہ) یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو نصیحت کرے، حضرت شبلیؒ نے (رونے کی وجہ سے لہراتی ہوئی آواز سے) نہایت دردناک لہجہ میں کہا اے پروردگار ہم تجھ ہی سے طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہر کام میں ہم کو تجھ پر ہی بھروسہ ہے ہم سے اس مصیبت کو دور فرما دے اس مصیبت کو تیرے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں، خنزیران کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹنا تڑپنا اور چلانا شروع ہو گئے چنانچہ یہ میدان، میدان حشر کا نمونہ بن گیا، ادھر حضرت شیخ حسرت کے عالم میں زاروقطار رو رہے تھے۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا! شیخ آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے، اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے۔

شیخ نے فرمایا: اے عزیزو! مجھے قرآن کی دو آیات کے سوا کچھ بھی یاد نہیں رہا، حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ وہ آیتیں کون سی ہیں؟ شیخ نے فرمایا ایک تو یہ ہے ﴿ومن يُّهِنِ الله فماله من مكرم ان الله يفعل مايشاء﴾ ''جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔'' اور دوسری آیت یہ ہے ﴿ومن يَّتبدَّلِ الكُفرَ بالايمان فقد ضلَّ سواءَ السَّبيل﴾ ''جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا۔''

حضرت شبلیؒ نے فرمایا: اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں بمع اسناد کے زبانی یاد تھیں اب بھی ان میں سے کوئی ایک حدیث یاد ہے؟

شیخ نے فرمایا ہاں ایک حدیث یاد ہے اور وہ یہ ہے ﴿من بدَّلَ دينَهٗ فاقتلُوه﴾ ''جو شخص اپنا دین اسلام بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو۔''

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہم شیخ کا یہ حال دیکھ کر بعد حسرت و غم کے شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کی طرف کا قصد کیا، ابھی ہم تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ ابو عبداللہ اندلسیؒ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور با آواز بلند شہادتیں ﴿أشهدُ ان لااله الاالله واشهدان محمداً رسول الله﴾ پڑھتے جا رہے تھے، اس وقت ہماری خوشی کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو مصیبت سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت و غم کا اندازہ ہو۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو عبداللہ اندلسیؒ نے (قریب پہنچ کر) مجھے کہا پاک کپڑے دو، اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی اور ہم منتظر رہے کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس خدائے قدیر وعلیم کا ہزار بار شکر گزار ہیں جس نے آپ کو ہم سے جدا کر کے پھر ملایا اور ہماری جماعت کی رونق بکھر جانے کے بعد پھر درست فرمادی آپ ذرا بیان تو فرمائیں کہ شدید انکار کے باوجود پھر آپ کا آنا کیسا ہوا؟

شیخ فرماتے ہیں: میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے تو میں نے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اللہ سے دعا کی کہ خداوندا مجھے اس مصیبت سے نجات دے میں تیرا خطا کار بندہ ہوں، خدا تعالیٰ نے میری آواز سن لی، میرے سارے گناہ معاف کردیئے گئے۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا کیا آپ کے اس آزمائش کا کوئی سبب تھا؟

حضرت شیخ نے فرمایا: ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحدین اور یہ کمبخت کیسے جاہل اور احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز آئی کہ یہ ایمان وتوحید جو کچھ بھی تمہارا ذاتی کمال نہیں یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا کہ ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو کہ درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبول اسلام سے خوشیاں منا رہے تھے خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے، بادشاہ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایہ پیش کیئے، شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہوگئے اور وہی حدیث وتفسیر وعظ وتذکیر تعلیم وتربیت کا دور شروع ہوگیا، خداوند عالم نے شیخ کو بھلایا ہوا

علم پھر عطا فرما دیا بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم وفن میں ترقی تھی تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار ہوگئی اوراسی حالت میں ایک مدت گزر گئی ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، میں دروازے پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا مقصود ہے؟ آنے والے نے کہا! اپنے شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں چھوڑ کر آئے تھے آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے سچ ہے جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے منہ موڑ لیتا ہے تو ہر چیز اس سے منہ موڑ لیتی ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کے پاس گیا واقعہ بیان کیا حضرت شیخ سنتے ہی زرد ہو گئے ،اور خوف سے کانپنے لگے ،اس کے بعد اس لڑکی کو اندر آنے کی اجازت دی گئی ،لڑکی شیخ کو دیکھتے ہیں زار وقطار رونے لگی ،شدتِ غم دم لینے کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ یہ کچھ کلام کرے۔

شیخ نے (لڑکی سے مخاطب ہوکر) فرمایا تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا ،لڑکی نے کہا: اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد تک پہنچی تھی اس کو میرا دل ہی جانتا ہے، نہ بھوک رہی نہ پیاس نیند تو کہاں آتی میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی تھی اور اس وقت مجھ پر نیند غالب آگئی اسی حالت میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کی اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

لڑکی کہتی ہے کہ میں نے (اسی عالم خواب میں اس شخص کو مخاطب ہو کر) کہا شیخ کا دین کیا ہے؟ تو اس شخص نے بتایا کہ اس کا دین دین اسلام ہے میں نے کہا اسلام کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں، میں نے کہا تو ٹھیک ہے میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟ اس شخص نے کہا ذرا آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو، لڑکی نے کہا ٹھیک ہے یہ کہا اور میں کھڑی ہوگئی اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دیدیا وہ شخص میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر بولے بس کھول دو چنانچہ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پر پایا، اب میں پریشان ہوگئی اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی اس شخص نے حجرے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہیں چلی جاؤ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی (حضرت خضر علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اس شخص کے اشارے کے موافق، یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کے خدمت کے لئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ ابو عبداللہ اندلسیؒ نے اس لڑکی کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجر میں ٹھہرالیا کہ یہاں عبادت کرتی رہو، لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد و عبادت میں اپنے شریک کثیر لوگوں سے سبقت لے گئی، دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالک وخالق بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی، محنت سے بدن ڈھل گیا، ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا آخر اسی میں مریض ہوگئی اور مرض اتنا بڑھ گیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آنے لگا اور اب اس کا سفر آخرت آن پہنچا اس کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں رہی کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے

اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلی جائیں، کیونکہ جس وقت سے اس حجرے میں مقیم ہوئی تھی اسی وقت سے نہ شیخ نے اس کو دیکھا اور نہ ہی شیخ کی زیارت ہوسکی جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت وغم کا اندازہ کرسکتے ہیں آخر شیخ کو بلوا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس آکر شیخ کی زیارت ہوجائے۔

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے جہاں وہ لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی زیارت کے لئے ترس رہی تھی مگر آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھی دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں لیکن اس لڑکی کی زبان بے زبان یہ کہہ رہی تھی ۔

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر
سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر شیخ صاحب آئے تو لڑکی نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

شیخ نے (شفقت آمیز آواز سے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا) تم گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہوکر خاموش ہوگئی اور اب یہ خاموشی اور مُہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی اس خاموشی پر کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ اس لڑکی کی وفات پر غمزدہ ہوئے مگر شیخ کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں چند ہی روز کے بعد شیخ صاحب اس عالم فانی سے رخصت ہوئے، کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں، اور ستر (۷۰) حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت ہے جس کے ساتھ دنیا میں نکاح ہوا وہ عورت یہی لڑکی تھی اور اب وہ دونوں

ابدالآباد جنت کی بیش قیمتی نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔

"ذالک فضل الله یُؤتیهِ مَن یشآءُ والله ذُوالفضلِ العظیم."

(اکابر کا سلوک واحسان از صوفی اقبال صاحب ماخوذ از آپ بیتی)

حاصل...... معلوم ہوا کہ بیشک یہ تکبر ایسی بری بلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل وکرم سے اس معصیت سے بچائے۔ آمین۔ اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

واقعہ نمبر...... ۱۹

ایک مجاہد نوجوان کا حیرت انگیز واقعہ

مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جو ابوقدامہ شامی کے نام سے معروف ومشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں جہاد کی محبت خوب ڈال رکھی تھی چنانچہ وہ اکثر وبیشتر رومیوں سے لڑنے اور جہاد کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا اور لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ واقعات جہاد میں سے جو سب سے تعجب انگیز واقعہ آپ نے دیکھا ہو وہ ہمیں سنا دیجئے۔ شیخ ابوقدامہ نے فرمایا کہ سنو!

میرا ایک دفعہ "رقہ" جانا ہوا تا کہ کوئی اونٹ خرید لوں جو ہمارے اسلحہ کے اٹھانے اور لے جانے کے کام آئے۔ چنانچہ میں ایک دن دریائے فرات کے قریب رقہ نامی اس شہر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابوقدامہ میں نے آپ کے متعلق سنا ہے کہ آپ جہاد پر وعظ کہتے ہیں اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہیں، میں ایک ایسی عورت ہوں کہ اللہ نے مجھے لمبے لمبے

بالوں سے نوازا ہے میں نے اپنے اکھڑے ہوئے بالوں سے ایک رسی بٹ لی ہے اوراس پر میں نے مٹی مل لی ہے تا کہ بالوں کی بے پردگی نہ ہوآپ اس رسی کو لیجئے اور جب دشمن کی سرزمین پر پہنچ جائیں اور گھسان کی لڑائی شروع ہو جائے۔تلواریں ٹکرانے لگیں، تیر پھینکے جانے لگیں اور نیزے سانپوں کی طرح باہر نکل آئیں تو آپ اس رسی کو اپنے جہادی گھوڑے کے گلے میں ڈال دیں اوراس سے جہاد کریں اگرآپ کوخود ضرورت نہ پڑے تو کسی ضرورت مند مجاہد کو دیجئے میں اس عمل سے یہ چاہتی ہوں کہ میدان جہاد کا گرد وغبار میرے بالوں کولگ جائے۔

میں ایک بیوہ عورت ہوں میرے شوہر جہاد میں شہید ہو چکے ہیں اور میرا کنبہ جہاد میں شہید ہوگیا ہے اگر مجھ پر جہاد فرض ہوتا تو میں خود چلی جاتی لہٰذا میری جگہ آپ میرے ان بالوں کو جہاد میں استعمال کریں۔پھر اس عورت نے کہا اے ابوقدامہ یہ بات بھی سن لو کہ جب میرا شوہر شہید ہوگیا تھا تو اس نے اپنے پیچھے ایک خوبصورت لڑکا چھوڑا تھا اس لڑکے نے قرآن کریم حفظ کرلیا ہے اور جہادی ٹریننگ کر کے گھڑ سواری میں خوب مہارت حاصل کر لی ہے، نیز وہ تیراندازی میں غضب کا ماہر ہے وہ رات بھر تہجد پڑھتا ہے اوردن بھر روزہ رکھتا ہے اس وقت وہ خوب جوان ہے اوراس کی عمر پندرہ سال ہے آج کل وہ اپنی زمینوں میں کام کیلئے گیا ہوا ہے جب وہ واپس آجائے گا اورآپ یہاں موجود ہونگے تو میں اس جوان سال بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں اللہ کی رضا کیلئے بطور ''قربانی'' پیش کرونگی میں آپ کو دین اسلام کی عزت وعظمت کا واسطہ دیتی ہو کہ آپ مجھے اس ثواب سے محروم نہ کیجئے گا۔

میں نے اس عورت سے وہ بٹی ہوئی رسی لے لی تو دیکھا کہ وہ اس کے سر کے بالوں سے بنی ہوئی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ آپ میرے سامنے اس رسی کو اپنے

سامان میں محفوظ کر کے رکھیں تا کہ مجھے تسلی ہو جائے۔

میں نے رسی کو محفوظ کر کے رکھا اور ''رقہ'' سے اپنے ساتھیوں سمیت نکلنے لگا۔

جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک شہسوار کی چیخنے کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا اے ابوقدامہ خدا کیلئے ذرا رک جایئے۔ ہم رک گئے جب ہم نے دیکھا تو ایک شہسوار گھوڑے کو کدا تا ہوا آ رہا ہے۔ آتے ہی اس نے مجھ سے معانقہ کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کی رفاقت سے محروم نہیں کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ پیارے بیٹے! آپ ذرا چہرہ دکھا دیجئے تا کہ میں دیکھوں اگر آپ پر جہاد لازم اور فرض ہو تو میں آپ کو اجازت دیدوں گا ورنہ میں آپ کو واپس کر دوں گا۔ جب اس نے چہرہ ظاہر کیا تو چودھویں کے چاند کی طرح ایک خوبصورت ناز پروردہ نوعمر جوان تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بیٹے! آپ کا والد زندہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں وہ شہید ہو چکے ہیں اور اسی کا بدلہ لینے کیلئے جا رہا ہوں۔ شاید کہ اللہ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ میں نے کہا کیا آپ کی والدہ ہے؟ تو کہنے لگے ہاں والدہ حیات ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ جا کر اپنی والدہ سے اجازت لے لو اگر اس نے اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ آپ ان کے پاس ہی رہو کیونکہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس نوجوان نے کہا اے ابوقدامہ! کیا آپ مجھے نہیں جانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا کہ میں تو اسی عورت کا بیٹا ہوں جس نے آپ کے پاس سر کے بال کی رسی رکھی ہے آپ اتنی جلدی بھول گئے؟

میں انشاء اللہ شہید ابن شہید بنوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ جہاد میں جانے سے نہ روکیں۔ میں کتاب اللہ کا حافظ ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ہوں۔ میں

تیراندازی اور گھڑ سواری کا اتنا ماہر ہوں کہ میرے علاقے میں میرے جیسا کوئی نہیں۔ لہٰذا آپ مجھے چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ میری والدہ نے مجھے قسم کھلائی ہے کہ میں زندہ واپس نہ لوٹ آؤں۔ والدہ نے فرمایا ہے کہ اے میرے بیٹے! جب کفار سے مڈھ بھیڑ ہو تو تم پشت نہ دکھانا۔ اللہ کے راستے میں اپنی جان اللہ کے حوالے کر دینا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور پھر اپنے والد کے پڑوس کی دعا مانگنا۔

جب اللہ تعالیٰ نے تم کو شہادت نصیب کی تو تم میری شفاعت بھی کرنا کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ستر آدمیوں کی شفاعت کریگا یہ کہہ کرامی جان نے مجھے سینہ سے لگالیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اس طرح دعا مانگی اے میرے مولا! اے میرے آقا! یہ میرا بیٹا ہے۔ میرے دل کا پھل اور میرے جسم کا پھول ہے میں نے اس کو تیری خدمت میں پیش کر دیا ہے اس کو قبول فرما لیجئے۔

شیخ ابو قدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اس لڑکے کی یہ گفتگو سنی تو میں بہت رویا خاص کر اس وجہ سے کہ یہ نوعمر اور نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور اس وجہ سے بھی کہ اس کی والدہ کے دل پر کیا گزرے گی اور اس کے صبر پر بھی رویا۔ اس لڑکے نے کہا اے چچا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اگر میری صغرسنی پر رو رہے ہیں تو یاد رکھیئے کہ مجھ سے چھوٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ نافرمانی پر عذاب دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ تیری والدہ کی وجہ سے رونا آتا ہے وہ بیچاری تیرے بعد کیا کریگی۔

خیر! ہم آگے بڑھتے چلے گئے رات کو سفر مکمل ہوا اور صبح روشن ہوگئی، لڑکا مسلسل اللہ کے ذکر میں لگا ہوا تھا میں نے جب غور سے دیکھا تو یہ لڑکا سب سے زیادہ گھڑ سواری میں ماہر تھا اور سب سے زیادہ خدمت گزار بھی تھا جتنا ہم دشمن کے قریب ہوتے جاتے یہ لڑکا اتنا ہی چست بنتا جاتا تھا دوسرے روز دن بھر سفر ہوا اور غروب

آفتاب کے وقت ہم کفار کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا ہم سب روزے سے تھے۔ چنانچہ اس نوجوان لڑکے نے ہماری افطاری کا انتظام کیا وہ افطاری کی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ نیند اس پر غالب آئی اور وہ سو گیا۔ سوتے میں ہم نے دیکھا کہ وہ نوجوان مسکرا رہا ہے میں نے ساتھیوں سے کہا کہ بھائیو! ذرا دیکھو یہ نوجوان کیسے مسکرا رہا ہے۔ جب لڑکا نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ پیارے بیٹے! ہم نے آپ کو ابھی ابھی ہنستے ہوئے دیکھا ہے ذرا بتایئے۔ کیا وجہ تھی تم نیند کی حالت میں کیسے ہنس رہے تھے؟

نوجوان نے کہا کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا اس کی وجہ سے میں ہنسنے لگا تھا۔ خواب یہ کہ گویا میں ایک سرسبز و شاداب پرکشش باغیچہ میں ہوں۔ میں اس میں گھوم رہا تھا اور لطف اٹھا رہا تھا اچانک میں نے وہاں ایک عالیشان محل دیکھا جو چاندی جواہرات اور موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے اور اس پر سلیقے سے پردے آویزاں تھے اچانک ان پردوں کو کچھ لڑکیوں نے دروازے سے ہٹایا وہ لڑکیاں چاند کی طرح چمک رہی تھیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو سب نے خوش آمدید کہا میں نے خواب میں ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگی کہ جلدی نہ کیجئے ابھی آپ کا وقت نہیں آیا۔ میں نے سنا کہ وہ آپس میں کہہ رہی تھیں کہ یہ نوجوان ''مرضیہ'' کا شوہر ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ آپ پر اللہ رحم کرے ذرا آگے بڑھیئے۔ میں کچھ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس محل میں ایک کمرہ ہے جو سب سے بلندی پر ہے اور خالص سونے کا بنا ہوا ہے جس میں زبرجد کا بنا ہوا ایک سبز پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اس کے پائے سفید اور چمک دار چاندی کے بنے ہوئے ہیں۔ اس پر ایک ایسی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کا چہرہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمک رہا تھا اگر اللہ میری نگاہوں کی حفاظت نہ کرتا تو میری نگاہیں چلی جاتی

اور میری عقل سلب ہو جاتی۔ جب اس لڑکی نے مجھے دیکھا تو کہا مرحبا مرحبا! آیئے آیئے! خوش آمدید! خوش آمدید۔

اے اللہ کے محبوب! آپ میرے لئے ہیں اور میں آپ کے لئے ہوں، میں اس کی طرف بڑھنے لگا تو وہ کہنے لگی کہ نہیں نہیں ابھی وقت نہیں آیا۔ ہاں کل ظہر کے وقت کا وعدہ ہے۔ مبارک ہو، مبارک ہو۔

شیخ ابوقدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ آپ نے کیا اچھا خواب دیکھا ہے۔ رات بھر ہم اس نوجوان کے اس خواب پر تعجب کر رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو ہم سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدان کارزار کیلئے تیار ہوئے۔ اتنے میں کسی پکارنے والے نے پکارا۔

یاخیل اللہ ارکبی وفی الجنۃ ارغبی انفروا خفافاو ثقالا.

اے اللہ تعالیٰ کے شہسوار و اور اس کے دین کے مددگارو! سوار ہو کر چلو اور جنت کی طرف بڑھو تم ہلکے ہو یا بوجھل جلدی نکلو، جونہی یہ آواز ختم ہوئی تو لشکر کفار نمودار ہوا۔ اللہ اس کو ذلیل کرے وہ تو ٹڈی دل لشکر تھا جو چاروں طرف پھیل چکا تھا۔

ہم میں سب سے پہلے اس نوجوان نے لشکر کفار پر ایسا حملہ کیا کہ ان میں اندر تک گھستا چلا گیا اس نے کفار کے جمگھٹے کو تتر بتر کر دیا اور بیچ میں جا کر لشکر کفار کو تہس نہس کر دیا کئی بہادروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا اور کئی کفار کو زمین پر پچھاڑ دیا۔

میں نے جب اس لڑکے کے اس طرح تابڑ توڑ حملوں کو دیکھا تو میں اس کے پاس گیا اور اس کے گھوڑے کی لگام کو پکڑ کر کہا اے پیارے بیٹے! اب تم واپس ہو جاؤ تم نوعمر ہو جنگی چالوں کا زیادہ تجربہ بھی نہیں، اس نے کہا اے چچا جان! کیا

آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی؟

"یاایھا الذین امنوا اذالقیتم الذین کفروا زَحفاً فلاتولُوھُمُ الادبار".

اے چچا جان کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پیچھے مڑ کر جہنم کا حقدار بنوں؟

ہم اسی گفتگو میں تھے کہ اچانک کفار نے ہم پر یک بارگی حملہ کر دیا یہ حملہ اس طرح سخت تھا کہ ہر آدمی اپنی اپنی فکر میں مشغول ہو گیا اس دوران لڑکے اور میرے درمیان بھی کفار حائل ہو گئے اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس حملہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہوگئی جب جنگ رک گئی تو نہ زخمیوں کا حساب لگایا جا سکتا تھا اور نہ شہیدوں کا کوئی حساب تھا میں اپنے گھوڑے سمیت شہداء کی لاشوں میں گھومنے لگا ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں اور سیلاب کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ شہداء کے چہرے خون اور غبار کی وجہ سے پہچانے نہیں جاتے تھے۔ میں گھوم ہی رہا تھا کہ اچانک ایک کو زمین پر پڑا ہوا دیکھا جو گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلا پڑا تھا اور اس کے چہرے اور جسم پر غبار لگا ہوا تھا اور وہ اپنے آخری سانس میں یہ کہہ رہا تھا۔ ''اے مسلمانو! خدا کیلئے میرے پاس میرے چچا ابو قدامہ کو بھیج دو''۔

میں نے جب اس کی آواز سنی تو اس کے قریب آیا دیکھا تو وہ اپنے خون کے حوض میں الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ کثرت خون اور کثرت غبار اور گھوڑوں کے کچلے جانے کی وجہ سے میں اس کو نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا ہاں میں ابو قدامہ ہوں، اس پر لڑکے نے کہا کہ چچا جان رب کعبہ کی قسم! خواب کی تعبیر سچی نکلی۔ میں اس کے چہرے پر جھک گیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے چہرے سے مٹی اور خون اپنی چادر سے صاف کرنے لگا اور کہا کہ اے پیارے بیٹے! مجھے اپنی شفاعت میں قیامت کے روز نہ بھولنا۔ نوجوان نے کہا کہ آپ جیسے محسن کو بھلایا نہیں

جاسکتا، آپ اپنی چادر سے میرے خون کو کیوں پونچھتے ہیں؟ میرا اپنا کپڑا زیادہ مناسب ہے کہ اس سے میرا خون پونچھا جائے پھر اس نوجوان نے کہا کہ اے چچا جان! یہ خون چھوڑ دیجئے کہ میں اپنے رب کے ساتھ اسی خون میں ملاقات کروں گا، خواب میں جس کو میں نے دیکھا تھا وہ سامنے کھڑی ہے اور میری روح نکلنے کے انتظار میں ہے اور مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں مشتاقِ دیدار ہوں جلدی سے میرے پاس آجایئے۔

اے چچا جان! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس لوٹا دیا تو آپ میرے یہ خون آلودہ کپڑے میری مسکین اور غمگین والدہ تک پہنچا دیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کی وصیت کو پورا کر دیا ہے اور مشرکین کے مقابلے میں کسی بزدلی سے کام نہیں لیا۔ آپ ان کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کو قبول کر لیا، اے چچا جان! میری ایک چھوٹی سی بہن ہے جس کی عمر دس سال ہے میں جب بھی گھر سے باہر جاتا تو وہ مجھے رخصت کرتی اور جب بھی گھر پر آتا تو وہ سب سے پہلے مجھے ملتی اور سلام کرتی، اس دفعہ جب میں آ رہا تھا تو اس نے مجھے رخصت کرتے وقت کہا کہ بھائی جان! جلدی واپس آیئے گا دیر نہ کیجئے گا، میری اس بہن سے جب آپ کی ملاقات ہو جائے تو اس سے میرا سلام کہیے گا اور پھر یہ کہنا کہ آپ کا بھائی جان کہتا ہے کہ ''خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہوگی'' یہ کہہ کر اس نوجوان نے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان آفرین رب العالمین کے حوالہ کر دی۔ ہم نے اس کو ان ہی کپڑوں میں دفنا دیا اور واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔

القصہ جب ہم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ''رقہ'' پہنچے تو میں اس نوجوان کے گھر گیا دیکھا تو اسی نوجوان کی طرح اسکی خوبصورت ننھی منی معصوم بہن دروازہ

پر کھڑی ہے اور غزوہ سے واپس لوٹنے والوں سے پوچھ رہی ہے کہ میرے بھائی کو آپ لوگوں نے نہیں دیکھا۔ لوگ جواب دیتے کہ ہم ان کو نہیں جانتے ہیں۔ جب میں اس بچی کی طرف بڑھا تو وہ کہنے لگی کہ چچا جان! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں جہاد سے لوٹ کر آیا ہوں وہ کہنے لگی کہ میرا بھائی لوٹ کر نہیں آیا؟ یہ کہہ کر وہ چیخ اٹھی اور کہا کہ سب لوگ آگئے میرا پیارا بھائی کیوں نہیں آیا، میں نے اس بچی کے رونے کو قابو کیا اور اس بچی سے کہا کہ اپنی امی جان کو جا کر کہہ دو دروازہ پر ابوقدامہ آیا ہے ان سے بات کرو، میری اس گفتگو کو اس خاتون نے سن لیا تو وہ فوراً باہر آئی اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ میں نے ان کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ اے ابوقدامہ! یہ بتایئے کہ آپ خوشخبری لیکر ہمارے پاس آئے ہیں یا غم کی خبر لے کر آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ پہلے خوشخبری اور غم کی خبر کی وضاحت کریں تو اس نے کہا اگر میرا بیٹا صحیح سالم واپس آگیا ہے تو یہ غم کی خبر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت سے نوازا ہے تو یہ خوشی کی خبر ہوگی۔ میں نے کہا مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تیرا ہدیہ اور قربانی کو قبول کرلیا ہے اور تیرا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ کہنے لگی کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرلیا؟ میں نے کہا ہاں قبول کرلیا۔ کہنے لگی شکر الحمدللہ! یہ میرا آخرت کا سرمایہ بن گیا۔

پھر میں نے اس نوجوان کا پیغام اس کی بہن تک پہنچایا کہ سلامت رہو بہن، خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہوگی، لڑکی نے جب یہ پیغام سنا تو ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی، میں نے جب اس کو ہلایا تو وہ مر چکی تھی میں نے لڑکے کے خون آلود کپڑے اس کی والدہ کے حوالہ کئے اور زخمی زخمی دل اس گھر سے واپس لوٹ آیا مجھے اس عورت کے صبر پر اب تک تعجب ہو رہا ہے۔　(بحوالہ دعوت جہاد)

حاصل ...... جب انسان اپنے اللہ سے لو لگا لیتا ہے تو اسے دنیا کی رعنایاں،

دلچسپیاں سب ہیچ معلوم ہوتی ہیں، اوراس کی نظر میں صرف آخرت ہی رہ جاتی ہے، چنانچہ اس واقعہ سے ہمیں بھی یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی شہادت کی تمنا رکھیں اور دنیا کی محبت میں مستغرق ہونے کے بجائے آخرت کی محبت کو سامنے رکھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق اور سمجھ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۲۰

حضرت رابعہ بصریہؒ کا واقعہ

حضرت رابعہ بصریہ مخدومہ پردہ نشین سوختہ عشق واشتیاق شیفتہ قرب واختراق تھیں آپ شب وروز عبادت میں رہتی تھیں۔ آپ کو حج کا شوق ہوا ایک گدھا بہت لاغر ان کے پاس تھا۔اس پر اسباب لاد کر چلیں، راہ میں گدھا مر گیا۔ دوسرے ہمراہیوں نے ان سے کہا ہم آپ کا اسباب لے چلیں گے۔آپ نے کہا تم سب جاؤ میں تم لوگوں کے بھروسے پر نہیں آئی ہوں، قافلہ چلا گیا آپ تنہا رہ گئیں۔آپ نے درگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اے ساری کائنات کے بادشاہ عالم کیا ایک غریب عورت کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے کہ تو نے پہلے مجھے اپنے گھر کی طرف بلایا پھر راہ میں گدھے کو مار ڈالا اور تنہا بیابان میں سراسیمہ کر دیا آپ کی مناجات ختم نہ ہوئی تھی کہ گدھا زندہ ہو گیا آپ نے پھر اس پر اسباب لادا اور مکہ معظّمہ کو چلیں۔ حضرت رابعہ قریب مکہ معظّمہ کے پہنچیں تو چند دن بیابان میں قیام پزیر ہوئیں اور مناجات کی کہ میرا دل رنجیدہ ہے اور یہ خیال مجھے درپیش ہے کہ میں کہاں جاتی ہوں، میری بنیاد ایک مشتِ خاک ہے اور خانہ کعبہ پتھر کا بنا ہوا مستحکم مکان ہے۔ میری غرض ہے کہ تو ملجائے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اے رابعہ کیا تو چاہتی ہے کہ تمام عالم تہ و بالا ہو اور

سب کا خون تیرے نامہ اعمال میں لکھا جائے کیا تو نے نہیں سنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی آرزو کی ہم نے اپنی تجلی کوہِ طور پر ڈالی جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ایک بار آپ پہاڑ پر گئیں۔تمام شکاری جانور آپ کے ارد گرد جمع ہو کر آپ کی طرف دیکھنے لگے۔اتنے میں حضرت حسن بصریؒ بھی وہاں پہنچے۔سب جانوران کو دیکھ کر بھاگ گئے۔حضرت حسن بصریؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ جانور مجھے دیکھ کر کیوں بھاگ گئے اور تمھارے پاس کیوں کھڑے رہے؟ آپ نے پوچھا کہ تم نے آج کیا کھایا ہے؟ کہا میں نے گوشت روٹی کھائی ہے۔آپ نے کہا کہ جب تم نے ان کے بھائیوں کا گوشت کھایا ہے تو وہ تم سے کیوں نہ بھاگیں۔آپ سے حضرت حسن بصریؒ نے پوچھا کہ تم نے یہ مرتبہ کیونکر پایا؟ آپ نے فرمایا میں نے کل موجودات کو اللہ کی یاد میں گم کر دیا۔حضرت حسن بصریؒ نے پوچھا تم نے اللہ کو کیونکر جانا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بے چوں و چرا اللہ کو پہچانا۔ایک بار لوگوں نے آپ سے پوچھا، آپ کہاں سے آئیں ہیں اور کہا جائیں گی؟ اس جہاں سے آئی ہوں اور اسی جہاں میں جاؤں گی۔لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس جہاں میں کیا کرتی ہیں؟ فرمایا افسوس لوگوں نے سبب پوچھا جواب دیا اس لئے افسوس کرتی ہوں کہ مجھے رزق اُس جہان سے ملتا ہے اور میں کام اس جہان کے کرتی ہوں۔لوگوں نے آپ سے محبت کی کیفیت دریافت کی۔آپ نے فرمایا محبت ازل سے آئی اور ابد سے ہو کر گزری۔محبت نے تمام عالم میں کسی اور کو ایسا نہ پایا کہ اس کا ایک گھونٹ پیتا۔آخر کار محبت واصل الی اللہ ہوئی اور وہاں سے ارشاد ہوا، اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ جس اللہ کی عبادت کرتی ہیں اس کو دیکھتی بھی ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو نہ دیکھتی تو اس کی پرستش کیوں کرتی۔آپ ہمیشہ رویا کرتی تھیں۔لوگوں نے رونے کا سبب دریافت

کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کی جدائی سے ڈرتی ہوں اس لئے کہ اس کی خوگر ہوگئی ہوں ایسا نہ ہو کہ موت کے وقت ندا آئے ''تو ہماری درگاہ کے لائق نہیں'' لوگوں نے پوچھا کہ جب گنہگار توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جب تک اللہ توبہ کرنے کی توفیق نہیں دیتا کوئی گنہگار توبہ نہیں کرسکتا اور جب اللہ نے توبہ کرنے کی توفیق دی تو توبہ بھی قبول کرتا ہے۔ پھر فرمایا اعضاء سے اللہ کی راہ نہیں ملتی جب تک انسان کا دل بیدار نہ ہو اور جب دل بیدار ہوگیا تو دوستی اعضاء کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یعنی بیدار دل وہ ہے جو حق میں گم ہو جائے اور مدد اعضاء کی اس کو ضرورت نہ ہو اور یہی درجہ فنا فی اللہ کا ہے۔ اے مخاطب خواجہ محمد اسلام عرض گزار ہے کہ دل کو بیدار کرنے کے لئے اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کر کہ اللہ تیرے سامنے آجائے۔ پس یہی وہ مقام ہے کہ قیامت کے روز اللہ کا ذکر کرنے والے ہنستے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ پاک ہر مسلمان کو ہر وقت اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! آپ نے فرمایا صرف زبان سے استغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے اور اگر خود بینی کے ساتھ ہم توبہ کریں تو دوسری توبہ کی محتاجگی باقی رہ جاتی ہے اور فرمایا کہ ثمرہ معرفت اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور فرمایا کہ پہچان عارف کی یہ ہے کہ اللہ سے پاک صاف دل طلب کرے، جب اللہ اس کو دل دے تو اسے فوراً اللہ کے سپرد کردے تاکہ اس کے قبضے میں حفاظت سے رہے اور اس کے پردے میں تمام لوگوں سے پوشیدہ رہے۔ حضرت صالح عامریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی کسی کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، کبھی نہ کبھی دروازہ اس پر کشادہ ہو ہی جاتا ہے۔ ایک بار حضرت رابعہ بصریہؒ بھی وہاں موجود تھیں، یہ سن کر فرمانے لگیں یہ کب تک کہو گے کہ کھلے گا، پہلے یہ بتاؤ کہ بند کب ہے جو آئندہ کھلے گا۔ یہ سن کر حضرت صالحؒ نے آپ کی دانائی کی تعریف کی اور اپنی نادانی پر افسوس کیا۔ ایک بار آپ نے

ایک شخص کو ہائے غم، ہائے غم کہتے دیکھا آپ نے فرمایا ہائے غم، ہائے غم نہ کہہ بلکہ ہائے بے غمی، ہائے بے غمی پکار کیونکہ غم کا خاصہ ہے کہ جس کے پاس یہ ہوتا ہے اس سے سانس تک تولی نہیں جاتی، بات کرنا تو امر محال ہے۔ ایک شخص کو آپ نے سر پر پٹی باندھے دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ پٹی تو نے کیوں باندھی ہے؟ اس نے کہا کہ میرے سر میں درد ہے۔ آپ نے پوچھا تیری عمر کیا ہوگی؟ اس نے کہا تیس برس کا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ اتنے زمانے تک تو بیمار رہا یا تندرست؟ اس نے کہا تندرست رہا۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے تیس برس تک تو تندرست رہا اور اس کے شکریہ میں کبھی تو نے پٹی نہ باندھی اور ایک دن بیماری میں شکایت کی پٹی باندھے ہوئے ہے۔ آپ گوشہ نشین تھیں اور بہار کی فصل تھیں، آپ کی خادمہ نے کہا، ذرا باہر تشریف لا کر صانع کی صنعت ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے کیا کیا صناعی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو بھی گوشہ نشینی اختیار کر، تا کہ خود صانع تجھے دکھائی دے۔ میرا کام صانع کا دیکھنا ہے، میں صنعت دیکھ کر کیا کروں گی۔ ایک بار آپ نے سات شبانہ روزہ رکھا اور شب کو مطلق استراحت نہ فرمائی۔ آٹھویں دن بھوک نے غلبہ کیا اور نفس فریاد کر کے کہنے لگا کہ کب تک آپ مجھ کو رنج اور تکلیف میں رکھیں گی۔ اسی وقت ایک شخص آیا اور ایک پیالہ، جس میں کوئی چیز کھانے کی تھی، آپ کو دیا، آپ نے لے کر رکھ لیا اور چراغ جلانے کو اٹھیں، اتنے میں بلی آئی اور اس نے پیالے کو الٹ دیا، آپ نے خیال کیا کہ پانی سے روزہ کھول لوں گی، آبخورے میں پانی بھر کر لائیں تو چراغ گل ہو گیا آپ نے پانی پینے کا ارادہ کیا، آبخورہ ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ آپ نے ایک آہ بھر کر درگاہ رب العزت میں کہا کہ یا اللہ یہ کیا ہے؟ جو تو میرے ساتھ کرتا ہے۔ غیبی آواز سنائی دی کہ اے رابعہؒ اگر تم نعمت دنیا کی طالب ہو ہم دینے کو موجود ہیں، لیکن اپنا غم تمہارے دل سے نکال دیں گے، اس لئے کہ ہمارا غم اور نعمت دنیا دونوں کا گزر

ایک دل میں محال ہے۔اے رابعہ" تمہارا بھی ایک مراد ہے اور ہمارا بھی ایک مراد ہے۔لیکن ہماری اور تمہاری، دونوں مرادیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ ندا سن کر آپ نے اپنے دل کو دنیا سے جدا کیا اور امید کو کوتاہ کیا، اس طرح جیسے کوئی مرنے والا نزع کے وقت امید کو ترک کرتا ہے اور دل کو دنیا کی باتوں سے الگ کرتا ہے اور اس قدر دنیا سے الگ ہوگئیں کہ ہر صبح کو دعا فرماتی کہ اے اللہ تو مجھے اپنی طرف مشغول کر لے تاکہ اہل دنیا مجھے اور کسی کام میں مشغول نہ کرسکیں۔آپ ہمیشہ رویا کرتی تھیں ۔لوگوں نے کہا بظاہر آپ کو کوئی بیماری معلوم نہیں ہوتی پھر کیا سبب ہے جو آپ اس طرح رویا کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم لوگوں کو معلوم نہیں میرے سینے کے اندر ایسی بیماری ہے جس کا علاج کوئی طبیب نہیں کرسکتا اور اس مرض کی دوا وصالِ الٰہی ہے، اسی وجہ سے میں روتی ہوں اور اپنی صورت درد مندوں کی مثل بنائے رکھتی ہوں، شاید قیامت میں اسی ذریعے سے میری آرزو پوری ہوجائے۔چند بزرگ آپ کے پاس آئے۔آپ نے ان سے کہا کہ تم لوگ بیان کرو کہ اللہ کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ایک نے کہا کہ ہم دوزخ کے طبقوں سے ڈرتے ہیں اور اسی پر سے قیامت میں گزرنا ہوگا۔اس کے خوف کی وجہ سے ہم اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔تاکہ دوزخ سے محفوظ رہیں۔دوسرے نے کہا ہم بہشت کی آرزو کی وجہ سے اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ وہ بندہ برا ہے جو اللہ کی پرستش خوف دوزخ یا امید جنت کی وجہ سے کرے۔ان بزرگوں نے کہا کہ آپ کو اللہ سے امید یا خوف نہیں ہے۔آپ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت فرض عین ہے پھر فرمایا اگر اللہ بہشت اور دوزخ نہ پیدا کرتا تو کیا اس کے بندے اس کی عبادت نہ کرتے اللہ کی پرستش بے واسطہ کرنا چاہیے۔لوگوں نے آپ کی آزمائش کی غرض سے کہا کہ اللہ نے فضائل مردوں کو بہت دیئے ہیں اور مردوں میں انبیاء بھی بہت ہوئے۔کبھی کسی عورت کو

مرتبہ نبوت نہیں ملا۔آپ کو رتبہ ولایت نہیں مل سکتا پھر بناوٹ کرنے سے کیا فائدہ؟ آپ نے کہا تمہارا قول درست ہے لیکن یہ بتاؤ کہ دنیا میں آج تک کسی عورت نے بھی سوا مردوں کے خدائی کا دعویٰ کیا ہے یا کوئی عورت بھی مخنث ہوئی ہے حالانکہ ہزاروں مرد مخنث ہوئے ہیں۔ایک بار آپ علیل ہوئیں لوگوں نے علالت کا سبب پوچھا آپ نے کہا میرے دل کو بہشت کی طرف توجہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ مجھ پر خفا ہوا اس کا عتاب میری علالت کا باعث ہے۔حضرت حسن بصریؒ اور حضرت مالک بن دینار اور حضرت شفیق بلخیؒ اور حضرت رابعہ بصریہؒ کے ہاں تھے اور صدق کی بابت آپس میں تذکرہ ہورہا تھا۔حضرت حسن بصریؒ نے کہا وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں ہے جسے اس کا مالک مارے اور وہ صبر نہ کرے۔حضرت رابعہؒ نے کہا اس قول سے خودی کی بو آتی ہے۔پھر حضرت شفیق بلخیؒ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جسے اس کا ملک مارے اور وہ شکر نہ کرے۔حضرت رابعہؒ نے فرمایا اس سے بہتر تعریف صادق کی ہونی چاہئے۔پھر حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جسے اس کا ملک مارے اور وہ اس سے لذت حاصل نہ کرے۔ حضرت رابعہ نے پھر یہی فرمایا کہ اس سے بہتر تعریف صادق کی ہونی چاہیے۔ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ ہم لوگ اپنے اپنے نزدیک تعریف کر چکے۔اب آپ بھی کچھ فرمائیں۔حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جس کو اپنے مولا کا دیدار حاصل ہو اور وہ اپنے زخم کی تکلیف کو بھول نہ جائے۔خواجہ محمد اسلام عرض گزار ہے کہ کوئی شخص مشاہدہ الٰہی میں اپنے زخم کی تکلیف کو بھول جائے تو ہرگز تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ مصر کی عورتوں نے جمال حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں اور ان کو اس کی تکلیف ذرا بھی معلوم نہ ہوئی۔شیوخ بصرہ میں سے ایک بزرگ حضرت رابعہؒ کے پاس تشریف

لائے اور بیٹھ کر مذمت دنیا کی کرنے لگے۔ حضرت رابعہؒ نے کہا معلوم ہوا کہ تمہیں دنیا سے بہت محبت ہے کیونکہ اگر تمہیں دنیا کی محبت نہ ہوتی تو ہرگز اس کا ذکر نہ کرتے ۔قاعدہ ہے کہ جو شخص جس چیز کو دوست رکھتا ہے اسی کا ذکر کیا کرتا ہے۔ آپ شام سے عبادت الٰہی کو کھڑی ہوتی اور صبح کر دیتیں تھیں۔ فرمایا ہم اللہ کا شکر کس طرح ادا کریں کہ اس نے ہمیں عبادت کرنے کی توفیق دی پھر فرمایا میں اس کے شکر میں کل روزہ رکھوں گی۔ آپ مناجات میں کہتی تھیں اگر قیامت کے دن مجھے دوزخ میں بھیجے گا تو میں تیرا ایسا بھید ظاہر کردوں گی جس کی وجہ سے دوزخ مجھ سے ہزار برس کی راہ پر بھاگ جائے گی اور فرماتیں تو نے دنیا میں جو حصہ میرے لئے مقرر کیا ہے اپنے دشمنوں کو دے دے اور جو حصہ عقبیٰ میں میرے لئے رکھا ہے وہ اپنے دوستوں میں بانٹ دے کیونکہ میرے لئے تو ہی کافی ہے اور فرمایا میں دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کروں تو تو مجھے دوزخ میں جلا اور اگر جنت کی آرزو کی وجہ سے عبادت کروں تو جنت مجھ پر حرام کر اور اگر تجھ کو تجھ سے چاہوں تو اپنا جمال مجھے نصیب کر اور فرمایا اللہ اگر مجھے دوزخ میں بھیجے گا میں فریاد کروں گی کہ میں نے تجھے دوست رکھا ،دوست دوست کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے۔ غیب سے آواز آئی اے رابعہؒ تو ہم سے بدگمان نہ ہو، ہم تجھے اپنے دوستوں کے قرب میں جگہ دیں گے تاکہ تو ہم سے بات کر سکے۔ اور فرمایا اللہ میرا کام اور میری آرزو دنیا میں تیری یاد ہے اور آخرت میں تیرا دیدار آگے تو مالک ہے جو چاہے کر۔ ایک شب کو عبادت کرتے وقت آپ نے فرمایا اے اللہ یا میرے دل کو حاضر کر یا میری بے دلی کی عبادت کو قبول کرلے ۔جب آپکی وفات کا زمانہ قریب ہوا جو مشائخ آپ کے قریب تھے ان سے آپ نے فرمایا تم لوگ اٹھ جاؤ اور فرشتوں کے واسطے جگہ خالی کر دو سب باہر چلے آئے اور دروازہ بند کر دیا ایک آواز سب لوگوں نے سنی وہ آواز یہ تھی ''اے نفس مطمئنہ اپنے

پروردگار کی طرف رجوع کر۔'' اس کے بعد دیر تک کوئی آواز نہ آئی ۔لوگ اندر گئے دیکھا کہ آپ کا وصال حق ہو چکا ہے۔آپ نے اس دنیائے بے بقا سے کوچ فرمایا ۔کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا پوچھا منکر نکیر سے کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے جواب دیا: جب منکرین آئے اور مجھ سے انہوں نے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ میں نے کہا کہ پلٹ جاؤ اور اللہ سے کہو کہ جب تو نے ایک خاتون عورت کو باوجود اس کے کہ تجھے تمام مخلوق کا خیال تھا کبھی فراموش نہ کیا پھر وہ کیونکر تجھے بھول جاتی ۔حالانکہ دنیا میں بھی اسے تیرے سوا کسی سے علاقہ نہ تھا تو کیوں فرشتوں کے ذریعے اس سے سوال کرتا ہے۔اللہ ربّ العزت کی رحمتیں ہوں آپ پر ستاروں کی تعداد کے بقدر، ریت کے ذروں کے برابر، پانی کے قطروں کے برابر، درختوں کے پتوں کے برابر اور ان بہنوں پر جو آپؒ کی راہ اختیار کریں اور سلام ہو آپ پر مسلمان بہنوں اور بھائیوں کی طرف سے، قیامت تک آنے والوں کی طرف سے۔آمین۔ (بحوالہ تذکرہ رابعہ بصریہؒ)

حاصل ...... بیشک اللہ کے عشق کی شان ہی نرالی ہے، زہے نصیب کہ جسے یہ اللہ کا حقیقی عشق نصیب ہو جائے یقیناً وہ دنیا میں ہی جنت کا سا سکون حاصل کرتا ہے، حضرت رابعہ بصریہؒ کی زندگی آج کی ہماری خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اللہ سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۲۱

ایک عالم دین کی درد بھری داستان

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے گئے تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ میں

نے دیکھا کہ بیت اللہ میں ایک مولوی صاحب روزانہ قرآن پاک کی ان آیات کی تشریح کیا کرتے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بوڑھے ہوکر رہیں، تو انہیں کسی موقعہ پر بھی اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام اور ادب کے ساتھ بات کرو۔ نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہو اور دعا کیا کرو کہ: اے پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ بچپن میں مجھے پالا تھا۔" (سورۃ بنی اسرائیل، پارہ نمبر ۱۵)

اور بعض وقت بیان کرتے کرتے ان کی آواز لرزنے، کانپنے لگتی اور الفاظ رک رک کر زبان سے نکلتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگتیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو وہ بھی میری طرح سب حیرت زدہ ہیں کہ آخر ان آیات قرآنی کی تشریح میں مولوی صاحب پر اس قدر گریہ وزاری کیوں طاری ہوجاتی؟ اس کی ان سے ضرور وجہ دریافت کرنی چاہئے تا کہ ہمیں بھی کچھ نصیحت حاصل ہو۔ لہٰذا جب وعظ ختم ہو چکا تو ہم نے ان کو چائے پینے کے لئے کہا۔ ہمارے زیادہ اصرار کرنے سے مولولی صاحب مان گئے۔ ہم حرم شریف سے باہر نکل کر ایک ہوٹل میں چائے پینے بیٹھ گئے۔ حج کے دنوں میں حرم شریف کے آس پاس جتنے ہوٹل ہوتے ہیں، وہ اکثر دن رات ہی کھلے رہتے ہیں۔ غرض ہم بھی ایک ہوٹل میں جا کر چائے پینے لگے اور باتیں کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا مولانا صاحب کیا آپ ہمیں اتنا فرمائیں گے اور اس پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالیں گے کہ ان آیات الٰہی کی تشریح میں جناب اتنے غمگین اور افسردہ کیوں ہوتے ہیں؟

مولانا صاحب نے اس طرح سے اپنا واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں کلکتہ

کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میرے والدین شہر میں رہتے تھے اور میرے والد ایک پرائیوٹ کارخانے میں ملازم تھے۔ پڑھے لکھے تو معمولی سے تھے لیکن نہایت نیک اور خدا ترس آدمی تھے۔ میری عمر ابھی چار سال ہی کی تھی کہ مجھے ایک اسلامی اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ میرے والدین مجھے دینی علوم کی تعلیم دلانا چاہتے تھے اس لئے میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں عربی زبان سیکھ لی۔ میں دینی تعلیم کے دوران انگریزی بھی پڑھتا تھا اور والد صاحب کے ایک دوست کے مدرسے سے میں نے میٹرک یعنی دسویں جماعت کا امتحان پاس کرلیا۔ میری خواہش افسر بننے کی تھی۔ میں نے اپنے والد سے اس کا ذکر کیا۔ والد صاحب کو اس زمانے میں نوکری کے ۲۰۰ روپے ملتے تھے، جن سے پورے گھر کا خرچ چلانا پڑتا تھا اور آئندہ کے لئے فکر کرنی تھی۔

میرے والد صاحب کا یہ خیال تھا کہ میں اب کوئی ملازمت کرلوں تاکہ گھر کا انتظام سنبھالنے میں آسانی ہو۔ لیکن میرا پکا ارادہ کالج میں داخل ہونے کا ہو چکا تھا۔ میں نے والد صاحب کی بے حد خوشامد کی اور ان کو منایا۔ آخر کار والد صاحب راضی ہو گئے۔ میں نے ایک کالج میں داخلہ لے لیا۔ میری والدہ بڑی کفایت شعار اور عقلمند تھیں۔ اپنے خالی وقت میں وہ موم بتیاں بنا کر اچھے خاصے پیسے حاصل کرلیتیں۔ اس طرح ان کو محنت تو بہت کرنی پڑتی، لیکن وہ میری سب ضروریات پوری کرتیں۔ فیس تو والد صاحب دے دیتے تھے اور دوسری ضروریات کے لئے میری والدہ مجھے چپکے سے روپے بھیج دیتیں۔ مجھے معلوم تھا کہ والد صاحب بھی میرے اخراجات اور دوسرے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ڈیوٹی سے زیادہ وقت (اوور ٹائم) کام کرتے تھے۔ اس طرح ان کو زیادہ پیسے حاصل ہو جاتے اور ہمارا خرچ چلتا رہا اور میں نے چھ سال میں ڈگری حاصل کرلی۔

میں نے ڈگری تو بے شک حاصل کر لی، مگر اس کالج کی تعلیم کے دوران اور اس زمانے میں کالج کے ماحول کے رہن سہن نے میرے اسلامی شعار اور طریقے کو بالکل ہی بدل دیا اور میں اسلامیات کو بالکل ہی بھول چکا تھا۔ اس لئے یہ ماحول ہی نیا اور ایسا تھا کہ میں وہاں کا رنگ لئے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا ذہن، میرے خیالات، جدید تعلیم وتربیت سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ اب کیسا دین اور کیسے دین کی باتوں پر چلنا اور کیسی نماز، روزہ کرنا۔ میرے حالات اور خیالات سب ہی بدل چکے تھے۔ میں نے چھٹے سال پورے کالج میں اول نمبر کی کامیابی حاصل کی۔ اس لئے درخواست دینے پر مجھے اسی کالج میں ملازمت مل گئی۔ اور میں ساڑھے تین سو ماہوار تنخواہ پانے لگا۔ چند سالوں میں میری تنخواہ پانچ سو روپیہ ماہوار ہوگئی۔

اب والدین نے میری شادی کی فکر کی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی نیک اور دیندار لڑکی سے میری شادی ہو۔ جو گھر میں ایک اچھی بہو کی طرح رہے۔ لیکن میری خواہش یہ تھی کہ وہ آج کی نئی تہذیب اور نئی تعلیم سے واقف ہوتا کہ موجودہ دور اور اعلیٰ سوسائٹی میں کھپ سکے۔ ہر ایک کے ساتھ کھلے عام باتیں کر سکے، ننگے ڈانس دیکھ سکے، اور ننگے ڈانس کر سکے، سینہ تان کر بازاروں میں چل سکے اور ہر بے حیائی کے کام میں ترقی کر کے آگے بڑھ سکے۔ لہٰذا میں نے اپنی پسند کا ذکر اپنی ماں کے ذریعے سے اپنے والد صاحب سے کر دیا۔ لیکن انہوں نے پسند نہ کیا اور برا مانا۔ لیکن مجھے نئی روشنی کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ ایسا بھوت سر پر سوار تھا کہ کہاں کا خدا کا خوف اور کہاں کا دین کا شوق، نہ قرآن مجید سے محبت اور نہ نبی کریم ﷺ سے الفت۔ ہر طرف سے نفس اور شیطان نے پوری طرح سے رنگ چڑھا دیا اور میں اپنی ضد پر قائم رہا۔ ماں باپ کی بات کسی طرح بھی میری عقل میں نہ آتی تھی اور نہ ہی میں ماننے کے لئے تیار تھا۔ بہرحال میں نے اپنے والدین کو بار بار اصرار کر کے

راضی کرلیا۔ وہ میرے اصرار سے راضی ہو گئے۔ شاید اس وجہ سے کہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وہ انکار کردیں تو شاید میں اپنی من مانی کروں، اس خوف سے انہوں نے ہاں کردی۔ لہٰذا ایک فیشن ایبل ، جاہل بے دین سے بے زور لڑکی سے میری شادی ہوگئی۔ شادی کو ابھی دو چار مہینے ہوئے تھے کہ والد صاحب کے کارخانے میں ایک گیس کی ٹنکی پھٹ جانے سے ان کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ اس لئے اب وہ کارخانے جانے سے معذور اور بے کار ہو گئے اور کام کے قابل نہ رہے۔ اور اب وہ گھر میں ہی رہنے لگے اور انکو کارخانے کی طرف سے ایک معمولی رقم معذوری الاؤنس کے طور پر ملنے لگا۔

میرے بیوی کو اسلامی تعلیم و تہذیب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ تو صرف آزاد خیال اور تیز مزاج عورت تھی ، جسے نہ خوف خدا اور نہ عشق مصطفیٰ۔ وہ کیا جانے کہ اسلام کیا ہے؟ وہ تو پہلے ہی دین سے جاہل مطلق تھی۔ کچھ اس کی سہیلیوں نے اس کے کان بھر دیئے کہ اری دیکھو، ساس سسر کی خدمت کرنا تمہارا فرض نہیں، بلکہ ساس سسر تو تمہاری خدمت کے لئے ہیں، تم ان سے جو چاہے خدمت لینا۔ جو لڑکیاں جاہل گنوار اور بے عقل ہوتی ہیں، وہ اپنے ساس سسر کی خدمت کیا کرتی ہیں۔ تمہارا کوئی حق وق نہیں ان کی خدمت کرنے کا۔ تم اپنے شوہر کی ہو کر رہنا بس۔ اس وقت میں کسی انگریز سے کم نہ تھا۔ میرے دن رات ، صبح شام عیش و مزے میں گزرتے تھے۔ اب سوائے خواہشات نفسانی کے نشہ کے کچھ یاد ہی نہیں تھا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ میری محبوبہ بیوی میرے بوڑھے ماں باپ کی خدمت سے نفرت اور پرہیز کرتی ہے، تو میں اس پر ناراض ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے مجھ پر جادو کردیا، کہ میں اس کی ہر حرکت پر اظہار پسندیدگی کرتا تھا۔ میں اس کی تلخ مزاجی اور ڈانٹ ڈپٹ کو برا جانتا تھا۔ خواہ وہ میرے سامنے میرے والدین کو کچھ بھی برا بھلا کہتی رہتی،

لیکن میرے کان پر جوں نہ رینگتی اور مجھے ذرہ بھر بھی احساس اور برا معلوم نہ ہوتا تھا۔ اب وہ میرے والدین پر ہر آئے دن طرح طرح کے الزامات لگانے لگی۔ لیکن کیا کرتا میں اب صرف نفس کا بندہ بن کر رہ گیا تھا اور روحانی موت مر چکا تھا۔ مجھے اس سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ میں اسے کچھ بھی نہ کہتا تھا۔ حتی کہ زبان تک نہ اس کے سامنے ہلاتا۔ بس ہر وقت اسی کا کلمہ پڑھتا اور اسی کے محبت کے گن گاتا، جو کچھ ہوتا پڑا دیکھتا رہتا۔ پیارے والدین نے بے بس اور مجبور ولاچار اور نہایت تنگ آکر مجھ سے فریاد اور شکایت کی۔ آہ میری بدبختی، تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آپ کو غلط فہمی ہے۔ میری بیوی ایسی نہیں ہے وہ بڑی عقلمند اور صاحب سلیقہ ہے۔ آپ کی عقل ٹھیک نہیں ہے۔

ایک روز کی بات ہے والد صاحب رات کو کسی ضرورت سے پانی لینے کے لئے اٹھے، تو نابینا تو تھے ہی، ایک اسٹول سے ٹکرا گئے اور اسی اسٹول پر دودھ کا برتن رکھا تھا۔ وہ زمین پر گر گیا اور سارا دودھ زمین پر الٹ گیا۔ بس پھر کیا تھا، بیگم صاحبہ اٹھیں اور ان کو بہت بری طرح للکارا۔ تمہیں شرم نہیں آتی چوری کرتے ہوئے، چھوٹے منے کا دودھ رکھا ہوا ہے اور چاہتے ہو چپکے سے خود پی لوں۔ خبردار آئندہ ایسی حرکت کی، اچھی طرح دودھ پینے کا مزا چکھا دوں گی۔

میری دکھی والدہ بھی جاگ رہی تھی، انہوں نے بڑی نرم آواز سے کہا، نہیں بیٹی ایسا نہ کہو، یہ تو پانی پینے اٹھے تھے۔ سامنے اسٹول تھا، دودھ کا برتن گر گیا۔

چپ رہ بڑھیا، لگی باتیں بنانے اور تاویلیں کرنے۔ مجھے پڑھاتی ہے، تجھے کچھ تمیز بھی ہے بات کرنے کی۔ بڈھی تجھ سے نمٹوں گی۔ دیکھ تو سہی جب تیری بھی خبر لوں گی، دور رہو، میرے سے، خبردار! آئندہ جو میرے سامنے بڑبڑائی۔ تیری عقل گھسیا گئی ہے، کہتی ہے ایسا نہ کہو، اسٹول سے ٹکرا گئے۔ میں جانتی ہوں انہیں

چوری سے کھانے پینے کی عادت ہے۔غرض میری بیوی نے انہیں بہت ہی بری طرح سے جھڑکا اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور میں پڑا پڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔لیکن میں نے بیوی کو نہ روکا بلکہ اسے ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ یہ تو ان سے کیا کہتی اور کیوں کہتی ہے۔ اسے ٹوکہ تک نہیں۔تھوڑے دنوں کے بعد ایک دن میرے ماموں آئے اور میرے والد اور والدہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بیوی کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ جب اسے آنے پر پتہ لگا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ شکر ہے سر سے بوجھ اترا اور کہا کہ اچھا ہوا روز روز کی کل کل سے نجات ملی۔ اس واقعہ کو تین سال گزر گئے۔اور ایک بچہ کی پیدائش کے بعد میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔بس میرے لئے بہت ہی مصیبت کا سامنا تھا۔ بیوی کا مرنا کیا تھا، میری زندگی سنسان ہوگئی اور اکثر میں کھویا کھویا سا رہنے لگا۔

میرے ایک بہت ہی مخلص دوست تھے ، انہوں نے جلد ہی ایک غریب گھرانے میں میری شادی کرادی۔اور یہ میری بیوی حافظ قرآن نہایت ہی نماز ، روزہ اور قرآن مجید کی تلاوت کی پابند ، بڑی ہی دیندار اور میری ہر طرح سے فرمانبردار تھی۔ وہ اب بھی زندہ اور میرے گھر آباد ہے۔جب میں فکر آخرت سے بے فکر ہوکر بستر پر پڑا کھیلوں کے میچ دیکھ کر زندگی کے بہترین وقت ضائع کر رہا ہوتا ہوں جس کی مجھ سے باز پرس قیامت کے دن کی جائے گی۔تو وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوتی ہے۔ایک دن کی بات ہے کہ میں چار پائی پر بیٹھا تھا اور بیوی قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی کہ اچانک وہ اس آیت پر پہنچی کہ جس کی تلاوت وتشریح روزانہ آپ مجھ سے سن رہے ہیں تو میری آنکھوں کے سامنے وہ تمام واقعات آگئے جو پیچھے گزر چکے تھے اور میرے ساتھ میرے ماں باپ نے جو سلوک کیا تھا اور انہوں نے جو زحمت وتکلیف میرے لئے گوارا کی تھی،تو میری زبان سے یہ بے ساختہ

نکل گیا کہ ہائے میرے ماں باپ! اور میں ہوش میں نہ رہا۔ غرض اب اتنے عرصے کے بعد مجھے اپنے ماں باپ کی یاد آئی کہ زمانہ دراز گزر گیا۔ ہائے افسوس! میری آنکھوں سے آنسو آگئے۔ میری بیوی دوڑی ہوئی آئی اور سمجھی کہ شاید مجھے کوئی تکلیف ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے بار بار دریافت کرنے پر میں نے اسے پورا واقعہ جلدی سنادیا۔ اب مجھے بڑی بے چینی ہوئی کہ میں اپنے والدین کو کیسے پاؤں؟ میں دوسرے دن ہی اپنے ماموں کے ہاں گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ والدین کئی مہینوں پہلے گھر جانے کے بہانے یہاں سے روانہ ہوچکے ہیں۔ بس اتنا سنتے ہی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ ہائے بڑھاپے اور نظر کے نہ ہونے کی حالت میں کہاں گئے ہوں گے۔ میں فوراً ہی اپنے والد کا فوٹو لے کر (جو کارخانہ میں کھینچا گیا تھا) قریب ہی تھانے میں گیا اور فوٹو دے کر رپورٹ لکھوائی۔ اور کئی اخباروں میں بھی فوٹو کے ساتھ خبر چھپوائی اور اِدھر اُدھر کئی آدمیوں کو روانہ کیا۔ اب مجھے رات بھر نیند نہیں آتی تھی اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا کہ کسی طرح بھی میرے والدین مل جائیں۔ میں نے اللہ سے خوب گڑگڑا کر توبہ کی اور دعائیں کیں کہ الٰہی! میرے ماں باپ کو واپس لوٹا دے۔ تیسرے روز ایک پولیس والا آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ جو شکل آپ نے لکھوائی تھی بالکل اس سے ملتی جلتی شکل کا ایک بوڑھا آدمی ایک قبر میں بیٹھا فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ میں دوڑتا ہوا قبرستان پہنچا تو، تو معلوم ہوا کہ وہ میرے چچا تھے۔ میں ان کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے والدین کو دریافت کرنے لگا۔ چچا نے نظر اٹھائی اور دو سامنے والی قبروں کو مخاطب کر کے پکارا کہا بھائی اکرم! اور بھابھی زبیدہ! دیکھو تمہارا لاڈلا افسر آیا ہے۔ اکرم میرے والد کا زبیدہ میری ماں کا نام تھا۔ چچا جان کے منہ سے یہ بات سن کر میں اوندھے منہ قبر پر گرا اور پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار رونے لگا۔ پھر کیا بنتا ہے۔

پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چک گئیں کھیت

بس اتنا کہہ کر مولانا صاحب خاموش ہو گئے، تو میں نے مولانا کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ: انسان سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے افسوس پیدا کر دیتی ہیں۔ مگر نادم ہونے والوں کے لئے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے، بلکہ اور زیادہ ظالم ہو جاتے ہیں۔ (بحوالہ محسنہ کائنات ماں ہے)

حاصل ......معلوم ہوا کہ والدین کا مقام بہت اونچا ہے بیشک جو اپنے والدین کی خدمت کرلے گا وہ دنیا و آخرت میں کامیابی وفلاح پائے گا، اس واقعہ سے ہم سب کو عبرت پکڑنی چاہئے اور اپنی طاقت سے بڑھ کر والدین کی خدمت کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۲۲

حاتم اصمؒ اور قاضی القضاۃ محمد بن مقاتل کا سبق آموز واقعہ

حضرت حاتم اصمؒ تیسری صدی ہجری کے بزرگ تھے حضرت شفیق بلخیؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور حضرت احمد بن خضرویہؒ کے استاد تھے حضرت حاتم زہد وتقویٰ میں یکتا روزگار تھے، مخلوق کی خیر خواہی وعظ ونصیحت آپ کا مشغلہ تھا بقول علامہ ذہبیؒ کے آپ کو اس امت کا حکیم لقمان کہا جاتا تھا۔

ابونعیم اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں اور حالات ومقالات صوفیہ میں تفصیل سے آپ کے حالات لکھیں ہیں اس کے اندر ابونعیم نے حضرت حاتمؒ اور قاضی رحی محمد بن مقاتل کے درمیان پیش آنے والا ایک طویل مکالمہ تحریر کیا ہے اور اس مکالمہ کو کتاب

کے حوالے سے ذکر کیا جارہا ہے جو کہ ہمارے لئے سبق آموز اور عبرت وفکر انگیز بھی ہے۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بلخ سے (حضرت) حاتمؒ حج کے ارادے سے نکلے راستے میں شہر دیکھ کر ٹھہر گئے (آپ) ایک تاجر کے مہمان تھے تاجر نے ایک دن ان سے کہا کہ شہر کے ایک (بہت بڑے) عالم بیمار ہیں میں ان کی عیادت کے لئے جارہا ہوں، حضرت حاتمؒ نے کہا کہ اگر عالم ہے تو میں بھی چلتا ہوں کیونکہ فقیہ کی عیادت کی بڑی فضیلت ہے بلکہ ﴿النظر الی الفقیه عبادة﴾ فقیہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔

دراصل یہ قاضی القضاء محمد بن مقاتل تھے اس زمانے میں بیمار ہو گئے تھے جب حضرت حاتم اس (مہمان) تاجر کے ساتھ قاضی صاحب کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ کیا ہے؟ وہ تو ایک بڑی عظیم الشان ڈیوڑھی کا اِستانہ ہے حضرت حاتمؒ سوچ وفکر میں پڑ گئے اور بولے کہ "بـاب عـالـم عـلى هذه الحـال؟"۔ایک عالم کے دروازے کا یہ حال ہے؟

تھوڑی دیر بعد اندر سے بلاوا آیا جب ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ۔

پھولوں کا چمن ایک طرف ہے فوارے سے پانی اچھل رہا ہے اور ہر ایک کمرے کے سامنے پردے پڑے ہوئے ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع ہے (یعنی نوکروں اور چاکروں کا مجمع ہے)

حضرت حاتمؒ کی حیرت بڑھتی جارہی تھی آخر کار قاضی صاحب کے سامنے پہنچے دیکھا کہ ایک مکلّف گدّا اچھا ہوا ہے اس پر قاضی صاحب آرام فرمارہے ہیں قاضی صاحب سرہانے لائنیں بنائے ہوئے غلام کھڑے ہیں، مہمانوں کو دیکھ کر قاضی صاحب

اپنی مسند پر بیٹھ گئے اور حضرت حاتمؒ سے بھی کہا کہ تشریف لائیں بیٹھیں لیکن وہ کھڑے ہی رہے جب قاضی صاحب نے بیٹھنے پر اصرار کیا اوران کو دیکھا کہ انکار پر انکار کرر ہے ہیں تو قاضی نے حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ آپ کسی ضرورت سے تشریف لائے ہو؟ حضرت حاتم نے کہا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے کہا پوچھئے، ذرا اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں غلام سامنے کھڑے تھے۔ تکئے قاضی صاحب کے پیٹھ کے پیچھے رکھ دیئے گئے اور قاضی صاحب ان سے ٹیک لگائے بیٹھ گئے انتظار کرنے لگے کہ حاتم اصمؒ کیا پوچھیں گے اس کے بعد یہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا۔

حاتم اصمؒ: آپ نے یہ علم کن لوگوں سے سیکھا ہے؟

قاضی: بڑے بڑے معتبر اساتذہ سے۔

حاتم اصم: ان کے پاس علم کہاں سے آیا تھا؟

قاضی: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے۔

حاتم اصمؒ: رسول اللہ ﷺ کے پاس علم کہاں سے آیا تھا۔

قاضی: جبرئیل علیہ السلام لائے تھے۔

حاتم اصمؒ: ہاں! تو ذرا یہ فرمائیں کہ آپ کے پاس علم کا جو ذخیرہ ہے وہی ذخیرہ ہے جسے اللہ سے جبرئیل نے پایا اور جبرئیل نے رسول اللہ کو پہنچایا اور رسول اللہ سے یہ ذخیرہ صحابہ تک پہنچا، اور صحابہ سے آپ کے بڑے بڑے معتبر اساتذہ تک پہنچا اس ذخیرے میں کہیں (قاضی کی شان وشوکت کی طرف اشارہ کرکے) اس کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ جس کا گھر امیروں کے گھر کے مانند ہوگا اور جس کے پاس امیرانہ ٹھاٹ باٹ ہوگا اللہ کے نزدیک اسی کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہوگا؟

قاضی: نہیں یہ تو میں نے نہیں سنا۔

حاتم اصمؒ: یہ نہیں سنا تو پھر کیا (قاضی کی شان وشوکت کی طرف اشارہ

کر کے) اس کا علم بھی آپ تک پہنچا ہے یا نہیں کہ دنیا سے رخ پھیر کر آخرت کی تعمیر میں جو زیادہ مشغول رہیں گے اور غرباء اور مسکین سے جو زیادہ محبت کریں گے اور آئندہ زندگی کی تیاری کرتے رہیں گے خدا کے نزدیک ان ہی کا مرتبہ بلند ہوگا اسی کے ساتھ حاتم اصمؒ کو جوش آیا اور اسی جوش میں فرمانے لگے۔

تم نے اپنے آپ کو کن لوگوں کی زندگی سے مطمئن کر رکھا ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اور امت کے صالحین کی زندگی سے؟ یا فرعون ونمرود کی زندگی سے تمہارے قلب نے اطمینان کو پایا ہے وہی فرعون ونمرود کی سلطنت سے جس سے اینٹ اور چونے کی تعمیر کی ابتداء ہوئی۔

قاضی ابن مقاتل (غور وفکر سے) سن رہے تھے اور حاتم اصمؒ فرماتے جارہے تھے کہ اے علماء سو تم ہی کو ایک بیچارا غریب جاہل مسلمان دنیا دار دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ جب ایک عالم اس حال میں ہے تو پھر اپنے آپ کو میں اس سے زیادہ برے حال میں نہیں پاتا۔ کہتے ہیں کہ بیچارے قاضی کے ہوش حاتم اصمؒ کی اس تقریر سے لرز گئے تھے گھٹنے کی بیماری کم ہونے کی بجائے اور اضافہ ہوگیا (قاضی کو) اسی حال میں چھوڑ کر حاتم اصم ان کے گھر سے باہر نکل گیا۔

ابونعیم آگے تحریر فرماتے ہیں کہ اہل رائے کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حاتم اصمؒ سے عرض کیا کہ حضور! قزوین کے طنافسی عیش پرستی میں ان سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں حضرت حاتم اصمؒ طنافسی کے پاس پہنچے اور ایک ناواقف شکل میں قاضی طنافسی سے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا انہوں نے بتلا دیا حاتم اصم نے کہا میں آپ کے سامنے وضو کرتا ہوں کوئی غلطی رہ جائے تو درست کرادیجئے گا یہ کہہ کر وضو کرنے لگے ابتداء میں تو تین تین دفعہ ہر عضو کو دھویا جب ہاتھ دھونے کی باری آئی تو بجائے تین دفعہ کے چار دفعہ ہاتھوں کو دھویا قاضی طنافسی نے ٹوکا کہ تم نے غلطی کی ہے

پوچھا کہ کیا غلطی کی ہے قاضی طنافسی نے کہا تین بار سے زیادہ دھونا پانی کو بیکار ضائع کرنا ہے اور شریعت میں اس کو اسراف (فضول خرچی) قرار دیا گیا ہے تب حضرت حاتم اصمؒ نے سر اٹھایا اور کہنے لگے سبحان اللہ میں غریب آدمی تو ایک پانی کا چلو بہا کر اسراف کا مرتکب ٹھہرایا گیا اور جناب والا نے یہ طمطراق جو اکٹھا کر رکھا ہے آخر یہ کیا ہے؟ قاضی طنافسی سمجھ گئے کہ حاتم اصمؒ کا مطلب وضو کا طریقہ سیکھنا نہیں بلکہ انہیں متنبہ کرنا تھا چنانچہ ان پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ گھر گئے تو چالیس دن تک باہر نہیں نکلے۔

(بحوالہ حلیۃ الاولیاء جلد نمبر ۸)

حاصل......حق بات کہنے کا اپنا ایک رنگ ہوتا ہے اور یقیناً یہ رنگ اپنا اثر دکھاتا ہے چنانچہ اس واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہمیشہ حق بات کہیں اور اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہم صرف دنیا ہی کے پیچھے نہ بھاگیں بلکہ اپنی آخرت کو بھی مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۲۳

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے مخلوقات کی ضیافت

شیخ عبدالرحمٰن بن سلام المقری نے کتاب العقائد میں نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جب دیکھا کہ اللہ نے ان کے لئے دنیا کو وسیع کر دیا اور دنیا اس کے ہاتھ میں ہوگئی تو کہنے لگے اے میرے معبود! اگر مجھے اجازت دیں کہ میں تیری تمام مخلوقات کو پورے سال کھلاؤں، (تو بہتر ہوتا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تو اس پر ہرگز قدرت نہیں رکھتا، پھر درخواست کی یا الٰہی! ایک ہفتہ تو جواب ملا اس

پر بھی قدرت نہیں رکھتا پھر درخواست کی یا الٰہی ایک دن فرمایا اس کی بھی قدرت نہیں رکھتا بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دن کی اجازت دے دی تو حضرت سلیمانؑ نے تمام جنات اور انسانوں کو حکم دیا کہ وہ تمام کے تمام ان چیزوں کو جو (زمین پر حلال ہیں) یعنی گائے، بیل بکریاں، دنبے وغیرہ اور ان تمام چیزوں کو جو جنس حیوان میں سے ہیں یعنی پرندے وغیرہ جب جن وانس نے ان چیزوں کو جمع کر لیا تو اس کے لئے بڑی بڑی دیگیں تیار کی گئیں، پھر ان جانوروں کو ذبح کیا گیا اور ان کو پکایا گیا اور ہوا کو حکم دیا گیا کہ کھانے پر چلے تا کہ خراب نہ ہو پھر کھانوں کو جنگل میں پھیلا دیا گیا اس کا طول ایک مہینے کی مسافت کے برابر تھا اور اس کا عرض بھی اتنا ہی تھا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی اے سلیمانؑ تو مخلوقات میں سے کس سے دعوت شروع کرے گا، تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ میں دریا کے جانوروں سے شروع کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے بحر محیط کی ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کی ضیافت میں سے کھائے؟ چنانچہ اس مچھلی نے سر اٹھایا اور کہا اے سلیمان! میں نے سنا ہے کہ تو نے ضیافت کا دروازہ کھول دیا ہے اور آج میری ضیافت تو کرے گا؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا لے اور کھانا شروع کر، چنانچہ وہ مچھلی آگے بڑھی اور دستر خوان کے شروع سے کھانے لگی، مچھلی نے اس قدر کھایا کہ ایک ساعت میں سارا (کھانا) صاف کر دیا پھر اس مچھلی نے آواز لگائی کہ اے سلیمان! مجھے کھانا کھلاؤ اور میرا شکم سیر کرو حضرت سلیمان نے فرمایا کہ تو تو سارا کھا گئی اور اب بھی تیرا پیٹ نہیں بھرا؟ تو مچھلی نے کہا! کیا اسی طرح میزبان کا جواب ہوتا ہے مہمان کے لئے، اے سلیمانؑ! آپ خوب جان لیجئے کہ میرے لئے ہر روز اس طرح جتنا تو نے پکایا دن میں تین مرتبہ متعین ہے اور آج میرے کھانے کے روکنے کا سبب تو بنا ہے اور تو نے میرے کھانے میں کمی کر دی، اسی وقت حضرت سلیمانؑ اللہ کے سامنے سجدہ کرتے

ہوئے گر پڑے اور کہنے لگے پاک ہے وہ ذات جو کفالت کرنے والی ہے، مخلوق کی روزیوں کے ساتھ جہاں سے مخلوق جانتی بھی نہیں کہ کہاں سے آتا ہے۔

(اشرف الادب اردو ترجمہ نفحۃ العرب)

حاصل...... بیشک ہمارے رازق صرف اور صرف اللہ ہیں چنانچہ ہمیں صرف رزق اسی سے مانگنا چاہئے۔ اور کبھی اپنے مال و دولت اور وزارت وصدارت کے بل بوتے پر انسان ناز نہ کرے کہ میرے پاس مال ہے، منصب ہے، اس لئے مجھے رزق کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی اللہ ہی سے مانگتے رہنا چاہئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر...... ۲۴

ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق کا قرآن سننے کا واقعہ

مشرکین مکہ کا سردار ابوجہل کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو قرآن پڑھتے تھے، تو یہ حضور ﷺ کی چھپ چھپ کر قرأت سنتا تھا اسی طرح ابوسفیان (مسلمان ہونے سے قبل) اور اخنس بن شریق بھی چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے، ایک دوسرے کو خبر نہ تھی، صبح تک تینوں چھپ چھپ کر حضور ﷺ سے قرآن سنتے تھے جب دن کا اجالا ہونے لگتا تو واپس اپنے اپنے گھر لوٹ آتے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ تینوں رات کو قرآن سننے نکلے اور واپسی میں ایک جگہ تینوں کی ملاقات ہوگئی ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم کیسے آئے تھے؟ (جب بات کھل کر سامنے آگئی کہ قرآن سننے آئے تھے) تو اب سب نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ

ہمیں قرآن سننے کے لئے نہیں آنا چاہئے تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیکھ کر قریش کے جوان بھی آنے لگیں اور ہم آزمائش میں پڑ جائیں۔

جب دوسری رات آئی تو ہر ایک نے یہی گمان اور خیال کیا کہ وہ دونوں تو نہیں آئیں گے چلو میں ہی قرآن سن لوں، غرض یہ کہ واپسی میں صبح کے قریب پھر اسی جگہ تینوں کی ملاقات ہوگئی، معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، بالآخر دوبارہ عہد کیا گیا کہ قرآن سننے اب نہیں جائیں گے۔

سبحان اللہ! قرآن سننا اور وہ بھی سرکار دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے بھلا ان کو کب سونے دیتا تھا اسی وجہ سے ان کی نیندیں بھی ختم ہو چکی تھیں، اور جب تیسری مرتبہ رات آئی تو پھر یہ تینوں یہی خیال کرتے ہوئے حضور ﷺ کی مجلس مبارکہ میں پہنچے اور قرآن سنا اور واپسی میں پھر ملاقات ہوگئی اب تو ایک دوسرے کے منہ کی طرف تکتے رہے اور آخر صبح کو پھر معاہدہ کر لیا کہ آئندہ سے تو ہرگز سننے نہیں جائیں گے۔

اب اخنس بن شریق ابوسفیان کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے ابوحنظلہ تمہاری کیا رائے ہے؟ تم نے محمد ﷺ سے جو قرآن سنا ہے تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

ابوسفیان کہنے لگا، اے ابوثعلبہ! خدا کی قسم میں نے جو باتیں سنی ہیں ان کو خوب پہچانتا ہوں لیکن بعض ایسی باتیں ہیں جن کا مقصد اور معنی نہیں سمجھ سکا، تو اخنس نے کہا ابوسفیان خدا کی قسم میری بھی یہی حالت ہے۔

اس کے بعد اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوالحکم! تم نے محمد ﷺ سے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اور تم نے کیا سنا؟ تو ابوجہل نے کہا کہ ہم اور بنو عبد مناف مقام شرف کے حاصل کرنے میں ہمیشہ دست و گریباں رہے ہیں، انہوں نے دعوتیں کیں ہم نے بھی کیں، انہوں نے خیر و سخاوت کی ہم نے بھی کی حتیٰ کے ہم کو پاؤں جوڑے بیٹھے رہے اور وہ کہنے لگے

ہمارے پاس تو خدا کا ایک پیغمبر ہے، اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے تو اب ہم یہ بات کہاں سے لائیں، خدا کی قسم ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اس کی پیغمبری کی تصدیق نہیں کریں گے، اخنس بن شریق یہ سن کر چلا گیا۔ افسوس کہ حق کو حق سمجھ کر بھی ایمان نہ لائے اور یوں ہی جھوٹی چودھراہٹ کے تحفظ میں جہنم کی آگ کا سودا کر بیٹھے۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر،)

حاصل...... بیشک قرآن کی تلاوت کا اپنا ایک مزہ ہے کاش اس قرآن کی تلاوت کے نور کو ہم سمجھ لیتے، اندازہ کیجئے کہ کافر بھی اس قرآن کی تلاوت سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، اور آج ہماری بدقسمتی کہ اس قرآن کو چھوڑ کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہے ہیں، اللہ کرے کہ ہم اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اور قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

❀......❀......❀

واقعہ نمبر......۲۵

حضرت سلیمانؑ کی کرسی اور تخت

بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کے لئے جلوس کا ارادہ فرمایا تو شیاطین یعنی جناتوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے لئے ایک نادر الوجود اور عمدہ کرسی تیار کریں جس کی صفت یہ ہو کہ جھوٹا مدعی یا گواہ اس کے دیکھنے سے تھرانے لگے چنانچہ تعمیل ارشاد میں ہاتھی دانت کی ایک کرسی تیار کی گئی جس کو جواہرات یاقوت، موتیوں اور زبرجد سے مزین کیا گیا تھا اور جواہرات سے انگور کے درخت بنا کر اس کو گھیر دیا تھا جس میں سونے کے چار کھجور کے درخت ایسے تھے جن کی شاخیں چاندی

کی بنائی گئی تھیں ان میں سے دو درختوں کی چوٹی پر دو گدھ بنائے گئے تھے اور اس کرسی اور تخت کے دونوں گوشوں پر سونے کے دو شیر تھے جن کے سروں پر سبز زمرد کے ستون نصب کئے گئے تھے اس طرح شیاطین نے اس تخت کو ایسے سخت پتھر پر رکھا تھا جس کے نیچے سونے کا ایک شردھا بنا تھا جو اس تخت کو گھماتا تھا چنانچہ جب حضرت سلیمانؑ اس کے نیچے کے درجہ پر چڑھتے تھے تو وہ کرسی اور تخت اپنے اس تمام سامان کے ساتھ جو اس سے متعلق تھا چکی کی طرح گردش میں آ جاتا تھا اور گدھ اور مور اپنے بازو پھیلاتے تھے نیز شیر اپنے ہاتھ پھیلا کر دموں کو زمین پر مارنے لگتے تھے اور ہر درجہ میں صعود پر یہی کیفیت پیدا ہوتی رہتی تھی یہاں تک کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بالائی منزل پر پہنچتے تو دونوں گدھ مشک وعنبر تیزی کے ساتھ تاج ان کے سر پر رکھتے تھے اور تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد سونے کا کبوتر زبور پیش کرتا جس کو لوگوں کو سنایا کرتے تھے ان کے دائیں جانب علماء بنی اسرائیل سونے کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے اور بائیں جانب معزز جنات چاندی کی کرسیوں پر، اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام فیصلہ کے لئے جلوس فرماتے تھے اور جب کسی معاملہ کی شہادت کے لئے گواہ آتے تو وہ کرسی مع اپنے سامان کے گردش میں آجاتی تھی اور شیر وگدھ اور طاؤس اپنے مذکورہ کام میں مشغول ہو جاتے تھے یہ دیکھ کر گواہوں پر ایک ایسی ہیبت طاری ہوتی اور سچ وحق کے سوا کوئی جھوٹی شہادت نہ دے سکتے تھے۔

پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اس کرسی کو شاہ بخت نصر نے اپنے قبضہ میں لے لیا مگر جب اس نے اس پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو ایک شیر نے اپنے دائیں ہاتھ سے بادشاہ کی پنڈلی اور قدم پر ایک ایسی چھاپ ماری جس کے باعث وہ کرسی پر چڑھ نہ سکا اور اسی ضرب کی کرب و بے چینی میں مبتلا ہو کر مر گیا اور وہ کرسی شہر انطاکیہ روم وشام کے دارالسلطنت میں باقی رہی یہاں تک کہ اہل انطاکیہ سے

کراس بن سدرس نے جنگ کی اور خلیفہ نے بخت نصر کو شکست دی اس کے بعد کرسی بیت المقدس کی طرف لائی گئی اور کوئی بادشاہ اس کرسی کے چڑھنے پر قادر نہ ہو سکا پھر اس کو صخرہ بیت المقدس کے پیچھے رکھا گیا جس کے بعد آج تک اس کی کوئی خبر یا اثر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گئی؟ اور کیا ہوا؟

حاصل...... اس حکایت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کی وسعت وہیبت ودبدبہ اور انصاف کا پتہ چلتا ہے۔ اور اللہ کی ذات اور قدرت پر ایمان مضبوط ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق میں اس قدر رعب ودبدبہ ہے تو خود خالق کس قدر قادر مطلق اور رعب ودبدبہ والا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اللہ کی ذات پر یقین کامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر...... ۲۶

ایک نومسلم عورت کے قبول اسلام کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا سید عزیر گلؒ، گاؤں کا کاخیل صوبہ سرحد (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (وفات ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے شاگرد رشید اور ان کی شہرہ آفاق تحریک انقلاب (تحریک ریشمی رومال) کے رکن تھے۔ تحریک کے لئے آپ نے نہایت جاں گسل خدمات انجام دی ہیں۔ جنہیں تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ کو اپنے استاد کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں اسارت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ واپس لوٹے تو دیوبند ہی کے ہو رہے۔ مختلف چھوٹے چھوٹے کاروبار کر کے اپنی معاش کا انتظام فرماتے تھے۔ مزاج میں حد درجہ سادگی اور طبیعت میں استقامت تھی۔ مولانا محمود الحسنؒ کی وفات کے کئی سال بعد ان کے

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (وفات ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) کے مشورہ سے آپ رڑکی منتقل ہو گئے اسی زمانہ میں ایک انگریز خاتون ''مس جینی'' (جو روحانیت کی تلاش میں کئی مذاہب کا مطالعہ بلکہ عملی تجربہ کر چکی تھیں اور بالآخر قرآن کریم کے مطالعہ نے ان پر ہدایت کی راہیں کھول دی تھیں۔ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام کی قبولیت کا شرف حاصل کیا۔ ان کا قیام چونکہ رڑکی میں تھا اس لئے حضرت مدنیؒ نے مولانا عزیز گلؒ سے فرمایا کہ وہ موصوفہ کو اسلامی تعلیمات سے برابر روشناس کراتے رہیں کچھ عرصہ بعد موصوفہ کی خواہش پر مولانا عزیز گلؒ نے ان کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد ان کی دنیا ہی بدل گئی اور پورے طور پر شریعت کی پابند ہو کر انہوں نے سچا سکون حاصل کیا۔ آزادی ہند کے موقعہ پر جب مولانا عزیز گلؒ نے وطن مراجعت کا قصد فرمایا تو موصوفہ بھی ساتھ آ گئیں اور شہروں کی پر رونق عمارتوں میں رہنے والی اس خاتون نے حق کی خاطر ایک دور افتادہ معمولی سے گاؤں میں اپنے بلند پایہ شوہر کے ساتھ پوری زندگی گزار دی۔ وہیں وفات ہوئی۔ گاؤں کے قریب ایک ٹیلہ پر ان کا مزار ہے۔ وہاں کے لوگ شفقت و محبت سے انہیں ''مدر صاحبہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ افسوس چند سال قبل تحریک ریشمی رومال کی آخری نشانی حضرت مولانا عزیز گلؒ صاحب نے بھی اس عالم فانی سے پردہ فرمالیا۔ مدر صاحبہ نے اپنی آپ بیتی ''صراط مستقیم'' کے نام سے انگریزی میں لکھی تھی ذیل میں اس آپ بیتی کی تلخیص ماہنامہ دارالسلام مالیر کوٹلہ (پنجاب بھارت) کے شکریہ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں، میں ۱۸۸۵ء میں حیدر آباد (سندھ) میں پیدا ہوئی، میرے والد صاحب بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے: انہیں ہندوستان میں ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ

تھا کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہرحال میں چھ سال کی ہورہی تھی کہ مجھے پڑھائی کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ پیار رہا۔ میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میرے دوست واحباب مجھے شفقت سے ککو کہا کرتے تھے کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں، اور کیسے ، جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبہ میں پیدا ہوئی مگر عیسائی کسی ایک عقیدے میں بھی متفق نہیں ہیں، عیسائیوں کے بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے ہیں۔ اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لو لگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے متضاد محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے میں شک ہونے لگا، کچھ عرصہ کے بعد میری شادی ہوگئی مگر میرے شوہر ایک دنیادار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر وخیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لئے میں نے فرصت کے وقت میں فلسفہ کا مطالعہ شروع کردیا۔ مگر ان خیال بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہیں دنوں میں اپنے والد کے پاس آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے، یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیزیں مجھے مل گئیں جس کی تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کردیا۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی۔ اور بالآخر ہندو ہوگئی۔ مجھے راناشنکر کے ویدانتی سلسلے میں

داخل کرلیا گیا۔ مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا۔ چنانچہ میرا یقین ہل گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ میں اسی زمانے میں بیمار ہوگئی۔ مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات آپریشن ہوئے ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ موت کے لئے تیاری کرلوں، میں نے سوچا کہ دنیا ترک کردوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو ساٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا؟ یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کونسی بات حق ہے اور کونسی غلط، یہ کیسے معلوم ہو میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہوگیا کہ اس ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے بلکہ نفسیاتی کش مکش میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستان ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں بلکہ نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گروجی سے یہ بات کی۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو یہ سیاست کی باتیں ہیں ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کرسکی مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی مدد شروع کردی جس سے دل کا چین ملا اور میں نے احساس کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، خانقاہوں کی زندگی سے نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوانوں کی

اخلاقی تربیت کی جائے اس آشرم میں میں نے ہندو مسلم کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کرلوں میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہیں کرسکوں گی۔ اس نیت سے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی۔ میں سمجھتی کہ مسلمان ایک قسم کے ''ڈاکو'' ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کرسکتے ہیں۔ لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی ویدانت تھا۔ آہ! میں اب تک کن اندھیروں میں تھی۔ افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے۔ وہ مذہب جسے میں خواہ مخواہ بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا مذہب تھا۔ میرے اللہ اب میں کیا کروں، میں نے تو ساری زندگی اکارت کردی، میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندو مت چھوڑ دوں...... میں نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن مجید مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا۔ ایسی زندگی کی طرف، جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی ہے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی لوگ مجھے پیار سے ''ماں'' کہتے تھے، میں مسلمان ہوجاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی؟

مگر میں اپنی روح خلجان سے بچانا چاہتی تھی میں نے لوگوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ میرے گرو بھائی بڑے دہشت زدہ ہوئے، مگر میں نے انہیں بڑے خلوص سے بتایا کہ اصل ویدانت یہ ہے کہ جو میں قبول کررہی ہوں۔ میرے گرو بھائی نے کہا کہ یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتی ہے۔ ویدانتی رہ کر بھی قرآن کی راہ اختیار کرسکتا ہوں۔ یہ بھی ویدانت کا ہی ایک

سلسلہ ہوگا۔لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی، میں سمجھ رہی تھی کہ راما کرشن نے حقیقت کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نام ونہاد صوفی نے یہ بھرم دلا دیا ہو، میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنادیں گے، مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا مگر اب ایک اور مشکل پیش آئی، مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے نیا روپ اختیار کر رہی ہے۔ میں خود شبہ میں پڑگئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی۔

اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی ہم دونوں بے پردہ تھیں۔ ہم نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات کی۔ کہ اپنی بات ان کے سامنے رکھیں اور پوچھا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

تم حقیقتاً مسلمان ہو مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا کہ تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟ مولانا مدنی کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بہت خاطر کی۔ بعد کو وہ مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہی کے ساتھ مولانا عزیر گلؒ بھی تھے مولا حسین احمد مدنی انہیں بہت چاہتے تھے ایسا لگتا جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے، وہ کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑاتے بھی تھے مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا وہ دن بھر ہمارے پاس رہے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے مولانا مدنی سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں اس پر انہوں نے کہا میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر مولانا عزیر گلؒ کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولانا عزیز گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ

اور دوسرے مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں مگر بعد کو پردہ کی حقیقت مجھ پر کھلی تو ان کی وسعت نظر کی قائل ہوگئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعے میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کردیں گے۔ بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس پر مجھے تعجب ہوا نہ افسوس، میں مسلمان ہوچکی تھی۔ اب میں کسی عیسائی کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی۔ رہا رزق تو یہ تو اللہ کی دین ہے۔ کم یا زیادہ ملے گا ہی۔

مولانا عزیر گل ؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی۔ میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ہاں غربت ہے، افلاس ہے، پردہ ہے، مگر میرے لئے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ مولانا عزیر گل ؒ کے گھر میں سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کی تواضع کرنے میں کیا لذت ہے۔ مولانا عزیر گل ؒ کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی۔ وہ نہایت شریف مہربان شوہر ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید ہیں اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آگئے تھے اب ہم دونوں راہ حق کے مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق و مغرب کیسے۔ ہماری راہ ایک تھی ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی اور میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے نہیں روکا۔ میری زندگی ایک سفر ہے جو

برسوں کی محرومیوں سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے۔ زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی۔ میری راہ اسلام کی راہ ہے۔ یہی ایک سیدھی راہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی۔ خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں اسی راہ پر چلتی رہوں۔ پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ. (بحوالہ ماہنامہ دارالسلام پنجاب بھارت)

حاصل...... بیشک دین اسلام برحق دین ہے اور جس نے بھی اسے صدق دل سے قبول کیا وہ دنیا و آخرت میں شاداں و فرحاں رہا، لہٰذا اب ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ خود بھی اس دین کی قدر کریں اور دین سے دور انسانوں کو بھی اس کے قریب لانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۲۷

نفسانی خواہش سے بچنے کا سبق آموز واقعہ

فقیہ رحمہ اللہ یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال بھی بہت دے رکھا تھا اپنے ہاتھ سے زنبیل بناتا اور فروخت کر کے بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک دن وہ بادشاہ کے دروازے پر سے گزرا بادشاہ کی بیوی کی خادمہ نے دیکھ لیا۔ جا کر ملکہ سے کہنے لگی کہ یہاں ایک آدمی ہے کہ ایسا حسین شخص کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ زنبیل فروخت کرتا پھر رہا ہے ملکہ نے حکم دیا کہ میرے پاس لے آؤ۔ اسے لایا گیا تو بس دیکھتے ہی لٹو ہو گئی۔ کہنے لگی زنبیلیں

پھینک دے اور یہ چادر سنبھال باندی سے کہا کہ تیل اور خوشبو وغیرہ لا ہم اس سے اپنی حاجت براری کریں گی۔ اور عابد سے کہنے لگی کہ اب تجھے زنبیلیں بیچنے کی ضرورت نہیں رہے گی عابد بار بار انکار کرتا رہا۔ کہنے لگی کہ اگر تو یہ کام نہیں کرنا چاہتا تو اس کے بغیر یہاں سے باہر بھی نہیں جا سکتا۔ اور دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔ عابد نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگا کیا تمہارے محل کے اوپر کوئی ضرورت کی جگہ ہے کہنے لگی، ہاں، باندی کو حکم دیا کہ اس کے لئے پانی وغیرہ اوپر لے جا، یہ اوپر چھت کے ایک کونے کی طرف گیا۔ دیکھا کہ محل بہت اونچا ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ لٹک کر نیچے اتر جائے آخر اپنے نفس کو خطاب اور عتاب کرنے لگا۔ کہ تو ستر برس سے اپنے رب کریم کی رضا کی طلب میں لگا ہوا ہے رات دن اسی حرص میں گزرتے ہیں تجھ پر آج ایک شام ایسی آئی ہے جو تیری اس تمام محنت کو ضائع کر دے گی واللہ! تجھ سے بڑھ کر کوئی خائن نہ ہوگا۔ اگر یہ شام تیرے اعمال کو فاسد کر گئی۔ آخر اللہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ غرض اسی طرح اپنے آپ کو خطاب اور عتاب کرتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب اس نے بلندی سے کود جانے کا تہیہ کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو ندا دی، انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا۔ ارشاد ہوا میرا بندہ میری معصیت اور ناراضگی سے بچنے کے لئے جان کی بازی لگا رہا ہے۔ جا اپنے پروں سے اس کو تھام لے اور اسے ذرا بھی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر پھیلایا اسے پکڑ کر یوں زمین پر رکھ دیا جیسے ایک مہربان باپ اپنے بیٹے کو رکھتا ہے۔ فرمایا کہ عابد یہاں سے سیدھا گھر گیا۔ زنبیلیں وغیرہ وہیں رہ گئیں سورج غروب ہو رہا تھا بیوی کہنے لگی زنبیلوں کی قیمت کہاں ہے کہنے لگا آج تو ان کا کچھ نہیں ملا کہنے لگی تو آج رات افطار کس چیز سے کریں گے۔ کہنے لگا آج کی رات یوں ہی ذرا صبر سے کاٹ لیں گے پھر کہنے لگا اٹھ کر تنور میں آگ

جلادے ہمسائے ہمارے تنور میں آگ نہیں دیکھیں گے تو نامعلوم کیا کچھ خیالات دوڑائیں گے۔ خواہ مخواہ انہیں پریشان کرنا اچھانہیں۔ بیوی نے اٹھ کر تنور میں آگ جلادی۔ خود واپس آ کر بیٹھ گئی۔ ایک پڑوسن آگ لینے کو آئی پوچھا آگ ہے جواب ملا آگے بڑھ کر تنور سے لے لو۔ یہ عورت آگ لے کر واپس ہوئی تو گھر والی سے کہنے لگی کہ تو یہاں بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔ ادھر تیری روٹیاں پک چکی ہیں بلکہ جلنے کو ہیں عورت نے اٹھ کر دیکھا تو تنور بہترین روٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ عورت نے انہیں برتن میں رکھا اور خاوند کے پاس لے آئی اور کہنے لگی کہ تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ تیرے بلند درجات کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کہ ہماری باقی عمر خوشحالی اور فراخی میں گزرے، عابد کہنے لگا اسی حال پر صبر اچھا ہے۔ مگر عورت کا اصرار بڑھتا گیا۔ حتی کہ عابد نے دعا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگا۔ کہ اللہ میری بیوی کا اصرار اور تقاضا یہ ہے کہ اس کو باقی عمر میں خوشحالی اور فراخی عطا فرما۔ اتنے میں چھت پھٹ گئی یاقوت اور موتیوں سے بھری ہوئی طشتری نیچے آئی جس سے تمام گھر جگمگا اٹھا۔ عابد نے بیوی کا پاؤں دبایا جو قریب ہی سو رہی تھی۔ اور کہا کہ اٹھ کر بیٹھ اور جو کچھ مانگتی تھی وہ سنبھال لے عورت بیدار ہو کر کہنے لگی جلدی نہ کر و اس مقصد کے لئے تو تو نے مجھے نہ ہی جگایا ہوتا میں خواب دیکھ رہی تھی۔ سونے کی بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جو یاقوت اور زبرجد وغیرہ سے مرصع ہیں مگر ان میں سوراخ ہیں میں نے پوچھا یہ کرسیاں کس کی ہیں جواب ملا یہ تیرے خاوند کے بیٹھنے کے لئے ہیں، میں نے پوچھا یہ سوراخ کیا ہیں جواب ملا یہ وہی نقص اور کمی ہے جو دنیا کی جلد بازی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے تو میں نے کہا کہ میں کسی ایسی چیز کی خواہش نہیں رکھتی جس سے تیری نشست گاہ میں نقص پیدا ہو۔ لہٰذا اپنے رب سے اسے واپس کرنے کی دعا کرلو۔ عابد نے دعا مانگی

اور طشتری واپس ہوگئی۔ (بحوالہ تنبیہ الغافلین)

حاصل...... بیشک جو اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا".

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا، شیطان کا اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کیا کرتے ہیں: لنھدینھم سبلنا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے۔" یہ نہیں کہ دور سے دکھادیا کہ "یہ راستہ ہے۔" بلکہ فرمایا کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے۔ لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے، ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا "مجاہدہ" اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کرلے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے، خواہشات پامال ہوجائیں گی، دل و دماغ پر قیامت گزر جائے گی، لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا۔ جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہوگیا، اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جائیں گے۔

اس لئے اصلاح کے راستے میں سب سے پہلا قدم "مجاہدہ" ہے اس کا عزم کرنا ہوگا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہورہی ہیں وہ چاہے برباد ہوجائیں، چاہے ان کا

خون ہو جائے، اب میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اب تو اس کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے، اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہوگا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزین ہوگی، اب یہ گناہ نہیں ہوں گے۔ پھر دیکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھیئے کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے اور لطف آنے لگتا ہے۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کا جو خون کر رہا ہوں یہ اپنے مالک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں تو اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں کو دیکھئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے اور کڑکڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لیٹی ہوئی ہے اور بچہ پاس پڑا ہے۔ اس حالت میں اس بچے نے پیشاب کر دیا، اب نفس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں، یہ تو جاڑے کا موسم ہے، گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا، اس کے کپڑے گیلے ہیں۔ اس طرح گیلا پڑا رہے گا تو کہیں اس کو بخار نہ ہو جائے۔ اس کی طبعیت خراب نہ ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضہ چھوڑ کر سخت کڑاکے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اس کے کپڑے دھو رہی ہے، اور اس کے کپڑے بدل رہی ہے، یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے؟ لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اس کی صحت ماں کے پیش نظر ہے، اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پامال کر کے یہ

سارے کام کر رہی ہے۔

ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں ہے، وہ کہتی ہے بھائی! کسی طرح میرا علاج کراؤ تا کہ بچہ ہو جائے، اولاد ہو جائے، اور اس کے لئے دعائیں کراتی پھرتی ہے کہ دعا کرو اللہ میاں سے کہ مجھے اولاد دے دے، اور اس کے لئے تعویذ، گنڈے اور اللہ تعالیٰ جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے، ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ ارے! تو کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہوگا تو تجھے بہت سی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی، جاڑے کی راتوں میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھونے ہوں گے، تو وہ عورت جواب دیتی ہے کہ میرے ایک بچے پر ہزار جاڑوں کی راتیں قربان ہیں اس لئے کہ اس بچے کی قدر و قیمت اور اس کے دولت ہونے کا احساس اس کے دل میں ہے، اس واسطے اس ماں کے لئے ساری تکلیفیں راحت بن گئیں، وہ ماں جو اللہ سے مانگ رہی ہے کہ یا اللہ! مجھے اولاد دے دے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں ہیں، جتنی تکلیفیں ہیں وہ دے دے، لیکن وہ تکلیفیں اس کی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں، بلکہ وہ راحت ہیں۔ اب جو ماں جاڑے کی رات میں اٹھ کر کپڑے دھو رہی ہے اس کو طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے کہ میں یہ اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں، جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنے آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے۔

اسی بات کو مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں:

از محبت تلخہا شیریں شود

کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر

کررہا ہوں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں۔ لیلیٰ مجنون کا قصہ لکھا ہے کہ مجنون لیلیٰ کی خاطر کس طرح دیوانہ بنا، اور کیا کیا مشقتیں اٹھائیں، دودھ کی نہر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا اور کام شروع بھی کردیا، یہ ساری مشقتیں اٹھا رہا ہے، کوئی اس سے کہے کہ وہ یہ جو کام کررہا ہے یہ بڑی مشقت کا کام ہے اسے چھوڑ دے، تو وہ کہتا ہے کہ ہزار مشقتیں قربان، جس کی خاطر یہ کام کررہا ہوں اس کی محبت میں کررہا ہوں، مجھے تو اس نہر کو کھودنے کا مزہ آرہا ہے، اس لئے کہ یہ میں اپنے محبوب کی خاطر کررہا ہوں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہوسکتا ہے۔ مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ لہٰذا جب آدمی محبت کی خاطر یہ تکلیفیں اٹھاتا ہے تو پھر بڑا لطف آنے لگتا ہے۔

ایک آدمی ملازمت کرتا ہے، جس کے لئے صبح سویرے اٹھنا پڑتا ہے، اچھی خاصی سردی میں بستر پر لیٹا ہوا ہے اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جا رہا ہے، نفس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا لیکن گھر چھوڑ کر، بیوی بچوں کو چھوڑ کر جارہا ہے۔ اور سارا دن محنت کی چکی پیسنے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے۔ اور بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں۔ غرض وہ شخص یہ سب تکلیفیں برداشت کررہا ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو، چلو میں تمہاری ملازمت چھوڑا دیتا ہوں۔ وہ جواب دے گا نہیں بھائی

نہیں، بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے اس کو مت چھڑوانا۔ اس کو صبح سویرے اٹھ کر جانے میں ہی مزہ آرہا ہے، اور اولاد کو بیوی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو اس تنخواہ سے محبت ہوگئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنے والی ہے، اس محبت کے نتیجے میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں، اب اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے جب صبح سویرے اٹھ کر جایا کرتا تھا۔ اور لوگوں سے سفارشیں کراتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے۔ اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستے کی ساری تکلیفیں آسان اور مزے دار ہو جاتی ہیں، اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے، شروع میں مشقت ہوگی لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے اور اس کے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔ (بحوالہ اصلاحی خطبات ج ۷)

واقعہ نمبر......۲۸

ایک اللہ والے کا عجیب واقعہ

ابراہیم بن شبیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بعد نماز کے مجلس کیا کرتے تھے۔ ایک شخص صرف ایک کپڑے میں لپٹا ہوا ہماری مجلس میں آبیٹھا اور ایک سوال کیا۔ ہم لوگ مجلس کے برخاست ہونے تک مسائل فقہیہ میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر وہ شخص دوسرے جمعہ کو آیا ہم نے اسے جواب دیا اور اس کا مقام اور اس کی حالت دریافت کی اس نے اپنا پتہ بتایا، پھر ہم نے اس کی کنیت پوچھی اس نے کہا ابو عبداللہ ہم اس کی ہمنشینی سے بہت خوش ہوئے۔ ایک مدت تک وہ

ہمارے پاس اسی طرح آتا جاتا رہا۔ پھر اس کا آنا موقوف ہوگیا ایک بار ہم اس کی ملاقات کے ارادے سے اس بستی میں گئے اور اس کے بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا وہ ابوعبداللہ صیاد ہیں۔ اس وقت شکار کو گئے ہیں ابھی آتے ہوں گے۔ ہم انتظار میں بیٹھے تھے۔ کہ وہ سامنے سے آئے اور حال یہ تھا کہ ایک ٹکڑے کپڑے کی لنگی اور ایک ٹکڑے کی چادر بنائے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں کئی پرندے زندہ اور کئی ایک ذبح کئے ہوئے ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔ ہم نے کہا آپ ہماری مجلس کی رونق افزائی کیا کرتے تھے۔ اب کیا ہوگیا جو بالکل ترک کردیا۔ کہا کیا سچ کہہ دوں میرا ایک ہمسایہ تھا اس سے کپڑے لے کر اور پہن کر تمہارے یہاں آتا تھا۔ اب وہ شخص سفر کو گیا ہے پھر کہا تم میرے گھر چل کر رزق اللہ تناول کرو گے۔ ہم ان کے مکان پر پہنچ کر بیٹھے اور اپنی بیوی کو ذبح کئے ہوئے پرندے پکانے کے لئے سپرد کئے اور زندہ کو لے کر بازار گئے اور انہیں بیچ کر روٹیاں خرید لائے۔ اتنی دیر میں بیوی نے سالن تیار کر رکھا تھا ہم کھانا کھا کر چلے تو آپس میں گفتگو ہونے لگی کہ تم نے اس شخص کی ناداری اور فقر کی حالت اور نیک بختی اور صلاح کی کیفیت دیکھی اور تم میں قدرت بھی ہے کہ اس کی اتنی مدد کرو جس سے وہ اپنی حالت سنبھال سکے۔ تمہیں ایسا کرنا چاہئے کہ کچھ چندہ جمع کرکے ان کی امداد کرو جس سے وہ اپنی حاجت پوری کریں چنانچہ ہم نے آپس میں تعین کرکے پانچ ہزار درہم جمع کئے اور ان کو دینے کے لئے پھر اس گاؤں کو لوٹ چلے۔ جب ہم مدیر پر پہنچے تو میر بصرہ محمد بن سلیمان جھروکے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ غلام سے کہا ابراہیم ابن شبیب کو میرے پاس بلانا جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہاں سے آئے ہو۔ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ امیر نے کہا مجھ پر تم سب سے زیادہ حق ہے اور اسی وقت دس ہزار کا توڑا منگا کر اور ایک فراش کے کندھے پر رکھوا کر میرے ہمراہ کردیا۔ میں اور خوش

ہوااور جلدی سے اس گاؤں کی طرف روانہ ہوااوران کے دروازہ پر پہنچ کر سلام کیا۔ وہ جواب دیتے ہوئے باہر نکلے۔جب میرے ہمراہ فراش کواوراشرفیوں کے توڑوں کو دیکھا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور کہنے لگے اے شخص تجھے مجھ سے کیا علاقہ۔کیا تو مجھے فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے میں نے کہا اے ابوعبداللہ بیٹھ جاؤ۔واقعہ یہ ہے چنانچہ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔میں نے کہا تم جانتے ہو کہ وہ ایک ظالم امیر ہے تم خدا کے واسطے اپنے نفس کو بچاؤ اور یہ لے لو یہ سن کر ان کا غصہ اور تیز ہوا۔اسی وقت گھر میں جا کر دروازہ بند کرلیا۔میں ناامید ہوکر امیر کے پاس لوٹ آیا اور بغیر سچ کہنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ناچار واقعہ بیان کیا سنتے ہی کہنے لگا۔یہ شخص خارجی معلوم ہوتا ہے اور غلام سے کہا تلوار لے آؤ۔جب وہ لے آیا تو میرے ساتھ کردیا اور کہا ان کے ساتھ جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ۔میں نے کہا خدا امیر کو سلامت رکھے اس شخص کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ہم نے اس کو دیکھا ہے۔وہ خارجی نہیں ہے۔میں انہیں کو تمہارے پاس بلاتا ہوں۔راوی کہتے ہیں میرا مقصود ان کو اس سے بچانا تھا۔اس پر امیر کو اطمینان ہوا اور میں روانہ ہوکر ان کے دروازہ پر پہنچا اور سلام کیا تو ان کی بیوی کو روتا ہوا پایا کہنے لگی کچھ خبر بھی ہے تمہارے ابوعبداللہ کا کیا قصہ ہوا۔میں نے کہا ان کا کیا حال ہے کہا انہوں نے گھر میں آکر جو کچھ ان کے پاس تھا رکھ دیا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور میں نے انہیں یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ مجھے اپنے پاس بلالے اور فتنہ میں نہ ڈال یہ کہتے ہوئے لمبے لیٹ گئے میں ان کے پاس پہنچی تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور یہ ان کی لاش موجود ہے۔میں نے کہا اے بیوی یہ ہمارا بہت ہی بڑا قصہ ہے پس اب اس کا ذکر ہی نہ کرو یہ کہہ کر ویسے ہی لوٹ کر میں امیر کے پاس آیا اور سارا حال میں نے اس سے بیان کیا۔امیر نے کہا میں اس شخص کی نماز پڑھاؤں گا۔ یہ خبر شہر میں مشتہر ہوئی۔چنانچہ تمام اہل شہر مع امراء ورؤساء کے جنازہ میں شریک

ہوئے۔رضی اللہ عنہ ونفعنا بہ۔

حاصل...... بیشک دنیا میں ایسے اللہ والے بھی گزرے ہیں کہ جو ساری زندگی اپنے آپ کو دنیا سے بچاتے رہے، اور جب دنیا میں پھنسنے کا وقت آیا تو دنیا ہی سے چل بسے، اور دوسری طرف ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم کس قدر دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۲۹

انیاؤ پور شہر کا قصّہ

انیاؤ شہر تھا انیاؤ پوران نفی کا کلمہ ہے نیاؤ کے معنٰی ہیں انصاف اور پور شہر کو کہتے ہیں اس کے معنٰی ہوئے بے انصافی کا شہر، چنانچہ ایک گرو اور ایک چیلہ اس شہر میں جا پہنچے اور چیزوں کا بھاؤ پوچھا سب کا بھاؤ سولہ سیر گیہوں بھی سولہ سیر چنے بھی سولہ سیر گھی بھی سولہ سیر نمک بھی سولہ سیر گوشت بھی سولہ سیر غرض سب کا ایک ہی بھاؤ گرو نے یہ حال دیکھ کر چیلے سے کہا کہ یہاں سے چلو یہ شہر رہنے کے قابل نہیں یہاں کھرے کھوٹے سب ایک بھاؤ ملتے ہیں چیلہ نے کہا ہم تو یہاں رہیں گے خوب گھی کھائیں گے طاقت آئے گی ہر چند گرو نے سمجھایا مگر اس نے ایک نہ مانی خیر ایک عرصہ تک وہاں رہے افراط سے سب چیزیں ملیں چیلہ کھا کھا کر خوب موٹا ہوا، ایک دفعہ اتفاق سے ایوان شاہی پر پہنچے۔ راجہ کے یہاں ایک مقدمہ پیش تھا وہ یہ کہ دو چور کسی مہاجن کے یہاں گئے تھے چوری کرنے نقب دے کر ایک باہر پہرے پر رہا ایک اندر گیا اس پر وہ دیوار گر پڑی دب کر مر گیا اس کے ساتھی نے دعویٰ دائر کر دیا

کہ اس نے ایسی کمزور دیوار بنائی تھی کہ وہ گر پڑی مہاجن حاضر کیا گیا اس نے عذر کیا کہ میرا قصور نہیں معمار نے ایسی دیوار بنائی تھی معمار حاضر کیا گیا اس سے پوچھا اس نے کہا مزدور نے گارا پتلا کر دیا تھا اس نے اینٹ کو اچھی طرح نہیں پکڑا مزدور حاضر کیا گیا اس سے پوچھا گیا اس نے کہا سقہ نے پانی زیادہ چھوڑ دیا تھا اس لئے گارا پتلا ہو گیا سقہ حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ سرکاری ہاتھی میری طرف دوڑا آ رہا تھا مشک کا دہانہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس لئے پانی زیادہ پڑ گیا فیل بان کو حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ ایک عورت بجتا ہوا زیور پہنے آ رہی تھی پازیب کی جھنکار سے ہاتھی چونک گیا وہ عورت حاضر کی گئی اس نے کہا کہ سنار نے پازیب میں باجا ڈال دیا تھا سنار کو حاضر کیا گیا اس کو کچھ جواب نہ آیا آخر کہیں تو سلسلہ ختم ہوتا یہ تجویز ہوا کہ اس سنار کو پھانسی دی جائے اس کو پھانسی پر لے گئے اور گلے میں پھانسی ڈالی اس کی گردن ایسی پتلی تھی کہ حلقہ اس کے گلے میں برابر نہ آیا۔ حلقہ تھا بڑا جلاد نے آ کر کہا کہ حلقہ اس کے گلے میں نہیں آتا۔ اس پر یہ تجویز ہوا کہ کسی موٹے شخص کو پھانسی دیدو۔ تلاش ہوئی تو سوائے چیلہ صاحب کے اتنا موٹا اور کوئی نہ ملا اس کو پکڑ کر لے گئے۔ انہوں نے گرو جی سے کہا اب کیا کروں، گرو جی نے کہا بھائی میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ مگر تو نے نہ مانا اب کئے کو بھگت۔ چیلے نے کہا، حضور کسی طرح بچائیے، کچھ تو کیجئے۔ آخر آپ کا بچہ ہوں۔ گرو نے تدبیر نکالی آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ گرو کہے کہ مجھے پھانسی دو اور چیلہ کہے کہ مجھے پھانسی دو، خوب جھگڑے یہاں تک کہ راجہ تک نوبت پہنچی راجہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ گرو نے کہا کہ، یہ ایک ساعت ہے کہ جو کوئی اس ساعت پھانسی میں چڑھے تو سیدھا بیکنٹھ کو جائے اس لیے ہم جھگڑتے ہیں کہ پھر ایسی ساعت نہ ملے گی، راجہ نے کہا کہ پھر اس سے بہتر موقع کہاں نصیب ہوگا، ہمیں پھانسی دے دو، چنانچہ اس منحوس کو پھانسی دے دی گئی ایسے

راجہ کو پھانسی ہی دینا اچھا، پاپ کٹا ''خس کم جہاں پاک'' یہ قصہ تھا اُن نیاؤ پور کا سو بہت سے لوگ مسلمان ہو کر ایسی ہی سلطنت سمجھتے ہیں خدا کی جیسی اُن نیاؤ پور کی حکومت کہ کوئی قاعدہ اور قانون ہی نہیں۔ اندھا دھند معاملہ ہے، جس کے کچھ اصول ہی نہیں۔ (بحوالہ حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات)

حاصل...... ایسے جاہل حکمرانوں سے بچنے کی اللہ سے دعا مانگنی چاہئے، بیشک جب حکمران صالح نہ ہوں تو اس کا اثر پورے علاقے پر پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۳۰

دینداروں کی مقبولیت

کسی شہر میں دو میاں بیوی رہتے تھے جو نہایت محتاج، مگر دیندار اور دولت صبر و شکر کے تاجدار تھے ہر حال میں شکر خدا بجالاتے ایک مرتبہ جب چند روز تک کچھ کھانے کو میسر نہ آیا تو مرد نے اپنی عورت سے کہا، دو تین دن سے ہمارے گھر میں آگ تک نہیں جلی ایسا نہ ہو کہ ہمارے ہمسایوں کو ہمارا یہ حال معلوم ہو کر ملال ہو اور ہم ان کی نظروں میں حقیر معلوم ہونے لگیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم تنور میں آگ جلادو تاکہ ہمسایوں کی یہ بدگمانی دور ہو جائے یہ سن کر اس نیک سیرت بیوی نے ایسا ہی کیا تنور سے دھواں اٹھتا دیکھ کر کوئی پڑوسن آگ لینے آئی دیکھتی کیا ہے کہ سارا تنور روٹیوں سے بھرپور ہے یہ دیکھ کر اس نے اس نیک سیرت بیوی سے کہا کہ تنور میں روٹی لگا کر ایسی بے خبر ہو گئیں کہ پھر خبر بھی نہ لی یہ سن کر گھر والی عورت نے جا کر دیکھا تو واقعتاً قدرت خدا کا عجیب تماشا نظر آیا اور تنور کو روٹیوں سے لبریز پایا جن کو نکال کر اس نے شوہر کے سامنے لا رکھا اور وہ خود حیرت میں ہو گئی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ دیکھ کر

اس کے شوہر نے بتایا کہ اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے؟ وہ قادر مطلق تو اس سے بھی زیادہ ہزاروں قدرتیں رکھتا ہے پھر سب گھر والوں نے خوب شکم سیر ہو کر روٹیاں کھائیں اور خدا کا شکر ادا کیا اب عورت نے قرینے سے پہچانا کہ میرا شوہر صاحب کرامت ہے اور یہ سب کچھ اس کی قوت ایمانی کا ظہور ہے کہنے لگی، جناب باری میں کوئی ایسی دعا کروں کہ وہ ہم کو کوئی ایسی چیز عنایت فرمادے جس سے دنیا کے روز روز کے فکر دور ہو جائیں اور فارغ البالی کے ساتھ ہم دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہیں شوہر نے کہا وہ ہمارے سب حال سے واقف ہے اور جو اس کے نزدیک بہتر ہوتا ہے اپنے بندوں کے ساتھ وہی کرتا ہے اس میں عرض معروض کی کیا حاجت ہے؟ مگر جب عورت نے زیادہ مجبور کیا تو ایک دن آخر شب میں جو اجابت دعا کا وقت ہے دعا کی میرے مولا! تو ہمارے حال سے اچھی طرح واقف ہے تیرے سامنے کسی بات کے عرض کرنے کی حاجت نہیں مگر تیری لونڈی نے مجھے مجبور کر دیا اگر تو چاہے تو اس کی امید پوری کر دے اور اس غلام کو اس کی کشاکشی سے نجات دے چنانچہ اس کی دعا پر ایک طاق سے کوئی ہاتھ باہر نکلا جس میں ایسا روشن جوہر تھا جس سے تمام گھر روشن ہو گیا پھر وہ ہاتھ غائب ہو کر طاق بند ہو گیا۔

یہ دیکھ کر شوہر نے بیوی کو جگایا کہ جلدی اٹھ خدا نے تیرے دل کی مراد پوری کر دی یہ سن کر وہ عورت جھنجھلاتی ہوئی بیدار ہوئی کہ، مجھ کو کیوں جگایا؟ میں تو ایک لطیف خواب دیکھ رہی تھی کہ جنت ہر طرح سے سجی ہوئی ہے اور اس میں ایک نہایت عمدہ مکان زر و جواہر سے بنا ہوا اس قدر مزین اور روشن ہے جو آفتاب عالم تاب کو شرماتا ہے اس کی زرق برق دیکھ کر میں کھوئی ہوئی تھی جب کچھ ہوش آنے پر میں نے پوچھا، یہ عالی شان مکان کس خوش نصیب کو ملے گا؟ تو جواب ملا تم دونوں میاں بیوی کے لئے ہے یہ سن کر میری خوشی کی انتہاء نہ رہی پھر کیا دیکھتی ہوں کہ ایک روشن موتی اس

مکان سے گم ہوگیا اور مکان بدنما اور بدزیبا معلوم ہونے لگا میں نے پوچھا، یہ کیا ہوا؟ جواب ملا کہ وہ روشن موتی جس سے تیرا مکان روشن تھا تیری خواہش کے مطابق دنیا میں چلا گیا جس قدر تو دنیا میں راحت و آرام اور رونق و آسودگی چاہے گی اسی قدر یہاں کی راحتوں میں کمی آجائے گی یہ سن کر میں بدحواس ہوگئی اور دنیا کی لذت و آرام سے بے نیاز میں اسی کشمکش میں تھی کہ تم نے مجھے جگا دیا لہٰذا بار خدا جناب باری میں پھر دعا کیجئے کہ یہ روشن موتی جہاں سے گم ہوا ہے پھر اپنے مقام میں چلا جائے کیونکہ دنیا کی راحت بے ثبات پر باقی مکان کو ناقص بنا دینا سخت حماقت ہے چنانچہ اس کے شوہر نے پھر کمال وگریہ وزاری سے عرض کیا کہ خداوند تو بڑا رحیم وحکیم ہے تو نے اپنی لونڈی کو جنت کی لذتوں کا مزا چکھا کر دنیاوی لذتوں سے چھڑا دیا اور اس طرح ایک مخالف کو موافق بنا دیا میں تیری اس عنایت کا کس زبان و دل سے شکر ادا کر سکتا ہوں؟ تو اچانک اسی طاق سے پھر ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اس روشن گوہر کو لے جا کر اس کے مقام پر پہنچا دیا۔ (بحوالہ حکایات الصالحین)

حاصل...... سبحان اللہ! اللہ کی کیا عجیب قدرت ہے کہ اپنے فرمانبردار بندوں کو دنیا ہی میں جنت کے دیدار سے مشرف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر......۳۱

حضرت بہلولؒ اور ایک لڑکے کا واقعہ

حضرت بہلولؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا ، راستے میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے

قریب کھڑا رو رہا تھا مجھے خیال ہوا کہ اس لڑکے کے پاس بادام اور اخروٹ نہیں ہیں، ان کی وجہ سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کو کہا بیٹا تجھے میں اخروٹ اور بادام خرید دوں گا تو بھی ان سے کھیلنا۔ اس نے میری طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔ ارے بیوقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر کس کام کے واسطے۔ کہنے لگا علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کرنے کے واسطے میں نے کہا اللہ جل شانہ آپ کی عمر میں برکت کرے تو نے یہ بات کہاں سے معلوم کی کہنے لگا حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

''افحَسِبتُم أنما خلقنا کم عبثاً'' (مؤمنون ع ٦)

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے اور ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ میں نے کہا بیٹا تو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے مجھے کچھ نصیحت کر۔ اس نے چار شعر پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ہر وقت چلا جاؤ میں ہے (آج یہ گیا کل وہ گیا) دنیا ہر وقت چلنے کے لئے دامن اٹھائے قدم اور پنڈلی پر (دوڑنے کے لئے تیار رہتی ہے) پس نہ تو دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہتی ہے نہ کوئی زندہ دنیا کے لئے باقی رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں پس او بیوقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، ذرا غور کر اور دنیا سے اپنے لئے کوئی (آخرت میں کام آنے والی) اعتماد کی چیز لے لے''۔ یہ شعر پڑھ کر اس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور آنسو کی لڑی اس کے رخساروں پر جاری تھی اور یہ دو شعر پڑھے۔

یامن الیه المبتهل   یامن علیه المتّکل

یامن اذا ما آمل   یرجوه لم یخط الامل

جن کا ترجمہ یہ ہے ...... اے وہ پاک ذات کہ اسی کی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات کہ جب اس سے کوئی امید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہوسکتا اس کی امید ضرور پوری ہوتی ہے۔

یہ شعر پڑھ کر وہ بے ہوش ہوکر گرگیا۔ میں نے جلدی سے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اس کے منہ پر جو مٹی وغیرہ لگ گئی تھی، پونچھنے لگا۔ جب اس کو ہوش آیا تو میں نے کہا۔ ابھی سے تمہیں اتنا خوف کیوں ہوگیا، ابھی تو تم بچے ہو۔ ابھی تمہارے نامہ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائے گا۔ کہنے لگا بُہلول ہٹ جاؤ، میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہے تو پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ہی چولہے میں رکھتی ہیں، اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ میں نہ رکھ دیا جاؤں۔ میں نے کہا۔ صاحبزادے بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اس نے اس پر چودہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آرہا ہے۔ اگر میں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا۔ میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم لباس سے آراستہ کیا۔ حالانکہ میرے بدن کے لئے (قبر میں جاکر) گلنے اور سڑنے کے علاوہ چارہ کار نہیں۔ وہ منظر اس وقت گویا میرے سامنے ہے جبکہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں گا۔ میرے اوپر مٹی کا ڈھیر ہوگا اور نیچے قبر کا گڑھا ہوگا اور میرا یہ حسن و جمال سارا کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا حتی کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جارہی ہے، اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہوتیں اور بڑا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرہ سا بھی ساتھ نہیں، اور میں نے کھلم کھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان اور محافظ کا مقابلہ کیا، اور بڑی بُری

حرکتیں کی ہیں جواب واپس بھی نہیں ہوسکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں وہ بغیر کیا نہیں ہوسکتا) اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لئے پردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن میرے جتنے مخفی گناہ ہیں وہ کل کو اس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے (اس کی پیشی میں پیش ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اس کا خوف ضرور تھا لیکن میں اس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا (جس کی وجہ سے جرأت ہوتی رہی) اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ بڑا غفور ہے اس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے بے شک تمام تعریفیں اسی پاک ذات کے لئے ہیں۔ اگر موت کے اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ بھی ہوتی، تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ موجود تھی کہ لہو ولعب سے احتراز کیا جاتا لیکن کیا کریں کہ ہماری عقل زائل ہوگئی (کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ بس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ) کاش گناہوں کو بخشنے والا میری مغفرت کر دے۔ جب کسی غلام سے کوئی لغزش ہوتی ہے، تو آقا ہی اس کو معاف کرتا ہے۔ بے شک میں بدترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولیٰ کے عہد میں خیانت کی، اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی قول قرار معتبر نہیں ہوتا۔ میرے آقا جب تیری آگ میری بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا، جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میں موت کے وقت بھی تنِ تنہا رہ جاؤں گا، قبر میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا، قبر سے بھی اکیلا ہی اٹھوں گا (کسی جگہ بھی میرا کوئی معین و مددگار نہ ہوگا)۔ پس اے وہ پاک ذات جو خود اکیلی ہے وحدہ لاشریک لہٗ ہے، ایسے شخص پر رحم کر جو بالکل تنِ تنہا رہ گیا"۔ بہلولؒ کہتے ہیں کہ اس کے یہ اشعار سن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا۔ بڑی دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا

تھا۔ میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون تھا۔ وہ کہنے لگے تو اس کو نہیں جانتا، یہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے؟ واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اس خاندان کی برکتوں سے منتفع فرمائے آمین۔ (بحوالہ فضائل صدقات)

حاصل...... بیشک اس واقعہ کی ایک ایک نصیحت میرے اور آپ کے لئے مشعلِ راہ ہے، چنانچہ ان قیمتی نصیحتوں کو ہمیں اپنی زندگی کا حصّہ بنالینا چاہئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۳۲

مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب بن ابی طالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور ان کے سردار فخر دو عالم ﷺ کو جب کفار سے تکالیف پہنچتی ہی رہیں اور آئے دن ان میں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا تو حضور ﷺ نے صحابہؓ کو اس کی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی حبشہ کے بادشاہ اگر چہ نصرانی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ان کے رحم دل اور منصف مزاج ہونے کی شہرت تھی۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مکہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جاسکیں مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہنچ کر ان کو یہ خبر ملی کہ مکہ والے سب مسلمان ہو گئے

اور اسلام کو غلبہ ہو گیا اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آ گئے لیکن مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہنچانے میں مصروف ہیں تو بڑی دقت ہوئی ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہو گئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی ۸۳ مرد اور اٹھارہ عورتیں بتلائی جاتی ہیں متفرق طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے بعض صحابہؓ نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے تو ان کو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لے کر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا جو بادشاہ کے لیے بھی بہت سے تحفے لے کر گیا اور اس کے خواص اور پادریوں کے لیے بھی بہت سے ہدیئے لے کر گیا جا کر اول پادریوں اور حکام سے ملا اور ہدیئے دے کر ان سے بادشاہ کے یہاں اپنی سفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اول بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور حکام نے تائید کی انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ جانتے ہیں اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے ہم کو شرفائے مکہ نے اور ان لوگوں کے باپ چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں۔ آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر تحقیق کئے ان کو حوالہ نہیں کر سکتا اول بلا کر تحقیق کر لوں اگر یہ صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا مسلمان اول بہت پریشان ہوئے کیا کریں مگر اللہ کے فضل نے مدد کی اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہیے اور صاف بات کہنا چاہیے۔ اور بادشاہ

کے یہاں پہنچ کر سلام کیا کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آداب شاہی کے موافق سجدہ نہیں کیا ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے نبی نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت کیے۔ حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے نہ اللہ کو جانتے تھے نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے پتھروں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے برے کام کرتے تھے رشتہ ناتوں کو توڑتے تھے ہم میں کا قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا تھا ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو، اس کی سچائی کو، اس کی امانت داری کو، پرہیزگاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے سخت منع فرمایا۔ اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا برے کاموں سے منع کیا اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا امانت داری کا حکم کیا، صلہ رحمی کا حکم کیا پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا نماز روزہ صدقہ خیرات کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم کئے، زنا بدکاری جھوٹ بولنا یتیم کا مال کھانا کسی پر تہمت لگانا اور اس قسم کے برے عمل سے منع فرمایا ہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل کی جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو ہر طرح ستایا۔ ہم لوگ مجبور ہو کر تمہاری پناہ میں اپنے نبی کے ارشاد سے آئے ہیں، بادشاہ نے کہا۔ اچھا جو قرآن تمہارے نبی لے کر آئے ہیں وہ کچھ مجھے سناؤ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کی اول کی آیتیں پڑھیں جس کو سن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے سب کے سب اس قدر روئے کے داڑھیاں تر ہوگئیں اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰؑ لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ بڑے

پریشان ہوئے کہ بڑی ذلت اُٹھانا پڑی آپس میں صلح کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل کو میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے گا۔ ساتھیوں نے کہا ابھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ اگر مسلمان ہو گئے مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں مگر اس نے نہ مانا، دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اُن کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بلایا۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی بہر حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ پر ان کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اُس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریمؑ کی طرف ڈالا نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ چخ چخ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا تم جو چاہے کہو اس کے بعد نجاشی نے ان کے تحفے واپس کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو جو تمہیں ستائے اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کرا دیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ اس کی وجہ سے وہاں مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذلت سے واپس آنا پڑا۔ تو پھر کفار مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا ظاہر ہے۔ اسکے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے نے ان کو اور بھی جلا رکھا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے ملنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے اس لیے سرداران مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے لیکن قتل کر دینا آسان کام نہ تھا۔ اس لیے کہ بنو ہاشم بھی بڑے چھتے اور اونچے طبقہ کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی حضور ﷺ کے قتل

ہو جانے پر آمادہ نہیں تھے اس لیے ان سب کفار مکہ نے مل کر معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کیا جاوے، نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے نہ ان سے کوئی خرید و فروخت کرے نہ بات چیت کرے نہ اُن کے گھر جائے نہ اُن کو اپنے گھر آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک کہ وہ حضور ﷺ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا بلکہ یکم محرم ۷ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا گیا۔ تا کہ ہر شخص اس کا احترام کرے اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے نہ باہر سے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان غلّہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بیتاب ہو کر روتے اور چلاتے اور ان کے اعزہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا اور ان حضرات کی یہ مصیبت دور ہوئی۔ تین برس کا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظر بندی میں گزرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مشقتیں گذری ہوں گی وہ ظاہر ہے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے بلکہ اس کی اشاعت فرماتے رہے۔ (بحوالہ حکایاتِ صحابہؓ)

حاصل...... بیشک حضور ﷺ کے پیارے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں، جس طرح صحابہ کرامؓ نے استقامت کے ساتھ دین اسلام کا دفاع

کیا اسی طرح ہمیں بھی اپنے اس دین کی حفاظت کرنی چاہئے اسی میں ہم سب کی کامیابی مضمر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر......۳۳

عبداللہ بن مبارکؒ اور ایک نیک خاتون کا سبق آموز واقعہ

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے گھر کا حج کرنے نکلا اور اس کے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا بھی ارادہ تھا۔ تو میں ابھی راستے میں تھا۔ اور اس جگہ کا نام تھا سواد مقام، وہاں ایک بڑھیا عورت اون پہنے اور اون کی اوڑھنی اوڑھے پائی میں نے کہا: "السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"

اس نے جواب دیا: "سَلَامٌ قَوْلاً مِّن رَّبٍّ الرَّحِيْم" (یٰس ع ۴ آیت ۵۸)

ترجمہ: "سلام پروردگار مہربان کی طرف سے کہا جائے گا۔"

میں نے پوچھا: "اللہ تجھ پر رحم کرے اس جگہ کیا کر رہی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ"

ترجمہ: "جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور اللہ ان کو چھوڑ دیتا ہے ان کی سرکشی میں کہ وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔"

تو میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ گم کر بیٹھی ہے تو میں نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

اس نے جواب دیا: "سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر. (بنی اسرائیل ع ۱ آیت: ۱)

ترجمہ: "وہ (ذات) پاک ہے جو بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تا کہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔"

تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ بیت المقدس جانے کا ارادہ رکھتی ہیں پھر میں نے پوچھا کتنے عرصے سے یہاں ہو آپ۔

تو اس نے کہا: "قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا" (سورۃ مریم ع۴ آیت:۱۰)

ترجمہ: "کہا کہ پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح سالم ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے باتیں نہ کر سکو گے۔"

پھر میں نے پوچھا کس چیز کے ساتھ وضو کرتی ہو؟

اس نے جواب دیا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا"

(سورۃ النساء ع۴ آیت:۴۳)

ترجمہ: "مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس مت جاؤ، جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر بحالت سفر رستے چلے جا رہے ہو، (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو) اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تم کو پانی نہ ملے، تو پاک مٹی اور منہ ہاتھ کا مسح (کر کے تیمم) کر لو، بے شک خدا معاف کرنے

والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

پھر میں نے کہا میرے پاس کھانا ہے کھانے میں رغبت ہے؟ کھالو۔

اس نے کہا: "اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ وَّاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ" (سورۃ البقرہ ع۷ آیت:۱۸۷)

ترجمہ......"روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورت کے پاس جانا جائز کردیا گیا وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو خدا کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کر گئے تھے سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگزر فرما کر اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو۔ اور خدا نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (خدا سے) طلب کرو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو اور جب تک تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا اسی طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بنیں۔" (یعنی بڑھیا کی مراد تھی کہ میرا روزہ ہے۔) تو میں نے پوچھا کہ یہ تو رمضان کا مہینہ نہیں ہے؟ (پھر روزہ کیا؟)

اس نے کہا: "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ"

(سورۃ البقرہ ع۱۹ آیت:۱۵۸)

ترجمہ......"بے شک (کوہ) صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان جاننے والے ہیں۔"

(یعنی میرا نفلی روزہ ہے۔) تو میں نے کہا سفر میں تو روزہ (فرض بھی) نہ رکھنا جائز ہے۔ (یہ تو پھر بھی نفلی ہے)؟

اس نے جواب دیا: "اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (سورۃ البقرہ ع ۷ آیت: ۱۸۴)

ترجمہ: "(روزوں کے دن) گنتی کے چند دن ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت (نہ) رکھیں تو وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلایا کریں اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"

(یعنی بڑھیا کی مراد تھی کہ) روزہ نہ رکھنے کی اگرچہ اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا زیادہ بہتر فرمایا ہے۔

پھر میں نے آخر پوچھ ہی لیا، کہ تو اس طرح بات کیوں نہیں کرتی؟ جیسے میں بول رہا ہوں۔

تو اس نے جواب دیا: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" (سورۃ بنی اسرائیل ع ۴ آیت: ۳۶)

ترجمہ: "اور (اے بندے) جس چیز کا تجھ کو علم نہیں (اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں) تو اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (اعضاء) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

تو میں نے کہا مجھ سے خطا ہوگئی ہے لہٰذا درگزر فرمائیں۔"

اس نے تو کہا: "قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" (سورۃ یوسف ع۱۰ آیت:۹۲)

ترجمہ: "(یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ آج کے دن تم پر کچھ عتاب نہیں ہے خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔"

پھر میں نے کہا کیا تجھے ضرورت ہے کہ میں تجھ کو اپنی اس اونٹنی پر سوار کر کے تیرے قافلے تک پہنچا دوں؟

اس نے جواب دیا: "اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْھِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ" (سورۃ البقرہ ع۹ آیت:۱۹۷)

ترجمہ...... "حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہے۔ تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے، اور نہ کوئی برا کام کرے ، اور نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زادِ راہ (یعنی راستے کا خرچ پانی) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زاد راہ (کا) پرہیز گاری ہے۔ اور اے اہل عقل! مجھ سے ڈرتے رہو۔"

تو میں نے اپنی اونٹنی بٹھادی (تا کہ وہ سوار ہو جائے)۔

تو اس نے کہا: "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ" (سورۃ النور ع۱۰ آیت:۳۰)

ترجمہ: "مؤمنین کو کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ (رکھنے والی چیز) ہے بے شک اللہ خبر رکھنے والا ہے جو بھی وہ کرتے ہیں۔"

تو میں نے اپنی نگاہیں پست کر لیں اور اس کو کہا سوار ہو جاؤ لیکن جب وہ سوار ہونے

لگی تو اونٹنی بدک گئی اور اس کے کپڑے پھٹ گئے۔

تو کہنے لگی "وَمَآ اَصٰا بَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ،

(سورۃ الشوریٰ ع۵ آیت:۳۰)

ترجمہ: "اور جو بھی تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اللہ (تو بہت سی لغزشیں)، معاف کر دیتا ہے۔"

میں نے کہا صبر کرو میں اس کی ٹانگیں باندھ دوں؟

تو اس نے کہا: "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ" (سورۃ الانبیاء ع۶ آیت:۷۹)

ترجمہ: "تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریقہ) حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکم نبوت) اور علم بخشا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داود علیہ السلام کا تابع کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو بھی (تابع) کر دیا تھا اور ہم ہی (ایسا کرنے والے تھے۔"

تو پھر میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اور اس کو کہا سوار ہو جائیں۔ جب وہ سوار ہو گئی تو اس نے کہا: "لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ. وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" (سورۃ الزخرف ع۷ آیت:۱۳،۱۴) (یہ سوار ہونے کی دعا ہے)

ترجمہ: "تا کہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرماں کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں تو پھر میں نے اونٹنی کی مہار تھامی اور تیز چلنے لگا اور تیز آواز جدی گا تا جا رہا تھا (اونٹ کو تیز چلانے کا کلام)۔"

تو اس نے کہا: "واقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّكَ
اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ." (سورۃ لقمان ع ۱۱ آیت:۱۹)

ترجمہ: "اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہ اور (بولتے وقت) آواز پست رکھ کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔"

تو پھر میں لگام تھامے آہستہ آہستہ چلنے لگا اور اشعار میں گنگناتا رہا۔

تو پھر اس نے کہا: "اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وطَآئِفَةٌ مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ واللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ والنَّهارَ عَلِمَ انْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ واٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً. وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّاَعْظَمَ اَجْراً وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

(سورۃ المزمل ع ۱۴ آیت:۲۰)

ترجمہ: "تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات کا قیام کرتے ہو اور خدا تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی پس جتنا آسانی سے ہوسکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو اور اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک (اور خاص نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کا خدا کے ہاں بہتر اور اچھا صلہ پاؤ گے اور خدا سے بخشش

مانگتے رہو بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

(بڑھیا کی مراد تھی قرآن پڑھنا اشعار سے زیادہ بہتر ہے) پھر میں نے کہا بے شک آپ کو خیر کثیر (بہت بھلائی) دی گئی ہے۔

تو اس نے کہا: "یُؤتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیراً کَثِیراً وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ" (سورۃ البقرۃ ع ۵ آیت: ۲۶۹)

ترجمہ...... "(اللہ) وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔"

پھر جب میں نے اس کے ساتھ تھوڑا سا سفر کر لیا تو پوچھا کیا آپ کا شوہر ہے تو اس نے کہا: "یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِینَ یُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَلَکُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ"

(سورۃ مائدہ ع ۱۴ آیت: ۱۰۱)

ترجمہ: "مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال مت کرو کہ اگر (ان کی حقیقت) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) خدا نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرما دیا ہے اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔"

پھر میں خاموش ہو گیا اور چلتا رہا یہاں تک کہ اس کے قافلے تک اس کو پہنچا دیا پھر میں نے کہا اس قافلے میں تیرا کون ہے؟

اس نے کہا: "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَاباً وَّخَیْرٌ اَمَلاً" (سورۃ کہف ع ۱۸۰ آیت: ۴۶)

ترجمہ: "مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق) اور زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت

بہتر ہے تو میں نے جان لیا کہ قافلے میں اس کے لڑکے ہیں۔"

پھر میں نے پوچھا ان کی علامتیں کیا ہیں؟

تو اس نے کہا: "وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ." (سورۃ نحل: آیت ۱۶)

ترجمہ: "اور (راتوں میں) نشانات بنادیئے گئے اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں پھر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ قافلے کو راستہ بتانے والے آگے آگے چلنے والے ہیں پھر میں آگے کی طرف پہنچا اور شروع کے خیموں میں پوچھا کہ ان میں سے تیرا کون ہے۔"

اس نے جواب دیا: "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا يٰا يَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ"

ترجمہ: "اور ابراہیم اللہ نے اپنا دوست بنالیا اور موسیٰ سے اللہ نے باتیں کیں، اے یحییٰ کتاب کو مضبوط سے تھام (حفظ کر) تو میں (سمجھ گیا اس کے لڑکوں کے یہ نام ہیں) اور آواز دی اے ابراہیم! اے موسیٰ! اے یحییٰ۔"

تو اندر سے خوبصورت جوان نکلے گویا کہ چاند متوجہ ہو گئے ہیں جب ان کے ساتھ بیٹھا تو بڑھیا نے کہا: "وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا." (سورۃ کہف: ۱۹)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے رفاقت کریں ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (یہاں) کتنے عرصے رہے؟ انہوں نے کہا جتنی مدت تم رہے ہو تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے تو اپنے میں سے کسی کو روپیہ دے کر شہر بھیجو دیکھے کہ نفیس کھانا کونسا ہے تو اس میں سے کھانا لے آنا اور آہستہ آہستہ آیا جائے اور تمہارا حال کسی کو

نہ بتائے۔"

اور پھر ان لڑکوں میں سے ایک اٹھا اور کھانا خرید کر لایا پھر انہوں نے کھانا میرے آگے رکھ دیا تو بڑھیا نے کہا: "كُلُوْا وَاشْرَبُوا هَنِيئاً بِمَا اسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ"

(سورة حاقہ: آیت ۲۴)

ترجمہ...... "کھاؤ اور پیو خوشی سے بسبب اس کے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیا۔"

پھر میں نے کہا، مجھ پر تمہارا کھانا حرام ہے یہاں تک کہ تم مجھے اس (بڑھیا) کی خبر دو تو انہوں نے کہا کہ یہ ہماری ماں ہے چالیس سال سے۔ قرآن کے علاوہ اور کچھ نہیں بولتی اس خوف سے کہ کہیں لغزش (زبان) ہو جائے اور اس پر رحمٰن کی ناراضگی اتر پڑے اور اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ (اس کے لئے کیا مشکل ہے)

پھر میں نے کہا:

"ذالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤتِيهِ مَنْ يَّشَاء واللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔" (سورہ جمعہ: ۱۴)

ترجمہ: "یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

(بحوالہ اسلاف کی یادیں)

حاصل...... بیشک قرآن سے محبت کرنا ایک عظیم اور اعلیٰ کام ہے، زہے نصیب جسے قرآن کی حقیقی محبت نصیب ہو جائے، یقیناً اس واقعہ میں ہمارے لئے بہت سے سبق مضمر ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۳۴

مرد مومن کی ثابت قدمی اور ایثار

بیان کیا جاتا ہے کہ روم کے ایک جنگجو بہادر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو قید کر لیا اور شاہ روم سے بیان کیا کہ مسلمانوں میں ایک شخص نہایت قوی اور مہیب قسم کا انسان ہے جس کو دیکھ کر بھی خوف معلوم ہوتا ہے یہ سن کر بادشاہ روم نے اس شخص کو دیکھنے کے لئے طلب کیا اس زمانہ کے دستور کے مطابق شاہ روم کے سامنے ایک زنجیر لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے باہر آنے والے کو بادشاہ کے سامنے جھک کر آنا پڑتا تھا جب اس مرد مومن نے زنجیر دیکھی اور معلوم ہوا کہ اس کے نیچے سے جھک کر آگے جانا ہوگا تو اس نے بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا تب شاہ روم نے اس زنجیر کو اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ شخص اس کے پاس آسکے جس کو دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا منظور تھا چنانچہ جب وہ شخص بادشاہ کے پاس گیا تو بادشاہ نے اس شخص سے کہا کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ تاکہ میں اپنی انگوٹھی تم کو پہنا کر روم کی سلطنت عطا کر دوں یہ سن کر اس مرد مومن نے دریافت کیا کہ دنیا کا آخر کتنا حصہ تیرے قبضہ میں ہے؟ بادشاہ کہنے لگا کہ دنیا کا تقریباً تہائی یا چوتھائی حصہ میرے قبضہ میں ہے اس مرد مومن نے جواب دیا کہ اگر پوری دنیا تیرے قبضہ میں زر و جواہرات سے پر ہوتی اور تو ایک دن کی اذان کے عوض مجھے دیتا تو میں اس کو بھی قبول نہ کرتا چہ جائیکہ تو اپنی سلطنت کے عوض میرا ایمان خریدنا چاہتا ہے شاہ روم نے یہ سن کر دریافت کیا کہ اذان کیا چیز ہے؟ مرد مومن نے جواب دیا کہ سن! **اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمداً رسول الله !** اذان ہی کا ایک کلمہ ہے یہ سن کر شاہ روم سمجھ گیا کہ اس کے دل میں حضرت محمد (ﷺ) کی محبت سما چکی ہے اب اس طرح کام نہیں چلے گا یہ سوچ کر اس نے حکم دیا کہ اچھا ایک دیگ میں پانی کھولا کر اس شخص کو اس میں ڈال دیا جائے تاکہ کھولتے پانی میں پڑ کر اس کا کام تمام ہو جائے یا خوف کھا کر اپنے دین سے پھر جائے چنانچہ حکم شاہی کی تعمیل

کی گئی جب اس مرد مومن کو دیگ میں ڈالا گیا تو وہ بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوا اور حکم الٰہی کی برکت سے دوسری جانب سے باہر آ گیا یہ دیکھ کر لوگوں کو اور بھی تعجب ہوا اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک اندھیری کوٹھری میں اس کو بند کر دیا جائے اور چالیس دن تک سوائے خنزیر اور شراب کے اور کوئی چیز اس کوٹھری میں نہ ڈالی جائے چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور جب چالیس روز کے بعد کوٹھری کھولی گئی تو لوگوں نے دیکھا جو کچھ اس میں ڈالا گیا تھا اس میں سے مرد مومن نے کچھ بھی نہیں کھایا دریافت کیا گیا آخر تو نے اس میں سے کیوں نہیں کھایا؟ حالانکہ شریعت محمدی میں ایسی ضرورت کے وقت اس کا استعمال جائز ہے! مرد مومن نے جواب دیا کہ اگر میں اس میں سے کچھ کھا لیتا تو تم کو خوشی ہوتی میرا مقصد تو تم کو غصہ دلانا ہے پھر بادشاہ اس سے کہنے لگا کہ اچھا! اگر تو مجھے سجدہ کر لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا یہ سن کر مرد مومن نے جواب دیا کہ حضرت محمد ﷺ کے دین میں خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اس کے بعد شاہ روم نے کہا کہ اچھا میرا ہاتھ چومتا کہ میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو رہا کر دوں مرد مومن نے جواب دیا کہ ہاتھ کا بوسہ دینا صرف باپ، سلطان عادل اور استاد کے لئے جائز ہے دوسرے کے لئے نہیں پھر شاہ روم نے کہا کہ اچھا میری پیشانی کو بوسہ دو تو اس پر مرد مومن نے جواب دیا کہ ہاں یہ ایک شرط کے ساتھ ممکن ہے بادشاہ نے کہا جس طرح تم کو منظور ہو پس مرد مومن نے اپنی آستین اس کی پیشانی پر رکھی اور اس کو چوم لیا اس نیت سے کہ میں اپنی آستین کو بوسہ دے رہا ہوں اس کے بعد بادشاہ نے اس مرد مومن کو مع اس کے ساتھیوں کے بہت کچھ مال و زر دے کر رہا کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اگر یہ شخص ہمارے شہر میں ہمارے دین پر ہوتا تو ہم اس کی پرستش کیا کرتے۔ چنانچہ جب وہ شخص مرد مومن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے حکم دیا کہ

مال سب کا سب اپنے ہی لئے مخصوص نہ کرلو بلکہ اس میں سے رسول اللہ ﷺ کے شہر کے لوگوں کو بھی شامل کرلو یہ سن کر مرد مومن نے اس کی تعمیل کی اور جو عطیہ یا نذرانہ اس کو ملا تھا اس میں سب لوگوں کو شریک کرلیا۔

حاصل...... سچ ہے جو شخص ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کی مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ زندگی کے ہر موڑ پر صرف اور صرف اللہ ہی پر نظر رکھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۳۵

ایمان کی کشش

مکہ میں پیارے رسول ﷺ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دس سال گزر چکے تھے۔ مکہ کے گلی کوچوں میں ہر طرف اسلام کے چرچے تھے۔ بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں کچھ بچے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ پیارے نبی ﷺ کی زبان مبارک میں یہ اثر تھا۔ کہ جو بھی آپ کی زبان سے حق کی آواز سنتا، آپ کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا اور آپ ﷺ پر جان چھڑکنے لگتا۔ یہ حالت دیکھ کر مکہ کے کافر بہت جھنجھلاتے۔ رسول اللہ ﷺ کو جادوگر کہتے اور لوگوں کو روکتے اور ان پر زور ڈالتے کہ ان کی باتیں نہ سنو۔

انہی دنوں یمن کے ایک مشہور شاعر طفیل مکے میں آئے یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور یمن کے لوگ ان کو بہت مانتے تھے جب یہ مکہ پہنچے تو مکہ والوں نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا اور بڑی عزت سے پیش آئے۔ مگر مکہ والوں کو یہ فکر ہوگئی کہ اگر کہیں طفیل نے محمد ﷺ کا کلام سن لیا تو یہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ کلام ہے ہی ایسا کہ سننے

والا بغیر اثر لئے رہ ہی نہیں سکتا۔ اور پھر طفیل تو خود ایک شاعر ہیں کلام کی اچھائی کو پرکھنے والے ہیں۔ محمد کا اونچا پُر اثر کلام اور پھر ان کے سیرت واخلاق کی کشش طفیل نے اگر ان کو دیکھا تو مسلمان ہو ہی جائیں گے۔ اور اگر یہ مسلمان ہو گئے تو ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔

مکہ والوں کے لئے طفیل کا یہاں آنا ایک بڑا حادثہ بن گیا، طفیل نے ان کو بڑی فکر میں ڈال دیا۔ سب سمجھ دار لوگ مل جل کر بیٹھے۔ آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے ہو گیا کہ جیسے بھی ہو طفیل کو محمدؐ سے ملنے نہ دیا جائے۔ کچھ لوگ طفیل کے پاس پہنچے اور اور بڑی رازداری اور خیر خواہی کے انداز میں طفیل سے کہا۔ آپ نے ضرور ذکر سنا ہوگا۔ ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں وہ کچھ دنوں سے اپنے آپ کو نبی کہنے لگے ہیں، بڑے زبردست جادوگر ہیں ان کی باتوں میں بلا کا اثر ہے۔ ان کی باتیں سننے والا ان کے جادو سے ہرگز نہیں بچتا، جو بھی ایک بار ان کی باتیں سن لیتا ہے بس انہی کا ہو رہتا ہے، مکے کے بہت سے بھولے بھالے ان کے جادو میں پھنس گئے ہیں اور اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گئے ہیں۔ بہت سے گھرانے ہیں جہاں انھوں نے بیٹھے بٹھائے باپ بیٹوں میاں بیویوں اور چچا بھتیجوں میں لڑائی کرا رکھی ہے اور پھر جس پر بھی ان کا جادو چل جاتا ہے وہ ایسا ہکا بکا ہو جاتا ہے۔ کہ پھر وہ کسی کی نہیں سنتا بھلا کیا مجال کہ کوئی اپنی بات سے ہٹا سکے۔ آپ کو یہ سب باتیں ہم نے اس لئے سنائیں کہ آپ ہوشیار رہیں۔

طفیل نے ان لوگوں کی یہ باتیں بڑے غور سے سنیں اور دل میں طے کر لیا کہ کچھ ہو اس شخص کی بلت ہرگز نہ سنوں گا کہیں میرے اوپر بھی اس کے جادو کا اثر ہو گیا تو کیا ہوگا۔ اور پھر تو طفیل کعبہ میں جب بھی جاتے کانوں میں خوب خوب روئی ٹھونس لیتے کہ کہیں اس شخص کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔

ایک دن کعبہ میں پیارے رسول ﷺ نماز میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اتفاق کی بات طفیل بھی پہنچ گئے خدا کا کرنا قرآن شریف کی آواز کان میں پڑ گئی۔ انھیں یہ آواز

بہت بھلی لگی۔ پہلے تو ٹھٹکے لیکن پھر سوچا کہ خود شاعر ہوں اچھی بری بات کو سمجھتا ہوں کلام کی باریکیوں اور خوبیوں سے میں واقف ہوں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ کونسی بات میرے لئے اچھی ہے اور کونسی بری سننا تو چاہیے کہ آخر یہ صاحب کس قسم کی باتیں کرتے ہیں یہ سوچ کر انھوں نے اپنے کان ادھر لگا دیئے۔

پیارے رسول ﷺ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور طفیل کا دل آہستہ آہستہ پگھل رہا تھا۔ ایک ایک آیت ان کے دل پر اثر کر رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی اور گھر جانے لگے۔ طفیل بھی پیچھے پیچھے ہو لئے رسول اللہ ﷺ جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک آواز آئی حضرت مجھے بھی اندر چلنے کی اجازت دیجئے۔

پیارے نبی ﷺ نے مڑ کر دیکھا کہ یمن کے معزز سردار طفیل آپ سے اندر چلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بڑی عزت سے انھیں گھر کے اندر لے گئے اپنے پاس بٹھایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔ طفیل نے اپنی پوری آپ بیتی سنائی۔ پیارے نبی ﷺ نے بڑی دل چسپی سے طفیل کی آپ بیتی سنی۔ پھر طفیل نے کہا حضور مجھے اپنی کچھ باتیں سنایئے۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی چند اثر بھری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

طفیل بڑے غور سے قرآن کی آیتیں سن رہے تھے اور انھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دل کی سیاہی ڈھل رہی ہے غفلت کے پردے اٹھ رہے ہیں اور حقیقت کا جمال ان کی آنکھوں کو روشن کر رہا ہے۔ جب پیارے رسول ﷺ تلاوت فرما چکے تو طفیل نے کہنا شروع کیا، اس خدا کی قسم جس نے مجھے پیدا کیا میں نے عرب کا ایک سے ایک اچھا کلام سنا ہے مگر آج تک ایسا اونچا موثر اور پاکیزہ کلام کبھی نہیں سنا۔ یہ کلام تو سراسر ہدایت ہے، سراسر نور ہے، سراسر انصاف ہے اس سے منہ موڑنا ہدایت سے منہ موڑنا ہے۔ خدا کی قسم یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا کا کلام ہے طفیل کہے جا رہے تھے اور رسول ﷺ کا دل ان کی ہدایت پر باغ باغ ہو رہا تھا۔ پھر آپ نے طفیل کو اسلام کا کلمہ

پڑھایا اور ایمان کے نور سے ان کے سینے کو جگمگا دیا۔

یمن کا یہ معزز مہمان اب ایمان کی عزت بھی پا چکا تھا مکہ میں داخلے کے وقت صرف دنیا کی عزت حاصل تھی اب اسے دین کی عزت بھی حاصل ہوگئی۔

جب طفیل نے یمن کو واپسی کا ارادہ کیا تو پیارے رسول ﷺ سے عرض کیا حضور میرا سینہ تو نور ایمان سے جگمگا اٹھا لیکن میرا قبیلہ اور گھر کے لوگ تو کفر کے اندھیرے میں پھنسے ہوئے ہیں یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی ایمان کی دولت بخشے۔ پیارے رسول ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے، اے اللہ تو طفیل کو اسلام کا نشان بنادے کہ اس سے لوگ اسلام کی راہ پائیں۔

طفیل ایمان کی تڑپ لئے گھر پہنچے بوڑھے والد سے ملاقات ہوئی طفیل بولے ابا میں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں آ گیا ہوں ابا اب میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں میں مکہ کے سچے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اب میرا رشتہ صرف اسی شخص سے ہے جو اس رسول کا کلمہ پڑھے اور اسلام کو اپنا دین مانے۔ طفیل کی یہ دل سے نکلی ہوئی باتیں سن کر والد سوچ میں پڑ گئے۔ اچھا ایمان میں یہ قوت ہے کہ اس سے باپ بیٹے کا رشتہ بھی ختم ہو سکتا ہے کیا ایمان کا رشتہ باپ بیٹے کے رشتے سے بھی زیادہ ہے طفیل کے باپ عمر ودوسی نے سوچا اور اپنے بیٹے سے کہا طفیل لاؤ ہمیں بھی سناؤ اس رسول کی باتیں، طفیل نے سمجھا کر باپ کو اسلام کا پیغام سنایا۔ حق کی کشش نے کام کیا اور بوڑھے باپ نے بیٹے سے کہا۔ طفیل بیٹے تم میرے بیٹے ہو اور میں تمہارا باپ ہوں میں بھی اسی نبی پر ایمان لاتا ہوں جس پر تم ایمان لائے ہو۔ طفیل کی آنکھیں خوشی سے بہہ پڑیں اور بولے ابا جان چلئے غسل فرمالیجئے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر اللہ کے پیارے بن جائیے۔

عمر ودوسی نے غسل کیا کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔ باپ کے بعد محبت کرنے والی بیوی سے ملاقات ہوئی۔ بیوی کو دیکھ کر طفیل کی آنکھوں میں محبت کے آنسو آگئے مگر وہ فوراً ہی سنبھلے اور بیوی سے کہا۔

پیاری بیوی اب ہمارا تمہارا کیا رشتہ میں تو مکہ والے نبی پر ایمان لاچکا ہوں اور تم ایمان کی روشنی سے محروم ہو میں اسلام کی روشنی میں چل رہا ہوں اور تم کفر کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہو، ایمان اور کفر کا کیا ساتھ میرا رشتہ تو صرف ان لوگوں سے ہے جو اس خدا کی بندگی کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس رسول پر ایمان لائیں، جسے خدا نے ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ طفیل کی اثر بھری تقریر سن کر بیوی کے دل کے دوازے بھی کھل گئے۔ حق کی کشش نے اسے بھی کھینچ لیا اور وہ کہنے لگی۔

پیارے شوہر آپ میرے شوہر ہی ہیں اور میں رہتی زندگی تک آپ کی رفاقت ہی میں رہوں گی۔ میں بھی اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو ساری کائنات کا خالق ہے اور ایمان لاتی ہوں اس رسول پر جس پر آپ ایمان لائے ہیں، طفیل کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا ان کا چہرہ حق کی فتح پر چمک رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کتنی کشش ہے ایمان میں؟۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ)

واقعہ نمبر......۳۶

نیک لوگوں کی صحبت کا فائدہ

حضرت امام رازیؒ بہت بڑے مفسر، محدث، محقق، اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر تھے، جب یہ ظاہری علوم حاصل کر کے فارغ ہوئے تو اپنے نفس کی اصلاح اور تربیت کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش میں نکلے اور دور دراز کا سفر کیا، لیکن ان کو کسی بزرگ سے مناسبت معلوم نہیں ہوئی، آخر کار تلاش کرتے کرتے ایک بزرگ کے پاس پہنچے تو ان سے کچھ مناسبت محسوس ہوئی، اور ان سے جا کر درخواست کی کہ آپ مجھے بیعت فرما لیجئے، میں آپ کی خدمت میں رہ کر اپنے باطن کی تربیت کرنا چاہتا ہوں پہلے تو ان بزرگ نے انکار کیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو ان بزرگ نے ان کو ایک وقت بتا دیا کہ فلاں وقت خانقاہ میں آجانا میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔

چنانچہ وہ وقت بھی آ گیا کہ حضرت امام رازیؒ خانقاہ میں بیعت ہو گئے اور وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ امام رازیؒ کے زمانے میں دہریوں کا بڑا زور تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرنے والے کو دہریہ کہا کرتے تھے اور یہ منکرین خدا یہ چاہتے تھے کہ عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت نہ کیا جائے امام رازیؒ کے پاس اللہ تعالیٰ کے وجود کو عقل سے ثابت کرنے کے سو دلائل موجود تھے جب کسی دھریہ سے مناظرہ فرماتے تو دس پندرہ دلائل کے ذریعے ہی وہ دھریے گھائل ہو جاتے تھے یعنی کہ ان کو شکست دیدیا کرتے تھے۔

اتفاق سے امام رازیؒ کے پیر کی زندگی ہی میں امام رازیؒ کا انتقال کا وقت قریب آ گیا، انتقال کے وقت شیطان امام رازیؒ کے سرہانے آ کر بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے آمین، شیطان نے آ کر امام رازیؒ سے کہا کہ بتاؤ کہ اللہ کا وجود ہے یا نہیں؟ امام رازیؒ نے فرمایا کہ کیوں نہیں؟ وجود تو ہے ہی، شیطان نے کہا کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ امام رازیؒ نے ایک عقلی دلیل پیش کی شیطان نے اس دلیل کو توڑ دیا، امام رازیؒ نے دوسری دلیل دی شیطان نے اس کو بھی توڑ دیا، اس طرح دس دلیلیں دیں شیطان نے سب کو توڑ دیا، اب امام رازیؒ دلائل پر دلائل دیتے جارہے ہیں اور شیطان سب کو توڑتا جارہا تھا جب ستر دلیلیں پیش کیں اور شیطان نے ان سب کو توڑا تو اب امام رازیؒ کو بڑی فکر اور تشویش ہوئی کہ یہ کون شخص ہے جو میری ہر دلیل کو توڑتا جارہا ہے، اور میری ہر دلیل کا ایسا جواب دے رہا ہے کہ لاجواب کرتا جارہا ہے اگر خدانخواستہ اسی رفتار سے جواب دیتا رہا تو ذرا سی دیر میں میرے دلائل ختم ہو جائیں گے اور جب دلائل ختم ہو گئے تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ کے وجود میں عقلاً نعوذ باللہ مجھے بھی شبہ ہوگا اور یہ میرا آخری وقت ہے اگر اس آخری وقت میں اللہ کے وجود میں شبہ ہو گیا تو میرا خاتمہ ہی خراب ہوگا چنانچہ امام رازیؒ یہ

سوچ کر اور پریشان ہو گئے۔

یہاں تک کہ آپ نے ننانوے دلیلیں دیدیں اور شیطان نے ننانوے دلیلیں توڑ ڈالیں، اور امام رازیؒ پسینہ پسینہ ہو گئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے، اب دیکھئے چونکہ کچھ عرصہ تک ان کا ایک بزرگ سے تعلق تھا اسی وجہ سے وہ تعلق کام آیا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ پر امام رازیؒ کی اس گھبراہٹ اور پریشانی کی کیفیت کو منکشف فرمایا اس وقت وہ شیخ وضو فرما رہے تھے، ان کے ہاتھ میں پانی کا لوٹا تھا اسی حالت میں وہ لوٹا انہوں نے زمین پر مارا اور کہا:

اے رازیؒ یوں کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی دلیل عقلی کے مانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ کے یہ الفاظ امام رازیؒ کے کان میں پہنچا دیئے، جب ان بزرگ کی آواز امام رازیؒ کے کان میں آئی کہ اے رازیؒ یوں کیوں نہیں کہتا کہ میں اللہ کو بغیر کسی دلیل عقلی کے مانتا ہوں امام رازیؒ نے فوراً یہ الفاظ اپنی زبان سے کہہ دیئے بس یہ کہنا تھا کہ شیطان فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگ گیا اس لئے کہ اس دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا جس کو وہ توڑتا، اس دلیل کو کوئی توڑ ہی نہیں سکتا کہ میں بلا دلیل اللہ کو مانتا ہوں، آخرت کو مانتا ہوں، جنت اور دوزخ کو مانتا ہوں، بس یہ الفاظ کہے اور اس کے بعد امام رازیؒ کا انتقال ہو گیا اور نیک تعلق کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ (بحوالہ اصلاحی بیانات جلد ۲، ص: ۸۲)

حاصل...... چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اللہ سے پناہ مانگیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں کسی نہ کسی اللہ والے کا دامن تھامنا چاہئے تاکہ اس کی خدمت اور صحبت میں رہ کر انسان اپنے اعمال کی بھی اصلاح کر سکے اپنے اخلاق کی بھی اصلاح کر سکے اور اپنے ایمان کی بھی حفاظت کر سکے، اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی خدمت، اللہ کے راستے میں آنے والوں کی

خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اللہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے (آمین ثم آمین)۔

واقعہ نمبر......۳۷

ایک نومسلم عورت کے قبول اسلام کا عبرت انگیز واقعہ

ایک نومسلم کے قبول اسلام کا سبق آموز واقعہ انہی کی زبانی پیش ہے ملاحظہ فرمایئے۔

میں ۱۹۴۹ء میں آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین دہریے تھے اور اعلانیہ خدا کا انکار کرتے تھے، اس لئے میری پرورش اسی ماحول میں ہوئی۔ میری ایک چھوٹی بہن تھی اور والدین کی پوری کوشش تھی کہ ہم دونوں بہنیں کسی مذہب کی کھکھیڑ میں پڑے بغیر زندگی گزارتی رہیں، لیکن اس کے برعکس ہوا یوں کہ میں ابھی سیکنڈری اسکول کی طالبہ تھی کہ مذہب میں میری دلچسپی بڑھنے لگی اور خدا کے تصور کے بغیر میں ایک قسم کی الجھن اور بے اطمینانی محسوس کرنے لگی اور میرے دل سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ کوئی ایسی اعلیٰ و برتر ہستی ضرور ہونی چاہئے جو انسانی معیارات سے ماورا منفرد و یکتا ہو۔ جو ہماری حفاظت کرے اور ہمیں قوت فراہم کرے۔ لیکن حالات اور ماحول کے پس منظر میں میرے دل کی یہ آواز دب کر رہ جاتی۔ تاہم جب بھی میں گردوپیش کا جائزہ لیتی مجھے اپنے والدین کے علاوہ اس معاشرے کا ہر شخص اداسی اور تنہائی کی دھند میں لپٹا ہوا نظر آتا۔ سچی مسرت شاید ہی کہیں نظر آتی تھی۔

چودہ سال کی عمر میں، میں نے ایک ادارے میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی اور فارغ اوقات میں ایک کمرشل ویکشنل اسکول میں داخلہ بھی

لیا۔عمر کے اس حصے میں، میں بھی سب لوگوں کی طرح آرام وراحت اور تفریح ہی کو مقصد حیات سمجھتی تھی اور انہیں مشاغل میں مبتلا ہوگئی جو ہمارے معاشرے کا طرہ امتیاز تھا۔دراصل عیسائی مذہب اپنی قدروں کے اعتبار سے غیر معمولی اور انحطاط میں مبتلا تھا اور مادیت کے مظاہر ہر چہار طرف اس بری طرح چھا گئے تھے کہ کوئی فرد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا تھا۔لیکن میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گی کہ اس سب کچھ کے باوجود میں نے ذہن کے دریچے کھلے رکھے اور عیسائیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن افسوس کہ یہ مذہب میرے شعور ووجدان کو مطمئن کرنے میں قطعی ناکام رہا۔چونکہ میں نے دہریت وانکار کے ماحول میں پرورش پائی تھی، اس لئے میں ٹھوس عقلی ثبوت چاہتی تھی۔ مجھے پادریوں اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی غیر مستند اور من گھڑت روایات مطمئن نہیں کررہی تھیں۔

۱۹۶۷ء میں میری عمر اٹھارہ سال تھی جب مشرق وسطیٰ میں جنگ چھڑ گئی اور یہی وقت کا سب سے بڑا موضوع بن گیا۔قدرتی طور پر میرا ذہن بھی اس سے متاثر ہوا اور بے اختیاری جی چاہا کہ عربوں کی تہذیب اور کلچر کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور دیکھا جائے کہ ان کے مسائل کیا ہیں؟ یہودیوں سے ان کے اختلافات کی بنیاد کیا ہے اور ان کے طرز حیات کی کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں؟ چنانچہ میں نے مختلف کتب خانوں سے رابطہ قائم کیا۔پہلے عربوں کے بارے میں مطالعہ کیا اور پھر اس حوالے سے اسلام سے متعارف ہوئی۔لیکن یہ افسوس ناک امر ہے کہ میں جتنی بھی تاریخی کتابوں، ناولوں اور رپورٹوں کا مطالعہ کیا ان سب میں اسلام اور عربوں کے خلاف مصنفین کا تعصب اور عناد چھلک چھلک پڑتا تھا اور میں حیران تھی کہ غیر جانبداری، اعتدال اور انصاف کے علمبرداروں کو کیا ہوگیا ہے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور میں وی آنا میں ایک مسلم کلچرل سوسائٹی

سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور یہاں میں نے اسلام کے بارے میں خود مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کیا اور مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اسلام تو محبت اور مساوات کا مذہب ہے اس پر مردم کشی یا دہشت گردی کا الزام اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا اس کا کسی خاص قوم یا نسل سے کوئی علاقہ نہیں۔ بلکہ سراسر بین الاقوامیت کا حامل ہے۔

مجھے اسلام کے اس پہلو نے بالخصوص بہت متاثر کیا کہ اس مذہب میں رنگ ونسل اور علاقے کی کوئی تفریق نہیں اور اللہ کی نظروں میں وہی شخص عزت کا حامل ہے جو اس کی الوہیت اور حاکمیت کا زیادہ شعور رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اخوت، باہمی رواداری، محبت، اپنائیت اور ایثار واخلاص کی جن اعلیٰ قدروں کا امین ہے، عیسائی معاشروں میں وہ ناپید ہے۔ یہاں تو ایک ہی مذہب کے پیروکار گورے اور کالے ایک گرجے میں مل کر عبادت بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ایک ہی رنگ اور نسل کے امیر عیسائی اور غریب عیسائی ایک ہی گرجے کے الگ الگ درجوں میں عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ اس طرح کی بہت سی خوبیاں تھیں جن سے متاثر ہوکر میں نے بیس سال کی عمر میں یعنی ۱۹۶۹ء میں اس وقت اسلام قبول کرلیا جب وسیع اور ٹھوس مطالعے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا کہ اب میں ایک با مقصد اور مفید زندگی گزار سکتی ہوں اور یہ کہ اسلام بیک وقت انسان کو روحانی طور پر بھی آسودگی بخشتا ہے اور ایک حسین امتزاج کے ساتھ اس کے مادی مسائل میں بھی صحت مندر رہنمائی عطا کرتا ہے۔ تہذیبی سطح پر اسلام انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور اپنے پیروکاروں میں انصاف اور صداقت کی بنیاد پر اخلاص اور خدمت کا وہ جذبہ پیدا کرتا ہے جو خود ان کے لئے بھی عزت وسربلندی کا باعث بنتا ہے اور عام انسانوں کے لئے بھی امن اور رحمت کا سبب بن جاتا ہے۔ میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا

چاہتی ہوں کہ اسلام نے میری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ میں مایوسی، بے سکونی اور احساس تنہائی کی اس غیر معمولی کیفیت سے دوچار تھی جس سے یورپ کا شاید ہی کوئی فرد محفوظ نظر آتا ہو۔

اسلام نے مجھے اس صورت حال سے نجات دلادی اور اسلام کے حصار میں آکر میں پہلی بار سچی مسرت اور لازوال سکون سے آشنا ہوئی۔ یوں لگا جیسے صدیوں کی پیاسی روح ٹھنڈے میٹھے چشمے پر پہنچ گئی ہو۔ اس احساس نے مجھے اسلام کا شیدائی بنادیا اور میں مسلسل اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی اور یہ بھی خالص اللہ کی عنایت ہے کہ میری شادی افغانستان کے ایک طالب علم سے ہوگئی جو وی آنا میں زیر تعلیم تھا۔ میرے خاوند نے تعلیم مکمل کرلی تو ہم افغانستان آگئے۔ اس وقت میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی اور بحمد للہ اس وقت سے لے کر آج تک میں مسلمان کی حیثیت سے شرح صدر اور کامل اطمینان کے ساتھ اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں اور مطمئن ہوں۔

تاہم میں یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، مسلم اکثریت کے ملکوں میں مقیم ہوں، یا غیر مسلموں کے درمیان زندگی گزار رہے ہوں، ہمیں مسلمان کی حیثیت سے اپنے اعمال و کردار کا تنقیدی جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا محاسبہ کرکے انہیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس حوالے سے میرا تجزیہ یہ ہے کہ عام مسلم معاشروں میں، خواہ وہ یورپین فکر و تہذیب سے متاثر بھی ہوں، اسلام کا محض ایک رسمی اور سرسری سا تصور کارفرما نظر آتا ہے صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو شعوری طور پر سمجھا ہے نہ اس پر عمل کرنے میں وہ سنجیدہ ہیں اور جو کچھ ہے وہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ اسلام ان کے قلب و ذہن میں گہرائی تک نہیں اترا۔ (بحوالہ ہفت روزہ ندائے ملت لاہور)

حاصل...... بیشک اس واقعہ میں نومسلم خاتون کے آخری جملے یادر کھے جانے اورغور کرنے کے قابل ہیں، چنانچہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے ایمان کوایسا مضبوط بنائے کہ غیر مسلم اس کی زندگی کو دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کواس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۳۸

ماں کی ممتا کا عجیب قصہ

کسی بستی میں ایک عورت بڑی صالح اور پاکباز عبادت گزار، ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتی تھی۔ اللہ پاک نے دنیا کی نعمتوں کے ساتھ دین کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔ اللہ کی قدرت کہ اس کا نیک خداترس شوہر وفات پا گیا۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ اس نیک دل عورت نے اس لڑکے کی بڑی اچھی طرح پرورش کی ،نازونعمتوں سے پالا، تعلیم بھی اچھی دلائی، لڑکے نے جب دنیا کے میدان میں قدم رکھا تو ہر طرف اس کے حسن سلوک کے چرچے ہونے لگے، شریف لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے، بیوہ عورتیں اس کو دعائیں دیتیں، یتیم بچے اس کے قدموں میں آنکھیں بچھاتے، یہ سب اس وجہ سے کہ وہ ہر ایک سے حسب مراتب پیش آتا۔ وہ غریبوں سے ہمدردی کرتا، خیرات، صدقات دیتا، غرض اس کی بستی میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اس سے خوش نہ تھا۔

اس کی بستی والے ایسے نیک لوگ تھے کہ ہر گھر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آتی تھی۔ مساجد میں درس قرآن اور اللہ کے ذکر کی مجلس ہوتی تھیں، غرض اس بستی کا ہر گھر جنت کا نمونہ تھا۔ ہر فرد دوسرے کا غمخوار، ایثار اور شرافت کا پتلا تھا، یہ لڑکا دیہات سے باہر شہر میں آنے جانے لگا، کچھ عریانی اور بے حیائی کا مظاہرہ کرنے والی

عورتوں پر اس کی نظریں پڑنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس کی دوستی نیکوں سے ہٹ کر بدوں سے بڑھنے لگی۔ پھر وہ راستہ سے بھٹک گیا، بدکردار دوستوں کے مشورے سے اس نے والدہ کے کھیت، دیہات کی پرسکون زندگی کو خیر باد کہہ کر شہر کی فضا میں اپنا ڈیرہ ڈال لیا۔ اس کے ڈیرے میں اب ہر قسم کے اوباش دوست اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان بدکردار دوستوں نے اسے راہ حق سے ہٹا دیا۔ ماں مصلے پر بیٹھی ہروقت اس کیلئے دعائیں کرتی۔ کبھی کبھی ماں سے ملنے شہر سے گاؤں چلا جاتا۔ آہستہ آہستہ وہ وقت آیا کہ مہینوں میں ایک چکر لگاتا۔

اسی اثنا میں اس کے بدکردار دوستوں کے ذریعے اس کی شناسائی ایک بدکار عورت سے ہوگئی۔ اور وہ اس کا اس قدر اسیر اور فریفتہ ہوا کہ اپنے باپ کی جائیداد فروخت کر کے اس پر لٹاتا رہا۔ آخر وہ وقت آیا کہ وہ عورت جس نے اپنے نیک دل شوہر کی زندگی میں کبھی کوئی دکھ نہیں دیکھا تھا۔ اب دوسروں کے گھر مزدوری کرنے لگی۔ بیٹا جب کبھی گاؤں آتا تو ماں مزدوری کے پیسوں سے بیٹے کو گھی لے کر دیتی، کوئی چیز بنا دیتی اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتی، کافی عرصہ گزر گیا، لڑکا ماں کو ملنے نہ آیا ماں بیٹے کی جدائی میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی۔

جب بھی کوئی غیر اس کے دروازے کو کھٹکھٹاتا وہ دوڑ کر دروازہ پر جاتی، بے ساختہ کہتی میرے بیٹے تم آگئے۔ بیٹے تم نے اتنی دیر کیوں لگائی۔ جب معلوم ہوتا کہ گلی کے کسی بچے نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا تو دل پر ہاتھ رکھ کر پھر مصلے پر آبیٹھتی اور رونا شروع کر دیتی۔ روتے روتے اس نیک دل کی بینائی بھی جواب دے گئی۔ اور پھر جب اس لڑکے کے پاس کچھ نہ رہا تو اس عورت نے اپنے یاروں سے مشورہ کیا کہ اب اس سے جان چھڑائی جائے۔ مشورہ یہ طے ہوا کہ اس سے یہ فرمائش کی جائے کہ میری محبت جب ہی آپ سے رہے گی کہ اپنی ماں کا دل نکال کر لاؤ۔ اس طرح وہ

فرمائش پوری نہیں کرے گا تو خود ہی جان چھوٹ جائے گی۔اس بدکار عورت نے یہی فرمائش کی۔ وہ انسان جوایک وقت میں فرشتہ تھا، آج خواہش نفس کی خاطر شیطان سے بھی بدتر ہو گیا۔ اوراس فرمائش کو بھی پورا کرنے پر تیار ہو گیا۔ خنجر لیا گاؤں کی طرف چل دیا، عرصہ دراز کے بعد جب یہ بدنصیب دروازے پر پہنچا، آواز دی، ماں فرحت وخوشی سے دروازے کی طرف بڑھی، منہ سر چوما اور سینہ سے لگایا، اس بدبخت نے خنجر نکالا ماں کے سینے پر مارا، ماں کا دل نکال کر چل دیا، آسمان پر اندھیرا چھا گیا، اللہ کا عرش ہل گیا فرشتوں نے دھائی دی، ظلم کی انتہاء ہو گئی۔ بدکاروں کا یار بدکردار جب فاحشہ عورت کے مکان پر پہنچا، ماں کا دل اسکے سامنے کیا، اس عورت نے کہا تو اپنی ماں پر ایسا ظلم کرسکتا ہے تو معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس لئے یہاں سے نکل جا۔ آنکھوں پر اندھیرا چھا گیا، گرا اور مر گیا، ماں کا دل ہاتھ سے چھٹا، دل اس فاحشہ عورت کے کمرے میں پڑی ہوئی چھری پر پڑا، ماں کا دل پھٹا، درد سے دل سے نکلی یہ صدا بیٹا کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔

ماں کی عظمت، ماں کی شفقت، ماں کی محبت، ماں کے احسانات کو نظر انداز کرکے عورتوں کے آگے جھکنے والو! اور ماں کو حقارت کی نظروں سے دیکھنے والو! تم پر اللہ کی لعنت، تم پر فرشتوں کی لعنت، تم پر پیغمبروں کی لعنت، تم پر تمام نیک انسانوں کی لعنت، توبہ کرلو، نیکی کی راہ اختیار کرلو، ماں کے قدموں پر سر رکھ لو۔ اس وقت تک سر نہ اٹھاؤ جب تک وہ راضی نہ ہو جائے چاہے تم کو موت تک سر رکھنا پڑے، رکھے رہو، نجات اسی میں ہے۔

حاصل...... یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ ماں باپ کے نافرمان اور بے ادب کی کسی بھی نیکی وانصاف کو قبول نہ فرمائے گا، لیکن اگر وہ توبہ کرے اللہ سے اور اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرے ہر وقت اس کو راضی اور خوش رکھنے کی جستجو میں رہے تو پھر

اللہ پاک معاف فرمادے گا کیونکہ اللہ پاک کی رضا ماں کی رضا میں ہے، اور اللہ پاک کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی ناراضگی سے بچائے آمین یا اللہ العالمین۔ (بحوالہ محسنہ کائنات ماں ہے)

واقعہ نمبر......۳۹

بلعم بن باعورا کا عبرتناک واقعہ

مروی ہے کہ جس کا واقعہ قرآن کریم میں بھی بیان ہوا ہے اس کا نام بلعم بن باعورا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صفی بن راہب تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا، اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی، بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے، اللہ اس کی دعا مقبول فرمالیا کرتا تھا، اسے حضرت موسیٰ نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا، اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکروفریب سے اپنا کرلیا، اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام واکرام دیا، یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جاملا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام بلعام تھا، یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے، ممکن ہے یہ کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا، اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے سے فائدہ نہ اٹھا سکا، حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا، آپ کی آیات بینات دیکھیں، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، ہزار ہا لوگوں کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا، لیکن مشرکین کے میل جول، ان میں امتیاز، ان میں

دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا، اسی نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیے کہے، لعنۃ اللہ علیہ۔

بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر، اس نے منظور کرلیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن وخوبصورتی عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو، اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہوگئی، اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہوگئی اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے، یہ بھی منظور ہوئی وہ کتیا بن گئی۔ اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں، آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لا دے، اس نے وہ تیسری دعا بھی کرلی تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہوگئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خیر رہ گیا، مشہور بات تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا، بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا، یہ محض غلط ہے، جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے، مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا اس کی قوم اور اس کی قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے آپ بددعا کیجئے، اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا وآخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہوگئی، یہ

بھی لحاظ مروت میں آ گیا، بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرادیا، سدیؒ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں، یہ آمادہ ہو گئے، بیعت کر لی، انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو بڑا عالم تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ یہ بدنصیب کافر ہو گیا، قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا تم نہ گھبراؤ جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا، اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا، بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی، شیطان اس پر غالب آ گیا اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا جو کہتا تھا کرتا تھا آخر ہلاک ہو گیا، مسند ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہو گا اور دینی ترقی پر ہو گا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا، حضرت حذیفہؓ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہو گا، یہ تہمت لگانے والا، یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے، فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔

بہر حال وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا، اسے سجدہ کر لیا، کہتے ہیں کہ اس بلعام سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے، اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں، جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں اس نے سب سے کہا کہ مجھے

بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے، انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے اس نے سب رکھ لئے، پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا، اس نے پھر اللہ تعالیٰ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا، اس کی بھی سمجھ میں آ گیا اٹھ کر بددعا شروع کی، اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کے بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح ونصرت کی دعا نکلتی ،قوم نے کہا آپ کیا غضب کر رہے ہیں، اس نے کہا کیا کروں میری زبان میرے قابو میں نہیں، سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہوگی۔

سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے، تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو انکار نہ کریں ممکن ہے بوجہ مسافرت لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے ،ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا، خود بادشاہ کی بڑی حسین وجمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے، یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے حرام کاری سے بچ نہ سکے، شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی ، اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار

کیا، اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے بلعام سے پچھوایا اس نے اجازت دی، یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دست وبازو قوی کر دیئے اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھالیا لوگوں نے بھی انہیں دیکھا، اب اس لشکر پر عذاب رب بشکل طاعون آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے، بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی، آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا، اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے سامنے دیکھ کون ہے، اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تو یہ اتر پڑا اور سجدہ میں گر گیا۔

الغرض ایمان سے خالی ہو گیا اس کا نام یا تو بلعم تھا، یا لبعم بن باعورا یا ابن ابر بار بن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہارون یا ابن مران بن آزر، یہ بلقا کا رئیس تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا، واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی، اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھالیا، اسے اللہ نے زبان دی، اس نے کہا تیرا ناس ہو جائے تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے میں اس کے رسول سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے، دیکھ تو سہی فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں، اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا آگے بڑھ گیا، حبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا، جہاں سے بنی اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا، اب ان کے لئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعا کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی، قوم نے کہا کیا کر رہا ہے، کہا بے بس ہوں، اسی وقت اس کی زبان

نکل پڑی، سینے پر لٹکنے لگی اس نے کہا لو میری دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا، ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کستی تھا جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شہوم کے پاس سے گزری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے، آپ نے کہا بیشک، اس نے کہا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا، وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا، حضرت فخاص بن غیرار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے اور انہیں اٹھائے ہوئے باہر نکلے کہنی کو کھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما ہم پر سے یہ وبال دور فرما دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں، ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا، لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار آدمی مر چکے تھے، دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنی اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائے، بنی اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فخاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے، یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان

نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا، یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے، خواہ اسے پاؤں تلے روندو خواہ چھوڑ دو، جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کریا نہ کر اللہ انہیں نہیں بخشے گا، یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے، پھر اللہ عز وجل اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ تا کہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ غور وفکر کریں اللہ کی راہ پر آجائیں، یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا، آخر نہ یہ ملا نہ وہ، دونوں ہاتھ خالی رہ گئے، اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر بھول نہ جائیں ورنہ یہ بھی اسی کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں، سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور اوروں پر حق کو ظاہر کریں، دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں، پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں ہمارے لئے بری مثالیں نہیں اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے، پھر فرمایا ہے کہ گنہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں یہ تو

اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں، اطاعت مولی، اتباع ہدی سے ہٹا کر خواہش کی غلامی دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر جلد ۲)

واقعہ نمبر......۴۰

حفاظتِ قرآن پر مامون الرشید کے دربار کا واقعہ

قرآن پاک کو جہاں دیگر خصوصیات وامتیاز حاصل ہیں وہ کسی اور کتاب میں نہیں ان میں سے ایک خصوصیت وامتیاز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے چودہ صدیوں سے زائد کا وقت گزر جانے کے باوجود قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں اسی آب وتاب کے ساتھ موجود ہے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں باوجود ہزار کوششوں کے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تاریخ کتب میں حفاظت قرآن کے بڑے بڑے بہت سے واقعات ملتے ہیں ان مختلف واقعات میں سے ایک مامون الرشید کے دور کا ایک واقعہ پیش کیا جارہا ہے یہ واقعہ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

(دیکھئے تفسیر الجامع القرآن جلد ۱۰ص:۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر (معارف القرآن جلد نمبر ۵ ص ۶۹) میں نقل کیا ہے اسی واقعہ کو حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

امام قرطبیؒ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ امیر المومنین مامون الرشید کے دربار کا ایک واقعہ نقل کیا ہے مامون الرشید کی عادت تھی کہ وہ اپنے دربار میں علمی

مسائل پر بحث ومباحثہ اور مذاکرے کرایا کرتے تھے جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی۔

ایسے ہی ایک مذاکرے میں ایک یہودی آیا جو کہ بہت ہی خوبصورت شکل ولباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی مایا ناز آدمی معلوم ہوتا تھا جب گفتگو کی تو وہ بھی فصیح اور بلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون الرشید نے اسے بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس شخص نے اقرار کیا، مامون الرشید نے (امتحان لینے کے لئے) کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا مجلس مذاکرہ میں فقیہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر کی اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون الرشید نے پوچھا کیا تم وہی شخص ہو جو گزشتہ سال آئے تھے؟ جواب دیا جی ہاں وہی ہوں، مامون الرشید نے پوچھا کہ اس وقت تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا کیا سبب (بنا) ہے؟

اس شخص نے کہا کہ جب میں یہاں سے گیا تو میں نے موجودہ تمام مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں اور میں کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اس سے مجھے اچھی قیمت مل جاتی ہے، میں نے امتحان لینے کے لئے تورات کے تین مختلف نسخے لکھے جس میں میں نے بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کی اور میں یہ نسخے لیکر کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان نسخوں کو خرید لیا پھر اسی طرح میں نے انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کی اور اس کو فروخت کیا تو اس کو بھی میں نصاریٰ کے عبادت کے خانوں میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ مجھ سے وہ نسخے خرید لئے، پھر یہی کام میں

نے قرآن مجید کے ساتھ کیا اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کے ساتھ کمی بیشی کی ان نسخوں کو لیکر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا تو اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں جب کمی بیشی نظر آئی تو انہوں نے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے میں نے یہ سبق سیکھ لیا کہ یہ قرآن مجید محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت فرمائی ہے، اس لئے میں مسلمان ہو گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کے ادا کرنے کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عینیہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا انہوں نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیوں کہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے یحییٰ بن اکثم نے پوچھا کہ قرآن کی کون سی آیت میں ہے؟ تو فرمایا کہ قرآن نے جہاں تورات انجیل کا ذکر کیا ہے اس میں فرمایا ﴿بما استحفظوا من کتب اللہ﴾ یعنی یہود و نصاریٰ کو اللہ نے تورات انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے حفاظت کا فریضہ ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و منحرف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وانا لہ لحفظون﴾ یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں، اسی وجہ سے اس کی حفاظت خدا تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود بھی اس کے ایک لفظ میں بھی فرق نہ آسکا۔

حاصل...... یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ آج عہد رسالت کو بھی تقریباً چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے تمام دینی اور اسلامی امور میں مسلمانوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود قرآن کے حفظ کرنے کا سلسلہ تمام دنیا کے مشرق و مغرب ممالک میں اسی طرح قائم ہے ہر زمانہ میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے بچے جوان بوڑھے لڑکے لڑکیاں موجود ہیں جن کے

سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے کسی بڑے سے بڑے عالم کی بھی مجال نہیں کہ ایک حرف غلط پڑھ دے اسی وقت بڑے اور بچے اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔

(بحوالہ معارف القرآن جلد نمبر ۵)

واقعہ نمبر......۱۴۱

ثعلبہ پر افسوس، ثعلبہ پر افسوس! ثعلبہ پر افسوس

(قابل عبرت واقعہ)

ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مال بخشے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ثعلبہ تیرا برا ہو، تھوڑا مال بہتر ہے جس کا تو شکریہ ادا کر سکے، بہ نسبت اس زیادہ مال کے جس کے شکریے کی تجھ میں طاقت نہ ہو، دوسری بار اس نے پھر یہی کہا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ اللہ کے نبی کے مثل ہو جائے (کہ حسب ضرورت تجھے مال ملے) پس اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلیں مگر میں پھر بھی ایسا نہیں چاہتا اس نے کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، اگر آپ اللہ سے دعا فرمائیں اور وہ مجھ کو مال بخشے تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ! اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا کر، ابو امامہؓ نے کہا کہ ثعلبہ نے بھیڑ بکریاں لیں تو وہ کیڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھیں، اور مدینہ میں نہ سما سکیں وہ وہاں سے نکل کر مدینہ کی ایک وادی میں جا بسا، حتی کہ ظہر وعصر کی نمازیں جماعت سے پڑھتا اور باقی (باجماعت پڑھنا) چھوڑ دیتا، یا بالکل ترک کر دیتا تھا پھر اس کا مال اور بڑھا، اور کثیر ہو گیا حتی کہ

اس نے جمعہ کے سوا اب نمازیں ترک کردیں (غالبًا باجماعت نہ پڑھنا مراد ہے)اس کی بھیڑ بکریاں کیڑوں کی مانند بڑھ رہی تھیں، حتی کہ اس نے جمعہ بھی ترک کردیا اور آمدورفت والے سواروں سے جمعہ کے دن پوچھنے لگا کہ مدینہ کی خبریں بتاؤ، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثعلبہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے بھیڑ بکریاں پالی تھیں اور وہ مدینہ میں نہیں سمائیں پھر لوگوں نے اس کا سارا حال کہہ سنایا، آنحضور ﷺ نے فرمایا ثعلبہ پر افسوس! ثعلبہ پر افسوس! ثعلبہ پر افسوس! اور اللہ جل شانہ نے یہ آیت اتاری، ان کے مالوں سے صدقہ وصول کرو، اور صدقہ کے فرائض نازل ہوئے، پس رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے دو شخص صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمائے، ایک شخص جہینہ سے تھا اور دوسرا بنی سلیم سے تھا، اور انہیں صدقے کا حساب لکھ کر دیا کہ مسلمانوں سے کس طرح صدقہ وصول کریں، اور ان سے فرمایا: تم دونوں ثعلبہ پر گزرو اور بنی سلیم کے فلاں شخص پر اور ان دونوں سے صدقات وصول کرو، وہ دونوں نکل کر ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے صدقہ طلب کیا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھوایا، وہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے، تم جاؤ اور فارغ ہو کر میرے پاس آنا، اور ان کے آنے کی خبر اس سلمی شخص نے سنی تو اس نے اونٹوں میں سے بہترین عمر کے اونٹ نکالے اور ان کو صدقہ کے لیے الگ کرلیا اور انہیں لے کر ان دونوں کا استقبال کیا، جب انہوں نے وہ اونٹ دیکھے تو کہنے لگے کہ تجھ پر یہ فرض نہیں ہیں، ہم تجھ سے یہ نہیں لینا چاہتے اس نے کہا کہ نہیں تم یہی لے لو، میں دل کی خوشی سے دیتا ہوں، انہوں نے اس سے وہی لے لیے پھر وہ اور لوگوں کے پاس گئے اور ان سے صدقات لیے، پھر وہ ثعلبہ کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اپنا خط دکھاؤ، اسے پڑھ کر پھر وہی کہا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے تم جاؤ میں اپنے بارے میں

سوچوں گا وہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے پاس جا پہنچے، جب آپ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: افسوس ثعلبہ کی بربادی پر، قبل اس کے کہ وہ آپ سے بات کریں، اور آپ نے سلمی کے لیے برکت کی دعا فرمائی، ان دونوں نے آپ کو ثعلبہ اور اس سلمی کے بارے میں بتایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿ومِنهم مَّن عاهدَ الله لئِن آتانا مِن فضلِه لنصَّدَّقنَّ ﴾ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس ثعلبہ کے اقارب میں سے ایک شخص تھا، اس نے وہ سب کچھ سن لیا، اور وہ ثعلبہ کے پاس گیا اور بولا، اے ثعلبہ تیرا برا ہو اللہ نے تیرے متعلق فلاں آیت اتاری ہے جس کا یہ اور یہ مضمون ہے پس ثعلبہ نکلا حتی کہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ اس کا صدقہ قبول کریں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیرا صدقہ قبول کرنے سے روک دیا ہے، پس وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا، آپ نے اس سے فرمایا یہ تیرا ہی کیا دھرا ہے، میں نے تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے میری بات نہ مانی، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار فرمایا تو وہ اپنے مسکن پر واپس چلا گیا۔

پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہوگئی اور آپ نے اس سے کچھ بھی قبول نہ فرمایا تھا، پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا، اس وقت وہ خلیفہ تھے، اس نے کہا کہ آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں میرا درجہ معلوم ہے، اور انصار میں میرا مقام بھی جانتے ہیں تو میرا صدقہ قبول فرمایئے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تیرا صدقہ رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تھا، پھر ابوبکرؓ کی وفات کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ آپ کے پاس گیا، اور کہا اے امیر المومنین میرا صدقہ قبول فرمایئے، انہوں نے فرمایا کہ تیرا صدقہ نہ تو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا تھا نہ حضرت ابوبکرؓ نے میں تیرا صدقہ کیسے قبول کرلوں؟ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات تک اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا، پھر جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ آپ کے پاس گیا اور کہا میرا صدقہ قبول

فرمایئے، انہوں نے فرمایا اسے رسول اللہ ﷺ نے قبول نہ فرمایا، حضرت ابو بکر و عمرؓ نے قبول نہ فرمایا، میں تجھ سے کیسے قبول کرلوں پس حضرت عثمانؓ نے بھی قبول نہ کیا، پھر ثعلبہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہی ہلاک ہوگیا۔

(بحوالہ تفسیر فی ظلال القرآن جلد ۴)

واقعہ نمبر......۴۲

ارکانِ سلطنت کا ایاز پر الزام اور ایاز کی وفاداری

محمودؒ اور ایاز یہ دو ایسی ہستیوں کے نام ہیں جنہیں اپنے کارناموں اور تعلق خاص کی وجہ سے شہرت حاصل تھی اور دونوں کا نام مخلوق کی زبان پر ہر وقت جاری وساری رہتا تھا ان میں سے ایک (محمود) سلطان محمود تھا جو فاتح سومنات ہے دوسرا شخص سلطان کے انتہائی جان نثار اور محبوب ترین غلام خواجہ احمد ایاز ہے، خواجہ ایاز کا تذکرہ بڑے بڑے شعراء اور ادباء نے اپنے کلاموں میں مختلف انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی شہرت بام عروج کو پہنچ گئی، خواجہ ایاز سے ہمارا تعلق اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ شہر لاہور کے معمار بھی ہیں، انہوں نے اپنے زمانے میں شہر لاہور کو از سر نو آراستہ آباد کیا تھا ورنہ اس سے پہلے لاہور شہر بادشاہوں کے تخت وتاج کی وجہ سے کھنڈر کی شکل اختیار کر چکا تھا اگر خواجہ ایاز کو شہر لاہور کا بانی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا خواجہ ایاز یوں تو معمولی شکل وصورت کے حامل نحیف اور نزار انسان تھے لیکن اپنی جانثاری اور وفاداری کی وجہ سے سلطان محمود کے دل میں بسے ہوئے تھے سلطان محمود کو آپ سے بے حد محبت تھی اور وہ آپ کو ہر وقت ساتھ رکھتے تھے کتابوں میں سلطان محمود اور خواجہ ایاز کے بہت سے واقعات ملتے ہیں ان

میں سے چند واقعات قارئین کی نظر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کا ذکر شیخ سعدیؒ نے بوستان میں بھی کیا ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

سلطان محمود غزنویؒ کے کسی درباری نے سلطان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ایاز میں کوئی ایسی خاص خوبی تو نہیں ہے پھر نہ معلوم بادشاہ اس پر کیوں فریفتہ ہوتا ہے؟ سلطان محمود غزنویؒ کے پاس جب یہ بات پہنچی تو اسے بڑا غصہ آیا لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ مناسب موقع پر اس کا جواب دیا جائے اتفاق سے جلد ہی ایک موقع پیدا ہو گیا ایک دن دوران سفر قیمتی سامان سے لدے ہوئے ایک اونٹ کا پاؤں پھسلا تو وہ اونٹ زمین پر گر گیا، اور اس پر لدا ہوا سارا سامان گر گیا سلطان نے حکم دیا کہ اس بکھرے ہوئے سامان میں سے جو شخص جو چیز اٹھائے گا وہ اسی کی ہو جائے گی یہ حکم دیکر سلطان آگے بڑھ گیا اور اس کے تمام ہمراہی مال لوٹنے میں مصروف ہو گئے بس ایک ایاز اس کے ساتھ رہا، سلطان نے پوچھا ایاز تم نے بھی کچھ حاصل کیا؟ اس نے ادب سے جواب دیا کہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا (حاصل) کرتا بھی کیوں؟ میں تو آپ کی خدمت کے لئے ہوں آپ کی خدمت چھوڑ کر مال کو کیا جمع کروں؟ سلطان نے حاسدوں کو بتایا کہ ایاز کی یہی خوبی ہے جس نے اسے ہماری نظروں میں محبوب بنا رکھا ہے شیخ سعدی یہ حکایت لکھ کر دو شعر رقم فرماتے ہیں جو اس واقعہ کی گویا روح ہیں۔

گرت قربتے ہست در بارگار بخلعت مشو غافل از پادشاہ
خلافِ طریقت بود کاولیاء تمنا کنداز خدا جد خدا

(بوستان ص ۱۰۵)

اگر تجھے دربار میں قرب حاصل ہے تو پوشاک میں لگ کر بادشاہ سے غافل نہ ہو یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا سے خدا کے ماسوا کی تمنا کریں دوسرا

واقعہ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں ذکر کیا ہے یہ واقعہ مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا رومیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایاز نام کا ایک بہت غریب شخص تھا محمود بادشاہ نے اس کے اخلاق عالیہ کے سبب اس کو اپنا محبوب اور مقرب بنالیا تھا لیکن ایاز جس دن شاہ محمود کے یہاں حاضر ہوا تھا اس دن اس کے پاس صرف ایک پرانی گدڑی تھی اور ایک بوسیدہ پوستین تھا جس کو ایاز دیکھتا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہتا کہ اے ایاز! ایک وہ دن تھا کہ اسی بوسیدہ گدڑی میں تو یہاں آیا تھا اور آج تو مقرب بادشاہ ہے دیکھ اپنی حقیقت کو مت بھولنا نظر عنایت شاہ کی تجھ پر بہت ہے ناز اور تکبر میں مبتلا نہ ہونا بلکہ یہ شکر کا مقام ہے کہ یہی گدڑی پہننے والا آج مقرب اور محبوب سلطان ہے جس سے آج تمام وزراء حکمران لرزتے ہیں رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوگئی سارے اراکین سلطنت کو پہلے ہی سے ایاز کے ساتھ حسد تھا کہ ایک معمولی غریب آدمی آج ہم سب سے سبقت لے گیا اور اس سے بڑھ کر شاہ محمود کا کوئی مقرب اور محبوب نہیں ہے حاسدین میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ایاز تنہا حجرے میں جا کر کیا کرتا ہے؟ اور حجرے کو ہر وقت بند کیوں رکھتا ہے ہو نہ ہو یہ خفیہ شاہی خزانے سے چرا کر دولت ضرور جمع کر رہا ہوگا پس سلطان محمود کو اس کی اس حرکت کی خبر کرنا چاہئے تاکہ یہ تقرب ایاز کا عتاب شاہی سے بدل جائے۔ پس سب نے باہمی مشورہ کے بعد سلطان محمود کو خبر دی کہ حضور ایاز گندم نما جو فروش ہے یہ آپ کا عاشق اور صادق نہیں ہے بلکہ یہ منافق ہے خزانہ شاہی سے اپنے خاص حجرے میں سیم وزر جمع کر رہا ہے۔

سلطان محمود کو ایاز کے متعلق ایسی حرکت کا گمان تک بھی نہ ہوا لیکن اراکین پر حجت تمام کرنے کے لئے اور ایاز کا مقام محبت اور اس کی صداقت ظاہر کرنے کے

لئے حکم نافذ کر دیا کہ آدھی رات کو ایاز کے حجرے کی تلاشی لی جائے، ارا کین سلطنت بڑے خوش ہوئے کہ آج رات ایاز کی قلعی (بھیت) کھل جائے گی اور اسکا تقرب ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ آدھی رات کو اس حجرے کا تالا توڑا گیا اور حکام سلطنت نے حجرے کے اندر تلاشی لی لیکن بجز ایک پرانی گدڑی اور ایک بوسیدہ پوستین کے حجرے میں کچھ نہ تھا اور حاسدین نے حجرے کی زمین بھی اس شبہ سے کھودی کہ شاید زمین میں دفن ہو اور گدڑی دھوکہ دینے کے لئے ٹانگ رکھی ہو بالآخر تلاشی لینے والے حکام تہست و نامراد ہو کر شاہ محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرمندگی کے ساتھ معافی طلب کرنے لگے۔

سلطان محمود پر اس وقت ایاز کی محبت میں ایک حال مزید غالب ہو گیا اور ایاز سے پوچھا کہ اے ایاز! اس قدر اہتمام سے اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو حجرے میں کیوں بند کر رکھا ہوا ہے؟ ایاز نے عرض کیا کہ حضور میں ہر روز اپنی اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں اور نفس سے کہتا ہوں کہ اے ایاز! تیری یہ تمام نعمتیں عزت و شوکت سلطان شاہ محمود ہے ورنہ اے ایاز! تیری حقیقت ایک دن یہی گدڑی اور بوسیدہ پوستین تھی۔

(معرفت الٰہیہ ص: ۱۸۷ بحوالہ انوار مدینہ اکتوبر 97ء ص ۶۰)

حاصل...... بیشک انسان کو اپنی اصلیت کبھی نہ بھولنا چاہئے یقیناً اگر انسان اپنی اصلی حیثیت کو سامنے رکھے تو کبھی نہ پھسلے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حقیقت جاننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۴۳

اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

ایک ریٹائرڈ پولیس افسر نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مسجد خیر دین امرتسر میں تقریر کر رہے تھے۔ میں ڈیوٹی پر تھا۔ دو بجے شب مجھے اعلیٰ حکام نے طلب کیا۔ اور میری جگہ ایک دوسرا رپورٹر بھیجا۔ میں نے جب اپنی ڈائری ختم کی تو اس میں یہ الفاظ درج کر دیئے۔

''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رات کے گیارہ بجے سے تقریر کر رہے ہیں اب رات کے دو بجے ہیں ان کی تقریر سے حاضرین جلسہ تو درکنار مسجد خیر دین کے درو دیوار اور اس کے گنبد و محراب اور حوض کے پانی تک مسحور ہو چکے ہیں۔''

خان غلام محمد خاں لونڈ خور نے سنایا کہ میں نے نہ تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو دیکھا ہوا تھا۔ اور نہ اس کا خاص معتقد تھا۔ میرا سیاسی مسلک بھی اس سے جدا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اسے پانچ منٹ سن لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسہ میں ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ خود اپنے جلسے میں بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں میں پانچ منٹ تک سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر سنتا رہا۔ پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا۔ اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا۔ اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام بھی بھول گیا۔ یہاں

تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کے خاتمہ کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ او ہو ساری رات ختم ہو گئی۔ یہ شخص تقریر نہیں کر رہا جادو کر رہا تھا۔

ایک دفعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلباء نے تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ تقریر کرنا محال ہو گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے دیکھا کہ بچے برافروختہ ہیں کوئی اور نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو فرمایا اچھا بیٹا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ طلباء خاموش بیٹھ گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے انتہائی دل سوزی سے نیم خورد آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش اور در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا بیٹا کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کر دوں آواز آئی ضرور ترجمہ بھی کر دیجئے۔ اب ترجمہ شروع ہوا۔ پھر ترجمے کے بعد تفسیر و تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر ختم کی طلبہ نے شور مچایا۔ شاہ جی خدا کے لئے کچھ اور بیان کیجئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا بیٹا کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا۔ گجرات کے مشہور مقدمہ میں جب لدھا رام رپوٹرسی آئی ڈی نے حقیقت حال کا انکشاف عدالت عالیہ میں کیا اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی رہائی ہو گئی تو لدھا رام سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جھوٹی شہادت دینے سے گریز کیوں کیا اور سچی شہادت سے اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالا۔ تو اس نے بتایا کہ میں نے سرکاری ملازمت میں ہمیشہ جھوٹی شہادتیں دی ہیں۔ اور اس دن بھی شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ڈائری میں ردوبدل اگرچہ اعلیٰ حکام کے حکم سے کیا تھا۔ لیکن اس میں بہرحال میری بھی رضامندی شامل تھی۔ ہوا یہ کہ جب میں گواہی دینے کے لئے عدالت میں آیا اور شاہ جی کو دیکھا تو سادہ شکل و صورت کا ایک

سچا انسان کھڑا ہے۔ مجھے کسی مخفی طاقت نے ٹوکا کہ یہ شخص اب میری جھوٹی شہادت پر پھانسی کی سزا پائے گا۔ میرا دل لرز گیا میں نے دل ہی دل میں توبہ کی اور عہد کیا کہ دنیا کی ہر مصیبت برداشت کرلوں گا۔ لیکن اس عظیم انسان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کا پاپ نہیں کماؤں گا۔ تب میں نے شاہ جی کے وکیل کو علیحدگی میں سارا ماجرا بیان کیا۔ ساتھ ہی اپنا ارادہ بھی بتایا۔ لدھا رام نے ہائی کورٹ میں شہادت دی اس کی ملازمت گئی تین سال قید سخت کی سزا ہوئی، لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی معجزانہ رہائی کا باعث بن گیا۔ اس مقدمہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ۹ ماہ کے قریب جیل میں رہے۔ جب رہا ہوکر آئے تو تقریروں میں اکثر فرمایا کرتے کہ ایک طرف میں بے نوا تھا میرے غریب ساتھی جیلوں میں مقید تھے۔ میری اولاد کمسن اور میرا والد ضعیف العمر تھا۔ دوسری طرف فرنگی کی صولت وحشمت تھی۔ خزانے اس کے، پولیس اس کی، عدالتیں اس کی، جیل خانے اس کے، سب اختیار واقتدار اس کا تھا، پھر ترنم سے پڑھتے۔

روح بخت ملاقی ان کا............ چرخ ہفت طبقانی ان کا

حضرت یوسفؑ کے زندانی ہونے کا واقعہ دہراتے، زلیخا کی الزام تراشیوں کا تذکرہ کرتے، قرآن مجید کی آیت شریفہ...... "**وشهد شاهدٌ من اهلها**" پڑھ کر لدھا رام کو انگریزوں کا گھریلو گواہ قرار دیتے۔ اس مقدمہ سے رہائی کو وہ اللہ کا عظیم احسان کہتے آخر میں فرماتے۔ اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانے میں موجود ہے ایک دن تقریر کرتے کرتے جھولی پھیلا دی اور فرمایا میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو تیرے شکر نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اس عجز وانکسار اور رقت انگیز کے ساتھ پیش کیا۔ کہ لوگوں

کی چیخیں نکل گئیں۔

حاصل...... بیشک کچھ اللہ والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی زندگی دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ہوتی ہے، اور ان کے نقوشِ پا سے راستے کے گم کردہ راہی اپنی راہ پاتے ہیں، ایسے عظیم انسانوں کی ہمیں قدر کرنی چاہئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے علماء و اکابر کی خدمت و قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

❁......❁......❁

واقعہ نمبر......۴۴

ابن ساباط کی توبہ

ابن ساباط بغداد کا نامی گرامی چور تھا کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہتا تھا وہ اپنے پیشہ میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا لیکن آخر کب تک ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا قانون وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا گیا اور پھر اس کو ایک نا قابل اصلاح مجرم قرار دے کر مدت العمر کے لئے قید خانہ میں بھیج دیا گیا اہل بغداد اب اسکا ذکر ہتھ کٹے شیطان'' یا ایک ہاتھ کے شیطان کے نام سے کرتے تھے دس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے ایک دن ابن ساباط کسی طرح بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشہ کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کر لیا ایک ہاتھ کے نقصان اور قید و بند کی طویل پر صعوبت زندگی نے اس کے مزاج اور کردار پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہی چوری کی خواہش نے اسے بے تاب کر دیا اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ اپنی مہم پر چل کھڑا

ہوا ادھر ادھر پھرتے تین پہر رات گزر گئی لیکن اسکو کسی مکان میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا آخر اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا اس حویلی کے وسط میں ایک بہت بڑا پھاٹک تھا ابن ساباط پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے اسی سوچ بچار میں اس کا ہاتھ پھاٹک پر جا پڑا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا اس نے آہستگی سے دروازہ پیچھے کی طرف دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا یہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے اندر چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں ایک بڑا کمرہ تھا ابن ساباط اس بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے جونہی اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا وہ بھی پھاٹک کی طرح فوراً کھل گیا کمرے میں داخل ہو کر اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اس کو قیمتی ساز و سامان سے بالکل خالی پایا ایک طرف کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کے کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے، ابن ساباط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلاّ اٹھا اور مکان کے مالک کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا اس احمق نے اتنے بڑے مکان میں کیسا گھٹیا کپڑا اور سامان رکھا ہوا ہے بہر حال مکان سے خالی ہاتھ جانا اسے منظور نہ تھا اس نے پشمینہ کے تھانوں کی ایک گٹھڑی بنائی اور اس کے باندھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ہزار جتن کے باوجود ایک ہاتھ سے صوف کے موٹے کپڑے کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا عین اسوقت دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ میں چراغ لئے کمرے میں داخل ہوا خوف اور دہشت سے ابن ساباط کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اس نے داخل ہونے والے آدمی کو دیکھا اس کا قد دراز، کمر خمیدہ اور جسم انتہائی نحیف تھا جس پر ہلکے رنگ کی ایک لمبی قبا تھی اور

سر پر بھیڑ کی کھال کی کشادہ سیاہ ٹوپی تھی اس قدر نحیف ونزار ہونے کے باوجود اس شخص کے چہرے پر عجیب طرح کا اطمینان اور نور تھا اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اس نے کمرے میں داخل ہوکر چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی شیریں آواز میں ابن ساباط سے مخاطب ہوکر کہا میرے بھائی خدا تم پر رحم کرے یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتا دیکھو یہ چراغ روشن ہے اور تمہاری مدد کے لئے میں حاضر ہوں اب ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کرلیں گے ابن ساباط حیرت سے اجنبی کے منہ کی طرف تک رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں پھر اچانک اسے خیال آیا اور اس نے ابن ساباط سے مخاطب ہوکر کہا میرے بھائی مجھے معاف کرنا مجھے خیال ہی نہیں کہ ایسا تھکا دینے والا کام کر کے تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی میں ابھی تمہارے لئے گرم گرم دودھ لاتا ہوں اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے یہ کہہ کر اجنبی کمرے سے باہر نکل گیا اور ابن ساباط عالم تحیر میں کھو گیا یکا یک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا میں بھی کیسا احمق ہوں اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ یہ کوئی میرا ہی ہم پیشہ ہے اتفاق سے آج ہم دونوں اس مکان میں جمع ہو گئے ہیں یہ گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان رہنے والوں سے خالی ہے اسی لئے وہ روشنی کا سامان لے کر آیا جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو اس سامان میں سے آدھے کا حق دار بننے کے لئے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اجنبی ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لئے پھر کمرے میں داخل ہوا اور یہ کہہ کر پیالہ ابن ساباط کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اسے پی لو یہ تمہاری بھوک اور تھکان کو دور کر دے گا۔

ابن ساباط کو فی الواقع سخت بھوک لگ رہی تھی اس نے آناً فاناً دودھ کا پیالہ خالی کر دیا اور پھر کڑک کر اجنبی سے کہا ''دیکھو میں تم سے پہلے پہنچ گیا تھا اس لئے ہمارے پیشہ کے اصول کے مطابق تمہارا اس مال پر مطلق کوئی حق نہیں تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے اس کے پیشہ نظر میں تمہیں تھوڑا بہت مال دے دوں گا چلو اب گٹھڑیاں اٹھائیں اور چلیں' ابن ساباط کے جواب میں اجنبی مسکرایا اور پھر شفقت آمیز لہجے میں کہا میرے بھائی تم میرے حصے کا خیال کر کے کیوں اپنا دل میلا کرتے ہو میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا تمہارا ایک ہاتھ ہے یہ چھوٹی گٹھری تم اٹھالو اور بڑی گٹھری میں اٹھالیتا ہوں جہاں تم کہو میں پہنچا دوں گا ابن ساباط نے کہا بس ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا میں یہ چھوٹی گٹھری اٹھالیتا ہوں اور تم بڑی گٹھری اٹھا کر میرے آگے آگے چلو نحیف الجثہ اجنبی نے پورا زور لگا کر بڑی گٹھری کمر پر لادی اس کی خمیدہ کمر اس کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ابن ساباط کے آگے آگے چل پڑا لیکن ابن ساباط کو بہت عجلت تھی کیونکہ رات بہت تیزی سے ختم ہو رہی تھی وہ بار بار اجنبی کو ٹوک دیتا کہ تیز چلو اجنبی کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن پھر اٹھ کر کھڑا ہوا اور ہانپتا کانپتا پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا ایک جگہ چڑھائی تھی اجنبی کو بھاری بوجھ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی اور وہ ایک جگہ بے اختیار گر پڑا ابن ساباط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پھر اس کی کمر پر زور سے ایک لات رسید کی اجنبی جوں توں کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور ابن ساباط سے معذرت کرنے لگا ابن ساباط نے گٹھری پھر اس کی پیٹھ پر رکھ دی اور دونوں چلتے چلتے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں جا پہنچے یہاں ابن ساباط کی پناہ گاہ تھی وہ اپنی گٹھری باہر رکھ کر کھنڈر کی دیوار سے اندر کود گیا اور اجنبی نے دونوں گٹھریاں باہر سے اندر پھینک دیں اسوقت چاند کی روشنی میں ابن ساباط نے اطمینان

سے اجنبی کے چہرے پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں یکا یک وہ ملکوتی تبسم کے ساتھ یوں گویا ہوا میرے بھائی یہ مال تمہیں مبارک ہو اس مکان کا مالک میں ہی ہوں اور یہ مال تجھے خوشی سے بخشتا ہوں افسوس کہ میں تمہاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا بلکہ راستے میں اپنی کمزوری اور سستی کی وجہ سے تمہارے لئے پریشانی کا باعث بنا خدا کے لئے مجھے معاف کر دو اچھا اب میں تم سے رخصت چاہتا ہوں، خدا حافظ۔

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن ساباط کے سینے پر پیوست ہو گئے سیاہ کاری کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے محیّر العقول حسن سلوک نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں میں نے اسے کیا سمجھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا یہ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا اور سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی اجنبی کی تلاش کے لئے نکل کھڑا ہوا اب اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں تھا بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں پر سر رکھ دے رات والا مکان ڈھونڈنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی اس کے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص سے پوچھا یہ کس تاجر کا مکان ہے؟ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا میاں تم مسافر معلوم ہوتے ہو یہاں کسی تاجر کا کیا کام یہ تو شیخ جنید بغدادیؒ کی قیام گاہ ہے ابن ساباط نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن شیخ کا صورت آشنا نہ تھا پھاٹک سے اندر داخل ہوا اور دیکھا کے سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور چٹائی پر تکیہ سے سہارا لگائے وہی رات والا اجنبی بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تیس چالیس آدمی مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہیں ابن ساباط ٹھٹک کر وہیں کھڑا

ہو گیا اتنے میں مسجد سے آذان کی آواز آئی لوگ اٹھ کر کھڑے ہوئے جب وہ سب چلے گئے تو شیخ بھی اٹھے جونہی انہوں نے دروازے کے باہر قدم رکھا ابن ساباط روتا ہوا ان کے قدموں پر گر گیا انفعال کے آنسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھوڈالی تھی شیخ نے نہایت محبت اور شفقت سے اس کو زمین سے اٹھایا اور گلے لگالیا ابن ساباط کے دل کی دنیا اب بدل چکی تھی دوسروں نے جو راہ برسوں میں نہیں دیکھی تھی ابن ساباط نے دو چند لمحوں میں طے کر لی، وہ شیخ کے حلقے ارادت میں داخل ہو گیا اور ان کے فیض صحت سے ہتھ کٹے شیطان کے بجائے شیخ احمد ابن ساباطؒ بن گیا، اور اہل اللہ میں شمار ہوا جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل سکیں اس کو ایک مرد خدا کے حسن اخلاق اور قربانی نے چند ساعتوں میں خاصانِ خدا کی صف میں شامل کر دیا۔ (بحوالہ حکایاتِ صوفیہ از طالب ہاشمی)

حاصل...... اندازہ کیجئے کہ اچھے اخلاق اپنے اندر کس قدر طاقت رکھتے ہیں جسے تلوار کی طاقت مسخر نہ کر سکے، اسے اچھے اخلاق مسخر کر ڈالتے ہیں، چنانچہ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہر حال میں اپنے اخلاق اچھے رکھیں، بیشک اسی میں ہماری فلاح ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۴۵

زنا سے بچنے والے ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حضرت ابن عباسؓ حضرت کعب بن احبارؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک صدیق (اول درجہ کا ولی) تھا جو عبادت میں منفرد مقام

رکھتا تھا یہ ایک عرصہ تک اپنی خانقاہ میں عبادت کرتا رہا اسکے پاس روزانہ صبح وشام بادشاہ وقت حاضری دیتا تھا اور اس سے پوچھا کرتا تھا کہ آپ کی کوئی ضرورت ہے؟ تو وہ جواب دیتا ''اللہ میری ضرورت کو خوب جانتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اس عابد کی خانقاہ پر انگور کی ایک بیل اگا دی تھی جو ہر روز ایک انگور اٹھاتی (یعنی ایک انگور لگتا) تھی جب اس عابد کو پیاس لگتی تو وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا تو پانی ابل پڑتا تھا اور یہ اس پانی کو پی کر پیاس بجھا لیتا تھا اس طرح ایک طویل عرصہ گزر گیا، ایک مرتبہ اس عابد کے پاس مغرب کے وقت ایک عورت گذری جو نہایت حسین وجمیل تھی اس عورت نے پکار کر کہا کہ اے اللہ کے بندے تو اس بزرگ عابد نے کہا لبیک! یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کیا تمہیں تمہارا رب دیکھ رہا ہے؟......

اس نے فرمایا کہ وہ اللہ ایک ہے قہار ہے۔ حی وقیوم ہے، دلوں کے اسرار سے واقف ہے اور جو قبروں میں ہیں ان کا اٹھانے والا ہے۔

عورت یہ سن کر کہنے لگی مجھ سے میرا شوہر دور ہے (اس لیے مجھے ایک رات کے لیے اپنے پاس ٹھکانہ دے دو) بزرگ نے یہ سن کر اس عورت سے کہا کہ اوپر آجاؤ پس وہ عورت اوپر چڑھ گئی اور اس بزرگ کی خانقاہ میں پہنچ گئی وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی اس عورت نے اپنے جسم سے کپڑے اتار پھینکے اور ننگی کھڑی ہوگئی اور اس عابد کے سامنے اپنا ننگا بدن ظاہر کر دیا یہ منظر دیکھ کر اس بزرگ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا تو تباہ ہو جائے اپنے آپ کو ڈھانپ لے یہ سن کر اس عورت نے جواب دیا تیرا کیا جاتا ہے اگر تو آج رات مجھ سے فائدہ اٹھالے تو بزرگ نے سن کر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا اے نفس تو کیا کہتا ہے؟

نفس کہنے لگا اللہ کی قسم میں تو فائدہ اٹھاؤں گا۔

یہ سن کر بزرگ نفس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا تو تباہ ہو جائے کیا تو گندھک کے

دوزخ کے کپڑے مانگتا ہے؟ آگ کے پاٹ مانگتا ہے۔ میری عرصہ کی عبادت ضائع کرنا چاہتا ہے؟ پھر کہنے لگا ہر زانی کی بخشش نہیں اور اس کا عذاب مٹنے کو نہیں میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر ایسا ناراض ہو کہ پھر کبھی راضی نہ ہو لیکن اس بزرگ کے نفس نے اس کو اس عورت کے متعلق خوب بہکایا تو بزرگ نے نفس سے مخاطب ہو کر پھر کہا میں تیرے سامنے (دنیا کی) چھوٹی آگ پیش کرتا ہوں، اگر تو اس کو برداشت کر گیا تو اس رات اس لڑکی سے نفع حاصل کرلوں گا۔

حضرت کعب بن احبارؒ فرماتے ہیں کہ اس بزرگ نے یہ کہنے کے بعد "دیئے" (چراغ) کو تیل سے بھر دیا اور بتی کو موٹا کر دیا اس منظر کو وہ عورت بھی دیکھ رہی تھی اور اس بزرگ کی اپنے نفس سے گفتگو بھی سن رہی تھی پھر اس بزرگ نے چراغ کو جلانے کے بعد اپنا ہاتھ اس جلتی بتی پر رکھ دیا یہ بتی جل رہی تھی لیکن اس بزرگ کے ہاتھوں کو نہیں جلاتی تھی۔

دیکھ کر بزرگ چیخ کر کہنے لگے تجھے کیا ہے؟ جلاتی کیوں نہیں؟

تو وہ بتی اس کا انگوٹھا کھا گئی (یعنی جل گیا) پھر اس کی انگلیاں کھا گئی۔ پھر اسکا ہاتھ کھا گئی یہ منظر دیکھ کر اس عورت نے زوردار چیخ ماری اور دنیا سے کوچ کر گئی پھر اس بزرگ نے اس عورت کے جسم کو اس کے کپڑوں سے ڈھانپ دیا۔ جب صبح ہوئی تو ابلیس لعین نے چیخ کر کہا اے لوگو!

فلاں بیٹی سے فلاں عابد شخص نے زنا کیا ہے اور زنا کرنے کے بعد اس کو قتل کر دیا ہے چنانچہ جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بادشاہ اپنے لشکر اور رعایا کے ساتھ سوار ہوا اور عبادت خانے تک پہنچ گیا جہاں وہ راہب عبادت کیا کرتا تھا وہاں پہنچ کر بادشاہ زور سے چیخا تو عابد نے اس کو جواب دیا۔ بادشاہ نے عابد سے پوچھا کہ فلاں کی بیٹی فلاں کہاں ہے؟

عابد نے کہا یہیں پہ میرے پاس موجود ہے۔

بادشاہ یہ سن کر عابد سے کہنے لگا اس کو کہو کہ وہ میرے پاس آئے بزرگ نے کہا وہ مر چکی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ کہنے لگا چونکہ وہ زنا کے لیے رضامند نہیں ہوئی حتیٰ کہ تو نے ایک جان کو قتل کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ پھر بادشاہ نے غضبناک ہو کر اس عبادت خانہ کو گرا دیا اور عابد کی گردن میں زنجیر ڈالی اور اسے گھسیٹنے لگا اور عورت کی لاش کو وہاں سے اٹھا دیا گیا اور اس عبادت خانے کو گرا دیا گیا۔ اس وقت کے لوگوں کا دستور تھا کی زانی کو آرے کے ساتھ چیر دیا کرتے تھے۔ عابد کا ہاتھ جو رات کے واقعہ میں جل گیا تھا اسے عابد نے ہاتھ کی آستین میں چھپایا ہوا تھا اور وہ عابد واقعہ کی حقیقت کسی کو نہیں بتا رہا تھا چنانچہ آرے کو عابد کے سر پر رکھا اور جلادوں کو حکم دیا گیا کہ آرا چلادو چنانچہ حکم ملتے ہی جلادوں نے تعمیل کی اور آرا چلا دیا جب آرا عابد کے دماغ تک پہنچا تو اس کی آہ نکل گئی اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اس کو کہو کچھ نہ بولو میں تیرا صبر دیکھنا چاہتا ہوں اس کے صدمے نے میرے عرش برداروں کو میرے آسمان کے مکینوں کو رلا دیا ہے مجھے میرے غلبے اور جلال کی قسم اگر اس عابد نے دوسری مرتبہ آواز نکالی تو میں آسمانوں کو زمین پر گرادوں گا، چنانچہ اس عابد نے دوسری مرتبہ آہ نہیں نکالی اور نہ کوئی بات بتائی حتیٰ کہ اس حالت میں اس کا انتقال ہو گیا (رحمۃ اللہ علیہ) چنانچہ جب وہ فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مردہ عورت میں روح ڈالی (جو عابد کا عمل دیکھ کر دنیا سے کوچ کر گئی تھی) تو عورت نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا اللہ کی قسم! یہ مظلوم ہو کر فوت ہوا ہے اس نے زنا نہیں کیا تھا اور میں ابھی تک کنواری ہوں اس کے بعد اس عورت نے گذشتہ رات کا سارا واقعہ لوگوں کے سامنے نقل کیا تو یہ سن کر جب لوگوں نے اس کا ہاتھ نکالا تو جیسا لڑکی نے بتایا تھا ویسا ہی جلا ہوا تھا یہ دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ اگر

ہمیں علم ہوتا کی اصل حقیقت کیا ہے تو ہم بھی بھی اس کے جسم کو نہ چیرتے۔ عابد دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گر پڑا اور لڑکی بھی جیسے پہلے (مردہ) تھی ویسے ہی ہوگئی۔ پھر ان دونوں کو دفنانے کے لیے قبریں کھودیں گئیں تو اس میں کستوری، عنبر اور کافور کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں اور پھر ان کا جنازہ پڑھنے کے لیے ان کی میتوں کو لایا گیا تو ان کو آسمان سے کسی نے منادی کی۔

"اصبروا حتیٰ نصلی علیها الملائکة" ترجمہ.....صبر کرو یہاں تک کہ فرشتے ان کا جنازہ پڑھ لیں۔

اس کے بعد لوگوں نے ان کا جنازہ پڑھا اور دفن کردیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر پر چنبیلی کو اُگایا اور لوگوں نے ان کی قبر پر تختہ دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے بندہ اور اپنے ولی (دوست) کی طرف سے میں نے اپنے عرش کے نیچے ایک منبر لگایا اور اپنے فرشتوں کو گواہ بنایا کہ میں نے جنت الفردوس کی پچاس ہزار (۵۰,۰۰۰) عورتوں سے اس ولی کا نکاح کیا اور میں اپنے فرمانبرداروں اور مقربین کو ایسے ہی انعام واکرام سے نوازتا ہوں۔

حاصل......سبحان اللہ اس واقعہ کو پڑھ کر ایمان تازہ ہوجاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنا انعام فرمایا کہ جو اس کی اتباع کرتا ہے اس کے لیے کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں اللہ کے اس ولی نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے نفس کی اتباع نہیں کی جس کی وجہ سے وہ رب کا مقرب بن گیا اللہ تعالیٰ اسی طرح تمام مسلمانوں کو نفس کی غلامی سے بچائے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ سبق ملتا ہے کہ نفس کی اتباع کبھی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ نفس انسان کو ہمیشہ عیش وعشرت اور غلط خواہشات کا دلدادہ بناتا ہے اور پھر نفس کے باعث انسان جہنم کی طرف چلا جاتا ہے۔ نیز آپ اس واقعہ سے

اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زنا پہلی امتوں میں کتنا قبیح اور برا فعل سمجھا جاتا تھا اور اس کی سزا ان لوگوں نے کتنی سخت رکھی تھی اور اس عابد نے اپنے جسم کو اتنی شدید تکلیف میں مبتلا کیا لیکن جہنم کے خوف کی وجہ سے زنا کی طرف نہیں گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جہنم کی ہولناکیاں اپنے اندر کتنی شدت رکھتی ہیں اور جہنم کی آگ کتنی سخت ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''النار الکبریٰ'' کہ وہ سب سے بڑی آگ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ تمہاری یہ (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا سترہواں (۷۰) حصہ ہے اے مسلمانان عالم زنا کی شدت اور ہلاکت خیزیوں کا اندازہ قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کے واقعات میں آئے ہوئے ان کھلے اور واضح احکامات کو پڑھ کر ہو جاتا ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ وہ اس گناہ عظیم کا مرتکب ہونے سے بچے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے واضح راستے بیان کر دیئے ہیں جن پر چل کر انسان خود کو عذاب علیم (دردناک عذاب) سے محفوظ رکھ سکتا ہے پس عقلمند وہی ہے جو گناہوں کی اس پر خار وادی سے اپنا دامن بچا کر گذر جائے۔ (بحوالہ بے حیائی آغاز سے انجام تک)

واقعہ نمبر......۴۶

عاشقِ رسول غازی علم الدین شہیدؒ کا واقعہ

رحمان مذنب صاحب راوی ہیں کہ: غازی علم الدین ۴ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو متوسطہ طبقے کے ایک شخص طالع مند کے گھر (لاہور) میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کے دوسرے بیٹے تھے۔ نجاری پیشہ تھا۔ عزت سے دن گزر رہے تھے۔ ایسے نامور نہ تھے، اپنے محلے تک ان کی شہرت محدود تھی یا پھر لاہور سے باہر جا کر کہیں کام کرتے تو

محنت، شرافت اور دیانتداری کی بدولت مختصر سے حلقے میں اچھی نظر سے دیکھے جاتے۔ زندگی اس ڈھب کی تھی ۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

اس زمانے میں مسجد محلے کے بچوں کی ابتدائی درسگاہ تھی۔ طالع مند نے بھی اپنے بیٹے علم الدین کو مسجد میں بھیجا تا کہ قرآن مجید پڑھے۔ علم الدین نے کچھ دن وہاں گزارے تعلیم حاصل کی، لیکن وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ قدرت کا کوئی راز تھا، ان سے ایسا کام لیا جانا تھا، جو عمل کی دنیا میں تعلیم سے بڑھ کر تھا، بلکہ تعلیم کا مقصود تھا۔ ان میں منجانب اللہ ایسا جوہر مخفی تھا، جسکے بچے کو خبر نہ تھی، لیکن اس جوہر نے آگے چل کر وہ کام کر دکھایا، جس سے انہیں ''تب وتاب جاودانہ'' میسر آئی۔ اس کام کا کوئی بدل نہ تھا۔ طالع مند کے دو بیٹے تھے، محمد دین اور علم الدین۔ دونوں میں بڑا پیار تھا، علم الدین والد کے ساتھ کبھی باہر جاتا تو محمد دین کو قلق ہوتا۔

ایک دفعہ محمد دین نے علم الدین کے بارے میں ایک پریشان کن خواب دیکھا کہ علم الدین زخمی ہے۔ محمد دین بے چین ہوا اور چھوٹے بھائی کی خیریت معلوم کرنے سیالکوٹ پہنچا۔ دونوں بھائیوں کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب محمد دین اپنے والد کے ٹھکانے پر پہنچا، تو علم الدین چارپائی پر بیٹھا تھا، بھائی کو دیکھتے ہی علم الدین اچھل پڑا۔ شدت جذبات سے دونوں بھائی بغل گیر ہو گئے۔ محمد دین نے دیکھا کہ علم الدین واقعی زخمی ہے۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ہاتھ پر شیشہ لگا تھا، لیکن زخم گہرا نہیں تھا۔ اگلے دن محمد دین واپس لاہور آ گئے۔

علم الدین نے بچپن میں بعض ایسے واقعات دیکھے، جن کے نقوش ان کے دماغ پر ثبت ہوئے اور ان کی کردار سازی میں کام آئے۔ علم الدین ایک سال تک والد کے ساتھ کوہاٹ میں رہے۔ یہ علاقہ غیور اور بہادر پٹھانوں کا ہے پٹھانوں کا یہ

وصف ہے کہ جوان سے نیکی کرے وہ اسے بھلاتے نہیں۔ یاد رکھتے ہیں بڑے مخیّر طبع اور متواضع لوگ ہیں۔ محسن کو قرار واقعی صلہ دیتے ہیں، جان تک نثار کر دیتے ہیں۔ علم الدین کے والد نے کوہاٹ جا کر رہنے کے لیے مکان کرائے پر لیا، جس کا مالک اکبر خان نامی پٹھان تھا۔ طالع مند ایک دن کام میں مصروف تھے کہ کسی نے آ کر بتایا کہ ان کے مالک مکان اکبر خان کا بھائی سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے اور اس کی رپورٹ پر پولیس نے اکبر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔

اکبر خان کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی طالع مند نے کام چھوڑا اور اکبر خان کی مدد پر جانے کو تیار ہو گئے۔ طالع مند کے ایک ساتھی روشن خان نے حیرانی سے پوچھا طالع مند! تمہاری اکبر خان کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے، جو یوں کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟ طالع مند نے کہا میں اس کا کرایہ دار ہوں، وہ میرا محسن ہے، اگر خوشی کے وقت وہ مجھے نہیں بھول سکتا تو پھر میں مصیبت کی گھڑی میں اس کی خیر خبر نہیں لے سکتا۔

روشن خان اور طالع مند دونوں ساتھ چل پڑے اور دونوں کی کوشش سے اکبر خان پولیس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ اس واقعہ کا اکبر خان پر یہ اثر ہوا کہ طالع مند کی ضد اور اس کے اصرار کے باوجود اکبر خان نے ایک سال تک اس سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ جب طالع مند واپس لاہور آئے تو اکبر خان نے پیار کی نشانی کے طور پر باپ بیٹے کو ایک ایک چادر بھی دی۔

جب ہندو مصنف راج پال نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی تو اس کی اشاعت سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر مسلمان کے دل میں ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونے کی امنگ بھر گئی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبات کے پیشِ نظر راج پال کے خلاف مقدمہ دائر کیا، لیکن عدالت نے اسے بری کر دیا۔ غازی علم الدین ان تمام حالات سے بے

خبر تھے۔ایک روز حسب معمول کام پر گئے ہوئے تھے۔غروب آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے،تو دلی دروازے میں لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رُکے۔کچھ دیر کھڑے سنتے رہے،لیکن کوئی بات پلے نہ پڑی تو قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ ایک ہندو راجپال نے ہمارے نبی کریم ﷺ کیخلاف کتاب چھاپی ہے۔ان کے خلاف تقریر ہو رہی ہے۔وہ دیر تک تقریر سنتے رہے،علم الدین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے،پھر ایک دفعہ غازی علم الدین نے خواب دیکھا۔ایک بزرگ فرماتے ہیں،علم الدین جلدی کرو،راجپال تمہارے ہی ہاتھوں قتل ہو گا۔ قدرت نے یہ سعادت تمہارے ہی مقدر میں لکھی ہے۔

غازی علم الدین نے صبح ہوتے ہی تیز دھار چھری خرید لی اور سیدھا راجپال کی دکان پر پہنچے اور پوچھا کہ راج پال کہاں ہے؟اس نے کہا میں ہی راجپال ہوں۔غازی علم الدین نے وہی چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔اس کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی اور وہ فرش پر اوندھے منہ گر گیا۔راج پال کو قتل کرنے کے بعد غازی بڑے اطمینان سے قریبی نل پر گئے اور چھری کو اس ملعون کے ناپاک خون سے صاف کیا۔

ابھی پانی پینے ہی والے تھے کہ ایک شور ان کے کانوں میں پڑا۔راج پال قتل ہو گیا،قاتل کو پکڑو،جانے نہ پائے۔شور مچانے والے سب ہندو تھے،ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور لاٹھیاں تھیں،لیکن وہ سب غازی کے قریب آکر خود بخود رُک گئے۔یہ صورت حال دیکھ کر غازی علم الدین مسکرا دیئے۔

غازی علم الدین کے والد گرامی طالع مند نے اپنے بیٹے کے اس کارنامے پر یوں اظہار مسرت فرمایا۔اگر یہ کام میرا بیٹا نہ کرسکتا تو مجھے دُکھ ہوتا۔والدہ محترمہ نے

فرمایا، اگر میرے سات لڑکے ہوتے اور وہ اس طرح تحفظ ناموسِ رسالت کے لیے قربان ہو جاتے تو میں زیادہ خوش ہوتی۔

غازی نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ راج پال کی نعش میو ہسپتال بھجوا دی گئی۔ اس کے قتل کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی۔ رات گئے تک اخبارات کے ضمیمے فروخت ہوتے رہے۔ ہندو ہسپتال کے باہر جمع ہو گئے۔ مسلمان بھی پولیس اسٹیشن کے باہر غازی علم الدین کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ مسلمان اخبارات کا مطالبہ تھا کہ غازی علم الدین کو رہا کر دیا جائے، کیونکہ اس نے حرمتِ رسول کی پاسداری کی ہے۔

غازی علم الدین پر مقدمہ چلتا رہا، ہر عدالت نے انہیں سزائے موت کا حکم سنایا۔ علامہ اقبال اور محمد علی جناح نے انہیں بچانے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن سزائے موت کا حکم برقرار رہا۔ ایک دفعہ کسی نے غازی سے کہا کہ تم اقبال فعل نہ کرو، تو آپ نے جواب دیا، تم لوگ مجھے جامِ شہادت سے محروم رکھنا چاہتے ہو، میں تو ہر جگہ یہ اعلان کروں گا کہ راج پال کو میں نے قتل کیا ہے۔ ایک جان کی کیا بات ہے، اگر مجھے دس جانیں مل جائیں تو میں وہ بھی ناموسِ رسالت کی پاسداری پر قربان کروں گا۔ یہ قتل میرے نامہ اعمال کا اعزاز ہے اور میں اس اعزاز سے محروم ہو کر حضور ﷺ کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

میانوالی شہر میں ایک مجذوب رہتا تھا، جو کسی سے بھی بات نہیں کرتا تھا، جب غازی علم الدین میانوالی جیل میں منتقل ہوئے۔ اس رات وہ مجذوب گلی کوچوں میں دوڑتا پھرتا تھا اور بلند آواز میں نعرے لگاتا لوگو! تمہیں مبارک ہو، تمہارے پاس ایک عاشقِ رسول ﷺ آ رہا ہے۔ وہ رات اس مجذوب نے یوں گزار دی، پھر غائب ہو گیا۔

جب جیل میں غازی علم الدین کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تو ان کے جسم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ چہرہ تمتما اٹھا اور وہ یہ شعر گنگنانے میں محو ہو گئے۔

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول ﷺ میں　　اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

پھانسی کی سزا سننے والا شخص جتنا بھی دلیر ہو پھانسی کی سزا کا اعلان ہو جانے کے بعد اس کا وزن ضرور گھٹتا ہے، بڑھتا نہیں لیکن عاشقِ رسول ﷺ غازی علم الدین کا وزن ۲۲ رمئی ۱۹۲۹ء کو ۱۲۸ پونڈ تھا اور شہادت کے دن ان کا وزن ۱۴۰ پونڈ کے قریب تھا۔ یہ دنیا کی انوکھی مثال ہے۔

۳۱ راکتوبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات میانوالی جیل ہی میں اس مردِ مجاہد کو تختہ دار پر چڑھانے کا اہتمام کر لیا گیا۔ آپ نے دو نوافل ادا کئے اور بڑے اطمینان اور وقار کے ساتھ تختہ دار کی طرف بڑھے اور پھندے کو چومتے ہوئے خوشی سے زیب گلو کر لیا اور درود وسلام پڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ جاوداں پا گئے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

علامہ اقبال نے جب جنازے کی کیفیت دیکھی اور شہید کے چہرے کی زیارت سے فیضیاب ہوئے، تو فرمانے لگے، ''اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا'' (یعنی ہم باتیں کرتے رہے ترکھان کا بیٹا ہم سے بازی لے گیا) غازی علم الدین کو لاہور میں چوبرجی کے بالکل نزدیک میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا　　جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی رقمطراز ہیں، غازی علم الدین کا مقسوم دیکھئے! نہ چلہ کیا نہ مجاہدہ، نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا، نہ دیر میں نقشہ کھینچا نہ حرم کا مجاور بنا، نہ مکتب

میں داخلہ لیا نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا، نہ کنز وقدوری کھول کر دیکھی، نہ رازی وکشاف کا مطالعہ کیا، نہ حزب البحر کا ورد کیا، نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا، نہ علم وحکمت کے خم و پیچ میں الجھا، نہ کسی حلقہ تربیت میں بیٹھا، نہ کلام و معانی سے واسطہ رہا، نہ فلسفہ ومنطق سے آشنا ہوا، نہ مسجد کے لوٹے بھرے، نہ تبلیغی گشت کیا، نہ کبھی شیخی بگھاری، نہ کبھی شوخی دکھائی، اسے پاکبازی کا ضبط نہیں، محبوب حجازی سے ربط تھا، وہ تسبیح بدست نہیں، مست مئے الست تھا، وہ مسند آراء نہیں، فقیر سر راہ تھا۔

جس زمانے میں یہ رسوائے زمانہ کتاب لکھی اور چھاپی گئی، شہر لاہور میں ظاہر ہے حق ہو کے زلزلے ہوں گے، علم وفضل کے چرچے ہوں گے، تقریر وتحریر کے ہم ہمے ہوں گے، وعظ نصیحت کے غلغلے ہوں گے، ادیبوں اور خطیبوں کے طنطنے ہوں گے، لیکن شاتم رسول کو اسفل السافلین میں پہنچانے کی سعادت کسی صوفی باصفا، کسی امام ادب وانشا، کسی خطیب شعلہ نوا اور کسی سیاسی رہنما کے حصے میں نہیں آئی بلکہ ایسے مزدور کو ملی جو ممتاز دانشور نہیں معمولی کاریگر تھا، جس کی پیشانی پر علم وفضل کے آثار نہیں، ہاتھوں میں لوہے کے اوزار تھے، خدا معلوم وہ نمازی تھا یا نہیں، لیکن صحیح معنوں میں غازی نکلا، وہ کلاہ ودستار کا آدمی نہیں تھا، مگر بڑے کردار کا حامل بن گیا۔

حاصل...... غازی علم الدین نے فن تجوید وقرأت سیکھا، نہ عربی فارسی پڑھی، نہ رومی کی مثنوی دیکھی، نہ زمخشری کی کشاف پڑھی، نہ دین کے اسرار ورموز سمجھے، مگر ایک راز اس پر ایسا کھلا کہ مقدر کے بند کواڑ کھل گئے۔ قسمت کا دریچہ کیا کھلا کہ جنت کے دروازے کھل گئے، یہ عقل خود بین کا کرشمہ نہیں، عشقِ خدا بین کا معجزہ تھا کہ کل تک دکان پر ٹھک ٹھک کرنے والا علم الدین آج کروڑوں مسلمانوں کے سینے میں دل بن کر دھک دھک کر رہا ہے۔ (بحوالہ عشقِ رسول کے ایمان افروز واقعات)

حاصل...... بیشک عشق رسالت کی بات ہی نرالی ہے، زہے نصیب جس کا

عشق رسالت کے لئے کچھ لگ جائے ،اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے لئے یہ جان بھی چلی جائے اور اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے تب بھی یہ سودا سستا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۴۷

۳۳ برس میں آٹھ مسائل کا حصول

حضرت حاتم اصمؒ کو جب اپنے مرشد حضرت شفیق بلخیؒ کی خدمت میں رہتے ہوئے ۳۳ برس گزر گئے تو ایک دن حضرت شفیق بلخیؒ نے ان سے پوچھا حاتم تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا عرض کیا ۳۳ برس حضرت شفیقؒ نے پوچھا کہ ان ۳۳ برسوں میں کیا سیکھا فرمایا آٹھ مسئلے حضرت شیخ بلخیؒ نے فرمایا انّا اللہ وانّا الیہ راجعون اتنی طویل مدت اور صرف آٹھ مسئلے، معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عمر رائیگاں گئی۔ حضرت حاتمؒ نے عرض کی کہ اے استاد محترم میں جھوٹ بولنے سے طبعاً نفرت کرتا ہوں فی الواقع میں صرف آٹھ مسائل ہی حاصل کر سکا حضرت شفیقؒ نے فرمایا اچھا تو وہ کون سے آٹھ مسائل ہیں ذرا میں بھی سنوں۔

حضرت حاتمؒ نے عرض کی پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک شخص کسی خاص شے کو محبوب رکھتا ہے جو تا دم مرگ اس کے ساتھ رہتی ہے جب اس کا رشتہ حیات منقطع ہو جاتا ہے تو وہ اپنی محبوب شے سے جدا ہوتا ہے لیکن میں نے حسنات کو اپنا محبوب بنالیا ہے جو مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ رہیں گی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اس آیت ''واما من خاف مقام ربہ ونھی

النّفسَ عنِ الهَویٰ. فانّ الجنةَ هیَ المأویٰ"

پر غور کیا اور اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پانے کی عادت ڈالی یہاں تک کہ وہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں راسخ ہو گیا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کی حالت دیکھ کر حسد کرتے ہیں چنانچہ میں نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے رہنمائی چاہی تو اس کے کلام میں یہ پایا۔

"نحنُ قسَمنا بینَھُم معیشتَھُم فی الحیٰوۃِ الدُّنیا "

(ہم نے تقسیم کیا ہے لوگوں میں ان کی ضروریات معاش کو) اس حکم الٰہی کو میں نے ذہن نشین کر لیا اور حسد سے یکسر کنارہ کش ہو گیا جب قسمت اللہ کے یہاں سے ہے تو پھر خلق سے عداوت کیسی؟

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے ہر شخص کو دیکھا کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر بھروسہ کرتا ہے کوئی مال پر بھروسہ کرتا ہے کوئی زمین پر کوئی تجارت پر کوئی ہنر پر کوئی صحت بدنی پر لیکن جب میں نے اللہ کا کلام دیکھا تو اس میں یہ پایا۔ "ومن یتو کّل عُلی اللہ فھُو حسبُہٗ" (جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے)

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حسب ونسب مال و منال اور جاہ ومنصب پر نازاں ہیں میں نے ان چیزوں پر غور کیا تو بے کار محض معلوم ہوئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"اِنّ اکرَ مکُم عِندَاللہ أتقا کُم"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

چنانچہ میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہتر قرار پاؤں۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص روٹی کے ایک ٹکڑے کے

لئے اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو ناجائز ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔

''وما من دآبّةٍ فی الارض الاّ علی الله رِزقُها''

(کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو) میں نے یہ یقین کر کے کہ میں بھی اس مخلوق میں شامل ہوں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے حصول رزق کے لئے ادھر ادھر دوڑنا بھاگنا ترک کر دیا اور حق تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ جس شخص کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے وہ اس کو سنبھال کر رکھتا ہے اور مقدور بھر اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن جب میں نے کلام اللہ کو دیکھا تو اس میں یہ پایا۔

''ماعندکُم ینفدُ وما عندالله باق''

(تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا پس اپنی دانست میں جس چیز کو میں نے قیمتی پایا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا تاکہ اس کے پاس موجود رہے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زمین پر فساد برپا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں میں نے کلام الٰہی کی طرف رجوع کیا تو اس میں یہ پایا۔

''انّ الشیّطانَ لکُم عدُوّفا تّخِذُ وہُ عدُوّا ، انّما یدعُوا حِزبَہٗ لیکُونُوا مِن أصحابِ السّعیر''.

(شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھو وہ اپنے گروہ کو اس کی طرف بلاتا ہے تاکہ دوزخی ہو جائے) چنانچہ میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھ لیا اور باقی سب

مخلوق کی عداوت ترک کردی۔

حضرت شقیق بلخیؒ نے یہ سن کر فرمایا اے حاتمؒ اللہ تجھ پر فضل کرے میں نے تمام کتب سماوی پر غور کیا تو ان سب کی اصل یہی آٹھ مسئلے پائے ہیں دوسرے سب مسائل انہی آٹھ مسئلوں کی شاخیں ہیں۔ (بحوالہ حکایات صوفیہ از طالب ہاشمی)

حاصل...... بیشک اگر ہر مسلمان ان آٹھ اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنالے تو یقیناً اس کی دنیا و آخرت سنور سکتی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان آٹھ مسئلوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۴۸

اولیاء اللہ اپنے آپ کو مخفی رکھتے ہیں

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ پر چڑھائی کی دشمن نے قلعہ بند ہو کر نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا اور قلعہ پر قابض ہونے کی تمام شاہی کوششیں ناکام بنادیں بادشاہ محاصرہ کی طوالت سے اکتا گیا اسی دوران میں ایک رات سخت طوفان و بادو باران آیا اس سے شاہی فوج کے بیشتر خیمے گر پڑے اور جگہ جگہ پانی بھر گیا ہوا کے جھکڑ اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے تمام خیموں میں آگ بجھ گئی ادھر سردی کی وہ شدت ہوئی کہ رگوں میں خون منجمد ہونے لگا اس حالت میں بادشاہ کا خادم خاص (یاسقہ) بادشاہ کے لئے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا اسے دور ایک جگہ روشنی نظر آئی وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک خیمہ کھڑا تھا اور اس میں چراغ جل رہا تھا اس کی روشنی میں ایک درویش صورت سپاہی قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا ہے خادم پر ہیبت چھا گئی اور اسے آگ مانگنے کا ہوش ہی نہ رہا درویش

نے خود ہی سر اٹھا کر پوچھا کیوں بھئی آگ کی ضرورت ہے خادم نے اثبات میں جواب دیا تو درویش نے کہا جتنی آگ چاہیے ہو بے دھڑک لے جاؤ خادم نے خیمے کے اندر داخل ہو کر ایک لکڑی سلگائی اور شاہی آبدار خانہ میں آ کر حمام گرم کیا لیکن اس واقعہ سے اس کے دل میں بڑی بے قراری پیدا ہو گئی صبح کاذب کے وقت مشک لے کر پھر اس درویش کے خیمے پر گیا دیکھا تو وہ درویش خیمہ میں موجود نہ تھے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ دور ایک تالاب نظر آیا وہاں وہ درویش وضو کر رہے تھے خادم ایک گوشہ میں کھڑا ہو گیا درویش نے فارغ ہو کر نماز فجر ادا کی اور اپنے خیمے میں آ گئے خادم اب تالاب پر پہنچا تو دیکھا تو جس جگہ درویش نے وضو کیا تھا وہاں کا پانی گرم تھا حالانکہ سردی کی شدت سے اردگرد کا پانی جم گیا تھا خادم نے اسی جگہ سے اپنی مشک میں پانی بھرا اس کو لے کر آبدار خانے میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کر لیا کہ یہ سب اسی درویش کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے لیکن اس راز کو دل ہی میں رکھا۔

دوسرے دن نماز فجر سے کچھ پہلے تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اتنے میں وہ درویش تالاب پر آئے اور اس کے کنارے پر ایک جگہ بیٹھ گئے ان کے سامنے پانی نے اسی وقت جوش مارا انہوں نے وضو کیا اور تشریف لے گئے خادم نے وہاں سے گرم پانی کی مشک بھری اور سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا سلطان اس وقت دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا خادم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور اگر میرے ایک راز کو خلوت میں سنیں تو گوش گذار کروں سلطان نے خلوت میں جا کر اس کو اپنی بات کہنے کا موقع دیا خادم نے تمام واقعات من وعن سلطان کے گوش گذار کر دیئے سلطان بہت حیران ہوا اور خادم سے کہا کے کل ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے تم میری خواب گاہ کے باہر ٹھہرو اور وقت معینہ پر مجھے جگا کر ساتھ لے چلنا جب رات ہوئی تو سلطان خواب گاہ میں چلا گیا اور

دروازے کی کنجی خادم کے حوالے کر دی جب دو چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو خادم نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا اور خادم کے ہمراہ تالاب کے قریب ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا وہ درویش حسب معمول تشریف لائے پانی نے جوش مارا انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر واپس تشریف لے گئے سلطان نے پانی کو ہاتھ لگایا تو گرم تھا وہ بہت حیران ہوا اور سمجھ گیا یہ درویش سپاہی کے بھیس میں کوئی مرد خدا ہیں اسی وقت خادم کو ساتھ لے کر درویش کے خیمہ پر پہنچا وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے سلطان دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا ہندوستان کا فرمانروا جس کی ہیبت و جبروت کا اکناف عالم میں ڈنکا بج رہا تھا ایک بوریا نشین فقیر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور زبان سے بات نہ نکلتی تھی درویش تلاوت سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر سلطان پر پڑی تعظیم کے لئے اٹھے اور سلام کیا سلطان نے مؤدبانہ عرض کی کہ میری خوش بختی اور سعادت ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے لشکر میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود افسوس ہے کہ یہ قلعہ ابھی تک فتح نہیں ہو سکا دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو فتح عطا فرمائے درویش نے ہر چند اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود کیونکہ سلطان جو اپنی آنکھوں سے ان کی کرامت دیکھ چکا تھا کسی طرح نہ مانا آخر انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر فرمایا اسی وقت حملہ کرو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔

سلطان خوش خوش رخصت ہوا اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت قلعہ پر دھاوا بول دیا محصورین نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیئے اور قلعے کے دروازے کھول دیئے سلطان اس فتح پر سجدہ شکر بجا لایا اور دوسرے دن برہنہ پا درویش کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا انہیں بادشاہ کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا تمام مال و اسباب فقراء میں

تقسیم کر دیا اور خود ایک کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے بادشاہ ان کے خیمہ پر گیا تو اس کو خالی پایا، یہ درویش خواجہ شمس الدین ترک تھے وہ شاہی لشکر سے نکل کر سیدھے اپنے مرشد مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ کی خدمت میں پہنچے وہاں سے چند دن بعد ان کو پانی پت جانے کا حکم ہوا اور انہوں نے باقی زندگی اسی شہر میں اصلاح و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے گزار دی۔ (حوالا بالا)

حاصل...... یقیناً مسلمانوں میں ایسے عظیم بزرگ بھی گزرے ہیں، بے شک وہ عظیم لوگ تھے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ عظیم کیسے بنے، اس کا واضح جواب یہی ہے کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزاری، چنانچہ اگر آج بھی ہم تقویٰ کو اختیار کر لیں تو یقیناً ہم بھی کامیاب ہو سکتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے متقی بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر......۴۹

ایک مردِ خدا کا خون ناحق

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں سیدی مولہؒ نام ایک درویش دہلی میں وارد ہوئے اور اپنی جود و سخا اور فیض عام کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے مرجع خلائق بن گئے اپنی قیام گاہ کے دروازہ کے سامنے میدان میں انہوں نے ایک وسیع خانقاہ تعمیر کرائی جو شاہی مہمان خانے پر بھی سبقت لے گئی ہزار ہا مسافر اور حاجتمند روزانہ اس خانقاہ میں آتے سیدی مولہؒ کے لنگر سے سیر ہو کر کھاتے مسافروں کو آرام و آسائش کا ہر طرح کا سامان مہیا کیا جاتا اور ان کو دونوں وقت ایسا کھانا دیا جاتا جو بڑے بڑے

امراء کو میسر نہ تھا مولانا ضیا الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ سیدی مولہؒ کی خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے دو تین سو من شکر دو سو من مصری اور کئی من گھی صرف ہوتا تھا وہ پر تکلف کھانا کھلانے کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں چاندی یا سونے کے سکے بخش دیتے تھے اور خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ازدہام رہتا تھا سیدی مولہؒ جب کوئی چیز خریدتے یا کسی حاجت مند کو کچھ دینا چاہتے تو کہہ دیتے کہ جاؤ فلاں طاق سے یا اینٹ پتھر کے نیچے سے اتنی رقم لے لو کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کے ارشاد کے مطابق رقم نہ ملی ہو آپ کے عطا کردہ سکے بالکل نئے ہوتے تھے اور جیسے ابھی ٹکسال میں ڈھل کر آئے ہوں لوگ آپ کا خرچ اور داد و دہش دیکھ کر حیران تھے اور ان میں مشہور ہو گیا تھا کہ سیدی مولہؒ علم کیمیا کے ماہر ہیں کیونکہ بظاہر ان کی آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی نہ ان کے پاس کوئی جاگیر تھی اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے ان کا لباس صرف ایک چادر اور جامہ پر مشتمل ہوتا تھا کوئی خادمہ یا خادم ان کے پاس نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے مجاہدہ و ریاضت بے انتہا کرتے تھے خوراک صرف چاول کی روٹی اور معمولی سالن ہوتا تھا وہ صوم و صلوٰۃ کے پورے پابند تھے لیکن عجیب بات تھی کہ لوگوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے تھے اور سب عبادات تنہا ہی بجالاتے تھے۔ (ہوسکتا ہے کوئی شرعی عذر ہو)

خاندان غلاماں کے بعد جب خلجیوں کا دور اقتدار شروع ہوا تو سیدی مولہؒ کے خانقاہ کا خرچ پہلے سے بھی بڑھ گیا اکثر امراء و حکام ان کے عقیدت مند ہو گئے حتیٰ کہ سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خان خاناں بھی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا وہ اپنے آپ کو سیدی مولہؒ کا فرزند کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا غرض سیدی مولہؒ کی خانقاہ میں ہر وقت امرائے ذی اقتدار کا ہجوم رہنے لگا ان کے علاوہ ایسے لوگوں کی

آمدورفت بھی خانقاہ میں بڑھ گئی جو بلبن کے عہد میں بڑے جاہ وحشم کے مالک تھے انقلاب حکومت کی وجہ سے بے سروسامان اور تہی دست ہو گئے یہ لوگ سیدی مولہؒ کی دادودہش سے فیض اٹھاتے اور اکثر رات کو ان کی خانقاہ میں ہی پڑے رہتے۔

سلطان جلال الدین خلجی کا قاضی القضاء قاضی جلال الدین کاشانی تھا وہ ایک چرب زبان اور فتنہ انگیز شخص تھا اس نے سلطان سے نمک حرامی کی اور عہد بلبنی کے امراء کے ساتھ مل کر سیدی مولہؒ کو ترغیب دینی شروع کی کہ بادشاہ ظالم ہے کیا ہی خوب ہو اگر آپ سلطنت کو اس کے پنجہ سے نکال کر خلق خدا کو عدل وانصاف سے شاد کام کریں اور شریعت کی حکومت قائم کریں سیدی مولہؒ کو بادشاہت کی آرزو کیا ہوتی لوگ تو بادشاہ سے بڑھ کر ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے انہوں نے بادشاہت کا دعویدار بننے سے انکار کر دیا تاہم یہ لوگ ان کی خانقاہ میں بیٹھ کر بادشاہ کے خلاف پخت وپز کرتے رہے ان میں سے چند نے سلطان کے قتل کی سازش کی لیکن اس کا راز قبل از وقت فاش ہو گیا سلطان نے غضبناک ہو کر سیدی مولہؒ قاضی جلال الدین کاشانی اور سیدی مولہؒ کے معتقدین خاص کو دربار میں طلب کیا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی سب نے اس سازش سے لاعلمی کا اظہار کیا مؤرخین کا بیان ہے کہ سیدی مولہؒ فی الحقیقت اس سازش سے بالکل بے خبر تھے کیونکہ مفسدوں نے سارا منصوبہ ان سے در پردہ تیار کیا تھا بادشاہ ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور حکم دیا کہ آگ کا ایک الاؤ تیار کیا جائے اور یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں سے گزریں اگر سچے ہوئے تو آگ ان کا بال بیکا نہ کرے گی جب الاؤ تیار ہو گیا تو سیدی مولہؒ فوراً اس میں کودنے کے لئے تیار ہو گئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے آگ کی طرف بڑھے اس وقت بادشاہ کا دل پسیج گیا اور اس نے علماء سے استفسار کیا کہ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے تمام علماء نے بالاتفاق کہا کہ آگ کے ذریعے سچ اور جھوٹ کی

تمیز نہیں سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں صرف ایک شخص کی شہادت قابل اعتماد نہیں چنانچہ بادشاہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایون تبدیل کر دیا اور دوسرے مبینہ شازشوں کو جلاوطن کر دیا اس کے بعد سیدی مولہؒ کو باندھ کر بادشاہ کے سامنے لائے بادشاہ نے ان سے متعدد سوالات کیے سیدی مولہؒ نے ہر سوال کا معقول جواب دیا جب بادشاہ سیدی مولہؒ کو مجرم ثابت کرنے میں ناکام رہا تو اس نے شیخ التمش حیدری کو جو اپنی حیدری جماعت کے ساتھ وہاں موجود تھا قریب بلایا اور کہا اے درویشان انصاف من ازیں مولہؒ بستانید یہ سن کر سنجری یا بحری نامی ایک درویش نے آگے بڑھ کر سیدی مولہؒ کو استرے سے مجروح کر دیا سویاں چبھوئیں اور زبردستی داڑھی مونڈھ ڈالی اتنے میں بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خان نے جو اپنے بڑے بھائی خان خاناں کی عداوت کی وجہ سے سیدی مولہؒ سے بھی عناد رکھتا تھا ایک فیل بان کو اشارہ کیا اس نے اپنا ہاتھی مظلوم سیدی مولہؒ پر دھکیل دیا اور وہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے شہادت سے کچھ مدت پہلے اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند — لاغر صفتان زشت خو را نکشند

در عاشق صادق زکشتن مگریز — مردار بود ہر آں کہ او را نکشند

مولانا ضیاالدین برنی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز سیدی مولہؒ کا قتل ہوا اس دن ایسی سیاہ آندھی آئی کہ ہر طرف تاریکی چھا گئی اس سال دہلی اور اس کے گردونواح میں بارش کی کمی کی وجہ سے ہولناک قحط پڑا ہزاروں آدمیوں نے بھوک سے تنگ آکر دریائے جمنا میں کود کر خودکشی کر لی اور پھر پے در پے ایسے حادثات پیش آئے کہ پانچ ہی برس بعد بادشاہ کا خاتمہ دردناک طریقے سے ہو گیا۔

صاحب اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ جس دن سیدی مولہؒ کا واقعہ شہادت پیش

آیا بے انداز گرد و غبار فضا میں اٹھا کہ جس سے سخت تاریکی چھا گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی کہتے ہیں کہ سیدی مولہؒ کو قتل کرنے کے بعد بادشاہ بہت پچھتایا لیکن اب اس کا پچھتانا بے سود تھا ایک مرد خدا کا قتل اسے اور اس کی حکومت کو لے ڈوبا حالات کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی جیسا بادشاہ جو نہایت رحم دل اور فقراء کا عقیدت مند تھا سیدی مولہؒ جیسے سخی اور معدن فیض درویش کے ظالمانہ قتل کا باعث ہوا۔ (بحوالہ حکایات صوفیہ از طالب ہاشمی)

حاصل...... معلوم ہوا کہ انسان کبھی بغیر تحقیق کے کوئی قدم نہ اٹھائے کہ بعد میں پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا، جیسا کہ اس بادشاہ کے ساتھ ہوا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۵۰

شوہر کی اطاعت و نافرمانی کا نتیجہ

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان سخت بیمار ہوا جس پر اس کی والدہ نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو شفاء عطا فرمادے تو میں سات دن کے لئے دنیا سے نکل جاؤں گی چنانچہ شافی مطلق نے مریض کو شفا عطا فرمادی مگر وہ عورت اپنی نذر پوری نہ کرسکی اس کے بعد اس عورت نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ فرمارہے ہیں اے خدا کی بندی! تو اپنی نذر پوری کرتا کہ خدا کی باز پرس سے محفوظ رہ سکے صبح ہوئی تو اس عورت نے اپنے لڑکے کو بلا کر تمام واقعہ بیان کیا اور اس سے کہا کہ قبرستان میں میرے لئے قبر کھود کر مجھے اس میں دفن کردے چنانچہ لڑکے نے اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل کی اور اسے زندہ ہی دفن کردیا اور اس عورت نے قبر میں دعا کی کہ اے میرے

پروردگار! میں نے اپنی وسعت کے مطابق اپنی نذر پوری کر دی اب تو مجھے قبر کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔

اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ اس کے سر کی جانب ایک روشن دان ہے عورت نے اس روشندان میں جھانکا تو ایک باغ نظر آیا جس میں دو عورتیں موجود تھیں جنہوں نے اس عورت کو آواز دی کہ بی بی ہمارے پاس چلی آ خدا کی قدرت سے وہ روشن دان کشادہ ہو گیا اور جس سے نکل کر وہ عورت باغیچے میں ان دونوں عورتوں کے پاس جا پہنچی اور وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ باغ میں ایک پاکیزہ حوض ہے جس پر وہ دونوں عورتیں بیٹھی ہیں اس عورت نے ان دونوں کے پاس پہنچ کر ان دونوں کو سلام کیا لیکن ان میں سے کسی نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا اس عورت نے ان سے پوچھا کہ تم تو ابھی بات چیت کر رہی تھیں آخر میرے سلام کے جواب سے کیا مانع پیش آیا؟ اس کو ان دونوں عورتوں نے جواب دیا کہ سلام تو اطاعت و بندگی ہے اور ہم یہاں اس سے روک دیئے گئے ہیں۔ اتنے میں یہ عورت کیا دیکھتی ہے۔ کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک کے سر پر ایک پرندہ اپنے بازوؤں سے ہوا کر رہا ہے اور دوسری عورت کے سر پر ایک پرندہ اپنی چونچ مار رہا ہے، یہ دیکھ کر اس عورت نے پہلی عورت سے دریافت کیا کہ: تمہاری اس فضیلت کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دنیا میں اپنے شوہر کی فرمانبردار بیوی تھی اور میرے دنیا سے رخصت ہوتے وقت میرا شوہر مجھ سے خوش تھا، بس اسی اطاعت گزاری کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اس نعمت سے نوازا ہے۔ پھر اس نے دوسری عورت سے معلوم کیا کہ: بی بی آخر تمہاری اس کلفت کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں تھی تو نیک بخت مگر شوہر کی فرمانبردار نہ تھی اور میرے دنیا سے رخصت ہوتے وقت میرا شوہر مجھ سے ناخوش تھا لہٰذا میری نیک بختی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ باغ عطا فرمایا لیکن شوہر کی نافرمانی اور ناراضگی کے باعث میں اس عذاب میں مبتلا

ہوں، لہٰذا میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ جب تم دنیا میں واپس جاؤ تو میرے شوہر سے میرے لئے سفارش کرنا، ممکن ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے اور راضی ہو جائے۔ چنانچہ جب اس مدفونہ عورت پر سات دن گزر چکے تو ان دونوں عورتوں نے اس کو بتایا کہ دیکھو اب تم اپنی قبر میں چلی جاؤ، تمہارا لڑکا آیا ہوا ہے۔ اس بات کو سن کر اس عورت نے اپنی قبر میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا لڑکا قبر کھود رہا ہے پھر جب وہ لڑکا اپنی والدہ کو لے کر گھر پہنچا تو خبر مشہور ہوگئی کہ فلاں عورت اپنی نذر پوری کر کے قبر سے نکل کر آئی ہے۔ اس خبر کو سن کر جوق در جوق لوگ اس کی ملاقات کو آنے لگے جن میں اس عورت کا شوہر بھی تھا جس نے اس عورت سے اپنی سفارش کی درخواست کی تھی اس عورت نے اس شخص سے اس کی بیوی کا تمام حال بیان کر کے اس کی سفارش کی جس پر اس شخص نے بیوی کا قصور معاف کر دیا تو اس عورت نے خواب میں دیکھا کہ اس کی بیوی اس سے کہہ رہی ہے کہ بی بی تیری وجہ سے اللہ نے مجھے عذاب سے نجات دے دی تیرے بھی اللہ گناہ معاف کرے اور تجھے اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ (بحوالہ حکایتوں کا گلدستہ)

حاصل...... دیکھو شوہر کی فرمانبرداری کا کتنا بڑا صلہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری تمام بہنوں کو اطاعتِ شوہر کی توفیق عطا فرمائے اور ہر آن حقوق العباد کی فکر کرنے اور اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۵۱

ایک خدا پرست غلام کی دعا کی برکت

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں شدید قحط پڑا لوگ نماز استسقاء کے لئے میدان عرفات میں جمع ہوتے رہے لیکن کسی طرح قحط کے

آثار کم نہ ہوتے تھے برابر ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا چنانچہ آئندہ ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد لوگ پھر عرفات میں جمع ہوئے تو میں نے دیکھا ایک سیاہ فام ضعیف وناتواں انسان ہے جس نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور سجدہ میں گر کر قسم کھائی کہ تیری عزت وجلال کی قسم! اسوقت تک سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک تو باران رحمت سے اپنے بندوں کو سیراب نہ کردے چنانچہ اس کی اس دعا کے بعد میں نے دیکھا کہ آسمان پر ابرِ سیاہ نمودار ہوا اور اس طرح برسا کہ گویا کسی نے مشک کے دھانے کھول دیئے ہیں بعد ازاں اس سیاہ فام بندہ خدا نے اپنے رب کی حمد وثنا بیان کی اور چل دیا میں بھی اس کے پیچھے ہولیا کہ دیکھوں یہ شخص کہاں جاتا ہے جب وہ چلتے چلتے ایسے مکان میں داخل ہوا جہاں ایک بردہ فروش رہتا تھا میں یہ دیکھ کر واپس چلا آیا اور صبح کو کچھ روپیہ لے کر اس بردہ فروش کے مکان پر پہنچا میں نے کہا کہ مجھے ایک غلام خریدنے کی ضرورت ہے میری اس درخواست پر اس سوداگر نے تقریباً تیس غلام مجھے دکھائے ان سب کو دیکھ بھال کر مین نے کہا ان کے علاوہ اور بھی کوئی غلام ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں! ایک منحوس سا غلام اور ہے جو کسی سے بات بھی نہیں کرتا میں نے کہا اسے بھی دکھا دو تو سوداگر اسی غلام کو لے آیا جس کو میں دیکھ چکا تھا کہ اس کی دعا سے اللہ نے باران رحمت کی تھی میں نے اس سوداگر سے دریافت کیا کہ تم نے اس کو کس قیمت پر خریدا ہے؟ سوداگر کہنے لگا کہ خریدا تو ہے میں نے بیس اشرفیوں کا مگر آپ کو صرف دس ہی اشرفی کا دے دوں گا یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں بلکہ میں تم کو اس کی قیمت میں ستائیس اشرفیاں زیادہ دوں گا بس اس کا سودا کر کے میں غلام کو ہمراہ لے کر چلا آیا تو وہ غلام کہنے لگا اے میرے آقا! آپ نے آخر مجھے کیوں خریدا ہے؟ میں تو کسی بھی خدمت کے قابل نہیں ہوں میں نے عرض کیا کہ میں نے تم کو اس لئے خریدا ہے کہ میں تمہارا

خادم بنوں اور تم میرے مالک! میری اس بات پر غلام نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرر ہے ہیں؟ اس پر میں نے عرض کیا کہ میں کل تمہاری کرامت دیکھ چکا ہوں اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور اپنی رحمت کی بارش کردی جس کے لئے مخلوق پریشان تھی اس نے دریافت کیا کہ کیا واقعی آپ نے ایسا دیکھا ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ کیا آپ مجھے آزاد کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ تو اللہ کے واسطے آزاد ہے! اس کے بعد میں نے سنا ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ ابن مبارک! تجھے بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت فرمادی بعد ازاں اس غلام نے کامل وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اس چھوٹے آقا کی آزادی پر تو اللہ کا شکر ہے مگر مولائے اکبر کے آزاد کرنے پر اس کا شکر کس طرح ادا کروں؟ اس کے بعد دوبارہ وضو کر کے اس نے دو رکعت نماز ادا کی اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگی کہ الٰہی تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیس سال تک تیری عبادت کی اور میرے تیرے درمیان عہد تھا کہ تو میرا پردہ فاش نہ کرے گا مگر اب جبکہ یہ راز کھل گیا تو تو میری روح قبض کر کے اپنے پاس بلالے اتنے میں وہ بیہوش ہو کر گرا جو دیکھا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسکو معمولی کفن دیا اور نماز پڑھ کر دفن کر دیا پس جب میں سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو خوبصورت بزرگ عمدہ سا لباس پہنے ہوئے ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے فرمایا اے ابن مبارک! کیا تجھے اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں آتی؟ اور یہ کہہ کر جب وہ چلے تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں! اور یہ میرے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام! آخر میں نے دریافت کیا کہ میں اللہ سے کس طرح نہیں شرمایا؟ حالانکہ کثرت سے نماز پڑھتا ہوں! اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ آج اولیاء اللہ میں سے ایک ولی کی وفات ہوئی اور تم نے اس کو اچھا کفن نہیں دیا

چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں نے اس غلام کی نعش کو قبر سے نکال کر نہایت عمدہ اور نفیس کفن پہنایا اور دوبارہ نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا اللہ تعالیٰ اس پر اپنا رحم فرمائے، آمین! (بحوالہ حکایتوں کا گلدستہ)

حاصل...... سچ ہے اللہ تعالیٰ اپنے مطیع اور فرمانبردار کی خود عزت بڑھا دیتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے فنا کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا کو خود اس کے آگے جھکا دیتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر......۵۲

ہارون الرشید کے نوجوان بیٹے کا عجیب اور سبق آموز واقعہ

ہارون الرشید کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی وہ بہت کثرت سے زاہدوں اور بزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا اور اکثر قبرستان چلا جاتا وہاں جا کر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دنیا میں موجود تھے۔ دنیا کے مالک تھے لیکن اس دنیا نے تمہیں اجازت نہ دی حتی کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ کاش مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گزر رہی ہے اور تم سے کیا کیا سوال و جواب ہوئے ہیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا۔ مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں۔

ایک دن وہ اپنے باپ (بادشاہ) کی مجلس میں آیا اس کے پاس وزراء امراء سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک کپڑا معمولی اور سر پر ایک لنگی بندی ہوئی تھی۔ اراکین سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے امیر المؤمنین کو دوسرے بادشاہوں کی نگاہ میں ذلیل کر دیا ہے! اگر امیر المؤمنین اس کو تنبیہ

کردے تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز آجائے۔ امیر المؤمنین نے یہ بات سن کر اس سے کہا کہ بیٹا تو نے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے۔ یہ بات سن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا، لیکن ایک پرندہ وہاں بیٹھا تھا اس کو کہا کہ اس ذات کے واسطے کہ جس نے تجھے پیدا کیا تو میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا وہ پرندہ وہاں سے اُڑ کر اس کے ہاتھ آکر بیٹھ گیا پھر کہا کہ اب اپنی جگہ چلا جا۔ وہ ہاتھ پر سے اڑ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ ابا جان اصل میں آپ دنیا سے جو محبت کر رہیں ہے، اس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے۔ اب میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جدائی اختیار کرلوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف اپنے ساتھ لیا۔ چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اس کو دے دی (کہ احتیاج کے وقت اس کو فروخت کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر بصرہ پہنچ گیا اور مزدوروں میں کام کرنے لگا۔ ہفتہ میں صرف ایک دن ہفتے کو مزدوری کرتا اور آٹھ دن تک اس مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں دن پھر ہفتہ کو مزدوری کر لیتا اور ایک درم اور ایک دانق (یعنی درم کا چھٹا حصہ) مزدوری لیتا۔ اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا۔ ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔ ابو عامر بصریؒ کہتے ہیں کہ میری ایک دیوار گر گئی تھی۔ اس کو بنوانے کے لئے میں کسی معمار کی تلاش میں نکلا (کسی نے بتایا ہوگا کہ یہ شخص بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) میں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے ایک زنبیل پاس رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ لڑکے مزدوری کرو گے؟ کہنے لگا کیوں نہیں کریں گے، مزدوری کے لئے تو پیدا ہی ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کیا خدمت مجھ سے لینی ہے؟ میں نے کہا گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک درہم اور ایک دانق مزدوری ہوگی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا مجھے نماز کے

لئے جانا ہوگا۔ میں نے اس کی دونوں شرطیں منظور کرلی اور اس کو لا کر کام پر لگادیا۔ مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا تو اس نے دس آدمیوں کے بقدر کام کیا۔ میں نے اس کو مزدوری میں دو درہم دیئے ۔اس نے شرط سے زائد لینے سے انکار کردیا اور ایک درہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا دوسرے دن پھر اس کی تلاش میں نکلا۔ وہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری کرتا ہے کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا ہے اس سے پہلے تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ مجھے اس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ میں نے آٹھ دن تک تعمیر بند کردی اور ہفتہ کے دن اس کی تلاش میں نکلا۔ وہ اسی طرح بیٹھا قرآن شریف پڑھتا ہوا ملا۔ میں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا اس نے وہی پہلی دونوں شرطیں بیان کیں، میں نے منظور کرلیں، وہ میرے ساتھ آکر کام میں لگ گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے ہفتہ کے دن کو اس نے اکیلے دس آدمیوں کا کام کس طرح کرلیا۔ اس لئے میں نے اسی طرح چھپ کر کہ وہ مجھے نہ دیکھے اس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا ،تو یہ منظر دیکھا کہ وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے سے جڑتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہے اور اللہ کے اولیاء کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے جب شام ہوئی تو میں نے اس کو تین درہم دینا چاہے۔ لیکن اس نے انکار کردیا کہ میں اتنے درہم کا کیا کروں گا اور ایک درہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ میں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے ہفتہ کو میں پھر اس کی تلاش میں نکلا۔ مگر وہ مجھے نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا تو ایک شخص نے بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے فلاں ویرانہ جنگل میں پڑا ہے۔ میں نے ایک شخص کو اجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اس جنگل

میں پہنچادے۔ وہ مجھے ساتھ لیکر اس جنگل ویران میں پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ وہ بیہوش پڑا ہے۔ آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کو سلام کیا، اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا تو اس نے (آنکھ کھولی اور) اور مجھے پہچان لیا۔ میں نے جلدی سے اس کا سر اینٹ پر سے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے سر ہٹا لیا اور کہا:

میرے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ۔ عمر ختم ہوتی جارہی ہے اور نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی۔ جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے تو یہ سوچتا رہا کر کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اٹھایا جائے گا۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ ابو عامر جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا۔ میں نے کہا میرے محبوب اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے لئے نئے کپڑے لے آؤں۔ اس نے جواب دیا کہ نئے کپڑوں کے لئے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں (یہ جواب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب ہے انہوں نے بھی اپنے وصال کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری انہیں چادروں میں کفن دے دینا اور جب ان سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی، تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا) لڑکے نے کہا کفن تو (پرانا ہو یا نیا بہر حال) بوسیدہ ہو جائے گا آدمی کے ساتھ تو صرف اس کا عمل ہی رہتا ہے اور یہ میری لنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارن رشید تک پہنچا دینا اور اس کا خیال رکھنا کہ خود انہیں کے ہاتھ میں دینا اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے اور وہ آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آجائے۔ یہ کہہ کر اس کی روح نکل گئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی

وصیت کے موافق میں نے اس کو دفن کر دیا اور دونوں چیزیں گورکن کو دے دیں اور قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہنچا اور قصر شاہی کے قریب پہنچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی۔ میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اول ایک بہت بڑا لشکر نکلا جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ اسی طرح یکے بعد دیگر دس لشکر نکلے۔ دسویں جتھے میں خود امیر المؤمنین بھی تھے میں نے زور سے آواز دے کر کہا اے امیر المؤمنین آپ کو حضور اقدس کی قرابت داری کا واسطہ ذرا سا توقف کر لیجئے۔ میری آواز پر انھوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا کہ میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے جس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہنچا دوں۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سر جھکایا ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور ایک دربان سے کہا کہ اس آدمی کو اپنے پاس رکھو۔ جب میں واپسی پر بلاؤں تو میرے پاس پہنچا دینا۔ جب ہارون الرشید باہر سے مکان پر واپسی پر پہنچے، تو محل کے پردے گروا کر دربان سے فرمایا۔ اس شخص کو بلا کر لاؤ اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔ دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے۔ اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو، تو پانچ ہی پر اکتفا کرنا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا۔ اس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آجاؤ۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو میں نے کہا جی ہاں جانتا ہوں۔ کہنے لگے وہ کیا کام کرتا تھا۔ میں نے کہا گارے مٹی کی مزدوری کرتے تھے۔ کہنے لگے تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اس سے کرایا تھا؟ میں نے کہا کرایا ہے۔ کہنے لگے کہ تم کو اس کا خیال نہ آیا کہ اس کی نبی اکرم ﷺ سے قرابت تھی (کہ یہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد میں ہیں) میں نے کہا

امیر المؤمنین پہلے اللہ جل شانہ سے معذرت چاہتا ہوں اس کے بعد آپ سے عذر خواہ ہوں مجھے اس وقت اس کا علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہے؟ مجھے ان کے انتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے اپنے ہاتھ سے اس کو غسل دیا۔ میں نے کہا جی ہاں۔ کہنے لگے اپنا ہاتھ لاؤ۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے وہ مسافر جس پر میرا دل پگل رہا ہے اور میری آنکھیں اس پر آنسو بہا رہی ہیں۔ اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دور ہے، لیکن اس کا غم میرے قریب۔ بیشک موت ہر اچھے سے اچھے عیش کو مکدّر کر دیتی ہے۔ وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اس کے بدن پر) پس چاند کا ٹکڑا بھی قبر میں پہنچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہنچ گئی۔

اس کے بعد ہارون الرشید نے بصرہ اس کے قبر پر جانے کا ارادہ کیا۔ ابو عامر ساتھ تھے اس کی قبر پر پہنچ کر ہارون الرشید نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا۔ موت نے کم عمری کے زمانے میں اس کو جلدی سے اچک لیا۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو میرے لئے انس اور دل کا چین تھا۔ لمبی راتوں میں بھی اور مختصر راتوں میں بھی تو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پیئے گا بلکہ دنیا کا ہر آدمی اس کو پیئے گا چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا۔ پس سب تعریفیں اسی وحدہ لاشریک کے لئے جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں ۔ابو عامر کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو رات آئی تو میں اپنے وظائف پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں ایک نور کا قبہ دیکھا جس کے اوپر نور ہی نور پھیل

رہا ہے۔اس نور کے ابر میں سے اس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا ابو عامر تمہیں حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز تکفین اور میری وصیت پوری کی)میں نے اس سے پوچھا کہ میرے پیارے تیرا کیا حال گزرا۔ کہنے لگا کہ میں ایسے مولیٰ کی طرف پہنچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے مجھے اس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں جو کبھی نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنی نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گزرا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے حق تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کے لئے جن کے پہلو رات کے خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں (یعنی تہجد گزاروں کیلئے)وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا خیال گزرا، نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی رسول جانتا ہے اور یہ مضمون قرآن پاک میں بھی ہے ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ﴾ (سورۃ سجدہ ع ۲)

کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانہ غیب میں موجود ہے اس کے بعد اس لڑکے نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو بھی دنیا سے اس طرح نکل آئے جیسا میں نکل آیا اس کے لئے یہی اعزاز و اکرام ہیں جو میرے لئے ہوئے۔

صاحب روض کہتے ہیں کہ یہ سارا قصہ مجھے اور طریقے سے بھی پہنچا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے ہارون الرشید سے اس لڑکے کے متعلق سوال کیا، تو انھوں نے بتایا کہ میرے بادشاہ ہونے سے پہلے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا۔ بہت اچھی تربیت پائی تھی ،قرآن پاک بھی پڑھا تھا اور علوم بھی پڑھے تھے جب میں بادشاہ بن گیا تو یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میری دنیا سے اس نے کوئی راحت نہ اٹھائی ۔ چلتے وقت میں

نے ہی اس کی ماں سے کہا تھا کہ اس کو یہ انگوٹھی دے دے۔ اس انگوٹھی کا یاقوت بہت زیادہ قیمتی تھا مگر وہ اس کو بھی کام میں نہ لایا۔ مرتے وقت واپس کر گیا۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا۔ (بحوالہ موت کا منظر)

حاصل...... ویسے تو یہ تمام واقعہ ہی سبق آموز اور عبرت کا مرقع ہے، مگر اس واقعہ سے چند سبق آموز باتیں جو ناچیز کے ذہن میں آئیں پیش کرتا ہوں:۔

پہلی بات...... شہزادے کو اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات سے نوازا تھا، یہ انعام خداوندی ہی تھا کہ انھوں نے شاہی محل پر بیٹھے ہوئے جانور سے کہا کہ خدا کے حکم سے میرے ہاتھ پر آکے بیٹھ جا، وہ آکر بیٹھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے، اور انھوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو خیر باد کہہ رکھا تھا جس کی وجہ سے جانور بھی ان کے تابع حکم ہو جاتے تھے۔

چنانچہ اس کی زندہ مثال ان کا یہ واقعہ ہے کہ جب یہ کمبل کا کرتہ اور لونگی سر پر باندھے پہنے ہوئے دربار شاہی میں داخل ہوئے تو تمام حاضرین نے نظر حقارت سے دیکھا، باپ نے نصیحت کی اور کہا، تو ایسے ایسے لباس پہن کر میری رسوائی اور جگ ہنسائی کرا رکھی ہے، میرے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے ہیں وہ تیرے لئے نہیں تو کس کے لئے ہیں؟ شہزادے نے باپ کو ایسا حیران کن جواب دیا کہ لوگ منہ تکتے رہ گئے، کہ ''مجھ سے دنیا دار نفرت کرتے ہیں لیکن آپ کی طرف تو جانور بھی توجہ نہیں کرتے'' سچ ہے حضور سرور کائنات ﷺ کا فرمان: ''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ'' جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے سمجھدار انسان وہ ہے جو دنیا کی چند روزہ زندگی میں پھنس کر آخرت کو نہ بھلائے، اس واقعہ میں ہمارے لئے بڑا سبق یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنا چاہیے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ دنیا والے اچھا کہتے ہیں یا برا؟

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ۔۔۔ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

دوسری بات...... یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دنیا کی بادشاہت کولات مار کر باطنی حکومت اختیار فرمائی، اور محنت و مزدوری کر کے گذر بسر کرنے کو ترجیح دی، جیسا کہ ابو عامر بصری نے ان کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس واقعہ میں کئی باتیں سبق آموز ہیں، ابو عامر نے پوچھا، کیا آپ مزدوری کریں گے؟ تو انھوں نے کتنا دانشمندانہ جواب دیا، ہم تو کام کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں یعنی اللہ نے بے کار پیدا نہیں فرمایا، یہ نہیں کہ آدمی دوسرے پر بوجھ بن جائے بلکہ دوسرے کا بوجھ ہلکا کرے، چنانچہ انھوں نے دو شرطوں پر ابو عامر سے مزدوری کرنا طے کیا، پہلی شرط نماز کے وقت کام چھوڑ کر چلا جاؤں گا، دوسری شرط طے شدہ مزدوری سے نہ کم لوں گا نہ زیادہ۔ ان دونوں شرطوں پر مسلمان غور کریں، کتنے مسلمان ہیں جو وقت پر نماز پڑھتے ہیں، پھر مزدوری پیشہ حضرات غور کریں، کہ نماز پڑھنا تو بہت بڑی بات ہے نماز کے تصور سے ذہن ہی خالی ہیں، کم اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو نماز کا خیال رکھتے ہیں۔

رہا مزدوری کا مسئلہ تو وہ بھی ایسا ہو گیا ہے کہ سن کر آدمی کے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں، اور منہ سے جو چاہا مزدوری مانگ لیتے ہیں، حیرانی ہوتی ہے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اتنا کمانے کے باوجود بھی مزدور پریشان رہتا ہے، اور کمائی میں بے برکتی کہ شکوے شکایات کرتے ہیں، ایک یہ شہزادے تھے کہ ابو عامر نے ان کے کام سے خوش ہو کر مزدوری زیادہ دینی چاہی تو یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا میں کیا کروں گا؟ پھر ہفتہ میں صرف ایک دن کام کیا کرتے تھے اور چھ دن یادِ خدا میں صرف کیا کرتے تھے۔ آج کی دنیا میں ایسی مثال تلاش سے بھی شاید ہی مل سکے، کاش مسلمان پکے نمازی بن جائیں، سچ بولنے کو اپنا شیوہ بنائیں اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہوں، دیانت و امانت سے کام کریں تا کہ برکت اور امن و سکون سے زندگی گزارے۔

تیسری بات ......شہزادے سکرات موت میں مبتلا ہیں، ایسی حالت میں ابو عامر مزاج پرسی کے لئے جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک کچی اینٹ پران کا سر رکھا ہوا ہے، گویا تکیہ کے بجائے سرہانے اینٹ رکھی ہوئی ہے، ابو عامر نے ان کا سر اپنی ران پر رکھا تو آنکھ کھول کر منع کر دیا، اور کہا میرا سر اینٹ پر ہی رکھ دو۔ اس حالت میں بھی ابو عامر کو ایسی زریں نصیحت کی کہ اگر مسلمان اس کو پیش نظر رکھیں تو کبھی دنیا میں دل نہ لگائیں اور یاد خدا سے غافل نہ ہو۔ نصیحت میں فرمایا ''اے میرے دوست! دنیا کی لذتوں کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا کیونکہ یہ عمر ایک دن ختم ہو جانی ہے اور دنیا کی نعمتیں یہیں رہ جائیں گی''۔ پھر فرمایا ''جب تو کسی جنازہ کے ساتھ قبرستان جائے تو یہ خیال کر کہ ایک دن مر کر تو بھی قبرستان اسی طرح لے جایا جائے گا''۔

چوتھی بات...... وصیت میں یہ فرمایا کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے غسل دے کر میرے جسم کے پرانے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کر دینا، کیونکہ قبر میں کفن ایک دن ختم ہو جائے گا، قبر میں میت کے کام آنے والی چیز اس کے نیک اعمال ہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا ''تین کپڑوں میں'' حضرت ابو بکرؓ اس وقت دو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''تو بس میرے جسم کے ان دونوں کپڑوں کے ساتھ تیسرا کپڑا بازار سے خرید کر مجھ کو کفن دیدینا، یہ سن کر عائشہ صدیقہؓ نے کہا!! اباجان ہم تینوں نئے کپڑے بازار سے خرید سکتے ہیں'' تو حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا، بیٹی نئے کپڑوں کے زندہ لوگ بنسبت مردوں کے زیادہ مستحق ہیں'' محترم قارئین! غور کریں شہزادہ ہارون اور صدیق اکبرؓ کی وصیت میں کتنی مماثلت ہے، اللہ والوں کے کام رضائے مولیٰ کے لئے ہوتے ہیں۔ اس واقعہ میں سمجھدار آدمی کے

لئے بڑی سبق آموز باتیں ہیں۔ (بحوالہ جستہ جستہ راہ نجات)

واقعہ نمبر......۵۳

اطاعت والدین کا ثمرہ

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ آسمان و زمین کے درمیان ہوا میں اڑا کرتے تھے چنانچہ ایک دن جب کسی گہرے سمندر میں ان کا گزر ہوا تو دریا میں ہولناک موجیں اٹھتے دیکھ کر ہوا کے چھپل جانے کا حکم دیا اور جناتوں کو دریا میں غوطہ لگا کر نیچے کا حال معلوم کرنے کا، جب حضرت سلیمانؑ کے حکم سے جنوں نے دریا میں غوطہ لگایا تو اس میں موتی کا ایک ایسا چمکدار قبہ دیکھا جس میں کوئی دروازہ نہ تھا حضرت سلیمانؑ کو اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس قبہ کو سمندر سے لانے کا حکم فرمایا چنانچہ جنات نے اس کو سمندر سے نکال کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کیا جس کو دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس سے وہ قبہ شق ہوا اور اس کا دروازہ کھل گیا تو حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ اس میں ایک نوجوان اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے سجدہ میں مشغول ہے تو حضرت سلیمانؑ نے اس سے دریافت کیا کہ تم فرشتے ہو یا جن؟ تو اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں انسان کی جنس سے ہوں! اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے دریافت فرمایا کہ آخر یہ بزرگی اور فضیلت تجھے کیونکر حاصل ہوئی؟ اس نوجوان نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے یہ فضیلت اطاعت والدین اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے سبب حاصل ہوئی ہے میں اپنی ضعیف والدہ کو اپنی پشت پر لادے رہتا تھا اور ان کی دعا تھی کہ اے میرے معبود! تو اس کو سعادت عطا فرما کر میرے مرنے کا بعد اس کا مقام ایسی جگہ میں متعین فرما جو نہ آسمان میں ہو نہ

زمین میں چنانچہ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد جب میں ایک دریا کے کنارے گھوم رہا تھا تو میں نے سفید موتی کا ایک قبہ دیکھا جب میں اس کے پاس پہنچا تو اسکا دروازہ کھل گیا اور میرے اندر داخل ہونے کے بعد قدرت الٰہی سے خود ہی بند ہو گیا مجھے نہیں معلوم کہ اب میں زمین میں ہوں یا آسمان میں یا ہوا میں؟ اللہ تعالیٰ اسی میں مجھے رزق عطا فرما دیتا ہے حضرت سلیمانؑ نے دریافت کیا آخر اس میں تجھے روزی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ اس نے کہا، جب بھوکا ہوتا ہوں تو پتھر سے ایک درخت پیدا ہوتا ہے اور اس درخت سے پھل جس میں دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا پانی نکلتا ہے جس کو میں کھا پی لیتا ہوں اور میرے سیراب ہو جانے پر خود ہی وہ درخت غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے دریافت فرمایا آخر تم اس قبہ میں دن اور رات میں کیونکر امتیاز کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ جناب! جب صبح صادق طلوع ہوتی ہے تو یہ قبہ سفید ہو جاتا اور غروب آفتاب کے بعد اندھیرا پس اس ذریعہ سے دن اور رات کو پہچان لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کی دعا سے وہ قبہ دریا کی گہرائی میں اپنے مقام کی طرف لوٹ گیا۔

حاصل......اس حکایت سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت کی کس قدر عظمت والا کام ہے بیشک جو والدین کی خدمت کرتا ہے وہ اپنی دنیا بھی اچھی کرتا ہے اور آخرت بھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کی صحیح صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۵۴

ہم دونوں میں بڑا سخی کون ہے؟

معن بن زائدہ کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں خلیفہ منصور مجھ سے بڑا ناراض تھا لہٰذا میں اس کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا، منصور نے میری گرفتاری کے لئے انعام بھی مقرر کردیا میں گھبرا کے اپنا بھیس بدل کر ایک اونٹ پر سوار ہوا، اور بارینہ کی طرف چلا تاکہ وہاں روپوش ہوجاؤں، چلتے چلتے میں جب بغداد کے محلے باب حرب میں پہنچا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص تلوار حمائل کیئے ہوئے میرا تعاقب کررہا ہے، میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر وہ شخص میرے سامنے آگیا، اس نے جھٹ میرے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اسے زمین پر بٹھا دیا اور میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑلیا میں نے اجنبی بنتے ہوئے کہا کیا بات ہے؟ وہ بولا تمہیں تمہیں معلوم امیرالمومنین کو تمہاری تلاش ہے میں نے کہا برادر تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، میری حیثیت ہی کیا بھلا امیرالمومنین مجھے کیوں تلاش کرائیں گے وہ کہنے لگا کیا تم معن بن زائدہ نہیں ہو؟ میں نے کہا ہرگز نہیں کہاں میں اور کہاں معن بن زائدہ وہ ہنسا تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے میں تمہیں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں جتنا تم اپنے آپ کو پہچانتے ہو، اس کی باتوں سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہ شخص پیچھا نہیں چھوڑنے والا ہے میں نے اس سے کہا کہ دیکھو یہ جواہر کی ایک قیمتی مالا ہے اس کی قیمت امیرالمومنین کے انعام سے بہت زیادہ ہے اسے تم لے لو اور مفت میں میرا خون اپنے سر نہ لو، میں نے مالا اس کو تھمادی وہ کچھ دیر تک مالا کا جائزہ لیتا رہا پھر کہنے لگا اس کی قیمت کے متعلق تمہاری بات قطعاً (صحیح ہے لیکن) تمہیں میری ایک بات کا جواب دینا پڑے گا اس نے سوال کیا کہ بہت لوگ تمہاری سخاوت اور فیاضی کی تعریف کرتے ہیں مجھے

بتاؤ کیا تم نے یہ ہار دے کر مجھے اپنی ساری دولت بخش دی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں اس نے پوچھا اچھا تو کیا ایک تہائی بھی نہیں؟ جواب دیا ایک تہائی بھی نہیں اس نے پوچھا اچھا تو کیا دسواں حصہ؟ میں نے جواب دیا ہاں دسواں حصہ سمجھ لو کہنے لگا یہ تو بڑی بات نہیں ہے خلیفہ منصور ہر مہینے مجھے صرف بیس درہم تنخواہ دیتا ہے اور اس ہار کی قیمت لاکھوں درہم ہے لیکن تم اپنے مقابلے میں میری سخاوت دیکھو یہ ہار میں تمہیں بخشتا ہوں تاکہ دنیا سمجھ لے کہ ہم دونوں میں سے زیادہ سخی کون ہے اس نے مالا میری طرف اچھال کر اونٹ کی نکیل چھوڑ دی اور جانے لگا میں نے (اس کی بات) سے جل کر کہا اس توہین وذلت کے مقابلے میں قتل ہی ہو جانا بہتر ہے تم نے جو کچھ دیا ہے وہ لے لو، اور مجھے گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کر دو وہ ہنسا اور کہا کہ تم مجھ سے زیادہ فیاض بن کر مجھے جھٹلانا چاہتے ہو لہٰذا میں یہ ہار ہرگز نہیں لوں گا اور یہ کہہ کر وہ فوراً چلا گیا۔ (بحوالہ خزینہ)

حاصل...... معلوم ہوا کہ سخاوت صرف مالداروں کے ساتھ ہی لازم وملزوم نہیں ہے، ایک غریب آدمی بھی سخاوت کر سکتا ہے، اگرچہ ہر ایک اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سخاوت کرتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر...... ۵۵

ہٹ جاؤ سود خور آ رہا ہے

حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ بڑے جلیل القدر اولیاء میں سے ہوئے ہیں۔ طریقت میں آپؒ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے خلیفہ تھے۔ ابتداء میں بہت دولت مند تھے لیکن

سود خور تھے۔ ہر روز تقاضا کرنے جاتے۔ جب تک وصول نہ کر لیتے اسے نہ چھوڑتے، ایک روز کسی مقروض کے گھر گئے لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے رقم موجود نہیں ہے۔ البتہ بکری ذبح کی تھی۔ اس کی گردن موجود ہے۔ جو ہم نے گھر پر پکانی ہے، لیکن آپؒ اس عورت سے بکری کا گوشت زبردستی لے آئے اور گھر پہنچ کر بیوی سے کہا کہ یہ سود میں ملی ہے اسے پکالو، بیوی نے کہا کہ آٹا اور لکڑی بھی ختم ہے اس کا بھی بندوبست کردو، آپؒ دوسرے قرضداروں کے پاس گئے اور یہ چیزیں بھی سود میں لے آئے جب کھانا تیار ہوگیا تو کسی سوالی نے آواز دی کہ بھوکا ہوں کچھ کھانے کو دو، آپؒ نے اندر ہی سے اس سائل کو جھڑک دیا۔ سائل چلا گیا۔

جب آپؒ کی بیوی نے ہانڈی سے سالن نکالنا چاہا تو دیکھا کہ وہ خون ہی خون ہے، بیوی نے حیران ہوکر شوہر کی طرف دیکھا اور کہا کہ اپنی شرارتوں اور کنجوسی کا نتیجہ دیکھ لو، خواجہ حبیب عجمیؒ نے یہ ماجرہ دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ اس واقعہ نے آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، اسی وقت سابقہ بے روی سے توبہ کی، ایک روز باہر نکلے، راستہ میں بچے کھیل رہے تھے انہوں نے خواجہ صاحب کو دیکھ کر چلانا شروع کردیا:

''ہٹ جاؤ حبیب سودخور آرہا ہے، ہم پر اس کی گرد بھی پڑگئی تو ہم بھی ایسے ہی ہوجائیں گے۔'' یہ سنا تو تڑپ اٹھے، ندامت سے سر جھکا لیا، اور کہنے لگے: اے رب! بچوں تک تو نے میرا حال ظاہر فرما دیا خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر توبہ کی، سب قرضداروں کا قرض معاف کردیا، اپنا سارا مال واسباب راہ خدا میں دے ڈالا، عبادت وذکر الٰہی میں مصروف ہوگئے اور صائم الدہر اور قائم اللیل رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک دن پھر انہیں لڑکوں کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے

آپس میں کہا، خاموش رہو حبیب العابد جاتے ہیں، یہ سن کر آپؒ رونے لگے اور کہا کہ ''اے اللہ! یہ سب تیری طرف سے ہے۔

جب اس طرح عبادت کرتے ایک مدت گزر گئی تو ایک دن بیوی نے شکایت کی کہ ضرورت کیسے پوری کی جائے، آپ نے فرمایا کہ اچھا کام پر جاتا ہوں، مزدوری سے جو ملے گا لے آؤ ں گا۔ چنانچہ آپؒ دن بھر گھر سے باہر رہ کر عبادت کرتے اور شام کو گھر واپس آجاتے۔ بیوی انہیں خالی ہاتھ دیکھتی تو کہتی کہ یہ کیا معاملہ ہے، آپ فرماتے کہ میں کام کر رہا ہوں۔ جس کا کام کر رہا ہوں وہ بڑا سخی ہے، کہتا ہے وقت آنے پر خود ہی اجرت دے دیا کروں گا، فکر نہ کرو، لہٰذا مجھے اس سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، وہ کہتا ہے ہر دسویں روز مزدوری دیا کروں گا، چنانچہ بیوی نے دس دن صبر کیا۔

جب آپ دسویں روز بھی شام کو خالی ہاتھ گھر واپس جانے لگے تو راستے میں آپ کو خیال آیا کہ اب بیوی کو کیا جواب دوں گا۔ اسی خیال میں گھر پہنچے، تو عجیب ماجرہ دیکھا، عمدہ عمدہ کھانے تیار رکھے ہیں، بیوی آپؒ کو دیکھتے ہی بول اٹھی کہ یہ کس نیک بخت کا کام کر رہے ہو جس نے دن رات کی اجرت اس قسم کی بھیجی اور تین ہزار درہم نقد بھی بھیجے ہیں اور یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ کام زیادہ محنت سے کرو گے تو اجرت زیادہ دوں گا۔ یہ دیکھ کر آپؒ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں خیال گزرا کہ خدائے پاک نے ایک گنہگار بندے کی دس روز کی عبادت کا یہ صلہ دیا۔ اگر زیادہ حضور قلب سے عبادت کروں تو نہ جانے کیا کچھ دے، یہ خیال آتے ہی خلائق دنیا سے بالکل الگ ہوگئے اور ایسی عبادتیں اور ریاضتیں کیں کہ اسرار الٰہی بے نقاب ہوگئے، عنایت الٰہی کا نزول شروع ہوگیا اور آپؒ کو مستجاب الدعوات کا درجہ مل گیا۔

(بحوالہ اللہ میری توبہ)

حاصل...... حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں جانے دیتے، بیشک جو جتنی محنت کرے گا، اسی قدر وہ صلہ پائے گا، اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرکے واپس لوٹیں گے، تو اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں قبول فرمائیں گے، اس لئے مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ سچی توبہ کرلینی چاہئے اسی میں ہماری نجات ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۵۶

ایک نومسلم کی کرامت

شیخ عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں جہاز میں سوار تھا۔ تلاطم امواج سے جہاز ایک جزیرہ میں جا پہنچا، اس جزیرہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص ایک بت کی پرستش کر رہا ہے ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تو کس کی عبادت کرتا ہے اس نے بت کی طرف اشارہ کیا، ہم نے کہا یہ تیرا معبود خالق نہیں بلکہ خود دوسرے کا مخلوق ہے، اور ہمارا معبود وہ ہے جس نے اسے اور سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ اس بت پرست نے دریافت کیا بتاؤ تم کس کی عبادت کرتے ہو ہم نے جواب دیا کہ ہم اس پاک ذات کی عبادت کرتے ہیں جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی دار وگیر ہے، اور زندہ اور مردوں میں اس کی تقدیر جاری ہے اس کے نام پاک میں اس کی عظمت اور بڑائی نہایت بڑی ہے۔ اس نے پوچھا تمہیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں ہم نے کہا اس بادشاہ حقیقی نے ہمارے پاس ایک سچے رسول کو بھیجا ہمیں ہدایت کی پھر اس نے پوچھا کہ وہ رسول کون ہیں اور وہ کہاں ہیں؟ ہم نے

جواب دیا کہ جس کام کے لئے خدا نے انہیں بھیجا تھا جب وہ پورا کر چکے تو اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے کہا رسول خدا نے تمہارے پاس اپنی کیا نشانی چھوڑی ہے؟ ہم نے کہا اللہ کی کتاب کہا مجھے دکھاؤ ہم اس کے پاس قرآن شریف لے گئے، اس نے کہا میں تو جانتا نہیں تم پڑھ کر سناؤ ہم نے اسے ایک سورۃ پڑھ کر سنائی وہ سن کر روتا رہا اور کہنے لگا جس کا یہ کلام ہے اس کا حکم تو دل و جان سے ماننا چاہئے اور کسی طرح اس کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ ہم نے اسے دین کے کچھ احکام اور چند سورتیں سکھائیں، جب رات ہوئی اور ہم سب اپنے اپنے بچھونوں پر لیٹ رہے وہ بولا بھائیو یہ معبود جس کا تم نے مجھے پتہ اور صفات بتائیں وہ سوتا بھی ہے ہم نے کہا وہ سونے سے پاک ہے وہ ہمیشہ زندہ قائم ہے۔ اس نے کہا تم کیسے برے بندے ہو کہ تمہارا مولا نہیں سوتا اور تم سوتے ہو اس کی یہ باتیں سن کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ مختصر یہ کہ ہم وہاں چند روز رہے جب وہاں سے کوچ کا ارادہ ہوا اس نے کہا بھائیو مجھے بھی ساتھ لے چلو ہم نے قبول کر لیا، چلتے چلتے ہم آبادان پہنچے، میں نے اپنے یاروں سے کہا کہ یہ ابھی مسلمان ہوا ہے اس کی کچھ مدد کرنی چاہئے۔ ہم سب نے چند درہم جمع کر کے اسے دیئے اور کہا کہ اسے اپنے خرچ میں لاناوہ کہنے لگا لا الہ الا اللہ تم تو عجیب آدمی ہو تم ہی نے تو مجھے راستہ بتلایا اور خود ہی راہ سے بھٹک گئے، مجھے سخت تعجب آتا ہے کہ میں اس جزیرہ میں بت کی عبادت کیا کرتا تھا میں اسے پہچانتا نہ تھا اس وقت بھی اس نے مجھے ضائع نہیں کیا پھر جب میں اسے جاننے لگا تو اب وہ مجھے کس طرح ضائع کر دے گا۔ تین دن کے بعد ایک شخص نے مجھے آ کر خبر دی کہ وہ نو مسلم مر رہا ہے اس کی خبر لو، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ تجھے کیا حاجت ہے کہا کچھ نہیں۔ جس ذات پاک نے تمہیں جزیرہ میں پہنچایا اسی نے میری سب حاجتیں پوری کر دیں۔ خواجہ عبدالواحدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے وہیں بیٹھے بیٹھے نیند کا

غلبہ ہوا اور میں سو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سرسبز باغ ہے اس میں ایک قبہ ہے اور ایک مکلّف تخت بچھا ہوا ہے اس پر ایک نہایت حسین نوعمر عورت جلوہ افروز ہے، کہتی ہے خدا کے لئے اس نومسلم کو جلدی بھیجو مجھے اس کی جدائی میں بڑی بے قراری اور بے صبری ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھلی تو دیکھا وہ سفر آخرت کر چکا تھا۔ میں نے اسے غسل وکفن دے کر دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں وہی قبہ اور باغ اور تخت پر وہی عورت اور پہلو میں اس نومسلم کو دیکھا کہ وہ یہ آیت پڑھ رہا ہے۔

"والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" (اور فرشتے ان پر یہ کہتے ہوئے ہر دروازے سے آئیں گے کہ سلامتی ہے تم پر پس کیا اچھا بدلہ ہے آخرت کا) (بحوالہ کرامات اولیاء)

حاصل...... سچ ہے جب اللہ کی ذات پر صحیح یقین کامل ہو جائے تو دونوں جہانوں کی کامیابیاں مل جائیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اپنے یقین کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر...... ۵۷

ایک سوئی کی وجہ سے عذاب کا عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ نے بڑا عبرت ناک واقعہ سنایا کہ ان کے زمانے میں ایک بہت بڑے عالم تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس عالم کے انتقال کے بعد ان کے کسی شاگرد نے ان کو خواب میں دیکھا کہ برہنہ جسم کے ساتھ ایک چٹیل میدان میں دوپہر کی سخت گرمی سے بے چین اور پریشان ہو کر ادھر سے ادھر دوڑ رہے ہیں بے قرار اور بے چین ہیں، اس شاگرد نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ نے تو ساری زندگی

اطاعت وعبادات اور خدمت دین میں گزاری مخلوق کی اصلاح اورتربیت میں گزاری کیا ان میں سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوئی ؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال صالحہ کی توفیق دی تھی وہ سب قبول ہوگئے ہیں لیکن جس عذاب میں مبتلا ہوں وہ ایک سوئی کی وجہ سے ہورہا ہے، شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انتقال سے چند روز پہلے میں اپنا کپڑا سینے کے لئے اپنے ایک پڑوسی سے سوئی مانگ لایا تھا، اور پھر کپڑا سی کر سوئی الماری میں رکھ دی اور واپس کرنا یاد نہ رہا، اور اس کے بعد میرا انتقال ہوگیا، اب یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، اسی ایک سوئی کی وجہ سے ہورہا ہے، تم صبح بیدار ہوکر میرے گھر جانا اور گھر والوں سے کہنا کہ الماری میں فلاں جگہ پر وہ سوئی رکھی ہوئی ہے وہ تم لیکر میرے فلاں پڑوسی کو پہنچا دینا تا کہ مجھ سے یہ عذاب دور ہوجائے، چنانچہ وہ شاگرد صبح اٹھ کر سیدھے استاد کے گھر پہنچے اور کہا فلاں الماری میں فلاں جگہ پر سوئی رکھی ہوئی ہے گھر والوں نے دیکھا تو بتایا کہ ہاں رکھی ہوئی ہے اس شاگرد نے پوچھا کہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ کس کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں مرحوم فلاں پڑوسی سے لائے تھے اور ہم نے سوچا کہ ذرا آنے جانے والوں کا سلسلہ ختم ہوتو یہ سوئی ان کو واپس کردیں گے۔ شاگرد نے بتایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اس سوئی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں اس لئے وہ سوئی تم مجھے دیدو تا کہ میں جلدی سے ان کو واپس کردوں اور ان کی طرف سے تاخیر کی بھی معافی مانگ لوں، چنانچہ اس شاگرد نے وہ سوئی لیکر پڑوسی کو واپس کردی اور ان کو بتایا کہ حضرت کو اس سوئی کی وجہ سے عذاب ہورہا ہے وہ پڑوسی بھی یہ سن کر رونے لگا کہ کتنی معمولی سی چیز کی وجہ سے ان کو عذاب ہورہا ہے میں نے اللہ کے لئے ان کو معاف کردیا، یا اللہ آپ بھی اپنی رحمت سے ان کو معاف فرمادیں اور ان کا عذاب دور فرمادیں۔

وہ شاگرد کہتے ہیں کہ جب رات کو میں سویا تو پھر دوبارہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا لیکن اب وہ منظر کچھ اور تھا، اب حضرت ایک خوبصورت اور سرسبز وشاداب باغ کے بیچوں بیچ ایک مسہری پر آرام فرمار ہے ہیں چاروں طرف خدام موجود ہیں پھلوں اور پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں میں نے قریب جا کر ان کو سلام کیا اور پوچھا کہ اب کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جس وقت تم نے پڑوسی کو سوئی پہنچائی اور اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے لئے معاف کرتا ہوں بس اسی لمحے میرا عذاب ٹل گیا اور جو نعمتیں تم دیکھ رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے دین کی خدمت کی جو توفیق عطا فرمائی تھی اس کا صلہ ہے۔ (بحوالہ حکایات کا انسائیکلوپیڈیا)

حاصل...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم کبھی اپنے ذمہ کسی کی کوئی چیز یا کسی کا کوئی حق نہ رکھیں، بلکہ جس کی جو چیز یا جو حق ہمارے ذمہ ہے اسے واپس کردیں، اندازہ کیجئے کہ ایک سوئی کی وجہ سے اس قدر عذاب ہے اور آج جو بے شمار حقوق العباد کے بارے میں لاپرواہی برتی جارہی ہے، اس کا کس قدر وبال ہوگا ،اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین یارب العلمین۔

❁......❁......❁

واقعہ نمبر......۵۸

ایک حیرت انگیز اور انوکھا واقعہ

عضدالدولہ کے امراء میں سے ایک ترکی نوجوان تھا اس نے یہ حرکت شروع کی کہ ایک مکان کی دیوار کے سوراخ سے اس مکان میں رہنے والی عورت کو دیکھتا تھا اس عورت نے اپنے شوہر کو بتایا کہ یہ ترکی لڑکا روزانہ بہت دیر تک اس سوراخ سے

دیکھتا ہے اس نے میرا آرام حرام کردیا ہے یہاں گھر پر کوئی نہیں ہوتا دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ میں اس سے باتیں کیا کرتی ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، اس کے شوہر نے کہا کہ تو اس کے نام ایک خط لکھ جس کا مضمون یہ ہو کہ روزانہ کھڑا ہونا بے کار بات ہے جب عشاء کی نماز کے بعد اچھی طرح اندھیرا ہو جائے اور لوگ (سوکر) غافل ہوئیں تو تم گھر میں آجانا میں دروازے کے پیچھے ہوں گی۔

چنانچہ اس کے بعد شوہر نے دروازے کے پیچھے ایک گہرا گڑھا کھودا اور اس کے انتظار میں کھڑا ہو گیا جب وہ ترکی لڑکا آیا اور دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا تو اس عورت کے شوہر نے اس کو دھکا دیکر گڑھے میں ڈال دیا اور اس پر مٹی بھر دی، اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے کسی کو کچھ خبر نہ ہوئی، ایک دن عضد الدولہ نے دریافت کیا کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ ان کا کچھ پتہ نہیں۔ اس پر عضد الدولہ غور وفکر کرتے رہے، یہاں تک کہ (اس تحقیق کی انہوں نے یہ صورت نکالی کہ) ایک شخص کو اس مؤذن کو بلانے کے لئے بھیجا جو اس مکان کے قریب والی مسجد کا مؤذن تھا، اس نے مؤذن کو بظاہر بہت سخت پکڑا اور عضد الدولہ کے سامنے حاضر کردیا پھر عضد الدولہ نے آہستہ سے اس سے کہا کہ یہ ایک سو دینار لے لو اور جو کچھ ہم تم کو حکم دیں اس کی تعمیل کرو جب تم اپنی مسجد میں جاؤ تو عشاء کی اذان زیادہ رات گئے (یعنی دیر سے) دے کر مسجد میں بیٹھ جانا، پھر سب سے پہلے جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سے تیری گرفتاری نافذ ہونے کی تحقیق کرے تو اس کی مجھے اطلاع دے دینا۔ اس نے کہا بہت اچھا تو اس مؤذن نے ایسا ہی کیا تو جو شخص سب سے پہلے مسجد میں تحقیق کے لئے آیا تو یہ وہی شخص تھا (جس نے ترکی کو مارا تھا) اس نے مؤذن سے کہا کہ میرا دل تیری طرف لگا ہوا تھا اور تمہیں اس طرح گرفتار کر کے بلوانے سے

عضدالدولہ کی تم سے کیا غرض تھی؟

موذن نے کہا الحمد اللہ خیرت ہے کوئی خاص بات نہیں تھی جب صبح ہوئی تو مؤذن نے عضدالدولہ کے پاس جاکر پورا حال بتایا، عضدالدولہ نے اس شخص (قاتل) کو حاضر ہونے کا حکم دیا، یہ حاضر ہوگیا، اس سے پوچھا کہ ترکی کا کیا معاملہ ہے بیان کرو؟...... اس نے کہا کہ میں آپ سے بالکل سچی بات کہتا ہوں میری بیوی بہت پردہ دار اور پاکدامن ہے یہ شخص گھات لگائے ہوئے اس کو دیکھتا تھا اور پریشان کرتا تھا اور میری بیوی بدنامی کے خوف سے اس شخص کے کھڑے رہنے سے پریشان ہوگئی تو میں نے اس کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا (اور پوری تفصیل بیان کردی) عضدالدولہ نے کہا جاؤ سپرد خدا، نہ کسی نے کچھ سنا اور نہ کسی نے تم سے پوچھا۔ (حوالہ بالا)

حاصل...... بیشک برے کام کا برا ہی انجام ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے برے افعال سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۵۹

حضرت حذیفہؓ کی جاسوسی کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے ایک شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے کہا کہ اے ابوعبداللہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھے بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے، نوجوان فرمانے لگے سنئے چچا اگر ہم حضور ﷺ کے زمانے کو پاتے

تو واللہ آپ کے قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھا کر لیجاتے، آپ نے فرمایا بھتیجے لو ایک واقعہ سنو! جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے، فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے، اللہ کے نبی ﷺ اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا، کوئی کھڑا نہ ہوا کیونکہ خوف کی، بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی پھر آپ دیر تک نماز پڑھتے رہے، پھر فرمایا ہے کوئی ہے جو جا کر یہ خبر لادے کہ مخالفین نے کیا کیا، اللہ کے رسول ﷺ اسے مطمئن کرتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں رفیق کرے، اب کے بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، سردی کے مارے دانت بج رہے تھے، خوف کے مارے پتے پانی ہو رہے تھے، بالآخر میرا نام لے کر رسول ﷺ نے آواز دی اب تو کھڑے ہوئے بغیر چارہ نہ تھا، فرمانے لگے حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے کوئی نیا کام نہ کرنا میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرأت کر کے مشرکوں میں گھس گیا وہاں جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کر رہے ہیں، چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں، خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی ہیں، آگ جلا نہیں سکتے، کوئی چیز اپنے ٹھکانے نہیں رہی، اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیوں اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ، اپنے ساتھی کو دیکھ بھال لو ایسا نہ ہو کہ کوئی غیر کھڑا ہو؟ میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو ایک قریشی جوان تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے کہا اب ہوشیار رہنا، پھر ابوسفیان نے کہا قریشیوں اللہ گواہ ہے ہم اس وقت کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں ہیں، ہمارے مویشی ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں،

بنوقریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی، اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی، پھر اس ہوا نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے ہم پکا کر کھا نہیں سکتے، آگ تک جلا نہیں سکتے، خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے، میں تو تنگ آ گیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ واپس ہو جاؤں پس میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو، اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو زانو بندھا ہوا بیٹھا تھا چڑھ گیا اور اسے مارا وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا، اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا ایک تیر میں ہی ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا، اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آ گیا جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھیں نماز میں مشغول ہیں، آپ نے مجھے دیکھ کر اپنے دونوں پیروں کے درمیاں بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی اڑھا دی، پھر رکوع وسجدہ کیا اور میں وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سارا واقعہ بیان کیا، قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے اور روایت میں ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا ہوں اسوقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا میں نے اسے دیکھ کر پہچان کر اپنا کمان چڑھا لیا اور چاہتا ہی تھا کہ چلا دوں اور وہ بالکل زد میں تھا ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا، جب میں واپس آیا اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں، ہاں

جب حضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضور ﷺ نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھادی، میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا صبح خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ کہہ کر جگایا اے سونے والے بیدار ہو جا۔

اور روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہ نے کہا کاش کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باوجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو، برادرزادے جو تمنا تم کرتے ہو یہ تمنا ہی ہے نہ جانے تم ہوتے کیا کرتے، ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

واقعہ نمبر......۶۰

حکیم صاحب کی انوکھی برکت

ابو محمد الخشاب غوری سے مروی ہے کہ ایک جولا ہے کا گزر ایک طبیب پر ہوا اس نے دیکھا کہ وہ کسی مریض کو دوائی کے طور پر عرق گلاب اور تمر ہندی (املی کٹارے) تجویز کر رہا ہے اس نے کہا کون ہے جو اس کام کو عمدگی سے کر سکے؟ یہ جولاہا اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے لئے ایک بڑا عمامہ بناؤ اس نے کہا تو اس عمامہ کا کیا کرے گا اس نے کہا میں تو اب حکیم بنوں گا اس کی بیوی نے کہا تو ایسا مت کر لوگ تمہیں ماریں گے جب لوگوں کو تو جان سے مارے گا تو لوگ تمہیں ماریں گے اس نے کہا یہ میرا اٹل فیصلہ ہے (آخر کار بڑا پگڑا باندھ کر مطب شروع کر دیا گیا) پہلے دن جا کر بیٹھا اور لوگوں کے لئے دوائیں تجویز کرنا شروع کر دیں

اور کافی روپے کمائے اور کئی دن ایسے کرتا رہا پھر آ کر بیوی سے کہا کہ میں روزانہ ایک (جیسی) گولی بنالیتا ہوں (اور ہر بیماری کو وہی دیتا ہوں) دیکھ کتنا کما چکا ہوں، اس کی بیوی نے کہا کہ یہ کام چھوڑ دیں اس جولاہے نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک باندی کا گزر حکیم صاحب (کے مطب) کی طرف سے ہوا، اس نے دیکھ کر اپنی مالکہ سے کہا جو کہ سخت بیمار تھی میرا جی چاہتا ہے کہ نیا طبیب تمہارا علاج کرے، اس ملکہ نے کہا کہ اس کو بلائیں، چنانچہ یہ حکیم تشریف لے آئے اور حال یہ تھا کہ اس بیمار کا مرض تو ختم ہو چکا تھا صرف کمزوری باقی تھی (مگر دوسرے حکیم یہ سمجھ نہیں سکے تھے) اس جولاہے نے تجویز کیا کہ ایک مرغی بھون کر لاؤ؟ وہ لائی گئی اور مریض نے خوب کھائی اور تین چار دن تک ایسا ہی کیا تو ضعف جاتا رہا اور وہ اٹھ بیٹھی (پھر تو اس کی خوب واہ واہ ہوئی آہستہ آہستہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچ گئی بادشاہ نے اس کو بلا کر (بادشاہ) جس مرض میں مبتلا تھا اس کا اظہار کیا، اتفاقیہ طور پر اس نے ایک ایسی دوائیں کہہ دیں جس سے اس کو فائدہ پہنچا اور بادشاہ ٹھیک ہوگیا، اس کے بعد بادشاہ کے پاس ایسے لوگوں کی ایک جماعت آئی جو اس جولاہے کو جانتی تھی، انہوں نے کہا کہ یہ شخص ایک جولاہا ہے۔ یہ کچھ نہیں جانتا، سلطان نے کہا کہ اس شخص کے ہاتھ سے مجھے صحت ہوئی اور فلاں عورت کو اسی کے علاج سے صحت ہوئی (یہ میرا تجربہ ہے، اس کے خلاف) میں تمہاری بات تسلیم نہیں کروں گا۔

انہوں نے کہا کہ ہم تجربہ کرانے کے لئے اس کے سامنے مسائل رکھتے ہیں بادشاہ نے کہا ایسا کرلو اور انہوں نے کچھ سوالات تجویز کرائے اس کے لئے اس جولاہے نے کہا اگر میں ان مسائل کے جوابات تمہارے سامنے بیان کروں گا تو تم جواب نہیں سمجھ سکو گے کیونکہ جوابات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کہ طبیب ہو، لیکن (اگر تمہیں تجربہ ہی کرنا ہے تو اس طرح کرلو) کیا تمہارے یہاں کوئی بڑا شفاخانہ ہے؟ لوگوں

نے جواب دیا کہ ہے پھر اس نے کہا کہ کیا اس میں ایسے بیمار ہوں گے جو مدت سے پڑے ہوئے ہوں لوگوں نے کہا ہاں ہیں اس نے کہا کہ بس میں ان کا علاج کرتا ہوں تم دیکھتے رہ جاؤ گے کہ سب کے سب چند دن میں عافیت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (اس علاج کے بعد) کیا میری قابلیت کے اظہار کے لئے کوئی دلیل اس سے بڑی ہوگی؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں چنانچہ سب شفا خانہ کے دروازے پر پہنچے، اس نے لوگوں سے کہا کہ تم سب یہاں بیٹھو،، میرے ساتھ اندر کوئی نہ آئے۔

اس کے ساتھ صرف ایک شفا خانہ کا افسر تھا اور اندر داخل ہوگئے، اس جولاہے نے اس افسر سے کہا کہ جو کچھ میں عمل کروں تو نے کسی کے سامنے کچھ نہیں کہنا اگر تو نے کسی کے سامنے اس کا اظہار کیا تو میں تجھے پھانسی دلاؤں گا اگر تو خاموش رہا تو میں تجھے مالا مال کردوں گا اس افسر نے کہا کہ میں خاموش رہوں گا اور افسر سے حلف بالطلاق دلایا، پھر اس سے پوچھا کہ تیرے پاس شفا خانہ میں تیل موجود ہے؟ اس نے کہا ہاں! کہا کہ لیکر آؤ وہ بہت سا تیل لیکر آیا، اس جولاہے نے تمام تیل ایک بڑی دیگ میں ڈالا اور اس کے نیچے آگ جلائی جب تیل خوب جوش مارنے لگا تو مریضوں کی جماعت کو آواز دی، اس میں سے ایک مریض سے کہا کہ تیری بیماری صرف اسی سے دفع ہوسکتی ہے تو اس دیگ میں بیٹھ جائے، مریض اللہ کو یاد کرنے لگا، اے اللہ تو ہی مددگار ہے۔

حکیم جی نے کہا تجھے یہ تو کرنا ہی پڑے گا اس مریض نے کہا مجھے تو شفا ہو چکی تھی بس معمولی سا سر میں درد تھا حکیم جی نے کہا کہ پھر تو یہاں کیا کر رہا ہے جب اچھا ہوگیا ہے تو تجھے جانا چاہئے تھا اس مریض نے کہا بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں تھی حکیم نے کہا تو چلا جا اور لوگوں سے کہتے جانا کہ میں تندرست ہوگیا، وہ یہاں سے نکل کر بھاگا اور لوگوں سے کہتا گیا کہ میں شفایاب ہوگیا ان صاحب کی آمد سے پھر دوسرے

مریض کا نمبر آیا، اس سے بھی ایسا ہی کیا گیا کہ تیری بیماری صرف اسی طرح دور ہو سکتی ہے کہ تو اس دیگ میں بیٹھ جائے، اس نے کہا اللہ اللہ! جی میں تو تندرست ہو گیا ہوں حکیم صاحب نے کہا اس میں بیٹھنا ضروری ہے اس نے کہا کہ میں تو آج شام کو واپسی کا ارادہ رکھتا ہوں، حکیم جی نے کہا کہ اگر تجھے شفا ہو چکی ہے تو چلا جا اور لوگوں سے کہتے جانا کہ میں اچھا ہو گیا ہوں اب یہ بھی نکل کر بھاگا، اور لوگوں سے کہتا گیا کہ حکیم صاحب کی برکت سے مجھے صحت ہو چکی ہے یہ حال سب کا ہوا یہاں تک کہ سب حکیم کا شکر ادا کرتے ہوئے رخصت ہو گئے اور بھاگتے چلے گئے۔ اور حکیم کی شہرت ہو گئی اور مخالفین شرمندہ ہوئے۔ (بحوالہ لطائف علمیہ)

واقعہ نمبر......٦١

حضرت مالک بن دینارؒ کا فیض اور اطاعت الٰہی کا ثمرہ

حضرت مالک بن دینارؒ کے زمانہ میں دو بھائی آتش پرست مشہور تھے ایک دن چھوٹے بھائی نے بڑے سے کہا کہ بھائی صاحب! آپ نے تہتر سال آگ کی پرستش کی ہے اور میں نے پینتیس سال، آؤ آج ہم آزما کر دیکھیں کہ یہ آگ ہم کو دوسرے غیر آتش پرستوں کی طرح تو نہیں جلاتی؟ اگر اس نے ہم کو نہ جلایا تو ہم آئندہ آتش پرستی کریں گے ورنہ ترک کر دیں گے، چنانچہ اس نے آگ جلا کر بڑے بھائی سے کہا کہ آپ پہلے آگ پر ہاتھ رکھیں گے یا میں رکھوں؟ اس نے کہا کہ تم پہلے ہاتھ رکھو! جب چھوٹے بھائی نے آگ پر ہاتھ رکھا تو آگ نے اپنی خاصیت کے مطابق اس کی انگلی جلا دی۔ اس پر اس نے آگ سے ہاتھ کھینچ کر کہا کہ، ہائے افسوس! میں نے تجھے اتنے عرصے تک پوجا پھر بھی تو نے میری انگلی جلا دی۔ آخر اس نے اپنے

بڑے بھائی سے کہا کہ، آخر ہم ایسی ذات کی عبادت کیوں نہ کریں جس کی برسوں کی نافرمانی اور گناہ پر اگر ہم سچے دل سے توبہ و استغفار کر لیں تو ہمیں معاف فرمادے! یہ بات بڑے بھائی کی سمجھ میں بھی آگئی اور دونوں بھائی صحیح راستے کے متلاشی بن کر حضرت مالک بن دینارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مالک بن دینارؒ بصرہ میں لوگوں کو وعظ سنا رہے ہیں، ان کو دیکھ کر بڑے بھائی کہنے لگے کہ میں مسلمان نہیں ہوتا کیونکہ میری عمر کا زیادہ تر حصہ آگ کی پرستش میں گزرا ہے اب اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرے گھر والے مجھے ملامت کریں گے اور میں ان کی ملامت کے مقابلے میں آگ کو ترجیح دیتا ہوں، چھوٹے بھائی نے سمجھایا کہ لوگوں کی ملامت تو ایک دن زائل ہو جائے گی لیکن دوزخ کی آگ زائل نہ ہوگی مگر بڑے بھائی کی سمجھ میں نہ آیا اور وہ بدنصیب واپس چلا گیا۔

لیکن چھوٹا بھائی اپنے بیوی بچوں کو لے کر حضرت مالک بن دینارؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور وعظ سے فارغ ہونے کے بعد تمام ماجرا ان کو سنایا اور درخواست کی کہ اس کو مع بیوی بچوں کے مسلمان بنائیں، چنانچہ حضرت مالک بن دینارؒ نے ان سب کو مسلمان کیا اور اس نوجوان نے جب مسلمان ہو کر واپس ہونا چاہا تو حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ: ذرا ٹھہرو! میں تمہارے لئے اپنے شاگردوں سے کچھ جمع کردوں، جس پر نوجوان نے عرض کیا کہ میں کچھ نہیں چاہتا اور واپسی میں ایک ویرانہ میں آباد گھر دیکھ کر اس میں مقیم ہو گیا۔ صبح کو بیوی نے کہا کہ: بازار جا کر کوئی ایسا کام تلاش کرو جس سے بچوں کی گزر ہو سکے۔ چنانچہ وہ نوجوان تلاش معاش کے لئے نکلا مگر کہیں کوئی مزدوری نہ ملی تو اس نے سوچا آخر اللہ تعالیٰ ہی کی مزدوری کیوں نہ کروں؟ یہ سوچ کر دوسرے روز ویرانہ میں جا کر مغرب تک برابر نماز پڑھتا رہا اور رات کو پھر خالی ہاتھ مکان پر چلا گیا۔ بیوی نے دریافت کیا کہ ہمارے لیے کچھ لائے

ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ، آج میں نے بادشاہ کی مزدوری کی ہے مگر اس نے کچھ نہیں دیا، کل کو اجرت دینے کو کہہ دیا ہے۔

یہ سن کر سب بچے مجبوراً بھوکے سو رہے، صبح کو پھر بازار گیا اور کوئی مزدوری نہ ملی تو وہ دن بھی عبادت الٰہی میں گزار دیا اور شام کو گھر آکر بیوی سے کہا کہ بادشاہ نے جمعہ تک اجرت دینے کا وعدہ کیا ہے، آخر جمعہ بھی آگیا اور جمعہ کو بھی جب کوئی کام نہ ملا تو اس دن بھی وہ عبادت ہی میں مصروف رہا اور زوال کے بعد دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی کہ، اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اسلام کی دولت سے نواز کر ہدایت عطا فرمائی بس اس دین کی برکت اور عظمت سے اہل وعیال کے نفقہ کا غم بھی میرے دل سے دور فرمادے کیونکہ مجھے ان کے حال کے تبدیل ہو جانے کا اندیشہ ہے، یہ دعا کر کے جمعہ کی نماز کے وقت جب وہ مسجد میں گیا تو اس کے عیال پر بھوک کا بہت غلبہ تھا، اتفاقاً کسی شخص نے آکر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، جس کی آواز سن کر اس کی بیوی باہر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک خوبصورت نوجوان سنہری رومال سے ڈھکا ہوا ایک طباق لئے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کو لے لو اور اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ یہ اس کی دو دن کی مزدوری ہے اور اگر تم زیادہ کام کرتے تو مزدوری اور زیادہ ملتی، چنانچہ اس عورت نے طباق کھولا تو اس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں، ان میں سے ایک اشرفی لے کر ایک نصرانی صراف کے ہاں گئی جس نے اشرفی کا وزن کیا تو دو مثقال سے زیادہ اتری، اس کے بعد جب اشرفی کے نقوش دیکھے تو معلوم ہوا کہ یہ آخرت کے ہدایات سے ہے، یہ دیکھ کر صراف نے دریافت کیا یہ اشرفی تم کو کہاں سے ملی ہے؟ عورت نے اس کو تمام واقعہ سنایا جس کو سن کر وہ نصرانی صراف بھی مسلمان ہو گیا اور دو ہزار درہم عورت کو دے کر کہا، ان کو خرچ کرو اور جب یہ خرچ ہو جائیں تو پھر مجھے اطلاع دو۔

اس عورت نے صراف سے درہم لے کر کھانا تیار کیا، ادھر اس کا شوہر مغرب کے بعد جب گھر آنے لگا تو نہایت خشوع وخضوع سے دو رکعت ادا کر کے رومال میں مٹی باندھ لی اور دل میں خیال کیا کہ جب بیوی تقاضا کرے گی تو کہہ دوں گا اس میں آٹا ہے اور یہی میرے کام کی مزدوری ہے چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو گھر کو فرش وفروش سے آراستہ پایا اور کھانے کی خوشبو سونگھی تو رومال دروازے پر ہی رکھ دیا تاکہ بیوی کو معلوم نہ ہو سکے۔ گھر میں پہنچ کر بیوی سے حال معلوم کیا تو اس نے پوری کیفیت بتادی جس کو سن کر وہ مرد خدا سجدہ شکر بجالایا پھر بیوی نے دریافت کیا کہ رومال میں کیا لائے ہو جو دروازہ میں رکھ آئے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کا حال مجھ سے نہ پوچھو اور یہ کہہ کر دروازہ میں گیا کہ مٹی پھینک کر رومال لے آئے تو دیکھا تو اس میں مٹی کے بجائے آٹا تھا، یہ دیکھ کر تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور پھر خدا کے سامنے سربسجود ہو گیا اور پھر برابر خدا کی عبادت میں مصروف رہا یہاں تک کہ اس کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ اللہ تعالیٰ اس عبادت گزار مرد مؤمن پر رحم فرمائے۔

حاصل...... سچ ہے جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کی ضرورتیں غیب سے پوری کرتا رہتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......٦٢

''لا حَولَ وَلا قُوَّةَ الا باللّٰه'' کی برکت

بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے ایک نصرانی کو پانچ سو درہم کے

مطالبہ میں قید کا حکم دیا اور ایک سوار کو اس کے ہمراہ بھیجا، سوار نے دیکھا راستہ میں ایک شخص گھاس کا بوجھ اٹھائے جارہا ہے اور اس کا بوجھ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے یہ دیکھ کر سوار نے اس کو سیدھا کر دیا، پھر وہ بوجھ دوسری جانب کو جھک گیا جس کو دیکھ کر سوار نے ''لا حول ولا قوة الا باللّٰه'' پڑھا، نصرانی نے سوار کی زبان سے یہ کلمہ سن کر اس کلمہ کی بڑی عظمت کی، یہ دیکھ کر سوار نے اس نصرانی سے کہا کہ، جب تم اس کلمہ کی اس قدر عظمت کرتے ہو اور اس کو اتنا بابرکت سمجھتے ہو تو اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لاتے جس کے نام کی عظمت سے اس کلمہ کو یہ برکت حاصل ہوئی ہے؟ اس پر اس نصرانی نے جواب دیا کہ میں نے اس کلمہ کو آسمان کے فرشتوں سے سیکھا ہے یہ سن کر سوار کو بہت تعجب ہوا اور سوار نے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے نصرانی کو بلوا کر دریافت کیا، آخر تو نے یہ کلمہ فرشتوں سے کس طرح سیکھا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ واقعہ یہ ہے کہ میرا ایک چچا بہت مالدار تھا اور اسکی ایک حسین لڑکی تھی میں نے اس چچازاد بہن کے لیے اپنے نکاح کا پیغام دیا جس کو میرے چچا نے منظور نہ کیا اور اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا، چنانچہ شب زفاف میں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا میں نے پھر اس سے نکاح کی درخواست کی مگر اس نے اب بھی میری درخواست منظور نہیں کی اور دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیا اس کا وہ شوہر بھی اسی طرح شب زفاف میں بیوی کے پاس گیا تو مردہ پایا گیا، پھر تیسرے شخص سے اس کا نکاح ہوا اس کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اس کے بعد چوتھی مرتبہ میں نے پھر اپنے عقد کا پیام دیا تو مجبوراً چچا نے اس لڑکی کا عقد مجھ سے کر دیا کیونکہ متواتر ان حادثات کے بعد کوئی دوسرا اس لڑکی سے عقد کرنے کو تیار نہ ہوا۔

آخر میں نے دیکھا کہ خلوت کے وقت شیطان ایک کوہِ گراں کی شکل میں ظاہر ہوا اور اس نے زور سے ایک چیخ مار کر کہا تو کہاں آیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں

اپنی بیوی کے پاس آیا ہوں! تو وہ شیطان کہنے لگا! کہ تجھے معلوم نہیں میں نے اس کے پہلے شوہروں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ میں نے جواب دیا، ہاں! مجھے معلوم ہے یہ سن کر وہ شیطان کہنے لگا اگر تو اس بات پر راضی ہو کہ یہ عورت رات کو میرے لیے ہو اور دن کو تیرے لیے تو بہتر ہے ورنہ میں تجھے بھی مار ڈالوں گا میں نے اس کی بات کو منظور کر لیا اور اسی طرح پر ایک مدت گزر گئی تو ایک روز شیطان نے مجھ سے کہا کہ، آج میں رات کو ملأ اعلیٰ کی باتیں چوری سے سننے کے لیے جاؤں گا، کیونکہ آج رات کو اس کام کے لیے میری باری ہے کیا تم بھی میرے ساتھ آسمان پر چلنے کو تیار ہو؟ میں نے جب اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا تو شیطان نے ایک بڑے اونٹ کی شکل اختیار کر کے مجھ سے کہا کہ میری پشت پر مضبوطی سے سوار ہو جانا، چنانچہ جب میں اس پر سوار ہو گیا تو وہ شیطان ہوا میں اڑنے لگا، اتنے میں مجھے فرشتوں کی آواز آئی کہ وہ، ''**لا حول و لا قوة الا باللّٰه**'' کہہ رہے ہیں جس کو سن کر شیطان واپس ہوا اور مردہ کی طرح زمین پر گر پڑا اور میں بھی اس کے قریب ہی جا گرا جب کچھ دیر کے بعد اس کو ہوش آیا تو کہنے لگا کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو! میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کے بعد جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے گھر کے دروازے پر موجود ہوں پھر جب میں اپنی بیوی کے پاس خلوت میں گیا تو میں نے اس سے کہا اس مکان میں جہاں کوئی سوراخ ہو یا روزن ہو ان سب کو بند کر دو، اس نے ایسا ہی کیا چنانچہ جب رات کو شیطان گھر میں داخل ہوا تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور باہر سے دروازے کی طرف منہ کر کے، ''**لا حول و لا قوة الا باللّٰه**'' پڑھنا شروع کیا جو میں نے فرشتوں سے سن کر یاد کر لیا تھا۔

اتنے میں میں نے ایک سخت آواز سنی، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ ''لا حول ولا قوة الا باللہ'' پڑھا تو اس کے بعد بیوی نے مجھے پکارا کہ اندر آ جاؤ! جب میں اندر گیا

تو بیوی نے بیان کیا کہ، جب تم نے پہلی مرتبہ "لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ پڑھا تھا تو شیطان نے یہاں سے بھاگنے کا راستہ تلاش کیا مگر اسے کوئی راستہ نہیں ملا جب دوسری مرتبہ تم نے "لا حول" پڑھا تو آسمان سے ایک آگ نے اتر کر شیطان کو گھیر لیا اور جب تیسری مرتبہ تم نے "لا حول" پڑھا تو اس آگ نے شیطان کو جلا کر راکھ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس ملعون سے نجات دے دی۔

خلیفہ ہارون رشید نے نصرانی کی زبانی یہ واقعہ سن کر اس کو آزاد کر دیا اور وہ پانچ سو درہم بھی معاف فرما دیئے جن کے عوض اس کو قید کا حکم دیا تھا۔

حاصل...... یہ سب برکت کلمہ "لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ" کی تھی جس کے پڑھنے سے یہ سب برکت ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی عظمت جان کر اس کا کثرت سے ورد کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۶۳

بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ

وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کہ اس زمانے میں کوئی عابد اس کے مقابل نہ تھا۔ اس کے وقت میں تین بھائی تھے ان کی بہن تھی جو باکرہ تھی، اس کے سوائے وہ اور بہن نہ رکھتے تھے۔ اتفاقاً ان تینوں بھائیوں کو کہیں لڑائی پر جانا پڑا۔ ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کے پاس اپنی بہن کو چھوڑ جائیں اور اس پر بھروسہ کریں، لہٰذا سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اس کو عابد کے سپرد کر جائیں۔ وہ عابد ان کے خیال کے موافق تمام بنی اسرائیل میں ثقہ اور پرہیزگار تھا۔ چنانچہ اس کے پاس آئے اور اپنی بہن کو حوالے کرنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں، ہماری بہن آپ کے سایہ عاطفت میں رہے۔ عابد نے

انکار کیا اور ان سے ان کی بہن سے خدا کی پناہ مانگی۔ وہ نہ مانے، اور اصرار کرتے رہے کہ ان کی بہن کو اپنی نگرانی میں رکھنا منظور کر لیں۔ حتیٰ کہ عابد نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانہ کے سامنے کسی گھر میں چھوڑ جاؤ، انھوں نے ایک مکان میں اس کو لا اتارا اور چلے گئے۔

وہ لڑکی عابد کے قریب ایک مدت تک رہتی رہی۔ عابد اس کے لیے کھانا لے کر چلتا تھا اور اپنے عبادت خانہ کے دروازے پر رکھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا اور واپس اندر چلا جاتا تھا اور لڑکی کو آواز دیتا تھا اور وہ اپنے گھر سے آ کر لے جاتی تھی۔

راوی نے کہا کہ پھر شیطان نے عابد کو بہکانا شروع کیا ابتداءً اور اس کو خیر کی ترغیب دیتا رہا اور لڑکی کا دن میں عبادت خانہ تک آنا اس پر گراں ظاہر کرتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکی دن میں کھانا لینے کے لئے گھر سے نکلے اور کوئی شخص اس کو دیکھ کر اس کی عصمت میں رخنہ انداز ہو، بہتر یہ ہے کہ اس کا کھانا لے کر اسکے دروازے پر رکھ آیا کرے اس پر اجر عظیم ملے گا۔ غرضیکہ عابد کھانا لے کر اس کے گھر جانے لگا۔ بعد ایک مدت کے پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو ترغیب دی اور اس بات پر ابھارا کہ اگر تو اس لڑکی سے بات چیت کیا کرے تو تیرے کلام سے مانوس ہو۔ کیونکہ اس کو تنہائی سے سخت وحشت ہوتی ہے، شیطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا حتیٰ کہ وہ عابد اس لڑکی سے بات چیت کرنے لگا۔ اپنے عبادت خانہ سے اتر کر اس کے پاس آنے لگا۔

پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بہتر ہے کہ عبادت خانہ کے در پر اور وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے اور دونوں باہم باتیں کرو تا کہ اس کو انس ہو آخر کار شیطان نے اس کو صومعہ سے اتار کر دروازے پر لا بٹھایا۔ لڑکی بھی گھر سے دروازے پر آئی۔ عابد باتیں کرنے لگا۔ ایک زمانے تک یہ حال رہا، شیطان نے

عابد کو پھر کار خیر کی رغبت دی اور کہا بہتر ہے کہ خود لڑکی کے گھر کے قریب جا کر بیٹھے اور ہمکلامی کرے اس میں زیادہ دلداری ہے۔ عابد نے ایسا ہی کیا، شیطان نے پھر تحصیل ثواب کی رغبت دی اور کہا کہ اگر لڑکی کے دروازے سے قریب ہو جائے تو بہتر ہے تا کہ اس کو دروازے تک آنیکی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ عابد نے یہی کیا کہ اپنے صومعے سے لڑکی کے دروازے پر آ کر بیٹھتا تھا اور باتیں کرتا تھا۔

ایک عرصے تک یہی کیفیت رہی۔ شیطان نے پھر عابد کو ابھارا کہ اگر عین گھر کے اندر جا کر باتیں کیا کرے تو بہتر ہے تا کہ لڑکی باہر نہ آوے اور کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ پائے، غرض عابد نے شیوہ اختیار کیا کہ لڑکی کے گھر کے اندر جا کر دن بھر اس سے باتیں کیا کرتا۔ اور رات کو اپنے صومعے میں چلا آتا۔ اس کے بعد شیطان اس کے پاس آیا۔ اور لڑکی کی خوبصورتی اس پر ظاہر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کے زانوں پر ہاتھ مارا اور اس کے رخسار کا بوسہ لے لیا۔ پھر روز بروز شیطان لڑکی کو اس کی نظروں میں آرائش دیتا رہا اور اس کے دل میں غلبہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے ملوث ہو گیا اور لڑکی نے حاملہ ہو کر ایک لڑکا جنا۔ پھر شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب بتاؤ کہ اگر اس لڑکی کے بھائی آ گئے اور اس بچہ کو دیکھا تو تم کیا کرو گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ذلیل ہو جاؤ یا وہ تمہیں رسوا کریں۔ تم اس بچہ کو لو اور زمین میں گاڑ دو۔ یہ لڑکی ضرور اس معاملہ کو اپنے بھائیوں سے چھپائے گی۔ اس خوف سے کہیں وہ نہ جان لیں کہ تم نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی، عابد نے ایسا ہی کیا اور لڑکے کو زمین میں گاڑ دیا۔

پھر شیطان نے اس سے کہا کہ کیا تم یقین کرتے ہو یہ لڑکی تمہاری ناشائستہ حرکت کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں تم اس کو بھی پکڑو اور ذبح کر کے بچے کے ساتھ دفن کر دو۔ غرض اس عابد نے لڑکی کو ذبح کیا اور بچے سمیت

گڑھے میں ڈال کر اس پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیا اور زمین کو برابر کر کے اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنے لگا۔

ایک مدت گزرنے کے بعد لڑکی کے بھائی لڑائی سے واپس آئے اور عابد کے پاس جا کر اپنی بہن کا حال پوچھا۔ عابد نے ان کو اس کے مرنے کی خبر دی۔ افسوس ظاہر کر کے رونے لگا۔ اور کہا وہ بڑی نیک بی بی تھی، دیکھو یہ اس کی قبر ہے، بھائی قبر پر آئے اور اس کے لئے دعائے خیر کی اور روئے اور چند روز اس کی قبر پر رہ کر اپنے لوگوں میں آئے۔

راوی نے کہا، جب رات ہوئی اور وہ اپنے بستروں پر سوئے تو شیطان ان کو خواب میں ایک مسافر آدمی کی صورت میں بن کر آیا۔ پہلے بڑے بھائی کے پاس گیا۔ اور اس کی بہن کا حال پوچھا۔ اس نے عابد کا اس کے مرنے کی خبر دینا اور اس پر افسوس کرنا اور مقام قبر دکھانا بیان کیا، شیطان نے کہا سب جھوٹ ہے، تم نے کیونکر اپنی بہن کا معاملہ سچ مان لیا۔ عابد نے تمہاری بہن سے بدفعل کیا، وہ حاملہ ہوگئی اور ایک بچہ جنا۔ عابد نے تمہارے ڈر کے مارے اس بچے کو اس کی ماں سمیت ذبح کیا اور گڑھا کھود کر دونوں کو ڈال دیا۔ جس گھر میں وہ تھی اس کے اندر داخل ہونے میں وہ گڑھا داہنی جانب پڑتا ہے۔ تم چلو اور اس گھر میں جا کر دیکھو۔ تم کو وہاں دونوں ماں بیٹے ایک جگہ ملیں گے جیسا کہ میں تم سے بیان کر چکا ہوں۔ پھر شیطان منجھلے بھائی کے خواب میں آیا، اس سے بھی ایسا ہی کہا، پھر چھوٹے کے پاس گیا، اس سے بھی یہی گفتگو کی، جب صبح ہوئی تو سب لوگ بیدار ہوئے اور تینوں اپنے اپنے خواب سے تعجب میں تھے۔ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے سے بیان کرنے لگا کہ میں نے رات عجیب خواب دیکھا، سب نے باہم جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ بڑے بھائی نے کہا یہ خواب فقط ایک خیال ہے اور کچھ نہیں۔ یہ ذکر چھوڑ دو اور اپنا کام کرو۔ چھوٹا کہنے لگا

کہ میں تو جب تک اس مقام کو دیکھ نہ لوں گا، باز نہ آؤں گا۔ تینوں بھائی چلے، جس گھر میں ان کی بہن رہتی تھی، آئے، دروازہ کھولا اور جو جگہ خواب میں بتائی گئی تھی، تلاش کی اور جیسا ان سے کہا گیا تھا، اپنی بہن اور اس کے بچے کو ایک گڑھے میں ذبح کیا ہوا پایا۔ انہوں نے عابد سے کل کیفیت دریافت کی، عابد نے شیطان کے اس قول کی اس فعل کے بارے میں تصدیق کی، انہوں نے اپنے بادشاہ سے جا کر شکایت کی عابد صومعے سے نکالا گیا اور اس کو دار پر کھینچنے کے لئے لے چلے۔

جب اس کو دار پر کھڑا کیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ میں ہی تمہارا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو عورت کے فتنے میں ڈال دیا یہاں تک کہ تم نے اس کو حاملہ کر دیا اور ذبح کر ڈالا۔ اب اگر تم میرا کہنا مانو اور تم مجھ کو سجدہ کیا کرو تو میں تم کو اس بلا سے نجات دوں۔ عابد نے سجدہ کیا۔ خدا تعالیٰ سے کافر ہو گیا۔ پھر جب عابد نے کفر باللہ کیا، شیطان اس کو اس کے ساتھیوں کے قبضے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ انھوں نے اس کو دار پر کھینچا اور وہ اپنے انجام کو پہنچا۔ (بحوالہ اللہ میری توبہ)

حاصل...... اندازہ کیجئے کہ شیطان ہمارا کس قدر سنگین دشمن ہے اور اس کے وار کس قدر خطرناک ہیں، چنانچہ ہمیں چاہئے کہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۶۴

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا، وہ

یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اسکے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں۔ اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ ہمارے سردار حضور ﷺ اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو انکی باتوں پر یقین نہیں آیا' اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے کے اندر کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اسکے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کیساتھ رہتے ہونگے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہوا، اور آپ سے ملاقات کی۔ اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے اسکے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی۔ اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔ اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کررہے ہیں میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں۔ اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں' میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے۔ اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے''۔ یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور کلمہ شہادت: (اشهد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشهد ان

محمدًا رسول اللّٰہ) پڑھ لیا۔ پھر حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ: ''تم ایسے وقت پر ایمان لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں' اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں' زکوٰۃ تم پر فرض نہیں ہے' اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے' وہ ہے ''جہاد فی سبیل اللہ''۔

اس چرواہے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں' لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے' اسکے لئے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے 'یا غازی یا شہید...... تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے' اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیں گے' اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے''۔ چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اسلئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو۔ ان کو جا کر واپس کرو' اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں''۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کیساتھ جنگ ہو رہی ہے۔ جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے' ان کا مال غنیمت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لیکر آیا تھا اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ۔ پھر آ کر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جا کر بکریاں واپس کیں۔ اور واپس آ کر جہاد میں شامل ہوا' اور شہید ہو گیا۔

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور اقدس ﷺ لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کا مجمع اکٹھا ہے۔ جب آپ قریب پہنچے تو ان سے پوچھا کہ

کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں' ان میں سے ایک آدمی ایسا بھی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا' آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ' جب آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ: ''تم اس شخص کو نہیں پہچانتے مگر میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔ یہ چرواہا ہے' اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھا اسکو جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اسکو غسل دے رہے ہیں۔ اور اسکی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اور اسکی بدبو خوشبو سے تبدیل ہوگئی ہے''۔ (بحوالہ اصلاحی خطبات)

حاصل...... اندازہ کیجئے دیکھئے: اگر کچھ عرصہ پہلے اس چرواہے کو موت آجاتی تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا۔ اور اب اس حالت میں موت آئی کہ ایمان لا چکا ہے' اور سرکار دو عالم ﷺ کا غلام بن چکا ہے' تو اب اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انقلاب پیدا فرما دیا۔ اسی لئے فرمایا: ''العبرۃ بالخواتیم'' اعتبار خاتمے کا ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے لوگ لرزتے رہے۔ اور یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! حسن خاتمہ عطا فرمایئے۔ ایمان پر خاتمہ عطا فرمایئے ...... کس بات پر انسان ناز کرے، فخر کرے، اور اترائے۔ اس لئے کہ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ کسی کو بھی حقیر مت سمجھو۔

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ یہ رہا ہے کہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا۔ حالانکہ شریعت نے اسکی اجازت دی ہے کہ جتنا ظلم تم پر کیا جائے' تم بھی اتنا بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیا۔ قوم کی طرف سے نبی کو کہا جا رہا ہے کہ: (اِنَّا لَنَرٰکَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ) ''تم بیوقوف ہو۔ حماقت میں مبتلا ہو۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹے

ہو"۔ہم جیسا کوئی ہوتا تو جواب میں کہتا کہ تم احمق اور تمہارا باپ احمق لیکن نبی کا جواب یہ تھا کہ:"اے میری قوم میں بیوقوف نہیں ہوں۔ بلکہ میں پروردگار کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۶۵

ایک بزرگ اور ایک پرندے کا واقعہ

راوی کہتے ہیں کہ ہماری ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی، جب ہم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو بزرگ نے فرمایا کچھ کھاؤ گے۔ میں نے کہا ہاں۔فرمایا غار کے اندر درجہ میں چلے جاؤ اور جو ملے کھالو۔ میں اندر گیا تو ایک پتھر پر اخروٹ منقی،خرنوب،سیب ،انجیر، یہ سب چیزیں ایک ایک طرف رکھی ہوئی پائیں میں نے جتنا چاہا ان میں سے کھالیا۔رات بھر وہ جاگتے ہی رہے جب سحر کا وقت ہوا تو انہوں نے نماز وتر ادا کی ۔پھر جو کچھ موجود تھا اس میں سے کھایا اور بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ صبح فجر کی نماز ادا کی اور بیٹھے ہی بیٹھے سو گئے حتی کہ آفتاب طلوع ہو کر بقدر دو نیزوں کے بلند ہو گیا تو کھڑے ہوئے اور وضو کر کے غار میں داخل ہوئے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ میوہ کہاں سے آتا ہے۔اس سے اچھا تو میں نے کبھی نہیں کھایا فرمایا یہ تم آنکھوں سے دیکھ لو گے۔اتنے میں ایک پرندہ آیا جس کے دونوں بازو سفید اور سینہ سرخ اور گلا سبز تھا اور اس کی چونچ میں منقی اور پاؤں کے بیچ میں اخروٹ تھے اس نے منقی کو منقی پر اور اخروٹ کو اخروٹ پر رکھا جب اس کے پروں کی آہٹ سنی تو فرمایا تو نے دیکھ لیا۔ میں نے کہا ہاں۔فرمایا یہی پرندہ میرے پاس یہ چیزیں لاتا ہے تیس سال سے۔ میں نے

پوچھا دن میں کتنی بار آتا جاتا ہے فرمایا سات بار میں نے حساب کیا تو پندرہ بار آیا اور گیا۔ میں نے ان سے ذکر کیا تو فرمایا۔ تمہارے واسطے ایک بار زیادہ لاتا ہے۔ اور ان کا لباس ایک چھال کا تھا۔ جو کیلے کے مثل تھا میں نے پوچھا یہ کہاں سے آپ کے پاس آتا ہے۔ فرمایا یہی پرندہ عاشورہ کے روز دس ٹکڑے اس چھال کے لاتا ہے ۔ میں اس کا کرتہ یا پاجامہ بنالیتا ہوں۔ ان کے پاس ایک سوا بھی تھا جس سے وہ چھال سیتے تھے اور وہی پھٹی پرانی چھال کے ٹکڑے ان کے نیچے بچھے ہوئے تھے اُور ان کے پاس ایک پتھر تھا جس میں پانی ڈال کر اس کا پانی بالوں پر ملا جاتا تو بال اکھڑ جاتے۔ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ سات آدمی ان کے پاس آئے جن کی آنکھیں لمبائی کی جانب پھری ہوئی تھیں اور سرخ تھیں اور ان کا لباس ان کے بال ہی تھے۔ مجھ سے فارسی میں فرمایا ان سے نہ گھبراؤ یہ مسلمان جن ہیں۔ ایک نے سورۃ طہٰ آپ کو سنائی اور دوسرے نے سورۃ فرقان اور ایک نے سورۃ رحمٰن کی کچھ آیتیں آپ سے سیکھیں۔ پھر وہ چلے گئے میں نے انہیں بعض مرتبہ سجدہ میں یہ دعا پڑھتے سنا۔

"اللّٰھم امنن علی باقبالی علیک واصغائی الیک وانصاتی لک والفھم عنک والبصیرۃ فی امرک والنفاذ فی خدمتک وحسن الادب فی معاملتک".

اور اس دعا کو آواز سے پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپ نے یہ دعا کس سے سیکھی۔ فرمایا مجھے اس کا الہام کیا گیا ایک رات میں یہ دعا پڑھ رہا تھا کہ میں نے ایک ہاتف کو کہتے سنا کہ جب تم یہ دعا مانگو تو آواز سے۔ یہ دعا مقبول ہے۔ میں ان کے پاس چوبیس روز تک رہا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اپنا قصہ بیان کر۔ تو میرے پاس یہاں کیونکر پہنچا میں نے قصہ بیان کیا۔ فرمایا اگر تیرا یہ قصہ پہلے معلوم ہوتا تو تجھے اپنے پاس

اتنے دنوں نہ رہنے دیتا۔ تو نے اپنے ساتھیوں کو پریشان کیا۔ انہیں تاخیر کے سبب سے ندامت ہوگی۔ تمہارا ان کے پاس لوٹ جانا میرے پاس ٹھہرے رہنے سے اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ میں راستہ نہیں جانتا۔ آپ خاموش ہو رہے جب زوال کا وقت آیا تو فرمایا اٹھو چلو۔ میں نے کہا مجھے کچھ نصیحتیں کیجئے۔ فرمایا ادب سیکھو اور بھوکا رہنا اختیار کرو مجھے امید ہے کہ تم قوم سے مل جاؤ گے اور مجھے ایک ہدیہ بھی دیا اور وہ یہ کہہ فرمایا تم طواف زیارت کے دن زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ڈھونڈو ایک شخص ان صفات کا ملے گا ان سے میرا اسلام کہیو اور اپنے واسطے دعا کی خواستگاری کرو۔ پھر وہ مجھے لے کر غار سے باہر نکلے۔ دیکھا تو ایک درندہ غار کے دروازہ کے باہر کھڑا ہے اس سے آپ نے کچھ کہا جسے میں نے نہ سمجھا اور مجھ سے کہا اس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ۔ جب وہ کھڑا ہو جائے اپنے سیدھے بائیں طرف دیکھنا تمہیں راستہ مل جائے گا۔ وہ درندہ تھوڑی دیر میرے آگے چلا پھر کھڑا ہو گیا۔ جب میں نے اپنی سیدھی جانب نظر کی تو دمشق کی گھاٹی نظر آئی ۔ میں دمشق کی جامع مسجد میں گیا تو بعض ساتھیوں سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے قصہ بیان کیا اور ہم سب ان کی تلاش میں نکلے اور بہت سے آدمی میرے ساتھ ہوئے چنانچہ ہم اسی پہاڑ اور چشمے پر پہنچے اور تین دن تک اس غار کو ڈھونڈا۔ مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر انہوں نے کہا یہ چیز تم پر ظاہر ہوگئی اور ہم سے پوشیدہ کی گئی ہے۔ میں ہر سال حج کرتا تھا اور اس شخص کو جس کا اس بزرگ نے پتہ دیا تھا تلاش کرتا تھا۔ وہ مجھے نہ ملے حتیٰ کہ آٹھ دس برس گزر گئے اس کے بعد میں نے اس شخص کو جن کا پتہ اس بزرگ نے دیا تھا۔ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان بعد عصر کے پایا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں انہوں نے میرے واسطے چند دعائیں کیں۔ پھر میں نے کہا کہ ابراہیم کرمانی آپ کو سلام کہتے ہیں۔ انہوں

نے دریافت کیا کہ تم نے انہیں کہاں دیکھا۔ میں نے کہا کوہِ لبنان پر۔ مجھ سے کہا خدا ان پر رحم کرے۔ میں نے کہا کیا ان کی وفات ہوگئی کہا اسی وقت میں نے ان کو ان کے بھائیوں کے ہمراہ غار میں دفن کیا ہے اور ان کی نماز ادا کی ہے جب ہم غسل دیتے تھے تو اس وقت وہ پرندہ جوان کے لئے میوے لایا کرتا تھا گر پڑا اور پر مارتے مارتے مر گیا۔ ہم نے اسے بھی ان کے پاؤں کے پاس دفنا دیا۔ پھر وہ شخص طواف کے واسطے چلے گئے اس کے بعد میں نے انہیں نہیں دیکھا۔'' رضی اللہ عن الجمیع و نفعنا بھم''. آمین.

حاصل...... بیشک اللہ والوں کی شان ہی نرالی ہوتی ہے، اللہ سے تعلق جڑنے کے بعد یہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، انہیں دنیا کے اسباب کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ خود غیب سے ان کی مدد فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

واقعہ نمبر......٦٦

ایک ظالم کے ظلم کا انجام

آپ حجاج بن یوسف کے نام اور شخصیت سے یقیناً ناواقف نہیں ہوں گے۔ اس شخص کو عبدالملک نے مکہ، مدینہ، طائف اور یمن کا نائب مقرر کیا تھا اور اپنے بھائی بشر کی موت کے بعد اسے عراق بھیج دیا جہاں سے وہ کوفہ میں داخل ہوا، ان مقامات میں بیس سال حجاج کا عمل دخل قائم رہا، اس نے کوفہ میں بیٹھ کر زبردست فتوحات کیں، اس کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ سندھ اور ہند کے دوسرے علاقوں تک پھیل گیا حتیٰ کہ مسلمان مجاہدین چین تک پہنچ گئے تھے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے

بارے کہا جاتا ہے کہ اس نے قرآن کریم پر اعراب لگوائے، اللہ نے اسے بڑی فصاحت و بلاغت اور شجاعت سے نوازا تھا یہ حافظِ قرآن تھا، شراب نوشی اور بدکاری سے بچتا تھا، وہ جہاد کا دہنی اور فتوحات کا حریص تھا۔

مگر اس کی ان ساری خوبیوں پر اس کی ایک برائی نے پردہ ڈال دیا اور وہ برائی ہے بھی ایسی کہ تمام خوبیوں پر چھا جاتی ہے اور تمام اچھے اوصاف کو ڈھانپ دیتی ہے اور وہ برائی کیا تھی؟ ظلم!......

حجاج ان تمام خوبیوں کے باوجود بہت بڑا ظالم تھا اس نے اپنی زندگی میں خونخوار درندے کا روپ اختیار کر لیا تھا ایک طرف اس کے دور کے نامور مجاہدین قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کفار کی گردنیں اڑا رہے تھے اور دوسری طرف وہ خود اللہ کے بندوں اولیا اور علماء کے خون سے ہولی کھیل رہا تھا۔

امام ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ہشام بن حسان سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو قتل کیا ہے، اس کے جیل خانوں میں ایک ایک دن میں اسی اسی ہزار قیدی بیک وقت رہے ہیں جن میں سے تیس ہزار عورتیں ہوتی تھیں۔ اس نے جو آخری قتل کیا ہے وہ عظیم تابعی اور زاہد و پارسا انسان حضرت سعید بن جبیرؒ کا قتل تھا۔ انہیں قتل کرانے کے بعد حجاج پر وحشت سی سوار ہو گئی تھی۔ وہ نفسیاتی مریض بن چکا تھا، جب وہ سوتا تھا تو حضرت سعید بن جبیرؒ اس کا دامن پکڑ کر کہتے تھے اے دشمن خدا! آخر تو نے مجھے کیوں قتل کیا، میرا کیا جرم تھا؟...... جواب میں حجاج کہتا تھا مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے، مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ وہ اندر کی آگ تھی جو جب بھڑک اٹھتی ہے تو امن وسکون سب کچھ راکھ کر دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حجاج کو وہ بیماری لگ گئی تھی جسے زمہریری کہا جاتا ہے سخت سردی کلیجے سے اٹھ کر سارے جسم پر چھا جاتی تھی اور وہ کانپتا جاتا تھا، آگ سے بھری

ہوئیں انگیٹھیاں اس کے پاس لائی جاتیں اور اس قدر قریب رکھ دی جاتیں کہ اس کی کھال جل جاتی مگر اسے احساس نہیں ہوتا تھا۔ حکیموں کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ پیٹ میں سرطان ہے۔ ایک طبیب نے گوشت کا ٹکڑا لیا اور اسے دھاگے کے ساتھ باندھ کر حجاج کے حلق میں اتار دیا تھوڑی دیر کے بعد دھاگے کو کھینچا تو اس گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ بہت سارے کیڑے لپٹے ہوئے تھے، حجاج جب مادی تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو اس نے حضرت حسن بصریؒ کو بلوایا اور ان سے دعا کی درخواست کی وہ آئے اور حجاج کی حالت دیکھ کر رو پڑے اور فرمانے لگے "قد نهيتك ان تتعرض للصالحين" "میں نے تجھے منع کیا تھا کہ نیک بندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، انہیں تنگ نہ کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا مگر تو باز نہ آیا۔

آج حجاج باعثِ عبرت بنا ہوا تھا۔ وہ اندر سے بھی جل رہا تھا اور باہر سے بھی جل رہا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ چنانچہ وہ حضرت سعید بن جبیرؒ کو قتل کرنے کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا اور صرف چالیس دن کے بعد وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا مگر حضرت سعید اور حجاج کی موت میں بڑا فرق تھا۔ حضرت سعید کو شہادت کی موت نصیب ہوئی، وہ ایسی آن بان سے دنیا سے رخصت ہوئے کہ بعد میں آنے والے مجاہدین کے لئے ایک سنگ میل قائم کر گئے۔ وہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا دل مطمئن تھا اور چہرے پر تبسم تھا۔ لیکن حجاج جب دنیا سے جا رہا تھا تو اندر کی آگ میں جل رہا تھا۔ چہرے پر ندامت کی ظلمت تھی، اسے اس کا ایک ایک ظلم یاد آ رہا تھا۔

حضرت سعیدؒ کی شہادت پر تمام صلحاء اور علماء افسردہ تھے لیکن حجاج کی موت پر اللہ کے نیک بندوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حجاج کی موت کی خبر سنی تو خوشی سے رو پڑے مرنے کے بعد اس ڈر سے اس کی قبر کے تمام نشانات

مٹا دیئے گئے تا کہ لوگ اس کی لاش کو باہر نکال کر جلا نہ ڈالیں۔ اللہ اکبر! یہ اندیشے اس شخص کی قبر کے بارے میں ہو رہے تھے جس کے سامنے اس کی زندگی میں لوگ کھڑے ہوتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور لوگ اس کے ڈر سے دیوانے بن جایا کرتے تھے۔

اصمعی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب حجاج حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل سے فارغ ہو کر مدینہ آیا تو اسے مدینہ سے باہر ایک شیخ ملا چونکہ حجاج کے چہرے پر نقاب تھا اس لئے اس نے حجاج کو نہیں پہچانا حجاج نے اس سے مدینہ کا حال احوال دریافت کیا شیخ نے کہا بہت برا حال ہے رسول اللہ ﷺ کے حواری قتل کر دیئے گئے ہیں۔

حجاج نے پوچھا ان کو کس نے قتل کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ایک فاجر و فاسق اور لعین شخص، جس کا نام حجاج ہے، اللہ اس کو ہلاک کرے اور سب لعنت بھیجنے والے اس پر لعنت بھیجیں۔

حجاج یہ سن کر غضب آلود گیا اور اس نے اپنے چہرے پر پڑی ہوئی نقاب ہٹادی اور پوچھا کہ تم مجھے پہچانتے ہو، شیخ نے کہا ہاں میں آپ کو پہچانتا ہوں مگر آپ مجھے نہیں پہچانتے، میں یہاں کا مشہور دیوانہ ہوں مجھے دن میں پانچ مرتبہ مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور ابھی بھی جب میں الٹی سیدھی باتیں کر رہا تھا تو مجھے دورہ پڑا ہوا تھا۔

تو وہ شخص جس سے بات کرتے ہوئے بڑوں بڑوں کے جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا اور وہ کہ جس کے عتاب سے بچنے کے لئے لوگ مصنوعی دیوانے بن جاتے تھے آج جب اس کے جسم سے جان نکل گئی تو اندیشے پیدا ہونے لگے کہ کہیں لوگ شدتِ غیظ و غضب میں اس کی لاش ہی کو نہ جلا ڈالیں۔ وہ اقتدار، وہ ہیبت وہ دبدبہ سب کچھ جاتا رہا۔

اس کے متعلقین کو اس کی لاش کی بے حرمتی کے بارے میں دنیا والوں سے جو خطرہ تھا انہوں نے اس کے قبر کا نام ونشان مٹا کر بظاہر اسے تو خطرے سے تو بچالیا لیکن ظالموں کے لئے جو آخرت کے خطرات اور سزائیں ہیں ان سے اسے کون بچا سکتا تھا۔ وہاں تو کسی کا بس نہیں چلتا کسی کی سفارش کام نہیں آتی، خاندانی وجاہت فائدہ نہیں دیتی۔ اصمعی کے والد نے حجاج کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا اُس نے جواب دیا کہ میں نے جتنے قتل کئے تھے ان میں سے ہر ایک کے بدلے مجھے بھی قتل کیا گیا۔ اسے صرف حجاج کا معاملہ نہ سمجھئے گا، ہر ظالم کے ساتھ آخرت میں یہی ہوگا۔

حاصل......اس واقعہ سے حاصل یہ نکلا کہ ظلم کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے، چنانچہ انسان زندگی کی کسی بھی موڑ پر ظالم نہ بنے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظلم سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......٦٧

ایک نومسلم عورت کے قبول اسلام کا حیرت انگیز واقعہ

محترمہ آمنہ سیاہ فام امریکی خاتون ہیں جو اپنی سماجی خدمات کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتی ہیں، ۱۹۸۰ء میں جو کتاب شائع ہوئی اس کے مطابق ساڑھے تین سو افراد نے ان کی ترغیب سے منشیات سے توبہ کی تھی اور اکیس مرد وزن نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ ''شگاگو نیوز'' سے وابستہ زبردست صلاحیتوں کی حامل یہ صحافی خاتون جسمانی اعتبار سے معذور ہے۔ وہ شگاگو کے سلم نامی حبشیوں کے ایک

ایسے محلے میں پیدا ہوئی جو غلاظت، جرائم، منشیات اور غربت وافلاس کا گڑھ تھا، اس کا پیدائشی نام سنتھیا تھا اور اس کا باپ بھی اکثر حبشیوں کی طرح آوارہ منش، نشہ باز اور جرائم پیشہ آدمی تھا اور اس کی ماں ہی سفید فاموں کے گھروں میں مزدوری کر کے گھر کا خرچہ چلاتی تھی۔ باپ کی لاپرواہی اور سنگدلی کی وجہ سے وہ بہت بچپن میں پولیو کا شکار ہوگئی، مگر وہ غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کی مالک تھی، پانچ سال کی عمر میں اس کی ماں ایک سستی پہیوں والی کرسی خرید لائی اور اسے ایک سکول میں چھوڑ آئی ،سنتھیا نے جب سے بولنا شروع کیا تھا وہ بار بار کہا کرتی تھی: میں سکول جاؤں گی ،میں سکول جاؤں گی۔

سنتھیا بڑی سمجھدار اور ذہین بچی تھی وہ اپنی کرسی کو گھسیٹتی ہوئی سکول چلی جاتی گھر آجاتی اور کتابیں پڑھتی رہتی، اس کے اساتذہ اس کی ذہانت سے بہت متاثر تھے ،وہ بڑی صابر اور باہمت بچی تھی، وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوئی، دوسرے بچوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھ کر کبھی آنسو بہاتی نہ پریشان ہوتی بلکہ سر جھکائے بڑے اطمینان اور یکسوئی سے مطالعہ کرتی رہتی۔ اس نے اسکول میں اپنی ذہانت کی دھاک بٹھا دی تھی اسے ہر سال انعام ملا کرتا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور ''سنتھیا سترہ سال کی ہوگئی، اس نے اسکول کی تعلیم مکمل کر لی اور اب یونیورسٹی میں داخلہ لینا تھا چونکہ اس کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی اور ذہانت سے سبھی متاثر تھے، اس لئے اسے وظیفہ مل گیا اور پانچ برس تک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی رہی اور اعزاز کے ساتھ اسے مکمل کیا اور ایک مقامی اخبار ''شگاگو نیوز'' میں اسے ملازمت مل گئی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب سنتھیا امریکہ کے مشہور سیاہ فام رہنما میلکم ریکس کے کردار سے متعارف ہوئی، موصوف مشہور ومعروف جرائم پیشہ اور منشیات فروش حبشی تھا وہ بے شمار سنگین وارداتوں میں ملوث تھا اور زندگی کا بڑا حصہ جیلوں میں گزار چکا تھا

پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میلکم مسلمان ہوگیا اور نہ صرف اس کی اپنی زندگی میں زبردست انقلاب آگیا اور وہ ایک صالح پاکباز انسان بن گیا بلکہ اس کی تبلیغ وتربیت سے ہزاروں سیاہ فام لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں ،اس نے سینکڑوں ایسے رضا کار تیار کیے جو خاص طور پر حبشیوں کو راہ راست پر لانے اور ان کو نشے سے نجات دلانے کے لئے دن رات کوشاں رہتے تھے ، یہ ایک نئی تحریک تھی ،ایک نیا انقلاب تھا جو آہستہ آہستہ امریکہ کے حبشیوں میں آرہا تھا ،اور جو انہیں وقار سے زندہ رہنا سکھا رہا تھا سنتھیا میلکم ایکس کی زندگی کے دونوں پہلوؤں سے واقف تھی ،اس لئے اس کے دل ودماغ نے مذہب اسلام سے بھی گہرا اثر قبول کیا تھا اور چونکہ وہ مطالعے کی رسیا تھی اس لئے اس نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ پڑھ ڈالا اور اسے اپنے تصورات اور انسانی فطرت کے عین مطابق پایا تو اسے قبول کرلیا اور ایک روز جبکہ حسب معمول اس کا والد شراب کے نشے میں دھت اس کی ماں کی پٹائی کرنے والا تھا ،اس نے اپنے باپ کو سمجھانا شروع کر دیا اور ماں کو صبر کی تلقین کرنے لگی اور گفتگو کی تیزی میں انہیں بتا دیا کہ وہ اسلام قبول کرچکی ہے، اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے خود سنتھیا بلکہ آمنہ کی زبانی سنیئے ......

میرے والدین کے لئے ''مسلمان'' کا لفظ اجنبی نہ تھا ، میں نہیں جانتی کہ اسلام اور اسلام کے پیروکاروں کے بارے میں امریکیوں کا رویہ بلا رنگ ونسل کیوں معاندانہ اور مخالفانہ ہے ۔میری زبان سے یہ سننے کے بعد میں مسلمان ہوچکی ہوں میرے والدین کو بے حد تعجب ہوا خاص طور پر میری ماں کو بے پناہ صدمہ ہوا اس کا یہ ردعمل میرے لئے بہت پریشان کن تھا میں اسے ایک مظلوم عورت سمجھتی تھی میرا خیال تھا وہ میرے مسلمان ہونے پر زیادہ واویلا نہ کرے گی مگر ہوا اس کے برعکس ، میرے والد کے چہرے پر نفرت ، حقارت اور استہزاء کے ساتھ ساتھ لاپرواہی کی جھلک بھی

دکھائی دے رہی تھی اور میری ماں مسلسل بولتی جارہی تھی۔ آج جب وہ منظر مجھے یاد آتا ہے تو میں بے اختیار مسکرادیتی ہوں لیکن اس وقت میرا ردعمل کچھ مختلف تھا، میں یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کچھ جلدی کردیا ہے، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ میرے ایمان میں کوئی کمی تھی بلکہ یہ کہ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک میں مسلمانوں کے پورے طور واطوار باطنی اور ظاہری طور پر اپنا نہیں لیتی تب تک اسلام لانے کا اعلان نہ کروں گی مگر اس لمحے میں خاصی جذباتی ہوگئی تھی، اپنے مسلمان ہونے کا ذکر بڑے جوش اور جذبے سے کردیا۔ میرے والد بڑبڑاتے ہوئے باہر چلے گئے، میری والدہ مجھے سمجھانے لگیں۔

''ممی''میں نے کہا''جو ہونا تھا ہو چکا ہے، میں جو قدم بڑھا چکی ہوں وہ پیچھے نہیں ہٹا سکتی''میری ماں نے اور زیادہ شدت سے مجھے سمجھانا بجھانا شروع کردیا، میں نے ان سے کہا کہ'' وہ وقت بلاوجہ ضائع کررہی ہیں، میں مسلمان ہوچکی ہوں اور اب کچھ نہیں ہوسکتا'' میری والدہ نے سوچا شاید میں ضد کررہی ہوں یا جذباتی ہوگئی ہوں، انہوں نے اپنا طویل لیکچر ادھورا چھوڑا اور مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ میں مسلمان کیوں ہوئی؟ یہ بات مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھی ہے اور میں کئی بار جواب دے چکی ہوں، اس کے باوجود میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اس سوال کا جواب بڑے سکون اور اطمینان سے دینا چاہئے۔ میرے گھریلو حالات، امریکہ میں حبشیوں کی مجموعی حالت سے زیادہ میری معذوری اور اپاہج پن نے مجھے اسلام کی طرف راغب کیا، اس کی تفصیل بھی سن لیں، ایک اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے میں ہرروز میلکم ایکس اور مسلمان ہونے والے حبشیوں کی اصلاحی تحریک کے بارے میں پڑھتی تھی چونکہ پولیو کی وجہ سے میں معذور اور اپاہج ہوچکی تھی اور سوائے مطالعہ کے میرا اور کوئی شغل نہ تھا، اس لئے مجھ پر غوروفکر کی عادت بہت بڑھ گئی تھی، جب میں پڑھتی کہ

میلکم ایکس اور اس کے رضا کار ساتھی لوگوں سے منشیات کی عادت چھڑانے میں کامیاب ہورہے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی، میں "سمجھتی یہ صرف ایک خبر ہے جس میں صداقت نہیں ہے لیکن پھر میں سوچتی کہ یہ خبر کس طرح جھوٹی ہوسکتی ہے اور کس حد تک جھوٹی ہوسکتی ہے؟

میرے پاس میرے اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا مگر اس زمانے میں میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ پڑھنا چاہئے میں نے کچھ کتابیں حاصل کیں اور پڑھنے لگی، اسلام کے بارے میں ان کتابوں نے مجھے خاصا متاثر کیا جب میں نے یہ کتابیں پڑھ لیں تو میرے دل میں قرآن پڑھنے کا خیال پیدا ہوا اور میں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن کا ایک نسخہ حاصل کرلیا قرآن پاک کے اس ترجمے نے مجھے عجیب طرح کا روحانی سرور بخشا، جسے میں بیان نہیں کرسکتی آج میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی، انہاک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قرآن پاک کے مطالعے نے مجھے کئی دن بے چین رکھا، میرے دل میں ایک عجیب طرح کا جذباتی مدوجزر ہوگیا تھا، جی چاہتا کہ اب میلکم ایکس سے ملوں مگر وہ اس شہر سے بہت دور تھے میں نے اخبار کے ذریعے یہ پتہ چلایا کہ یہاں ہمارے شہر میں کون سا ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے، اس کا پتہ مجھے جلد ہی مل گیا میں نے اس شخص محمد یوسف کو فون کیا اور اس سے ملاقات کے لئے وقت مانگا، دوسری طرف سے مجھے بڑی ہمدرد اور نرم آواز سنائی دی، محمد یوسف نے مجھے کہا کہ میں جس وقت چاہوں اسے مل سکتی ہوں میں نے انہیں بتایا کہ میں کل بعد دوپہر ان سے ملوں گی، وقت طے ہوجانے کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

جب میں اگلے دن محمد یوسف سے ملنے گئی تو وہ مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہوگیا

میں نے ان کی پریشانی کے سبب کو بھانپ لیا وہ کسی صحت منداور توانا لڑکی سے ملنے کی توقع رکھتے تھے: جب انہیں وہیل چیئر میں بیٹھی ،حرکت سے معذور مجھ جیسی لڑکی دکھائی دی تو وہ کچھ پریشان سے ہوگئے مگر میری مسکراہٹ اور خوشدلی نے ان کی پریشانی کو جلد ہی ختم کر دیا۔

محمد یوسف میری ہی طرح حبشی تھے ۔کبھی ان کا نام جانی بیلگڈن تھا اب وہ محمد یوسف جیسے خوبصورت نام کے مالک تھے وہ اس شہر کے مسلمانوں کے سربراہ یا امام تھے وہی مسجد میں نماز پڑھاتے اور وہی قرآنی تعلیمات کا درس دیتے تھے وہ ہمدردی بھرے لہجے میں مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتے رہے ،باتوں باتوں میں بڑے غیر محسوس انداز میں انہوں نے مجھ سے میرے اور میرے کنبے کے بارے میں سب معلومات حاصل کرلیں میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مسلمان کیوں ہوئے تھے ؟محمد یوسف مسکرادیئے پھر انہوں نے دھیمے سے بڑے میٹھے لہجے میں جواب دیا ......''میں اس لئے مسلمان ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے'' ان کا وہ جواب میں آج تک نہیں بھولی ہوں اور زندگی بھر نہ بھول سکوں گی کیونکہ میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو سیدھے راستے پر لانا چاہتا ہے اس کے دل میں اسلام کے لئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔

محمد یوسف نے مجھے بتایا کہ وہ بھی حبشیوں کے غریب اور نادار علاقے میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے بچپن غربت اور افلاس میں گزارا، بڑے ہوئے تو وہ ایک ایسے ہوٹل میں ملازم ہوگئے جہاں انہیں برتن مانجھنے کے لئے رکھا گیا تھا مگر ان سے ضروری کام اور بھی لیا جاتا تھا انہیں کچھ پیکٹ دے دیئے جاتے کہ وہ انہیں کسی جگہ پہنچا آئیں اس کام کے عوض انہیں انعام میں ایک آدھ ڈالر مل جایا کرتا تھا ایک دن ان کے جی میں آئی اس پیکٹ کو کھول کر دیکھنا چاہئے جب انہوں نے کھول کر دیکھا تو

اس میں سے انہیں حشیش ملی انہوں نے یہ حشیش مہنگے داموں میں بیچ دی اور ہوٹل واپس نہ گئے مگر ہوٹل کی انتظامیہ نے انہیں ڈھونڈ نکالا پیکٹ مانگا اور جب پیکٹ نہ ملا تو ان کی خوب پٹائی کی وہ کئی دنوں بستر سے نہ اٹھ سکے۔اس واقعہ کے بعد وہ گناہوں کی دنیا میں پہنچ گئے تیس برس کی عمر تک انہوں نے ہر برا کام کیا وہ عورتوں کی دلالی کرتے، قحبہ خانوں کی نگرانی کا فرض انجام دیتے، ہیروئن اور دوسری منشیات کا خفیہ دھندہ کرتے کرتے خود بھی منشیات کے عادی ہو گئے انہیں کئی بار سزا ہو چکی تھی مگر وہ سزا کے خوف سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ایک بار جب وہ جیل میں تھے تو کچھ لوگ ان سے ملنے آئے یہ رضا کار مسلمان تھے اور ان کا جی چاہنے لگا کہ وہ باعزت اور بے فکر زندگی بسر کریں جب وہ جیل سے رہا ہوئے تو خاصے بدل چکے تھے مگر انہیں زندہ رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے یہی سوچا کہ اب پھر انہیں جرم کی زندگی بسر کر کے ہی اپنا پیٹ پالنا پڑے گا وہی رضا کار جنہوں نے جیل میں ان کے خیالات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی وہ ان سے ملے انہوں نے ان کے لئے روزگار کا بندوبست کیا کچھ نقد رقم دی تا کہ جب تک انہیں تنخواہ نہیں ملتی وہ اس رقم سے گزر اوقات کریں، وہ انہیں اپنے ساتھ رکھتے، یون محمد یوسف جو کبھی جانی بیلکڈن تھے، مسلمان ہو گئے۔

اسلام کے ساتھ ان کی شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ ایک برس میں انہوں نے کلام مجید عربی میں پڑھ لیا اس راہ میں انہیں بہت سی دقتیں اور پریشانیاں پیش آئیں۔مگر وہ کسی پریشانی سے نہ گھبرائے قرآن مجید کی تعلیم کے بعد وہ اسلامی قواعد اور طرز زیست کو اپنانے میں کامیاب ہو گئے، چار سال کے بعد انہیں اس علاقے میں مسلمانون کا امام بننے کے بعد انہوں نے اپنی تگ ودو سے زمین کے لئے چندہ جمع کیا اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر میں خود انہوں نے اور دوسرے مسلمانوں نے حصہ لیا تھا اور

وہ خود مزدوری کرتے اور اس کا معاوضہ نہ لیتے تھے۔

میں محمد یوسف کی زندگی اور ان کی باتوں سے بے حد متاثر ہوئی اور ان سے کہا کہ ''میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں'' محمد یوسف صاحب نے پہلی بار مجھے بھرپور نظروں سے دیکھا اور بولے ''خدا مبارک کرے مگر مسلمان ہونا بہت مشکل ہے''۔ ''میں ہر مشکل پر قابو پالوں گی۔'' ''الحمد للہ'' انہوں نے کہا ''کیا تمہیں کلمہ اور نماز آتی ہے؟'' میں نے نفی میں سر ہلایا انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب دی اس میں رومن حروف میں کلمہ اور نماز لکھی ہوئی تھی کہنے لگے ''اسے یاد کرلو اور اگر ہوسکے تو سہ پہر کو میرے پاس تھوڑی دیر کے لئے آجایا کرو۔ میں نے چند دنوں میں نہ صرف کلمہ اور نماز ازبر کرلی بلکہ ان کے معنی بھی سمجھ لئے اس دوران محمد یوسف سے بھی ملتی رہی اور ان سے دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔

جمعہ کا دن تھا مسجد میں تمام مسلمانوں کے سامنے میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئی میرا نام آمنہ رکھ دیا گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کھانے کے ساتھ تھوڑی بہت شراب پینے کی جو عادت تھی اسے ترک کردیا، میں سگریٹ بھی پی لیا کرتی تھی یہ بھی چھوڑ دیئے اور مسلمانوں جیسا لباس سلنے کے لئے دے دیا، میں سمجھتی تھی کہ جب میں مسلمان عورتوں کی طرح لمبے چغے میں اپنا جسم چھپاؤں گی اور سر کو بھی ڈھانپوں گی تو وہیل چیئر میں بیٹھی ہوئی خاصی مضحکہ خیز دکھائی دوں گی، میں نے ہر طنز اور مذاق کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیا جب میں پہلی بار مسلمان عورتوں کا لباس پہن کر گھر سے نکلنے لگی تو میری ماں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ ''سنتھیا یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟'' اس کے چہرے پر طنز تھا میرے والد نے بھی جو رات بھر شراب پینے کے بعد اب کرسی پر بیٹھے اونگھ رہے تھے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور قہقہہ لگایا۔ ''ممی'' میں نے کہا، یاد رکھئے میرا نام آمنہ ہے سنتھیا نہیں

''''آمنہ کیا نام ہوا بھلا'' ماں نے کہا ''لڑکی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟''

میں نے اپنی والدہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں انہیں بتا چکی ہوں اور اب میں مسلمانوں کی طرح باقاعدہ زندگی کا آغاز کررہی ہوں۔ ''تمہاری جگہ جہنم میں ہے تم نے'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''ممی آپ کو میرے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں اگر کوئی بات کرنی ہے تو جب میں دفتر سے آؤں گی تو کر لینا اسوقت مجھے دیر ہورہی ہے'' میں وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حبشیوں کی اس گندی بستی میں جس کسی نے مجھے اس لباس میں دیکھا وہ پہلے تو حیران ہوا پھر مذاق اڑانے لگا مگر میں نے کسی کی ایک نہ سنی اور اپنی راہ چلتی رہی جب میں اپنے اخبار کے دفتر پہنچی تو وہاں بھی شدید ردعمل پیدا ہوا، بہت سے لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے جب میں نے انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں اور مسلمان عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں تو بعض لوگوں نے خاموشی اختیار کی اور بعض لوگ بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔ اتفاق سے اس روز تنخواہ کا دن تھا تنخواہ ملی تو میں نے اس کا ایک چوتھائی حصہ اپنے علاقے کی مسجد کے فنڈ میں جمع کرادیا جب میں گھر لوٹی تو میری والدہ میرا انتظار کررہی تھی میرے والد بھی گھر پر موجود تھے میں تنخواہ کا نصف حصہ اپنی والدہ کو دے دیا کرتی تھی اس رقم سے میرے والد اپنے نشے کے لئے کچھ پیسے اینٹھ لیا کرتے تھے میں نے جب اپنی تنخواہ کی کچھ رقم اپنی ماں کو دی تو اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور پوچھا ''تم نے اس بار ڈالرکم دیئے ہیں۔''

''ہاں اب ہر ماں آپ کو اتنی رقم ہی ملے گی میں نے اپنی تنخواہ کا ایک چوتھائی مسجد کو دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' میری یہ بات سنتے ہی وہ مجھے، مسلمانوں اور مسجد کو کوسنے لگی میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی میں بہت دیر تک اپنی والدہ کو بکتے جھکتے سنتی رہی بیچ بیچ میں میرے والد کی آواز بھی سنائی

دیتی تھی۔ ''اب سنتھیا ہمارے ہاتھ سے نکل گئی مسلمانوں نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے ہم نے تو کبھی گرجے کو چندہ نہیں دیا یہ تنخواہ کا چوتھائی حصہ مسجد کو دینے لگی ہے'' میرے والد اور والدہ کے نزدیک مسلمان لٹیروں سے کم نہ تھے جوان کی بیٹی کی کمائی لوٹ کر لے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنی زندگی اسلام کے قوانین وضوابط کے مطابق ڈھال لی وہ لوگ جو پہلے مجھ پر انگلیاں اٹھاتے تھے مجھ سے لاپرواہ ہو گئے میرے اور اسلام کے خلاف زہر اگلنے والی زبانیں بھی خاموش ہو گئیں اور پھر کرسمس کا تہوار آ گیا۔ ہم خواہ کتنے ہی غریب اور بدحال کیوں نہ ہوں کرسمس کو ٹھاٹھ باٹھ سے منانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں کرسمس کے روز شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے جب میں نے مہمانوں کے ساتھ شراب کے جام کو چھونے سے ہی انکار کر دیا تو ہمارے گھر میں قیامت برپا ہو گئی والد تو صبح سے نشہ میں دھت تھے والدہ بھی دو ایک بار مہمانوں کے ساتھ پی چکی تھی، نشہ کی حالت میں وہ مجھ پر برسنے لگے مہمان بھی نشے میں تھے وہ بھی جوان کے منہ میں آیا بکنے لگے۔

ان سب کی حالت قابل رحم تھی میں نے سوچا کہ مجھے اس کمرے سے چلے جانا چاہئے مگر جب میں اپنی وہیل چیئر کو دھکیل کر جارہی تھی تو ایک مہمان لڑکا اور میرے والد میرے پیچھے لپکے اور وہیل چیئر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ''راستہ چھوڑ دیں'' میں نے کہا ''مجھے جانے دیں۔''

''یہ پی لو پھر چلی جانا۔'' لڑکے نے میرے راستے سے ہٹے بغیر شراب کا جام میرے آگے کیا۔ ''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔'' میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ لگا جو میرے والد نے مارا تھا میرا سر چکرا گیا آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر میرے والد اور اس لڑکے میں تو جیسے شیطان کی روح حلول کر گئی تھی وہ مجھے پیٹنے لگے انہوں نے مجھے روئی کی طرح دھنک دیا۔ میں خاموشی سے یہ ظلم برداشت کرتی رہی وہ گالیاں بک

رہے تھے نشے میں ان کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا جب وہ تھک کر بیٹھ گئے تو میں کسی نہ کسی طرح کمرے میں پہنچ گئی اس رات میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میرا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اپنے امام مسجد محمد یوسف کو ساری بپتا سنانی چاہئے اور پھر یہ گھر چھوڑ دینا چاہئے لیکن جوں جوں میرا غصہ اور جوش ٹھنڈا ہوتا گیا میری سوچ بدلتی گئی میں نے سوچا کہ مجھے اپنی پریشانی لے کر محمد یوسف کے پاس نہیں جانا چاہئے ان کا حل ضرور تلاش کرنا چاہئے ان کا مجھ پر حق ہے اور میرا بھی یہ فرض بنتا ہے کی میں ان کی زندگی بدلنے کی کوشش کروں چنانچہ اس روز میں نے ایک اہم فیصلہ کیا اور اگلے روز میں نے اپنے اس فیصلے سے امام مسجد محمد یوسف کو مطلع کر دیا۔

میں نے اخبار کی ملازمت چھوڑ دی اور رضا کار بن گئی، مجھے معمولی سا گزارہ الائنس ملنے لگا، جب میرے والدین کو میرے اس فیصلے کا علم ہوا، تو بہت سٹپٹائے وہ یہ سوچ ہی نہ سکتے تھے کہ میں اچھی بھلی ملازمت چھوڑ دوں گی میں نے ان سے کہا کہ وہ فکر نہ کریں ان کو ان کا حصہ ملتا رہے گا میں اخباروں کے لئے دن میں لکھوں گی اور جو معاوضہ مجھے وہاں سے ملے گا میں ان کو دے دوں گی، میری اس عملی زندگی کا آغاز اس وقت شروع ہوا جب میں مسلمان رضا کار بن گئی۔ محمد یوسف نے مجھے بہت سی ہدایات دیں اور جس کام کے لئے مجھے چنا گیا تھا، اس راہ کے کام سے مجھے آگاہ کیا گیا۔ مجھے خود ہی اندازہ تھا کہ یہ راستہ پرخطر ہے مگر اسلام نے مجھے حوصلہ بخشا اس کی وجہ سے میں کسی خطرے کو خاطر میں نہ لا رہی تھی، میں جیلوں میں جانے لگی وہاں قیدیوں سے ملتی، ان کے سامنے اسلام کی عظمت بیان کرتی ان کو ان کی زندگی کے گھناؤنے پہلو دکھا کر ان کو بہتر زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتی، کچھ قیدی وقت کاٹنے کے لئے میری بات کو توجہ سے سنتے کچھ میرا مذاق اڑاتے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے میری جسمانی معذوری پر بھی قہقہے لگائے مگر میں مطلق ہراساں نہ ہوئی، نہ

ہمت نے جواب دیا۔

ان قیدیوں میں سے ایک حبشی قیدی اربنٹو بھی تھا اس نے میری باتوں سے خاصہ اثر قبول کیا اور ایک دن کہنے لگا: ......تم بہت باہمت لڑکی ہو اگر تم واقعی چاہتی ہو کہ برائی کا خاتمہ ہو جائے تو برناڈو کا خاتمہ کر دو۔'' میں نے پوچھا: ''برناڈو کون ہے ؟''

''برناڈو اس شہر میں بڑی مافیا فیملی کا سربراہ ہے، وہی شخص ہے جو اس شہر میں منشیات کا اجارہ دار ہے اگر وہ نہ ہو تو لوگوں کو منشیات نہ ملیں اور نہ لوگ ان کے عادی ہی ہوں وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔'' میں برناڈو سے کیسے مل سکتی ہوں؟'' اس نے میرے کان میں مجھے برناڈو کا پتا بتا دیا جب میں جانے لگی تو اربنٹو کا لہجہ یکسر بدل گیا تھا وہ ندامت کے ساتھ کہنے لگا:

''مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم سے برناڈو کا ذکر کیا، تم اس سارے واقعے کو بھول جاؤ تم اندازہ نہیں کرسکتی ہو کہ برناڈو کتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''مگر میں اس کو ملنے کا فیصلہ کر چکی ہوں'' میں نے عزم سے کہا۔ ''تم اس سے مل کر کیا کرو گی ؟'' اس نے پوچھا۔ ''اس کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کروں گی۔'' وہ ہنسنے لگا اس کے قہقہے دور تک میرا پیچھا کرتے رہے۔

صبح کا وقت تھا جب میں وقت طے کیے بغیر برناڈو کے عالیشان گھر کے اندر داخل ہوئی اس گھر کو دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ اس گھر میں رہنے والا شخص کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ایک ملازم نے مجھے روک کر پوچھا وہ میرے لباس اور وہیل چیئر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے مسٹر برناڈو سے ملنا ہے۔'' میں نے کہا،

''تمہیں'' اس نے قہقہہ لگایا ''مسٹر برناڈو سے ملنا اتنا آسان نہیں۔''
آخر کیوں؟ میں نے کہا وہ بھی انسان ہے اور انسان انسانوں سے ملا جلا کرتے ہیں۔

ہم دونوں میں تکرار ہونے لگی اسی وقت ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط جثے والا آدمی ایک کمرے سے باہر نکلا اور غصے سے بولا: ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ شور کیوں مچا رکھا ہے؟'' ملازم نے اس کے سامنے سر جھکا کر کہا: ''یہ لڑکی آپ سے ملنے پر اصرار کر رہی تھی۔''

''مجھ سے؟'' اس نے پوچھا کیا کام ہے؟ ''میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔'' میں نے کہا۔ برناڈو نے کچھ تعجب سے میری طرف دیکھا پھر ملازم کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا، جب ملازم چلا گیا تو برناڈو نے نخوت سے کہا ''میں اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتا ہوں تم معذور ہو اس لئے رک گیا ہوں کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: ''مسٹر برناڈو کیا واقعی آپ اس معذور لڑکی کے کسی کام آنا چاہتے ہیں؟'' اس نے جواب دینے سے پہلے کچھ سوچا پھر مسکرا کر کہا: ''ہاں کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

میں نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، میں نے محسوس کیا کہ مسٹر برناڈو کچھ بے چینی محسوس کر رہا ہے، وہ میری نظروں سے نظریں چرا رہا تھا۔ ''مسٹر برناڈو'' میں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے آپ کو ہدایت کی ضرورت ہے، سچی ہدایت کی۔'' ''لڑکی میں نہیں جانتا تم کون ہو؟ میرا وقت بہت قیمتی ہے دو منٹ میں اپنی بات ختم کرو۔'' میں نے جب بات شروع کی تو برناڈو کا چہرا طیش اور غصے سے سرخ ہو گیا اس نے غصے کو دبا کر کہا: ''تم پاگل ہو، نکل جاؤ یہاں سے تمہیں

کس نے بتایا ہے کہ میں یہ کام کرتا ہوں؟ میں تمہیں اور تم کو یہ بتانے والے کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

میں نے بڑے اطمینان سے کہا "آپ کے اس غصے اور جوش ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں جو اطلاع ملی ہے وہ درست ہے۔" "تم بکتی ہو، چلی جاؤ یہاں سے مجھے تمہارے اپاہج پن کا خیال آ رہا ہے ورنہ" "میں جانتی ہوں مسٹر برناڈو آپ بہت طاقتور ہیں سارا شہر آپ کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے"۔

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟" برناڈو نے گرج کر کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ خلق خدا کے فائدے کے لئے اپنا یہ دھندا چھوڑ کر کوئی اور کام کریں اگر آپ سے یہ ممکن نہیں تو پھر مجھ معذور لڑکی سے رحم کریں مجھے ہر روز پانچ منٹ ملاقات کا وقت دے دیا کریں۔"

وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا پھر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا: "تم ضد کی پکی ہو تم کل پھر آ سکتی ہو اسی وقت۔" میں وہاں سے نکلی تو بے حد مطمئن تھی۔

برناڈو اطالوی نژاد تھا، اس کو زندگی میں شاید ہی مجھ جیسا کوئی انسان ملا ہو، وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگا ایک دن کے بعد دوسرا دن وہ مجھے ہر روز بلاتا مجھ سے باتیں کرتا پانچ منٹ کی گفتگو کا دائرہ پھیل کر گھنٹوں تک پھیل گیا میں اس کے سامنے انسانوں کی بدحالی کا ذکر کرتی۔ منشیات کی تباہ کاریاں بیان کرتی اسلام کی حقانیت کا ذکر کرتی آہستہ آہستہ اس کے خیال میں کچھ لچک پیدا ہونے لگی۔

"آمنہ" ایک دن اس نے مجھ سے کہا: "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ مسلمان کیا ہوتے ہیں؟ مگر میں ایک بات جان گیا ہوں کہ تم انسان کے نفسیات کو خوب سمجھتی ہو۔"

"اسلام انسانوں کا مذہب ہے مکمل دین" میں نے جواب دیا "اس لئے

اسلام مسلمانوں کی انسانی نفسیات پر گہری نظر رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔''

''میں نے محسوس کیا کہ اب میں اس سے ملنے جاتی ہوں تو وہ کچھ بے چینی محسوس کرنے لگتا ہے اس نے ایک دن مجھ سے کہا: ''آمنہ واقعی انسان کی زندگی فانی ہے اور انسان کو دنیا میں اچھے کام کرنے چاہئیں دوسروں کا بھلا سوچنا چاہئے۔''الحمدللہ میں نے جواب دیا''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ بات آپ کے ذہن میں سما گئی ہے۔''

چند دنوں بعد برناڈو نے اپنا دھندا چھوڑ دیا وہ راہ راست پر آ گیا اس نے بلا ہچکچاہٹ قبول کر لیا کہ وہ مافیا کا رکن ہے، اس نے مافیا کے سربستہ رازوں کو کھول کر رکھ دیا آپ کو یاد ہوگا کہ صدر فورڈ کے عہد صدارت میں برناڈو کے اس عمل سے امریکہ میں کتنا تہلکہ مچا تھا، برناڈو نے اخبار نویسوں سے کہا تھا:''ایک اپاہج اور چلنے پھرنے سے معذور لڑکی نے مجھے یہ طاقت پرواز بخشی ہے کہ میں نے برائی کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے اور کھلی آزاد فضاؤں میں اڑنے کی ہمت اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں۔''اس روز میں بہت روئی تھی جب مجھے خبر ملی کہ برناڈو کو جیل میں گولی ماردی گئی ہے اس کو مافیا کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا اس کا زندہ رہنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا اور وہ ایک ایسا انسان تھا جو راستی کی راہ پر چل نکلا تھا۔

برناڈو کی تائب ہونے کی وجہ سے مجھے پریس نے بڑی شہرت دی میری تقریریں شائع ہونے لگیں اخباروں اور رسالوں میں میرے انٹرویو شائع ہوئے ٹی وی اور ریڈیو پر مجھے بلایا گیا اور میری خدمات کو بے حد سراہا گیا۔

عالمی ہیوی ویٹ چمپین محمد علی مجھ سے ملنے آئے انہوں نے میری بڑی تعریف کی صدر فورڈ نے مجھے وائٹ ہاؤس میں بلایا اور میری تعریف کی اس شہرت اور عزت کے باوجود مجھ میں تکبر پیدا نہیں ہوا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے۔

اسلام نے میری زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا میں اسے ساری دنیا میں پھیلا دینا چاہتی ہوں اور اگر یہ میرے بس میں نہیں تو میرے دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ اسلام کی برکات اور فیوض سے امریکہ کے سیاہ فام ضرور فیض یاب ہوں۔

میرے والد شراب سے توبہ کر چکے ہیں وہ نشہ چھوڑ چکے ہیں میری والدہ میری عزت کرتی ہیں اگر چہ انہوں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا مگر ان کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ پچھلے چند برسوں میں میری کوششوں کی وجہ سے ساڑھے تین سو افراد نے منشیات سے توبہ کی ہے اور اکیس مرد اور عورتوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

میں ایک اپاہج عورت ہوں، مگر میں اپنے آپ کو اپاہج نہیں سمجھتی کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ کبھی اپاہج نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا اس کا سہارا بن جاتا ہے۔ میری زندگی اسلام کے لئے وقف ہو چکی ہے، میں اسلام ہی کے لئے کام کروں گی اور اسلام کی روح انسانوں میں پھونک دینا چاہتی ہوں۔ جب بھی کوئی انسان برائی کا راستہ ترک کرتا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ اسلام کی فتح ہوئی ہے۔" تو یہ ہے میری کہانی سنتھیا سے آمنہ بننے کی۔" (بحوالہ ماہنامہ حکایت لاہور)

حاصل...... اندازہ کیجئے کہ جب انسان عزم کر لے دین کی خدمت کا تو اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے ہی دیتے ہیں، چنانچہ ہمیں بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے دین اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۶۸

جرمنی کے ایک باشندے کا عبرتناک واقعہ

جرمنی میں دو بچوں کی ماں پر تشدد کرنے والا جنسی جنونی اپنے اندر کی آگ میں پراسرار طور پر جل کر ہلاک ہوگیا۔ کینیڈا کے میگزین ویکلی ورلڈ نیوز کی رپورٹ کے مطابق ماہرین نے اس واقعے کو از خود احتراق یا خارجی ذریعے کی مدد کے بغیر جل جانے کا انتہائی پراسرار واقعہ قرار دیا ہے۔

تفصیلات کے مطابق جرمنی کے قصبے آخین کے ایک باشندے ہرمان بین ہولٹ نے گزشتہ ہفتے ۲۸ سالہ پڑوسن حنا نامان کے گھر گھس کر اس پر جنسی حملہ کرنا چاہا۔ حنا اس وقت اپنے دو سالہ پیٹر اور ۳ سالہ ہیدی کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہرمان کو ڈرانے، دھمکانے اور چیخ پکار مچا کر پڑوسیوں کو بلانے کی دھمکی دی، لیکن وہ باز نہ آیا اس نے حنا پر حملہ کر کے اسے فرش پر گرادیا۔

حنا نے خود کو بچانے کے لیے ابھی پہلی چیخ ہی ماری تھی کہ حملہ آور ہرمان خود ہی درد سے کراہ کر اس کے اوپر سے ہٹ گیا اور اپنا سینہ ملنے لگا۔ حنا نے بتایا کہ اس نے زندگی میں اس سے حیرت انگیز اور خوفناک واقعہ نہیں دیکھا اور نہ ہی آئندہ دیکھنے کی توقع رکھتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اچانک ہرمان کے سینے سے آگ کی لپیٹیں نکلنے لگیں اور وہ چیخ چیخ کر خود کو آگ سے بچانے کے لیے قالین پر تیزی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ لیکن اس رگڑ سے آگ اور بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا جسم ''اندر کی آگ'' کی لپیٹ میں آگیا۔

حنا اپنے دونوں بچوں کو تھامے کونے میں کھڑی یہ خوفناک منظر دیکھتی رہی۔ جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے، اس نے دوڑ کر فائر بریگیڈ کو فون کیا۔ جس کے ساتھ ساتھ پولیس بھی آ گئی۔ لیکن تب تک ہرمان مکمل طور پر جل چکا تھا اور اس کا جلا ہوا ڈھانچہ عبرتناک انداز میں کمرے میں پڑا ہوا تھا۔

پولیس اور فائر بریگیڈ کے سراغ رساں اب تک ہرمان کو لگنے والی اس آگ کی وجوہات معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ واقعے کے تھوڑی دیر بعد ایک مقامی اخبار کے رپوٹر جرگسن شلٹ بھی پہنچ گئے۔ جنہوں نے ہرمان کے سوختہ ڈھانچے کی کئی تصاویر بنائیں۔

جرگسن شلٹ کا کہنا ہے کہ اس حیرت انگیز واقعے کی کوئی توجیہہ نہیں دی جا سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ہرمان بین ہولٹ کو ایک برے کام کی سزا دی گئی ہو۔ ایک پولیس سراغ رساں نے بتایا کہ ہرمان اس واقعے سے قبل ۷ مرتبہ مختلف خواتین پر جنسی حملوں کے الزام کے تحت گرفتار ہو چکا تھا۔ لیکن اس پر کبھی الزام ثابت نہیں ہو سکا تھا، لہٰذا وہ سزا سے بچتا آ رہا تھا۔ حنا کے واقعے نے اسے خود سزا دی اور دو بچوں کی مطلقہ ماں کو بچالیا۔

حنا کا کہنا ہے کہ جب حملہ آور گھر میں گھسا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پسٹل تھا جو کہ اس کے ساتھ جل کر بدنما ہو چکا ہے۔ حنا نے واقعے کی یاد تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہرمان نے ٹی وی لاؤنج میں گھستے ہی اسے حکم دیا تھا کہ وہ چیخنے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن خاتون نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے کوئی حرکت کی تو وہ شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لے گی۔ لیکن ڈھیٹ حملہ آور نے اس کے بچوں کی جانب پسٹل تان کر اسے قریب آنے پر مجبور کیا اور اس کے قریب آتے ہی اسے دبوچ کر نیچے گرا لیا۔

حنا کا کہنا ہے کہ اس کے معصوم بچوں نے ماں کو بچانے کے لیے اپنی عمر سے

بڑھ کر جرأت کا مظاہرہ کیا۔ ہیدی کھڑکی سے چہرہ نکال کر چیخنے لگا۔ جبکہ ۵ سالہ پیڑ ماں کو چھڑانے کے لیے حملہ آور کی پشت پر سوار ہو کر اس پر مکے برسانے لگا۔ جب ہرمان خود جلنے لگا تو اس نے پیڑ کو دور پھینک دیا، جس کے باعث بچے کی ٹانگ مضروب ہوگئی۔ حنا کا کہنا ہے کہ ''ہرمان آخر تک یہ سمجھتا رہا کہ اسے میں نے آگ لگائی ہے، اس لیے جب وہ پوری طرح شعلوں میں گھر گیا تو اس نے میری منت سماجت کرنا شروع کردی کہ میں نے جس طرح اسے نذر آتش کیا ہے، اسی طرح جادو سے آگ بجھا دوں۔ لیکن میں خود حیرت سے سن کھڑی تھی، مجھے اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ اس کی حالت پر غور کرتی، کجا یہ کہ اسے بچانے کے لیے کچھ کرتی۔''

پولیس سراغ رساں کروگر نے اس بات پر حیرانی ظاہر کی کہ جس قالین پر پورا ایک شخص زندہ جل گیا، وہ جھلسنے سے محفوظ رہا۔ سراغ رسانوں نے اس واقعے کی تفتیش ابھی داخل دفتر نہیں کی، لیکن انہیں اس سلسلے میں کسی بھی جانب سے کوئی تعاون حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ حنا نے اس واقعے کی یادوں اور اثرات سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

(بحوالہ عبرتناک واقعات)

حاصل...... بیشک برے کا انجام برا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اس واقعہ سے سبق ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے کام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

۱

واقعہ نمبر......۶۹

ایک عورت کا عبرتناک واقعہ

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب ''ذم الھوی'' میں لکھتے ہیں، ابن نجیح نے ایک بااعتماد دوست کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا، میرے گھر کے قریب جو قبرستان ہے، اس قبرستان کے مردے اپنی اپنی قبروں سے نکلے ہیں اور ایک جگہ اکھٹے ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تمام اہل قبور ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تمام اہل قبور ایک جگہ جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے گریہ وزاری شروع کر دی اور گڑ گڑا کر دربار الہیٰ میں دعا کرتے ہیں۔ ''یا اللہ تو فلاں عورت جو صبح مر گئی ہے وہ ہمارے قبرستان میں دفن نہ ہو۔ یا اللہ ہمیں اس سے بچالے۔''

یہ گریہ وزاری سن کر میں نے ایک مردے سے پوچھا۔ ''ماجرا کیا ہے، تم کیوں یہ دعا کر رہے ہو''؟

اس نے بتایا۔ ''جو عورت آج مری ہے، جہنمی ہے۔ اگر یہ ہمارے قبرستان میں دفن کر دی گئی تو ہمیں اس کا عذاب دیکھنے میں تکلیف ہو گی۔ اس لیے ہم گریہ وزاری کر رہے ہیں اور گڑ گڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔

یہ سن کر میں بیدار ہو گیا اور سخت متعجب ہوا۔ صبح ہوئی تو قبرستان کی طرف نکلا اور دیکھا کہ گورکن (قبر کھودنے والے) قبر کھود چکے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا ''یہ کس کے لیے بنائی گئی ہے۔'' انہوں نے بتایا ''ایک مالدار تاجر کی بیوی فوت ہو گئی ہے۔ یہ اس کے لیے قبر کھودی گئی ہے۔'' میں نے ان کو رات والا منظر بتا دیا۔ قبر

کھودنے والوں نے واقعہ سن کر قبر بند کر دی۔ اب میں انتظار کرنے لگا کہ کیا ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر گزری تو چند آدمی آئے اور گورکنوں سے پوچھا ''قبر تیار ہو گئی؟''

انہوں نے جواباً کہا ''یہاں قبر نہیں بن سکتی، کیونکہ نیچے کیچڑ ہے۔'' وہ آدمی یہ سن کر دوسرے ڈیرے پر چلے گئے۔ چونکہ وہاں بھی خواب والی بات پہنچ چکی تھی، اس لیے انہوں نے بھی قبر کھودنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہاں سے وہ آدمی کسی دوسرے قبرستان گئے اور وہاں قبر بنوائی۔

پھر میں جنازے کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ پھر اچانک شور اٹھا کہ جنازہ آرہا ہے۔ میں بھی جنازے کے ساتھ ہو گیا۔ جنازے کے ساتھ ایک جم غفیر تھا۔ میں نے جنازے کے پیچھے ایک خوبرو نوجوان کو دیکھا۔ میرے پوچھنے پر مجھے بتایا کہ اس عورت (میت) کا بیٹا ہے۔ اس کی اور اس کے باپ کی تعزیت کی جا رہی تھی۔ جب میت دفن کر دی گئی تو میں ان دونوں کے قریب گیا اور کہا ''میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے۔ اگر اجازت ہو تو بیان کر دوں۔''

یہ سن کر باپ نے یعنی مرنے والی کے خاوند نے کہا۔ ''مجھے خواب سننے کی ضرورت نہیں۔'' لیکن لڑکے نے کہا ''سنائیے!'' میں اسے تخلیہ میں لے گیا اور خواب بیان کر دیا۔ پھر اس سے کہا ''تجھے چاہیے کہ تو اس بات کی تفتیش کرے اور وجہ معلوم کرے کہ کیوں قبر والوں نے گڑگڑا کر دعائیں کی ہیں۔''

اس نوجوان نے کہا۔ ''اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ میری ماں شراب نوشی کرتی تھی اور گانے سنتی تھی، نیز دیگر عورتوں پر بہتان لگایا کرتی تھی۔ مگر یہ افعال اتنے سنگین نہیں کہ یہاں تک بات پہنچ جائے کہ مردے بھی دعائیں کریں کہ یہ ہم میں دفن نہ ہو۔ ہاں ہمارے گھر ایک بوڑھی عورت ہے جس کی عمر ننانوے سال کی ہے۔ وہ میری ماں کی دایہ اور خدمتگار تھی۔ اگر آپ چاہیں تو چلیں، چل کر اس سے

پوچھیں، شاید وہ میری ماں کا کردار جانتی ہو۔''

پھر ہم دونوں اس نوجوان کے گھر گئے ۔ اس نوجوان نے مجھے ایک بالا خانے میں داخل کر دیا۔ وہاں معمر خاتون بیٹھی تھی ۔ اس نوجوان نے بڑھیا کو میری طرف متوجہ کیا۔ میں نے خواب بیان کر کے پوچھا ''اماں کیا تیرے پاس کچھ معلومات ہیں۔''

یہ سن کر بڑھیا نے کہا۔ ''میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اسے بخش دے۔ وہ عورت بہت زیادہ بدکار تھی۔'' اس پر نوجوان نے بڑھیا سے پوچھا۔ ''کیا میری ماں شراب نوشی، گانا سننے اور عورتوں پر بہتان لگانے کے سوا بھی گناہ کرتی تھی؟''

بڑھیا نے کہا۔ ''بیٹا اگر تو برا نہ مانے تو میں بتا دیتی ہوں۔ کیونکہ اس آدمی نے جو خواب بیان کیا ہے یہ تیری ماں کے گناہوں کے سامنے معمولی ہے۔'' یہ سن کر نوجوان نے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ تو ہمیں بتائے تاکہ ہم ایسے کردار سے بچ جائیں اور عبرت حاصل کریں۔''

یہ سن کر بڑھیا رونے لگی۔ ''خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں کئی سال سے توبہ کر چکی ہوں اور مجھے امید تھی کہ تیری ماں بھی توبہ کر لے گی، مگر اس نے توبہ نہیں کی۔ اب میں تمہیں تین کارنامے تیری ماں کے سناتی ہوں۔''

تو اس بڑھیا نے اس عورت کے لڑکے کو مخاطب کر کے کہا ''تیری ماں بہت بڑی بدکار تھی۔ ہر دن ایک دو نوجوان اس کے گھر آتے تھے، جن سے وہ اپنی خواہش پوری کرتی تھی اور تیرا باپ بازار میں کام کرتا تھا۔ پھر تو جب جوانی کو پہنچا تو تو نہایت وجیہہ نوجوان تھا۔ میں دیکھا کرتی تھی کہ تیری ماں تیری طرف شہوت کی نظر سے دیکھا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن تیری ماں نے مجھے کہہ دیا کہ ''میں اپنے بیٹے پر فریفتہ ہو گئی ہوں، لہذا کسی طریقے سے اس کو میری طرف راغب کر۔''

میں نے سن کر تیری ماں سے کہا۔ ''بیٹی یہاں تک کیوں جاتی ہے۔ تیرے لیے اور بہت سارے نوجوان ہیں، جن سے تو اپنی خواہش پوری کراسکتی ہے۔ لہذا بیٹی تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس ارادے سے باز آ۔'' تو تیری ماں کہتی تھی ''نہیں، مجھے اس کے سوا صبر نہیں۔''

تو میں نے تیری ماں سے پوچھا ''تو اس مقصد میں کیسے کامیاب ہوسکتی ہے، حالانکہ تیرا بیٹا ابھی نوعمر ہے۔ تو خواہ مخواہ بدنام ہوگی۔ لہذا خدا کے لیے اس ارادے سے باز آجا۔'' تو تیری ماں نے مجھ سے کہا ''اماں تو میری مدد کرے تو میں کامیاب ہو سکتی ہوں۔'' میں نے پوچھا ''کیا حیلہ کیا جائے؟'' تو تیری ماں نے کہا ''فلاں گلی کے مکان میں ایک عرضی نویس ہے وہ رقعے (خط) لکھ کر مردوں کو عورتوں سے ملاپ کراتا ہے اور اجرت لیتا ہے تو اس کو کہہ کہ وہ میرے بیٹے کو تحریر لکھے اور نام لیے بغیر کہے کہ ایک دوشیزہ تجھ سے عشق کی حد تک محبت کرتی ہے وہ تجھ سے فلاں جگہ فلاں وقت ملاپ چاہتی ہے۔''

اس بڑھی عورت نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا اور جب تجھے میں نے وہ خط دیا تو، تو بھی فریفتہ ہوگیا اور تو نے لکھ دیا کہ ''مجھے منظور ہے۔ فلاں وقت میں آجاؤں گا۔'' تو میں نے تیری ماں کو وہ خط لاکر دے دیا۔

تیری ماں نے جواب پڑھ کر کہا ''اماں تم میرے بیٹے سے کہو کہ فلاں وقت، فلاں جگہ آجائے اور تو فلاں بالا خانہ اچھی طرح تیار کرا اور اس میں پھل اور خوشبو وغیرہ کا انتظام بھی کرا اور تو میرے بیٹے کو یہ بھی کہے کہ جس عورت نے تجھے بلایا ہے وہ ابھی دوشیزہ ہے، وہ روشنی پسند نہیں کرتی، بلکہ یہ کام اندھیرے میں بہتر ہے تاکہ تمارے والدین کو تم پر شک نہ گذرے۔''

پھر میں تیرے پاس آئی تھی تو تو نے یہ بات مان لی اور رات کا وقت مقرر

ہوا۔ میں نے تیرا جواب تیری ماں کو پہنچایا تو اس نے بہترین کپڑے پہنے اور عمدہ خوشبو لگائی اور وہ اس بالا خانہ میں پہنچ گئی اور پھر تو بھی پہنچ گیا اور پھر داد و عیش سحری تک جاری رہا۔ پھر تو وہیں سو گیا تو میں نے صبح کے وقت آ کر تجھے جگایا۔ پھر چند دنوں کے بعد تیری ماں نے مجھ سے کہا ''اماں، میں اپنے بیٹے سے حاملہ ہو گئی ہوں۔ اب میں کیا کروں؟'' تو میں نے کہا ''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ تو کیا کرے۔'' لیکن تیری ماں کسی حیلے بہانے سے تجھ سے اپنی خواہش کرتی رہی۔ حالانکہ ولادت کا وقت قریب آ گیا تو تیری ماں نے تیرے باپ سے کہا کہ ''میں بیمار ہوں، میں چاہتی ہوں کہ کچھ دن اپنی ماں کے پاس رہ آؤں۔'' تو تیرے باپ نے اجازت دے دی۔ پھر میں اور تیری ماں تیری نانی کے گھر چلی گئیں۔

وہاں ایک کمرے میں رہائش رکھ لی اور جب ولادت کا وقت آیا تو میں ایک دایہ کو بلا کر لائی تو تیری ماں کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جو کہ تیری ماں نے مار دیا اور پھر ہم نے وہ بچہ دفن کر دیا۔ کچھ دن گزرے کہ تیری ماں نے مجھ سے کہا۔ ''اب پھر میں اپنے بیٹے سے خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں۔'' تو میں نے کہا۔ ''بیٹی جو کچھ ہو چکا وہ تیرے لیے کافی نہیں؟'' تو تیری ماں نے کہا۔ مجھے صبر نہیں ہے اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔۔۔الخ

پھر جب وہ بڑھیا دوسرا واقعہ سنانے لگی تو اس عورت کے بیٹے نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی ''اماں بس کر۔۔۔۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری ماں پر لعنت کرے اور ساتھ تجھ پر بھی لعنت ہو۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میں بھی اس کے ساتھ اٹھ کر آ گیا۔ کاش کہ وہ بڑھیا دوسرے دو واقعات بھی سنا دیتی۔

حاصل...... اندازہ کیجئے کہ جب انسان کی شرم وحیا ختم ہو جائے تو وہ کس قدر پستی میں چلا جاتا ہے، ہمیں چاہئے کہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، اور

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

(بحوالہ ذم الھوی)

واقعہ نمبر......۷۰

ملک الموت کا صدمہ وافسوس اور شداد کی جنت

کہتے ہیں کہ ملک الموت نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی اے مولائے کریم میں نے کروڑوں لوگوں کی جانیں قبض کی ہیں مگر دو جانیں ایسی ہیں کہ جنہیں قبض کرتے وقت مجھے بڑا ہی صدمہ اور افسوس ہوا ہے، میں نے تیرے حکم کی تکمیل ضرور کی مگر نہایت ہی دکھ کے ساتھ اور وہ دو ایک ماں اور ایک بیٹا تھا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک جہاز غرق ہو گیا تھا اور ایک عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ ایک تختے کا سہارا لینے میں کامیاب ہو گئی، تختہ دریا میں بہہ رہا تھا اور ماں اور بیٹا اس پر سوار تھے، اے مولا کریم اچانک تیرا حکم ہوا اور میں نے ماں کی جان اس تختہ پر نکال لی، میرے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ ماں مر چکی ہے اب بچے کا کیا حشر ہوگا؟ بچہ ایک ٹوٹے ہوئے تختے پر سوار ہے اور تختہ ہر آن پانی کی لہروں کے تھپیڑے کھا رہا ہے، جو کسی وقت بھی کسی تیز لہر کی زد میں آ کر الٹ سکتا ہے بچے کے لئے نہ خوراک کا انتظام ہے، نہ کسی نگران کا بندوبست ہے۔

دریا کے کنارے دھوبی کپڑے دھو رہے تھے اچانک کسی کی اس بچے پر نظر پڑی تو تختے کو کھینچ کر لائے بڑے حیران ہوئے کہ ماں مر چکی ہے بچہ بے یار و مددگار تختہ پر زندہ وسلامت موجود ہے وہ لوگ اس بچے کو اپنے سردار کے پاس لے گئے، سردار بے چارہ بے اولاد تھا سردار خوبصورت بچہ دیکھ کر اس پر اس کا دل آ گیا، اور سردار نے

بچے کو اپنی نگرانی میں لیکر اسے اپنا بیٹا بنالیا یہ بچہ آٹھ نو سال کی عمر کا تھا کہ اپنے ساتھی بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں بادشاہ وقت کی سواری کی آمد کا شور اٹھا سب لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے مگر یہ بچہ سڑک پر اکیلا کھڑا رہا، بادشاہ کی سواری گزر گئی اس کے پیچھے اس کا عملہ پیدل آرہا تھا ان میں سے ایک سپاہی کو راستے میں سے سرمہ کی ایک پڑیا مل گئی اتفاق سے اس بچے کی نظر بہت کمزور تھی اور سرمہ کی اسے بہت ضرورت بھی تھی، لہذا اس نے وہ سرمہ بحفاظت اپنے پاس رکھ لیا، آنکھوں میں لگانے سے پہلے اسے خیال آیا کہ یہ سرمہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے، لگانے سے پہلے کسی دوسرے شخص پر آزمالینا چاہئے، قریب ہی وہ بچہ کھڑا تھا اس نے اس بچہ پر آزمانا چاہا بچے نے سرمہ اپنی آنکھوں میں لگالیا، مگر جوں ہی سرمہ اس نے لگایا اسے زمین کی تہہ میں موجود چیزیں بھی نظر آنے لگیں، اس نے دیکھا کہ زمین کے اندر بہت سے خزانے پوشیدہ ہیں، بچہ ہوشیار تھا اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ سرمہ لگانے کی وجہ سے میری آنکھوں میں سخت تکلیف پیدا ہوگئی، (وہ سرمے کی پڑیا گرا کر چلے گئے) بچہ سرمہ کی پڑیا اٹھا کر گھر پہنچا، اور خوشی خوشی باپ کو سارا واقعہ سنایا سردار بڑا خوش ہوا، باپ نے کہا کہ ہمارے پاس آدمی بھی ہیں اور گدھے بھی ہیں تم سرمہ لگاؤ، ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں جہاں کہیں خزانے پاؤ، ہمیں بتاؤ ہم نکال لیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا بچے کے بتانے پر وہ لوگ خزانے نکالنے لگے اور تھوڑے ہی عرصے میں امیر بن گئے بچہ جوان ہوا تو اس نے پرزے نکالنے شروع کئے، ان کے پاس دولت کی فراوانی ہوگئی زمین کے تمام خزانے اس کے نظروں میں تھے اس نے آہستہ آہستہ بہت سے آدمی اپنے ساتھ ملالئے اس کے بعد تمام سرداروں کو ادھر ادھر کر دیا اور خود سردار بن گیا آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے بادشاہ کے ساتھ بھی ٹکر لے لی اور اسے مغلوب کر کے خود بادشاہ بن گیا۔

اس بچہ کا نام شداد تھا اور یہ وہی بچہ تھا جس کی ماں تختے پر ہی مرگئی تھی اور یہ اکیلا دریا کی لہروں کے ساتھ بہہ رہا تھا کہتے ہیں کہ جب یہ برسر اقتدار آیا تو اس نے حکم دیا کہ ایک ایسا کمال درجے کا شہر آباد کیا جائے، جس کی ایک اینٹ سونے کی ہو اور دوسری چاندی کی ہو، اس میں ایک عالی شان باغ ہو جس میں دنیا کی ہر چیز میسر ہو جب وہ شہر ہر لحاظ سے مکمل ہوگیا تو شداد نے ارادہ کیا کہ جا کر اس شہر کا نظارہ کیا جائے چنانچہ وہ شہر کو دیکھنے نکلا ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا، کہ ملک الموت کو حکم ہوا اور اس نے وہیں اس کی روح قبض کرلی، اسے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ اپنے بے مثال باغ کو ایک نظر دیکھ سکتا، ملک الموت نے کہا کہ اے مولائے کریم اس شخص کی روح قبض کرتے وقت بھی مجھے نہایت ہی صدمہ پہنچا کہ وہ شخص ہر چیز تیار کر کے اسے دیکھ بھی نہ سکا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہی بچہ ہے جس کی ماں تختہ پر مرگئی تھی اور اس پر تجھے ترس آیا تھا اس بچے نے بڑے ہوکر نافرمانی کی خدا کے حکم سے بغاوت کی اور سرکشی اختیار کی مگر ہم نے اسے خود ساختہ جنت میں قدم رکھنے کی مہلت بھی نہ دی اور اسے باہر ہی ہلاک کردیا اسی جنت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دنیا میں موجود ہے مگر انسان کی نظروں سے اوجھل ہے امیر معاویہؓ کے زمانے میں ایک صحابیؓ کا اونٹ گم ہوگیا تھا وہ اونٹ کی تلاش میں کہیں اس علاقے میں جا نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے وہ سب کچھ دکھلا دیا تھا، وہ صحابی وہاں کی کوئی نشانی بھی ساتھ لایا تھا، اس صحابی نے یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے پاس بیان کیا، انہوں نے کافی تلاش کرایا مگر کسی کو وہ جنت نہیں ملی اور اسے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ کردیا۔

(بحوالہ خزینہ)

واقعہ نمبر......۷۱

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے والد کو خوف خدا

ایک دن حضرت ادہمؒ کا بخارا کے باغات کی طرف سے گزر ہوا آپ ایک نہر کے کنارے (جو باغات کے اندر سے ہوتی ہوئی گزرتی تھی) بیٹھ کر وضو کرنے لگے آپ نے دیکھا کہ نہر کے اندر ایک سیب بہتا ہوا آرہا ہے خیال کیا کہ اس کے کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ سیب اٹھا کر کھالیا جب سیب کھا چکے تو دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ میں نے سیب کے مالک سے اجازت نہیں لی اور میرا یہ کھانا ناجائز ہے اس خیال سے باغ کے مالک کے پاس گئے اور جا کر اسے اس امر کی اطلاع دی تاکہ اس کی اجازت سے حلال ومباح ہو جائے چنانچہ باغ کے دروازے پر دستک دی جہاں سے یہ سیب آیا تھا آواز سن کر ایک لڑکی باہر آئی آپ نے اس سے کہا کہ میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں اسے بھیج دیجئے، اس نے عرض کیا کہ وہ عورت ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا اسے پوچھو کہ میں خود حاضر ہو جاؤں چنانچہ اجازت مل گئی اور آپ اس خاتون کے پاس تشریف لے گئے اور سارا واقعہ اس کو سنایا عورت نے جواب دیا کہ باغ کا نصف حصہ میرا ہے اور نصف سلطان کا ہے میں نے اپنے حصہ کا سیب معاف کر دیا اور سلطان یہاں نہیں ہیں بلخ تشریف لئے گئے ہیں جو بخارا سے دس دن کی مسافت پر ہے، چنانچہ اس نے اپنا سیب کا نصف حصہ تو آپ کو معاف کر دیا اب باقی رہا دوسرا نصف حصہ اب اسے معاف کروانے کے لئے بلخ تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو بادشاہ کی سواری جلوس کے ساتھ جارہی تھی، اسی حالت میں آپ نے سارے واقعہ کی بادشاہ کو خبر کر دی

اور نصف حصہ سیب کے معاف کرانے پر طالب ہوئے، بادشاہ نے فرمایا اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا کل میرے پاس تشریف لے آئیں میں اس وقت کچھ کہہ دوں گا، بادشاہ کی ایک نہایت ہی خوبصورت حسین وجمیل بیٹی تھی اور بہت سے شہزادوں کی طرف سے پیغام نکاح اس کے لئے آچکے تھے لیکن اس شہزادی کا باپ یعنی بادشاہ انکار کردیا کرتا تھا کیونکہ بیٹی عبادت گزار اور نیک کاروں کو بہت پسند کرتی تھی اس لئے اس کی یہ خواہش تھی کہ دنیا کے کسی مشہور زاہد سے ان کا نکاح ہو۔

جب بادشاہ محل میں واپس آیا تو اپنی لڑکی سے ادہمؒ کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا کہ صرف نصف سیب حلال کرانے کے لئے بخارا سے یہاں بلخ آیا ہے جب لڑکی نے یہ کیفیت سنی تو نکاح منظور کرلیا چنانچہ حضرت ادہمؒ دوسرے دن بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ جب تک آپ میری بیٹی کے ساتھ نکاح نہیں کریں گے آپ کو نصف سیب معاف نہیں کروں گا، حضرت ادہم نے کمال انکار کے بعد نکاح قبول کرلیا، چنانچہ بادشاہ نے اپنی لڑکی کا نکاح ادہم سے کرادیا جب حضرت ادہمؒ خلوت میں اپنی بیوی کے پاس گئے تو دیکھا کہ لڑکی نہایت آراستہ وپیراستہ ہے اور وہ مکان بھی جہاں لڑکی تھی تکلفات کے ساتھ مزین ہے حضرت ادہمؒ ایک گوشہ میں جا کر نماز میں مصروف ہو گئے حتی کہ اس حالت میں صبح ہو گئی، اور متواتر سات راتیں اسی طرح گزر گئیں، اور اب تک بادشاہ نے سیب کا نصف حصہ معاف نہیں کیا تھا، آپ نے بادشاہ کو یاد دھانی کرانے کے لئے یہ کہا کہ اب وہ حصہ معاف فرمادیجئے، بادشاہ نے کہا کہ جب تک آپ کا میری لڑکی یعنی اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا اتفاق نہ ہوگا میں معاف نہیں کروں گا آخر کار شب ہوئی اور حضرت ادہمؒ بیوی کے پاس جماع پر مجبور ہوئے، اس کے بعد آپ نے غسل کیا نماز پڑھی، ایک چیخ ماری اور مصلے پر گر پڑے، لوگوں نے دیکھا تو حضرت ادہمؒ انتقال کرچکے تھے، بعد ازاں اس

لڑکی کے بطن سے ادہمؒ کا ایک لڑکا پیدا ہوا، اور وہ ابراہیمؒ بن ادہم تھا (چونکہ حضرت ابراہیم کے نانا بادشاہ کے پاس کوئی لڑکا نہ تھا اسی وجہ سے بادشاہ کے بعد سلطنت حضرت ابراہیمؒ بن ادہمؒ کو ملی، آپؒ کے سلطنت چھوڑنے کا واقعہ مشہور ہے، اور اس کی اصل بھی یہی ہے)۔

(سفر ابن بطوطہ، بحوالہ بکھرتی موتی جلد ۱)

واقعہ نمبر......۲۷

شیخ علی کردیؒ کا واقعہ

حضرت شیخ صفی الدین فرماتے ہیں اپنے رسالہ میں میں نے جن بزرگوں کو دیکھا ان میں ایک شیخ علی کردیؒ ہیں ۔آپ میں عشق کی شوریدگی ظاہر تھی اور اہل دمشق پر مالکانہ تحکم فرماتے تھے۔ چنانچہ جب میں تیرہ سال کی عمر میں دمشق پہنچا تو میں بڑے احتشام میں تھا۔ میرے ساتھ غلاموں کی ایک فوج بھی تھی ۔عمدہ لباس بھی تھا ۔عزیز واقارب بھی تھے۔ میں دمشق پہنچنے کے بعد جامع مسجد میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آئے ان کا سر بڑا تھا اور بدن پر ایک پھٹی ہوئی کملی تھی اور جامع مسجد کا صحن قطع کر کے باب جیرون سے مقصورہ امام غزالیؒ کے پاس جہاں میں کھڑا تھا آئے اور اپنے ہاتھ جن میں سیب بھرے ہوئے تھے میری طرف بڑھا کر فرمایا اسے لے لو میں ان سے ڈرا اور پیچھے کی طرف ہٹا تو آپ نے سارے سیب ایک ایک کر کے میری طرف کو پھینکے اور چلے گئے اتنے میں شیخ ابولقاسم صقلی آئے وہ بڑے معتبر آدمی تھے ان کے ہمراہ شیخ نجم الدین میرے والد کے ماموں تھے جو دمشق میں مدرس تھے۔ ان سے ہم نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے سن کر بہت تعجب کیا اور فرمایا اے لڑکے خوش

ہو جاؤ تمہاری کوئی حالت ہونے والی ہے۔ یہ شخص قطب شام ہیں ان کا نام علی کردی ہے تمہاری ضیافت کرنے کے لئے یہ سیب لائے تھے۔ ورنہ یہ کس کی قسمت ہے جو اس کی ضیافت کریں۔ پھر میں اٹھا اور ان کے پاس باب جیرون میں جا کر سلام کیا اور ان کے ہاتھ چومے مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور مسکرائے میں نے ان سے حضرت شیخ عتیق کی نسبت دریافت کیا فرمایا وہ اپنے وقت کے امام فن ہیں۔ شیخ مذکور کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک دن امرائے دمشق میں سے ایک شخص بدرالدین سے یہ فرمایا کہ اپنے گھر میں سماع کی محفل منعقد کرو اور فقراء کو کھانا کھلاؤ۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے اولاد فقراء کے واسطے جو جامع دمشق میں یا اور کہیں رہتے تھے کھانا پکوایا۔ جب وہ سب جمع ہوئے تو حضرت شیخ علی کردیؒ بھی تشریف لائے اس کے ایک دالان میں شکر کے پیالے تھے۔ گھر والے سے کہا ان سب کو حوض میں ڈال دو۔ اس نے کہا سب؟ کہا ہاں۔ اس نے سب کو حوض میں ڈال دیا۔ چنانچہ شام تک فقراء شربت پیتے رہے اور سماع سنتے رہے پھر کھانا کھا کر چلے گئے اور حضرت شیخ علی نے گھر والے سے کہا کہ اپنے پیالے نکال لے۔ اس نے نکالے تو سب کے سب ثابت تھے اور شکر بھی بعینہٖ باقی تھی۔ پھر گھر والے سے کہا تو چلا جا اور دروازہ باہر سے بند کر لے اور تین دن سے پہلے یہاں میرے پاس مت آئیو۔ وہ حکم بجالایا اور انہیں تنہا مکان کے اندر بند کر کے چلا گیا۔ دوسرے دن اس کے گھر والے نے انہیں راستہ میں پھرتے دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ پھر اپنے گھر گیا تو اسے مقفل پایا۔ جب اسے کھولا تو دیکھا کہ فرش کا سنگ مرمر اکثر جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ وہ شخص حضرت کے پاس گیا اور کہا حضرت آپ نے میرے گھر کے فرش کے پتھر کیوں اکھیڑ ڈالے فرمایا اے بدرالدین اچھا آدمی فقیروں کی مہمانی کرے اور حرام کے فرش پر مہمانی کرے انہوں نے کہا۔ حضرت یہ مکان میرے

باپ دادا سے میراث میں آیا ہے۔ حضرت اس پر خفا ہوئے اور ہٹ گئے۔ اس شخص نے شیخ کے علم کشفی اور ان کے فعل پر غور کیا اس وقت اسے یاد آیا کہ ایک بار فرش کا سنگ مرمر اکھاڑا گیا تھا اور درست کیا گیا تھا۔ فوراً اس شخص نے کاریگروں کو بلوایا جنہوں نے اس مکان کو درست کیا تھا اور کہا سچ بتاؤ کہ تم نے فرش لگاتے وقت کیا کیا تھا۔ انہوں نے کہا اس میں ایک عیب رہ گیا ہے ایک کام ہم نے بے موقع کر دیا ہے۔ اس نے کہا جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ بیان کرو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا سنگ مرمر تو ہم لوگوں نے بیچا اور جامع مسجد کا سنگ مرمر اس میں لگایا۔

حاصل...... معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے، اور بیشک جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے فنا کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی ایک خاص مقام عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کی نرالی شان ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی محبت نصیب فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۳۰۷

یعقوب بن محمد خراسانیؒ اور دو راہبوں کا واقعہ

یعقوب بن محمد خراسانیؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر سے سیاحت اور توکل کے ارادہ سے چلا اور اسی حالت میں بیت المقدس تک پہنچا اور تیہ بنی اسرائیل کے ایک غار میں بہت دنوں تک رہا کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچا۔ اسی حالت میں دو راہبوں کو میں نے سیر کرتے دیکھا اور پراگندہ بال اور گرد آلود تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور سلام کیا اور پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔

انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟ کہا ہاں ۔ ہم اللہ کے ملک میں اس کے سامنے ہیں ۔ میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ملامت کرنے لگا اور کہا یہ دونوں راہب باوجود کافر ہونے کے توکل پر قائم ہیں اور تو قائم نہیں ہوتا ۔ پھر ان سے کہا تم اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے سکتے ہو ۔ انہوں نے کہا بہتر ہوگا انشاء اللہ ۔ چنانچہ ہم تینوں چلے ۔ جب شام ہوئی تو وہ دونوں اپنے معبود کی عبادت کرنے لگے اور میں اپنے معبود کی جانب متوجہ ہو کر کھڑا ہوا اور مغرب کی نماز میں نے تیمم سے ادا کی ۔ وہ مجھے مٹی سے تیمم کرتے دیکھ کر مسکرائے ۔ جب اپنی نماز پڑھ چکے تو ایک نے ان میں سے اپنے ہاتھ سے زمین کھودی تو موتی کی طرح چمکتا ہوا صاف پانی وہاں سے نکلا ۔ میں متحیر رہ گیا ۔ اور پھر دیکھا تو اس کے دائیں طرف کھانا رکھا ہوا تھا ۔ اس سے اور تعجب ہوا ۔ انہوں نے مجھ سے کہا تجھے کیا ہوا جو حیران ہے آگے بڑھ اور اسے کھا جو حلال روزی ہے اور یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی پی اور اللہ ذوالجلال کی عبادت کر ۔ میں آگے بڑھا اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور پانی پیا ۔ پھر نماز کے واسطے میں نے وضو کیا اور نماز قضا کی اور وہ پانی زمین میں چلا گیا گویا تھا ہی نہیں ۔ پھر وہ اپنی نماز میں مشغول ہوئے ۔ حتی کہ صبح ہوئی اور دونوں سفر کے واسطے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ میں بھی ان کے ساتھ رات تک چلا جب شام ہوئی تو دوسرا راہب آگے بڑھا اور نماز پڑھ کے چپکے سے کچھ دعا کی اور پھر اپنے ہاتھ سے زمین کھودی تو پانی کا چشمہ ویسا ہی جیسا کہ کل اس کے ساتھی کے کھودنے سے نکلا تھا ، نکل آیا اور اس کے پہلو میں کھانا بھی رکھا ہوا تھا اور مجھ سے کہا آگے بڑھ کر کھاؤ پیو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو ۔ چنانچہ ہم نے کھا پی کے نماز کے واسطے وضو کیا اور پانی اسی زمین میں چلا گیا گویا کہ تھا ہی نہیں ۔ جب تیسری شب آئی تو انہوں نے کہا اے محمدی یہ رات تیری ہے اور آج باری تیری ہے فرماتے ہیں

کہ مجھے ان کے اس قول سے شرم آئی اور دل میں ایک سخت حالت طاری ہوگئی۔ میں نے کہا انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔ پھر ان سے ہٹ کر ایک طرف گیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کہا اے میرے مولا اے میرے مالک تو جانتا ہے کہ میرے گناہ بہت ہیں جن کی وجہ سے تیرے نزدیک میرا رتبہ اور جاہ نہیں ہے اور نہ میرا منہ اس قابل ہے لیکن میں اس وجیہہ کریم بڑے مرتبہ والے محمد علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کیا جائے۔ جب میں دعا سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک چشمہ جاری ہے اور میرے پہلو میں کھانا رکھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا آگے بڑھ کر اللہ کے فضل سے کھاؤ۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور ہم تینوں نے کھایا اور پیا اور ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کیا اور اسی حالت میں رہے کہ میری دوسری باری آئی۔ پھر میں نے پہلے ہی کی طرح دعا کی اور پانی کا چشمہ نکل آیا اور کھانا بھی حاضر ہوگیا۔ جب تیسری باری آئی اور میں نے اسی طرح دعا کی تو دو آدمیوں کا کھانا اور انہیں کا پانی آیا۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے کہا اے محمدی یہ حادثہ تم پر کیوں پیدا ہوا۔ کیا تم اپنے کھانے پینے میں نقصان نہیں دیکھتے ہو۔ میں نے کہا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور ہم اس کے حکم اور ارادہ کے نیچے ہیں اور ہمارا دین یہ چاہتا ہے کہ کبھی تکلیف ہو کبھی راحت۔ کبھی سختی ہو کبھی آرام اور کبھی عطا ہو کبھی منع تاکہ ہمارے صبر کی بھی آزمائش ہو جائے۔ انہوں نے کہا اے محمدی تم نے سچ کہا وہ بڑا رب ہے اور اسلام اچھا دین ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ ہم کلمہ شہادت پڑھیں **"اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله"** اور دین اسلام حق اور اس کے سوائے سب باطل ہے۔ میں نے ان سے کہا اے بھائیو کیا تم کسی شہر میں چلو گے تاکہ جمعہ اور جماعت میں شامل ہوسکیں۔ کیونکہ جمعہ حج مساکین ہے انہوں نے مجھ سے کہا یہ اچھی رائے معلوم ہوتی ہے اور

اچھا فعل ہے۔ جب ہم اس ارادہ سے چلے تو سامنے ایک عمارت نظر آئی۔ اندھیری رات تھی، غور سے دیکھا تو ہم بیت المقدس میں تھے۔ ہم اس میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک اس میں مقیم رہے۔ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور ہمارا رزق ایسی جگہ سے ہم پہنچتا تھا جس کا گمان بھی نہ تھا۔ حتیٰ کہ دونوں ساتھی وہیں رحمت حق کو پہنچے اور مر گئے۔ (بحوالہ حکایات الصالحین)

حاصل...... بیشک توکل ایک عظیم دولت ہے، اور ایک مؤمن کی شان اور پہچان ہے، جیسا کہ اس واقعہ سے بھی ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر صرف اور صرف اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی متوکلین کی صف میں شامل فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۷۴

زندگی بھر ہاتھ سے خوشبو آنے کی کرامت

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اور اس سال سخت گرمی تھی لو چلتی تھی ایک دن جب میں ملک حجاز کے وسط میں تھا قافلہ سے جدا ہو کر کچھ دیر تک سو رہا۔ اچانک ایک شخص سامنے آیا میں جلدی کر کے اس سے ملا وہ ایک کمسن بے ریش لڑکا تھا گویا کی وہ چودویں رات کا چاند تھا دوپہر کا آفتاب تاباں، ناز و کرشمے کے انداز اس سے ظاہر تھے میں نے کہا صاحبزادے السلام علیکم۔ جواب دیا وعلیکم السلام و برکاتہ اے ابراہیم۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور اس حال پر شک گزرا مجھ سے ضبط نہ ہو سکا میں نے کہا سبحان اللہ تو نے مجھے کیسے پہچانا حالانکہ اس وقت سے پہلے کبھی تو نے مجھے نہیں دیکھا؟ کہا اے ابراہیم جب سے میں نے پہچانا جاہل نہ ہوا اور جس

وقت سے ملا جدا نہ ہوا۔ پھر میں نے کہا تو اس بیابان میں اور ایسی سخت گرمی کے موسم میں کیوں آیا جواب دیا اے ابراہیم میں نے بجز اس کے کسی سے دوستی نہیں کی اور نہ کسی کے ساتھ ہوا اور میں ہمہ تن سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف جا رہا ہوں، اسی کے معبود ہونے کا اقرار ہے۔ میں نے پوچھا کھانا پینا کہاں سے ملتا ہے جواب دیا میرا دوست ضامن ہے، میں نے کہا خدا کی قسم مجھ کو گرمی کی شدت اور موسم کی حرارت سے تیری جان کا خوف ہے۔ اس نے جواب دیا اور آنکھوں اور رخساروں سے موتیوں کی لڑیاں بہائیں اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

اے شخص تو مجھے راہ سختی کے سفر سے ڈراتا ہے حالانکہ میں تو اپنے دوست کے پاس جا رہا ہوں، محبت کھٹکے میں ڈالتی ہے اور شوق ابھارے ہوئے لئے جاتا ہے۔ بھلا خدا کا دوست بھی کسی انسان سے ڈرا ہے، بھوک میں ذکر الٰہی اس کا پیٹ بھرتا ہے اور خدا کے شکر سے اس کی پیاس بجھ جاتی ہے میں ضعیف و ناتواں ہوں تو کیا ہوا۔ آخر اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک اٹھا لے جائے گا کیا اس وقت مجھے چھوٹا جان کر حقیر سمجھتا ہے تو میری ملامت سے باز آ جو کچھ گزرے گزرنے دے۔

وہ بزرگ کہتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا تجھے خدا کی قسم اے لڑکے تو اپنی عمر ٹھیک بتلا دے کہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یقیناً میری عمر بارہ برس کی ہے۔ پھر کہا اے ابراہیم کیا وجہ ہے جو تو نے میری عمر پوچھی اور میں نے ٹھیک ٹھیک عمر بتلا دی؟ میں نے کہا میں تیری باتیں سن کر حیران تھا۔ کہا الحمد للہ کہ مجھ کو بہت سے اپنے خاص ایمانداروں پر فضیلت دی۔ کہتے ہیں مجھ کو اس کی خوبصورتی اور شیریں بیانی پر تعجب ہوا۔ پاکی ہے اس خدا کے لئے جس نے ایسی صورت زیبا پیدا کی پھر اس لڑکے نے کچھ دیر تک اپنا سر جھکا لیا اس کے بعد سر اوپر اٹھایا اور مجھے تیز نگاہ سے دیکھا۔ پھر کہا اے ابراہیم دراصل جدا وہ ہے جسے دوست چھوڑ دے اور ملنے والا وہ ہے جس نے

خدا کی فرمانبرداری میں حصہ لیا لیکن اے ابراہیم تو دونوں قافلوں سے الگ ہے میں نے کہا ہاں میں ایسا ہی ہوں اور خدا کے لئے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے حق میں دعا کرتا کہ میں قافلہ میں اپنے ہمراہیوں سے مل جاؤں۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور اپنے لب ہلا کر کچھ کہا اس وقت مجھے کچھ نیند سی معلوم ہوئی اور میں بیہوش ہو گیا۔ جب مجھ کو ہوش آیا تو اپنے قافلہ میں پایا اور میرا ساربان کہتا تھا اے ابراہیم سنبھلے رہو سواری سے نہ گرو مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ لڑکا آسمان کو اڑ گیا یا زمین میں سما گیا۔ پھر ہم جب اہل قافلہ مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا میری نظر اچانک ایک لڑکے پر پڑی جو خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے رو رہا ہے۔ اس کے بعد وہ خود بخود سجدہ میں گر پڑا اور میں دیکھتا ہی رہا۔ پھر میں اس کے پاس آیا اور اس کو ہلایا تو وہ جان بحق ہو چکا تھا۔ خدا اس سے راضی ہو۔

مجھے اس پر سخت رنج اور افسوس ہوا میں اپنی قیام گاہ میں واپس گیا اور کپڑا اور ضروریات کی چیزیں اس ارادے سے کہ اس کو دفن کروں ساتھ لے کر واپس آیا۔ مگر میں نے اس کو نہ پایا اور نہ کسی نے خبر دی کہ اس نے اسے زندہ یا مردہ دیکھا ہو تو میں نے جان لیا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ کیا گیا ہے اور میرے سوا کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اپنے مکان پر واپس آیا اور کچھ دیر سویا اس کے بعد خواب میں اسے دیکھا ایک بڑی جماعت میں سب سے اول سردار نہایت بیش وبہا نورانی پوشاک پہنے ہوئے جس کی ثنا وصفت بیان میں نہیں آسکتی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو ہمارا دوست نہیں کہا ہاں۔ پھر میں نے کہا کیا تو مرا نہیں؟ کہا ہاں یہ درست ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم تجھ کو دفن کرنے کے لئے میں نے بہت تلاش کیا اور چاہا کہ تیرے جنازہ کی نماز پڑھوں۔ کہا اے ابراہیم تو جان لے کہ جس نے مجھے میرے

شہر سے نکالا اور اپنی محبت کا شائق کیا اور میرے گھر والوں سے جدا کر کے مسافر بنایا اسی نے مجھے کفن دیا اور جو حاجت مجھے تھی پوری کی۔ میں نے کہا خدائے کریم نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے اپنے روبرو کھڑا کیا اور فرمایا تیری کیا مراد ہے میں نے عرض کیا خداوندا تو ہی میری مراد اور آرزو ہے۔ پھر فرمایا تو میرا سچا بندہ ہے اور تیرے لئے میرے پاس یہ ہے کہ جو کچھ تو چاہے تجھ سے نہ چھپاؤں۔ پھر میں نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ جس زمانہ میں میں ہوں ان لوگوں کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ حکم ہوا میں نے سفارش منظور کی حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں پھر اس لڑکے نے مجھ سے عالم خواب میں مصافحہ کیا، اس کے بعد میں جاگ اٹھا صبح کو اٹھ کر جو کچھ میرے ذمہ ارکان حج واجب تھے ادا کیے مگر میرے دل کو کسی طرح قرار نہ تھا ۔اس لڑکے کی یاد اور غم وافسوس ہر وقت تھا پھر میں تمام حاجیوں کے ہمراہ واپس ہوا راستہ کے دوران ہر شخص یہی کہتا تھا اے ابراہیم تیرے ہاتھ کی خوشبو سے سب لوگ حیران ہیں راوی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھوں سے وہ خوشبو ان کی زندگی بھر آتی رہی۔

حاصل...... اندازہ کیجئے کہ اہل اللہ لوگوں کی کیسی عظیم شان ہوتی ہے سچ ہے اللہ ہی کی محبت کام آئے گی، زہے نصیب جسے اللہ کی محبت مل گئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اپنی محبت عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۷۵

سلطان نورالدین زنگیؒ کا ایمان افروز واقعہ

سلطان نورالدین ایک عابد شب بیدار تھا۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا

فرماں روا ہونے کے باوجود ایسا مردِ درویش تھا، جس کی راتیں مصلیٰ پر گزرتی تھیں اور دن میدانِ جہاد میں۔ وہ عظمت و کردار کا ایک عظیم پیکر تھا، جس نے اپنی نوک شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا۔ سلطان نور الدین زنگی رات کا بیشتر حصہ عبادات و مناجات میں گزارتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم ﷺ پر سینکڑوں مرتبہ درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لیے بستر پر لیٹ جاتا۔ چند ساعتوں کے بعد پھر نماز تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔

۵۵۷ھ،۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو خواب میں تین بار رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سلطان نے متواتر تین رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: نور الدین! یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر، نور الدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا میرے آقا و مولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہو سکتا۔ میری جان مال آل و اولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کے لیے نور الدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔ سلطان نور الدین بے چین ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے، جس سے سرورِ کونین کی روح اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیان دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولھویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرادیے، پھر منادی کرادی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ تمام اہل مدینہ نے نہایت خوشی سے سلطان کی دعوت قبول کی۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گزر گئے، لیکن ان میں وہ آدمی نہیں تھے، جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔

سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا، جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہو سکا ہو، انہوں نے عرض کی کہ اہل مدینہ میں سے تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا، جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی جو مدت سے یہاں مقیم ہیں نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔ سلطان نے حکم دیا ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کیے گئے، تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی دو آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اُٹھا ، لیکن تحقیقِ حال ضروری تھی، کیونکہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مومنوں کی تھی۔ سلطان نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں یہاں کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضہ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ سلطان نے ان دونوں کو وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا

تھا۔اہل شہران دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی،لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔یکا یک سلطان کوایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سِل تھی،اسے سرکایا گیا تو ایک خوف ناک انکشاف ہوا۔یہ ایک سرنگ تھی،جو روضہ اقدس کی طرف جاتی تھی۔سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے صدق اللّٰہ و صدق رسولہ النبی الکریم نکلا۔سادہ مزاج اہل مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے،سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا اور اس نے دونوں ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا،جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے،تو اس نے ان سے نہایت غضبناک لہجہ میں مخاطب ہوکر پوچھا سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا،اے بادشاہ ہم نصرانی ہیں(بعض روایتوں میں ہے کہ یہ دونوں یہودی تھے)اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کارِ ثواب نہیں ہے،لیکن افسوس کہ عین اس وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا،تم نے ہمیں گرفتار کرلیا۔ایک روایت یہ ہے کہ یہ سرنگ حضرت عمر کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی،یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں ننگا ہو گیا تھا۔سلطان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوادیں۔یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی اور شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی،وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتا گھومتا اور کہتا تھا''زہے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضور ﷺ نے اس غلام

کا انتخاب فرمایا' جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضہ نبوی ﷺ کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔ سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضہ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تا کہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضہ اقدس کے گرد آج بھی موجود ہے اور انشاء اللہ ابد تک قائم رہے گی۔ آج بھی اہل مدینہ سلطان نور الدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسی میں کرتے ہیں، جن پر سید البشر نے خود اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محب رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔ یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

(بحوالہ ''نور الدین محمود زنگی'' از طالب ہاشمی)

حاصل...... اللہ کی محبت کی طرح اللہ کے نبی ﷺ کی محبت بھی ایک عظیم دولت ہے، عشق رسالت جسے مل گیا وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گیا، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنے دل میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اپنے اللہ کی محبت رکھیں آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۷۶

ایک نوجوان لڑکی کا عجیب سبق آموز واقعہ

محمد بن حسین بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا میں اتفاق سے مکہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا لڑکی کا رنگ متغیر ہو رہا تھا بدن بہت لاغر لیکن اسکے چہرے پر ایک نورانی چمک تھی وہ بوڑھا پکار رہا تھا کہ کوئی اس لڑکی کا خریدار ہے کوئی ہے جو اس کو پسند کرے کوئی ہے جو بیس

اشرفیوں سے اس کی قیمت زیادہ دے اس شرط پر کہ میں اس کے ہر عیب سے بری ہوں میں نے اس شیخ کے قریب جا کر پوچھا کہ اس باندی کی قیمت کا حال تو معلوم ہو گیا اس میں عیب کیا ہے وہ کہنے لگا کہ یہ لڑکی پاگل ہے ہر وقت غمزدہ رہتی ہے رات بھر نماز پڑھتی ہے دن بھر روزہ رکھتی ہے نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے ہر جگہ بالکل تنہائی پسند کرتی ہے جب میں نے اس کی بات سنی تو وہ لڑکی مجھے پسند آ گئی اور میں نے اس کو خرید لیا اور اپنی قیام گاہ پر گیا میں نے اس کو دیکھا کہ وہ زمین کی طرف سر جھکائے بیٹھی ہے پھر اس نے سر اٹھایا اور کہنے لگی کہ میرے چھوٹے آقا آپ کا وطن کہاں ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے میں نے کہا عراق ہے کہنے لگی کون سا عراق بصرہ یا کوفہ میں نے کہا دونوں میں نہیں کہنے لگی تو کیا آپ بغداد کے رہنے والے ہیں میں نے کہا ہاں کہنے لگی واہ واہ وہ تو عابدوں کا شہر ہے زاہدوں کا شہر ہے مجھے تعجب ہوا کہ یہ باندی ایک کوٹھی سے دوسری کوٹھی میں جانے والی اس کو عابدوں اور زاہدوں کی کیا خبر میں نے اس سے دل لگی کے طور پر پوچھا کہ تو ان میں سے کن کن عابدوں کو جانتی ہے کہنے لگی مالک بن دینارؒ کو بشر حافیؒ کو صالح مریؒ کو ابو حاتم سجستانیؒ کو معروف کرخیؒ کو محمد بن حسین بغدادیؒ کو رابعہ عدویہؒ شعوانہؒ کو میمونہ کو میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے ان سب کا حال کس طرح معلوم ہوا کہنے لگی اے جوان میں ان کو کیسے نہ جانوں خدا کی قسم یہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو عاشق کو معشوق کا راستہ بتاتے ہیں پھر اس نے چار شعر پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے: یہ قوم وہ لوگ ہیں جن کے فکر اللہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے پس ان کے لئے کوئی فکر ہی کسی اور کا نہیں رہا ان لوگوں کا مقصد صرف ان کا مولیٰ اور انکا سردار ہے کیا ہی بہترین مقصد ہے جو صرف ایک بے نیاز ذات کے واسطے ہے۔ نہ تو دنیا ان سے الجھتی ہے اور نہ کھانوں کی عمدگی نہ دنیا کی لذت نہ ان کی اولاد نہ ان سے اچھا لباس جھگڑتا ہے نہ مال کی روز افزوں زیادتی نہ

تعداد کی کثرت اس کے بعد میں نے کہا اے لڑکی میں محمد بن حسین ہی ہوں کہنے لگی میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تم سے کہیں میری ملاقات ہو جائے تمہاری وہ دلکش آواز کیا ہوئی جس سے تم مریدین کے دلوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور سننے والوں کی آنکھیں اس سے بھر جایا کرتی تھیں میں نے کہا بحالہ موجود ہے کہنے لگی خدا کی قسم مجھے کچھ قرآن پاک سنا دو میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو اس نے بہت زور سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی میں نے اس پر پانی چھڑکا جس سے اس کو افاقہ ہوا تو کہنے لگی جس کے نام کا یہ اثر ہے اگر میں اس کو پہچان لوں اور جنت میں اس کو دیکھ لوں گی تو کیا حال ہو گا۔ پھر کہنے لگی اچھا پڑھیے اللہ جل شانہ، آپ پر رحم کرے میں نے یہ آیت پڑھی۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُم کالَّذین اٰمَنُوا وعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوآءً مَّحیاھُمْ ومَمَاتُھم سآءَ ما یَحکُمون ''جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ ان کا جینا مرنا ایک سا ہو جائے (جو ایسا گمان کرتے ہیں) بہت بری تجویز کر رہے ہیں۔'' یہ آیت سن کر وہ کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے ہم نے نہ کبھی کسی کی پرستش کی نہ کسی صنم کو بوسہ دیا اور کچھ پڑھیے اللہ آپ پر رحم کرے میں نے پڑھا۔ انآ اعتدنا لِلظّالمینَ ناراً احاطَ بھم سُرَادِ قُھا واِنْ یَّسْتَغِیثُوا یُغاثُو ابِمآءٍ کالمُھْلِ یَشوِی الوُجُوہ ط بِئسَ الشَّراب ط وسآئَتْ مُرتَفَقاً ''بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوں گی اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کے تلچھٹ کی طرح (بدہیئت) ہو گا (اور ایسا سخت گرم) مونہوں کو جلائے گا کیا ہی برا پانی ہو گا اور (جہنم) کیا ہی برا ٹھکانہ ہو گا۔'' وہ کہنے لگی تم نے اپنے دل پر ناامیدی لازم کر دی ہے

اپنے دل کو امید اور خوف کے درمیان معطر کرو کچھ اور پڑھو اللہ جل شانہ آپ پر رحم کرے تو میں نے پڑھا:۔ وجوہٌ یومئذٍ مُسفِرَۃٌ ضاحِکَۃٌ مُستبشِرَۃٌ" بہت سے چہرے اس دن خنداں وشاداں ہوں گے۔" اور یہ پڑھا: وجوہٌ یومئذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلیٰ رَبِّھا نَاظِرَۃٌ. بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔" اس پر وہ کہنے لگی ۔ ہائے مجھے اس دن اس کی ملاقات کا کتنا اشتیاق ہوگا جس دن وہ اپنے دوستوں کے لئے تجلی فرمائے گا۔ کچھ اور پڑھئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے میں نے یہ آیت پڑھی۔ یطوف علیهم ولدن مخلدون باکواب واباریق وکاس من معین لا یصدعون عنها ولا ینزفون. چند آیتیں لِاَصحابِ الیَمِین تک یعنی سورہ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم تک پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ" ان (اعلیٰ درجہ والوں) کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیز لے کر ہمیشہ آتے جاتے رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسے گلاس جو بہتی ہوئے شراب سے بھر گئے ہوں کہ نہ اس شراب سے ان کو سر کا درد ہوگا (یعنی چکر آئیگا) نہ عقل میں فتور آئے گا اور ایسے میوے لے کر آئیں گے جن کو یہ لوگ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے لئے خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہونگی جیسا کی (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ سب کچھ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (یہ لوگ جنت میں) نہ بک بک سنیں گے نہ کوئی اور بیہودہ بات بس سلام ہی سلام کی آواز (ہر طرف سے) آئے گی اور (نمبر دو کے حضرات) جو داہنے والے ہیں (یعنی ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ملے ہیں) وہ داہنے بھی کیسے اچھے آدمی ہیں وہ ان باغوں میں رہیں گے جہاں بغیر کانٹوں کی بیریاں ہونگی اور تہ بتہ کیلے لگے ہونگے اور بہت لمبا سایہ ہوگا اور بہتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم

ہونگے اور نہ انہیں کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی (جتنا جس کا دل چاہے کھائے اور اونچے اونچے فرش ہوں گے اور ان کے لئے بھی عورتیں ہوں گی جن کو) ہم نے خاص طور سے بنایا کہ وہ (ہمیشہ ہمیشہ) کنواریاں ہی رہیں گہ (یعنی صحبت کے بعد بھی کنواری بن جائے گی) اور (ناز وانداز کے لحاظ سے) محبوبہ ہوں گی اور (جنت والوں کی) ہم عمر ہونگی اور یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں۔'' پھر وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی میرا خیال ہے کہ تم نے بھی حوروں سے منگنی کی ہے۔ کچھ ان کے مہروں کے واسطے بھی خرچ کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے بتا دے ان کا مہر کیا ہوگا میں تو فقیر آدمی ہوں۔ کہنے لگی رات کو تہجد پڑھنا اور دن کو روزہ رکھنا۔ فقراء ومساکین سے محبت رکھنا اس کے بعد اس باندی نے چھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے اے وہ شخص جو حوروں سے انکے پردے میں منگنی کرتا ہے اور ان کے عالی مرتبے کے باوجود ان کا طالب ہے کوشش کے ساتھ کھڑا ہو جا سستی ہرگز نہ کر نفس سے مجاہدہ کر اس کو صبر کا عادی بنا رات کو تہجد پڑھا کر دن کو روزہ رکھا کر یہ ان کا مہر ہے۔ اگر تیری دونوں آنکھیں ان کو اس حال میں دیکھ لیں جب کہ وہ تیری طرف متوجہ ہو رہی ہوں اور ان کے سینوں پر اناروں کی طرح سے ان کے پستان ابھر رہے ہوں اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ چل رہی ہوں اور ان کے سینوں پر چمکتے ہوئے ہار پڑے ہوئے ہوں۔ تو اس وقت تیری نگاہ میں یہ دنیا کی جتنی زیب وزینت ہے ساری ہی سبک بن جائے۔ یہ اشعار پڑھ کر اس کو بیہوشی طاری ہوگئی۔ میں نے پھر اس کے چہرے پر پانی وغیرہ چھڑکا تو اس کو افاقہ ہوا اور اس نے کچھ شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اے اللہ تو مجھے عذاب سے بچائیو بے شک میں اپنے گناہ کا جو مجھ سے صادر ہوئے اقرار کرنے والی ہوں۔ تو نے کتنی کثرت سے میری خطاؤں کی لغزش معاف فرمائی ہے تو بڑا افضل والا ہے، بڑا احسان والا ہے۔ لوگ مجھے اچھا آدمی گمان کرتے

ہیں۔لیکن اگر تو میری خطائیں معاف نہ کردے تو میں بدترین آدمی ہوں۔میرے لئے کوئی تدبیر نہیں اس کے سوا کہ تیری بخشش کی امید ہے اور تیرے ساتھ مجھے حسن ظن ہے (کہ تو ضرور کرم کرے گا۔) یہ اشعار پڑھ کر اس باندی کو پھر غشی ہوگئی میں جب اس کے قریب پہنچا تو وہ مرچکی تھی مجھے اس کے انتقال کا بے حد صدمہ ہوا میں اٹھ کر بازار گیا کہ اس کی تجہیز اور تکفین کا سامان خرید کرلاؤں جب میں بازار سے لوٹا تو وہ کفنی کفنائی خوشبو لگی ہوئی معطر نعش رکھی ہوئی تھی دو سبز کپڑوں میں اس کا کفن تھا جو جنت کا لباس تھا......... کفن میں دو سطریں نور سے لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا دوسری یہ آیت اَلآ اِنَّ اَولِیآ ءَ اللهِ لَا خَوفٌ عَلَیهِم ولَاهُم یَحزَنُون ''خبردار رہو کہ اللہ کے ولیوں کو نہ تو خوف ہوتا ہے نہ غمگین ہوتے ہیں'' میں اور میرے ساتھی اس کے جنازے کو اٹھا کر لے گئے۔ جنازہ کی نماز پڑھ کر دفنا دیا اور اس کی قبر پر سورہ یٰسین شریف پڑھ کر اپنے حجرے میں چلا آیا میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے دل اس کے فراق سے غمگین تھا واپس آکر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو گیا خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکی جنت میں پھر رہی ہے نہایت مہکتے ہوئے زعفران کا باغیچہ ہے ریشم کے اور استبرق کے جوڑے پہن رہی ہے اس کے سر پر ایک موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے اور پاؤں میں سرخ یاقوت کے جوتے ہیں مشک وعنبر کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے اس کا چہرا شمس اور قمر سے زیادہ روشن ہے میں نے کہا اے لڑکی ذرا ٹھہر تو یہ تو بتا دے یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت تجھے ملا کہنے لگی فقراء اور مساکین کی محبت سے اور استغفار کی کثرت سے اور مسلمانوں کے راستہ میں سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینے سے پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ مبارک ہے وہ شخص جس کی آنکھیں رات کو جاگتی ہوں اور اپنے مالک کے عشق کی بے چینی میں رات گزار دے اور کسی دن اپنی

کوتاہیوں پر نوحہ کرلیا کرے اور اپنی خطاؤں پر رولیا کرے اور شب کو اکیلا کھڑا ہو کر اللہ کے عذاب کے خوف سے اختر شماری کرتا ہو اس حال کی حق تعالیٰ شانہ کی نگاہ حفاظت کر رہی ہو۔ (بحوالہ فضائل حج)

حاصل...... بیشک خواتین بھی اگر چاہیں تو اللہ کی نظر میں ایک خاص مقام حاصل کرسکتی مندرجہ بالا واقعہ سے ہماری ماؤں بہنوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۷۷

ایک بہادر ماں کا واقعہ

میدان جہاد کی طرف سے شوق بڑھنے کے سلسلے میں علامہ ابن نحاسؒ نے اپنی کتاب مشارع الاشواق میں ایک عجیب قصہ ذکر کیا ہے جو عبرتوں اور شوق جہاد و شوق شہادت سے پر ہے فرمایا کہ: شہر بصرہ میں شوق جہاد اور عبادت کے جذبہ میں عورتیں مشہور تھیں ان میں سے ایک عورت اُم ابراھیم ھاشمیہ بھی تھیں، دشمن نے اس وقت مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد پر حملہ کر دیا، مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے اور شوق جہاد دلانے کے لئے ایک مہم شروع ہوئی، انہیں ترغیبی خطبات میں شیخ عبد الواحد بن زید بصریؒ نے لوگوں کو جہاد پر ابھارا اور شوق دلایا، اس مجلس وعظ میں ام ابراھیم بھی حاضر تھیں شیخ عبدالواحد نے اپنی تقریر کے دوران مجاہدین اور شہداء کے لئے جنت کی نعمتوں میں حوروں کا تذکرہ بھی کیا اس مؤثر تذکرہ میں انہوں نے حوروں کے حسن و جمال عظمت وکمال پر ایک قصیدہ بھی پڑھا جس سے لوگ جنونی حد تک جذباتی ہو گئے اور مجمع میں شوق شہادت کا ایک زلزلہ برپا ہو گیا، مجمع میں ام

ابراھیم کو دپڑی اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگیں اے ابوعبید! آپ کو خوب معلوم ہے کہ بصرہ کے بڑے بڑے رئیس میرے بیٹے ابراھیم کو اپنی بیٹیوں کا پیغام نکاح دے چکے ہیں لیکن میں نے ابرہیم کے لئے کسی پیغام کو قبول نہیں کیا۔ لیکن آپ نے جس لڑکی اور حور کا تذکرہ کیا ہے اس نے تو مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے اب میں اپنے بیٹے ابراھیم کی شادی اسی لڑکی سے کراؤں گی مگر آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کے حسن و جمال اور عظمت و کمال کو ذرا پھر دھرا لیجئے، شیخ عبدالواحد نے حور کی صفت میں پھر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

''روشنیوں کی بنیاد اس حور کے روشن چہرے سے پڑی ہے، اور اس کے خالص عطر کی آمیزش تمام خوشبوؤں میں آئی ہے۔'' ''اگر یہ حور اپنے جوتے سے ریت کو بھی روند ڈالے، تو بغیر بارش تمام اطراف گھاس سے ہرے بھرے ہو جائیں گے۔'' ''اگر یہ حور اپنے شہد جیسے لعاب کو سمندر میں تھوک دے، تو خشکی کی تمام مخلوق کے لئے سمندر کا پانی میٹھا ہو جائے گا۔'' ''اس کے رخسار پر جب کسی کی نگاہ پڑتی ہے تو قریب ہے کہ دل کی خیالی تصور کی وجہ سے یہ نگاہ رخسار میں زخم کر دے۔''

ان اشعار کو سن کر اس دفعہ تو لوگ تڑپ اٹھے اور ام ابراہیم پھر سامنے آئیں اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگی۔ اے ابوعبید! اس لڑکی کی جمال آراء نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔

میں اپنے بیٹے کے لئے اس لڑکی کو بطور دلہن پسند کرتی ہوں تو کیا آپ یہ کر سکتے ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح میرے بیٹے سے کرا دیں اور مہر مجھ سے دس ہزار دینار قبول کر لیں؟ پھر میرا لخت جگر آپ کے ساتھ اس غزوہ میں چلا جائے گا شاید کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو شہادت کے عالی رتبہ سے نواز دے اور یہ لڑکا اپنے والد اور میرے لئے قیامت کے روز شفاعت کرنے والا بن جائے شیخ عبدالواحد نے فرمایا

کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً آپ اور آپ کا لڑکا اور لڑکے کا باپ کامیاب ہو جائیں گے ، اس کے بعد ام ابراہیم نے اپنے لخت جگر کو آواز دے کر فرمایا کہ اے پیارے بیٹے! کیا آپ کو مذکورہ صفت سے متصف یہ لڑکی اس شرط پر قبول ہے کہ اس کے مہر کے عوض اللہ کے راستے جہاد میں اللہ کے لئے جان دے دو گے اور آئندہ کوئی گناہ نہیں کرو گے؟ نوجوان ابراہیم نے کہا کہ امی جان! قسم بخدا میں اس پر بہت خوش ہوں اس کے بعد لڑکے کی والدہ نے اللہ کے سامنے یہ دعا مانگی: اے مولائے کریم! میں تجھے گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے لڑکے کا نکاح اس حور سے کیا اس شرط پر کہ میرا لڑکا اپنی جان کو تیرے راستے میں قربان کردے گا اے ارحم الراحمین! میرے اس لخت جگر کو میری طرف سے قبول فرما۔

اس کے بعد ام ابراہیم چلی گئی اور دس ہزار دینار لے آئی اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگی اے ابوعبید! یہ اس لڑکے کا مہر ہے یہ لیجئے اور مجاہدین کے اہم کاموں میں خرچ کیجئے یہ کہہ کر ام ابراہیم گھر واپس آئی اور ایک عمدہ گھوڑا اپنے بیٹے کے لئے خرید لیا اور نیا عمدہ اسلحہ تیار کیا اور اپنے شہزادے بیٹے کو روانہ فرمایا۔

جب شیخ عبدالواحد جہاد کے لئے نکل پڑے تو نوجوان ابراہیم بھی دوڑے دوڑے جارہے تھے اور قاری حضرات قرآن کریم کی یہ آیت خوشحالی سے پڑھ رہے تھے:

﴿انَّ اللّٰہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم واَموَالَھم بِاَنَّ لَھُم الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُونَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہ فَیَقْتُلُونَ وَیُقْتَلُونَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے خرید لی مسلمانوں سے اس کی جاں اور اس کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔''

راوی کا بیان ہے کہ جب ماں نے اپنے بیٹے کو رخصت کرنا چاہا تو ان کو کافور

میں معطر ایک کفن دیا اور اپنے لخت جگر سے فرمانے لگی کہ اے میرے پیارے بیٹے جب میدان کارزار میں دشمنوں سے مقابلہ شروع ہو جائے تو آپ یہ کفن زیب تن فرمائیں لیکن یاد رکھنا کہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ تجھے کوتاہی یا سستی کرنے والا نہ پائے پھر اس بہادر ماں نے اپنے گوشہ جگر کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی کو چوما اور فرمایا کہ میرے لخت جگر! اللہ تعالیٰ میری اور تیری ملاقات دنیا میں نہیں بلکہ اپنے ہاں میدان قیامت میں کرائے۔

شیخ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ جب ہم دشمن کے علاقے میں پہنچ گئے اور عمومی تعارض کا اعلان ہو گیا اور لوگ کھلے میدان میں نکل آئے تو ابراہیم سب سے اگلے مورچہ میں کھڑا تھا اس نے غضب کی جنگ لڑی اور میدان کارزار میں دشمنوں کے چھکے چھڑائے کئی کفار کو واصل جہنم کیا اور مسلسل پیش قدمی میں لڑتے رہے حتیٰ کہ دشمن کے بہت سارے لوگوں نے ان کو نرغے میں لے کے شہید کر دیا۔

شیخ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ جب ہم نے بصرہ واپس آنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابراہیم کی والدہ کو بیٹے کی شہادت کی خبر اس وقت تک مت دو کہ میں خود جا کر اس کی تعزیت کروں اور تسلی دوں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بے صبر ہو جائے اور اس کا اجر خراب ہو جائے شیخ فرماتے ہیں کہ جب ہم فاتحین کی حیثیت سے واپس آئے اور بصرہ میں داخل ہونے لگے تو بصرہ کے سارے لوگ ہمارے استقبال کے لئے امنڈ آئے انہیں لوگوں میں ابراہیم کی والدہ بھی آئیں۔ جب اس نے مجمع دیکھا تو کہنے لگیں اے ابوعبیدہ! یہ تو بتاؤ کہ میرا ھدیہ قبول ہو گیا کہ نہیں؟ اگر قبول ہو گیا تو میں لوگوں سے مبارکبادلوں اور اگر ھدیہ رد ہو گیا ہے تو میں لوگوں سے تعزیت وصول کروں، شیخ نے فرمایا کہ قسم بخدا تیرا ھدیہ اور تیری قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما دیا ہے تیرا بیٹا شہداء کے ساتھ زندہ تابندہ کھا پی رہا ہے اس پر ام ابراہیم

سجدۂ شکر میں گر پڑیں اور فرمایا کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے گمان اور میرے ارادہ کو ناکام نہیں بنایا بلکہ میری قربانی کو قبول فرمایا یہ کہہ کر ام ابراہیم واپس چلی گئیں رات گزار کر اگلی صبح سویرے ام ابراہیم شیخ عبدالواحد کے پاس آئیں اور زور سے کہا السلام علیک یا ابا عبید! بشراک، اے ابو عبید تجھ پر سلامتی ہو میں تجھے ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں شیخ نے کہا اللہ تجھے خوش رکھے کیا قصہ ہے ام ابراہیم نے کہا کہ میں نے رات کو اپنے لخت جگر ابراہیم کو ایک نہایت خوب صورت باغ میں دیکھا وہ ایک سبز رنگ کے خیمے میں موتیوں کے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے سر پر ایک عمدہ تاج تھا اور وہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ امی جان! مبارک ہو، مہر قبول کر لیا گیا اور دلہن کی رخصتی ہو گئی۔ (از فضائل جہاد)

حاصل...... بیشک جذبہ جہاد جسے نصیب ہو جائے وہ عظیم ہے، وہ پھر دنیا سے نہیں بلکہ آخرت سے محبت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنے دین کی سربلندی کا کام لیتے ہیں، اللہ کرے ہمیں بھی یہ عظیم جذبہ حاصل ہو جائے آمین یا رب العلمین۔

واقعہ نمبر......۷۸

ایک لونڈی کی اللہ کی محبت میں شان کا سبق آموز واقعہ

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں ایک رات مجھے نیند نہ آئی میں نہایت درجہ بے چین رہا۔ میں آنکھ تک بند نہ کر سکا باوجود اسکے کہ اس رات تہجد سے بھی محروم رہا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکا تو گھر سے نکلا کسی طرح مجھ کو اطمینان نہ ہوا۔ پھر میں جامع مسجد میں ٹھہر گیا اور ایک واعظ کا وعظ سننے لگا تاکہ کچھ دل کو راحت ہو۔ میں نے اپنے دل کو پایا

کہ اس کی سختی بڑھتی جاتی ہے میں وہاں سے چل دیا۔ دوسرے واعظ کے پاس ٹھہرا وہاں بھی دل کا اضطراب کم نہ ہوا پھر میں نے اپنے دل سے کہا دل کے معالجوں کے پاس جاؤں اور جو لوگ محبّ کو محبوب کی راہ بتلاتے ہیں ان سے ملوں پھر بھی میرے دل کو قرار نہ ہوا اور سختی بڑھتی گئی۔ پھر میں نے کہا اب میں کوتوالی میں جاؤں وہاں لوگوں کو کچھ سزا پاتے دیکھ کر شائد کچھ عبرت ہو۔ مگر وہاں بھی دل کی سختی کم نہ ہوئی پھر میں نے کہا چلو قید خانے کو شائد ان لوگوں کو جو مبتلائے عذاب ہیں دیکھ کر دل ڈرے۔ جب میں قید خانہ میں داخل ہوا اپنے دل کو کھلا پایا اور میرا سینہ کشادہ ہوا۔ ایک لونڈی خوبصورت قیمتی اوڑھنی اوڑھے ہوئے نظر آئی اس کے پاس سے عطر کی خوشبو آتی تھی۔ پاک نظر نیک دل تھی۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں جب مجھ کو دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔ میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں کہ بغیر گناہ کئے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر گردن میں لٹکا دی اور ان ہاتھوں نے کبھی خیانت نہ کی نہ چوری کی۔ میرے پہلو میں جگر ہے۔ میں جانتی ہوں وہ جل گیا۔ قسم تیرے حق کی اے دل کی مراد! میں سچی قسم کھاتی ہوں اگر تو میرے دل کے ٹکڑے کر ڈالے، تیرے حق کی قسم کبھی تجھ سے نہ پھرے گا۔ شیخ سریؒ فرماتے ہیں میں نے داروغہ سے دریافت کیا۔ یہ کون ہے۔ کہا لونڈی ہے دیوانی ہوگئی ہے اسکے مالک نے یہاں قید کیا ہے تاکہ درست ہو جائے۔ جب اس لونڈی نے داروغہ کا کلام سنا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ شیخ سری فرماتے ہیں میں نے اس سے ایسی باتیں سنیں جنہوں نے مجھے بے چین کر دیا مجھ کو غم دیا جلایا رلایا۔ جب لونڈی نے میرے آنسو دیکھے تو کہا اے سری تمہارا یہ رونا اس کی صفت سن کر ہے کیا حال ہوگا اگر تم اس کو پہچان لو۔ پھر ایک ساعت بیہوش رہی جب ہوش آیا میں نے کہا اے لونڈی جواب دیا لبیک اے سری، میں نے کہا مجھ کو

تو نے کیسے پہچانا ؟ کہا جب سے مجھ کو معرفت حاصل ہوئی جاہل نہیں رہی ، اور جب سے خدمت کی سست نہ ہوئی ، اور جب سے وصل ہوا جدا نہ ہوئی اور مرتبے والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں ۔ میں نے کہا تجھ سے سنا ہے کہ تو محبت کرتی ہے تیرا دوست کون ہے ۔ کہا جس نے اپنے محبوں کے ساتھ مجھ کو معرفت دی اور اپنے بڑی عطا کے ساتھ سخاوت کی وہ دلوں کے پاس ہے ۔ محبوں کے طلب گار کا دوست ہے ۔ سنتا جانتا ہے ۔ پیدا کرنے والا حکمت والا ہے ۔ سخی ، کریم ، بخشنے والا رحیم ہے میں نے پوچھا یہاں تجھے کس نے قید کیا ۔؟ کہا حاسدوں نے باہم مدد کی اور قول وقرار کیا پھر وہ بلند آواز سے چلائی اور بیہوش ہوگئی میں نے خیال کیا کہ اس نے زندگی ختم کرلی ۔ پھر ہوش میں آئی ۔ شیخ سری فرماتے ہیں ۔ میں نے قید خانہ کے داروغہ سے کہا اس کو چھوڑ دو ۔ اس نے چھوڑ دیا ۔ میں نے کہا جہاں تیرا دل چاہے چلی جا ۔ کہا اے سری میں کہاں جاؤں ؟ اسے چھوڑ کر کہاں میرا راستہ ہے ؟ میرے دل کے دوست (اللہ) نے اپنے مملوک انسان کو میرا مالک بنادیا ۔ اگر میرا مالک راضی ہوگا چلی جاؤں گی ورنہ صبر کروں گی میں نے کہا خدا کی قسم یہ تو مجھ سے زیادہ عقلمند ہے ۔ میں اسی حال میں اس سے باتیں کررہا تھا کہ اس کا مالک آگیا داروغہ سے پوچھا ۔ اس کی لونڈی تحفہ کہاں ہے ؟ کہا اندر ہے اور اس کے پاس شیخ سری سقطی بیٹھے ہیں ۔ مالک یہ سن کر بہت خوش ہوا ۔ اندر آیا اور مجھ کو مرحبا کہا اور تعظیم کی ۔ میں نے کہا یہ لونڈی میری بہ نسبت تعظیم کی زیادہ مستحق ہے اس کی کونسی حرکت تجھے ناپسند ہے ؟ کہا بہت سی باتیں ہیں ۔ نہ کھائے نہ پئے بے عقل ، نہ خود سوئے نہ ہم کو سونے دے ۔ ہر وقت متفکر رہتی ہے ۔ ذرا سی بات پر فوراً رو دے ۔ آہ و نالے سے کام ہے ۔ سدا رویا کرتی ہے اور یہی میری پونجی ہے ۔ میں نے اپنا تمام مال بیس ہزار درہم دے کر اس کو مول لیا ۔ اور امید تھی کہ نفع حاصل ہوگا ۔ کیونکہ حسن و جمال کے علاوہ یہ اور کام بھی جانتی ہے ۔ میں

نے کہا اور کیا کام کرتی ہے؟ کہا گانا جانتی ہے۔ میں نے کہا کتنی مدت سے اس کو یہ مرض ہے۔ کہا ایک برس سے میں نے کہا ابتدا کیسے ہوئی کہا ایک مرتبہ عود لئے گا رہی تھی دفعۃً عود توڑ کر کھڑی ہوگئی اور چلائی میں نے اس انسان کی محبت کی تہمت لگائی میں نے اس کی تحقیقات کی مگر کچھ علامت ونشان نہ پایا۔ میں نے لونڈی سے پوچھا کیا ایسا ہی معاملہ ہے؟ لونڈی نے زبان تیز اور جلے دل سے جواب دیا۔ میرے دل سے خدا نے مجھ کو خطاب کیا۔ میرا وعظ میری زبان پر تھا۔ مجھ کو دوری کے بعد قریب کیا اور مجھ کو خدا نے خاص منتخب کیا جب میں برضا ورغبت بلائی گئی میں نے قبول کیا اور اپنے بلانے کے جواب میں لبیک کہی۔ جو کچھ مجھ سے پچھلی عمر میں گناہ ہوئے تھے میں ان سے ڈری مگر محبت نے خوف دفع کر کے آرزوؤں میں ڈال دیا۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں میں نے اس کے مالک سے کہا اسکی قیمت میرے ذمہ ہے اور میں اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ مالک چلایا اور کہا ہائے محتاجی! تیرا برا ہو تم تو ایک مرد فقیر اس کی قیمت کہاں پاؤ گے۔ میں نے کہا جلدی نہ کرو تم یہیں رہو۔ میں اسکی قیمت لاتا ہوں۔ پھر وہاں سے غمگین روتا ہوا چل دیا۔ قسم خدا کی میرے پاس لونڈی کی قیمت کے ایک درہم بھی نہ تھا۔ تمام رات خدا کی درگاہ میں روتا رہا اور خوشامد عاجزی کرتا رہا اور اس سے دعا مانگتا رہا۔ تمام رات آنکھ نہ جھپکی اور کہتا رہا خداوندا تو ظاہر وباطن خوب جانتا ہے میں نے تیرے فضل پر اعتماد کیا۔۔ مجھے رسوا نہ کرنا۔ اس لونڈی کے مالک کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔ اسی حالت میں عبادت خانہ میں بیٹھا ہوا دعا مانگ رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا دروازہ پر کون؟ کہا دوستوں میں سے ایک دوست ہے کسی کام سے آیا ہے خدائے مہربان کا حکم اسے یہاں لایا ہے میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک شخص چار غلام اس کے ہمراہ شمع لئے تھے۔ اس آنے والے نے کہا اے استاد مجھ کو اندر آنے کی اجازت ہے میں نے

کہا آؤ۔ وہ شخص اندر آیا میں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا احمد بن ثنی ہوں مجھ کو ایسے شخص نے دیا ہے کہ وہ دیتے وقت بخل نہیں کرتا۔ میں آج رات سو رہا تھا کہ ہاتف غیبی نے پکار کر کہا پانچ توڑے اشرفیاں سری کے پاس لے جاؤ تا کہ ان کا دل خوش ہو اور تحفہ کو خرید لیں کیونکہ ہم کو تحفہ کے حال پر مہربانی ہے میں نے خدا کے شکر میں سجدہ کیا کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی اور فجر کا انتظار کرنے لگا۔ جب صبح کی نماز ادا کی احمد کا ہاتھ پکڑ کر قید خانے میں لے گیا۔ لونڈی کا محافظ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا مجھ کو دیکھ کر مرحبا کہا آیئے خدا اس لونڈی پر مہربان ہے۔ رات کو ہاتف نے مجھے پکار کر کہا ہے۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں تحفہ نے جب ہم کو دیکھا اسکے آنسو ڈبڈبا آئے اور کہا تم نے مجھ کو سب لوگوں میں مشہور کر دیا۔ اسی حالت میں تحفہ کا مالک روتا ہوا آ گیا۔ دل غمگین، رنگ فق، میں نے کہا مت رو۔ جس قدر قیمت تم نے ادا کی تھی وہ بھی لایا ہوں اور پانچ ہزار نفع بھی دوں گا۔ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم۔ میں نے کہا دس ہزار نفع لو۔ کہا نہیں خدا کی قسم نہیں لوں گا۔ میں نے کہا قیمت کے برابر نفع لو کہا اگر تم تمام دنیا اس کے عوض میں دو گے قبول نہ کروں گا تحفہ خدا کے لئے آزاد ہے۔ میں نے کہا کیا حال ہے؟ کہا رات کو مجھے سخت تنبیہ اور جھڑکی دی گئی ہے۔ میں تمام مال چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگا ہوں خدایا تو کشائش کے ساتھ میرا کفیل ہو اور میرے رزق کا ضامن ہو پھر میری طرف ابن ثنی متوجہ ہوئے میں نے دیکھا وہ رو رہے تھے میں نے کہا تم کیوں روتے ہو؟ کہا خداوند تعالیٰ نے جس کام کے لئے مجھے بلایا اس سے راضی نہیں ہوا۔ تم گواہ رہو میں نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خیرات کر دیا۔ میں نے کہا تحفہ کیا بڑی صاحب برکت والی ہے۔ تحفہ کھڑی ہوئی جو کپڑے پہنے تھی وہ اتار کر پھینک دیئے اور بالوں کا ایک کرتہ پہن لیا اور روتی ہوئی نکل کھڑی ہوئی۔ ہم لوگوں نے اس سے کہا خدا نے تم کو آزاد کر دیا پھر کیوں روتی ہو؟ پھر ہم قید خانہ کے

دروازے سے نکلے اثنائے راہ میں تحفہ کو تلاش کیا اپنے ہمراہ نہ پایا۔ ابن مثنی راستے میں مرگئے۔ میں اور تحفہ کا مالک مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ایک دن میں طواف کررہا تھا کسی زخمی دل سے زخمی کلام سنا۔ وہ کلام یہ ہے خدا کا دوست دنیا میں بیمار ہے اس کا مرض دراز ہے۔ اس کی دوا خود مرض ہے۔ اس کو شراب محبت کا پیالہ پلا دیا اور پلا کر خوب سیر کر دیا۔ پھر تو وہ دوست محبت میں حیران ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوا بجز اس کے دوسرا محبوب نہیں تھا یہی حال اس کا ہے جو براہ شوق خدا کی راہ کی طرف بلایا جائے وہ اس کی محبت میں حیران رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دیدار نصیب ہو۔ پھر میں اس آواز کی جانب گیا۔ اس نے جب مجھے دیکھا کہا اے سری میں نے کہا لبیک تم کون ہو؟ خدا تم پر رحم کرے؟ کہا لا اِلٰہ الا اللہ۔ معرفت کے بعد اب انجان ہو گئے میں تحفہ ہوں وہ اس وقت بالکل ضعیف و ناتوان تھی جیسے کسی کا خیال دل میں گزرے وہ اس طرح نظر آتی تھی۔ میں نے کہا اے تحفہ جب سے تم خلقت سے جدا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہوئی خدا سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ کہا اپنے قرب سے انس دیا غیر سے مجھ کو وحشت دی۔ پھر میں نے کہا ابن مثنی مرگئے کہا خدا ان پر رحم فرمائے میرے اللہ نے ان کو وہ اعزاز عطا کئے ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ جنت میں ان کی جگہ میرے پڑوس میں ہے۔ پھر میں نے کہا تمہارا مالک جس نے تم کو آزاد کیا ہے میرے ساتھ ہے۔ یہ سن کر تحفہ نے کچھ دعا مخفی مانگی میرے دیکھتے ہی دیکھتے تحفہ کعبہ کے روبرو مردہ نظر آئی جب اس کے مالک نے اس کو مردہ دیکھا اپنے کو سنبھال نہ سکا وہ بھی منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے پاس جا کر ہلایا تو وہ بھی دنیا سے کوچ کر چکا تھا پھر میں نے دونوں کے غسل و کفن سے فراغت کر کے دونوں کو دفن کر دیا۔ ان پر خدا کی رحمت ہو۔

(از کرامات اولیاء)

حاصل...... بیشک اللہ والے ایسی ہی نرالی شان کے مالک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۷۹

فنافی اللہ کی موت

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے ایک غلام خریدا تھا تو اس غلام نے اپنے آقا سے تین شرطیں کیں، پہلی یہ کہ جب نماز کا وقت آئے تو آپ مجھے نہ روکیں گے دوسری یہ کہ آپ مجھ سے صرف دن میں خدمت لے سکیں گے مگر رات کو مجھ پر یہ پابندی نہ ہوگی، تیسرے یہ کہ میرے رہنے کے لیے کوئی ایسا کمرہ عنایت فرمائیں گے جو میرا پسندیدہ ہو اور دوسرے شخص کو اس میں آنے کی اجازت نہ ہوگی۔

چنانچہ آقا نے غلام کی تینوں شرطیں منظور کرلیں اور غلام کو حکم دیا کہ اپنے رہنے کے لیے محل سرائے میں حسب دل خواہ کمرہ پسند کرلے جس میں ہر کمرہ ایک سے ایک بہتر ساز وسامان کے ساتھ آراستہ تھا، پس غلام نے تمام کمروں کو دیکھ بھال کر اپنے لیے ایک ویران کمرہ پسند کیا جو بغیر چھت کے تھا اس پر آقا نے دریافت کیا کہ، آخر تم نے یہ ویران کمرہ کیوں پسند کیا؟ کمرے تو اور بھی بہت ہیں اپنے آقا سے یہ بات سن کر غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا! شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ویران جگہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہو جاتی ہے۔اس کے بعد اس غلام نے اسی ویران کمرے میں رات کو رہنا شروع کر دیا اور یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ رات کو غلام آزاد رہے گا جب غلام کو اپنے پسندیدہ آزاد کمرے میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تو اس کے

آقا نے ایک دن رات کو بزم احباب منعقد کی اور نصف شب کے بعد جب دوست احباب رخصت ہو گئے تو مالک مکان چہل قدمی کرتا ہوا غلام کے کمرے کی جانب جا نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نورانی قندیل نے اوپر سے آ کر کمرے کی خالی چھت کو گھیر رکھا ہے اور غلام سجدے میں پڑا ہوا اپنے رب سے دعا اور مناجات میں مصروف ہے کہ، میرے پروردگار! دن کو تو نے میرے آقا کی خدمت میرے ذمہ واجب کر دی اگر یہ خدمت میرے ذمہ نہ ہوتی تو میں رات دن تیری عبادت میں مشغول رہتا، لہٰذا تو میرا عذر قبول فرمالے۔

اس کا مالک تعجب کے ساتھ صبح صادق تک اس عجیب منظر کو دیکھتا رہا، چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ نورانی قندیل آسمان پر چلی گئی اور چھت بند ہو گئی مالک نے اپنی بیوی سے اس کا تذکرہ کیا اور دوسرے روز وہ مالک اور اس کی بیوی دونوں اس منظر کو دیکھنے گئے تو اس شب میں بعینہٖ وہی منظر دیکھا جو پہلی شب میں مالک دیکھ چکا تھا۔ صبح ان دونوں نے غلام کو بلا کر کہا تو اللہ کے واسطے آزاد ہے تاکہ اپنی خواہش کے مطابق رات دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہ سکے جس سے تو معذرت کرتا رہتا ہے اسی کے ساتھ اور اس کے مالک اور اس کی بیوی نے غلام سے اس کی ان کرامتوں کا ذکر کیا جو رات کو وہ دونوں دیکھ چکے تھے بس اب کیا تھا جب غلام کو معلوم ہوا کہ ان پر اس کا پردہ فاش ہو گیا ہے تو اس نے اسی وقت دربار الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے میرے پروردگار! میں نے تجھ سے دعا کی تھی کہ میرا راز کسی پر نہ کھولیو مگر اب جب کہ میرا بھید دوسروں پر ظاہر ہو گیا جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا تھا تو مجھ کو اپنے پاس بلالے چنانچہ اسی حالت میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور وہ واصل برحق ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔

حاصل......" من كان لله كان الله له "حضور اکرم ﷺ نے سچ فرمایا

ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے دیکھئے! اس عالم فنافی اللہ کی دعا کس طرح ہاتھوں ہاتھ درجہ قبولیت کو پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸۰

حساب کتاب سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ

موجد شطرنج کو بادشاہ وقت نے اپنے دربار میں طلب کر کے اظہار خوشنودی کے بعد فرمایا ''تمہارے اس دلچسپ کھیل کے لئے میں منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہوں۔'' موجد شطرنج نے ازراہ کسر نفسی عرض کیا۔ ''حضور کی قدر دانی وعزت افزائی اور خوشنودی ہی میرے لئے کافی انعام ہے، اس سے زیادہ مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں، بادشاہ کے اصرار پر آخر کار موجد نے کہا۔ ''شطرنج کے چونسٹھ خانے ہیں اس کے پہلے خانے میں ایک چاول، دوسرے خانے میں گزشتہ خانے سے دگنے چاول، اور تیسرے خانے میں دوسرے سے دوگنے، غرضیکہ ہر آئندہ خانے میں گزشتہ خانے سے دگنے چاول، اسی طرح علیٰ ہٰذا الحساب چونسٹھ خانے چاولوں سے پر کر دیئے جائیں، شطرنج کے تمام خانوں کے چاول میرا انعام ہوں گے، بادشاہ نے اس بظاہر حقیر سے مطالبے کو اپنی توہین وتذلیل خیال کرتے ہوئے رنج وغصے کا اظہار فرمایا، کہ اس قدر قلیل مطالبہ شایان شان شاہانہ نہیں، تم کسی بڑے سے بڑے انعام کا مطالبہ کرو، موجد نے عرض کیا کہ جس مطالبہ انعام کو آپ حقیر وقلیل خیال فرماتے ہیں، اس کو تمام روئے زمین کے خزانے بھی ادا نہیں کر سکتے۔

بادشاہ نے کہا کہ ان چونسٹھ خانوں کے چاولوں کی مجموعی مقدار دو چار سیر

چاولوں سے زیادہ نہ ہوگی، یا زیادہ سے زیادہ مبالغے کے ساتھ دس بیس سیر قیاس کی جاسکتی ہے، جس کو ایک غریب ترین آدمی بھی بآسانی دے سکتا ہے، روئے زمین کے تمام خزانوں کے ساتھ اس کی کیا نسبت ہے؟ موجد نے عرض کیا کہ حضور ذرا سا حساب تو پھیلا کر دیکھیں، چنانچہ محاسبان شاہی نے جب حساب لگایا، تو چاولوں کا مجموعی وزن ۷۵ کھرب من کے قریب نکلا، جو روپے دو سیر کے حساب سے پندرہ نیلم روپے کے ہوئے، جس کو واقعی تمام روئے زمین کے خزانے بھی نقد یا جنس کی صورت میں پورا نہیں کرسکتے، بادشاہ نے اس محیر العقول حساب کا نتیجہ سننے کے بعد فرمایا کہ تمہارا حسن طلب تمہارے حسن ایجاد سے بھی زیادہ انعام کا مستحق ہے، جو کسی بڑے سے بڑا دانا کے بھی وہم قیاس میں نہیں آسکتا، چنانچہ بادشاہ نے اپنی شان شاہانہ کے مطابق موجد کو زر کثیر انعام مرحمت فرمایا۔ (بحوالہ مخزن اخلاق)

حاصل ...... مؤلف مخزنِ اخلاق لکھتے ہیں کہ میں نے نہایت صحت کے ساتھ خود یہ حساب پھیلایا ہے، ناظرین میں سے کسی کو شبہ ہو تو تھوڑی سی محنت کے ساتھ اس کی تصدیق کرلے، میں نے رتی کا اندازہ چاولوں کے ساتھ تولا، تو پانچ سالم بڑے چاولوں کی ایک رتی بنتی ہے، ورنہ عام طور پر حساب میں آٹھ چاولوں کی ایک رتی لکھی ہوئی ہے، لہٰذا صحیح حساب پانچ چاول فی رتی کے وزن سے لگایا جائے، نیز واضح رہے کہ اسلام شطرنج یا اور کسی قسم کی لہولعب کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی انسانیت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسے کھیل میں قیمتی وقت کو بے کار کیا جائے، صرف، حساب کا عجوبہ ظاہر کرنے کے لئے یہ حکایت لکھی ہے کہ جس کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اور کوئی بڑے سے بڑا مبصر و محاسب بھی چاولوں کی اس مقدار کثیر کا یقینی اندازہ نہیں لگا سکتا، تا وقتیکہ حساب پھیلا کر اس کی صحت کو تسلیم نہ کرلیا جائے۔

(بحوالہ مخزن اخلاق)

واقعہ نمبر......۸۱

اولیاء اللہ کا شہر

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے روضہ مطہرہ پر نو اولیاء اللہ کو دیکھا میں بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ان میں سے ایک نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا، کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا تمہارے ساتھ کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے سنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''المرءُ مع من احب ''یعنی آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا جہاں ہم جاتے ہیں وہاں تم نہیں جاسکتے کیوں نہ وہاں وہ شخص جاسکتا ہے جس کی عمر چالیس سال کی ہو پھر ایک اور نے کہا آنے دو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی وہاں جانا نصیب کردے۔

القصہ میں چلا اور زمین ہمارے نیچے سے خود بخود قطعہ ہو جاتی تھی، چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچے کہ وہ چاندی سونے سے بنایا گیا تھا اور وہاں کے درخت خوب گنجان تھے اور نہریں جاریں تھیں اور عمدہ عمدہ میوے بکثرت تھے،غرض ہم اس شہر کے اندر گئے اور وہاں سے مختلف انواع کے میوے کھائے اور تین سیب وہاں سے میں نے اپنے پاس رکھ لیے اور انہوں نے بالکل منع نہیں کیا، جب وہاں سے واپس آنے لگے تو میں نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ فرمایا اولیاء اللہ کا شہر ہے جب ان کا سیر کرنے کو جی چاہتا ہے تو جہاں کہیں وہ ہوں ان کے سامنے کل شہر ظاہر ہو جاتا ہے لیکن چالیس سال کی عمر سے کم کا سوائے تیرے یہاں آج تک کوئی نہیں آیا، پھر جب ہم مکہ آئے تو میں نے ایک دامغانی کو ان سیبوں میں سے ایک سیب دیا اس نے پھینک دیا،اس پر

میرے ہمراہیوں نے مجھے ملامت کی اور کہا کہ جب تو گرسنہ ہوتو اس باقی سیب سے کھالینا وہ بدستور رہے گا فنا نہ ہوگا۔

القصہ میں اپنے گھر آیا اور میرے پاس ایک سیب باقی تھا میری بہن مجھ کو آ کر لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ بھائی جو تم ہمارے واسطے سفر سے ایک عجیب چیز لائے ہو وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کیا عجیب چیز لایا تھا مجھے دنیا کی کیا چیز میسر ہوئی ہے جو تمہارے لیے لاتا، اس نے کہا وہ سیب کہاں ہے؟ میں نے اسے چھپالیا اور کہا کونسا سیب اس نے کہا ہم سے کیوں چھپاتے ہو تمہیں تو اس شہر کی سیر دھکے کھا کر نصیب ہوئی اور مجھے تو بیس برس کی عمر ہی میں اس شہر میں لے گئے تھے اور واللہ بغیر میری خواہش کے مجھے بلایا گیا تھا۔ میں نے کہا بہن یہ کیا کہتی ہو مجھ سے تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ چالیس سال سے کم عمر والا اس میں کوئی آج تک سوائے تیرے نہیں آیا، کہنے لگی ہاں یہ قاعدہ مریدین اور عشاق کے لیے ہے اور جو مراد اور محبوب ہیں وہ اس میں جب چاہے جاسکتے ہیں اور اس سے کچھ ناراضی نہیں ہوتے۔

اور جب تم چاہو میں اس شہر کو دکھا سکتی ہوں میں نے کہا اچھا ابھی دکھاؤ اس نے کہا اچھا دکھاتی ہوں، یہ کہہ کر آواز دی کہ اے شہر حاضر ہو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے کہتے ہی بعینہ وہی شہر آنکھوں سے دیکھ لیا اور دیکھا کہ وہ شہر میری بہن کی طرف جھک رہا ہے۔ میری بہن نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر مجھ سے پوچھا اب بتاؤ تمہارا سیب کہاں ہے؟ اس کے بعد وہ سیب جو میرے اوپر تھا مجھ پر گرا میں یہ عجیب معاملہ دیکھ کر ہنسا یہ عجیب واقعہ دیکھ کر میں نے اپنے آپ کو بہت حقیر سمجھا اور میں پہلے نہ جانتا تھا کہ میری بہن بھی ایسے لوگوں میں ہے۔

(بحوالہ نزہۃ البساتین)

حاصل...... اللہ تعالیٰ کا اپنے ہر بندے کے ساتھ الگ معاملہ ہے، بعض

باتیں تو ظاہر کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں، لیکن اکثر باتیں دل ہی دل میں رہتی ہیں، بندہ اپنے حالات کی اپنے رب کو اطلاع دے کر دعائیں مانگتا ہے۔

اسی طرح بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بطور کرامت کے ظاہر فرماتے ہیں، جو ہر ایک سمجھ نہیں پاتا، اس لئے بہت سے لوگ ایسی باتوں کو سن کر انکار بھی کر دیتے ہیں، حالانکہ کرامات اولیاء برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا تعلق نصیب فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۸۲

دیانت کا ثمرہ

حضرت علامہ شیخ محمد بن البانی البزاز بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں مجاور تھا ایک دن ایسا آیا کہ کھانے کے لئے کچھ نہ ملا اور میں بھوک سے نڈھال ہو گیا اسی حالت میں باہر نکلا تو راستے میں ایک تھیلی پڑی دیکھی اٹھا کر دیکھا تو ریشمی تھیلی تھی اور ریشم کی ڈور سے بندھی ہوئی تھی قیام گاہ پر لا کر کھولی تو دیکھا اس میں نہایت قیمتی موتیوں کا ایک ہار ہے میں بازار میں نکلا دیکھا کہ ایک شخص رومال ہاتھ میں لئے پکار رہا ہے کہ میری تھیلی جس میں موتیوں کا ہار تھا گم ہو گئی ہے جو صاحب اس کا پتہ دیں گے ان کو شکریہ کے طور پر پانچ سو دینار انعام دوں گا جو اس رومال میں بندھے ہیں میں اس شخص کو اپنے گھر لے آیا اور تھیلی نکال کر اس کے حوالے کی وہ شخص بڑا ممنون ہوا اور حسب وعدہ پانچ سو دینار پیش کئے لیکن میں نے لینے سے معذرت کی اور کہا کہ میں نے یہ کام رضائے الٰہی کی خاطر کیا ہے اجرت لے کر میں اپنا اجر ضائع نہیں کرنا چاہتا تاہم اس شخص نے ان کے قبول کرنے پر بہت زور دیا لیکن میں برابر انکار کرتا

رہا یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر چلا گیا اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میں نے مکہ معظمہ سے رخت سفر باندھا اور ایک سمندری جہاز پر سوار ہو گیا بدقسمتی سے راستے میں طوفان آ گیا اور جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا میرے سوا سب مسافر ڈوب گئے میرے بچنے کی یہ صورت ہوئی کہ تختہ میرے ہاتھ آ گیا اور میں اس پر بیٹھ گیا بہتا بہتا ایک جزیرے کے ساحل تک پہنچ گیا حسن اتفاق سے اس جزیرے کے باشندے مسلمان تھے میں وہاں کی مسجد میں ٹھہر گیا لوگوں نے مجھ سے حال دریافت کیا میں نے ان کو اپنی تمام سرگذشت سنائی لوگ یہ سن کر بہت متاثر ہوئے اور میرے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا بہت سے لوگ مجھ سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور اپنے بچوں کو بھی نوشت وخواند سیکھنے کے لئے میرے پاس بھیجنے لگے تھوڑی ہی مدت میں یہ لوگ مجھ سے بے حد مانوس ہو گئے اور مجھے اپنا مرشد سمجھنے لگے وہ مجھے کافی مالی امداد بھی دیتے تھے اور دوسری کوئی خدمت کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے ایک دن انہوں نے آپس میں کچھ مشورہ کیا اور پھر میرے پاس آ کر کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شادی کر لیں اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لیں میں نے کہا جیسے آپ لوگوں کی خوشی چنانچہ انہوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے ہمارے خیال میں اس کے لئے آپ سے بہتر شوہر ملنا مشکل ہے اگر آپ رضامند ہوں تو اس سے آپ کا نکاح کر دیں میں نے رضامندی کا اظہار کیا اور میرا اس لڑکی سے نکاح ہو گیا جب میں نے خلوت میں اپنی بیوی کو دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی تھیلی والا ہار اس کے گلے میں پڑا ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لڑکی اسی حاجی کی تھی جسے میں نے محض اللہ کے لئے ہار واپس کر دیا تھا لوگوں نے مجھے بتایا کہ جب اس لڑکی کا باپ حج سے یہاں واپس آیا تھا تو اپنے قیمتی ہار کے گم ہونے اور پھر اس کے مل جانے کا واقعہ اکثر بیان کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جس شخص نے مجھے یہ ہار واپس دیا ایسا

بے نفس آدمی میں نے دنیا میں نہیں دیکھا پھر وہ یہ دعا کیا کرتا تھا کہ کاش ان کی مجھ سے یہاں ملاقات ہوتی تو میں اپنی لڑکی کا عقد اس سے کر دیتا شیخ محمد بن الباقیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرحوم حاجی کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس لڑکی کا میرے ساتھ عقد ہو گیا اس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد بھی عطا فرمائی اوا اپنے والد کی تمام جائیداد کی تنہا وارث تھی چند سال بعد وہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئی اور اس ہار اور دوسری جائیداد کے وارث میرے بچے ہوئے خدا کی قدرت یہ کہ بچے بھی کچھ عرصے کے بعد انتقال کر گئے اور اس ہار اور جائیداد کا مالک میں بنا اس ہار کو میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس رقم میں اتنی برکت دی کہ میرے پاس مال و دولت کا کوئی حساب ہی نہ رہا۔ (بحوالہ حکایات صوفیہ)

حاصل...... سچ ہے نیکی کا بدلہ ہمیشہ اچھا ہی اور برائی کا بدلہ برا ہی ملتا ہے، جیسا کہ اس واقعہ میں دیانت کا بدلہ کیسا عظیم ملا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی دکھا دیا کہ جو امانت دار ہوگا اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۸۳

دنیا میں زندہ شخص کو عذاب قبر

چند سال قبل ایک جماعت مانسہرہ سے آگے ایک چھوٹے سے قصبے میں گئی اس جماعت میں ایک شخص ڈاکٹر نور محمد تھا ان کا بیان ہے کہ مسجد سے باہر ادھر ادھر کافی لوگ فارغ بیٹھے تھے ہم لوگ ان کے پاس گئے اور مسجد میں آنے کی دعوت دی تا کہ وہ تعلیم میں شریک ہو سکیں کچھ لوگ ہمارے ساتھ مسجد میں آنے پر تیار ہو گئے، ایک

صاحب نے کہا کہ میں نماز کے وقت آؤں گا اور نماز کے بعد عذاب قبر کا ایک واقعہ آپ لوگوں کو سناؤں گا، چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد یہ شخص ہمارے پاس بیٹھ گیا اپنا تعارف کروایا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی نوجوان تھا۔

اس فوجی کا بیان ہے کہ: 1965ء کی پاک وہند جنگ میں ایک قبرستان میں اسلحے کا ایک عارضی ذخیرہ (کیمپ) بنایا گیا تھا اور کچھ نوجوانوں کے ساتھ اس فوجی کی ڈیوٹی تھی دن کا وقت تھا اور کوئی خاص کام نہیں تھا، چنانچہ اس نے قبرستان میں گھومنا شروع کر دیا اس کا گزر ایک پرانی قبر کے پاس سے ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے قبر کے اندر سے ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آرہی ہیں اس فوجی جوان نے بتایا کہ میں نے بندوق کے بٹ کے ساتھ قبر کی اینٹیں ہٹائیں تاکہ دیکھوں کہ یہ آواز کیسی ہے؟ جیسے جیسے میں مٹی ہٹاتا گیا آواز اور تیز ہوتی گئی اور میری دلچسپی اور خوف بھی بڑھتا گیا دن کا وقت تھا روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ قبر کے اندر انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے اور اس پر چوہے کی شکل کا ایک جانور بیٹھا ہوا ہے اور جب وہ منہ اس ڈھانچہ پر مارتا ہے تو سارا ڈھانچہ اکڑ جاتا ہے اور ہڈیوں کے ٹوٹنے اور چیخنے کی آواز آتی ہے میرے سامنے اس جانور نے تین مرتبہ اپنا منہ ہڈی پر مارا، مجھے بہت ترس آیا کہ یہ جانور اس کو بہت تکلیف پہنچا رہا ہے۔

چنانچہ رائفل سے جب میں نے اس جانور کو مارنے کا ارادہ کیا تو وہ مٹی میں چھپ گیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ جانور قبر سے نکل کر میری طرف لپکا اور میرے اوپر ایسی دہشت سے سوار ہوا کہ میں اسے مارنا بھول کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا کافی دور جانے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا کہ وہ جانور میرے پیچھے تیزی سے بھاگا آرہا تھا، قریب ہی پانی کا ایک گڑھا تھا اس جانور سے بچنے کے لئے میں اس جوہڑ یعنی گڑھے میں داخل ہوگیا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ جانور جوہڑ کے

کنارے پر آ کر رک گیا اور قدرے توقف کے بعد اس نے اپنا منہ پانی میں ڈال دیا یک دم پانی کھولنے لگا میں بھاگ کر جوہڑ سے نکلا میری ٹانگیں جل رہی تھیں بہت جلد سرخ ہو چکی تھیں اور آبلے (جلے ہوئے پانی والے پھوڑے) بھی پڑ چکے تھے درد کی شدت سے میرا چلنا محال تھا میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی، تو جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ نہ تھا بلکہ وہ جانور غائب ہو چکا تھا، چنانچہ مجھے ایبٹ آباد کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا اور پھر وہاں سے راولپنڈی کے بڑے فوجی ہسپتال (G.M.H) میں منتقل کر دیا گیا۔

میری ٹانگوں کا گوشت گلنا شروع ہو گیا اور ہر وقت بدبودار پیپ اور خون رستا رہتا ہے کسی علاج سے افاقہ نہیں ہوا مجھے علاج کے لئے امریکہ بھجوایا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوائی لگائی اور گوشت جاتا رہا، اس وقت دونوں ٹانگوں کی صرف ہڈیاں بچ گئیں ہیں گوشت آہستہ آہستہ گل کر علیحدہ ہوتا جا رہا ہے اور ہر وقت مردے کی سی بدبو آتی رہتی ہے پھر اس شخص نے ہمیں اپنی دونوں ٹانگیں دکھائیں جن پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں (اللہ معاف فرمائے اللہ تعالیٰ ہمیں قبر اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے آمین) (بحوالہ خزینہ)

حاصل...... بیشک بعض دفعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں ہی اپنے عذاب کا مشاہدہ کروا دیتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ہمیں اعمال صالحہ میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸۴

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور سلطان محمود غزنوی

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سلطان محمود غزنویؒ کے ہمعصر تھے ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی تو سلطان محمود غزنویؒ کو ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا چنانچہ وہ خدم وحشم کے ساتھ غزنی سے خرقان پہنچا اور ایک قاصد کے ہاتھ شیخ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی زیارت کے لئے غزنی سے یہاں آیا ہوں آپ خانقاہ سے میرے خیمہ تک قدم رنجہ فرمائیں اس کے ساتھ ہی سلطان نے قاصد کو ہدایت کی اگر شیخ یہاں آنے سے انکار کریں تو ان کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر سنا دینا۔

''اطیعوُا اللہ وَ اَطِیعوُا الرّسُولَ وَ اُولِی الاَمر مِنکُم''

(یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور حاکم کی جو تم میں سے ہے)

قاصد نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا مجھے معذور رکھو۔ اس نے آیت مذکورہ پڑھی تو فرمایا ''در اطیعوا اللہ چناں مستغرق ام کہ اطیعوا الرسول خجالت ہا دارم تا بہ الوالامر چہ رسف''یعنی ابھی میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول کے معاملہ میں نادم اور شرم سار ہوں پھر اولی الامر منکم کی جانب کیوں کر متوجہ ہو سکتا ہوں قاصد نے واپس جا کر سلطان کو شیخ کا جواب سنایا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور وہ شیخ ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے حالات واقوال سنائیے۔

شیخ نے فرمایا بایزید'' فرماتے تھے جس نے مجھے دیکھا بدبختی اس سے دور ہوگئی

(یعنی وہ کفر وشرک سے محفوظ ہوگیا) سلطان محمود نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابولہب ابوجہل اور کتنے ہی دوسرے منکروں نے دیکھا لیکن یہ بد بخت کے بد بخت (یعنی کافر) ہی رہے کیا بایزید کا درجہ (نعوذ باللہ) حضور سے بھی بلند ہے؟

یہ سن کر شیخ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور آپ نے جلال کے عالم میں فرمایا محمود حد ادب سے قدم باہر نہ رکھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے صحابہ کرامؓ ہی نے دیکھا تھا ابولہب ابوجہل اور دوسرے کفار نے فی الحقیقت حضور ﷺ کو دیکھا ہی نہیں کیا تو نے قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھی،

وَتَرَا هُم ينظُرُونَ اِلَيکَ و هُم لا يُبصرُونَ ،

(اے رسول تو ان کو دیکھتا ہے جو تیری طرف نظر کرتے ہیں حالانکہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتے)

سلطان شیخؒ کے ارشادات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ شیخ نے فرمایا چار باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔

۱۔ ایسی چیزوں سے پرہیز جن سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ نماز باجماعت۔

۳۔ سخاوت

۴۔ خدا کے بندوں پر شفقت۔

سلطان نے کہا میرے لئے دعائے خیر کیجئے، شیخ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

اللّٰھُمّ اغفرِ للمُو مِنینَ وا لمُوٴ مِنٰتِ (اے اللہ سب مومنین اور مومنات کو بخش دے) سلطان نے عرض کی کہ میرے لئے خاص دعا فرمایئے:

شیخ نے فرمایا۔ اللہ تجھ پر رحمت کرے اور تیری عاقبت محمود ہو اس کے بعد

سلطان محمود نے کو اشرفیوں کی ایک تھیلی شیخ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ یہ نظر قبول فرمایئے شیخ نے تعجب سے سلطان کی طرف دیکھا اور پھر اس کے سامنے جو کی ایک روٹی رکھ دی اور فرمایا کہ یہ تمہاری دعوت ہے اس کو تناول کرو سلطان نے بسم اللہ پڑھ کر جو کی روٹی کھانا شروع کی لیکن پہلا نوالہ ہی حلق میں اٹک گیا۔

شیخ نے فرمایا شاید نوالہ حلق میں اٹک گیا۔

سلطان نے اثبات میں جواب دیا تو شیخ نے گھمبیر لہجہ میں فرمایا تو یہ اشرفیوں کی تھیلی بھی میرے حلق میں اٹک جائے گی اس کو فوراً اٹھا لو یہ اشرفیاں بادشاہ کی خوراک ہیں فقیر کے لئے جو کی روٹی ہی نعمت عظمیٰ ہے سلطان محمود نے عرض کی کہ حضرت سب نہیں تو ان میں کچھ اشرفیاں ہی قبول فرمالیں شیخ جلال میں آ گئے اور فرمایا میں دنیا کو طلاق دے چکا ہوں میرے لئے یہ اشرفیاں حرام ہیں اس لئے اپنی بات پر اصرار نہ کرا یاد رکھ ان اشرفیوں پر نہ تیرا حق ہے نہ میرا ان کو قوم کی امانت سمجھو اگر یہ قوم کی مرضی کے بغیر تقسیم کرے گا تو قوم کے مال میں خیانت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا گناہ گار بھی ہوگا اگر تو ان اشرفیوں کو خیرات ہی کرنا چاہتا ہے تو تیرے ملک میں بہتیرے مساکین ہیں جب تو سو جاتا ہے تو وہ اس لئے جاگتے ہیں کہ ان کے پیٹ خالی ہیں اور تیرے ملک میں ایسے شریف اور سفید پوش لوگ بھی موجود ہیں جو بظاہر آسودہ حال نظر آتے ہیں لیکن عسرت اور خودداری قائم رکھنے کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے جب قیامت کا دن آئے گا تو تیری قوم کے یہ لوگ تیرا گریبان پکڑ لیں گے کہ تو غیر مستحق لوگوں میں مال بانٹتا رہا اور ہم تیری نظروں سے اوجھل رہے اس وقت تجھے ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔

شیخ کی باتیں سن کر سلطان لرزہ براندم ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا پھر اس نے عرض کی کہ آپ مجھ سے کچھ قبول نہیں فرماتے تو مجھے ہی کوئی

تبرک وعنایت فرمایئے شیخ نے فوراً اپنا پیراہن اتار کر سلطان کو عطا فرمایا جب سلطان نے رخصت کی اجازت مانگی تو شیخ اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان کو شیخ کے رویہ پر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے عرض کی کہ حضرت جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ نے میری طرف التفات فرمانا بھی مناسب نہ سمجھا تھا لیکن اب جو آپ اس طرح میری عزت افزائی کرر ہے ہیں اس کا کیا سبب ہے شیخ نے فرمایا۔ جب تم فقیر کے حجرے میں داخل ہوئے تھے تو تمہارے دل ودماغ میں بادشاہت کی بوتھی اور تم اپنے شاہانہ جاہ وجلال کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے اس لئے میں نے بادشاہ محمود کی پرواہ نہیں کی تھی اب تم جارہے ہو تو تمہارا رنگ اور ہے اب تم ایک درویش اور منکسر المزاج انسان کی حیثیت سے رخصت ہورہے ہو۔ اسی لئے میں نے اپنا فرض سمجھا ہے کہ تمہاری تعظیم کروں ایسے انسانوں کی تعظیم نہ کرنا مسلمانوں کا شیوا نہیں ہے۔ (بحوالہ حکایات صوفیہ)

حاصل...... بیشک اللہ والوں کی شان ہی عجیب ہوتی ہے، دنیاوی طمع ولالچ ان سے کوسوں دور ہوتی ہے اور ایک مؤمن کی شان بھی یہی ہونی چاہئے کہ وہ دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش ہوکر زندگی گزارے، اللہ کرے اس واقعہ سے ہمیں بھی سبق حاصل ہو آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸۵

کمال راست گوئی

پیران پیر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جب حصول علم کے لئے اپنے گاؤں جیلان (گیلان) سے بغداد کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے

زادِ راہ کے طور پر چالیس دینار آپ کی گدڑی میں سی دیئے اور چلتے وقت اپنے لختِ جگر کو نصیحت کی کہ بیٹا خواہ کیسی ہی مصیبت اور برے حالات تمہیں پیش آئیں سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا کیونکہ راست گوئی ہزار عبادتوں کی ایک عبادت ہے سعادت مند فرزند نے عرض کی کہ اے مادر مشفقہ میں صدق دل سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کی نصیحت پر ہمیشہ عمل کروں گا والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر حضرتؒ بغداد جانے والے ایک قافلے میں شامل ہو گئے کیوں کہ اس دور میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا اثنائے سفر میں ہمدان سے کچھ آگے قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر چھاپا مارا اور اہل قافلہ کا سب مال و اسباب لوٹ کر تقسیم کے لئے ایک جگہ جمع کر دیا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر ایک طرف چپ چاپ یہ دردناک نظارہ دیکھ رہے تھے کہ ایک ڈاکو آپ کی طرف بڑھا اور پوچھا کیوں میاں لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں ڈاکو کو آپ کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ آپ کی ہنسی اڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اتنے میں ایک دوسرا قزاق آپ کی طرف آیا اور آپ سے وہی سوال کیا آپ نے اسے بھی یہی جواب دیا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں آپ کی غریبانہ حالت کو دیکھتے ہوئے دوسرے ڈاکو نے بھی آپ کی بات ہنسی میں اڑا دی ہوتے ہوتے یہ بات ڈاکوؤں میں پھیل گئی اور ان کے سردار احمد بدوی کے کانوں میں بھی جا پڑی اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ ڈاکو حضرت کو کشاں کشاں اپنے سردار کے سامنے لے گئے سردار نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا لڑکے سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟

حضرتؒ نے بلا خوف و ہراس جواب دیا میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔

سردار نے پوچھا کہاں ہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ میری بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں سردار نے ایک ڈاکو کو حکم دیا کہ اس لڑکے کی تلاشی لو چنانچہ اس نے آپ کی گدڑی ادھیڑ کر دیکھی تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے احمد بدوی اور اس کے قزاق یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے احمد بدوی نے استعجاب کے عالم میں حضرت سے پوچھا لڑکے تمہیں معلوم ہے کہ ہم قزاق ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں پھر بھی تم نے ان دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا حالانکہ یہ رقم اس قدر محفوظ تھی کہ کسی کو اس کا وہم وگمان بھی نہیں گذر سکتا تھا آخر کس چیز نے تمہیں سچ بولنے پر مجبور کیا۔

حضرت نے فرمایا میری والدہ نے گھر سے چلتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا بھلا ان چالیس دیناروں کی وجہ سے میں اپنی والدہ کی نصیحت کیوں فراموش کر دیتا اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیتا حضرت کے الفاظ سن کے بدوی بے حد متاثر ہوا اور اس پر رقت طاری ہوگئی ندامت کے آنسوؤں نے اس کے دل کی شقاوت اور سیاہی دھو ڈالی اور اس نے آہ بھر کر کہا'' اے بچے تم پر خدا کی ہزار رحمت ہو کہ تم نے اپنی ماں کے عہد کا خیال رکھا لیکن حیف ہے مجھ پر کہ میں نے اپنی ساری زندگی اپنے خالق کا عہد توڑتے گزار دی اے بچے تم نے مجھے ہدایت کی راہ دکھا دی اب میں رہتی زندگی تک کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا یہ کہہ کر وہ حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور رہزنی کے پیشہ سے تائب ہوگیا اس کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا تو سب بیک زبان پکار اٹھے کہ اے سردار ہم بھی اس برے پیشہ سے توبہ کرتے ہیں تو رہزنی میں بھی ہمارا قائد تھا اور توبہ میں بھی ہمارا پیشرو ہے چنانچہ انہوں نے لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس دے دیا کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد احمد بدوی اور اس کے ساتھی سچے مسلمان بن گئے اور اپنے زہد وتقویٰ عبادت و ریاضت اور

خدمت خلق وحق شناسی کی بدولت خاصان خدا میں شمار ہوئے۔(بحوالہ حکایات صوفیہ)

حاصل...... سچ کہا ہے کہ ماں کی گود بچے کے لئے پہلا مدرسہ ہوتی ہے، یعنی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے، چنانچہ اگر ماں بچپن میں ہی بچے کی اخلاقی تربیت کرے تو کوئی بعید نہیں کہ وہ آگے چل کر شیخ عبدالقادر جیلانی بنے، لہٰذا اس واقعہ سے ہم سب کو خصوصا ہماری ماؤں بہنوں کو خاص طور پر سبق حاصل کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۸۶

ظلم کی ابتدا کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے

قاضی عمر بن ابی لیلیٰ اپنے دور قضا کا ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی مجلس قضاء میں بیٹھا ہوا تھا میرے پاس ایک بڑھیا اور ایک جوان عورت آئی، بڑھیا تو آتے ہی بولنے لگی، پھر وہ لڑکی بولی کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو نیکی عطا فرمائے اسے کہئے کہ یہ چپ ہو جائے میں اپنی اور اس کی بات کروں گی اگر میں کہیں بھی غلطی کروں تو یہ بڑھیا مجھے ٹوک دے (قاضی نے بڑھیا کو خاموش کرایا)

پھر وہ لڑکی کہنے لگی کہ یہ بڑھیا عورت میری پھوپھی ہے میرے والد مجھے ان کی نگرانی میں چھوڑ کر وفات پا گئے تھے تو اس نے میری تربت کی اور اچھی تربیت کی جب میں جوان ہوگئی تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو میں نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں اور اس طرح ہر لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس نے میری شادی ایک زرگر (سنار) سے کر ی۔ وہ (سنار) اور میں گویا

دونوں پھول تھے وہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے علاوہ کوئی اور نہیں بنائی اور میں بھی یہ سمجھتی تھی کہ ان کے علاوہ اللہ نے کوئی پیدا نہیں کیا وہ روزانہ بازار جاتا اور کما کر شام کو گھر لوٹ آتا۔

میری پھوپھی نے جب ہم دونوں میں ایک دوسرے سے اتنا لگاؤ دیکھا تو یہ حسد میں مبتلا ہوگئی ایک دن اس نے اپنی بیٹی کو خوب بناؤ سنگھار کیا اور میرے شوہر کے آنے کے وقت اسے میرے پاس بھیجا تو میرے شوہر کی جب اس پر نظر پڑی تو اس نے میری پھوپھی سے اس کا رشتہ مانگا اس نے کہا کہ ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ تو اپنی بیوی (یعنی تیرا کام) معاملہ میرے ہاتھ میں دیدے میرے شوہر نے کہا میں نے اس کا معاملہ تیرے سپرد کر دیا تو پھوپھی نے کہا کہ میں نے اسے تین طلاق دیدیں اس کے بعد پھوپھی نے اپنی بیٹی کا نکاح اس زرگر کے ساتھ کر دیا اور وہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح رہنے لگا صبح جاتا اور شام کو لوٹ آتا۔

جب میری عدت گزری تو میں نے اسے کہا پھوپھی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جاؤں تو اس نے کہا ٹھیک ہے تو میں دوسری جگہ منتقل ہوگئی میری پھوپھی کا شوہر کافی عرصے سے غائب تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے میرا بھی پوچھا کہ بھتیجی کہاں ہے؟ تو پھوپھی نے بتایا کہ اس کی شادی ہوگئی تھی وہاں سے طلاق ہوگئی اور وہ دوسری جگہ رہ رہی ہے تو اس نے کہا کہ اس پر جو مصیبت گزری ہے ہمیں اس کی تسلی کے لئے جانا چاہئے مجھے اس کے آنے کی اطلاع ملی تو میں نے خوب بناؤ سنگھار کیا اور اس کے سامنے آئی اس نے مجھے سلام کیا اور میری اس مصیبت پر مجھے تسلی دی اور پھر کہا کہ میری کچھ جوانی ابھی باقی ہے اگر میں تجھ سے نکاح کرلوں تو تجھے اعتراض تو نہیں؟ میں نے کہا کہ مجھے اعتراض نہیں لیکن پھوپھی کا معاملہ میرے سپرد کر دو، اس نے میرے سپرد کر دیا تو میں نے اسے

تین طلاقیں دیدیں۔

چنانچہ پھر وہ کسی مسافر کی طرح اپنا سامان لیکر میرے گھر منتقل ہو گیا اس کے پاس چھ ہزار درہم بھی تھے، کچھ عرصے وہ میرے ساتھ رہا اور بیمار ہو کر مر گیا۔

جب میری عدت گزر گئی تو میرا پہلا شوہر آیا اور تعزیت کی، جب مجھے اس کے آنے کا معلوم ہوا تو میں نے خوب بناؤ سنگھار کیا پھر اس کے سامنے آئی اس نے مجھ سے کہا اے فلانی تجھے معلوم ہے کہ مجھے دنیا میں تو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھی اور اب تو رجوع کرنا بھی ہمارے لئے حلال ہو گیا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟

تو میں نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر میری پھوپھی کی بیٹی کا یعنی تمہاری بیوی کا معاملہ میرے ہاتھ میں دیدو، تو اس نے اس کا معاملہ میرے ہاتھ میں دیدیا تو میں نے اسے تین طلاقیں دیدیں، یہ سن کر بڑھیا اچھل پڑی اور فوراً بولی اللہ تعالیٰ قاضی کو نیکی عطا فرمائے میں نے تو اس کے ساتھ ایسا ایک ہی بار کیا تھا جبکہ اس نے دو بار کیا ہے پھر قاضی عمر بن محمد ابی لیلیٰ نے کہا ایک کے بدلے ایک اور ابتداء میں ظلم کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے چل اپنے گھر جا۔ (بحوالہ مؤمنات کا قافلہ اور ان کا کردار)

حاصل...... سچ ہے جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے اس میں وہ خود گرتا ہے، لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ظلم سے ہمیشہ پرہیز کرے، اور اس واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸۷

ایک رئیس نوجوان کا عبرت انگیز واقعہ

محمد بن سماکؒ فرماتے ہیں کہ بنُو اُمَیَّہ کے لوگوں میں موسیٰ بن محمد بن سلیمان

الہاشمی بہت ہی ناز پرورده رئیس تھا۔دل کی خواہشات پوری کرنے میں خواہشات اورلذات کی ہرنوع میں اعلیٰ درجہ پر تھا۔لڑکے لڑکیوں میں ہروقت منہمک رہتا نہ اس کوکوئی غم تھا نہ فکر۔خود بھی نہایت ہی حَسِین چاند کے ٹکڑے کی طرح سے نوجوان تھا ۔اللہ تعالیٰ شانہ' کی ہرنوع کی دنیوی نعمت اس پر پوری تھی ۔اس کی آمدنی تین لاکھ تین ہزار دینار (اشرفیاں) سالانہ تھی ،جوساری کی ساری اسی لہو ولعب میں خرچ ہوتی تھی ۔ایک اونچا بالا خانہ تھا جس میں کئی کھڑکیاں تو شارِع عام کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن پر بیٹھ کر وہ راستہ چلنے والوں کے نظارے کرتا۔اورکئی کھڑکیاں دوسری جانب باغ کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن میں بیٹھ کروہ باغ کی ہوائیں کھاتا،خوشبوئیں سونگھتا۔اس بالاخانے میں ایک ہاتھی دانت کا قُبّہ جو چاندی کی میخوں سے جڑا ہوا تھا اورسونے کا اس پر جھول تھا۔اس کے اندرایک تخت تھا جس پر موتیوں کی چادر تھی اوراس ہاشمی کے سر پر موتیوں کا جڑاؤ عمامہ تھا۔اس قُبّہ میں اسکے یاراحباب جمع رہتے ۔خدّام ادب سے پیچھے کھڑے رہتے ،سامنے ناچنے گانے والیاں قُبّہ سے باہر مجتمع رہتیں ۔جب گانا سُننے کودل چاہتا،وہ سِتار کی طرف ایک نظر اُٹھاتا اورسب حاضر ہوجاتیں اور جب بند کرنا چاہتا ہاتھ سے سِتار کی طرف اشارہ کردیتا،گانا بند ہوجاتا۔رات کو ہمیشہ جب تک نیند نہ آتی یہی شُغل رہتا اور جب (شراب کے نشہ سے) اُس کی عقل جاتی رہتی ،یاران مجلس اُٹھ کر چلے جاتے ،وہ جونسی لڑکی کو چاہتا پکڑ لیتا اور رات بھر اسکے ساتھ خلوت کرتا۔صبح کو وہ شطرنج چوسر وغیرہ میں مشغول ہوجاتا۔اس کے سامنے کوئی رنج وغم کی بات ،کسی کی موت،کسی بیماری کا تذکرہ بالکل نہ آتا،اس کی مجلس میں ہروقت ہنسی اور خوشی کی باتیں ،ہنسانے والے قصے اوراس قسم کے تذکرے رہتے ۔ہردن نئی نئی خوشبوئیں جواس زمانے میں کہیں ملتیں وہ روزانہ اس کی مجلس میں آتیں ،عمدہ عمدہ خوشبوؤں کے گلدستے وغیرہ

حاضر کیئے جاتے۔اسی حالت میں اس کے ستائیس برس گزرے۔ایک رات حسبِ معمول اپنے قبہ میں تھا، دفعۃً اس کے کان میں ایک ایسی سریلی آواز پڑی جو اس کے گانے والوں کی آواز سے بالکل جدا تھی لیکن بڑی دلکش تھی ۔اس کی آواز نے کان میں پڑتے ہی اس کو بے چین سا کردیا۔اپنے گانے والوں کو بند کردیا۔اور قبہ کی کھڑکی سے باہر سر نکال کر اس آواز کو سننے لگا۔وہ آواز کبھی کان میں پڑجاتی کبھی بند ہوجاتی ۔اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ یہ آواز جس شخص کی آرہی ہے اس کو پکڑ کے لاؤ شراب کا دور چل رہا تھا۔خدام جلدی سے اس آواز کی طرف دوڑے اور اس آواز کو تلاش کرتے کرتے ایک مسجد میں پہنچے، جہاں ایک جوان، نہایت ضعیف بدن ،زرد رنگ، گردن سوکھی ہوئی ،ہونٹوں پر خشکی آئی ہوئی ،بال پراگندہ، پیٹ کمر سے لگا ہوا، دو ایسی چھوٹی چھوٹی لونگیاں اس کے بدن پر کہ ان سے کم میں بدن نہ ڈھک سکے ،مسجد میں کھڑا ہوا اپنے رب کے ساتھ مشغول ،تلاوت کررہا، یہ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے ،نہ اس سے کچھ کہا نہ بتایا۔ایک دم اس کو مسجد سے نکال کر وہاں بالا خانے پر لے جا کر اس کے سامنے پیش کردیا حضور یہ حاضر ہے ۔وہ شراب کے نشے میں کہنے لگا یہ کون شخص ہے۔انھوں نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی آواز آپ نے سنی تھی ۔اس نے پوچھا کہ تم اس کو کہاں سے لائے ہو۔وہ کہنے لگے حضور مسجد میں تھا، کھڑا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔اس رئیس نے اس فقیر سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔اس نے اعوذ باللہ پڑھ کر یہ آیتیں بتائیں۔

﴿اِنَّ الْاَبـرَارَلَفِی نَعِیمِ o عَـلَی الْاَرَآئِکِ یَنظُرُونَ o تعرِفُ فِی وجوهِهِم نضرةَالنعیم o یُسقَونَ من رَّحیقِ مَّختُوم oختمٰهٗ مِسک ط وفِـی ذَالک فلیتَنـا فَسِ المُتنافِسُون o ومـزَاجُـهٗ مِن تَسنِیم oعیناًیَّشرَبُ بهَاالمُقرَّبُون ط﴾ (سورۃ تطفیف)

جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ''بیشک نیک لوگ (جنت کی) بڑی نعمتوں میں ہوں گے مسہریوں پر بیٹھے ہوئے (جنت کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب تو ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی سرسبزی محسوس کرے گا اور ان کے پینے کے لئے خالص شراب سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی (ایک دوسرے پر) حرص کرنے والوں پر ایسی ہی چیزوں میں حرص کرنا چاہیئے (کہ یہ نعمتیں کس کو زیادہ ملتی ہیں اور ان کا ملنا اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے ان اعمال میں حرص کرنا چاہئے جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوں) اور اس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی (شراب میں کوئی چیز ملائی جاتی ہے تو اس سے اس کا جوش زیادہ ہوتا ہے اور وہ تسنیم جنت کا) ایک ایسا چشمہ ہے جس سے مُقرَّب لوگ پانی پیتے ہیں (یعنی اس چشمہ کا پانی مقرب لوگوں کو تو خالص ملے گا اور نیک لوگوں کے شراب میں اس میں سے تھوڑا سا ملا دیا جائے گا)۔ اس کے بعد اس فقیر نے کہا۔ ارے دھوکے میں پڑے ہوئے تیرے اس محل کو، تیرے اس بالا خانے کو، تیرے ان فرشوں کو ان سے کیا مناسبت۔ وہ بڑی اونچی مسہریاں ہیں جن پر فرش بچھے ہوئے ہیں، ایسے فرش جو بہت بلند ہیں۔ ان کے اَستر دبیز ریشم کے ہوں گے۔ وہ لوگ سبز مُشجّر اور عجیب وغریب کپڑوں پر تکیہ لگائے ہونگے۔ اللہ کا ولی ان مسہریوں پر سے ایسے دو چشموں کو دیکھے گا جو دو باغوں میں جاری ہونگے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوں کی دو دو قسمیں ہوں گی (کہ ایک ہی قسم کے میوے کے دو مزے ہوں گے۔ وہ میوے نہ تو ختم ہوں گے نہ انکی کچھ روک ٹوک ہوگی (جیسا دنیا میں باغ والے توڑنے سے روکتے ہیں۔ وہ لوگ پسندیدہ زندگی میں بہت بلند مقام پر جنت میں ہوں گے۔ ایسے عالی مقام جنت میں ہوں گے جہاں کوئی لغوبات نہ سنیں گے اس میں بہتے ہوئے چشمیں ہوں گے اور اس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوں گے اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے

اور برابر گدے لگے ہوئے ہوں گے اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے (کہ جہاں چاہے بیٹھیں ساری ہی جگہ صدر نشین ہے)۔ وہ لوگ سایوں اور چشموں میں رہتے ہوں گے۔ اس جنت کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (کبھی ختم نہ ہوں گے) اس کا سایہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ یہ تو انجام ہے متقی لوگوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔ وہ کیسی سخت آگ ہوگی (اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے) بیشک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب کسی وقت بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ لوگ اسمیں مایوس پڑے رہیں گے۔ بیشک مجرم لوگ بڑی گمراہی اور (حماقت کے) جنون میں پڑے ہوئے ہیں (ان کو اپنی حماقت اس دن معلوم ہوگی) جس دن منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کی آگ لگنے کا (اس میں جلنے کا) مزہ چکھو۔ وہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے ۔ مجرم آدمی اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، بیوی کو، بھائی کو اور سارے کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام روئے زمین کے آدمیوں کو اپنے فدیہ میں دے دے، پر کسی طرح عذاب سے بچ جائے۔ لیکن یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ وہ آگ ایسی شعلہ والی ہے کہ بدن کی کھال تک اتار دیگی، اور وہ آگ ایسے شخص کو خود بلاوے گی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی، اور (اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے) بے رخی کی ہوگی اور (ناحق) مال جمع کیا ہوگا اور اس کو اٹھا کر حفاظت سے رکھا ہوگا۔ یہ شخص نہایت سخت مشقت میں ہوگا اور نہایت سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے غصہ میں ہوگا اور یہ لوگ اس عذاب سے کبھی نکلنے والے نہیں ہوں گے (غرض اس طرح اس کلام میں اس فقیر نے جنت اور دوزخ کی بہت سی آیات کی طرف اشارہ کیا۔ (پوری آیات مترجم قرآن شریف

سے دیکھی جاسکتی ہیں)۔

وہ ہاشمی رئیس فقیر کا کلام سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور فقیر سے معانقہ کیا اور خوب چلاّ کر رویا، اور اپنے سب اہل مجلس کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ اور فقیر کو ساتھ لے کر صحن میں چلا گیا اور ایک بوریئے پر بیٹھ گیا اور اپنی جوانی پر نوحہ کرتا رہا اپنی حالت پر روتا رہا، اور فقیر اسکو نصیحت کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔اس نے اپنے سب گناہوں سے اول فقیر کے سامنے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ شانہ سے عہد کیا کہ آئندہ کبھی کوئی گناہ نہ کرے گا۔ پھر دوبارہ دن میں سارے مجمع کے سامنے توبہ کی اور مسجد کا کونہ سنبھال کر اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں مشغول ہوگیا اور اپنا وہ سارا ساز و سامان، مال ومتاع سب فروخت کرکے صدقہ کردیا اور تمام نوکروں کو موقوف کردیا۔اور جتنی چیزیں ظلم وستم سے لی تھیں سب اہل حقوق کو واپس کیں۔غلام اور باندیوں میں سے بہت سے آزاد کیئے اور بہت سے فروخت کر کے ان کی قیمت صدقہ کردی، اور موٹا لباس اور جو کی روٹی اختیار کی تمام رات نماز پڑھتا دن کو روزہ رکھتا۔حتی کہ نیک لوگ اور بزرگ اس کے پاس اس کی زیارت کو آنے لگے اور اتنا مجاہدہ اس نے شروع کردیا کہ لوگ اس کو اپنے حال پر رحم کھانے کی اور مشقت میں کمی کرنے کی فرمائش کرتے اور اس کو سمجھاتے کہ حق تعالیٰ شانہ نہایت کریم ہیں اور تھوڑی محنت پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں، مگر وہ کہتا دوستو میرا حال مجھ ہی کو معلوم ہے میں نے اپنے مولیٰ کی دن رات نافرمانیاں کی ہیں۔بڑے سخت سخت گناہ کیئے ہیں، یہ کہہ کر رونے لگتا اور خوب روتا۔اسی حالت میں ننگے پاؤں پیدل حج کو گیا۔ایک موٹا کپڑا بدن پر تھا۔ایک پیالہ اور ایک تھیلا صرف ساتھ تھا۔اسی حالت میں مکہ مکرمہ پہنچا اور حج کے بعد وہیں قیام کرلیا۔وہیں انتقال ہوا۔رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ۔مکہ کے قیام میں رات کو حطیم میں جاکر خوب

روتا اور گڑگڑاتا، اور کہتا کہ میرے مولیٰ میری کتنی خلوتیں ایسی گزر گئیں جن میں میں نے تیرا خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کتنے بڑے بڑے گناہوں سے تیرا مقابلہ کیا۔ میرے مولیٰ میری نیکیاں ساری جاتی رہیں (کہ کچھ بھی نہ کمایا) اور میرے گناہ میرے ساتھ رہ گئے۔ ہلاکت ہے میرے لئے اس دن جس دن تجھ سے ملاقات ہوگی (یعنی مرنے کے بعد) میری ہلاکت پر ہلاکت ہے یعنی بہت زیادہ ہلاکت ہے اس دن جس دن میرے اعمال نامے کھولے جائیں گے، آہ میری رسوائیوں سے بھرے ہوئے ہوں گے، وہ میرے گناہوں سے پُر ہوں گے بلکہ تیری ناراضی سے مجھ پر ہلاکت اتر چکی ہے اور تیرا عتاب مجھ پر ہلاکت ہے جو تیرے ان احسانوں پر ہوگا، جو ہمیشہ تو نے مجھ پر کیے، اور تیری ان نعمتوں پر ہوگا جن کا ہمیشہ میں نے گناہوں سے مقابلہ کیا اور تو میری ساری حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے آقا تیرے سوا میرا کونسا ٹھکانہ ہے جہاں بھاگ کر چلا جاؤں۔ تیرے سوا کون شخص ایسا ہے جس سے التجا کروں۔ تیرے سوا کون ہے جس پر کسی قسم کا بھروسہ کروں۔ میرے آقا میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں کہ تجھ سے جنت کا سوال کروں، البتہ محض تیرے کرم سے، تیری عطا سے، تیرے فضل سے اس کی تمنا کرتا ہوں کہ تو مجھ پر رحم فرمادے اور میرے گناہ معاف کردے۔ **فَاِنَّکَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ۔**

(بحوالہ کتاب التوابین وفضائل صدقات)

حاصل...... مندرجہ بالا واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر سچے دل سے توبہ کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور سنتے ہیں اور ضرور قبول کرتے ہیں، چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور سچے دل سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۸۸

عبرت ناک واقعہ

امام زہری رحمہ اللہ ناقل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ دروازہ پر ایک نوجوان رو رہا ہے جس نے میرا دل جلا دیا ہے۔ فرمایا عمر! اسے اندر لے آؤ۔ وہ نوجوان روتا ہوا حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا یا رسول اللہ میرے گناہوں کا ڈھیر مجھے رلا رہا ہے اور مجھے جبار سے ڈر آتا ہے کہ وہ مجھ پر غضب ناک ہوگا۔ آپ نے فرمایا نوجوان! کیا تو نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ کیا تو نے کسی جان کو ناحق قتل کیا ہے عرض کیا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اگرچہ وہ سات آسمان سات زمینوں اور تمام پہاڑوں کے برابر ہوں۔ نوجوان بولا حضور! میرا گناہ ساتوں آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں سے بھی بڑھا ہوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی کہنے لگا میرا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش، اس نے کہا میرا گناہ بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا تیرا اللہ یعنی اس کی عفو۔ کہنے لگا ہاں البتہ میرا اللہ اور اس کی عفو بہت بڑی ہے پس ارشاد فرمایا کہ گناہ عظیم کو خدائے عظیم ہی معاف فرمائے گا جو بہت ہی عفو و درگزر کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا ذرا اپنا گناہ تو بتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے حیا آتی ہے۔ آپ نے پھر پوچھا تو کہنے لگا میں کفن چور تھا اور سات سال تک

یہی پیشہ کیا۔ ایک دفعہ انصار کی ایک لڑکی فوت ہوئی میں نے اس کی قبر کھودی اور کفن اتار کر چل دیا تھوڑی دور گیا تھا کہ شیطان نے مجھ پر غلبہ پایا اور میں نے لوٹ کر اس سے مجامعت کر لی۔ نکل کر تھوڑی دور گیا تھا کیا دیکھتا ہوں وہ لڑکی کھڑی پکار کر کہہ رہی ہے اے جوان تجھے قیامت کے دن جزا و سزا دینے والے سے حیا نہیں آتی جس وقت وہ اپنی کرسی فیصلہ کے لئے رکھیں گے اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ دلوائیں گے۔ تو مرنے والوں کے مجمع میں مجھے ننگی کر کے چل دیا ہے اور میرے اللہ کے روبرو مجھے بحالت جنابت حاضر ہونے پر مجبور کیا۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھل کر کھڑے ہو گئے اور اس کی گدی میں ایک دھول رسید کی اور فرمایا او فاسق تو تو بس آگ کے لائق ہی ہے، دفع ہو یہاں سے۔ نوجوان وہاں سے نکلا، چالیس راتوں تک اللہ کے حضور توبہ کرتا مارا مارا پھرتا رہا۔ چالیس راتوں کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا، آدم وحوا کے معبود اگر تجھے میری توبہ منظور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی خبر دے دے ورنہ پھر آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور آخرت کے عذاب سے نجات دے دے۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے سلام کہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام پہنچایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ خود سلام ہیں سلام کا مبدا اور منتہیٰ بھی وہی ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے فرمایا مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اسی نے پیدا فرمایا ہے عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ مخلوق کو رزق دیتے ہیں۔ فرمایا بلکہ مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں۔ عرض کیا وہ پوچھتے ہیں کیا بندوں کی توبہ آپ قبول کرتے ہیں فرمایا بلکہ میری بھی اور تمام بندوں کی توبہ وہی قبول فرماتے ہیں۔ پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کی توبہ قبول کر لی ہے آپ بھی اس پر نگاہِ

شفقت فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کو بلا کر اسے توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی۔

حاصل...... فقیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقل مند آدمی کو اس سے سبق لینا چاہئے اور جاننا چاہئے کہ زندہ کے ساتھ زنا کرنا مردہ کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ گناہ ہے اس کی معافی کے لئے حقیقی اور سچی توبہ کرنی چاہئے۔ دیکھئے نوجوان نے جب سچی توبہ پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس حیثیت کا گناہ ہو توبہ بھی اسی درجے کی ہونی چاہئے۔

(بحوالہ تنبیہ الغافلین)

واقعہ نمبر...... ۸۹

نابینا صحابیؓ کے ہاتھوں گستاخ رسول ﷺ کا قتل

حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ! کوئی تم میں سے ہے جو میرے دشمن کو قتل کر ڈالے، دشمن کون ہے؟ دشمن کا نام ابورافع ہے یہ ابورافع چوکوں میں چوراہوں میں گلیوں میں بستیوں میں گویا ہر جگہ نبی ﷺ کو گالیاں دیتا ہے جب حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا کہ اے صحابیو! کوئی تم میں سے ایسا بھی ہے جو ابورافع کو قتل کر کے جنت حاصل کرے، صحابہ موجود تھے ہر صحابی کے دل میں یہ خواہش تھی کہ اس کو قتل کریں گے اسی مسجد (مسجد نبوی) کے کونے میں ایک صحابی بیٹھا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ بن ابی عتیق ہے جو کہ آنکھوں سے نابینا تھے اللہ کے دروازے پر سجدہ میں گر جاتے ہیں ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے اے اللہ میں جنگ بدر، احد اور خیبر میں نہ جاسکا کیونکہ میں نابینا معذور ہوں اس کا مجھے بہت افسوس ہے اے اللہ

رسول اللہ ﷺ کے اس دشمن کو میرے ہاتھوں قتل کرا کے مجھے جنت کا ٹکٹ عطا فرما، اس صحابی کی یہ دعا قبول ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن ابی عتیق مسجد سے باہر آئے اور گھر چلے گئے گھر آ کر ایک خنجر لیا ور اپنی قمیض میں چھپالیا اور ابو رافع کا محل کی تلاش میں نکلا ایک میل باہر اس کے محل کے دروازے پر پہنچ گیا، دروازے پر دربان کھڑا تھا اس سے پوچھا کہ ابو رافع کب آئے گا؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں دربان نے دیکھا کہ یہ آنکھ سے نابینا ہے کوئی سوالی ہوگا ابو رافع سے سوال کرے گا۔اس دربان نے دروازہ کھول دیا چنانچہ عبداللہ بن ابی عتیق اندر تشریف لے آئے اور ایک کونے میں بیٹھ گئے شام ہو چکی تھی اب تک سردار نہیں آیا تھا عبداللہ بن ابی عتیق نے دربار کے کسی شخص سے پوچھا کہ سردار کب آئے گا؟ پتہ چلا کہ رات کو آئے گا، چنانچہ سردار عشاء کے وقت آ گیا عبداللہ بن ابی عتیق نے کسی سے پوچھا سردار کہاں جا رہا ہے؟ پتہ چلا وہ اس وقت شطرنج کھیلے گا اور اس کے بعد آرام کرے گا، ادھر یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن ابی عتیق مکان کے بالا خانے پر چڑھ گیا جہاں سردار شطرنج کھیل رہا تھا۔

چنانچہ ابو رافع یہودی شطرنج کھیلنے کے بعد اپنے بالا خانے میں چلا گیا وہاں جا کر آرام کرنے لگا، یہ صحابی آنکھوں سے نابینا تھے اس کے دروازے پر جا کے بیٹھ گئے کسی نے کہا کہ یہ سوالی ہے شاید یہ مانگنے والا ہے، اس وجہ سے کسی نے کوئی توجہ نہ دی آدھی رات ہو چکی تھی اندھیرا چھا چکا تھا دربار کے سارے لوگ سو چکے تھے، اس صحابی رسول عبداللہ بن ابی عتیق نے اندازہ لگایا سردار کہاں سوتا ہے جس کمرے میں سردار سوتا تھا اس کمرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد جب خراٹوں کی آواز آئی تو اس صحابی رسول نے خنجر قمیض کے نیچے سے نکالا جہاں سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی بسم اللہ پڑھا اور خنجر اس کے سینے میں پیوست کر دیا، ابو رافع یہودی کی ایک چیخ نکلی تو دوسرا وار کیا پھر تیسرا وار کیا خون بہتا ہوا اس کے قریب آ گیا اس نے

سوچا کہ اب یہ مر چکا ہے اس لئے خون بہہ رہا ہے، اس کو قتل کرنے کے بعد عبداللہ بن ابی عتیق بالا خانے سے باہر آیا اور محل کی دیوار کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا دل میں خیال آیا کہ شاید نبی کا دشمن زندہ ہو اور یہ زندہ بچ گیا تو مجھے جنت نہیں ملے گی اب یہ دیوار پر اس نیت کی وجہ سے بیٹھ گئے کہ جب تک محل سے آواز نہ آئے کہ ابورافع قتل ہو چکا ہے اس وقت تک میں نیچے چھلانگ نہیں لگاؤں گا آدھی رات کا وقت ہے ایک آدمی نے تہجد کے وقت اعلان کیا اوئے لوگو! ہمارا سردار ابی رافع قتل ہو چکا ہے۔

جب عبداللہ بن ابی عتیق نے یہ خبر سنی تو اسی وقت چھلانگ لگادی جس وجہ سے انکا پاؤں ٹوٹ گیا تھا لیکن ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ یہ صحابی رسول مدینہ کی طرف چلا آہستہ آہستہ مدینہ میں پہنچ گیا فجر کی اذان کے قریب مسجد نبوی میں پہنچ گیا اور وضو وغیرہ کر کے اسی جگہ بیٹھ گئے، جس جگہ گزشتہ کل اللہ سے دعا مانگی تھی اور اللہ کا شکر ادا کیا اور دو نفل شکرانے کے ادا کیے کہ اللہ نے نبی کے دشمن کو میرے ہاتھوں قتل کرایا صحابی رسول نے نماز جماعت کے ساتھ پڑھی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ مصلے پر بیٹھے ہیں پیغمبر کو کسی نے نہیں بتایا کہ ابورافع یہودی کو قتل کر دیا گیا ہے تھوڑی دیر گزری تھی کہ آسمانوں سے جبرئیل امین پیغمبر پر وحی لے کر آئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی آج رات آپ کا دشمن قتل کر دیا گیا ہے حضور نے پوچھا کس نے قتل کیا؟ بتایا گیا کہ وہ کونے میں جو نابینا صحابی عبداللہ بن ابی عتیق بیٹھے ہیں اس نے دشمن کو قتل کر کے جنت حاصل کر لی ہے، حضور نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگوں عبداللہ بن ابی عتیق پر جنت واجب ہو چکی ہے۔

حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی عتیق کو بلایا جب عبداللہ آگئے تو حضور نے پوچھا اے عبداللہ تو نے قتل کیا ہے فرمایا اے اللہ کے نبی میری دعا قبول ہوئی ہے فرمایا یارسول اللہ میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے حضور نے فرمایا ٹانگ قریب کرو حضور نے اپنا

لعاب نبوت عبداللہ بن ابی عتیق کی ٹانگ پر لگا دیا اور ٹانگ بالکل صحیح ہوگئی عبداللہ بن ابی عتیق کہتے ہیں کہ جب میری ٹانگ پر نبی کا لعاب لگا تو ٹانگ ایسی ہوگئی کہ جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہیں تھی (سبحان اللہ)۔ (بحوالہ تاریخ اسلام)

حاصل...... بیشک جو انسان نیکی کا کام اخلاص سے کرتا ہے تو اللہ کی مدد بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے، جیسا کہ اس واقعہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۹۰

حضرت سہل تستریؒ اور ایک باخدا رئیس زادی

شیخ سعدی نے اپنے مشہور و معروف نثر مجلس پنجگانہ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت سہلؒ طبابت کا پیشہ کرتے تھے جب انہوں نے فقر اختیار کیا تو ایک عرصہ تک ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کو کثرت سے رویائے صالح ہونے لگا اور ایک دو مرتبہ کسی معاملہ میں کشف بھی ہوا حضرت سہلؒ کے دل میں خیال گزرا کہ وہ مرتبۂ ولایت پر فائز ہو گئے ان کا یہ خیال آہستہ آہستہ تکبر کی حد تک پہنچ گیا اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں کا گمراہ ہونا پسند نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت سہلؒ کے دل سے ولایت کا زعم دور کرنے کے لئے ان کو الہام کیا گیا تم خراسان جاؤ وہاں کے ایک رئیس کی بیٹی جنون میں مبتلا ہے اس کا علاج کرو حضرت سہلؒ یہ الہام ہوتے ہی خراسان کے لئے چل پڑے خراسان پہنچ کر انہوں نے لوگوں سے اس رئیس کا پتہ دریافت کیا تو انہوں نے ایک عالیشان محل کی طرف اشارہ کیا حضرت سہلؒ محل کی طرف گئے تو دیکھا کہ وسیع و عریض قصر ہے جس کے سامنے ایک دلکش باغ ہے اور

اس میں کچھ آدمی گلگشت میں مصروف ہیں حضرت سہل نے ان سے کہا کہ میں طبیب ہوں اور اس رئیس کی دیوانی بیٹی کا علاج کرنا چاہتا ہوں اگر تم اس رئیس سے میرا تعارف کرا دو تو تمہارا احسان ہوگا ان میں سے ایک شخص نے غور سے حضرت سہلؒ کی طرف دیکھا اور کہا میاں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے آخر موتؒ کو دعوت دینے میں کیا تک ہے ذرا اس قصر کی دیوار سے اندر جھانک کر تو دیکھو حضرت سہلؒ نے اس دیوار کی پرلی طرف نظر ڈالی تو بیسیوں کٹے ہوئے سر نظر آئے واپس آکر ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے انہوں نے کہا کہ تجھ سے پہلے کئی طبیب آئے انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس لڑکی کا علاج کریں گے رئیس نے اس شرط پر اپنی بیٹی کا علاج کرنے کی اجازت دی کہ اگر علاج کامیاب نہ ہوا تو ان کا سر قلم کر دیا جائے گا چنانچہ یہ کٹے ہوئے سر انہی طبیبوں کے ہیں جو اپنے تمام نسخے آزمانے کے باوجود علاج میں ناکام رہے اگر تم بھی اپنا سر کٹوانا چاہتے ہو تو ہمیں تعارف کرانے میں کوئی عذر نہیں ہے حضرت سہلؒ نے کہا کہ مجھے سب کچھ منظور ہے بس اس رئیس کے پاس مجھے لے چلو۔

چنانچہ وہ لوگ حضرت سہلؒ کو قصر کے اندر لے گئے اور رئیس سے ان کا تعارف کرایا رئیس اس وقت چند آدمیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا اس نے حضرت سہلؒ کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں جب وہ آدمی چلے گئے تو رئیس حضرت سہلؒ سے یوں مخاطب ہوا۔

رئیس، یہاں آنے سے تمہاری کیا غرض ہے؟

حضرت سہلؒ میں نے سنا ہے کہ تمہاری ایک لڑکی ہے جو جنون کے عارضہ میں مبتلا ہے میں اس کے علاج کے لئے آیا ہوں۔

رئیس، پہلے میرے محل کی دیوار کے اندر تو نگاہ ڈالو۔

حضرے سہلؒ، میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔

رئیس ان کا جواب سن کر بہت حیران ہوا اور سمجھا کہ یہ کوئی بڑا بلند پایہ طبیب ہے جو پہلے طبیبوں کا حشر دیکھ کر بھی علاج پر تلا ہوا ہے چنانچہ اس نے زنانہ خانے میں پیغام بھیجا کہ شہزادی کو تیار کریں ایک طبیب اسے دیکھنے آیا ہے تھوڑی دیر کے بعد اندر سے اطلاع آئی کہ لڑکی طبیب سے ملنے کے لئے تیار ہے چنانچہ رئیس نے حضرت کو اپنے ساتھ لیا اور حرم سرا میں داخل ہوا جب دونوں لڑکی کے کمرے تک پہنچے تو لڑکی نے کنیز کو آواز دی۔

میرا نقاب لاؤ تاکہ میں نقاب کرلوں۔''

رئیس کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس سے پہلے کتنے ہی طبیب آئے لیکن لڑکی نے کسی سے پردہ نہیں کیا اس طبیب میں معلوم نہیں کیا بات ہے کہ لڑکی نقاب کی ضرورت محسوس کررہی ہے وہ اپنے خیالات کو ضبط نہ کرسکا اور لڑکی کے سامنے ان کا اظہار کرہی دیا لڑکی نے جواب دیا،

''آنہا مرد نہ بودند، مردانیست کہ اکنوں درآمدہ''

(وہ مرد نہیں تھے مرد یہ ہے جو اب آیا ہے)

رئیس لڑکی کا جواب سن کر سٹپٹا گیا اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا، حضرت سہلؒ لڑکی کے قریب گئے اور سلام علیکم کہا

رئیس زادی'' وعلیکم السلام اے پسر خاص''

حضرت سہلؒ تم نے کیسے سمجھا کہ میں پسر خاص ہوں،

رئیس زادی، جس نے تم کو یہاں بھیجا اس نے مجھ کو بھی متنبہ کردیا ہے تمہیں اللہ نے ایسی نعمت سے نوازا ہے جس سے روح کو تسکین ملتی ہے اسی وجہ سے میں خجالت محسوس کررہی ہوں رئیس یہ گفتگو سنکر عالم تحیر میں کھو گیا اور ساکت وصامت دیکھنے لگا

کہ اب کیا ہوتا ہے ادھر حضرت سہلؒ سمجھ گئے کہ لڑکی کو جنون نہیں بلکہ کوئی اور شئے ہے انہوں نے قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی کہ شاید اسمیں علاج ہو اور لڑکی کو سکون میسر ہو جائے رئیس زادی نے جونہی یہ آیت سنی غش کھا کر گر پڑی تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آئی تو حضرت سہلؒ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا آ کہ تجھے سرزمین اسلام میں لے جاؤں۔

رئیس زادی، سرزمین اسلام میں کیا شئے ہے جو یہاں نہیں ہے؟

حضرت سہلؒ ارض اسلام میں کعبہ معظم ہے۔

رئیس زادی،۔ نادان اگر تو کعبہ کو دیکھے تو اسے پہچان لے گا؟

حضرت سہلؒ۔ ہاں

رئیس زادی۔ میرے سر کے اوپر نگاہ کرو۔

حضرت سہلؒ نے اوپر نظر ڈالی تو ایک عجیب منظر دکھائی دیا ان کی نظر کے سامنے کعبۃ اللہ موجود تھا جو لڑکی کے سر کے گرد طواف کرتا معلوم ہوتا تھا حضرت سہلؒ یہ نظارہ دیکھ کر ششدر رہ گئے اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو رئیس زادی سے پوچھا، تو نے یہ مرتبہ کس طرح حاصل کیا۔

رئیس زادی، نادان تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنے پاؤں کے ساتھ کعبہ جاتا ہے وہ کعبہ کا طواف کرتا اور جو اپنے دل کے ساتھ کعبہ جاتا ہے کعبہ اس کا طواف کرتا ہے اور تجھے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ تو ابھی خدا سے ایک قدم دور ہے اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہارے لئے اس راز کو فاش کر دیتی ہوں جلد بتاؤ جاننا چاہتے ہو یا نہیں؟

حضرت سہلؒ میری جان تم پر قربان جلد کہو ورنہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔

رئیس زادی، من عرف نفسہ فقد عرف ربّہ

(جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

رئیس زادی کا جواب سن کر حضرت سہل تستریؒ کے سارے حجابات دور ہو گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اللہ کے بہت سے ایسے بندے ہیں جوان سے کہیں بلند مرتبہ پر فائز ہیں چنانچہ ان کے دل سے اپنی ولایت اور بڑائی کا خیال یکسر جاتا رہا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ ان کو تنبیہ کر کے گمراہ ہونے سے بچالیا۔ (بحوالہ حکایات صوفیہ)

حاصل ...... بیشک اللہ والوں کی شان ہی نرالی اور انوکھی ہوتی ہے وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کی قدر کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر ۹۱

عبادت الٰہی کا صلہ

بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے جن میں ایک مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور تھے دونوں دریا کے شکاری، کافر بُت کو سجدہ کرتا تھا مگر جب مچھلیوں کے لیے جال دریا میں ڈالتا تو اس قدر مچھلیاں اس میں آجاتی تھیں کہ اس کو کھینچنا مشکل ہو جاتا مگر مسلمان کے جال میں صرف ایک ہی مچھلی آتی تھی اور اسی پر صبر کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتا تھا اتفاقاً ایک روز اس مسلمان کی بیوی اپنے مکان کی چھت پر گئی تو اس کی نظر کافر کی بیوی پر پڑی جو زیور اور بہترین لباس سے آراستہ تھی یہ دیکھ کر اس مسلمان کی بیوی کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ کاش میں بھی ایسی ہی ہوتی تو کافر کی بیوی بولی تو اپنے شوہر کو آمادہ کر لے، وہ بھی میرے شوہر کے معبود یعنی بت کی عبادت کیا کرے تاکہ تو بھی میری طرح مالدار

ہو جائے۔ یہ سن کر مسلمان بھائی کی بیوی کچھ غمزدہ سی ہو کر نیچے آئی اور جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے بیوی کا حال متغیر دیکھ کر دریافت کیا آخر کیا بات ہے جس سے تو اس قدر غمزدہ معلوم ہوتی ہے؟ تو وہ کہنے لگی، بس میاں! یا تو تم مجھے طلاق دے دو یا اپنے بھائی کے معبود کی پرستش اختیار کرو یہ سن کر اس کے شوہر نے کہا کہ خدا کی بندی تو خدا سے نہیں ڈرتی ایمان کی دولت کے بعد یہ کفر کی باتیں کرتی ہے تو عورت بولی! بس مجھ سے اب زیادہ باتیں نہ بناؤ، میں ننگی بوچی نہیں رہ سکتی، جب کہ دوسری عورتوں اور خصوصاً تیرے بھائی کی بیوی کو میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ زیورات اور عمدہ عمدہ لباس سے آراستہ رہتی ہے۔

جب اس مرد مومن نے دیکھا کہ عورت تریاہٹ پر اتر آئی ہے اور اس کا اصرار حد سے بڑھ چکا ہے تو اس نے عورت کو تسلی دی کہا اچھا! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے میں کل سے کاریگروں اور مزدوروں میں جا کر محنت کر کے تجھے روزانہ دو درہم دیتا رہوں گا، تو اس سے اپنی حالت درست کر لینا یہ سن کر عورت کو کچھ تسکین حاصل ہوئی اور سویرے ہی وہ مرد مؤمن مزدوری کی تلاش میں نکلا لیکن کسی نے اس کی بات نہ پوچھی، یہ دیکھ کر وہ دریا کے کنارے پہنچا اور شام تک اللہ کی عبادت میں مصروف رہ کر رات کو جب گھر آیا تو بیوی نے دریافت کیا، آج تم کہاں تھے؟ تو وہ کہنے لگا میں بادشاہ کی خدمت میں تھا اس نے مجھ سے تیس دن کام کرنے کی شرط کی ہے، عورت بولی کہ آخر وہ بادشاہ تم کو کیا دے گا؟

تو اس نے جواب دیا کہ میرا بادشاہ بڑا کریم ہے اور اس کے خزانے مال و دولت سے بھرے ہوئے ہیں وہ مجھے وہ دے گا جو میں چاہوں گا، چنانچہ اسی طرح برابر وہ اپنے معبود برحق کی عبادت میں مصروف رہا اور تیسویں رات ہوئی تو بیوی نے کہا، سنو میاں! اگر کل تم نے مجھے مزدوری لا کر نہیں دی تو تم پر مجھے طلاق دینا لازم ہو

جائے گا۔ یہ سن کر اس کو کسی قدر پریشانی لاحق ہوئی اور تیسویں صبح کو اس نے ایک یہودی سے کہا، کیا تم مجھے مزدوری پر لگا لو گے؟ یہ سن کر یہودی کہنے لگا کہ ہاں! تم کو مزدوری تو مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ میرے پاس تمہارے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ ہوگا، چنانچہ وہ مردمؤمن روزہ کی نیت کر کے یہودی کے ساتھ ہولیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام انتیس اشرفیاں ایک نورانی طباق میں لے کر اس کی بیوی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میں بادشاہ کا قاصد ہوں! اسی نے یہ اشرفیاں لے کر مجھ کو تیرے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تیرا شوہر ہمارے کام میں تھا ہم نے اس کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اسی نے ہم کو چھوڑ دیا اور یہودی کے پاس چلا گیا، اگر وہ ہمارا کام کرتا تو ہم اس کو اور زیادہ اجرت دیتے، بس یہ ایک اشرفی کی کمی اس وجہ سے ہوئی ہے۔

چنانچہ وہ عورت ان میں سے ایک اشرفی لے کر بازار گئی جس پر ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ'' لکھا ہوا تھا، صراف نے ایک ہزار درہم اس کی قیمت عورت کے حوالے کر دی اور جب شام کو وہ مردِ مؤمن گھر واپس آیا تو عورت نے اس سے دریافت کیا آج تم کہاں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ آج میں ایک یہودی کے کام پر گیا ہوا تھا، تو بیوی کہنے لگی کہ آخر بادشاہ کی خدمت ترک کر کے تم دوسرے کی خدمت کیوں کرتے ہو؟ پھر اس کو اشرفیوں کا واقعہ سنایا، جس کو سن کر وہ مرد مومن روتے روتے بے ہوش ہو گیا اور جب اس کو ہوش ہوا تو بیوی سے کہنے لگا، افسوس کہ میں نے بادشاہ دو جہاں کی خدمت کا حق اپنے اوپر لازم نہ کیا! اس کے بعد اس شخص نے عورت کو چھوڑ دیا اور پہاڑوں پر چلا گیا جہاں خدا کی عبادت ہی میں مصروف رہ کر اس کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنا رحم فرمائے، آمین!

حاصل...... سچ ہے! اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے وہ بندے کو اس کی

عبادت کا صلہ ضرور دیتا ہے۔اگر چہ بعض دفعہ کسی حکمت کی بنا پر اس کے یہاں دیر ہو جاتی ہے ،لیکن بہر حال اندھیر پھر بھی نہیں وہ اپنے بندوں کو دیتا ضرور ہے ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر و شکر کے ساتھ رہ کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۹۲

حاجی مانک کے عشقِ رسول ﷺ کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ نے ایک دفعہ اپنے خطاب میں حاجی مانک کا ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

کرونڈی ضلع نواب شاہ تحصیل پڈعیدن سے پندرہ میل دور ایک بستی کا نام ہے۔وہاں مرزائیوں نے چیلنج کیا کہ ہم مسلمانوں سے مناظرہ کریں گے۔مولانا لال حسین اختر وہاں پہنچے۔سندھ کے تمام بڑے علماء چیئرمین وہاں پہنچے۔ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔مولانا لال حسین اختر نے اپنی پہلی ٹرم میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں آج ثابت کروں گا کہ مرزا جھوٹا تھا، کذاب تھا، اس کا دعویٰ بھی جھوٹا تھا، الہام بھی جھوٹے تھے، وحی بھی جھوٹی تھی، پیش گوئیاں بھی جھوٹی تھیں، وہ بھی جھوٹا تھا، اس کی تمام کتابیں جھوٹی تھیں۔

جو مرزائی مقابلہ میں تھا اس کا نام عبدالحق تھا۔اس بد بخت کو اس لعین کو پتہ نہیں کیا خیال آیا۔وہاں پر چونکہ اس کی زمین تھی، بہت سارے اس کے مزارع تھے۔مرزائیوں کی ایک بستی تھی، وہ بندوقوں کے ساتھ آیا تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا میں بھی ثابت کروں گا کہ محمد بھی ایسا تھا۔(نعوذ باللہ)

اس نے کہا میں بھی ثابت کروں گا تمہارا نبی ایسا تھا، شور پڑ گیا۔اس نے جو الفاظ کہے مسلمان جذبات میں کھڑے ہو گئے۔دوسری طرف بندوقیں تھیں، کچھ حالات ایسے تھے، پولیس بھی تھی، بات ٹل گئی، لڑائی نہ ہوئی۔مسلمان بڑے پریشان ہوئے۔مرزائی چلے گئے۔مناظرہ یہاں پر ختم ہوا کہ یہ جملہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔وہ معافی مانگے، یہ اس نے ہمارے سینے پر مونگ دلے ہیں۔ہمیں اس نے چھری سے ذبح کر دیا ہے۔مسلمان بے غیرت نہیں ہیں، یہ جملے اتنے سنگین ہیں کہ ہمیں موت آ جاتی۔یہ جملے ہمیں برداشت نہ کرنے پڑتے۔مسلمان روتے ہوئے گئے، مانک کہتا ہے کہ میں اپنے گھر گیا۔(یہ ہماری) قوم کا شہر تھا۔بلوچوں کی پانچ سو لڑیاں ہیں۔میں بھی بلوچ ہوں۔بلوچوں میں جو سردار ہیں میرے لڑی ان میں ہے۔جھنگ سے حضرت دین پوریؒ حج پر گئے۔واپس آ کر دین پور میں ڈیرہ لگایا۔اصل میں ہم بھی جھنگ کے ہیں۔ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔حضرت دین پوریؒ یہاں کے تھے۔یہاں بلوچ تھے، یہاں سے جا کر دین پور کو آباد کیا۔

(دین پوری)

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں نے یہ بات سنی تو سر پکڑ لیا، میں روتا رہا۔یہ بات ساری بستی میں پھیل گئی کہ عبدالحق نے اتنی گستاخی اور اتنی زبان درازی کی ہے اتنی بے ادبی کی ہے، اتنی بکواس کی ہے، ہر مرد کی زبان پر یہی بات تھی۔حاجی مانک کہتا ہے کہ میں گھر آیا تو میرا گھر بدلہ ہوا تھا۔میری بچیاں رو رہی تھیں، میری بیوی کا رُخ ایک طرف تھا، میں نے پانی مانگا، بیوی نے نہ دیا، میں نے بیوی سے کہا پانی دو، وہ بات ہی نہ کرے۔

اندر سے کنڈی مار کر کہنے لگی، مانک تیری سفید داڑھی اسی سال تو حج کر کے آیا ہے۔گنبد خضراء پر تو روتا تھا، مجھے ساتھ لے گیا تھا۔تو نے اپنے محبوب کریم کے

متعلق یہ جملہ سنا، بے غیرت زندہ واپس آ گیا تو بھی محمد ﷺ کا اُمتی ہے؟ میں تیری بیوی نہیں ہوں، مجھے اجازت دے دے، میں میکے جا رہی ہوں۔ یہ بیٹیاں تیری بیٹیاں نہیں ہیں' میں اس بے غیرت کو اپنا خاوند نہیں بناتی، میری بیٹیاں تجھے ابا نہیں کہیں گی۔ اتنی بڑی تو نے داڑھی رکھی ہے اور مصطفیٰ کے خلاف یہ سن کر تو زندہ لوٹ آیا۔ مر نہیں گیا۔ حاجی مانک کہتا ہے اس جملے نے میرے اندر محمد ﷺ کی محبت کی سپرٹ بھر دی۔ مجھے کرنٹ سا لگا۔

حضور ﷺ کی زندگی کا سارا نقشہ میرے سامنے آ گیا۔ آقا ﷺ کی محبت نے جوش مارا میں پھر بے خود ہو گیا، میں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس مرزائی عبدالحق کی طرف چل پڑا۔ (یہ واقعہ سنا کر آپ کا ایمان تازہ کر رہا ہوں۔ اس کی عمر پچاس برس تھی، چہرہ حسین سرخ' منہ پر نور ٹپکتا ہے' میں کرونڈی کی طرف جب تقریر کے لیے جاتا ہوں، تو وہ صدارت کرتا ہے۔ میں اس کا ماتھا چومتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ بیسیوں دفعہ حضور ﷺ کی زیارت ہو چکی ہے۔ (سبحان اللہ)۔ (حضرت دین پوری)

کلہاڑی ہاتھ میں لے لی اور تو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ پستول، ریوالور وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ یا مصطفیٰ یا گستاخ' آج بھونکنے والا کتا زندہ رہے گا یا محمد ﷺ کا عاشق جان دے دیگا، سیدھا گیا، عبدالحق پھر رہا تھا، اس کو خیال بھی نہ آیا کہ یہ بوڑھا مجھے کچھ کہے گا۔ پچاس سال حاجی مانک کی عمر تھی۔ سفید داڑھی تھی۔ کہتا ہے کہ میں ویسے بوڑھا ہوں، مگر دل جوان تھا۔ خون میرا جوان تھا، رگوں میں جو خون تھا، وہ جوان تھا۔ میں نے عبدالحق کو قریب جا کر کہا او گستاخ او مرزائی کتے! او مرتد! آج تیرا آخری دن ہے تو بچ نہیں جائے گا، تگڑا ہو جا، محمد ﷺ کا عاشق تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھی تو دوڑنے لگا۔ پاؤں میں ڈھیلا اٹکا تو منہ کے بل گرا۔ ڈھیلا نہیں اٹکا تھا، قدرت نے دھکا دیا

۔میں پاس پہنچ گیا۔میں نے کلہاڑی کے وار کرنے شروع کردیئے میں نے اس کو جوتے سے سیدھا کیا۔میں نے اس کے سینے پر کلہاڑیاں ماریں۔میں زور سے وہاں کہتا رہا کہ اس سینے میں نبی کا کینہ ہے، پھر میں نے دماغ پر کلہاڑی ماری، میں نے کہا تیرا دماغ خراب تھا، پھر میں نے زبان کو پکڑ کر کلہاڑی سے کاٹا۔میں نے کہا یہ بھونکتی تھی، پھر میں نے انگلی کو لکڑی پر رکھ کر کاٹا، میں نے کہا جب تو نے گستاخی کی تھی، تو انگلی مدینے کی طرف اٹھائی، میں اس انگلی کو کاٹ دوں گا جو محمد ﷺ کی گستاخی کرے گی۔

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں حیدرآباد جیل گیا، تو حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی آپ ﷺ نے کہا بیٹے گھبرانا نہیں تو پھانسی کے تختے پر چڑھا تو تیری شہادت کی موت ہوگی۔

حاجی مانک کہتے ہیں کہ میں نے اس کو ختم کیا، میرے کپڑے اس کے خون سے خون آلود ہوگئے۔پلید خون سے مرتد کے خون سے نفرت آرہی تھی، بدبو آرہی تھی، میں سیدھا تھانے چلا گیا، قریب تھانہ تھا۔تھانیدار نے مجھے دیکھا کہ سر پر پگڑی نہیں، ہاتھ میں کلہاڑی ہے، کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں، وہ تھانیدار مجھے جانتا تھا، میں شریف آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، میں کبھی کبھی مسجد میں اذان بھی دیتا تھا، تھانیدار نے کہا مانک خیر ہے؟ میں نے کہا کل جس کتے نے، جس مرتد نے، جس لعین نے، جس گستاخ نے گستاخی کی تھی، الحمد اللہ آج وہ زبان خاموش ہو چکی ہے۔اس کے خون کو کتے چاٹ رہے ہیں۔ مجھے ہتھکڑی لگاؤ، مجھے گرفتار کرو۔تھانیدار خود کانپنے لگا، رونے لگا، اپنی ٹوپی اتار کر میرے پاؤں میں ڈال دی، کہنے لگا میں تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں؟

پولیس والے دوڑ دوڑ کر حاجی مانک کے لیے دودھ لا رہے ہیں، رو رہے

ہیں، کہتے ہیں ہم سے وہ کارنامہ نہ ہو سکا، جو ایک بوڑھے نے کر دیا ہے۔ حاجی مانک! ہم تجھے مجرم کہیں یا محمد کا عاشق کہیں، ہم تجھے ہتھکڑی لگا کر کل محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو جائیں؟ میں حکومت کو پٹی اتار کر دے دوں گا، مگر تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گا۔ میں اوپر اطلاع دیتا ہوں، مانک تو میرا مہمان ہے، تو قاتل نہیں تو محمد ﷺ کا عاشق ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک کہتا ہے، انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ سکھر پولیس کو اطلاع دی، وہ بھی آئے، میرے قریب کوئی نہ آیا۔ مجھے کہا کار میں بیٹھ جاؤ، وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، کہنے لگے ہم عورتوں کو پکڑتے ہیں، آج تک ہم نے ڈاکو پکڑے، آج تک ہم نے چور پکڑے ہیں، آج اس کو لے جا رہے ہیں، جس کے دل میں محمد ﷺ کی محبت ہے۔

مانک کہتا ہے کہ میں سکھر جیل میں گیا تو تمام ڈاکو اکٹھے ہو گئے۔ دیکھ کر رونے لگ پڑے۔ کوئی کہنے لگا میں نے ماں کو قتل کیا، دوسرے نے کہا میں نے بہن کو قتل کیا، ایک نے کہا میں نے باپ کو قتل کیا، مانک! تیری قسمت کا کیا کہنا، محمد ﷺ کے دشمن کو قتل کر کے آیا ہے رونے لگے، کہنے لگے جیل تو یہ ہے کہ جس سے خدا بھی راضی ہے، مصطفیٰ بھی راضی ہے (سبحان اللہ) کوئی دودھ لا رہا ہے، کوئی فروٹ لا رہا ہے۔

پتہ چلا تو محمد علی جالندھریؒ وہاں پہنچے۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ وہاں پہنچے۔ قاضی صاحب روتے رہے۔ فرمایا، ہم تیری زیارت کے لیے آئے ہیں۔ میں خود وہاں پہنچا، مولانا وہاں پہنچے، مولانا امروٹی وہاں پہنچے، کراچی سے لاہور تک اس کو لوگ دیکھنے آئے، جس نے اپنے بڑھاپے میں جوانی دکھائی تھی۔

مانک کہتا ہے کہ رات کو میں کوٹھڑی میں سویا۔ مصطفیٰ ﷺ کی مسکراتے ہوئے زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری قربانی کا پیغام پہنچ چکا ہے، مانک نہ

گھبرا، وکیل نہ کرنا، وکالت میں محمد ﷺ خود کروں گا۔

حاجی مانک! تیری غیرت محمد ﷺ کو پسند آ گئی۔ میں نبی تمہیں مبارک باد دیتا ہوں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیری پیشانی میں چوم لوں تو نے ساری زندگی میں جو کارنامہ کیا ہے، فرشتے بھی اس پر رشک کر رہے ہیں مقدمہ ہوا، لندن تک کے وکیل آئے، پورا ربوہ (چناب نگر) جھونک دیا گیا۔ پیسوں کے انبار لگ گئے۔ یہ سارے جمع ہوئے۔ ادھر وکالت محمد نے کی۔ بیانات ہوئے، وکیلوں نے کہا کہ آپ یہ بیان دے دیں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ مانک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے یہ کام کیا ہے، یہ کلہاڑی اب بھی موجود ہے، جو بھی میرے مصطفیٰ ﷺ کی گستاخی کرے گا، اس پر میں یہی کاروائی کروں گا۔

تین سال مقدمہ چلا۔ جج نے جو فیصلہ لکھا ہے، وہ سن لو، جج نے جب حالات سنے' اس نے فیصلہ لکھا کہ محمد ﷺ کا غلام نبی کا عاشق، پیغمبر کا امتی، محمد عربی کا دیوانہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، اپنے نبی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ جب عبدالحق نے نبی کی گستاخی کی، حاجی مانک دیوانہ بن گیا۔ حاجی مانک کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔ حاجی آپے سے باہر ہو گیا، اس نے اس وقت قتل کیا جب اس کی عقل ٹھکانے نہیں تھی، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو، اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہ نبی کا دیوانہ ہے۔ میں دیوانے پر کوئی قانون لاگو نہیں کرتا' اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے (سبحان اللہ) خدا کی قسم مانک زندہ رہا، ان میں پھرتا رہا۔ محمد ﷺ نے اتنی نگاہ ڈال دی ہے کہ آج تک بندوقوں والے اس کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ محمد ﷺ کی ختم نبوت کی غلامی آج بھی حفاظت کر رہی ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک ستر اسی سال کا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے نہا کر آیا ہے۔ یہ سندھ کا واقعہ ہے۔ میں جب بھی اس علاقے میں جاتا ہوں، اس کو بلاتا

ہوں، دیکھتا رہتا ہوں، روتا رہتا ہوں۔ مجھے کہتا ہے دین پوری میری طرف کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے کہا میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں، جنہوں نے محمد ﷺ کو دیکھا ہے۔ (سبحان اللہ)

کرونڈی سے جا کر تصدیق کریں۔ بات غلط ہو تو مجھے منبر سے اتار دینا۔ یہ کرونڈی پڈعیدن سے پندرہ کلو میٹر دور ہے۔ مانک وہاں رہتا ہے اس کو دور سے دیکھ کر آپ سمجھ جائیں گے۔ اس بستی میں کوئی اتنا حسین نہیں،، جس پر محمد ﷺ کی نگاہ پڑ چکی ہے۔ خدا کی قسم یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے خون ٹپکتا ہے۔ ستر سال کی عمر ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے پانی پی کر نکلا ہے۔ (سبحان اللہ) کہتا ہے کہ آٹھ دفعہ جیل میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ ہر آٹھویں دن آپ ﷺ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ تسلی دیتے تھے کہ مانک نہ گھبرانا محمد ﷺ تیری وکالت کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ) (بحوالہ خطبات ختم نبوت حصہ دوم)

حاصل...... زہے نصیب جسے عشق رسالت کی دولت مل گئی اور ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہونا چاہئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اپنے نبی کے لئے جان، مال، وقت ہر چیز قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۹۳

شیطان سے مقابلے کا سبق آموز واقعہ

دیوبند میں مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کے ایک قریبی عزیز و دوست اور ساتھی مولانا نعیم دیوبندیؒ بڑے ہونہار صاحب علم و عمل اور فاضل دار العلوم دیوبند تھے انکی

کم عمر ہی میں صحت خراب ہوگئی تھی اور حالت نازک ہوتی چلی گئی ان کا نزع کے عالم میں کافی دیر تک شیطان لعین سے مناظرہ ہوتا رہا اور وہ اپنی ایمانی قوت کے ذریعے شیطان کے فریب کا جواب دیتے رہے اس عبرتناک اور حیرتناک منظر کا خود حضرت مولانا مفتی شفیعؒ دیوبندی نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اور مرحوم کی وفات کے بعد مولانا مفتی شفیعؒ نے "النعیم المقیم" کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں مولانا محمد نعیمؒ کے حالات تحریر فرمائے ہیں اور اس قصے کی تفصیل لکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں۔

عصر کے قریب بار بار متلی ہونے لگی کہ اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ جس میں نماز ادا کرلیں مجھے بلا کر مسئلہ پوچھا کہ میں اس وقت معذور کے حکم میں داخل ہوں یا نہیں؟ میں نے اطمینان دلایا کہ تم معذور ہو اسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک وہ اسی عالم مشاہدہ میں تھے اور ارادہ کیا کہ متلی سے کچھ سکون ہو تو نماز ادا کروں لیکن اتنی ہی دیر میں دوسرے عالم کا مشاہدہ ہونے لگا، بعد نماز مغرب جب احقر پہنچا تو حاضرین نے بیان کیا کہ کچھ دیر سے حواس میں اختلال ہے، اور ہذیان کی باتیں کررہے ہیں، لیکن جب احقر داخل ہوا تو اچھی طرح پہچان کر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ دو اور دعا پڑھ دو، اور حضرت میاں صاحب (سید و مولانا حضرت مولانا اصغر حسین دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند) سے میرا سلام کہہ دیجئے گا اس کے بعد ہی شیطان رجیم سے مناظرہ ہوا، اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اس کا سلسلہ احقر کی موجودگی میں جاری رہا اس سلسلے میں مجھے خطاب کرکے کہا کہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کررہا ہے۔

اب معلوم ہوا کہ حاضرین جسے ہذیان سمجھ رہے تھے (وہ ہذیان نہیں بلکہ) اس مردود کے ساتھ خطاب تھا، مرحوم کی ہمشیرہ پاس موجود تھی اور دوسرے بہت سے

مرد وعورت جو پاس تھے ان کا بیان ہے کہ مغرب سے کچھ دیر پہلے (جو کہ جمعہ) کے روز بہت سی روایات وآثار کے اعتبار سے قبولیت دعا کی گھڑی ہے، اول مختصر سی وصیت اپنی دودن کی قضا شدہ نمازوں کے متعلق کی اور پھر بہت گڑگڑا کر تضرع وزاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ''اے میرے پروردگار میں بہت بدعمل وسیاہ کار ہوں ساری عمر معاصی وغفلتوں میں گزاری ہے میں تجھے کس طرح منہ دکھاؤں لیکن تیرا ہی ارشاد ہے۔﴿سبقت رحمتی علی غضبی﴾ یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے جاتی ہے اس لئے میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، یہ تضرع وزاری کی دعا اس شان سے ہوئی کہ عالم حاضرین پر رقت طاری تھی دعا کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ باآواز بلند کہا کہ میں تیمّم کروں گا ہمشیرہ نے مٹی کا ڈھیلہ سامنے کردیا، تیمّم کرتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ مردود تجھے بتلاؤں گا کہ تو مجھے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کس طرح کرنا چاہتا ہے میں کبھی مایوس نہیں ہوں گا مجھے اس کی رحمت سے بڑی امیدیں ہیں اس کی رحمت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔

تو ایک موٹی سی کتاب لیکر اس وقت مجھے بہکانے آیا ہے تجھے اس لئے یہ جرأت ہوئی کہ سترہ روز سے مسجد نہیں گیا مگر میری یہ غیر حاضری خدا کے حکم سے تھی۔

اس کے بعد آیت کریمہ ''**لاالٰہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا له من الغم**'' تک پڑھی اور آگے ''**وکذالک ننجی المومنین**'' (باربار) پڑھتے رہے، اور شیطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ مردود تو یہ بھلانا چاہتا ہے اور میں اس کو نہیں بھول سکتا یہ آیت مجھے حضرت میاں صاحبؒ (حضرت مولانا اصغر حسینؒ) نے بتلائی ہے اور مولوی محمد شفیعؒ نے بتلائی ہے اور پھر بار بار یہی جملہ وکذلک ننجی المومنین کو پڑھنا شروع کردیا کمرہ گونج اٹھا (مولانا شفیعؒ

فرماتے ہیں) یہ باتیں میرے پہنچنے سے پہلے ہوچکی تھیں جن کو حاضرین نے اختلال حواس سمجھا تھا، مگر میرے پہنچنے پر مجھے اچھی طرح پہچان کر خوش ہوئے اور دعا کی درخواست اور حضرت میاں کو سلام عرض کرنے کی وصیت وغیرہ سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت بھی اختلال حواس نہ تھا بلکہ عدو اللہ ابلیس لعین کو دیکھ کر اس سے مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ میرے حاضر ہونے کے بعد مجھ سے کہا کہ یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے میں نے ﴿لاحول ولاقوۃ الا باالله العلی العظیم﴾ کی تلقین کی تو بلند آواز سے اس کو پڑھا اور کہا خبیث اب تجھے بتلاؤں گا تو مجھے کیوں بہکانے آیا ہے ﴿لا الہ الا اللہ﴾ میرے دل میں گڑا ہوا ہے اللہ اللہ میری رگ رگ میں بسا ہوا ہے حاضرین میں سے کسی نے لا الہ الا اللہ پڑھا تو اس کو پڑھ کر کہا کہ آگے کیوں نہیں کہتے محمد رسول اللہ (ﷺ)

منہ سے خون کی قے جاری تھی اور جب اس سے فرصت ملتی تو کبھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پورا پورا کلمہ بآواز بلند پڑھتے تھے اور کبھی لاحول ولاقوۃ الا باالله اور کبھی لاالہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین، اور کبھی شیطان سے خطاب کر کے کہتے اس کو مارو اس کو مارو۔

اس وقت اس چھ ماہ کی مدت کے مریض کی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتی لڑنے کو کھڑا ہو جائے گا ایک مرتبہ کہا تو نے سمجھا ہوگا یہ نازک وقت ہے اس وقت بہکا دوں گا اب میرے بدن میں جرأت آگئی ہے اب تجھے بتلاؤں گا اس کے بعد کہا کہ یہ بہت سے آدمی (وہاں سامنے کھڑے ہونے والے صرف دو تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے نظر آرہے تھے،) (غالباً فرشتوں سے خطاب کر کے) کہا کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے یہاں لے چلو۔

بار بار کلمہ طیبہ پڑھتے رہے بلا آخر ساڑھے نو بجے شب کو اس مسافر آخرت

نے اپنی منزل طے کرلی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(از رسالہ النعیم المقیم۔" بحوالہ اللہ سے شرم کیجئے)

حاصل...... بیشک اسے کہتے ہے خاتمہ بالخیر کہ مرتے وقت اپنے اللہ کو یاد کررہے ہیں، اور جب شیطان بہکانے کی کوشش کررہا ہے تو اس سے مقابلہ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی ایمان والی موت نصیب عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۹۴

نشے کے عادی ایک شخص کا دردناک واقعہ

کوئی مجھے اس لعنت سے چھٹکارا دلا دے، خدا دشمن کو بھی اس لعنت سے محفوظ رکھے۔ یہ تو انسانوں کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی۔ ان خیالات کا اظہار چنیسر گوٹھ کے رہنے والے ایک شخص ابراہیم نے کیا جو ہیرون کی لت میں پڑ کر سارا دن اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ ابراہیم کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ اچھا خاصا ویلڈر تھا۔ یہ خوبصورت نوجوان دن بھر محنت کر کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سکون کی زندگی بسر کررہا تھا۔ ابراہیم کے مطابق ہیرون کا چرچا سن کر دوستوں کی ترغیب پر وہ اس کی طرف مائل ہوا لیکن رفتہ رفتہ گھر کا سکون برباد ہوتا گیا، فاقہ کشی کے باعث چند رشتہ داروں نے بچوں کو تو سہارا دیدیا لیکن وہ خود کوڑے اور غلاظت کے ڈھیر پر سارا دن کاغذ وغیرہ جمع کر کے فروخت کرتا ہے لیکن اس آمدنی سے صرف وہ نشہ ہی پورا کرسکتا ہے۔

ابراہیم سے پوچھا گیا کہ تم ایک اچھے کاریگر ہو پھر کیوں گندگی کے ڈھیر پر

گھومتے ہو جس کا جواب دیتے ہوئے ابراہیم نے کہا: ''صاحب! اب اگر میں یہ بھی نہ کروں تو کون مجھے نشے کے لئے چالیس روپے دے گا؟ بیوی بچے تو پہلے ہی میری وجہ سے دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے کوئی مجھے روٹی تو دے دے گا لیکن نشہ کہاں سے کروں گا۔ اگر نہیں کروں گا تو میری حالت غیر ہونے لگتی ہے۔ روٹی چاہے ملے نہ ملے ہیروئن ضرور ملنی چاہئے۔''

اس نے بتایا کہ! ''میں نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن میرے پاس اتنے وسائل نہیں کہ اپنا علاج کراسکوں، حالانکہ ایک دومرتبہ میں نے دوا استعمال کی بھی لیکن مہنگی دوا نہیں خرید سکتا، سرکاری ہسپتال والے تو ویسے ہی ہماری شکل دیکھ کر بھگا دیتے ہیں یعنی وہاں کے چوکیدار ہمیں گیٹ سے اندر بھی نہیں جانے دیتے آخر مجبور ہو کر نشہ کرنا پڑتا ہے۔'' ابراہیم نے کہا کہ! ''ہاں اگر میرے علاج کا بندوبست ہو جائے تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا کہ میری جان کو لگنے والے اس روگ سے نجات مل گئی۔''

چنیسر گوٹھ کے دوسرے لوگوں نے بتایا کہ ابراہیم نہایت محنتی شخص تھا۔ لیکن منشیات نے اس کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے، یہ تو اچھا ہوا کہ اس کے رشتہ دار اس کے بچوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں ورنہ اس زمانے میں کون کسی کی پرواہ کرتا ہے۔ ان ہی لوگوں کے مطابق یہ شخص رات کو گندگی کے ڈھیر پر ہی سو جاتا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ!

سرکاری طور پر ہم جیسے ناکارہ لوگوں کا علاج ہو جائے تو بہت سے بھٹکے ہوئے نوجوان راہ راست پر آسکتے ہیں۔

کاش میں اس دلدل میں نہ پھنستا جس نے آج میرے گھر کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ میری بیوی نہ جانے کس حال میں بچوں کی پرورش کر رہی ہوگی۔ بچے مجھے دیکھ

کر کیا محسوس کرتے ہوں گے کہ یہ کیسا باپ ہے؟ گندہ منہ بال بکھرے ہوئے ، کپڑے بھی صاف نہیں رکھتا اور پتہ نہیں میرے بچے کیا کیا سوچتے ہوں گے وہ معصوم چہرے بھی مجھے دیکھ کر ضرور پریشان ہوجاتے ہوں گے۔'' یہ باتیں کرتے ہوئے ابراہیم کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو جاری تھے اور وہ سامنے میدان میں لگے ہوئے ایک گندگی کے ڈھیر پر ردی کاغذ اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈالنے لگا۔

حاصل...... یقیناً نشہ انسان کے لئے زہرِ قاتل ہے، یہ انسان کو تباہ و برباد کر کے چھوڑتا ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ عبرت دلانے کے لئے کافی ہے کہ آئندہ ہم خود بھی ایسے نشوں سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

واقعہ نمبر...... ۹۵

حضرت تھانویؒ کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت تھانویؒ کے ایک مرید تھے، جن کو آپؒ نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی اور ان کو بیعت اور تلقین کی اجازت دیدی تھی، ایک مرتبہ وہ سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں تشریف لائے، ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا، انہوں نے آکر سلام کیا اور ملاقات کی، اور بچے کو بھی ملوایا کہ حضرت یہ میرا بچہ ہے، اس کے لئے دعا فرمادیجئے۔ حضرت والا نے بچے کے لئے دعا فرمائی، اور پھر ویسے ہی پوچھ لیا کہ: اس بچے کی عمر کیا ہے؟......انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اس کی عمر تیرا (۱۳) سال ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ: آپ نے ریل گاڑی کا سفر کیا ہے تو اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا تھا یا پورا ٹکٹ لیا تھا؟......انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ حضرتؒ

نے فرمایا کہ: آپ نے آدھا ٹکٹ کیسے لیا جب کہ بارہ (۱۲) سال سے زائد عمر کے بچے کا تو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قانون تو یہی ہے کہ بارہ (۱۲) سال کے بعد پورا ٹکٹ لینا چاہئے، اور یہ بچہ اگرچہ ۱۳ سال کا ہے، لیکن دیکھنے میں بارہ سال کا لگتا ہے، اس وجہ سے آدھا ٹکٹ لے لیا۔

حضرتؒ نے فرمایا: ''﴿انا للہ وانا الیہ راجعون.﴾ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف اور طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے، آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس اور ادراک نہیں کہ بچے کو جو سفر آپ نے کرایا، یہ حرام کرایا ہے۔ جب کہ قانون یہ ہے کہ بارہ (۱۲) سال سے زائد عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ریلوے کے آدھے ٹکٹ کے پیسے غصب کر لئے اور آپ نے چوری کر لی۔ اور جو شخص چوری اور غصب کرے ایسا شخص تصوف اور طریقت میں کوئی مقام نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا آج سے آپ کی خلافت اور اجازت بیعت واپس لی جاتی ہے۔

چنانچہ اس بات پر اس کی خلافت سلب فرمالی گئی۔ حالانکہ اپنے اوراد وظائف میں، عبادات اور نوافل میں، اور تہجد اور اشراق میں، ان میں سے ہر چیز میں، بالکل اپنے طریقے پر مکمل تھے، لیکن یہ غلطی کی بچے کا ٹکٹ پورا نہیں لیا، صرف اس غلطی کی بناء پر خلافت سلب فرمالی گئی۔

حضرت والاؒ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب کبھی ریلوے میں سفر کرو، اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لیجانے کی اجازت دی ہے، تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کرو، خود حضرت والاؒ کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے، گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا، آپؒ

اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرایا جاتا تھا اور جا کر لائن میں لگ گئے، اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ وہاں آ گیا اور حضرت والا کو دیکھ کر پہچان لیا، اور پوچھا کہ: حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟...... حضرت نے فرمایا کہ: میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔ گارڈ نے کہا کہ آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا ہوں، آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ: تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟...... گارڈ نے کہا کہ فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ: اس اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟...... گارڈ نے کہا اس اسٹیشن کے بعد دوسرا گارڈ آئے گا، میں اس کو بتا دوں گا کہ یہ حضرتؒ کا سامان ہے، اس کے بارے میں کچھ پوچھ گوچھ مت کرنا۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟...... گارڈ نے کہا: وہ تو اور آگے جائے گا، اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آ جائے گا۔

حضرتؒ نے فرمایا: "میں تو اور آگے جاؤں گا، یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا اور اپنی قبر میں جاؤں گا، وہاں پر کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟...... جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو، تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا؟......"

چنانچہ وہاں پر یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرا رہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے، اور حضرت تھانویؒ کے متعلقین میں سے ہے۔ (بحوالہ اصلاحی خطبات)

حاصل...... حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کر دیں،

لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس نہ آئے، یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

واقعہ نمبر......۹۶

ایک کامیاب نوجوان کا تعجب خیز واقعہ

جعفر بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینار کے ساتھ ایک دفعہ بصرہ میں چل رہا تھا۔ ایک عالیشان محل پر گزر ہوا، جس کی تعمیر جاری تھی اور ایک نوجوان بیٹھا ہوا معماروں کو ہدایات دے رہا تھا کہ یہاں یہ بنے گا، وہاں اس طرح بنے گا۔ مالک بن دینار اس نوجوان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ شخص کیسا حسین نوجوان ہے اور کس چیز میں پھنس رہا ہے۔ اس کو اس تعمیر میں کیسا انہماک ہے۔ میری طبیعت پر یہ تقاضا ہے کہ میں اللہ جل شانہ سے اس نوجوان کے لئے دعا کروں کہ وہ اس کو اس جھگڑے سے چھڑا کر اپنا مخلص بندہ بنالے کیسا اچھا ہوگا اگر یہ جنت کے نوجوانوں میں بن جائے۔ جعفر چل اس نوجوان کے پاس چلیں۔ جعفر کہتے ہیں کہ ہم دونوں اس نوجوان کے پاس گئے۔ اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا (وہ مالک سے واقف تھا) مگر مالک کو پہچانا نہیں۔ تھوڑی دیر میں پہچانا تو کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ کیسے تشریف آوری ہوئی۔ مالک نے فرمایا۔ تم نے اپنے اس مکان پر کس قدر روپیہ لگانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس نے کہا ایک لاکھ درم۔ مالک نے فرمایا کہ اگر تم یہ ایک لاکھ درم مجھے دے دو تو میں تمہارے لئے جنت میں ایک مکان کا ذمہ لیتا ہوں جو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا اور اس میں حشم خدم بہت سے

ہوں گے۔اس میں خیمے اور قبے سرخ یاقوت کے ہوں گے جن پر موتی جڑے ہوئے ہوں گے ۔اس کی مٹی زعفران کی ہوگی ۔اس کا گارا مشک سے بنا ہوگا جس کی خوشبوئیں مہکتی ہوں گی ۔وہ کبھی نہ پرانا ہوگا نہ ٹوٹے گا۔اس کو معمار نہیں بنائیں گے بلکہ حق تعالیٰ شانہ کے امر کن سے تیار ہوگا۔اس نوجوان نے کہا مجھے سوچنے کیلئے آج رات کی مہلت دیجئے۔

کل صبح آپ تشریف لاویں تو میں اس کے متعلق اپنی رائے عرض کروں گا حضرت مالکؒ واپس آئے اور رات بھر اس نوجوان کیلئے فکر و سوچ میں رہے آخر شب میں اس کے لئے بہت عاجزی سے دعا کی ۔جب صبح ہوئی ہم دونوں اس کے مکان پر گئے ۔وہ نوجوان دروازے سے باہر ہی انتظار میں بیٹھا تھا اور جب حضرت مالک کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔حضرت مالک نے فرمایا۔تمہاری کل کی بات میں کیا رائے رہی۔اس نوجوان نے کہا کہ آپ اس چیز کو پورا کریں گے جسکا کل آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔حضرت مالک نے فرمایا ضرور ۔اس نے دراہم کے توڑے سامنے لاکر رکھ دیئے اور دوات قلم لاکر رکھ دیا۔

حضرت مالک نے ایک پرچہ لکھا جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا کہ یہ اقرار نامہ ہے کہ مالک بن دینار نے فلاں شخص سے اس کا ذمہ لیا ہے کہ اس کے اس محل کے بدلے میں حق تعالیٰ شانہ کے یہاں اس کو ایسا ایسا محل جسکی صفت اوپر بیان کی گئی (جو صفات اس مکان کی اوپر گزریں وہ سب لکھنے کے بعد لکھا) ملے گا اس سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر جو عمدہ سایہ میں حق تعالیٰ شانہ کے قریب ہوگا۔یہ پرچہ لکھ کر اس کے حوالے کر دیا اور ایک لاکھ درم اُس سے لے کر چلے آئے ۔جعفر فرماتے ہیں کہ شام کو حضرت مالک کے پاس اس میں سے اتنا بھی باقی نہ تھا کہ ایک وقت کے کھانے ہی کا کام چل سکے ۔اس واقعہ کو چالیس دن بھی نہ گزرے تھے

کہ ایک دن حضرت مالک جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو محراب میں ایک پرچہ پڑا دیکھا۔ یہ وہی پرچہ تھا جو مالک نے اس نوجوان کو لکھ کر دیا تھا اور اس کے پشت پر بغیر روشنائی کے لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے مالک بن دینار کے ذمہ کی برائت ہے۔ جس مکان کا تم نے اس نوجوان سے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے اس کو پورا پورا دے دیا اور اس سے ستر گناہ زیادہ دے دیا۔ حضرت مالک اس پرچہ کو پڑھ کر متحیر سے ہوئے ۔اس کے بعد ہم اس نوجوان کے مکان پر گئے تو وہاں مکان پر سیاہی کا نشان تھا (جو سوگ کی طور پر لگایا ہوگا) اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نوجوان کا گذشتہ کل انتقال ہوگیا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا غسل میت کس نے دیا تھا۔ اس کو بلایا گیا۔ ہم نے اس سے اس کے نہلانے اور دفنانے کی کیفیت پوچھی ۔اس نے کہا اس نوجوان نے مرنے سے پہلے ایک پرچہ دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تو مجھے نہلا کر کفن پہنائے تو یہ پرچہ اس میں رکھ دینا۔ میں نے اس کو نہلایا، کفنایا اور وہ پرچہ اس کے کفن کے اور بدن کے درمیان میں رکھ دیا۔

حضرت مالک نے وہ پرچہ اپنے پاس سے نکال کر اس کو دکھایا۔ وہ کہنے لگا یہ وہی پرچہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے اس کو موت دی، یہ پرچہ میں نے خود اس کے کفن کے اندر رکھا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک دوسرا نوجوان اٹھا اور کہنے لگا کہ مالک! آپ مجھ سے دو لاکھ درم لے لیجئے اور مجھے بھی پرچہ لکھ دیجئے ۔حضرت مالک نے فرمایا کہ وہ بات دور چلی گئی ۔اب نہیں ہوسکتا۔ اللہ جل شانہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۔اس کے بعد جب بھی مالکؒ اس نوجوان کا ذکر کرتے تو رونے لگتے، اور اس کے لئے دعا کرتے تھے۔ (بحوالہ کتاب التوابین)

حاصل...... بیشک دنیا کی عمارتوں میں کچھ نہیں رکھا ہے، یہ سب فنا ہونے والی

ہیں عقلمندی ہے کہ انسان اپنے لئے عمارت اس جگہ (جنت میں) بنائے جہاں تعمیر ہمیشہ رہے گی، اللہ کرے اس واقعہ سے ہمیں بھی سبق حاصل ہو آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۹۷

دادرسی

ایک رات سلطان محمود غزنوی (المتوفی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء) سو رہا تھا کہ یکایک اس کی آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے مگر نیند کوسوں دور نکل چکی تھی، بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا، جب کسی طرح آنکھ نہ لگی، تو خداترس بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہے یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے، اس لئے نیند چٹ گئی ہے، غلام کو حکم دیا "باہر جا کر دیکھو کون ہے" غلام نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا واپس آکر کہا: "جہاں پناہ! کوئی شخص نہیں" محمود نے پھر سوچا کہ سو رہے، مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی، وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی، غلاموں کو دوبارہ کہا "اچھی طرح دیکھ آؤ کون دادخواہ آیا ہے" غلام دوڑے ہوئے گئے، اِدھر اُدھر دیکھا اور واپس آکر بولے: "حضور کوئی نہیں ہے" سلطان کو شبہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصہ میں خود کھڑا ہوا اور تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے باہر آگیا، بہت تلاش کی، مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اس کے دروازے پر آکر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی، قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا منہ زمین سے لگا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آہیں بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا۔

اے کہ از غم ندیدۂ خواری　　　از غم ما کجا خبرداری

خفتہ ماندی چو بختِ ما ہمہ شب　　　　تو چہ دانی ز رنج بیداری

پھر کہنے لگا کہ سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا، سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اگر محمود ولی سو رہا ہے تو حرج نہیں معبودِ ازلی تو جاگ رہا ہے۔

محمود یہ سن کر اس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے، وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین ہے، بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کیوں اور کس غرض سے آیا ہے؟ یہ سن کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا: ''حضور! ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا ہوں، مگر اس کا نام نہیں جانتا، اس نے میری عزت خاک میں ملا دی، آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے اور میری شریک زندگی کی عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر آپ نے اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان، یہ سن کر محمود کو مذہبی اور شاہی حمیّت کے جوش سے پسینہ آ گیا، غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا: بتا، کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟ اس شخص نے جواب دیا ''اب تو بہت رات گذر چکی ہے، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر آئے گا'' سلطان نے کہا: ''اچھا اس وقت تو جاؤ، مگر جس روز جس وقت وہ آئے تو مجھے اطلاع کردو''۔ اس شخص نے سلطان کو دعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم دیا، اور پہرادارں سے کہا کہ: ''دیکھو یہ جس وقت بھی آئے خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں، اس کو فوراً مجھ تک پہنچادو''۔

یہ کہہ کر محمود اندر آیا، اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا، تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازہ پر پہنچا، پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا، سلطان جاگ رہا تھا، تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا چلو، رات کو شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو، یہ سن کر وہ شخص آگے ہولیا اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے

روانہ ہوا، گھر پہنچ کر اس شخص نے وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانہ کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا، سلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا، اس کے بعد سلطان مڑا اور مظلوم صاحب خانہ کو بلا کر فرمایا: ''اب تو محمود سے خوش ہو'' یہ کہہ کر محمود نے مصلّٰی منگوایا اور ایک طرف بچھا کر دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی، پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھا ''گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ'' اس شخص نے جواب دیا: ''ایک چیونٹی سلطان کی کیا خاطر کر سکتی ہے، جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں یہ کہہ کر دستر خوان ڈھونڈ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے آیا اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے، سلطان نے اس رغبت اور شوق سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر میں کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی، کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا، معاف کرنا میں نے تمہیں کھانے کے لئے تکلیف دی، لیکن سنو! بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور اپنا دکھڑا سنایا، اس وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو اس کے شانے سے جدا کر کے تمہارے گھر کو پاک نہ کر دوں گا رزق کو حرام سمجھوں گا، پھر دو رکعت شکرانہ میں پڑھی جس پر تم حیران ہو رہے ہو گے، لیکن سنو! اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی ہوگا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں، میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہ کی اولاد کو ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ عام طور غرور کے نشہ میں مست رہتے ہیں، چنانچہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادہ سے یہاں آیا تھا، جب میں نے صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں، کوئی غیر شخص ہے، اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ (بحوالہ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں)

حاصل...... بیشک بادشاہ ہوں تو ایسے انصاف کرنے والے، اللہ کرے ہمارے حکمرانوں کو بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا ہو آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر...... ۹۸

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک عجیب واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ بالاخانے پر آپ کا گھر تھا، جاکر آرام کرنے کے لئے بستر پر لیٹ گئے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر نیچے دستک دی۔ آپ اندازہ کیجئے جو شخص ساری رات کا جاگا ہوا ہو، اور سارا دن مصروف رہا ہو، اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ ایسے وقت میں کوئی آجائے تو انسان کو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا، لیکن امام صاحب اٹھے۔ زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں، امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ دیکھئے اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کے لئے بیٹھے تھے۔ وہاں آکر تو مسئلہ پوچھا نہیں، اب بے وقت پریشان کرنے کے لئے یہاں آگئے۔ لیکن امام صاحب نے اس کو کچھ نہیں کہا، بلکہ فرمایا کہ اچھا بھائی کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟ اس نے کہا کہ میں کیا بتاؤں۔ جب میں آرہا تھا تو مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے، لیکن اب میں بھول گیا۔ یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اچھا جب یاد آجائے تو پھر پوچھ لینا۔ آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا، بلکہ خاموشی سے اوپر چلے گئے۔ ابھی جاکر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ اٹھ کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ

حضرت وہ مسئلہ مجھے یاد آ گیا تھا۔آپ نے فرمایا کہ پوچھ لو۔اس نے کہا کہ ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدھی سیڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔اب اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت تک اس کے اشتعال کا کیا عالم ہوتا، مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے۔امام صاحب نے فرمایا اچھا بھائی جب یاد آ جائے تو پوچھ لینا، یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے، اور جا کر بستر پر لیٹ گئے۔ابھی لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔آپ پھر نیچے تشریف لائے۔دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔اس نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ یاد آ گیا۔امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخانہ) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟ (العیاذ باللہ۔یہ بھی کوئی مسئلہ ہے)۔

اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا، اور وہ اب تک ضبط بھی کر رہا ہوتا، تو اب اس سوال کے بعد تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا۔لیکن امام صاحب نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ انسان کی نجاست اگر تازہ ہو تو اس میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے اگر سوکھ جائے تو کڑواہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔پھر وہ شخص کہنے لگا کہ کیا آپ نے چکھ کر دیکھا ہے؟ (العیاذ باللہ) حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ ہر چیز کا علم چکھ کر حاصل نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض چیزوں کا علم عقل سے حاصل کیا جاتا ہے، اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھتی اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا۔امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔مجھے معاف کیجئے گا میں نے آپ کو بہت ستایا۔لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا۔امام صاحب نے پوچھا کہ میں نے کیسے ہرا دیا؟ اس شخص نے کہا کہ ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی۔میرا کہنا یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ علماء کے اندر سب سے زیادہ بردبار ہیں، اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے

دوست کا کہنا تھا کہ سب سے زیادہ بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابوحنیفہؒ ہیں اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی۔ اور اب ہم نے جانچنے کے لئے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر میں آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے اور اس طرح آپ کو دو تین مرتبہ اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا بیہودہ سوال کروں، اور یہ دیکھوں کہ آپ غصہ ہوتے ہیں یا کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ اگر غصہ ہوگئے تو میں جیت جاؤں گا اور اگر غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے۔ لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا، اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس روئے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھو کر بھی نہ گزرا ہو۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ (بحوالہ اصلاحی خطبات ج ۸)

❁......❁......❁

واقعہ نمبر......۹۹

حیات شہید کا ایک واقعہ

خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ محمد بطال (بہادر) رومی سے ان کا وہ عجیب واقعہ دریافت کیا جو ان کو بلادِ روم میں پیش آیا تھا تو محمد بطال نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ گردن میں انجیل لٹکائے اور سر پر ٹوپی رکھے ہوئے سر نیچا کیے روم کی چراگاہوں میں چلا جا رہا تھا کہ اتنے میں پیچھے سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی اتنے میں دیکھا تو ایک ہتھیار بند سوار نیزہ ہاتھ میں لیے چلا آ رہا ہے جس نے میرے قریب آ کر مجھے سلام کیا اور میرے جواب کے بعد اس نے مجھ سے معلوم کیا کہ، کیا تم نے بطال کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا بطال تو میں ہی ہوں! یہ سن کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور اس نے مجھ سے معانقہ کیا اور میرے پیر چومنے لگا، میں نے کہا، تم یہ کیا کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں آپ کی خدمت کرنے آیا ہوں! یہ سن کر میں نے اس کو دعا دی اتنے میں کیا دیکھتا

ہوں کہ اچانک چار سوار ہماری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں، یہ دیکھ کر میرے اس ساتھی نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے! میں ان کی طرف پیش قدمی کروں، میں نے کہا بہت اچھا، چنانچہ کچھ دیر کی لڑائی کے بعد ان چار سواروں نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور پھر میری طرف بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہوئے میں نے کہا! اگر تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے ساتھی کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو جاؤں انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔

چنانچہ جب میں مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور انہوں نے میرا مقابلہ کرنا چاہا تو میں نے کہا تم چار ہو اور میں اکیلا! انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تم میں سے ایک ایک میرے مقابلہ میں آتا رہے پس ان میں سے ایک سوار میرے مقابلہ میں آیا جس کو میں نے قتل کر دیا۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے وہ دوسرے آئے ان کو بھی میں نے اسی طرح قتل کر دیا، اب چوتھا باقی رہا اس سے اس شدت سے جنگ ہوئی کہ ہم دونوں کے نیزے بھی ٹوٹ گئے پھر ہم نے گھوڑوں سے اتر کر اپنی اپنی ڈھال اور تلواریں سنبھالیں حتیٰ کہ دونوں کی ڈھالیں ٹوٹ گئیں اور تلواروں کے قبضے تک الگ ہو گئے جس سے وہ بھی زمین پر گر گئیں پھر آپس میں کشتی ہونے لگی یہاں تک کہ شام ہو گئی اور آفتاب غروب ہو گیا اور ہم سے کوئی ایک دوسرے پر قابو نہ پا سکا اس کے بعد میں نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے دین میں جو فرض نماز تھی آج وہ مجھ سے قضاء ہو گئی وہ بولا کہ علی ہذا القیاس میری بھی یہی صورت ہے کیونکہ وہ نصاریٰ کا پادری تھا، میں نے کہا، کیا یہ ممکن ہے کہ تم واپس ہو جاؤ اور ہم اپنی اپنی فوت شدہ نمازیں قضا کر کے رات میں آرام کر لیں اور پھر صبح مقابلہ ہو وہ کہنے لگا، بڑی خوشی سے۔

چنانچہ میں نے اپنی نمازیں ادا کیں اور اللہ کی توحید بیان کی، اس نے بھی جو کچھ اس کو کرنا تھا کیا اور سوتے وقت وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تم عربی النسل ہو تم میں بے وفائی

ہے میرے کانوں میں دو جھانجھ ہیں، ان میں سے ایک کو تم اپنے کان میں لٹکا لو اور اپنا سر اس پر رکھ لو جب تم کوئی حرکت کرو گے تو تمہارا جھانجھ بجے گا اور میں خبر دار ہو جاؤں گا ، میں نے اس کو منظور کر لیا اور اسی طرح ہم نے رات گزار دی، صبح کو علی الصباح توحید الٰہی کے ساتھ میں نے اپنی فرض نماز ادا کی اور اس کے بعد ہم دونوں کشتی لڑے اور میں نے اس کو پچھاڑ لیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر چاہا کہ اس کو ذبح کر دوں مگر اس نے مجھ سے معافی کی درخواست کی اور میں نے اس کو چھوڑ دیا پھر جب دوبارہ ہم کشتی لڑے تو میرا پاؤں پھسل گیا اور اس نے مجھ پر آ کر میرے سینے پر سوار ہو کر مجھے ذبح کرنا چاہا تو میں نے کہا میں تم کو معاف کر چکا ہوں، کیا تم مجھ کو معاف نہیں کرو گے؟ تو میرے اس کہنے پر اس نے بھی مجھے چھوڑ دیا پھر جب تیسری دفعہ ہماری کشتی ہوئی تو میں مضمحل تو ہو ہی چکا تھا اس نے مجھے پھر پچھاڑ لیا اور میرے سینے پر چڑھ کر مجھے ذبح کرنا چاہا تو میں نے کہا کہ، پہلے تو احسان میں، ہم تم دونوں برابر ہو چکے اب تم مجھ پر احسان کر دو، یہ سن کر وہ کہنے لگا اچھا تیری مرضی! پھر چوتھی مرتبہ بھی کشتی میں اس نے مجھے گرا لیا اور کہنے لگا میں نے اب پہچانا کہ تو بطال ہے! بس میں تجھ کو ضرور ذبح کروں گا اور سرزمین روم کو تجھ سے نجات دلاؤں گا میں نے اس سے کہا کہ اگر میرے رب نے چاہا تو، تو مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکے گا یہ سن کر اس نے میرے قتل کے لیے خنجر اٹھایا اور کہنے لگا، تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ اب مجھے روک لے! پس اے امیر المؤمنین اتنے میں میں نے دیکھا کہ میرا وہ مقتول ساتھی کھڑا ہوا اور اس نے تلوار اٹھا کر اس کا سر اڑا دیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی!'' **ولا تحسبن الذین قُتِلوا فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء..الخ**

ترجمہ۔'' اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔''

حاصل...... سچ ہے شہید فی سبیل اللہ کا بڑا درجہ ہے جنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیں اللہ ان کو غیر شعوری زندگی عطا فرماتا ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کا شوق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۱۰۰

عشقِ فانی کا ایک عبرت انگیز واقعہ

ایک شہزادہ اپنی رعایا میں سے ایک غریب لڑکی کے حسن و جمال پر ایسا فریفتہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ کر ہر وقت اس کے ہجر میں آہ وزاری کرتا، بادشاہ کو پتہ لگا تو نہایت رنج ہوا، بایں خیال کہ عالم شہزادگی میں یہ کیفیت ہے تو تخت نشین ہو کر بعالم خودمختاری اللہ جانے کیا کیا ظلم کرے گا؟ چنانچہ وزیر باتدبیر سے اس کی اصلاح کے لیے صلاح ومشورہ کیا کہ شاید پندونصیحت سے شہزادہ راہ راست پر آجائے، وزیر نے بادشاہ کو تسلی دی اور بادشاہ سے چندروز کی مہلت طلب کی، ایک دوروز کے بعد تمام حالات متعلقہ سے واقفیت حاصل کر کے وزیر نے اپنی حکمت عملی اور زور زر سے لڑکی کے تمام کنبے کو اپنی ملازمت محلات میں لے لیا، اور لڑکی کو اپنی بیگم کی کنیز خاص مقرر کیا ،دو چار دن گزرنے کے بعد وزیر نے ایک حکیم سے مشورہ کر کے کنیز لڑکی کے کھانے میں کوئی سخت اسہال آور دوا ملادی، جس کے نتیجہ میں لڑکی کو اس کثرت سے اسہال آئے کہ تمام مادہ اندرونی خارج ہو کر مشت استخوان رہ گئی، حسب ہدایت وزیر اس کا تمام مادہ غلاظت ایک پاٹ میں جمع ہوتا رہا، وزیر نے شہزادے سے نہایت رازدارانہ طریقہ پر بطور ہمدردی کہا کہ میرے ساتھ چل کر اپنی محبوبہ سے ملاقات

کرلیں، شہزادہ اس غیر متوقع کامیابی سے خوش ہوکر وزیر کے محلات میں گیا، وزیر نے بیمار لڑکی کو اس کے سامنے پیش کر دیا، شہزادہ نے رنجیدہ ہوکر کہا کہ آپ میرے ساتھ تمسخر کرتے ہیں جو ایسی مکروہ بدشکل بیمار اور کمزور لڑکی کو میری محبوبہ بتلاتے ہیں، وزیر نے حلفیہ کہا کہ یہ وہی لڑکی ہے، جس کے ہجر میں آپ اس قدر لاغر ہورہے ہیں، شہزادے نے پوچھا تو وہ نہایت حسین وجمیل تھی، اس کا حسن وجمال کہاں گیا؟ وزیر نے غلاظت بھرے پاٹ کی طرف اشارہ کر کے اس کا حسن وجمال اس پاٹ میں بند کر رکھا ہے، شہزادے نے متعجب ہوکر پاٹ کو جو کھولا تو اس کے تعفن سے غشی کی سی حالت طاری ہوگئی، ہوش آنے پر وزیر نے کہا، اس حسن کی اصلیت یہی ہے، جس پر کہ آپ اس قدر فریفتہ تھے، چنانچہ شہزادہ اس تمام واقعہ کی حقیقت سے باخبر ہوکر آئندہ اس قسم کی ناجائز حسن پرستی سے تائب ہوگیا، انسان کو چاہئے کہ ظاہر پر فریفتہ نہ ہو، کیونکہ اس کی اصل سراسر غلاظت کی پوٹ ہے

اسی طرح ایک شہزادہ اپنے محلات کی کنیز پر فریفتہ ہوگئے، شہزادہ کے زیادہ اصرار پر اس عصمت مجسم کنیز نے بظاہر رضامندی کے طور پر دریافت کیا کہ آپ کو میرے حسن میں سے سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ شہزادے نے کہا اگرچہ تم سرتاپا تصویر حسن ہو، لیکن تمام اعضائے جسمانی میں سے مجھے تمہاری آنکھیں سب سے زیادہ پسند ہیں، یہ سنتے ہی لونڈی اندر گئی اور چھری سے دونوں آنکھیں نکال کر ایک طشت میں رکھ کر باادب کنیزانہ شہزادے کو پیش کر دیں، اور آنکھوں جیسی نعمت بیش بہا سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ کر اپنی عصمت کو محفوظ رکھا، شہزادہ پر اس غیر متوقع اور اس قدر جرأت مندانہ اقدام کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ آئندہ کے لئے وہ ایسے گناہ عظیم سے ہمیشہ کیلئے تائب ہوگیا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ　　ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حاصل......واضح رہے کہ جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی یعنی چربی، فاسفورس، سوڈا، نشاستہ، شکر، پانی اور ہڈیوں وغیرہ کو فروخت کیا جائے، تو ان کی مجموعی قیمت روپیہ سوا روپیہ سے زائد نہیں ہوتی، انہی اجزاء کا ظہور ترتیب زندگی اور انتشار موت ہے۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب — موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عشق فانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

واقعہ نمبر......۱۰۱

کوڑھی، گنجے، اور اندھے کا امتحان

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے، ایک کوڑھی دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا، خدا تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا اور ان کے پاس ایک فرشتہ (انسان کی شکل میں) بھیجا، پہلے وہ کوڑھی کے پاس آیا اور پوچھا کہ تجھے کون سی چیز پیاری ہے، اس نے کہا مجھے اچھی رنگت اور خوبصورت کھال مل جائے، اس سے لوگ گھن کرتے ہیں اور اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتے، اس فرشتہ نے اپنا ہاتھ اس کے بدن پر پھیرا تو اسی وقت وہ اچھا ہو گیا اور اچھی کھال اور خوبصورت رنگت نکل آئی پھر پوچھا تجھے کونسے مال سے زیادہ محبت ہے؟ اس نے کہا اونٹ سے۔ پس اس نے ایک گابھن اونٹنی اس کو دیدی اور کہا اللہ اس میں برکت دے۔

اس کے بعد وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور پوچھا تجھ کو کونسی چیز پیاری ہے؟ اس نے کہا میرے بال اچھے نکل آئیں اور یہ بلا مجھ سے جاتی رہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں، فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیر دیا، وہ فوراً اچھا ہو گیا اور اچھے بال

نکل آئے، پھر پوچھا کہ تجھ کو کونسا مال پسند ہے، کہا گائے پس اس کو ایک گابھن گائے دیدی اور کہا اللہ تعالیٰ اس میں برکت بخشے ،اس کے بعد پھر اندھے کے پاس آیا اور پوچھا تجھ کو کیا چیز چاہئے؟ اس اندھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری نگاہ درست کردے کہ سب آدمیوں کو دیکھوں اس نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ اچھا ہوگیا اور پوچھا کہ تجھ کو کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا بکری، پس اس کو ایک گابھن بکری دیدی گئی۔

تینوں کے جانوروں نے بچے دیئے تھوڑے دنوں میں اس کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اسی طرح اس کی گائیوں اور بکریوں سے بھی جنگل بھر گیا، پھر وہ فرشتہ خدا کے حکم سے پہلی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں میرے سفر کا سارا سامان ختم ہوگیا ہے، اور منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی سلسلہ نہیں سوائے خدا کے اور تیرے، میں اس اللہ کے نام سے جس نے تجھ کو اچھی رنگت اور عمدہ کھال عنایت فرمائی، میں تجھ سے ایک اونٹ مانگتا ہوں کہ اس پر سوار ہوکر اپنے گھر پہنچ جاؤں، اس کوڑھی نے کہا، یہاں سے چلا جا مجھے بہت سے حقوق ادا کرنے ہیں تجھے دینے کی اس میں گنجائش نہیں ہے، فرشتہ نے کہا کہ شاید تجھ کو میں جانتا ہوں کیا تو کوڑھی ہی تھا، کہ لوگ تجھ سے گھن ونفرت کرتے تھے اور کیا تو مفلس نہ تھا پھر تجھ کو خدا نے اس قدر مال عنایت فرمایا، اس کوڑھی نے کہا واہ کیا خوب، یہ مال تو میری کئی پشتوں سے باپ دادا کے وقت سے چلا آرہا ہے، فرشتہ نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے جیسا کہ پہلے تھا۔

اس کے بعد دوسرے شخص یعنی گنجے کے پاس آیا اور اسی طرح اس سے بھی سوال کیا، اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا، فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے، جیسا تو پہلے تھا، اس کے بعد پھر اندھے کے پاس گیا اور کہا کہ میں مسافر

ہوں، اور میرے پاس سامان نہیں ہے آج بجز خدا کے اور پھر تیرے کوئی میرا وسیلہ نہیں ہے میں اس کے نام پر جس نے دوبارہ تجھ کو نگاہ بخشی میں تجھ سے ایک بکری مانگتا ہوں کہ اس سے اپنی کاروائی کر کے سفر پورا کروں اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا خدا تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے مجھ کو نگاہ بخشی، جتنا تیرا دل چاہتا ہے لیجا اور جتنا چاہے چھوڑ جا، خدا کی قسم میں کسی چیز سے تجھ کو نہیں روکوں گا، فرشتے نے کہا کہ تو اپنا مال اپنے پاس رکھ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے، فقط تم تینوں کی آزمائش مقصود تھی، سو وہ پوری ہوگئی خدا تجھ سے راضی ہوا اور ان دونوں سے ناراض ہوا۔ (بحوالہ بہشتی زیور حصہ اول)

حاصل...... خیال کرنا چاہئے کہ ان دونوں (کوڑھی، گنجے) کو ناشکری کا کیا نتیجہ ملا کہ ان سے تمام نعمت چھین لی گئی جیسے تھے ویسے ہی ہوگئے، اور خدا ان سے ناراض ہوگیا، دنیا اور آخرت میں دونوں نامراد ہوئے اس اندھے کو شکر خداوندی کی وجہ سے کیا عوض ملا کہ اس کے مال میں مزید اضافہ ہوگیا خدا اس سے راضی ہوا اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہوا۔

آخر میں آیئے ہم سب مل کر دل کی گہرائیوں سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام واقعات سے سبق اور عبرت حاصل کرنے اور نیک اعمال کر کے اپنی آخرت بنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

مراجع ومصادر

حکایات صحابہؓ.......................حضرت مولانا زکریا صاحب

امام ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات..................مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

بوستان......................شیخ شرف الدین المعروف شیخ سعدیؒ

بہشتی زیور......................مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

ندائے منبر ومحراب......................مولانا محمد اسلم شیخوپوری

غلط فہمی......................جناب سید امین گیلانیؒ

تاریخ بغداد......................احمد خطیب بغدادیؒ

اشرف الحکایات......................نصیر حسین نقشبندی غفوری

حدائق الحنفیہ......................فقیر محمد جہلمیؒ

بکھرے موتی......................مولانا محمد یونس پالن پوریؒ

ٹی وی کی تباہی کاریاں (کتابچہ)......................مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

سفر نامہ ابن بطوطہ......................

اصلاحی خطبات......................مولانا مفتی تقی عثمانی

امثال عبرت......................مولانا اشرف علی تھانویؒ

زاد آخرت......................حاجی سرفراز خان پیر پیاوی

کتابوں کی درسگاہ میں......................مولانا ابن الحسن عباسی

فضائل صدقات......................مولانا محمد زکریاؒ

اردو برائے متوسطہ (سوم)......................وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مومنات کا قافلہ اور ان کا کردار..........................مولانا عبداللہ بدران
صحیح اسلامی واقعات..........................حافظ عبدالشکور
الکمال فی الدین للنساء..........................مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ
ترقی..........................مولانا عاشق اللہی بلند شہری
خانہ بگوش..........................مولانا عبدالحقؒ
النعیم المقیم..........................مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
بصیرت افروز واقعات..........................مولانا طارق جمیل صاحب
حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات..........................ابوالحسن اعظمی
مخزنِ اخلاق..........................مولانا رحمت اللہ سبحانی
حکایتوں کا گلدستہ..........................مولانا محمد سعید دہلویؒ
حکایات صوفیہ..........................جناب طالب ہاشمی صاحب
جزینہ..........................مولانا محمد اسلم شیخو پوری
خواتین اسلام کے سبق آموز واقعات..........................مولانا حسین صدیقی صاحب
کرامات اولیاء..........................عبداللہ یافعی یمنیؒ
منتخب حکایات..........................مولانا امداد اللہ انور صاحب
بیس بڑے مسلمان..........................مولانا عبدالرشید ارشد
محسنہ کائنات ماں ہے..........................خواجہ اسلام صاحب
موت کا منظر..........................خواجہ اسلام صاحب
ضرب مؤمن (جنوری 2005ء)..........................کراچی

مؤلف کی چند دیگر کتب